سہ ماہی سنی دعوت اسلامی ممبئی کی تاریخی علمی اور تحقیقی پیشکش

دعوت نمبر

پہلا باب
تفہیم دعوت و تبلیغ

دوسرا باب
اسلوب دعوت و تبلیغ

تیسرا باب
دعوت و تبلیغ میں صوفیاء اور مشائخ کا کردار

چوتھا باب
دعوت و تبلیغ میں علماء کا کردار

پانچواں باب
دعوت و تبلیغ میں خواتین کا حصہ

چھٹا باب
دور جدید میں دعوت و تبلیغ کے امکانات اور اس کے تقاضے

ساتواں باب
روبرو

آٹھواں باب
متفرقات

ایڈیٹر
محمد زبیر مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفیضِ رُوحانی پیرانِ پیر روشن ضمیر شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

سُنّی دعوتِ اسلامی

ممبئی — سہ ماہی

جلد۔۵ | جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء | شمارہ۔۱۷

بانی

عطائے حضور مفتیٔ اعظم ہند حافظ و قاری مولانا محمد شاکر علی نوری

(امیر سُنّی دعوتِ اسلامی)

ایڈیٹر: محمد زبیر مصباحی

معاون ایڈیٹر: مظہر حسین علیمی

فی شمارہ	:	۲۰/روپے
خصوصی شمارہ دعوت نمبر	:	۱۰۰ روپے
سالانہ ممبری فیس	:	۷۰/روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش	:	۱۵۰/روپے
بیرون ممالک	:	۲۵۰/روپے

رسالہ پڑھنے سے پہلے غور کریں کہ آپ کا سالانہ زر تعاون ختم تو نہیں ہوگیا اگر ایسا ہے تو فوراً منی آرڈر کے ذریعہ ممبری فیس روانہ فرما کر ممبر شپ برقرار رکھیں۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ:

سُنّی دعوتِ اسلامی

سید عاشق شاہ بخاری مسجد، فرسٹ فلور، ۱۲۸ رشید امارگ چارنل ڈونگری، ممبئی ۹

SUNNI DAWAT E ISLAMI Quaterly

Sayed Aashique Shah Bukhari Masjid, 1st floor, 128 Shaiyda Marg, Chaar Nal, Dongri, Mumbai : 400 009 Phone : (Off) 022-2343 4366

Editor (Mobile): 9867418164 E mail sdiquarterly@rediffmail.com

پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر اور ایڈیٹر عرفان ابراہیم کلوڑی نے رضا آفسیٹ سے طبع کرا کر آفس سہ ماہی سنی دعوت اسلامی سید عاشق شاہ بخاری مسجد، فرسٹ فلور، ۱۲۸ رشید امارگ چارنل ڈونگری ممبئی سے شائع کیا۔ نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

مشمولات

چھٹا باب: دعوت و تبلیغ میں خواتین کا کردار

ساتواں باب: دورِ جدید میں دعوت و تبلیغ کے امکانات اور اس کے تقاضے

آٹھواں باب: روبرو

نواں باب: متفرقات

دسواں باب: تحریک سنی دعوت اسلامی اور اس کے دعوتی نقوش

پیغام

باسمہ تعالیٰ وبعون المصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروروں درود

محترم قارئین!.................................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسلمان بے مقصد نہیں بامقصد زندگی گزارنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی تخلیق کا ایک اہم مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی بھی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ صحیح معنوں میں اُسی وقت انجام دیا جا سکتا ہے جب مسلمان خود نیک ہو اور برائیوں سے بچتا ہو، آج عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو جن مختلف چیلنجوں کا سامنا ہے اُن سے ہر ذی شعور واقف ہے۔ ایک وہ سنہرا دور تھا کہ مسلمان مٹھی بھر تھے مگر جدھر کا رخ کرتے فتح ونصرت کا جھنڈا نصب کر دیتے۔ آج مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زائد ہے لیکن پھر بھی ہر محاذ اور ہر میدان میں شکست وریخت ان کا مقدر بن چکی ہے۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ کل کے مسلمان اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر حقیقی معنوں میں عامل تھے۔ آج کا مسلمان اسلام پسندی کا دعوے دار تو ہے لیکن اسلام کا پابند نہیں، یہی ہماری ناکامی اور بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابہ نے اپنے دور میں اٹھنے والے ہر فتنے کا جواب اپنے علم وعمل سے دیا جس کی بنا پر دنیا کے بیشتر حصوں میں اسلام کو ایک پاکیزہ اور نجات دہندہ دین کی حیثیت سے متعارف کروایا اور داعیانِ اسلام کی ایسی جماعت تیار فرمائی جن کے کردار وعمل کو دیکھ کر دنیا نے اسلام کو امن وسکون کا مذہب مان کر قلادۂ اسلام اپنے زیبِ گلو کر لیا۔ اُس دور سے آج تک جتنے بھی اسلام پابند نفوسِ قدسیہ تشریف لائے وہ تنہا رہتے ہوئے بھی اسلام کی عطر بیز خوشبوؤں سے انسانوں کی مشامِ جاں کو معطّر کرتے رہے، چاہے وہ غوث اعظم ہوں یا خواجہ اجمیری یا امام احمد رضا اور مفتیِ اعظم ہند رضی اللہ علیہم اجمعین۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان نفوس قدسیہ کے نقوشِ پا کو مشعل راہ بنائیں، اپنے قول وعمل میں یکسانیت پیدا کریں اور دنیا تک دولتِ اسلام اپنے کردار وعمل کے ذریعے پہنچا دیں۔ اگر ہم نے ایسا کر لیا تو ان شاء اللہ دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے گی اور اسلام کا پرچم بلند تر ہوگا۔

سہ ماہی سنّی دعوتِ اسلامی کا دعوت نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے طاقوں اور الماریوں کی زینت نہ بنائیں بلکہ اسے پڑھیں اور اپنے احباب واقارب تک پہنچائیں۔ ہمارے علمائے اہل سنت نے قرآن وحدیث اور اقوال اسلاف کی روشنی میں دعوتی مضامین کا ایک خوبصورت گل دستہ پیش فرمایا ہے اس کی قدر کریں اور اس کے مندرجات سے خوب استفادہ کریں۔ ایک بار پھر میں تمام قارئین بالخصوص مبلغین سنی دعوت اسلامی سے گزارش کرتا ہوں کہ دعوت نمبر کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور بغور اس کا مطالعہ کریں تا کہ دعوت کے اسالیب واصول اور طریقۂ کار سے واقف ہو سکیں۔ اخیر میں ہم اپنے تمام قلم کاروں کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے سنّی دعوتِ اسلامی کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے قلمی تعاون سے نوازا۔ جزاھم اللہ احسن الجزا۔

محمد شاکر علی نوری
(امیرِ سنّی دعوتِ اسلامی)

پیش گفتار

عرسِ رضوی کا پر بہار موسم تھا۔ عاشقانِ رضا امام احمد رضا کی گلیوں کا طواف کر رہے تھے۔ عزیزی محمد سلمان رضا قادری کی ملاقات حضرت ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی سے ہوئی۔ تذکرہ ہوا ''سہ ماہی سنّی دعوتِ اسلامی'' کا تو عزیزی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ کوئی نمبر نکالیے۔ آپ نے عنوان بھی بتایا۔ عزیزم سلمان قادری نے اس کا ذکر مجھ سے کیا۔ میں نے کہا حضرت عزیزی صاحب کا مشورہ لائقِ عمل ہے مگر شخصیاتِ اسلام پر ماضی قریب میں بہت سے نمبرات شائع ہو چکے ہیں۔ کوئی ایسا نمبر نکالا جائے جس پر کام نہ ہوا ہو۔ خیال آیا کہ ''سہ ماہی سنّی دعوتِ اسلامی'' ایک دعوتی تحریک کا آرگن ہے کیوں نہ ''دعوت نمبر'' ہی نکال دیا جائے۔ پھر میں نے عطائے حضور مفتی اعظم ہند حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر علی نوری رضوی امیر سنی دعوت اسلامی سے مشورہ کیا۔ موصوف نے اس مشورے کا خیر مقدم فرمایا اور اپنے ہر تعاون کا یقین دلایا۔ سہ ماہی سنی دعوت اسلامی، شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء ترتیب کے آخری مرحلے میں تھا۔ اپنے دیرینہ رفیق مولانا محمد ضیاء الرحمٰن علیمی (ریسرچ اسکالر، جے، این، یو)، مولانا مجیب الرحمٰن علیگ، مولانا غلام مصطفےٰ قادری وغیرہ سے خاکے تیار کرنے کی درخواست کی۔ ان احباب نے صرف دو، تین روز میں خاکے تیار کر کے ارسال کر دیا۔ جسے معمولی ترمیم کے ساتھ مذکورہ شمارے میں بطور اعلان شائع کر دیا گیا۔ خاکہ علما و قلم کاروں کی نگاہوں سے گزرا تو انہوں نے سراہا اور علمی و قلمی تعاون کا یقین دلایا۔ قلم کار حضرات کو بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک دعوت نامے ارسال کیے گئے۔ پھر فون پر رابطہ کیا گیا۔ جن حضرات سے بھی رابطہ ہوا انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ ہم مضمون بھیجیں گے مگر ہوا وہی جس کا ہمیں خدشہ تھا کہ مسلسل رابطے کے باوجود بھی کئی اہم قلم کاروں نے ہم سے اخیر اخیر میں معذرت کر لی اور اپنی مصروفیات اور تعطیلِ کلاں کا عذر پیش فرمایا۔ ہمیں ان سے کوئی شکوہ نہیں تاہم ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اگر ان حضرات کے مضامین موصول ہو جاتے تو ''دعوت نمبر'' کی قدر و قیمت میں مزید چار چاند لگ جاتے، خیر۔ ہم ان کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ کم از کم زبانی طور پر ہی سہی وعدہ تو کیا اگرچہ وعدے کی تکمیل نہ کر سکے۔ کیوں کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

ہمارے کچھ احباب نے بعض شخصیات اسلام کی دینی اور دعوتی خدمات کو شامل کرنے کا مشورہ بھی دیا ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔ ہم نے آمادگی کا اظہار کیا تاہم ان ڈھیر سارے عناوین پر لکھے تو کون لکھے؟ یہ ایک اہم مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ جو خاکہ مرتب کیا گیا تھا ہمارے بعض قلم کاروں کی عدم توجہی سے کچھ اہم شخصیات کی دینی اور دعوتی خدمات پر مضامین نہ آ سکے۔ اسے قلم کاروں کی نوازش کہئے یا

پھران کی بے توجہی۔ شاید ایسی صورت حال سے دوچار کسی شاعر نے کہا ہے۔

ع جس پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

اب دعوت نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے، ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس میں کمیاں اور خامیاں نہیں ہوں گی اور یہ بھی دعویٰ نہیں کہ یہ اپنی نوعیت کا منفرد نمبر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دعوت کے تعلق سے اچھا خاصا مواد جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہیں اس کا فیصلہ اہل علم اور ہمارے قارئین فرمائیں گے۔

ہر کام میں پریشانیاں دامن گیر تو ہوتی ہی ہیں اور جب کام علمی اور تحقیقی ہو تو دشواریوں کا سدراہ ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لیکن مصائب کے ذکر سے کسی مصیبت کا حل نہیں نکلتا۔ اس لیے مشکلات کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم ان احباب کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ہمیں اپنا مخلصانہ تعاون دیا۔

دعوت نمبر کی ترتیب وتزئین، تہذیب وتصحیح میں محترم محمد زبیر قادری (مدیر افکار رضا ممبئی) مولانا محمد توفیق برکاتی مصباحی، مولانا صادق رضا مصباحی پیلی بھیتی (مقیم حال ممبئی) نے قدم قدم پر ساتھ دیا۔ تصحیح کا مکمل کام مذکورہ تینوں حضرات نے ہی انجام دیا۔ محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے چند مضامین دیکھے اور اپنی صائب رائے سے نوازا۔ مولانا ظفر الدین برکاتی مدیر کنزالایمان نے بھی کئی صفحات کی تصحیح فرمائی۔ ہم ان حضرات کو اس علمی قلمی تعاون کا کوئی صلہ نہیں دے سکتے۔ ہاں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ انہیں اپنی شان کے مطابق اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

جن قلم کاروں نے قلمی تعاون فرمایا ہے، ہم اُن کا بھی خوب خوب شکریہ ادا کرتے ہیں اور بڑی ناسپاسی ہوگی اگر کمپوزنگ کے فرائض انجام دینے والوں کا تذکرہ نہ کریں۔ مولانا محمد یوسف نوری (فاضل جامعہ غوثیہ ممبئی)، عزیزم محمد نجیب اللہ نوری، محمد ارشاد اور محمد ذہیب رضا متعلمین جامعہ غوثیہ ممبئی نے رات دن ایک کر کے کمپوزنگ کا کام کیا۔ میرے کرم فرما مولانا عبیداللہ صاحب جن کی باتیں حوصلہ شکن لمحات میں میرے لیے تسکین کا باعث بنتی ہیں شکریہ کے مستحق ہیں۔ رب قدیر ان سب کے علم وعمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کی ان کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے

ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود

مظہر حسین علیمی

معاون مدیر

ہماری دعوت غیر مؤثر کیوں؟

اداریہ

محمد زبیر مصباحی

آج دنیا تاریخ کے جس موڑ پر کھڑی ہے وہ ایک ایسا لمحہ ہے کہ جب لمحے بھر کی غفلت انسان کو اپنے مطمحِ نظر سے صدیوں دور پھینک سکتی ہے اور ایک لمحے کی محنت اور توجہ انسان کو اپنی اصل منزل سے قریب بھی کر سکتی ہے۔ ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ آج پوری دنیا میں دن بدن ایک نیا انقلاب اور ہر طرف تغیر و تبدل کا عمل جاری ہے۔ عصرِ حاضر میں جس تیزی سے تغیرات برپا ہو رہے ہیں اس کا کوئی تصور آج سے سو سال پہلے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مادیت کے غلبے کے سبب مغربیت کی بادِ سموم نے اسلامی روحانی معاشرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، جس کے نتیجے میں وہ قوم جو قرآنِ مقدس کے نورِ مبین سے ہدایت حاصل کر کے زمین کی پشتوں سے اُٹھ کر عرش کی بلندیوں پر آشیاں بند ہو گئی تھی، جس نے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو انفرادی و اجتماعی بد اخلاقی کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی وادیٔ ایمن تک پہنچانے کا بیڑا اپنے سر اُٹھا لیا تھا، آج وہ بھی اپنا دیرینہ کردار انجام دینے سے قاصر ہو چکی ہے۔ اب وہ خود ایسے ناخدا کی تلاش میں سرگرداں ہے جو اُس کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو ساحل آشنا کر دے۔

اُمتِ مسلمہ کا عروج و زوال: یہ بھی ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ قومِ مسلم جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظامِ حیات کو اپنے دل و دماغ میں بسائے ہوئے فرطِ عقیدت سے اس پر عمل پیرا رہی اور اس کی تنفیذ و ترویج میں مخلصانہ جد و جہد کرتی رہی، ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے والی مخلوق کی رہنمائی کے لیے اپنی بیش بہا قربانیاں پیش کرتی رہی، اُس وقت تک اُس کی شان و شوکت، عزت و سطوت باقی رہی، فتح و نصرت سے ہمکنار رہی۔ جس کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ ساری باطل قومیں اس کے خوف سے لرزہ بر اندام، عاجزی و انکساری کے ساتھ اس کے دامنِ کرم میں پناہ لینے پر مجبور تھی مگر آج وہی قوم نفس و شیطان کے دامِ تزویر میں بری طرح پھنس کر اپنا وقار کھو چکی ہے۔ کارگاہِ حیات میں جس کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی۔

عظمتِ رفتہ کی بازیابی کیسے ہو: بلاشبہ دعوت و تبلیغ جملہ انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم السلام کی سُنّتِ پاک رہی ہے، اُن نفوسِ قدسیہ نے اپنی پوری زندگی اسی کے لیے وقف کر دی تھی۔ بالخصوص نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بے پناہ قربانیاں پیش فرماتے ہوئے اپنی اُمت کو یہ درس دے دیا کہ اسلام کا وہ مضبوط قلعہ جسے خالقِ ارض و سما نے قیامت تک تمام دنیائے انسانیت کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ بنایا، جس کی آغوشِ تربیت میں آ کر انسان شیطان کی چیرہ دستیوں، شب خونوں، ظالموں کی ستم رانیوں اور ذلت و رسوائی کی تمام لعنتوں سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ اسی مضبوط قلعے کی آغوشِ حفاظت میں آ کر اسی کے نظام کو پوری دنیا میں نافذ کرنا ہماری عین ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ جہاں ایک طرف انقلاباتِ زمانہ کی تیز و تند آندھیاں ہمارے ایمان و عقیدے کو یکسر نیست و نابود کرنے میں مصروف ہیں، وہیں دوسری طرف مغربیت کی حیا سوز تہذیب کی یلغار ہمارے اعلیٰ و عمدہ اخلاق و کردار کا جنازہ نکالنے کے لیے پوری طرح آمادۂ پیکار ہے۔

افسوس! ایسے سنگین حالات میں ہم غفلت کیشی اور تساہلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، مال و دولت کی محبت اور دنیوی آسائش کی فکر میں ہمارے شب و روز گزر رہے ہیں، خلوص و للّٰہیت کے بجائے شخصی اور

ذاتی مفادات کے حصول میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف ہو رہی ہیں۔ دل و دماغ، فکر و تخیل اور قول و عمل میں اتحاد و یگانگت نظر نہیں آتی، بلکہ الا ماشاءاللہ ہر جگہ دورنگی پالیسی، قول و عمل میں تضاد نظر آتا ہے۔

زباں نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یقیناً دعوت و تبلیغ کی راہ میں ایسے گھناؤنے اخلاق اور صفاتِ ذمیمہ سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بے پناہ کد و کاوش، جد و جہد اور قربانیوں کے باوجود ہماری دعوت غیر مؤثر ہو کر رہ گئی ہے......اب ہمیں پھر اپنے دِل کو ٹٹول کر اپنے اعمال و کردار کا صحیح جائزہ لینا ہوگا، فکر و تدبر کے غلط استعمال اور تمام معاملات میں افراط و تفریط سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہوگا، اللہ عز و جل نے ہمیں جس مقدس امانت کا امین بنایا ہے ہر لمحہ اس کا خیال و لحاظ رکھنا ہوگا۔

خیر الامم کی اہم ذمّے داری قرآن کی روشنی میں: قرآن مجید و فرقان حمید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُمتِ خیر الانام کو اپنی اصل منزل اور مقام و مرتبے کا احساس بایں طور دلایا: **وکذلک جعلناکم امة وسطا**، اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ باوفا! تم کو تو ہم نے ایک ایسی اُمت بنایا جو افراط و تفریط کے بدنما داغوں سے پاک، راہِ اعتدال پر گامزن ہے، جس کا مکمل نظامِ حیات اس قدر شاندار ہے کہ جہاں عقل کی قلابازیوں کی کوئی گنجائش ہی نہیں، مداہنت فی الدین کے المناک مناظر کہیں دیکھنے میں نہیں آتے۔

اسی کے ساتھ ربِ کائنات نے اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ اب تمہارے کاندھوں پر یہ ذمّے داری ڈال دی گئی ہے کہ تم میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظامِ حیات کی تنفیذ و ترویج کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دو اور اس کے عین مطابق ہر دَور، ہر عصر میں ایسا معاشرہ وجود میں لاؤ جس میں ایسے نفوسِ قدسیہ آباد ہوں جن کے دلوں میں معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع فروزاں ہو، جن کے قلوب و اذہان میں مخلوقِ خداوندی کے لیے خلوص و ہمدردی اور بالخصوص مؤمنین کی خیر خواہی کے حقیقی جذبات موجزن ہوں۔ جو علم و حکمت سے لبریز روشن دماغ اور روشن ضمیر بھی ہوں۔ جن میں مادّی ترقی کم، روحانی ترقی کا جذبۂ بیکراں موجود ہوں، وہ خود سخی و کریم اور خود دار و بے نیاز ہوں۔

داعیانہ زندگی میں یہی وہ عظیم جوہر ہے جس کے ذریعے ہم پوری دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر سکتے ہیں، فکری و اخلاقی بے راہ روی کی تیز و تند آندھیوں کا رخ موڑ سکتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں رُکاوٹیں: دعوت و تبلیغ کے غیر مؤثر ہونے کے اسباب و وجوہات میں سے ایک عظیم سبب ہے اپنوں کی کوتاہی و غفلت۔ بظاہر دیکھنے میں ہماری دینی تنظیمیں کارِ تبلیغ میں سرگرم ہیں۔ مگر حقیقت میں ہماری سرگرمیوں میں وہ جان، وہ روح نہیں، جو دلوں کو بدلنے کی طاقت رکھتی ہوں۔ اکثر مبلغین میں اخلاصِ عمل نہیں، کردار میں وہ پختگی نہیں اور سب سے بڑھ کر دینی معلومات میں از حد کمی، تو بتائیے مبلغ کامیاب کیسے ہوں گے۔ اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

سب سے بڑی کمی یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں ذہنی و فکری تعمیر سے متعلق کوئی کام نہیں ہوتا۔ انسان کے صرف لباس اور ظاہر کی تبدیلی کو دیکھ کر ہم خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔ جب کہ فکر و ذہن کی پختگی نہایت ہی ضروری ہے۔ اسی کمی کے باعث حالات کی گردش کا شکار ہونے پر کارکنانِ تبلیغ اپنے لباس اور معمولات بھی بدل دیتے ہیں۔ جب ایک مبلغ نامساعد حالات کے تحت دین سے دور ہو سکتا ہے تو پھر عام افراد کی بات ہی کیا؟

اس کے برعکس آپ غیروں کی طرف دیکھیں کہ وہ کس طرح کامیاب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک بار کوئی چلّے میں جاتا ہے، تو برسوں کا ایمان و عقیدہ بدل کر آتا ہے اور پھر ساری زندگی اپنے گمراہ کن عقائد کی ترویج و اشاعت میں لگ جاتا ہے۔ اگر وہ بعد میں تنظیم سے علیحدہ بھی ہو جائے مگر اپنا کام جاری رکھتا ہے۔ جو جس سطح کا فرد ہوتا ہے، وہ اس سطح پر کام کرتا رہتا ہے اور مسلسل کوشاں رہتا ہے کہ لوگوں کو اپنی شیطانی دعوت کے ذریعے پھانس کر لے جاؤں اور اپنی

تعداد بڑھاؤں۔

تو ضرورت ہے کہ ہم مبلغین کی عملی تربیت کے ساتھ فکری تربیت پر زیادہ زور دیں۔ مفکرین علما واسکالرز کے بیانات سے اُن کی ذہن سازی کریں اور ہر حال میں تبلیغ دین میں کوشاں رہنے کا جذبہ بیدار کریں۔

ہمارے درمیان دعوت وتبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ بد مذہب فرقے اور جماعتیں ہیں۔ جس بنا پر ہمارا کام دُگنا بڑھ جاتا ہے۔ ایک تو امر بالمعروف کرنا اور دوسرے نہی عن المنکر ۔ یعنی ہمیں اپنے دین کی تبلیغ واشاعت بھی کرنی ہے اور باطل فرقوں سے بچانا بھی ہے۔

دعوت کا صحیح طریقۂ کار اور اوصافِ داعی: موجودہ پُرفتن دور میں روئے زمین پر دینی دعوت کا کام انجام دینے والی واحد جماعت اہلِ سُنّت و جماعت ہی ہے، جس کے عقیدے قرآن وحدیث کی روشنی میں بالکل صحیح و ثابت ہیں، جس کا اسلوبِ دعوت معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے قلبِ انسانی کی اصلاح ہے، جس کے اندر ایسے نفوسِ قدسیہ جلوہ افروز ہیں جنھوں نے اپنے نفسِ امّارہ کو نفسِ مطمئنّہ بنا دیا۔ ہوا و ہوس کے غبار سے آئینۂ دل کو صاف وشفاف کر کے اسے انوارِ ربانی کی جلوہ گاہ بنا لیا۔ انانیت و غرور، تمرد و سرکشی کا دور دور تک کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا جو روشن دماغ اور روشن ضمیر بھی تھے۔ یہی وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حاملین ہیں جنھوں نے خداداد جاذبیت وکشش سے بے شمار بندگانِ خدا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، قرآنِ مقدس کے چشمۂ فیض سے مستفیض ہو کر دنیا کے کونے کونے میں آفتابِ اسلام کی حقیقی و روحانی کرنوں سے علوم و فنون کے دریا بہا دیے۔

اسی جماعت میں صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، شہدائے کرام، اولیا و صالحین، اغواث، اقطاب، ابدال ہیں، جن کی نمائندگی ہر دور میں آنے والے مجدّدِ دین کرتے رہے، یہی وہ حضرات ہیں جن کا طریقۂ دعوت مسحور کن اور انتہائی مؤثر تھا۔ آج ہمیں انہیں ذواتِ قدسیہ کے نقوشِ پا کی اتباع کرتے ہوئے دعوت کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔

بعض داعیوں کی غلط فہمی اور اس کا ازالہ: یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ہر داعی کو فکر و تدبر کی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قرآن مقدس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔مگر اس مقام پر کچھ لوگ اپنی عقل کی قلابازیوں کا دخل دے کر گمراہیت کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے ابن تیمیہ جیسے ماہر علوم وفنون نے قرآنِ مقدس کی آیاتِ متشابہات میں کلام کرتے ہوئے ایک عظیم اجماعی عقیدۂ اسلامیہ کی مخالفت کی۔ آیۂ کریمہ "**ثم استوىٰ علی العرش**" کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رب سبحانہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آج اسی کی اتباع کرتے ہوئے تمام غیر مقلدین اسی گمراہ عقیدے کی دعوت دے رہے ہیں۔

لٰہذا یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ قرآن فہمی کے لیے صرف اپنی فہم وذکاء اور علم ودانش پر بھروسہ نہ کریں، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق و تائید پر کامل اعتماد کرتے ہوئے قدم قدم پر اس کی رہنمائی و دستگیری کے لیے بصد عجز و نیاز التجا کرتے رہیں۔ کیوں کہ خواہشاتِ نفسانیہ اور نفس کی پیدا کردہ مصلحتیں، غلطی اور جہالت سے دل و دماغ پر قابض نظریات و اعتقادات، ماحول کی مجبوریاں اور گناہوں کی نحوستیں بسا اوقات قرآن فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔

داعی کو چاہیے کہ ان تمام رکاوٹوں کو دور کرتا صراطِ مستقیم پر گامزن ہو۔ داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت ومحبت کے ساتھ آپ کی سیرتِ طیبہ کے تمام پہلوؤں پر عمل پیرا رہے۔ اپنے ذاتی مفاد کا شائبہ بھی ذہن میں نہ آنے پائے اور دعوت کی راہ میں انتہائی مخلص ہو۔

داعیانِ حق کے درمیان موجودہ کشمکش اور اس کا سدّ باب: سوا چودہ

سوسال سے جو جماعت ایک منظّم تحریک کی شکل میں امامتِ عالم کے منصبِ عظیم پر فائز تھی، جو عالمی انقلاب کی علم بردار تھی، جس نے ہمارے صنم کدۂ تصورات کے لات وہبل کو ریزہ ریزہ کر دیا، جس نے ہمارے مردہ دلوں میں معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پھونکی تھی، آج وہ بے شمار و بے بنیاد مسائل میں اُلجھ کر رہ گئی ہے، جس بنیاد پر ہماری دعوتی تاثیر مفقود ہوگئی۔ اس موقع کو غنیمت جان کر باطل جماعتیں اور مغربی طاقتیں اپنے فاسد اعتقادات اور ملحدانہ تہذیب کے ساتھ غالب آتی جارہی ہیں۔ اگر انفرادی حیثیت سے جماعت پر نظر ڈالی جائے تو اس میں ایک سے بڑھ کر ایک لعل و گہر اپنے تقویٰ وطہارت، علم و فن، تبلیغی جدوجہد میں نمایاں نظر آتا ہے، مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قوم کو مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اور داعیانہ زندگی میں کامیاب اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کے تمام افراد حق کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں۔ ان کا ہر ہر قدم رضائے الٰہی و رضائے رسول میں اُٹھے، آپس میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد و منظّم ہوں اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ اس قدر موجزن ہو کہ ان کا ایک فرد بھی اگر جادۂ حق سے برگشتہ ہوجائے تو دوسرے تمام افراد مل کر انتہائی نرم خوئی اور کمال شفقت کے ساتھ اس کی اصلاح اور اس کو اپنا بنانے کی کوشش کریں۔ یہ نہیں کہ اس کی تذلیل و تنقیص کی راہ اختیار کریں، اگر یہ صورت اختیار کی گئی تو پھر جماعت میں انتشار در انتشار کے سبب اصل دینی دعوت کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے۔

تاریخ کا وہ منظر بھی اپنے سامنے رکھیں کہ ہم حقیقی دعوت کو پیش کرتے ہوئے تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کے امام اور قائد بنے رہے اور ہم اپنی دعوت میں اتنے مخلص تھے کہ فکر و تدبر کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مختصر سے عرصے میں اسپین کے مرغ زاروں سے لے کر چین کے ساحل تک علمِ اسلام کو بلند کیا تھا۔

پھر زمانے نے ایسی کروٹ بدلی کہ آج ہم کثرتِ تعداد کے باوجود، اسباب ووسائل کی فراوانی کے باوجود امامتِ عالم کے منصبِ عظیم سے دست بردار ہوگئے ہیں۔

اہلِ سُنّت کے لیے لمحۂ فکریہ: اس وقت ہمارے لیے ایک عظیم لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ سوچیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ آج ہمارا مقابلہ تمام باطل تحریکوں اور تنظیموں سے ہے۔ ہم دنیا کی امامت اور ساری دنیا میں ایک عظیم روحانی انقلاب لانے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کتنا بڑا چیلنج ہمارے سامنے درپیش ہے۔

مَیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ مستقبل آپ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے لیکن مستقبل کی حیثیت 'من وسلویٰ' کی نہیں ہے کہ وہ خود بخود آپ کی گود میں آ کر گرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی فرد، کسی قوم اور کسی تہذیب کے لیے کوئی ایسا نوشتۂ تقدیر نہیں کیا ہے کہ جو اس کو خود بخود حاصل ہوجائے، مستقبل اسی کا ہے جو اس کے لیے جد و جہد کرے۔ اس کے لیے تساہلی وغفلت کیشی سے اجتناب کرتے ہوئے خود محنت اور بھرپور کوشش کرے۔ رب تبارک وتعالیٰ کا یہی فرمان بھی ہے: ''**فان لیس للانسان الا ما سعی و ان سعیه سوف یری** ......اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے کوشش کی ہے اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ گویا انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ جدوجہد کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے گردشِ لیل ونہار، حال کے لمحات کو ماضی اور مستقبل کو حال بناتی چلے جائے گی، اس جدوجہد کے نتائج وثمرات سامنے آتے چلے جائیں گے۔ مگر یاد رکھیں سوائے اپنے کیے اور کمائی کے کوئی چیز سامنے نہیں آئے گی۔

خوابِ غفلت سے اب تو بیدار ہوجائیں اور اپنی آنے والی نسلوں کے روشن مستقبل کے لیے اپنی دعوت کو مؤثر بنانے کی فکر اور اس کے لیے بھرپور کوشش کریں۔

☆☆☆

باب اول

دینِ اسلام کا تعارف

اس باب میں چار تحریریں شامل ہیں جن میں مذہبِ اسلام کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ محققِ مسائلِ جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی کی دونوں تحریریں اس باب کی جان ہیں۔ انہوں نے مختصر مگر جامع انداز میں اسلام کا تعارف پیش فرمایا ہے یہ عنوان ایسا ہے کہ اس پر ایک ضخیم کتاب مرتّب ہو سکتی ہے۔ حضرت موصوف نے اپنے مقالے میں اس موضوع کی بنیاد کھڑی کر دی ہے اب قلم کار حضرات کی ذمہ داری ہے کہ اس پر اسلام کی تعارفی عمارت قائم کریں۔ بقیہ دو تحریریں بھی دینِ اسلام کے خاکے میں تعارف کا رنگ بھرتی ہیں۔

دین حق کی بے بہا تعلیمات

(جن کی تبلیغ و دعوت ہر مسلمان کا ملّی فریضہ ہے)

مفتی محمد نظام الدین رضوی ★

دعوت دین کی ضرورت ہر دور میں رہی اور آج کے دور میں اس کی ضرورت دوسرے ادوار سے زیادہ ہے کیوں کہ دینِ حق کی تعلیمات و ہدایات سے ہم غیر مسلم طبقے کو قطعی روشناس نہیں کرا سکے بلکہ خود اس دین کے ماننے والے عوام تک بھی ہم اس پیغام کو عام نہیں کر سکے جس کے باعث غیر تو غیر بہت سے اپنوں میں بھی بدگمانیاں اور شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ اس کے ازالے کا واحد راستہ دعوتِ دین ہے مگر دعوت سے پہلے ہمیں یہ دین سمجھ لینا چاہیے۔

اللہ کا پسندیدہ دین: دین حق جسے اللہ عزوجل نے انسانوں کی صلاح و فلاح کے لیے پسند فرمایا صرف اسلام ہے۔ وہ خود فرماتا ہے "ان الدین عنداللہ الاسلام" بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ (۱۹/آل عمران،۳) نیز ارشادِ باری ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ط (اے محبوب) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (۳/المائدہ۔۵)

یہ آیت کریمہ عرفات کے مقام میں حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے دن نازل ہوئی یعنی اس دن دو عیدیں جمع تھیں جمعہ و عرفہ۔

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما الصلوۃ والسلام نے اپنی اولاد کو اسی دین پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

ووصّٰی بها ابراهیم بنیه ویعقوب ط **یبنی ان الله اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون** ط اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لیے چن لیا تو نہ مرنا مگر مسلمان۔

(۱۳۲/البقرہ۔۲)

جب یہ دین اللہ تبارک وتعالیٰ کا پسندیدہ اور چنا ہوا ہے تو بندہ یقیناً اسی دین پر چل کر اپنے رب کا قرب حاصل کر سکتا ہے اس لیے تبلیغ اسی دین کی ہونی چاہیے۔

سورۂ نحل کی اس آیت کریمہ میں اسی کا حکم دیا گیا ہے:

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت سے (۱۲۵/النحل۔۱۶)

"رب کی راہ" صراطِ مستقیم ہے "سیدھا راستہ" جو بندے کو رب تک پہنچائے اور اسی کا نام اسلام ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (صراطِ مستقیم کو سمجھانے کے لیے) ایک سیدھا خط کھینچا، پھر فرمایا کہ "یہ اللہ کا راستہ ہے" اس کے بعد اس کے دائیں اور بائیں کچھ اور خطوط کھینچے اور فرمایا کہ ان راستوں میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے تا کہ گمراہ کر دے، پھر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد تلاوت کیا:

ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله بے شک یہ سیدھا راستہ میرا راستہ ہے اسی کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو، ورنہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔

اسلام کی تعلیمات: اسلام آفاقی مذہب ہے اس لیے اس کی تعلیمات بھی آفاقی ہیں جن سے کچھ بھی انحراف فی الواقع صراط مستقیم سے انحراف ہے۔

ایک خدا کی پرستش کی جائے: اسلام کی اوّلین اور بنیادی تعلیم ہے "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ عرف عام میں اِسے اسلام کا پہلا کلمہ کہا جاتا ہے۔ اس میں ایک اللہ کی عبادت کا اقرار اور شرک کا انکار ہے۔ تمام انبیائے

کرام ورُسلِ عظام علیہم الصلوۃ والتسلیم نے اپنی اپنی امتوں کو اسی کی دعوت دی۔چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وما ارسلناک من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون o اے محبوب! آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجے انہیں یہی وحی فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے تم لوگ میری ہی عبادت کرو۔

سورۂ آل عمران میں ہے: **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم نزل علیک الکتاب بالحق** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ حی وقیوم ہے، اے محبوب اسی نے آپ پر کتاب کو حق کے ساتھ بھیجا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سب کا خالق ومالک اور رازق ہے۔ **لیس کمثلہ شئی** اس کے جیسی کوئی چیز نہیں۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اسی کی حمد ان الفاظ میں کی۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کا تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا، تجھے حمد ہے خدایا

رسول کی تعظیم وتوقیر فرض ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: **انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیر التومنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا** o اے محبوب! بے شک ہم نے آپ کو شاہد (حاضر وناظر) اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔ (آیت ۸،۹ سورۃ الفتح)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ رسول کے بھیجنے کا مقصد بیان فرماتا ہے کہ

۱۔لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔
۲۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کریں۔
۳۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کریں۔

اس ترتیب میں بڑی گہری مناسبت ہے، ایمان نہ ہو تو تعظیم کارآمد نہیں اور تعظیمِ رسول نہ ہو تو عبادت کا کوئی حاصل نہیں یعنی عبادت کے لیے تعظیمِ رسول اور تعظیمِ رسول کے لیے ایمان ضروری ہے۔

عاشقِ رسول اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عرض کرتے ہیں

مولیٰ علی نے واری تیری نیند پہ نماز
وہ بھی نماز عصر جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں ان پہ دے چکے
اور حفظِ جان، تو جان فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

عدل واحسان کی ہدایت: قرآن حکیم سورۂ نحل میں ہے: **ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر** بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا اور قرابت داروں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کا اور بے حیائی اور منکر سے روکتا ہے۔

عدل سے نظام عالم قائم ودائم رہتا ہے، فتنے نہیں اٹھتے اور دہشت گردی جنم نہیں لیتی اور احسان سے قلوب مسخر ہوتے اور باہم محبت وعقیدت کی فضا استوار ہوتی ہے، رشتے داروں کے ساتھ فیاضانہ سلوک قرابت داری کی جڑوں کو نہ صرف مضبوط بناتا ہے بلکہ شجرۂ محبت کو سدا بہار بنا دیتا ہے۔اور بے حیائی اور بری باتوں سے اجتناب سے زمین پر رحمت کے پودے اُگتے اور نشوونما پاتے ہیں جب کہ بے حیائی اور بری باتوں کے ارتکاب سے زمین مرکزِ فساد بن جاتی ہے۔

حسن سلوک کے خصوصی حق داروں کے متعلق احکام: قرآن حکیم سورۂ نساء میں ہے: **وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم** اور احسان کرو ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریب کے پڑوسیوں اور دور کے ہم سایوں اور رفاقت میں رہنے والے شخص اور مسافر اور لونڈی وغلام کے ساتھ (سورہ نساء، آیت ۳۵)

اسلام نے یوں تو ساری کائناتِ عالم کے ساتھ عدل و احسان کا حکم دیا ہے جیسا کہ سورۂ نحل کی مذکورہ آیت میں ہے اور اس آیت میں احسان کے خصوصی حق داروں کا ذکر ہے کیوں کہ ان میں کچھ خصوصیت بھی پائی جاتی ہے مثلاً ماں باپ کی ہستی عام انسانی

رشتوں میں سب سے زیادہ عظیم ہے اور ان کا احسان بھی اولاد پر سب سے زیادہ ہے اس لیے قرآن حکیم نے احسان کے حق داروں میں انہیں جو اولیت عطا فرمائی ہے وہ اس کے بجا طور پر حق دار ہیں۔ قرابت دار میں قرابت کی خصوصیت پائی جاتی ہے، یتیم کے سر سے اس کے مشفق و مہربان باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے۔ مسکین مال سے محروم ہے۔ پڑوسی میں پڑوس کی خصوصیت ہے۔

بدگمانی، عیب جوئی اور غیبت سے بچنے کی ہدایت: ارشاد باری ہے:
اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا بہت گمان سے بچو کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کا عیب تلاش نہ کرو اور نہ کسی کی غیبت کرو۔

نہ کسی کا مذاق اڑاؤ، نہ کسی کا نام بگاڑو: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: **یا ایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا با لالقاب ط** ”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے عجب نہیں کہ وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔ (۱۱/الحجرات ۴۹)

عزت و بزرگی کی بنیاد تقویٰ پر ہے: **یا ایھا النا س انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وّقبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عندا للہ اتقکم** اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوّا) سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت و بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (۱۳/الحجرات ۴۹)

اس لیے انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی برادری اور قبیلے کے نام پر فخر کرے کہ عزت و کرامت کی بنیاد برادری یا قبیلہ نہیں بلکہ تقویٰ شعاری ہے۔

ایک دوسرے کا تعاون کہاں کریں اور کہاں نہ کریں: ارشاد باری ہے: **تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علیٰ الاثم والعدوان** ۔ نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ سرکشی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (۲/المائدہ۔۵)

یہ ایک ایسا جامع دستور معاشرت ہے کہ اگر اقوام عالم اس کو اختیار کر لیں تو دنیا سے سارے فتنے و فساد کا خاتمہ ہو جائے۔

ایفائے عہد کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے:
یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود.
اے ایمان والو! اپنے وعدے پورے کرو۔ (۱/المائدہ۔۵)

اسلام نے ایفائے عہد پر بڑا زور دیا ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ آج ساری دنیا میں ہر ملک کے باشندے ایک دستور کے پابند عہد ہیں پھر مختلف ممالک کے باشندوں کے درمیان بھی بین الاقوامی سطح پر کچھ قرارداد اور معاہدے ہیں، کثیر ممالک انجمن اقوام متحدہ کی قراردادوں کو تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سب اپنے عہد پر قائم رہیں اور اپنی قرارداد کا اہتمام کریں تو دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔

دشمن قوم کے ساتھ انصاف کی تاکید: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: **یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا ط اعدلوا قف ھو اقرب للتقویٰ ز واتقوا اللہ** ط اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب جم جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ (۸/المائدہ۔۵)

ان آیات میں انصاف پر خوب قائم ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ قرابت یا عداوت کا اثر تمھیں عدل سے نہ ہٹا سکے۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام نے نظام عدل قائم کرنے کے تعلق سے کسی تعصب کی گنجائش نہیں رکھی ہے اور دین کے معاملے میں وہ یہی اعلان کرتا ہے ”**لا اکراہ فی الدین**“ دین میں کوئی جبر و دباؤ نہیں، ”**لکم دینکم ولی دین**“ تمہارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

قتل ناحق بڑا ہی ہولناک جرم ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ط ومن احیاھا فکانما احیاالناس جمیعا ط** جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک جان کو جلا یا اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا۔ (۳۲/المائدہ،۵)

اس آیت کریمہ میں دو باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے:
ایک یہ کہ کسی انسان کا قتلِ ناحق گویا تمام انسانوں کا قتل ہے کیوں کہ قتلِ ناحق دراصل انسان کا نہیں انسانیت کا قتل ہے۔
دوسری بات یہ کہ جس نے کسی انسان کو قتل ہونے یا ڈوبنے یا جلنے وغیرہ سے بچالیا اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا۔
اسلام نے قتل ناحق کی جو ہولناکی بیان کی ہے اس کو محسوس کر لینے کے بعد کوئی صاحبِ دل انسان کسی پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا اور جان بچانے کی جو اہمیت بیان کی ہے اس کو محسوس کر لینے کے بعد ہر صاحب فہم و دانش انسانی جان کی حفاظت کے لیے ہر ممکن سعی کرے گا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم: صحابیِ رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان ۔ تم میں سے جو کوئی قابل انکار کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روک دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔(صحیح مسلم شریف ص ۵۱ ج۱)

قابلِ انکار کام کو ہاتھ سے مٹانے کا حکم حُکّام اور فرماں رواؤں کے لیے ہے اور زبان سے منع کرنے کا حکم علما اور ارباب حل وعقد کے لیے ہے اور عوام الناس کو حکم ہے کہ دل سے برا جانیں۔
اگر ہمارے حُکام، علما، عوام اس پر عمل پیرا ہوجائیں تو مجرمانہ حرکات کا سدّ باب آسانی سے ہوسکتا ہے مگر عموماً ہم اپنے اس فرض منصبی کو ادا کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

دین خیر خواہی ہے: صحابیِ رسول حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الدین النصیحۃ قلنا لمن ؟قال :للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم** ۔ دین خیر خواہی ہے۔ہم نے پوچھا کس کے لیے؟ ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور ائمۂ مسلمین اور عامۂ مومنین کے لیے۔(مسلم شریف ص ۵۴ ج۱)

اللہ کے لیے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک معبود مانیں، اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ کریں، اسے تمام عیوب ونقائص سے منزہ اور تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع جانیں۔
رسول کے لیے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی رسالت کی تصدیق کریں، آپ پر ایمان لائیں، آپ کی تعظیم وتوقیر کریں اور آپ کی اطاعت اور تعاون کریں۔
ائمۂ مسلمین کے لیے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور اُمورِ حق میں ان کا تعاون کیا جائے اور عامۂ مسلمین کی خیر خواہی سے مراد اُن کے حقوق کی ادائیگی ہے۔
حافظ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک بڑی دل پذیر اور عبرت خیز روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خریدنے کے لیے بازار بھیجا، انہوں نے تین سو روپے میں گھوڑا خریدا اور گھوڑے اور اس کے مالک کو اپنے ہمراہ لے کر گھر آئے تاکہ یہیں ان کو دام ادا کر دیا جائے حضرت جریر نے گھوڑے کو دیکھ کر اس کے مالک سے فرمایا: **فرسک خیر من ثلث مائۃ درھم ابیعہ باربع مائۃ** . تمہارا گھوڑا تین سو روپے سے زائد کا ہے کیا تم اسے چار سو روپے میں بیچو گے؟ مالک نے کہا آپ کی مرضی۔ پھر حضرت جریر نے فرمایا تمہارا گھوڑا بیش قیمت ہے اسے پانچ سو روپے میں فروخت کرو گے پھر اسی طرح یہ دام بڑھاتے رہے یہاں تک کہ فرمایا تمہارا گھوڑا آٹھ سو روپے کا ہے اتنے میں بیچو گے؟ گھوڑے کا مالک تو راضی ہی تھا آٹھ سو روپئے میں خریداری ہوگئی۔ حضرت جریر سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا:"**انّی بایعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم علی النّصح لکلّ مسلم**. میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی ہے۔(شرحِ مسلم نووی ص ۵۵/ ج ۱)
ارشادِ رسالت کا یہ ایک جملہ "دین خیر خواہی ہے" تقریباً اسلام کی جملہ تعلیمات کا جامع ہے۔ جس کی کچھ تفصیل ہم نے بطورِ نمونہ گذشتہ اوراق میں پیش کی اور تمام تعلیمات کے احاطہ وتفصیل کے لیے دفترِ طویل درکار ہے۔ تاہم ان چند تعلیمات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی یہ تعلیمات الٰہی تعلیمات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

☆☆☆

دین اسلام اور حقوق انسانی کا احترام

مفتی محمد نظام الدین رضوی★

انسانیت کے محسن اعظم، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس عالم میں رنگ و بو میں تشریف آوری ساری کائنات کے لیے رحمت اور خاص طور پر مسلمانوں کے لیے احسان عظیم ہے۔ کیوں کہ آپ نے حق تلفی، ناانصافی، چوری، غارت گری، قمار بازی، عصمت دری، آبرو ریزی، ہوس پرستی، شراب خوری، خودکشی، خون ریزی، بے رحمی اور اس طرح کی دوسری لعنتوں سے انسانیت کو نجات دے کر انہیں سارے انسانی رشتوں کے حقوق اور ایک دوسرے کے ساتھ بہتر سلوک اور سب کی خیر خواہی کی تعلیمات دیں۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حقوق انسانی کے تعلق سے عالم انسانیت کو جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں، انہیں چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ہر انسان پر اس کی ذات اور اعضا کے حقوق

۲۔ انسانی برادری کے باہمی حقوق

۳۔ رشتہ داروں اور ہمسایوں کے باہمی حقوق

۴۔ راعی اور رعایا کے حقوق

اب ہم ان حقوق پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ان کی اہمیت اور افادیت اُجاگر ہو کر سامنے آسکے۔

ہر انسان پر اس کی ذات اور اعضا کے حقوق: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وحیِ ربانی کے ذریعے ہمیں جو ہدایات دی ہیں ان سے بجا طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی ذات اور اعضا اس کی اپنی ملک نہیں بلکہ یہ سب ان کے خالق خدائے عزیز و قدیر کی ملک ہیں جو حضرتِ انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ اس لیے کوئی بھی انسان اپنی ذات یا اعضا کے تعلق سے ایسا کوئی تصرف نہیں کر سکتا جسے عقل سلیم امانت میں خیانت تصور کرے۔ قرآن حکیم میں ہے: ان **السمع و البصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسؤلا** . بے شک کان، آنکھ، دل ہر ایک کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (سورۃ الاسراء، ۳۶)

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ مجھے پتا چلا ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن بھر روزے رکھتے ہو۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! بات سچ ہے، تو حضور نے فرمایا: ایسا نہ کرو ایسا کرنے سے آنکھیں دھنس جائیں گی، روشنی پر اثر پڑے گا، اور تمہارا جی تھک جائے گا۔ (بخاری شریف ۱/۲۶۵)

دوسری روایت میں سرکار علیہ التحیۃ والثنا کے ارشاد میں مزید وضاحت ہے: ایسا نہ کرو۔ روزہ بھی رکھو اور چھوڑو بھی۔ رات میں نوافل بھی پڑھو اور سوؤ بھی، کیوں کہ تجھ پر تیرے جسم کا بھی حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی حق ہے۔ (بخاری شریف ۱/۲۶۵)

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: **وان لنفسک و اھلک علیک حقا** . بے شک تیرے نفس اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ (بخاری شریف ۱/۲۶۵)

حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ وہ رات میں نوافل پڑھتے ہیں، دن میں روزے رکھتے ہیں اور بیوی سے لاتعلق رہتے ہیں تو انہوں نے حضرت ابو درداکو یہ نصیحت فرمائی:

''بے شک تجھ پر تیرے رب کا بھی حق ہے اور تیرے نفس کا بھی حق ہے تو ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قصہ بیان کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''صدق سلمان'' ''سلمان نے سچ کہا۔'' (بخاری شریف ۱/۲۶۴)

کتاب وسنت کے یہ نصوص شہادت دے رہے ہیں کہ انسان پر اس کے نفس، جسم، آنکھ سب کا حق ہے۔ لہٰذا سب کے حقوق کی رعایت کرے اور انہیں عادتِ جاریہ کے خلاف ایسی تکلیف نہ دے جس سے ان کی منفعت پر اثر پڑے۔ یہاں سے حقوق نفس کے تعلق سے کئی ایک مسائل معلوم ہوئے۔

(الف) خودکشی حرام ہے کہ یہ اللہ کی امانت کے ساتھ نہ صرف خیانت بلکہ اس کا اتلاف و پامالی ہے۔ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی چیز سے خودکشی کی، قیامت کے دن اسی چیز سے اسے عذاب دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم شریف ۱/۷۲)

دوسری حدیث میں اس کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ہتھیار سے خودکشی کی، وہ اسی ہتھیار سے ایک لمبے عرصے تک جہنم میں اپنے شکم کو زخمی کرتا رہے گا۔ اور جس نے زہر پی کر خود کو قتل کرڈالا وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ایک مدت دراز تک زہر پیتا رہے گا اور جس نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کی وہ نارجہنم میں ایک زمانہ تک بلندی سے گرتا رہے گا۔ (ایضا)

(ب) نس بندی حرام ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کو بگاڑنا ہے جو بلاشبہ اس کی امانت میں خیانت ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: **ولامرنهم فليغيرن خلق الله**. شیطان نے دھمکی آمیز لہجے میں اپنے رب سے کہا: اور میں ضرور انہیں (یعنی اللہ کے بندوں) کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی چیز بگاڑ دیں گے۔

(ج) ایک انسان کے بدن سے کوئی عضو کاٹ کر دوسرے کے بدن میں جوڑنا حرام ہے کہ یہ تو اللہ عزوجل کی امانت میں بڑی خیانت ہے۔ عام چیزوں میں خیانت کی تلافی ممکن ہے مگر کٹے ہوئے عضو کی کوئی تلافی نہیں ہوسکتی۔ ساتھ ہی یہ انسانی تکریم کے منافی بھی ہے۔ فقہ حنفی کی معتمد کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

''جو افعال ضرورت اور اکراہ کی صورت میں بھی مباح نہیں ہوتے، ان میں ایک قتل ناحق ہے خواہ اِکراہ تام ہو یا ناقص۔ اور دوسرے انسان کے اعضا میں سے کسی عضو کو کاٹنا اور ہلاکت خیز پٹائی ہے'' (ص۱۷۷، ج۷) بدائع وغیرہ کے دوسرے مسائل سے عیاں ہوتا ہے کہ اگر صاحب عضو انسان کاٹنے کی اجازت دے دے تو بھی کاٹنا جائز نہیں۔ وجہ وہی ہے کہ کسی کی امانت میں تصرف کرنے کے لئے اجازت صحیح نہیں ہوتی۔''

(د) دوسرے کے لئے اپنی آنکھ، دل، پھیپھڑے، گردے وغیرہ کا عطیہ، ہبہ اور خرید و فروخت حرام ہے کہ بندہ جب ان چیزوں کا مالک نہیں تو اسے اُن اعضا میں تصرفِ مالکانہ کا قطعا کوئی حق نہیں پہنچتا، اور بلاشبہ یہ بھی اپنے رب کی امانت میں خیانت ہے۔

(ہ) یوں ہی جو کام باعث ہلاکت ہو اسے کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: **ولا تلقوا بايدكم الى التهلكة**. تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(و) مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''کان، آنکھ، دل سب کے بارے میں پوچھا جائے گا'' اس سے معلوم ہوا کہ انسان پر ان اعضا کا حق یہ بھی ہے کہ وہ انہیں گناہ کے کاموں میں استعمال نہ کرے۔ یہی حال زبان اور دوسرے اعضا کا بھی ہے۔ لہٰذا دل میں کسی سے کینہ، حسد، بغض، بدگمانی رکھنا، زبان سے گالی گلوج، غیبت، بدگوئی وغیرہ کرنا بھی حرام و گناہ ہے کہ یہ فی الواقع ان اعضا کی حق تلفی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضا زبان کے سامنے عاجزی کے ساتھ یہ گزارش کرتے ہیں کہ تو خدا سے ڈر، کہ ہم سب تیرے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب ٹیڑھے ہوجائیں گے۔ (ترمذی شریف)

یہ حقوق انسانی کا وہ شعبہ ہے جسے آج کی ترقی پسند دنیا تقریباً پس پشت پھینک چکی ہے بلکہ انہیں یہ احساس بھی نہیں ہے کہ اس کا بھی حقوق انسانی سے کوئی رشتہ ہے لیکن اسلام نے قدم قدم پر اس کی بھی نگہداشت کی ہے۔

انسانی برادری کے باہمی حقوق: انسانی برادری کے باہمی حقوق میں پانچ اُمور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے:

۱۔ مذہب کا تحفظ　　۲۔ جان کا تحفظ
۳۔ مال کا تحفظ　　۴۔ عقل کا تحفظ

۵۔ نسب کا تحفظ

یعنی پوری انسانی برادری پر مشترکہ طور پر یہ حقوق عائد ہوتے ہیں کہ ہرایک کا مذہب، جان، مال، عقل، نسب دوسرے کے ہاتھوں محفوظ رہے اور کوئی اس کے ان حقوق پر دست درازی نہ کرے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں پر بھی ان حقوق کا لحاظ واجب ہے۔ جس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ دنیا کی حکومتوں کے قوانین میں تھوڑے فرق کے ساتھ پانچوں حقوق کو نمایاں مقام حاصل ہے اور ہر ایک ملک کے باشندے وہاں کے ملکی قوانین کے پابند ہوتے ہیں۔ تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہر مسلمان پر اپنے عہد کا ایفا لازم ہے کیوں کہ کتاب وسنت میں ایفائے عہد کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ مثلا کتاب الٰہی میں یہ ارشاد ربانی ہے: **یاایھاالذین آمنوا اوفوا بالعقود**. اے ایمان والو! اپنے عہد پورا کرو۔ (المائدہ،۵)

نیز ارشاد خداوندی ہے: اور عہد پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔ (الاسراء:۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر ورضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار خصلتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔

۱۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
۲۔ جب معاہدہ کرے تو توڑ دے۔
۳۔ جب کسی سے وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے
۴۔ جب کسی سے جھگڑا ہو تو گالی گلوج کرے۔

(صحیح مسلم شریف ۱/۵۶)

اس سے بڑی بات ایک مسلمان کے لئے نہیں ہوسکتی کہ عہد شکنی کرنے پر اسے ''خالص منافق'' کہا جائے۔ اس سے اسلام میں ''عہد'' کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مذہب کا تحفظ: اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا جو حق کسی بھی ملک کے دستور نے دیا ہے، ہم اس میں چھیڑ چھاڑ نہ کریں گے جیسا کہ مسلم ریاست کے تمام باشندوں کو یہی حکم ہے۔ وہاں بھی سب ایک مقررہ دستور کے پابند ہوتے ہیں اور آج کے دور میں بھی ایسا ہی ہے۔ اس حیثیت سے درج ذیل آیات سے بھی اس نظریے کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین''۔ (الکافرون ۶)

نیز ارشاد باری ہے: دین میں کچھ زبردستی نہیں بے شک نیک راہ گمراہی سے خوب جدا ہوچکی ہے۔ تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ (البقرہ:۲۵۶)

اسلام نے اپنی ریاست کے تمام باشندوں کو مذہبی آزادی عطا فرمائی ہے اور معاملات میں بھی انہیں وہ تمام حقوق دیے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ سوائے اس کے کہ شراب وخنزیر کی خرید وفروخت سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے اور غیر مسلموں پر اس بارے میں کوئی پابندی نہیں عائد کی گئی۔ کیوں کہ وہ ان کے مذہب میں حلال ہیں۔ قانون اسلامی کی بڑی معتمد ومستند کتاب الھدایہ میں یہ ''دفعہ'' اس طرح مذکور ہے:

غیر مسلم ذمی خرید وفروخت (وغیرہ) کے معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ''انہیں بتادو کہ جو معاملات مسلمانوں کے حلال ہیں، وہ اُن کے لئے بھی حلال ہیں اور جو معاملات مسلمانوں پر حرام ہیں، وہ اُن پر بھی حرام ہیں، اور اس لئے بھی کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح سے مکلّف وحاجت مند ہیں۔ البتہ خاص طور پر شراب وخنزیر کے سلسلے میں ان کا حکم مسلمانوں سے الگ تھلگ ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک شراب کی خرید وفروخت میں مسلمانوں کے شیرۂ انگوری کی خرید وفروخت کی طرح ہے اور ان کے یہاں خنزیر کی خرید وفروخت مسلمانوں کے بکری خریدنے بیچنے کی طرح ہے کیوں کہ شراب وخنزیر اُن کے اعتقاد میں مال ہیں اور شریعت اسلامی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدہ ومذہب پر آزاد چھوڑ دیں۔ (ہدایہ ۳/۸۶)

مذہبی آزادی کے حقوق میں یہ امر بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ کسی مذہب کے مرجع طاعت وعبادت کو نشانۂ طعن وتنقید نہ بنایا جائے۔ قرآن حکیم میں خدائے ذوالجلال کا یہ فرمان ہے:

اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں

زیادتی اور جہالت سے بے ادبی کریں گے۔ (آیت ۱۰۹، سورۃ الانعام ۶)

اس قانون نے کسی بھی مذہب کو جو تحفظ دیا ہے، اس پر آج بھی مسلمان پورے طور پر کاربند ہے۔ وہ کسی مذہب اور اس کے مرجع طاعت وعقیدت کو گالی نہیں دیتا، لیکن اس کے برخلاف آج کی غیر مسلم دنیا اس اہم قانون کو پامال کرتی نظر آرہی ہے۔ اس کی شہادت یہ ہے کہ آج براہ راست مذہب اسلام کو ''دہشت گردی'' کی گالی دی جارہی ہے۔ کہیں کسی مسلمان یا نام نہاد مسلمان سے کوئی انتقامی کاروائی یا زیادتی سرزد ہوجاتی ہے تو فوراً اسے ''اسلامی دہشت گردی'' کا عنوان دے کر مسلمانوں کی دل آزاری کی جاتی ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو دہشت پھیلائے صرف اس کی طرف اس کا انتساب کیا جائے جیسا کہ غیر مسلم دہشت گردوں مثل الفا، ماؤوادی، نکسلی، ایل ٹی ٹی وغیرہ کے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ کبھی ان کے مذہب کے ساتھ ان کی بدی کو نہیں جوڑا گیا، حتی کہ کسی مذہب کے ماننے والوں کی طرف عمومی طور پر نہیں منسوب کیا گیا۔ یا زیادہ سے زیادہ چند افراد کے اس فعل کو ''مسلم دہشت گردی'' کہا جاتا تا کہ اس گالی کا نشانہ صرف مسلمان بنتے، مذہب کا تقدس پامال نہ ہوتا۔ کیا اس فرق کو ہمارے سربراہان مملکت اور ان کے وزرا اور دوسرے ارباب علم ودانش نہیں سمجھتے؟ اگر نہیں سمجھتے ہیں تو پھر اپنے اور پرائے اور مسلم وغیر مسلم میں یہ امتیاز کیسے روا رکھا گیا؟ ایک زمانہ میں سکھ قوم اس کے لئے کافی مشہور تھی، جب اسے ''اوگروادی'' کا ٹائیٹل دیا گیا تھا مگر اس وقت بھی اسے کسی قوم نے مذہب سے نہیں جوڑا۔ پھر اسلام اور مسلمانوں پر ہی یہ عنایت کیوں ہے؟

سب جانتے ہیں کہ جس کام کو ''دہشت گردی'' کہا جاتا ہے، اس کا ارتکاب مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ کرتے ہیں۔ سوئے اتفاق کہ کسی ظلم وعدوان، یا اپنی بے رحمی وسخت دلی کے باعث کچھ مسلمان کہلانے والے بھی اس گناہ میں شریک ہیں، جن کی تعداد پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہوسکتی مگر ان کی بنیاد پر تمام مسلمانوں بلکہ خود اسلام کو ہی ہدف ملامت بنایا جارہا ہے۔ کیا یہی انصاف ہے؟ افسوس یہ ہے کہ یہ کارنامہ وہ لوگ انجام دے رہے ہیں جو اپنے آپ کو حقوق انسانی (ہیومن رائٹس) کا علم بردار کہتے ہیں۔ اور اب تو حد ہوچکی ہے کہ رسولوں کے سردار، نبیوں کے خاتم، پیغمبر اعظم، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں برملا گستاخی کی جاتی ہے، گستاخانہ کارٹون شائع کیے جارہے ہیں اور اس کے خلاف احتجاج کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ''ہر شخص کو آزادیٔ گفتار کا حق حاصل ہے'' رومن کیتھولک عیسائیوں کے اسقفِ اعظم نے اسلام وپیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے ۱۲ ستمبر کو جو دل آزار بیان دیا ہے، اس پر مسلمانوں کی برہمی کے جواب میں یہ عذر پیش کردیا گیا کہ یہ بات میری نہیں، چودھویں صدی کے ایک عیسائی بادشاہ مینوئل دوم کی ہے یعنی دوسرے کی مجرمانہ بات کو اپنی تقریر میں نقل کرنا جرم نہیں ہے۔ یہ فہم وفراست ہے دنیائے عیسائیت کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا یا پائے اعظم کی۔

یہ چند اشارے اس لیے پیش کردیئے ہیں تا کہ یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اسلام نے مذاہبِ عالم کو جو حق عطا کیا ہے اور اس تعلق سے اپنے ماننے والوں کو اپنی کتاب ہدایت میں جو حکم دیا ہے، وہ بہت ہی اہمیت کا حامل اور دنیا کے لئے مشعل راہ ہے۔ کہتے ہیں: **الاشیاء تعرف باضدادھا**. چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

جان کا تحفظ: اس کا مطلب ہے ''جیو اور جینے دو'' یہ ہر انسان کے بنیادی حقوق سے ہے کہ اس کی زندگی کی نعمت کسی ظلم وعدوان کے ذریعے چھینی نہ جائے اور اسے جینے کا موقع دیا جائے۔ اس سلسلے میں اسلام کی روشن ہدایات کا خلاصہ یہ ہے کہ قتل ناحق سخت حرام وگناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب عرصۂ دراز تک جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ زنا اور قتل کے مجرمین کے تعلق سے قرآن پاک میں یہ وعید آئی ہے: ''اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا اسے چند در چند عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں مدتوں ذلت کے ساتھ رہے گا''۔

اسلام کی نگاہ میں ایک نفس محترم کا قتل سارے انسانوں کا قتل ہے۔ ارشاد باری ہے: **من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا**. جس نے کسی جان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ کسی جان کا بدلہ لیا جائے یا زمین میں فساد مچانے کی سزا دی جائے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کردیا اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب جانوں کو زندہ رکھا۔ ناحق کسی انسان کا قتل حقیقت میں انسانیت کا قتل ہے۔ اس حیثیت سے وہ سارے ہی انسانوں کا قاتل ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خون ناحق کے بارے میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔(صحیح بخاری شریف وصحیح مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا اور بے شک جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پہنچتی ہے۔(صحیح بخاری شریف)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا آج کے زمانے میں ہر ملک کے باشندے اپنے ملک کے دستور کے پابند عہد ہوتے ہیں اس لحاظ سے سب ایک دوسرے کی طرف نسبت کرتے ہوئے معاہد ہوئے اور مسلم ریاست میں معاہد کا لفظ بولا جاتا ہے، تو اس سے مراد وہ غیر مسلم ہوتے ہیں جو وہاں سکونت اختیار کرتے ہیں۔ یا ویزا لے کر کچھ دنوں کے لیے کسی غرض سے وہاں چلے جاتے ہیں اور بہر حال ہر ملک کے دستور میں جان کا تحفظ بھی شامل ہے اس لئے اس حدیث نبوی سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ کسی بھی ملک کا ہر باشندہ دوسرے باشندے کی جان کی حفاظت کرے اور بالخصوص مسلم ریاست کے غیر مسلم باشندوں کے تعلق سے تو ہر مسلم باشندے کی یہ ذمہ داری اور سخت ہو جاتی ہے، چنانچہ قانون اسلامی کی معتمد کتاب ''الدرالمختار'' میں ہے: ''**ظلم الدابة اشد من الذمي وظلم الذمي اشد من المسلم**'' چوپائے پر ظلم غیر مسلم معاہد پر ظلم سے زیادہ سخت ہے اور غیر مسلم معاہد پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ سخت ہے۔(الدرالمختار فوق ردالمختار، ص ۴۷۶، ج وباب الاستبراء من کتاب الخظر والاباحۃ)

اور خاص حفاظت جان و مال کے تعلق سے ''نورالانوار'' میں یہ حدیث منقول ہے: ''**دمائهم كدمائنا واموالهم كاموالنا**'' ان کا خون ہمارے خون کی طرح اوران کا مال ہمارے مال کی طرح ہے۔(ص، ۶۴)

یعنی دونوں کی یکساں حفاظت کی جائے، ہاں کچھ آیات کریمہ میں کچھ غیر مسلموں کو قتل کر ڈالنے کا حکم ہے، جن کو بنیاد بنا کر آج واویلا مچایا جاتا ہے مگر اس پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی کہ وہ حکم کن حالات اور کیسے فسادیوں کا ہے، جن حالات میں دنیا کا کوئی مہذب ملک اور امن کا قانون فسادی کو دیکھتے ہی گولی مار دینے اور اس کا قصہ

تمام کر دینے کا فرمان جاری کرتا ہے، اسی طرح کے حالات میں ویسے ہی افراد کے لئے اسلام وہی فرمان صادر کرتا ہے تو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔

مال کا تحفظ: زندگی کی بقا کے لئے مال کا کسب وتحفظ انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کے تحفظ پر بھی زیادہ زور دیا ہے وہ انسان کو اکلِ حلال کی ترغیب دیتا ہے اور اسی کا خوگر بنانا چاہتا ہے، تا کہ انسان دوسرے کے مال کی طرف نگاہ ہی نہ اٹھائے، پھر ڈاکہ زنی، غصب، چوری، رشوت، سود، قمار بازی، ناپ تول میں کمی، خیانت سامان میں ملاوٹ حتیٰ کہ فضول خرچی تک سے ممانعت فرماتا ہے، ساتھ ہی ان جرائم پر سزا اور عذاب جہنم کی دھمکی بھی دیتا ہے جیسا کہ ذیل کی احادیث سے عیاں ہوگا۔

۱۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال کمائی کی تلاش بھی فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔(شعب الایمان بیہقی)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ مال حرام حاصل کر کے اگر اس کو صدقہ کرے تو مقبول نہیں اور خرچ کرے تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں اور اپنے بعد چھوڑ مرے تو جہنم کو جانے کا سامان ہے۔(مسند احمد بن حنبل)

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کی زمین سے کچھ بھی ناحق لے لیا قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زانی جس وقت زنا کرتا ہے پورا مومن نہیں رہتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے پورا مومن نہیں رہتا اور شراب نوش جب شراب پیتا ہے پورا مومن نہیں رہتا اور کسی کی بیش بہا چیز جس کی طرف لوگوں کی نگاہیں اٹھیں، جب کوئی لوٹتا ہے تو پورا مومن نہیں رہ جاتا۔(صحیح مسلم شریف، ص ۵۵، ج ۱، باب بیان نقصان الایمان)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روایت میں

ارشادِ رسالت کا یہ جملہ بھی نقل کیا ہے اور جس وقت تم میں سے کوئی خیانت کرتا ہے مومن نہیں رہتا۔ اس لئے ان معاصی سے بچو، بچو۔ (صحیح مسلم شریف، ص۵۶، باب نقصان الایمان)

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہ سات چیزیں کیا کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک، نفس محترم کا ناحق قتل، یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا وغیرہ (الخ) (صحیح مسلم شریف ۱/۶۴)

۷۔ ارشادِ رسالت ہے: ''رشوت دینے والا بھی جہنمی ہے اور رشوت لینے والا بھی جہنمی ہے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ)

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غلہ منڈی سے گزر رہے تھے، غلہ کی ایک ڈھیری میں ہاتھ ڈالا تو انگلیاں بھیگ گئیں، حضور نے غلہ والے سے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کی کہ بارش سے بھیگ گیا ہے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو تم نے اس غلے کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو دھوکا دے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم شریف ۱/۷)

یہ چند احادیث نبویہ ہیں جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے دوسروں کا مال ناحق لینے سے سخت ممانعت فرمائی ہے اور لوگوں کو اس سے روکنے کے لئے بھی دھمکی دی ہے اور جو سخت لہجہ اختیار فرمایا ہے وہ ایک صاحب ایمان کو باز رکھنے کے لئے کافی ہے اور اس مضمون کی کثیر آیات واحادیث ہیں جن میں کسی بھی طور پر دوسروں کا مال لینے یا دبا لینے سے روکا گیا ہے، ساتھ ہی اس کی سخت سے سخت سزا بھی مقرر کی گئی ہے۔ یہ نصوص عمومی طور پر مال کا تحفظ عطا کر رہے ہیں اور خاص طور پر اسلامی ریاست کے غیر مسلموں کے لئے یہ حدیث ہے اور جو پہلے گزر چکی ''اموالھم کاموالنا'' ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہے۔

عقل کی حفاظت: عقل بدن کا سلطان ہے، یہ سلامت ہے تو انسان حقیقت میں انسان ہے ورنہ حیوان بلکہ اس سے بھی برا ہے۔ اس لئے اسلام نے عقل کو بیکار کرنے کے تمام اسباب کو اختیار کرنے سے روک دیا ہے۔ خاص طور پر شراب نوشی سے سختی سے روکا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور تیروں سے فال نکالنا یہ سب ناپاکی اور شیطان کے کاموں سے ہیں، تو ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کی وجہ سے تمہارے اندر عداوت اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آتے ہو؟ (المائدہ:۱۲)

اس آیت کریمہ میں شراب سے دور رہنے کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک یہ کہ وہ ''ناپاک'' ہے اور ظاہر ہے کوئی سلیم الطبع انسان ناپاک چیز نہیں پی سکتا۔ جیسے کوئی پیشاب پینا پسند نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ ''وہ شیطانی کام ہے'' اور شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، اس لئے ہر مسلمان بلکہ انسان کو بھی اس سے نفرت کرنا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ ''شراب کی وجہ سے شیطان لوگوں کے درمیان بغض اور عداوت ڈال دیتا ہے'' کیوں کہ آدمی جب شراب کے نشے میں بدمست ہو کر عقل وہوش سے بے گانہ ہو جاتا ہے تو گالی گلوج، مار پیٹ، لڑائی جھگڑا حتی کہ قتل اور خودکشی تک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ ع

ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

چوتھا سبب یہ ہے کہ ''شراب ذکر الٰہی اور نماز سے روک دیتی ہے'' ظاہر ہے کہ جو عقل وہوش سے بے گانہ ہوگا وہ ذکر الٰہی اور نماز میں مشغول ہوگا یا شیطان رجیم کے اشاروں پر رقص کرے گا؟

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس لوگوں پر لعنت فرمائی (۱) شراب بنانے والا (۲) بنوانے والا (۳) پینے والا (۴) اُٹھانے والا (۵) جس کے پاس اُٹھا کر لائی گئی (۶) پلانے والا (۷) بیچنے والا (۸) اس کے دام کھانے والا (۹) خریدنے والا (۱۰) جس کے لیے خریدی گئی۔ (ترمذی شریف ۱/۱۵۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شراب سے بچو کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (حاکم)

ابن حبان وبیہقی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ وہ فرماتے ہیں: اُم الخبائث (شراب) سے بچو کہ گزشتہ زمانے میں ایک عابد شخص تھا جو لوگوں سے الگ رہتا تھا۔ ایک عورت اس پر فریفتہ ہوگئی۔ اس نے اس کے پاس ایک خادمہ کو بھیجا کہ گواہی کے لیے اُسے

بلا کر لا، وہ بلا کر لائی، جب یہ مکان کے دروازے میں داخل ہوتا گیا۔ خادمہ نے دروازہ بند کر دیا۔ جب اندر کے مکان میں پہنچا، دیکھا ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہے اور اس کے پاس ایک لڑکا ہے اور ایک برتن میں شراب ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے تجھے گواہی کے لئے نہیں بلایا ہے بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ اس لڑکے کو قتل کر، یا مجھ سے زنا کر، یا شراب کا ایک پیالہ پی، اگر تو ان باتوں سے انکار کرتا ہے تو میں شور کروں گی اور تجھے رسوا کر دوں گی۔ جب اس نے دیکھا کہ مجھے ناچار کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ کہا ایک پیالہ شراب کا مجھے پلا دے جب ایک پیالہ پی چکا تو کہنے لگا اور دے، جب خوب پی چکا تو زنا بھی کیا اور لڑکے کو قتل بھی کیا۔ لہٰذا شراب سے بچو! خدا کی قسم ایمان اور شراب کی مداومت مرد کے سینہ میں جمع نہیں ہوتے، قریب ہے کہ ان میں کا ایک دوسرے کو نکال دے۔ (بہار شریعت ۹/۹۸)

گرد، ہیروئن اور عقل میں فتور پیدا کرنے والی دوسری اشیا بھی شراب کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان سے بھی احتراز ضروری ہے۔

عقل پر غالب آنے والی ایک چیز غصہ بھی ہے، اس لئے اسلام نے اس سے بھی ممانعت فرمادی۔ قرآن حکیم میں اچھے مسلمانوں کی یہ مدح کی گئی ہے: ''اور وہ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں''۔ (آل عمران:۱۴)

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ متعدد صحابۂ کرام سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: غصہ مت کرو، اس نے بار بار وہی سوال کیا، آپ نے ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ (بخاری شریف، مسند احمد بن حنبل و مسند ابن جہان وطبرانی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد صحابۂ کرام کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ آپ نے فرمایا:

۱۔ بعض لوگوں کو غصہ جلد آتا ہے اور جلد جاتا رہتا ہے تو دوسری بات سے پہلی بات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

۲۔ بعض کو غصہ دیر میں آتا ہے اور دیر میں جاتا ہے، یہاں ایک بات اچھی ہے اور دوسری بری، ادلا بدلا ہو جاتا ہے۔

۳۔ تم میں بہتر وہ ہیں جنہیں دیر میں غصہ آئے اور جلد چلا جائے اور بدتر وہ ہیں جنہیں جلد غصہ آئے اور دیر میں جائے۔ غصہ سے بچو کہ وہ آدمی کے دل پر ایک انگارا ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا جو غصہ محسوس کرے لیٹ کر زمین سے چپٹ جائے۔ (ترمذی شریف)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوتا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لے۔ (سنن ابوداؤد شریف)

ان احادیث نبویہ کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو اپنی عقل کی بھی حفاظت کرنی چاہئے اور دوسروں کی عقل کی بھی۔ لہٰذا نہ خود شراب پیے، نہ دوسروں کو پلائے یوں ہی نہ خود غصہ میں آئے اور نہ دوسروں کو غصہ دلائے، ساتھ اپنے اور کسی کے بھی سر پر چوٹ پہنچانے سے بچے۔

نسب کا تحفظ: نسب ہی تمام نسبتی رشتوں کی بنیاد ہے۔ اگر یہ محفوظ نہیں تو پیدا ہونے والے بچے کا دنیا میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ نہ باپ، نہ بھائی، نہ بہن، نہ دادا، نہ دادی، ہاں اس کی ماں ہوتی ہے لیکن عموماً ایسی مائیں یا تو شرمندگی کی باعث یا سماجی بائیکاٹ کے خوف سے ناجائز تعلقات سے پیدا ہونے والے بچے کو کہیں پھینک دیتی ہیں۔ پھر تو اس کی نگاہوں میں ساری دنیا تاریک ہوتی ہے، یا اسپتال میں چھوڑ آتی ہیں جہاں یقیناً اسے ماں کی شفقت، باپ کا پیار، بہن، بھائی کی محبت نہیں مل سکتی اور بہر حال انسانوں کی اس دنیا میں اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہوتا۔ ایک ذرا سی ہوس پرستی نے ایک بے گناہ کی دنیا اجاڑ دی اور اب تو ایڈس کے جراثیم خود ایسے ہی ہوس پرستوں کی دنیا اجاڑ رہے ہیں۔ اسلام نے اس کے انسداد کے لئے بدکاری پر سختی کے ساتھ قابو پانے کی کوشش کی اور اس کے لئے عبرت ناک سزا کا اعلان فرما دیا۔ ارشاد ربانی ہے: ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مردان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو''۔ (النور:۱)

اور اگر دونوں شادی شدہ ہوں تو انہیں سنگ سار کرنے کا حکم ہے۔ ان احکام کی برکت سے انسانی معاشرہ بدکاری کی آلودگی سے بہت حد تک پاک ہو چکا تھا۔

کیوں کہ اسلام نے اس کے لئے صرف سزا دینے پر بس نہ کیا بلکہ اس کے لئے ذہن سازی اور کردار سازی پر بھی بہت زور دیا۔ قرآنی آیات اور فرمودات نبوی میں بار بار عفت و پاکیزگی کی تعلیم دی گئی ہے، نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی رغبت دلائی گئی ہے۔ اس کے فوائد وثمرات سے روشناس کرایا گیا ہے پھر بھی اجنبی مرد اور اجنبی عورتوں سے نگاہیں جھکائے رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور اگر عورت کو باہر نکلنا ہو تو پردے کے ساتھ نکلنے کا پابند کیا گیا ہے اور دوسروں کے گھروں میں کسی بھی اجنبی کو بے اجازت داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ سورۂ نور میں ہے:

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں مت جاؤ، جب تک خبر نہ کرلو اور ان کے گھر والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ (نور:۴)

نیز ارشاد باری ہے:

اے نبی! ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ اپنے شرمگاہ کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے بڑی ستھری بات ہے۔ بے شک اللہ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (نور:۴)

اے محبوب! ایمان والی عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنی نگاہیں ذرا نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں اور بناؤ سنگار نہ ظاہر کریں مگر جو عادتاً کھلا رہتا ہے اور اپنی اوڑھنی اپنے گریبانوں (یعنی سینوں) پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار نہ ظاہر کریں مگر اپنے شوہر یا اپنے باپ کے آگے۔ (آخر تک)

یہی وہ تعلیمات ہیں جس نے دنیا کو عفت و پاکبازی کا بڑا ہی پاکیزہ اور ستھرا معاشرہ عطا کیا تھا اور آج جیسے جیسے ان تعلیمات سے دنیا دور ہو رہی ہے اسی قدر اس کا ماحول گندہ، پراگندہ اور بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے۔ جس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ دنیا آہستہ آہستہ ''ایڈس'' اور ''ایچ، آئی، وی'' جیسے مہیب وخطرناک مرض کے لپیٹ میں آتی جارہی ہے اور نام نہاد ترقی پزیر ممالک میں تو یہ بیماری عالمی وبا کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ پوری دنیا میں تقریباً چالیس ملین لوگ ایچ آئی وی اور ایڈس وائرس کا شکار ہیں اور ہر سال چھہتر ملین لوگ ایڈس کی بیماری کا شکار ہوجاتے ہیں، یہ بیماری شرمگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے وجود میں آئی اور اب اس کے جراثیم ماں کے دودھ میں بھی سرایت کرچکے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ تقریباً ساڑھے تین فیصد ایڈس وایچ آئی وی مریضوں کی ایسی تعداد ہے جن کو ایڈس رحم مادر، پیدائش اور ماں کا دودھ پینے سے ہوتا ہے۔ اگر قرآن مقدس کی ہدایت ''**یحفظوا فروجهم**'' اور'' **يحفظن فروجهن** '' پر عمل کیا گیا ہوتا تو آج انسانی سماج کو ایسی تباہ کاریوں کو سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اس مرض سے حفاظت کے لئے کنڈوم استعمال کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے اور ماؤں کو یہ صلاح دی جاتی ہے کہ شیر خوار کو اپنا دودھ نہ پلائیں اور اگر پلانا ہی چاہیں تو پہلے دودھ نکال کراُبال لیں یا پھر بچے کو باہر کا دودھ اور کھانے کی کسی قسم کی کوئی چیز نہ دیں مگر حال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے۔

مریض عشق پر لعنت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس خطرناک مرض سے حفاظت کا سیدھا سادہ نسخہ ہے ''حفاظت فروج'' کاش کہ ہیومن رائٹس کے علمبردار یہ نسخۂ کیمیا بھی حقوق انسانی کی فہرست میں شامل کرلیتے۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات میں حفاظت عقل ونسب کو انسان کے بنیادی حقوق سے شمار کیا گیا ہے جب کہ آج بھی ترقی یافتہ دنیا اس کے برخلاف شراب نوشی اور جنسی اختلاط کا اذن عام دے رہی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام سے بھاگنے والے آج کے عہد ترقی میں بھی اسلام کی حق شناسی کے مقابل چودہ صدی پیچھے ہیں اور نہ جانیں کبھی انہیں ان حقوق کی عظمتوں کا احساس اور ان کی پاسداری کا پاس ہوگا یا نہیں؟

انسانی برادری کے باہمی حقوق میں یہ پانچوں اُمور دین، جان، مال، عقل، نسب بہت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں ''کلیات خمس'' کہا جاتا ہے۔ ان کے سوا اور بھی بہت سے حقوق ہیں مثلاً عفو ودرگزر، تواضع وانکساری، احسان، باہمی تعاون، خوش کلامی، ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب وغیرہ۔

رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق: یہاں رشتہ کا لفظ ہم نے ایک عام معنی میں استعمال کیا ہے جو نسبی، سببی، رضاعی، دینی تمام رشتوں کو شامل ہے:

(الف) نسبی رشتے میں ماں، باپ، اولاد، دادا، دادی، وغیرہ اور بھائی، بہن، بھتیجے، بھتیجیاں، چچا اور ان کی اولاد اور نانا، نانی وغیرہ۔

(ب) سببی رشتے میں شوہر، بیوی، استاذ، شاگرد، پیر، مرید شامل ہوں گے۔

(ج) رضاعی رشتہ کسی عورت کا دودھ شیر خواری کی مدت میں پینے سے پیدا ہوتا ہے اور احکم میں نسبی رشتے کی طرح ہے۔ یہ رشتہ بھی رضاعی ماں، باپ، اولاد، بھائی، بہن وغیرہ کو عام ہے۔

(د) دینی رشتے سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو اسلام کے دامن سے وابستہ ہیں۔ اس کے عموم میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو درج بالا کسی قسم کے عموم میں نہیں آتے مثلاً محتاج، بیمار، بیوہ، یتیم، مہمان اور عام مسلمان۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ان تمام رشتوں کے حقوق تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور کتب سیر وکتب فقہ میں موجود ہیں، آپ کی تعلیمات سے بخوبی یہ احساس اُجاگر ہوتا ہے کہ دنیا کے ان رشتوں میں سب سے بڑا حق ماں باپ کا اولاد پر عائد ہوتا ہے پھر ان دونوں ہستیوں میں ماں کا حق باپ سے تین درجے زیادہ ہے۔ استاذ اور پیر کا درجہ باپ کے مساوی شمار کرنا چاہئے۔

ہم سایہ سے مراد پڑوسی ہیں۔ کتاب وسنت میں ان کے حقوق کے تعلق سے بھی بار بار ہدایت فرمائی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسایہ اور دور کے ہمسایہ اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے، بے شک اللہ کو کوئی اترانے والا، بڑائی مارنے والا پسند نہیں۔ (النساء:٦)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق بھی کچھ بیان فرمادیے ہیں اور بہت سے ان بندوں کے بھی جن کا تعلق درج بالا اصناف سے ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کے تعلق سے بڑی بیش بہا ہدایات دی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا حق کیا ہے؟ یہ کہ جب وہ تم سے مدد مانگے مدد کرو اور جب قرض مانگے قرض دو اور جب محتاج ہو تو اسے مال دو اور جب بیمار ہو تو عیادت کرو اور جب اسے خیر پہنچے تو مبارک باد دو اور جب مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ اور بغیر اجازت اپنی عمارت بلند نہ کرو کہ اس کی ہوا روک دو اور اپنی ہانڈی سے اس کو ایذا نہ دو مگر اس میں سے کچھ اسے بھی دو اور میوے خریدو تو اس کے پاس بھی ہدیہ کرو اور اگر ہدیہ نہ کرنا ہو تو چھپا کر مکان میں لاؤ اور تمہارے بچے اسے لے کر باہر نہ نکلیں کہ پڑوسی کے بچوں کو رنج ہوگا۔ تمہیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا حق کیا ہے؟ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، پورے طور پر پڑوسی کا حق ادا کرنے والے تھوڑے ہیں۔ وہی ہیں جن پر اللہ کی مہربانی ہے۔ برابر پڑوسی کے متعلق حضور وصیت فرماتے رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ پڑوسی کو وارث کردیں گے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں، بعض کے تین حق ہیں اور بعض کے دو اور بعض کا ایک حق ہے۔ جو پڑوسی مسلم ہو اور رشتہ والا ہو اس کے تین حق ہیں۔ حق جوار، حق اسلام اور حق قرابت۔ پڑوسی مسلم کے دو حق ہیں۔ حق جوار اور حق اسلام۔ اور پڑوسی کافر کا صرف ایک حق جوار ہے۔ ہم نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ان کو اپنی قربانیوں میں سے دیں۔ فرمایا کہ مشرکین کو قربانیوں میں سے کچھ نہ دو۔ (سنن بیہقی)

صرف اس ایک حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں پڑوسی کے حقوق کی کتنی اہمیت ہے۔ قربانی کا تعلق باب عبادات سے ہے، باب احسانات سے نہیں ہے۔ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرما کر کہ ''مشرکین کو قربانیوں میں سے کچھ نہ دو'' یہ اشارہ فرمایا ہے کہ غیر مسلم پڑوسی سے ہمارا رشتہ احسانات میں ہے، عبادات میں نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ ہماری عبادات کا قائل نہیں ہے۔

راعی اور رعایا کے حقوق: ''راعی'' کا معنی ہے چرواہا، نگہبان، محافظ، حاکم، بہت الفت کرنے والا اور ''رعیت'' وہ ہے جس کی وہ حفاظت کرے۔ جسے چرائے اور جس سے خوب اُلفت ومحبت سے پیش آئے۔ ان معانی کے لحاظ سے ''راعی'' کا لفظ مویشی کے نگہبان، چرواہا کسی بھی معمولی سے معمولی کام کا ذمہ دار، افسر، حکومت کی انتظامیہ، عدلیہ، مقنّنہ، وزیر اعظم، صدر مملکت، بادشاہ، خلیفہ سب کو عام ہے اور ان کے ماتحت ان کے دائرۂ اختیار تک کے لوگ ان کی رعایا ہیں۔

ساتھ ہی یہ معنی اس بات کا ذہن دے رہے ہیں کہ راعی ایسا شخص ہونا چاہیے جو اپنی رعایا کی نگہبانی بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ کرے۔ احادیث نبوی میں بھی یہ معنی لغوی کے عموم کی رعایت کی گئی ہے اور چھوٹے بڑے ہرطرح کے ذمہ دار پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! تم میں سے ہر ایک راعی ونگہبان ہے اور سب سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا، تو بادشاہ لوگوں کا راعی ہے تو اس سے اس کے زیرِنگرانی اشخاص ورعایا کے متعلق باز پرس ہوگی۔ آدمی اپنے گھر والوں کا راعی ہے اس سے ان کے بارے میں پرسش ہوگی اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بال بچوں کی نگراں وراعی ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی اور غلام یا نوکر خادم اپنے آقا کے مال واسباب کا نگہبان ہے۔ اس سے اس کا محاسبہ ہوگا، تو باخبر رہو، تم میں کا ہر شخص راعی ونگہبان ہے اور سب سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ (صحیح البخاری، ص۱۰۵۷، ج۲ کتاب الاحکام، وص۳۲۴، ج۱ کتاب فی الاستقراض)

''امام'' کا لفظ صدر مملکت، سلطان، خلیفہ سب کو عام ہے اس حدیث پاک میں مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادشاہ، وزیر، عورت، نوکر چاکر، غلام سب کو اپنے اپنے دائرۂ اختیار کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور ساتھ ہی اس امر سے بھی آگاہ فرما دیا ہے کہ کل میدان قیامت میں سب کو خدائے جبار وقہار کے حضور جواب دہ ہونا ہوگا، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ پھر ہر شخص کو اپنی ذمہ داری پوری دیانت کے ساتھ ادا کرنی چاہئے، کیوں کہ اللہ عزوجل سب کے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور وہ سب کی جزا وسزا کا مالک ہے۔

صحابیِ رسول حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض وفات میں بُصرہ کا حاکم عبیداللہ بن زیاد ان کی عیادت کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا: ''میں تجھ سے ایک حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے کسی قوم کا حاکم ونگہبان بنائے اور وہ ہر طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ (صحیح البخاری ۲/۱۰۵۸)

دوسری روایت میں فرمانِ نبوت کے الفاظ یہ ہیں ''اللہ تعالیٰ نے جسے رعایا کا حاکم ونگہبان بنایا اور وہ اس حال میں مرا کہ اپنی رعایا کے ساتھ غداری کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام فرما دے گا۔ (صحیح مسلم شریف، ص۸۱، ج۱، باب استحقاق الوالی الغاش الرعیۃ النار من کتاب الایمان)

''رعایا کا غدار'' وہ ہے جو اُن کے حقوق کی نگہبانی نہ کرے، اور ان کے دشمنوں سے انہیں نہ بچائے۔ اس کے ساتھ عدل وانصاف نہ کرے، یا اپنے اور پرائے میں امتیاز کرے، جب کہ حاکم کی ایک بہت بڑی ذمے داری یہ ہے کہ وہ اپنے پرائے امیر، غریب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ قرآن حکیم میں اس تعلق سے یہ واضح ہدایت ہے: **ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان الا تعدلوا ط اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی.** اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے۔

رعایا کی حفاظت وخیر خواہی میں ان کے دین، جان، مال، عقل، نسب وغیرہ حقوق کثیرہ کی حفاظت ونگہبانی شامل ہے جس کی ذمے داری براہ راست ان کے راعی وحاکم کے سر ہی عائد ہوتی ہے اور اس کے لئے نظام عدل کا قیام، اپنے پرائے، امیر وغریب سب کے ساتھ مساوی سلوک، اپنے فرائض میں دھوکہ، فریب، بدعہدی، خیانت سے احتراز، اعلیٰ ظرفی، خیر خواہی، رفق ولطف اور حلم وبردباری ضروری ہے، اگر آج کا حکمراں طبقہ صرف نظام عدل قائم کردے تو ساری دنیا سے دہشت گردی، انتہا پسندی اور ظلم وعدوان کا خاتمہ ہو جائے۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حقوق انسانی کے تعلق سے دنیائے انسانیت کو جو ہدایات جاری فرمائی ہے یہ ان کا ایک مختصر خاکہ ہے جن کی شرح وبسط کے لئے دفتر درکار ہے، تاہم اس خاکے سے بھی اسلام کی عظمت کا احساس واعتراف ہر دل بیان کرسکتا ہے اور آج دنیا کے پاس حقوق انسانی کی پونجی پائی جاتی ہے وہ سب صدقہ ہے محسن انسانیت مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات وہدایات کا جنہیں خدائے رحیم وکریم نے سارے عالم کے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ سچ ہے۔

تیرے آنے سے پہلے کب تھی ایسی بات دنیا میں
بہار آئی نہیں لائی گئی معلوم ہوتی ہے

☆☆☆☆

☆☆

قرآن کی اخلاقی تعلیمات اور دعوت دین

محمد عالمگیر اشرف مصباحی ⭑

قرآنِ حکیم عالم گیر اخلاقی برادری کا داعی ہے۔ وہ انسانی معاشرے کو اخوت ومساوات کے لیے عمدہ اخلاق کا مکمل نظام پیش کرتا ہے اور پوری کائنات کو ایک اخلاقی رشتے میں منسلک ہونے کی دعوت دیتا ہے، گویا کہ وہ تمام عالم کو عمدہ اخلاقی انقلاب میں ڈھال کر برے اخلاق سے نجات دلاتا ہے۔اس کی اخلاقی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بلند اخلاق کو اپنایا جائے ، برے اخلاق کا خاتمہ کیا جائے۔قرآن نے اخلاق کی بنیادی تعلیمات پر زور دیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے :

ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون. (النحل۹۰) بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں عدل واحسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور سرکشی سے روکتا ہے، تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ تم نصیحت قبول کرو۔

اس آیتِ کریمہ میں خداوندِ کریم نے اخلاق کی بنیادی تعلیم عدل واحسان کو قرار دیا ہے اور بے حیائیوں اور بری باتوں سے منع کیا ہے تاکہ اخلاق کی ہمہ گیری ایک فعالی قوت بن کر دنیا کے سامنے ابھرے اور جامد ومجہول چیز بن کر نہ رہ جائے۔

اخلاقی ترقی اور اس کی نشو ونما ایک متحرک شاہ راہ ہے جو تمام غایتوں کی غایت اور انسانی حیات کا منتہائے مقصد ہے تاکہ انسان دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کی خاطر اپنی لذت وراحت کو قربان کردے۔قرآن کریم نے مبلغ اعظم رسول مقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ”وانک لعلیٰ خلق عظیم“ (قلم، ٤) کہا ہے کیوں کہ وہ لوگوں کے ساتھ رحمت ورافت اور عفو ودرگزر سے پیش آتے تھے اور دوسروں کے لیے ایثار وقربانی کے جذبے سے کام لیتے تھے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.** میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کرو۔اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا: **تخلقوا باخلاق اللہ.** خود کو اخلاق الٰہی سے متصف کرو ایک دوسرے مقام پر فرمایا: **حسنوا اخلاقکم.** اپنے اخلاق اچھے بناؤ۔

بالجملہ اخلاق ایک مہذب منفعت ہے جس میں انسان اپنے ضمیر کی روشنی یا وجدان کے ذریعے حق وباطل اور خیر وشر کی تمیز پیدا کرتا ہے، جس کی تعلیمات کا نقشہ قرآن حکیم خوبصورت انداز میں کھینچتا ہے۔ قرآن کے نزدیک عمدہ اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ سچ بولا جائے، جھوٹ سے پرہیز کیا جائے، قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے، امانت کی حفاظت کی جائے، انسانی ضروریات ومعاملات میں ایک دوسرے کے معاہدے کی پابندی کی جائے، کسی شخص کو کسی شخص سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے معاف کیا جائے اور معاشرے کو ایسے پروقار اور پرامن ماحول میں ڈھالا جائے جہاں عمدہ اخلاقی جواہر موجود ہوں۔

قرآن حکیم کی اخلاقی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو قدم قدم پر ہمیں طہارت ونفاست کی دعوت نظر آتی ہے، وہ ہمارے قلب وروح ہی کو نہیں بلکہ لباس، مال ودولت کو بھی ستھرا دیکھنا چاہتا ہے، اس نے واضح طور پر یہ بتادیا ہے کہ اللہ کو وہی پسند ہیں جو طہارت قلب ونگاہ کے حامل اور اس کے خوگر ہیں۔چنانچہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔(البقرہ۲۲۲) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔دوسری جگہ فرماتا ہے: **ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون.** (المائدہ٦) اللہ تم پر تنگی ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ تم کو پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر بجالاؤ۔

ذیل میں قرآن حکیم کی چند اخلاقی تعلیمات اور دینی دعوت پر مختصر تجزیہ پیش ہے۔

اخلاق اور دینی دعوت: قرآن کی چند اخلاقی تعلیمات یہ ہیں: ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی

ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ وان صبر تم لھو خیر للصابرین۔ اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ اور ایسے طریقے پر بحث کرو جو سب سے اچھا ہو تمہارا اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور راہ پر چلنے والوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے اور اگر تم بدلا لو تو اسی طرح جیسے تمہارے ساتھ سلوک ہوا اور اگر صبر کرو تو صبر کرنا بہتر ہے۔ وآت ذالقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین۔ (بنی اسرائیل ۲۶-۲۷) اور قرابت داروں کو ان کا حق دو اور محتاج اور مسافروں کو اور فضول خرچی نہ کرو فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم ۔ ان الشیطان للانسان عدو مبین۔ (بنی اسرائیل ۵۳) اور میرے بندوں سے کہو کہ وہ وہی بات کہیں جو بہتر ہے شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے بیشک شیطان ان کا کھلا دشمن ہے۔

ادفع بالتی ھی احسن السئیہ (المئو منون ۹۶)

برائی اس طرح دفع کرو جو بہتر ہو۔

وعبادالرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ (الفرقان ۳۲)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں تمہیں سلام ہو۔

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ولا تستوی الحسنۃ ولا السئیۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الاذو حظ عظیم (حٰم السجدۃ ۳۳، ۳۵)

اور اس سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اچھے ڈھنگ سے دفع کرو پھر تمہارے اور جس کے درمیان عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گہرا دوست اور یہ بات بڑے صبر والے اور بڑے نصیب والے پاتے ہیں۔

صدق کی دعوت: اسلامی اخلاقیات میں صدق ایک اہم ستون ہے۔ صدق اقوال سے دلوں کی طہارت و پاکیزگی کا پتہ چلتا ہے اور اس سے اعمال میں درستی پیدا ہوتی ہے۔ زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی جب ان تینوں میں کوئی مسلمان کامل ہو تو وہ کامل راست باز اور صادق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ (توبۃ ۱۹) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم لھم جنٰت تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ابدا (المائدۃ ۱۱۹) یہ وہ ہے دن جس میں سچوں کو ان کی سچائی کام آئے گی ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

زبان کی سچائی کے بارے میں قرآن فرماتا ہے :یجزی اللہ الصادقین بصدقھم و یعذب المنافقین ان شاء (احزاب ۳٤) تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو عذاب کرے اگر چاہے۔

سچائی سے ایمان کی اور جھوٹ سے نفاق کی پرورش ہوتی ہے یعنی صدق کی راہ سے ایمان اور نیکی کا جذبہ اُبھرتا ہے اور جھوٹ کی راہ سے برائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ دل کی سچائی کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:واللہ یشھد ان المنافقین لکٰذبون۔ (المنافقون ۱)

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر زبانی اقرار کرتے تھے جب کہ آپ کی رسالت متحقق اور سچی بات تھی لیکن چوں کہ ان کا اقرار ان کے دل کی تکذیب کرتا تھا اور ان کی ضمیر کے خلاف تھا، اس لیے قرآن حکیم نے ان کے زبانی اقرار کے باوجود انہیں کاذب بتایا، اس سے معلوم ہوا کہ سچائی زبان سے دل کی صحیح ترجمانی کا نام ہے۔

عمل کی سچائی یہ ہے کہ انسان کا نیک عمل اس کے ضمیر کے مطابق ہو بلفظِ دیگر ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہوں۔ قرآن فرماتا ہے:انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصدقون (حجرات ۱۵) جن مسلمانوں نے غیر متزلزل ایمان کے بعد خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا خدا کے نزدیک سچے ٹھہرے۔ اس لیے ان کا یہ عمل ان کی دل کی کیفیت کا سچا ترجمان ہوا یعنی جس ایمان کا اقرار کیا تھا عمل سے اس کی تصدیق کی۔

سخاوت کی دعوت: سچائی کے بعد سخاوت قرآن کی بنیادی تعلیم واخلاق ہے۔ سخاوت کے حقیقی معنیٰ اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر دینے کے ہیں جس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ جیسے اپنے کسی حق کو معاف کرنا، اپنا بچا ہوا مال کسی کو دینا، اپنی ضرورت کا خیال کئے بغیر کسی کو دینا، اپنی ضرورت کو روک کر کسی کو دینا، دوسرے کے لیے اپنے جسم ودماغ کی قوت کو خرچ کرنا، اپنی آبرو اور جان کو خطرے میں ڈالنا، دوسروں کو بچانے کے لیے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا۔ ان سب کا منشا یہ ہے کہ اپنی ذلت سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا۔ قرآن نے سخاوت کی دعوت اس طرح دی۔ ارشاد خداوندی ہے: ومما رزقنٰھم ینفقون" (البقرۃ ۳)

اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں خرچ کریں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا مما رزقنٰکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکفرون ھم الظالمون۔ (البقرۃ ۲۵۴)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں دیے ہوئے سے خرچ کرو وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہے نہ کافروں کے لیے دوستی اور نہ شفاعت اور کافر خود ہی ظالم ہیں۔

ان آیتوں میں خداوند کریم نے پرتاثیر انداز میں بندوں کو اپنی دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرنے پر زور دیا مگر خدا کی راہ میں جو سخاوت کی جائے ضروری ہے کہ اس میں خلوص نیت ہو اس سے مقصود کسی کا ممنونِ احسان نہیں۔ جب اس خلوص کے ساتھ خرچ کیا جائے گا تو اس کا اجر خدا دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو بدوی ایمان لائے اور خوش نیتی کے ساتھ کارِ خیر میں خرچ کرتے تھے۔ قرآن نے ان کی تعریف فرمائی۔ فرمان خداوندی ہے: من الاعراب من یومن باللہ والیوم الآخر و یتخذ ما ینفق قربٰت عند اللہ وصلوٰت الرسول الآ انھا قربۃ لھم سید خلھم اللہ فی رحمتہ ان اللہ غفور الرحیم. (التوبۃ ۹۹)۔

اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کے نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لیے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

عفت و پاکیزگی کی دعوت: عفت و پاکیزگی ان اخلاقی خوبیوں کی جان ہے جن کا تعلق عزت وآبرو سے ہے۔ اسی لیے قرآن نے اس کو ان اخلاقی محاسن میں گنایا ہے جو مسلمانوں کے چہرے کا نور ہے۔

سورۂ مومنون میں ارشاد الٰہی ہے: والذین ھم لفروجھم حٰفظون (مومنون ۳/) (اور بے شک وہ مراد کو پہنچے) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سورۂ معارج میں عفت و پاکیزگی کی تعریف اس طرح بیان کی ہوئی ہے: والذین ھم لفروجھم حفظون۔ اور وہ جو اپنے شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

عفت و پاک دامنی کو مسلمانوں کے لیے خدا نے اپنی بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کا ذکر سورۂ احزاب میں ہے: والحٰفظون فروجھم والحٰفظات۔ اور اپنی پارسائی پر نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں (ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثوب تیار کر رکھا ہے)

عفت و پاکیزگی کے لیے قرآن کا دوسرا لفظ "احصان" ہے جس کا ذکر قرآن میں جابجا آیا ہے۔ حضرت مریم کی عصمت و پاک دامنی، حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک بازی اور اہل بیت نبوی کی عفت وعصمت کا صریح ذکر قرآن میں موجود ہے۔ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جب وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو اپنی نظر نیچی رکھیں، عورتوں پر یہ پابندی لگائی گئی کہ وہ غیروں کو اپنے اندر کا بناؤ سنگار نہ دکھائیں، زیوروں کی جھنکار کسی کو نہ سنائیں، سینے کا پردہ رکھیں، باہر نکلیں تو سارے جسم کو چھپا کر رکھیں، باہر نکلنے پر خوشبو کا استعمال نہ کریں، بیچ راستے سے ہٹ کر کنارے چلیں، مرد وعورت راستے میں کھلے عام گفتگو نہ کریں، کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر قدم نہ رکھا جائے۔ یہ ساری تعلیمات اس لیے دی گئیں تاکہ مسلمان گھروں کی معاشرت، عفت و پاک دامنی کی تصویر ہو۔

دیانت داری اور امانت کی دعوت: دیانت داری کا مطلب یہ ہے کہ انسان روزمرہ کے کاروبار میں ایمان داری، سچائی، راست بازی اور عفت و پاکیزگی سے کام لے۔ دین اسلام بھی ایک امانت ہے جو ہمیں سپرد کی گئی۔ آپس میں لین دین کے معاملے میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانت داری اور امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:ان اللہ یأمرکم ان تودوا الامٰنٰت الیٰ اھلھاو اذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعم یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعاً بصیراً۔ (الناس ۸۵)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں ادا کرو اور لوگوں کے درمیان جب فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک جو اللہ نصیحت کرتا ہے وہ بڑی ہے، اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا: و ان کنتم علیٰ سفر ولم تجدوا کاتباًفرھٰن مقبوضة فان امن بعضکم بعضا فلیود الذی او تمن امانتہ ، ولیتق اللہ ربہ و لا تکتموا الشھادةومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم ۔ (البقرة۔ ۲۸۳)

اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو گروہو قبضہ میں دیا ہوا۔ اور اگر تم میں ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے اس نے امین سمجھا تھا اپنی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

امانت کا دائرہ صرف روپے، پیسے، جائداد اور مالی اشیا تک محدود نہیں ہے جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ ہر مالی اور قانونی امانت اور اخلاقی امانت بھی اس میں شامل ہے۔ قرآن میں امانت داروں کو خدا نے فلاح پانے کی خوش خبری سنائی ہے۔

پوری شریعت ایک خدائی امانت ہے جو انسانوں کو سپرد ہوئی ہے اس لیے ہمارا فریضہ ہے کہ اس کے مطابق اپنے مالک کا پورا پورا حق ادا کریں ورنہ خائن ٹھہریں گے۔ اسی کا تذکرہ قرآن نے اس طرح فرمایا ہے: انا عرضنا الامانة علیٰ السمٰوٰت و الارض و الجبال فابین ان یحملنھا و اشفقن منھا و حملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً۔ (الاحزاب)

بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہیں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھا لی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

امن وسلامتی کی دعوت: امن وسلامتی کے ساتھ زندہ رہنے کی خواہش انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے قرآن حکیم اس کی اس طرح ترغیب دیتا ہے: و ان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم (انفال ٦١) **اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے جاننے والا ہے:** یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلٰم و یخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنہ ۔(المائدہ ١٦) **اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے ساتھ اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے۔**

لھم دارالسلام عند ربھم ۔(الانعام ١٢٧)

ان کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔

صلہ رحمی کی دعوت: قرآن قرابت داروں کے ساتھ تعلق خاطر رکھنے، ان سے حسن سلوک کرنے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہو کر تعلقات کو خوش گوار رکھنے کی دعوت دیتا ہے اور اس کو اہل ایمان کی ایک ممتاز صفت بتایا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: و الذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل (الرعد ٢١) **جو لوگ ان تعلقات کو قائم رکھتے ہیں جنہیں قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔**

الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخاسرون ۔ (البقرة ٢٧) **وہ جو اللہ کے عہد کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں وہی پورے خسارے میں ہیں۔**

عفوودرگزر کی دعوت: کسی کو اگر کسی شخص سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے معاف کر دینا اور عفوودرگزر سے کام لینا انبیائے کرام اور صالحین کا طریقہ ہے۔ قرآن نے جا بجا اس کی تاکید فرمائی ہے: الذین ینفقون فی السراء و الضرو الکاظمین الغیظ و العافین عن الناس ۔ واللہ یحب المحسنین (آل عمران ١٣٤) **جو فراغت و تنگی میں خرچ کرتے اور غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، اللہ ایسے نیکوں کو پسند کرتا ہے۔** فبما رحمة من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظاالقلب لا نفضوا من حولك فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر (آل عمران ١٥٩) **تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم ہو، اگر ان کے لیے تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ انہیں معاف کر دو ان کے لیے استغفار کرو اور خصوصی کاموں میں ان سے مشورہ کرو۔**

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین ۔

(الاعراف۱۹۹) معاف کردیا کرو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے دور رہو۔

وجزاؤ سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی الله انه لایحب الظٰلمین۔ (الشوریٰ)

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے اور جو درگزر کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

آدابِ مجلس کی دعوت: کسی کے گھر جانے، مجلس میں شریک ہونے کا جو طریقہ قرآن نے بتایا ہے اس پر عمل کیا جائے تو باہمی تعلقات ہمیشہ معمول کے مطابق رہیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ دلچسپی اخوت ومحبت بدستور برقرار رہے گی۔ یاایها الذین اٰمنوا اذاقیل لم تفسحوا فی المجالس فافسحوا لیفسح الله لکم واذا قیل انشزو افانشزوا۔ (المجادله ۱۱)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادگی اختیار کرو تو کشادگی رکھو اللہ تمہیں کشادہ جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو اٹھ جاؤ۔

عدل واحسان کی دعوت: عدل واحسان قرآنی تعلیمات کے دو اہم اصول ہیں جن کے ذریعے اسلام نے دنیا میں ایک ہمہ گیر شریعت کو نافذ کیا ہے تاکہ ان اصول کی بنیاد پر کائنات میں عدل وانصاف پر مبنی ایک بلند معاشرہ قائم ہو سکے، عدل وانصاف صرف نظم وسلطنت ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کی ضرورت ہے۔ نظام عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے عدل واحسان کے اصولوں کی جامعیت پر زور دیتے ہوئے قرآن نے ارشاد فرمایا: ان اللـه یامرکم بالعدل والاحسان (سورۂ نحل) بیشک اللہ تمہیں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔

ازدواجی زندگی ہو یا لین دین کے معاملات، یتیموں کے حقوق ہوں یا عدالتی مقدمات ان سب میں قرآن نے عدل وانصاف سے فیصلہ صادر کرنے کی تلقین کی ہے۔

قرآن فرماتا ہے: یا ایها الذین اٰمنوا کونوا قوا مین لله شهداء بالقسط ولا یجر منکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوهو اقرب للتقوی واتقوالله ان الله خبیر بما تعملون ۔ (المائده/ ۷۰)

اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم رہو انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے، انصاف کرو! یہ پرہیزگاری سے قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

معاشرتی زندگی میں عدل وانصاف کی ضرورت سب سے زیادہ ان لوگوں کو ہوتی ہے جو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرتے ہیں چنانچہ قرآن نے عدل نہ ہونے کی صورت میں ایک ہی سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے: فان خفتم الا تعدلوافواحدة او ما ملکت ایمانکم ذالك ادنیٰ الا تعدلوا (النساء۳) پھر اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔

عورتوں کی طرح یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بھی قرآن نے عدل وانصاف پر زور دیا ہے: وان تقوموا للیتٰمی بالقسط (النساء ۱۲۶) اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو۔

اسی طرح احسان کے بارے میں بھی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے۔ اور احسان کی ایک اہم صورت یہ ہے کہ کسی کو مصیبت سے نجات دلائی جائے، قصورواروں کے قصوروں کو معاف کرنا اور ان کے مقابلے میں غصہ کو پی جانا بھی احسان ہے، احسان کرنے والوں کو قرآن خوش خبری دے رہا ہے " واللـه یحب المحسنین " (آل عمران ۱۴) اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

عام لوگوں کے علاوہ ماں باپ، قرابت دار، یتیم، محتاج، پڑوسی اور مسافر وغیرہ احسان کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ خداوند کریم نے ان لوگوں کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کی متعدد آیتوں میں تاکید کی۔

ان تمام تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے عدل ومساوات کا جو حکم دیا ہے وہ اخلاقی معاشرت اور سیاست کے ہر گوشے کو محیط ہے یعنی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس پر اسلام کی اخلاقی تعلیم حاوی نہ ہو، ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن حکیم نے وقار ومتانت، عزت وشرافت اور سکون وراحت کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دی ہے اگر داعیان اسلام ان اخلاقی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دعوت واصلاح کا فریضہ انجام دیں تو عالمی سطح پر پائی جانے والی بے چینی و اضطراب کا خاتمہ ہو سکتا ہے، الجھے ہوئے مسائل سلجھ سکتے ہیں، نفرت و عداوت کی جگہ الفت ومحبت پیدا ہو سکتی ہے، انتشار ختم ہو کر اتحاد پیدا ہو سکتا ہے، معاشرے کی خرابیاں دور ہو سکتی ہیں، انسانوں کا انداز تدبر وتفکر بدل سکتا ہے، حیات کے سارے شعبوں میں اصلاح ودرستی ہو سکتی ہے اور سارا عالم امن وآشتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

قرآن کی بنیادی تعلیمات اور دینی دعوت

محمد ظہیر القادری جامعی ★

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں کہ اس نے ہماری ہدایت ورہنمائی کے لیے ہمیں ایک ایسی مقدس کتاب عطا فرمائی جو دستور حیات کا ایک مکمل دستاویز ہے۔ جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ بالخصوص اس کتاب مقدس میں انسان کے لیے جو تعلیمات مرقوم ہیں وہ دنیا کی کسی کتاب میں موجود نہیں مثلاً عبادات، معاملات، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی، والدین، اولاد، بیوی، پڑوسی، یتامیٰ، مساکین، بائع، مشتری اور عامۃ الناس کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق کی جو تعلیمات ہیں وہ تعلیمات دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ہیں۔ حتیٰ کے ایک داعیِ دین جس کے ذمے احکامِ خداوندی غیر تک پہنچانا ہے اس کے اخلاق وکردار اور عادات واطوار کیسے ہونے چاہئے؟ اس کو بھی اس کتاب کے اندر صاف لفظوں میں بیان کیا گیا۔ قرآن عظیم میں انسانوں کے لیے جو اخلاقی تعلیمات موجود ہیں وہ انسانوں کی فلاح وبہبود کی ضامن ہیں۔ خصوصاً ایک دینی داعی اور ایک اسلامی مبلغ کے اندران اخلاق کا پایا جانا بے حد ضروری ہے کہ جن اخلاق سے مرسلین عظام اور انبیائے کرام کو متصف ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیوں کہ انبیائے کرام کی بعثت اس دنیا میں بحیثیت داعی اور مبلغ ہوئی ہے۔ لہٰذا انبیائے کرام کے اخلاق وکردار داعی اور مبلغ کے لیے نمونۂ عمل ہیں، جن کو قرآن مقدس کے اندر واضح الفاظ اور واقعات کے تحت بیان کیا گیا ہے مثلاً صبر، استقامت، ہمت، توکل علیٰ اللہ اور تقویٰ کی تعلیم، حرص اور تکبر سے بچنے کی تعلیم وغیرہ۔ قرآن کریم میں مرسلین عظام کی دعوت وتبلیغ کے واقعات مطالعہ کرنے کے بعد داعی کے لیے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں۔ ان کا ایک مبلغ کے اندر پایا جانا اشد ضروری ہے۔ مثلاً (۱) داعی کا صابر ہونا۔ (۲) داعی کا سنجیدہ مزاج ہونا۔ (۳) داعی متکبر نہ ہو ملنسار ہو۔ (۴) داعی کا حرص سے اجتناب کرنا۔ (۵) داعی کا قول حسن اور نرم ہونا۔ (۶) داعی باہمت، ثابت قدم، استقامت اور توکل علیٰ اللہ جیسی صفات سے متصف ہو۔ (۷) داعی مستغنی عن الدنیا ہو۔ اب ہم مذکورہ اوصاف کو قرآن کی روشنی میں تفصیلاً ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

صبر کی تعلیم: راہِ دعوت میں طرح طرح کی دشواریاں اور پریشانیاں سامنے آتی ہیں۔ ایسے موقع پر داعی کے اندر صبر جیسی صفت کا پایا جانا بے حد ضروری ہے کہ داعی جب اسلام کی دعوت پیش کرے اور اُسے قوم کی طرف سے تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں اور داعی کو برا بھلا کہا جائے تو وہ صبر کرے۔ رسولانِ عظام علیہم السلام کے یہی اخلاق تھے کہ انہیں جب جب ستایا گیا اور تکلیفیں دی گئیں تو ان محبوبانِ خدا نے تکلیفیں برداشت کیا اور صبر فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے: **ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علیٰ ما کذبوا واوذوا حتیٰ اتٰھم نصرنا۔** ترجمہ: اور یقیناً آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی گئی تو ان لوگوں نے کفار کی تکذیب اور تکلیفیں برداشت کیں اور صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔ (سورۂ انعام آیت ۳۴)

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت وتبلیغ کے راستے میں جب جب ستایا گیا تو آپ نے صبر کیا، کفار نے گالیاں دیں تو آپ نے صبر کیا، آپ کو پاگل اور ساحر کہا گیا آپ نے صبر کیا، شعب ابی طالب میں آپ مقید رہے آپ نے صبر کیا، مقام طائف میں آپ لہولہان ہوئے آپ نے صبر کیا اور صبر کیوں کر نہ کرتے جب کہ آپ سے آپ کے رب نے فرمایا ”**فاصبر علیٰ مایقولون**“ اے محبوب! یہ کفار جو کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے۔ (طٰہٰ آیت ۱۳۰)

دوسری جگہ آپ کا رب یوں مخاطب ہے: ”**فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل**“ (الاحقاف آیت ۳۵)

ترجمہ: اے محبوب صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے کیا

آج ہم بھی اپنے آپ کو داعیِ حق اور مبلغ اسلام کہتے ہیں

ہمیں بھی ذہنی اور جسمانی تکلیفیں پہنچتی ہیں لیکن ہم سے صبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو تنظیم، کمیٹی یا ادارہ دعوت وتبلیغ کے لیے وجود میں آتا ہے وہ چند ہی دنوں میں ختم ہو جاتا ہے اور وہ افراد جو بڑے ہی جذبے اور شوق کے ساتھ دعوت کے لیے آگے آتے ہیں صبر جیسی صفت نہ ہونے کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور تھوڑے ہی اختلاف کی بنیاد پر آپس میں افتراق وانتشار پیدا ہو جاتا۔ حالاں کہ ربِ کائنات نے اس طرح کرنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور ایسے موقع پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ حکم ربانی ہے: ''**ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا ان الله مع الصابرين** '' (الانفال آیت ۴۶)

ترجمہ: اور آپس میں نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے لہٰذا ایسے موقع پر داعی صبر سے کام لے، کیوں کہ جو صبر کرتا ہے ان کے ساتھ نصرت خداوندی ہوتی ہے۔

''**وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور**'' (ال عمران آیت ۱۸۶)

ترجمہ: اور اگر تم صبر کرتے رہو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ (کنزالایمان)

اگر داعی کے اندر صبر جیسی صفت نہ پائی گئی تو اس کی دعوت پائدار نہیں ہوسکتی۔ راہ دعوت کی دشواریاں داعی کی دعوت کے لیے مانع بن جائیں گی اور داعی کو منزل تک پہنچنا مشکل ہوگا۔ لہٰذا داعی اور مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ آپس کی تو تو، میں میں، غیروں کا استہزا اور تضحیک، دوستوں کی چھیڑ خوانی اور دشمنوں کی ایذا رسانی پر صبر کریں اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دین کی دعوت جاری رکھیں۔ کامیابی ضرور ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''**ولئن صبرتم لهو خير للصابرين** '' (النحل آیت ۱۲۶)

ترجمہ: اور اگر تم صبر کرو تو صبر، صبر کرنے والوں کے لیے سب سے اچھا ہے۔

داعی کا قول حسن ہو: انسان کے دل ودماغ کو مائل کرنے کا ایک ذریعے یہ بھی ہے کہ انسان سے اچھی اور نرم گفتگو کی جائے انسان کا ذہن کلمۂ طیبہ اور قول لین (نرم گفتگو) کو پہلے قبول کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''**وقولوا للناس حسناً** ''لوگوں سے اچھی باتیں کہو۔ (سورۃ البقرہ آیت ۸۳)

اچھی باتیں دلوں میں زیادہ مؤثر ہوا کرتی ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کے پاس تبلیغ کے لیے جانے کا حکم دیا گیا تو پہلے ان دونوں پیغمبروں کو قول لین کہنے کی نصیحت کی گئی ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**اذهب الیٰ فرعون انه طغیٰ فقولا له قولاً ليناً لعله يتذكرا ويخشيٰ**'' (سورۂ طٰہٰ آیت ۴۳، ۴۴)

فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے سر اٹھایا تو ان سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب آپ کے چچا نے کہا ''**يا ابراهيم، لئن لم تنته لارجمنک واهجرني مليّا**'' (سورۂ مریم آیت ۴۶) اے ابراہیم اگر تم باز نہیں آتے تو میں تمہیں رجم کروں گا اور مجھ سے زمانۂ دراز تک بے علاقہ ہو جا۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا سے کتنی اچھی بات کہی اور دلکش جواب دیا۔ سنئے! آپ نے فرمایا: ''**سلام عليک ساستغفر لک ربي انه كان بي حفياً** '' (سورۂ مریم آیت ۴۷)

آپ پر سلامتی ہو عنقریب آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے۔

ذرا سوچئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رجم کی دھمکی دی جا رہی ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام سلامتی بھیج رہے ہیں آج بھی ایک داعی کا کردار ایسا ہی ہونا چاہیئے کلمۂ سو کے جواب میں کلمۂ طیب ہو تو جیت اور فتح کلمۂ طیب کی ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب منافقین آتے تھے اور حیلہ وبہانہ بنایا کرتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین سے اعراض کرنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ساتھ یہ بھی تعلیم دی: ''**وعظهم وقل لهم في انفسهم قولاً بليغاً**'' (سورۃ النساء آیت ۶۳) اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان سے رسا بات کہو۔ (کنزالایمان)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے داعی کو صاف الفاظ میں قول حسن کے ذریعے دعوت دینے کا حکم فرمایا: ''**ادع الیٰ سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة**'' (سورۃ النحل آیت ۱۲۵) اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے دعوت دیجئے۔

آج دینی علم والوں کو اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ جب کسی سے دین کی باتیں کرتے ہیں تو اثنائے گفتگو دین کی باتوں کو کنارے رکھ کر بحث ومباحثہ، لغویات، فضولیات مجادلہ اور مکابرے ہیں۔حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ مخاطب سے خالص دین کی باتیں کی جائے اور لغویات،فضولیات اور بحث ومباحثہ سے گریز کیا جائے ،مومن کی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ” **اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً**“ (الفرقان آیت ۶۳) جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔ (کنز الایمان) اور یہی کامیابی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:”**قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون**“ (المومنون آیت ۱، ۲) یقیناً مومنین کامیاب ہیں جو نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور جو کسی بیہودہ پر التفات نہیں کرتے۔

بلکہ جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور لغویات سے اعراض کرتے ہیں ان کے بارے میں ڈبل اجر کی تلقین کی گئی ہے :” **اولئک یؤتون اجرهم مرتین بما صبروا ویدرؤن بالحسنة السیئةو مما رزقنٰهم ینفقون واذا سمعوا اللغوا اعرضوا عنه وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاهلین** (القصص آیت ۵۴،۵۵) ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا ان کے بدلے میں کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے خرچ کرتے ہیں اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل بس تم پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں۔

داعی لوگوں کے ساتھ نرمی اور سنجیدگی سے پیش آئیں: دعوت کی دشواریوں میں سے یہ بھی ہے کہ داعی کو لوگ طرح طرح کی باتیں کہتے ہیں فضول اور بے بنیاد سوالات کرتے ہیں حد تو یہ ہے کہ کچھ جاہل لوگ داعی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مبلغ کو بے وقوف اور پاگل سمجھتے ہیں کبھی داعی کو ان پڑھ، جاہل، مکار اور یا بے کار تصور کیا جاتا ہے ایسے وقت میں داعی اور مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ سکون ومتانت نرمی اور سنجیدگی کو لازم پکڑیں اور لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور ان کے سوالوں کا قابل اصلاح اور مناسب جواب دیں کیونکہ اس وقت اگر داعی خاموش اور سنجیدہ نہ رہا اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی سے پیش نہ آیا تو دعوت وتبلیغ کا کام بالکل سرد پڑ جائے گا لوگ داعی کی دعوت قبول کرنے کے بجائے داعی سے لڑ جھگڑ لیں گے۔ نیز اگر داعی اس وقت نرمی اور سنجیدگی اختیار نہ کریں بلکہ لوگوں کی ہٹ دھرمی کا جواب ہٹ دھرمی سے، گالی کا جواب گالی سے استہزاء کے مقابلے میں استہزاء، جہالت کے بدلے جہالت پیش کریں تو داعی اور مدعو،علم اور جہل اور ہدایت وضلالت کے مابین کیا خط امتیاز رہ جائے گا؟

قرآن کے اندر پیغمبروں کے واقعات پڑھیئے :انہیں کیا نہیں کہا گیا؟ ان کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کیے گیے،ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے گیے،ان کا استہزاء کیا گیا۔”**ومایأتیهم من رسول الا کانو ا به یستهزؤن**“ (سورۃ الحجر آیت ۱۱) اگلی اُمت کے پاس کوئی رسول نہیں آئے مگر ان لوگوں نے رسولوں کا استہزا کیا۔

پیغمبروں کو کبھی گالیاں دی گئیں،کبھی پاگل اور مجنوں کہا گیا، لیکن ان سارے ایذا رساں کلمات اور تکلیف دہ باتوں سے ان کے ذہن ودماغ میں چڑچڑاہٹ، طیش،غصہ اور سختی پیدا نہ ہوئی بلکہ وہ حضرات ہمیشہ سنجیدگی اور نرمی سے لوگوں کے ساتھ پیش آئے اور ہمیشہ لوگوں کے ساتھ شفقت کرتے رہے۔اور ان کے دل شکن کلمات اور قلب سوز سوالوں کا جواب سنجیدگی کے ساتھ دیتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے !جب آپ تبلیغ کے لیے فرعون کے پاس پہنچے فرعون اپنے تمام حواریوں کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا،حضرت موسیٰ نے تبلیغ شروع کی اور فرمایا: ”**یٰفرعون انی رسول من رب العٰلمین**“ (سورۃ الشعراء) اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔فرعون نے کہا: ”**وما رب العٰلمین**“، حضرت موسیٰ نے فرمایا:”**رب السمٰوٰت والارض وما بینهما ان کنتم موقنین**“ آسمانوں اور زمینوں کا رب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کا رب اگر تم یقین کرنے والے ہو۔اس طرح فرعون سوال کرتا جارہا تھا اور حضرت موسیٰ نرمی اور سنجیدگی کے ساتھ جواب دیتے جارہے تھے۔آخر کار فرعون مبہوت ہوگیا اور غصہ میں آکر اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے چیلوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگا:”**ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون**“ (سورۃ الشعرا) بے شک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا

وہ پاگل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ فرعون بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پاگل کہہ رہا ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اخلاق اور انداز تبلیغ دیکھئے! آپ نے فرعون کے اس گستاخانہ کلام کے جواب میں کافر، مشرک، گستاخ، بے ادب، گمراہ، خبیث، شیطان اور جاہل جیسے الفاظ کا استعمال نہیں کرتے بلکہ آپ نے وحدانیت کی تبلیغ مزید جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''رب المشرق والمغرب ومابینهما ان کنتم تعقلون'' (سورۃ الشعرا) پورب اور پچھم کا رب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کا رب اگر تم عقل رکھتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے! جب آپ قوم کے پاس آئے اور قوم کو رب واحد کی عبادت کی طرف دعوت دینا شروع کی تو قوم آپ سے کہنے لگی: ''انا لنرٰک فی ضلٰل مبین'' (الاعراف) اے ابراہیم ہم آپ کو کھلی ہوئی گمرہی میں دیکھ رہے ہیں ذرا سوچئے قوم ایک پیغمبر کو گمراہ کہہ رہی ہے لیکن حضرت ابراہیم کا نرم اور پرسکون جواب ملاحظہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا: ''یقوم لیس بی ضلالة ولکنی رسول من رب العٰلمین'' اے میری قوم مجھ پہ گمرہی کچھ نہیں لیکن رب العالمین کی طرف سے میں رسول ہوں۔ ''ابلغکم رسالات ربی وانصح لکم واعلم من الله مالا تعلمون''۔ اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا خیرخواہ ہوں اور مجھے رب کی طرف سے وہ علم حاصل ہے جو تم نہیں جانتے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی نرمی اور سنجیدگی دیکھئے جب آپ نے قوم کو رب ذوالجلال کی پرستش کی طرف بلانا شروع کیا تو قوم کہنے لگی: ''انا لنرٰک فی سفاهة وانا لنظنک من الکاذبین''۔ اے ہود بے شک ہم تم کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور تم کو جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا: ''یٰقوم لیس بی سفاهة ولکنی رسول من رب العٰلمین ابلغکم رسالات ربی وانا لکم ناصح امین'' (الاعراف) اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں پروردگار عالم کی طرف سے رسول ہوں تم تک رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیرخواہ ہوں، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہما السلام نے جب قوم کو عبادت رب واحد کی دعوت دی تو قوم نے صاف لفظوں میں جواب دیا: ''انما انت من المسحرین مانراک الا بشر مثلنا''۔ مگر یہ پاکباز مرسلین عظام ہمیشہ قوم کو نرمی سے دعوت دیتے رہے اور کہتے رہے: ''فاتقوا الله واطیعون''۔ اے قوم! اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

خاتم الانبیا محبوب کبریا، آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نرمی اور حسن سلوک کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود خداوند قدوس نے آپ کی نرمی اور رحم دلی اور شفقت کا بیان یوں فرمایا: ''ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنهم واستغفرلهم وشاورهم فی الامر'' تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے اے محبوب تم ان کے لیے رحم دل ہوئے اور اگر تم تندمزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔ جہاں رب کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا وہاں اپنے پیروکاروں کے ساتھ نرمی اور رحم دلی کا بھی حکم فرمایا، ارشاد فرمایا گیا: ''وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناک لمن اتبعک من المومنین'' (الشعراء آیت ۲۱۴، ۲۱۵) ابتدائے اسلام میں کفار کی گالیاں، استہزاء اور ان کی تضحیکات دیکھیے اور دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی، رحمی دلی اور سنجیدگی ملاحظہ فرمائیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں رب کی ربوبیت اور خدا کی وحدانیت کا اعلان فرمایا تو سرداران کفار بول پڑے: ''یاایها الذی نزل علیه الذکر انک لمجنون'' (الحجر)۔ اے وہ جس پر قرآن اترا تم تو مجنون ہو۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ یہ کفار اور ظالمین مسلمانوں کے پاس جاتے اور کہتے: ''ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً''، تم لوگ تو ایک ایسے آدمی کی اتباع کررہے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ان بے بنیاد الزامات اور دل شکن کلمات کے باوجود ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے پیش آئے اور سنجیدگی کے ساتھ آپ نے اپنی دعوت جاری رکھا اور ہمیشہ ان سے کہتے رہے: ''ففروا الیٰ الله انی لکم منه نذیر مبین ولاتجعلوا مع الله الٰهاً آخر انی لکم منه نذیر مبین'' (الذاریات آیت ۵۰، ۵۱)

اللہ کے راستے کی طرف چلو بے شک میں تم کو کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی کو معبود مت بناؤ بے شک میں

تمہارے لیے کھلا ہوا نذیر ہوں۔ یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اورسنجیدگی اور آپ کی دعوت وتبلیغ کی پائداری کہ لوگ آپ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں لیکن آپ ان کا جواب اچھے کلمات سے دے رہے ہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''**وما انت بنعمة ربک بکاهن ولا مجنون**'' اے محبوب آپ اپنے رب کے فضل سے کوئی کاہن اور جادوگر نہیں ہیں اور مسلمانوں کو مخاطب ہوکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**وما صاحبکم بمجنون**'' تم لوگوں کا دوست کوئی مجنون نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا بھیجا ہوا ایک سچا رسول ہے۔ الغرض جب جب کوئی نبی اور پیغمبر اس دنیا میں لوگوں کے پاس آئے اور انہوں نے لوگوں کو رب واحد کی عبادت کی دعوت دی تو لوگوں نے ان محبوبان خدا کو مجنون اور ساحر کہا ارشاد باری ہے: ''**کذالک مااتی الذین من قبلهم من رسول الا قالوا ساحر اَو مجنون**'' (الذاریات آیت۵۲) یوں ہی جب ان کے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادوگر یا دیوانہ۔ لیکن ان قدسی صفات رسولوں نے لوگوں کی تکلیف دہ باتوں کو برداشت کیا اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور ہر حال میں اپنی تبلیغ جاری رکھی، جس سے انہیں کامیابی ملی آج ہم بھی دعوت وتبلیغ کرتے ہیں، ہمارے راستے میں بھی اس طرح کا معاملہ پیش آتا ہے عوام ہمیں بے وقوف، پاگل، ریاکار اور مکار کہتی ہے لیکن ہمارا حال اس وقت کچھ اور ہوتا ہے۔ ہم دعوت وتبلیغ کے کام کو پہلے پیچھے رکھتے ہیں پھر عوام کی دل شکن باتوں کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں یہیں تک بس نہیں بلکہ ذاتیات اور اپنی انانیت میں بے چارے جاہل عوام کو کچھ بھی سنا دیتے ہیں۔ موقع ملا تو کچھ گڑھ کر انہیں جہنمی اور دوزخی قرار دے دیتے ہیں۔ اللہ کی پناہ۔ آج ضرورت ہے کہ مبلغ اور داعی جب دعوت وتبلیغ کا کام کریں تو ان کا اول ترین مقصود دینی دعوت ہو اور اس مقصد کے حصول کے لیے عوام کی تکلیف دہ باتوں کو برداشت کریں اور ان کی باتوں سے کبھی بھی طیش، غصہ، سختی اور غضب میں نہ آئیں بلکہ سنجیدگی، سکون ومتانت کو لازم پکڑیں اور ان کے سوالوں کا جواب ہمیشہ نرمی سے دیں۔ انشاء اللہ یہ اخلاق نگاہ اور دل دونوں کے لیے مؤثر ہوں گے۔

داعی کا حرص سے اجتناب ضروری: حرص ان مہلک بیماریوں میں سے ہے جو انسانیت اور آدمیت کے لیے زہر ہلاہل کا کام کرتا ہے داعی اور مبلغ کے اندر اگر حرص پیدا ہوگیا تو وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ حرص کئی طرح کے ہوتے ہیں دولت کا حرص، شہرت وحکومت کا حرص، تعریف اور شخصیت پروری کا حرص لوگوں کے دلوں میں محبوب بننے کا حرص، یا لوگ میری عزت اور احترام کریں اس چیز کا حرص، مبلغ اور داعی کے اندر مذکورہ اشیا میں سے کسی چیز کا حرص نہیں ہونا چاہیے۔ داعی کے نزدیک اصل مقصد دعوت وتبلیغ ہونا چاہیے، داعی کے دل میں خلوص ہو، ریا نہ ہو۔ ظاہری وباطنی ایک ہو۔ دھوکا بازی نہ ہو، تب داعی اپنی دعوت میں دنیا اور آخرت کے لحاظ سے کامیابی حاصل کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ نیز داعی کبھی بھی یہ نہ سوچے کہ فلاں شخص کو میری وجہ سے ہدایت ملی، یا فلاں شخص کو ہدایت کے رستے میں میں لاکر ہی چھوڑوں گا یا فلاں شخص کی ہدایت کا ذمہ دار میں ہوں، کیوں کہ ہدایت وضلالت کا دارومدار اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے ''**والله يهدی من يشاء ويضل من يشاء**''۔

داعی اور مبلغ کا کام صرف دعوت پہنچانا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ''**وما علیک الا البلاغ**'' اے محبوب آپ کی ذمہ داری صرف دعوت دینا ہے۔ بلکہ سورۂ نحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف کہا گیا کہ اے محبوب اگر آپ ان لوگوں کی ہدایت پر حریص ہیں تو اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا جسے اللہ گمراہ کرتا ہے ''**ان تحرص علیٰ هُدٰهم فان الله لايهدی من يضل**'' (سورۃ النحل آیت ۳۷) ''**ولکن الله يهدی من يشاء**'' (القصص آیت ۵۶) اگر تم ہدایت کی حرص کرو تو بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرتا ہے۔ لیکن جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اور سورۂ یونس میں یوں ارشاد ہے: ''**ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلهم جميعاً افانت تکره الناس حتیٰ يکونو مومنين وماکان لنفس ان تومن الا باذن الله**'' (سورۂ یونس آیت ۹۸، ۹۹) اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کروگے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں اور کسی جان کی قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے۔ خداوند قدوس نے ان کفار کے بارے میں

اپنے رسول کو بتایا جن کی نوشتہ تقدیر میں کفر ہی کفر ہے کہ اے محبوب آپ جن کفار کے ایمان لانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا رہے ہیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں بلکہ ان کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ”**ولو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی بل لله الامر جمیعاً افلم یایئس الذین اٰمنو ان لو یشاء الله لهدی الناس جمیعاً**“ (سورۃ الرعد آیت ۳۱) اور اگر کوئی ایسا قرآن آتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین پھٹ جاتی یا مردیں باتیں کرتیں جب بھی یہ کافر نہیں مانتے بلکہ سب کام (ہدایت وضلالت) اللہ ہی کے اختیار میں ہیں تو کیا مسلمان اس سے نا امید نہیں ہوتے کہ اللہ چاہتا تو سب آدمی کو ہدایت کر دیتا۔

اسی مفہوم کو سورۂ نحل میں یوں بیان کیا گیا ہے: ”**ولو شاء الله لجعلکم امة واحدة ولکن یضل من یشاء ویهدی من یشاء**“ (سورۃ النحل آیت ۹۳) اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت کرتا لیکن اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۔ لہٰذا ایک داعی کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں تک دعوت پہنچادے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ہدایت اور ضلالت بید اللہ (اللہ کے ہاتھ میں) ہے، ہمارا کام قوم تک صرف دعوت پہنچانا ہے، ارشاد باری ہے: ”**من یهدی الله فما له من مضل**“ (۲۴ پارہ) اللہ جس کو ہدایت دیتا ہے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ”**ومن یضلل الله فلا هادی له**“ (الاعراف آیت ۱۸۶) اور جسے گمراہ کرتا ہے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

داعی کا باہمت اور ثابت قدم رہنا ضروری: انسان کے دل ودماغ سے غلط خیالات نکالنا اور اس میں صحیح افکار ونظریات بسانا ایک مشکل کام ہے، انسان ان خیالات کو نہیں چھوڑتا جن کو وہ دل سے تسلیم کرتا ہے، اور ایک داعی اور مبلغ کی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ انسان کے ذہن وفکر کو اچھے نظریات سے آشنا کرائے اور ان کے دل ودماغ سے برے خیالات کا ازالہ کرے تبلیغ ایک پر خار وادی ہے جس میں چلنے والا اکثر ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ کیوں کہ داعی جن خیالات کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے وہ خیالات لوگوں کے خیالات سے الگ ہوتے ہیں، اسی وجہ سے داعی اور لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور یہ اختلاف کبھی کبھی ایک جنگ اور لڑائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں تک مارنے، پیٹنے اور شہر بدر ہونے تک کی نوبت آجاتی ہے، پورا محلّہ، گاؤں اور شہر داعی کا دشمن بن جاتا ہے، ایسی مخالف فضا میں جینے کے لیے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمت اور استقامت سے کام لے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، سابقہ امت کے رسولان کرام کی داستانیں ہمیں بتاتی ہیں کہ سابقہ قوموں نے اپنے رسولوں کی بے حد مخالفت کی اور انہیں ستایا اور طرح طرح کی دھمکیاں دی لیکن ان اولوالعزم رسولوں کے قدم ان کفار کی دھمکیوں سے نہیں ڈگمگائے بلکہ وہ حضرات ثابت قدم رہے اور انہیں کامیابی ملی۔ ان لوگوں کی ہمتوں نے انہیں منزل تک پہنچادیا۔ ارشاد ربانی ہے: ”**قال الذین کفروا لرسلهم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحیٰ الیهم ربهم لنهلکن الظالمین، ولنسکننکم الارض من بعد هم**“ (سورۂ ابراہیم آیت ۱۳، ۱۴) اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں ضرور اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ تو انہیں ان کے رب نے وحی بھیجی کہ ہم ضرور ان ظالموں کو ہلاک کریں گے اور ضرور ہم تم کو ان کے بعد زمین میں بسائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ پڑھئے، جب آپ قوم کو دعوت دیتے ہیں: ”**فاتقوا الله واطیعون، وماا سئلکم علیه من اجر ان اجری الا علیٰ رب العٰلمین، اتاتون الذکر ان من العٰلمین وتذرون ماخلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عٰدون**“ (سورۃ الشعراء آیت ۱۶۳ تا ۱۶۶) تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں اس پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے، کیا مخلوق میں مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور چھوڑتے وہ جو تمہارے لیے تمہارے رب نے جوڑا بنائے بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔ تو قوم اس دعوت کی مخالفت کرتی ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کو دھمکی دیتی ہے: ”**قالوا لئن لم تنتهٖ یٰلوط لتکونن من المخرجین**“ (الشعراء آیت ۱۶۷) بولے اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے۔ مگر حضرت لوط علیہ السلام کی ہمت دیکھئے کہ ایسے موقع پر ثابت قدم رہتے ہیں اور متوکل علی اللہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوتے ہیں، دعا قبول ہو جاتی ہے پھر عذاب الٰہی آکر حضرت لوط کے انکار کرنے والوں کو ہلاک

کردیتاہے۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب قوم سے مخاطب ہوتے ہیں: ''فاتقوا اللہ واطیعون، وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا رب العٰلمین'' (الشعراء آیت ۱۰۸، ۱۰۹) تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ قوم ان خیالات کی سختی سے مخالفت کرتی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکیاں دیتی ہے: ''قالوا انومن لک واتبعک الارذلون قالو لئن لم تنتہ یٰنوح لتکونن من المرجومین'' (الشعراء آیت ۱۱۱، ۱۱۶) بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوتے ہیں۔ بولے اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کردیئے جاؤ گے۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام ان کفار کی دھمکیوں کا کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے بلکہ باہمت اور ثابت قدم ہوکر بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہیں، دعا قبول ہوجاتی ہے اور عذاب الٰہی آکر قوم کافرین کو ہلاک اور برباد کردیتا ہے، جیت حضرت نوح علیہ السلام کی ہوتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے حالات کا مطالعہ کیجئے، جب آپ نے لوگوں سے فرمایا: ''یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ قد جاء تکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم'' (سورۃ الاعراف آیت ۸۵) اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو۔ تو قوم کے سرداران مخالف بنکر کھڑے ہوئے اور آپ کو سخت دھمکیاں دینا شروع کیں: ''قالوا یٰشعیب اصلوٰتک تأمرک ان نترک مایعبد اٰباؤنا (سورۃ ہود آیت ۸۷) بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ داداؤں کے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ ''لنخرجنک یٰشعیب والذین اٰمنوا معک من قریتنا او لتعودن فی ملتنا'' (الاعراف آیت ۸۸) (بولے کفار) اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ۔ حتیٰ کہ وہ کفار عام اعلان کرنے لگے: ''لئن اتبعتم شعیبا انکم اذا الخسرون'' (الاعراف آیت ۹۰) اگر تم شعیب کے تابع ہوئے ضرور نقصان میں رہوگے۔ مگر حضرت شعیب کی استقامت دیکھئے آپ ہمت سے کام لیتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر کہتے ہیں: ''ربنا افتح بیننا وبین قومنا وانت خیر الفاتحین'' (الاعراف آیت ۸۹) اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔ دعا قبول ہوجاتی ہے اور جیت حضرت شعیب علیہ السلام کی ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی یہی دھمکی دی گئی تھی: ''یا ابراھیم، لئن لم تنتہ لارجمنک واھجرنی ملیّا'' (مریم آیت ۴۶) مگر حضرت ابراہیم نے اس دھمکی کی بالکل بھی پرواہ نہیں بلکہ آپ نے ہر لمحہ اپنی دعوت جاری رکھی اور کامیابی ملی۔ دعوت وتبلیغ کے راستے میں آج بھی اس طرح کی مخالفتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ داعی کو طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتی ہیں زمانے کی گود سے جنم لینے والے شیطانی طاقتوں سے داعی کو ڈرانے کی کوشش کی جاتی ہے لہٰذا ایسے موقع پر داعی اور مبلغ ہمت نہ ہاریں بلکہ خدا پر بھروسہ کریں اور ثابت قدم اور باہمت ہوکر خدا سے دعا کریں، یقیناً کامیابی ملے گی، بلکہ آج جب داعی اور مبلغ کو زمانے کے مالدار، ڈاکو، غنڈے اور شیطانی طاقت پر ناز کرنے والوں کی طرف سے کوئی دھمکی آئے تو ایک داعی کا جواب وہی ہونا چاہئے جو جواب فرعون کو بھرے دربار میں ان مومنین نے دیا تھا جن کو فرعون نے بحثیت جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کے لیے جمع کیا تھا جب فرعون نے ان مومنین سے کہا کہ تم لوگ میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان لا بیٹھے تو میں ضرور سزا دوں گا: ''فلاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم فی جذوع النخل ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقیٰ'' (طٰہٰ آیت ۷۱) تو مجھے قسم ہے ضرور میں تمہاری ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے ڈنڈ پر ضرور سولی چڑھاؤں گا اور تم جان لو کہ ہم میں کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔ تو ان مومنین نے جواب دیا: ''قالوا لن نوثرک علیٰ ماجاء نا من البینٰت والذی فطرنا فاقض ماانت ماقاض انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا'' (طٰہٰ آیت ۷۲) بولے ہم

ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو کر چکا جو تجھے کرنا ہے تو اس دنیا ہی کی زندگی میں تو کرے گا۔" قالوا لاضیر انا الیٰ ربنا منقلبون" (الشعراء آیت ۵۰) وہ بولے کچھ نقصان نہیں ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ لہٰذا اسی طرح ہمت، استقامت اور توکل ہمارے اندر بھی ہونا چاہئے انشاء اللہ ہمیں اپنی دعوت میں یقیناً کامیابی ملے گی۔

داعی متکبر نہ ہو ملنسار ہو: داعی اور مبلغ کے اندر ساری خوبیاں پائے جانے کے باوجود اگر تکبر اور غرور جیسی صفت پائی گئی تو داعی اور مبلغ کی ساری محنت رائیگاں اور بیکار ہو جائے گی کیوں کہ متکبر اور مغرور لوگ وہ ہیں جن کو خود اللہ تبارک وتعالیٰ پسند نہیں فرماتا تو بندہ متکبرین کو کیسے پسند کرے گا، اللہ ارشاد فرماتا ہے:" انہ لایحب المستکبرین " (النحل آیت ۲۳) بے شک وہ (اللہ) مغروروں کو پسند نہیں فرماتا۔ داعی کے اندر کسی بھی قسم کا تکبر نہیں ہونا چاہئے، نہ اپنے علم کا نہ زہد وتقویٰ کا، نہ حسب ونسب کا، نہ حسن وجمال کا نہ شہرت وحکومت کا نہ اپنے مریدین کی کثرت کا، کسی بھی چیز کا غرور نہ ہو۔ اگر داعی کے اندر تفوق وبرتری کی صفت پائی گئی تو وہ داعی ابلیس اور قارونی تو ہو سکتا ہے لیکن رحمانی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کے اندر صاف لفظوں میں کہا گیا ہے: **"لاتمش فی الارض مرحاًانک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً"** (بنی اسرائیل آیت ۳۷) اور زمین پہ اتراتا نہ چل بے شک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑ کو نہ پہنچے گا۔ بلکہ مغروروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے " **الیس فی جھنم مثویٗ للمتکبرین**" کیا مغروروں کا ٹھکانہ جہنم نہیں (الزمر آیت ۶۰) قارون جس کو اپنی دولت پر بڑا ناز تھا اس سے بھی یہی کہا گیا: **"لاتفرح ان اللہ لایحب الفرحین"** (القصص آیت ۷۶) اتراؤ نہیں بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

داعی کے اندر کبر وغرور جیسی صفت کا پایا جانا دعوت وتبلیغ کے لیے ایک بہت بڑا مانع ہے، لہٰذا کا داعی کا ملنسار اور منکسر المزاج ہونا ضروری ہے، جو سب سے خوش مزاجی اور ملنساری کے ساتھ ملے غریب وامیر دونوں کو ایک نگاہ سے دیکھے، کیوں کہ ہوتا یہ ہے کہ داعی مالدار طبقے کو اپنے قریب جگہ دیتا ہیں اور غریب طبقے کو ملنے کے لیے دروازے پر انتظار کرنا پڑتا ہے، یہی وہ خامی ہے جو لوگوں کے دلوں میں داعی کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کر دیتی ہے اور اسی وجہ سے مبلغ کے بارے میں بدگمانیاں جنم لیتی ہیں اور اسی وجہ سے لوگ داعی سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری اور ملنساری کے واقعات، صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی داستانیں ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں۔ جن کا مطالعہ ایک داعی اور مبلغ کے لیے ضروری ہے، جو لوگ تکبر نہیں کرتے اور نہ فساد چاہتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے:" **تلک الدار الأخرۃ نجعلھا للذین لایریدون علواًفی الارض ولا فساداً**" (القصص ۸۳) یہ آخرت کا گھر ہے ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد۔

سب سے بڑی خامی: آج ہمارے اندر سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ جب ہم کسی کافر اور بدعقیدہ سے مخاطب ہوتے ہیں تو ہم اپنے کلام کی ابتداء چھیڑ خوانی سے کرتے ہیں اور قلب سوز اور غیر اخلاقی باتیں کہہ کر مخاطب پر حاوی ہونا چاہتے ہیں، مقررین حضرات کا بھی یہی حال ہے اکثر ان کی تقریر کا آغاز چھیڑ خوانی اور تنقیدی جملوں سے ہوتا ہے، لغت داں اور شعرا حضرات کی تو بات ہی کچھ اور ہے کہ ان کے نزدیک اغیار کو چھیڑنا اور انہیں برا بھلا کہنا اصل دعوت ہے وہ ان اشعار کو عوام کو سنانا اور ان سے داد اور روپے وصول کرنا اصل لغت تصور کرتے ہیں جو اشعار تنقیدی جملوں پر مبنی ہوں۔ فرائض اور واجبات کو ترک کرنے والے کچھ ڈھونگی پیر لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ حالاں کہ قران کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے دعوت پیش کی جائے، پہلے قرآنی تعلیمات پہنچائی جائیں، پہلے احکام خداوندی کی تبلیغ کی جائے، پھر دعوت کا انکار کرنے کے بعد انہیں برا بھلا کہا جائے یہ رب کا اصول ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ خدائے تعالیٰ نے ابلیس کو پہلے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا: جب ابلیس نے انکار کیا تب اسے برا بھلا کہا گیا، پہلے" **اسجدوا لآدم**" کہا گیا بعد میں" **ان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین**" فرمایا گیا۔ مرسلین عظام کے بھی یہی دستور تھے حضرت نوح علیہ السلام کا طریقۂ دعوت ملاحظہ کیجئے پہلے آپ نے قوم کو:" **ان لا تعبدوا الا اللہ**" کہتے ہیں، قوم جب دعوت ٹھکرا دیتی ہے " **ان ھو الا رجل بہ جنۃ،**

نـظـنـكـم مـن الكاذبين“ تب حضرت نوح علیہ السلام قوم سے فرماتے ہیں:”لـكـنـی ارٰكـم قـوماً تجهلون “ دعوت کا انکار کرنے کے بعد قوم سے کہا گیا”ان تسـخـروا مـنـا فـانـا نسـخـر مـنـكم كما تسخرون“ حضرت ھود علیہ السلام کی طرز دعوت ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے آپ قوم سے ”یٰقوم اعبدوا الله مالكم من اله غيره“ کہتے ہیں قوم دعوت ٹھکرا دیتی ہے ”یهود ماجئتنا ببينة ومانحن بتاركی الهتنا عن قولك وما نحن لك بمومنين“ تب قوم سے کہا جاتا ہے ”واتبعوا فی هٰذه الدنيا لعنة ويوم القيامة“۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا طریقہ ملاحظہ فرمائیے پہلے آپ قوم کو دعوت حق سناتے ہیں”یقوم اعبد وا الله مالكم من اله غيره“ قوم دعوت کا انکار کرتی ہے”اتـنهٰـنـا ان نعبد ما يعبد اٰبـاؤنـا وانـنـا لفی شک مما تدعونا اليه مريب“. تب قوم سے کہا جاتا ہے ”الا بعداً لثمود“.

حضرت لوط کا انداز ملاحظہ کیجئے پہلے آپ قوم کو دعوت دیتے ہیں”یقوم هو لاء بناتی هن اطهرلكم فاتقوا الله و لاتخزون “، قوم دعوت ٹھکرا دیتی ہے”لـقـد عـلـمت مالنا فی بنا تك من حـق وانک لتعلم مانريد“، تب قوم سے کہا جاتا ہے”فلما جاء امرنا جعلنا عاليها سافلها و امطرنا عليها حجارة من سجيل مـنـضـود“ (سورہ ہود آیت ۸۲) تو جب ہمارا امر آیا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کو اس کا نیچا کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھر لگا تار برسائے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے اخلاق بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں پہلے آپ قوم کو داعیانہ انداز میں کہتے ہیں” اعبـدوا الـلـه مالكم من اله غيره“ (ہود آیت ۸۴) اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔ قوم دعوت ٹھکرا دیتی ہے۔ يٰشعيب اصلـوتک تـامرک ان نترک مـايعبـد اٰبـاؤنـا اوان نفعل فی اموالنا مانشاء انک لانت الحليم الرشيد“ (سورہ ہود ۸۷) تب قوم سے کہا جاتا ہے:”الا بعد لمدين كمابعدت ثمود “(سورہ ہود آیت ۹۵)

رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ملاحظہ فرمائیے پہلے آپ نے لوگوں کو رب کریم کی عبادت کی دعوت دی پہلے آپ نے احکام خداوندی کی تبلیغ کی پھر بعد میں آپ سے” ان الـذين كفروا سواء عـليهـم أانـذرتهـم ام لـم تـنـذرهـم“ کہا گیا، پہلے کفار مکہ سے ”لاتـفـسـدوا فی الارض“ کہا گیا، بعد میں انکار کے بعد ”انهم هـم السـفـهـاء“ کہا گیا، پہلے ” اسـلـموا“ کہا گیا، دعوت قبول نہ کرنے کے بعد” انكم كنتم قوماً فاسقين“ کہا گیا۔

الغرض قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ پہلے کافرین اور بدعقیدوں کے پاس دعوت پیش کی جائے اگر وہ دعوت ٹھکرا دیں ہیں تب انہیں برا بھلا کہا جائے لیکن ہمارا حال اس کے خلاف ہے ہم پہلے لعن وطعن کرتے ہیں، پہلے مخاطب کو کافر، مشرک، گستاخ، شیطان، جہنمی، بدعقیدہ جیسے القاب سے نوازتے ہیں اور اس طرح کر کے ہم ان پر حاوی ہونا چاہتے ہیں، آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری مسجدوں، اداروں تنظیموں اور جلسوں میں اس طرح کے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں، جس میں دل شکن باتیں مرقوم ہوتی ہیں جسے دیکھ کر اور پڑھ کر لوگ ہماری ان جگہوں میں آنے میں ڈر محسوس کرتے ہیں ذرا سوچیے، آخر ہم اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے ہمارا مقصود کیا ہے؟ اپنی دھاک جمانا یا غیر کی اصلاح کرنا عوام کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنا یا غیر تک خدائی پیغام پہنچانا ؟ خدا کے واسطے اس طرح نہ کیجئے بلکہ اپنے اخلاق کو قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں ڈھالنے کی کوشش کیجئے آج آپ اپنی حالت دیکھیئے ہم کس قدر قرآن کی اخلاقی تعلیمات سے دور ہو چکے ہیں کہ غیر تک دینی دعوت پہنچانا تو دور کی بات خود ہمارے گھروں میں اس قدر نافرمانیاں، بغاوتیں، خود آزادیاں اور نفس پرستی نے جنم لے لیا ہے کہ ہم ان کا ازالہ کرتے کرتے پریشان ہیں، یہ سب صرف اور صرف اس لیے ہے کہ آج ہم اصلاح اور دعوت کا کام اپنی طبیعت کے بنائے ہوئے قانون سے کرنا چاہتے ہیں جب کہ قرآن کا تقاضہ کچھ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب کائنات ہم سب کو قرآن کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دینی دعوت غیر تک پہنچانے کا جذبہ عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

☆☆☆

باب دوم

تفہیم دعوت و تبلیغ

اس باب میں ہمارے قلم کاروں نے دعوت و تبلیغ اور اس کی قرار واقعی حیثیت و اہمیت کو سمجھانے کی شعوری کوششیں فرمائی ہیں۔ اس ضمن میں مولانا محمد نعمان صاحب ازہری اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی صاحب کی تحریری تصویریں واقعی مطالعے کے ایوان میں سجانے کے لائق ہیں۔ چشتی صاحب نے ایک نئے اور اچھوتے عنوان پر اظہارات کے کشکول میں اپنے احساسات کے سکّے ڈالے ہیں۔ یہ سکّے کھوٹے نہیں، کھرے ہیں۔ مولانا نعمان ازہری کا مضمون قارئین کو تشنہ ضرور معلوم ہوگا لیکن پھر بھی اس مختصر مضمون کا چہرہ اتنا روشن ہے کہ قارئین اسے بار بار دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ موصوف اس موضوع پر تفصیل سے خامہ فرسائی فرمائیں گے۔ بقیہ دو مضامین میں دعوتی اہمیت کو قرآن و حدیث کے متون سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

دعوت وتبلیغ کا قرآنی مفہوم

انوار احمد علیمی بغدادی★

کلمہ تحسین: ایک ایسے پرفتن دور میں جب دعوت کی تطبیق عنقا کی شکل میں جلوہ نما ہو اور تبلیغ اپنے انحطاطی دور سے گذر رہی ہو، ارتکاب جرم کمال تہذیب بن چکا ہو اور جرم کی نشاندہی سب سے بڑا جرم شمار کیا جاتا ہو، یعنی جب قرب قیامت کے آثار ہویدا ہوں تو بلاشبہ ایسے دور میں دعوت نمبر نکالنے والے صدہا مبارکباد کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سنی دعوت اسلامی کی تحریک کو تقویت اور ان کے وابستگان کو ثبات وعزم بخشے (آمین)

تمہید: عام طور پر دعوت، تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو مترادفات میں شمار کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں اصطلاحات میں فرق ہے جس کی وضاحت بہت ضروری ہے کیوں کہ ان اصطلاحات میں فرق نہ کرپانے کی وجہ سے ہمارے سماج کا اگر ایک گروہ افراط کا شکار ہے تو دوسرا تفریط کا، کہیں احساس زیادتی ہے تو کہیں احساس نقص اور کہیں زیادتی کی جگہ نقص تو کہیں نقص میں زیادتی ہے۔ ایک طبقہ اپنے آپ کو علما کہلانے اور منوانے پر مصر ہے جس کے لیے وہ اپنے حقوق کی ناجائز لڑائی بھی لڑ رہا ہے جبکہ ایک دوسرا طبقہ جو ''مبلغین'' سے معروف ہے، اس کا حال یہ ہے کہ علما بیزاری اس کی فطرت بن چکی ہے، اس کے سماجی، اقتصادی اور نفسیاتی اسباب وعلل ہیں جن کا تدارک وتجزیہ کسی دوسرے موقعہ کے لیے چھوڑتے ہیں یہاں ہم قرآن کی روشنی میں دعوت، تبلیغ اور امر بالمعروف کا مفہوم، ان کے درمیان فروق اور ان کے مختلف میدان کی تعیین کردینا چاہتے ہیں تاکہ ہر عقل مند باشعور، خدا سے ڈرنے والا فرد اپنی بساط کے مطابق اپنا منصب پہچانے اور ایک دوسرے سے دست وگریباں ہونے کے بجائے اپنے منصب کی ذمہ داریاں بخوبی نبھانے کی کوشش کرے۔ جزا دنیا کا منتظر ہونے یا سیٹھ صاحب کی جیب پر نظر رکھنے کے بجائے آخرت میں خدائے قدیر کے انعامات پر اپنے ایمان کو مضبوط کرے۔

قرآن میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت: قرآن مقدس انسان کی ہدایت اور اس کی فلاح وبہبود کا ضامن خدا کی آخری کتاب ہے۔ اس کتاب میں خدائے قدوس نے انسان کی عقل وشعور اور روح ووجدان سے براہ راست خطاب کرتے ہوئے اسے فطرت پر چلنے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿**وضرب لنا مثلا ونسي خلقه، قال من يحيي العظام وهي رميم، قال يحييها الذي أنشأها أول مرة وهو بكل خلق عليم**۔﴾ [سورہ یس ۷۸۔۷۹] '' اور ہمارے لیے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں۔ تم فرمادو انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے''۔ (کنز الایمان)

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿**أمن يجيب المضطر إذا دعاه و يكشف السوء و يجعلكم خلفاء الأرض أإله مع الله قليلا ما تذكرون، أمن يهديكم في ظلمات البر والبحر ومن يرسل الرياح بشرا بين يدي رحمته أإله مع الله عما يشركون**﴾ [سورہ النمل ۶۲۔۶۳] ''یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کردیتا ہے برائی اور تمہیں زمین کے وارث کرتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ بہت ہی کم دھیان کرتے ہو یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے خشکی اور تری کی اندھیریوں میں اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے! برتر ہے اللہ ان کے شرک سے'' (کنز الایمان)

علاوہ ازیں متعدد آیات میں انسان کو مظاہر کون میں غور وفکر کرکے عقل وشعور کی کسوٹی پر حق کو پرکھنے کی دعوت دی گئی ہے، عشوائی اور

★ مرکز اہلسنّت برکاتِ رضا پوربندر، گجرات

فرضی اسلوب نہ اپنا کر ایک ایسے ضابطے کے تحت اسلام کی طرف بلایا گیا ہے جس میں جبر و اکراہ نہیں بلکہ عقل و شعور کی سلیت کو دخل ہے۔

قرآن کے اس حقیقت پسندانہ پرکشش اور اطمینان بخش اسلوب پیشکش سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کی نظر میں دعوت و تبلیغ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دعوت و تبلیغ کوئی اتفاقیہ رونما ہونے والا حادثہ نہیں ہے بلکہ مستقل ایک علم ہے جس کے اصول و ضوابط قرآن کے صفحات پر نقش ہیں۔ اسی اہمیت کی بنیاد پر اس فریضہ کے انجام دینے والے کے تعلق سے قرآن اعلان کرتا ہے کہ اس سے بہتر کون ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ ومن أحسن قولا ممن دعا إلى اللّٰه و عمل صالحا و قال إنني من المسلمين ﴾ [فصلت ۳۳] ''اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں''۔ (کنز الایمان)

دعوت و تبلیغ کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہمیں یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ قرآن میں دعوت و تبلیغ کا مفہوم کیا ہے اور کن کن عناصر سے دعوت کی تکمیل ہوتی ہے۔ تو لیجئے حاضر خدمت ہے دعوت و تبلیغ کا قرآنی مفہوم۔

دعوت کا مفہوم: عربی زبان وادب میں ''الدعوۃ'' کا معنی بلانا اور طلب کرنا ہے۔ قرآن مقدس میں یہ لفظ متعدد بار متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے اگر چہ تمام معانی کا ماحصل بلانا اور طلب کرنا ہی ہے۔ مگر بدقت نظر ملاحظہ کرنے کے بعد ان معانی میں واضح طور پر فروق ملتے ہیں۔ قرآن میں دعوت کا استعمال اور اس کے معانی درج ذیل ہیں۔

(۱) طلب کرنا: ﴿ لا تدعوا اليوم ثبورا واحدا وادعوا ثبورا كثيرا ﴾ [سورہ الفرقان، آیت نمبر ۱۴] ''فرمایا جائے گا آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو'' (کنز الایمان) چنانچہ یہاں دعوت کا مطلب طلب کرنا اور مانگنا ہے جیسا کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ترجمہ میں ظاہر ہے۔

(۲) پکارنا: ﴿ ويوم يقول نادوا شركائي الذين زعمتم فدعوهم فلم يستجيبوا لهم وجعلنا بينهم موبقا. ﴾ [سورہ الکہف، آیت نمبر ۵۲] '' اور جس دن فرمائے گا کہ پکارو میرے شریکوں کو جو تم گمان کرتے تھے تو انہیں پکاریں گے وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت کا میدان کر دیں گے''۔ (کنز الایمان) مذکورہ آیت میں دعوت کا معنی پکارنا ہے جیسا کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ترجمہ میں ظاہر ہے۔

(۳) سوال کرنا: ﴿ قال ادع لنا ربك يبين لنا ما لونها ﴾ [سورہ البقرہ، آیت نمبر ۶۹] '' بولے اپنے رب سے دعا کیجئے ہمیں بتادے اس کا رنگ کیا ہے'' (کنز الایمان) اس آیت میں سیدی سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے دعوت کا معنی دعا کیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہمیں گائے کا رنگ بتادے۔

(۴) کسی چیز پر ابھارنا: ﴿ ويا قوم مالي أدعوكم إلى النجاة وتدعونني إلى النار. ﴾ [سورہ غافر، آیت نمبر ۴۱] ''اور میری قوم مجھے کیا ہوا میں تمہیں بلاتا ہوں نجات کی طرف اور تم مجھے بلاتے ہو دوزخ کی طرف'' (کنز الایمان) یہاں واضح طور پر یہ بات مفہوم ہے کہ نجات کی طرف بلانا میں ابھارنے کا معنی ابھرا ہوا ہے۔

(۵) مدد طلب کرنا: ﴿ قل أرأيتم إن أتاكم عذاب اللّٰه أو أتتكم الساعة. أغير اللّٰه تدعون إن كنتم صادقين. ﴾ [سورہ الانعام، آیت نمبر ۴۰] '' تم فرماؤ بھلا بتلاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو، کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو'' (کنز الایمان) ظاہر ہے کہ عذاب کے وقت کسی کو پکارنے کا مطلب یہی ہے کہ اس سے مدد طلب کرے۔

(۶) حکم دینا: ﴿ وما لكم لا تؤمنون والرسول يدعوكم لتؤمنوا بربكم. ﴾ [سورہ الحدید، آیت نمبر ۸] '' حالاں کہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ'' (کنز الایمان) یہاں ایمان کی طرف بلانے کا مطلب انھیں ایمان کا حکم دینا ہے۔

(۷) دعا: ﴿ ادعوا ربكم تضرعا و خفية ﴾۔ [سورہ الاعراف، آیت نمبر ۵۵] '' اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ'' (کنز الایمان)

(۸) اسلام کی طرف بلانا: ﴿ ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون ﴾ [آل عمران ۱۰۴] '' اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے''۔ (کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ واللّٰه يدعو الى دار السلام

ویھدي من یشاء الی صراط مستقیم﴾ [یونس،۲۵]'' اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے''(کنزالایمان)

قرآن کے ان استعمالات میں سیاق وسباق سے ''دعوت'' کے متعدد معانی پیدا ہوئے مگر غور کرنے کے بعد یہ سارے معانی طلب وندا میں پائے جاتے ہیں۔چنانچہ دعوت کے اصطلاحی معنی ''اسلام کی طرف بلانا''میں بھی طلب کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا توضیحات کی روشنی میں دعوت کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ دعوت ایسے اصول وضوابط جاننے پہچاننے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کا نام ہے جس کے ذریعہ اسلام کی طرف بلایا جائے۔راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو خیر وسلامتی کی راہ دکھلائی جائے۔

تبلیغ کا مفہوم:عربی زبان وبیان میں ''البلاغ،البلوغ اور تبلیغ کا مفہوم پہنچنا اور پہنچانا ہے،خواہ زمانی ہو یا مکانی ہو اور یا معنوی ہو،اسی طرح قرآن کریم میں بھی مادہ ''بلغ''اور اس کے جملہ مشتقات تقریبا اسی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں،چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱)﴿ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الھدي محلہ﴾ [سورہ بقرہ،آیت نمبر۱۹۶]''اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے''(کنزالایمان)ظاہر ہے کہ یہاں وصول مکانی مراد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول:(۲)﴿ولما بلغ أشدہ آتینٰہ حکما وعلما﴾[سورہ یوسف،۲۲]''اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچ جائے،ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا''۔(کنزالایمان) یہاں وصول زمانی مراد ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول:(۳)﴿قال ان سألتک عن شيء بعدھا فلا تصاحبني قد بلغت من لدني عذرا﴾ ''رہا اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا،بیشک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہوچکا ہے''یہاں وصول معنوی ہے۔

اسی طرح قرآن میں ''البلاغ''کا مطلب پہنچانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:(۴)﴿فھل علی الرسل إلا البلاغ المبین﴾ [سورہ النحل ۱۶/۳۵]''تو رسولوں پر کیا ہے مگر صاف پہنچا دینا''(کنزالایمان)

اسی طرح ''تبلیغ''کا مطلب کسی چیز کو دوسرے تک پہنچانا ہے، اکثر وبیشتر اس کا استعمال معنویات میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۵)﴿أبلغکم رسالات ربي وأنصح لکم﴾ ''تمھیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمھارا بھلا چاہتا ہوں''(کنزالایمان)[سورہ الأعراف،۶۲]یعنی میں اس بات کا مکلّف ہوں کہ اپنے رب پیغامات تم تک پہنچادوں۔

اسی طرح:﴿یا أیھا الرسول بلغ ما أنزل إلیک من ربک﴾ [سورہ المائدۃ ۵/۶۷]''اے رسول پہنچادو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے''(کنزالایمان)

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ تبلیغ کا مطلب بحسن وخوبی اسلامی تعلیمات وارشادات کو لوگوں کے سامنے پیش کردینا ہے۔

دعوت اور تبلیغ میں فرق:(۱)دعوت کا حکم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عام مومنوں کو شامل ہے جبکہ تبلیغ کا حکم انبیا اور علما کے ساتھ خاص ہے اسی لیے داعی کے لیے احکام شریعت کا متبحر عالم ہونا ضروری نہیں ہے جبکہ مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کے احکام کا عالم ہو۔

(۲)دعوت کا دارومدار جذبہ محبت،حسن طلب اور حسن تطلف پر ہے جبکہ تبلیغ حسن عرض اور حسن تمثیل ہے،اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ کسی نے کھانے کی دعوت کی اور پھر بحسن ترتیب دسترخوان سجا کر مدعو کے سامنے کھانا پیش کیا جیسا کہ آقا دو عالم خود ارشاد فرماتے ہیں: (مثلی و مثلکم کرجل أعد ولیمۃ ودعا الناس إلیھا فمن دخل أکل و من لم یدخل لم یا کل)''میری مثال اور تمھاری مثال اس شخص کی طرح جس نے ولیمہ کا کھانا تیار کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی،تو جو اس ولیمہ میں آیا وہ کھایا اور جو نہیں آیا ق وہ محروم رہا''۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:قرآن میں متعدد مقامات پر نیکیوں کا حکم دینا اور برائی سے روکنے کا تذکرہ مختلف انداز میں آیا ہے کہیں انبیائے کرام کے وصف کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور کہیں اسے عملی جامہ پہنانے کا حکم دیا گیا ہے۔منجملہ آیتوں پر نظر ڈالنے کے بعد قرآن میں اس کی غایت درجہ اہمیت اور اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔جیسا کہ ذیل کی آیتوں میں واضح ہے:(۱)﴿ان الذین یکفرون بأیٰت اللّٰہ و یقتلون النبین بغیر حق و یقتلون الذین یأمرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب ألیم﴾[سورہ

آل عمران،آیت نمبر ۲۱] " وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی"۔(کنزالایمان)

(۲) ﴿ ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و أولآئك هم المفلحون﴾ [سورہ آل عمران،آیت نمبر ۱۰۴] "اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے اور بری سے منع کرے اور یہی لوگ بھلائی کو پہنچے"(کنزالایمان)

(۳)﴿ كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله ولو آمن أهل الكتٰب لكان خيرا لهم منهم المؤمنون وأكثرهم الفسقون﴾ [سورہ آل عمران،آیت نمبر ۱۱۰]"تم بہتر ہوان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر ہیں"(کنزالایمان)

(۴) ﴿ يؤمنون بالله واليوم الأخر و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يسٰرعون في الخيرات و أولئك من الصٰلحين﴾ [سورہ آل عمران،آیت نمبر ۱۱۴] "اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ لوگ لائق ہیں"(کنزالایمان)

(۵) ﴿ لا خير فى كثير من نجوهم إلا من أمر بصدقة أو معروف أو إصلٰح بين الناس و من يفعل ذلك ابتغاء مرضات اللّٰه فسوف نؤتيه أجراً عظيما﴾ [سورہ النساء،آیت نمبر ۱۱۴]"ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دیں خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے،اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے"(کنزالایمان)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کی تعریف کی ہے اور ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔اب رہا سوال یہ کہ کیا امر بالمعروف اور دعوت ایک ہے یا اس میں اس میں کچھ فرق ہے تو لیجئے پیش خدمت ہے ایک جائزہ:

امر بالمعروف اور دعوت میں فرق: مفسرین نے امر بالمعروف اور دعوت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے،مثال کے طور پر ملاحظہ ہو امام قرطبی کا قول،چنانچہ آپ آیت کریمہ ﴿و المؤمنون و المؤمنات بعضهم أولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر﴾[سورہ توبہ آیت نمبر ۱۷] "اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں" (کنزالایمان) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:(فجعل اللّٰه تعالیٰ الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فرقا بين المؤمنين والمنافقين ، فدل على أن أخص أوصاف المؤمنين الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ورأسها الدعاء الى الاسلام) "چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امر بالعروف اور النہی عن المنکر کے ذریعہ مومنوں اور منافقوں کے درمیان فرق کر دیا ہے،پس یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کی سب سے خاص صفت الامر بالعروف اور النہی عن المنکر ہے جس میں سب سے مقدم دعوت الی الاسلام ہے"،یہی موقف ابن کثیر اور دیگر مفسرین کا بھی ہے یہی وجہ ہے کہ مفسرین کرام نے جہاں دعوت کا تذکرہ فرمایا ہے وہیں الامر بالعروف اور النہی عن المنکر کی روایتیں بھی نقل کر دی ہیں (۲) حالانکہ واقع امر یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق واضح ہے کیوں کہ آیت کریمہ ﴿ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأؤلئك هم المفلحون﴾ ۔" اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے"۔اس آیت میں "یدعون" اور "یامرون بالمعروف" کے درمیان واو عطف لایا گیا ہے،جو کہ تغایر کو چاہتا ہے،اس لئے اگر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا تو حرف عطف کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ بغیر حرف عطف کے ہی بیان ہوتا،لہٰذا حرف عطف کا استعمال ان دونوں مصطلحات کے درمیان فرق کو واضح کرتا ہے،جس کی تلخیص درج ذیل ہے۔

(۱) اس آیت کریمہ میں دعوت کو"خیر" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور"خیر" سے مراد"اسلام" ہے جو تمام جزئیات کو شامل ہے خواہ عقائد سے متعلق ہو یا پھر تشریع سے متعلق ہو،جبکہ امر بالمعروف کا تعلق اعمال سے ہے۔

(۲) ترتیب میں اختلاف ہے چنانچہ دعوت،امر بالمعروف پر مقدم ہے۔

(۴) دعوت کا میدان امر بالمعروف کے میدان سے وسیع ہے، چنانچہ دعوت کا میدان غیر اسلامی معاشرہ ہے، جبکہ امر بالمعروف کا میدان عمل اسلامی معاشرہ ہے۔

(۵) دعوت میں حکمت موعظہ حسنہ اور بات چیت ہی کو دخل ہے جبکہ امر بالمعروف میں قوت کا بھی استعمال ہوسکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "**من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فان لم يستطع فبلسانه، فان لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الايمان**" رواه مسلم عن أبي هريره "تم میں سے اگر کوئی خلاف شرع بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور ایسا بھی نہ کر سکے تو چاہیے کہ دل میں براجانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے"۔

قرآن میں دعوت کے عصری تقاضے: اسلام ایک عالمی پیغام ہے جو رہتی دنیا تک انسان کو روشنی بخشتا رہے گا۔ اسلام نہ تو کسی زمانہ میں محدود تھا اور نہ ہی رہے گا، اسلام کی نہ تو کوئی سرحد متعین ہے اور نہ ہی اس کا کوئی خاص ملک ہے، اسلام تو ایک افاقی پیغام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿**وما أرسلنك الا رحمة للعالمين**﴾ [سورہ الأنبیا، ۱۰۷] اور چونکہ اسلام اور دعوت ایک دوسرے کے ساتھ لازم اور ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے جہاں اسلام رہے گا وہیں اسلام کی دعوتی تحریک بھی چلتی رہے گی۔ اور بلا شبہ ہر زمانہ کے تقاضے اور ضروریات ہوتی ہیں اور ہر جگہ کی خصوصیات اور اس کی الگ الگ زبانیں ہیں اس لیے دعوتی امور میں اسلام کا عصری تقاضوں کی رعایت کرنا ایک فطری بات ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن یوں فرماتا ہے:

(۱) ﴿**وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه ليبين لهم فيضل الله من يشاء ويهدي من يشاء وهو العزيز الحكيم**﴾ [سورہ ابراہیم، ۴] "اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انھیں صاف بتائے، پھر اللہ گمراہ کرتا جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور وہی عزت حکمت والا ہے" (کنز الایمان)

(۲) ﴿**نزل به الروح الأمين. على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين**﴾ [الشعراء ۱۹۳۔۱۹۵] "اسے روح الامین لیکر اترا تمھارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں" (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ پہلی آیت میں فرماتا ہے کہ ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ تا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کیان کی ہی زبان میں ہدایت وگمرہی کے راستے واضح کرسکیں اور بلا شبہ سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد انبیائے کرام کے وارثین علما کے لیے دعوت فکر وعمل ہے کہ جیسے جیسے دعوت میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی ویسے ویسے اسلام کے داعیوں پر بین الاقوامی زبانوں کا سیکھنا اور دعوتی نقطہ نظر سے اس میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہوتا جائیگا کیونکہ بغیر اس کے کما حقہ دعوتی فرائض انجام دینا مشکل ہے۔ یہی انبیا کی سنت ہے اور ان کی وراثت کا صحیح مطلب بھی ہے جس کا مطالبہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیتیں ہم سے کر رہی ہیں۔ اس لیے انگریزی یا کسی اور بین الاقوامی زبان کا سیکھنا مکروہ نہیں بلکہ دعوتی پس منظر میں اشد ضروری ہے۔ کاش غیروں کی طرح ہمارے پاس بھی زبان وادب کے کالجز ہوتے اور قرآن کی ان آیتوں کے معانی کی تطبیق ہوتی!

دعوت کا شرعی حکم: قرآن مقدس کی متعدد آیتوں سے یہ ثابت ہے کہ دعوت وتبلیغ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت کا بنیادی سبب ہے اور چونکہ علما انبیاء کے ورثا ہیں اس لیے یہ ذمہ ان کے کندھوں پر بھی ہے مگر اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ دعوت وجوب عینی ہے یا وجوب کفائی ہے۔ جمہور علما کا موقف ہے کہ دعوت وجوب کفائی ہے جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ دعوت وجوب عینی ہے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں آیت کریمہ: ﴿**ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون**﴾ [آل عمران ۱۰۴] کے تحت علما کے دو اقوال نقل کئے ہیں، پہلا یہ کہ بعض علما "منکم" میں "من" برائے تبیین مانتے ہیں۔ اور جمہور علما کہتے ہیں کہ "من" برائے تبعیض ہے۔ یعنی دعوت کے ذمہ دار صرف اُمت کے علما ہیں (۳)۔ اکثر لوگوں نے اسی قول کو مرجح مانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿**فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين**﴾ [التوبة، ۱۲۲] "تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں" (کنز الایمان)

حالاں کہ میرے نزدیک سرے سے اس اختلاف کی کوئی

ضرورت نہیں ہے کیوں کہ قرآن کا موقف بیانی اس اختلاف سے بے نیاز اور ارفع واعلیٰ ہے، قرآن تو یہاں شمولیت وعمومیت اور مختلف حالات وکوائف میں انفرادیت واجتماعیت دونوں کا ہی پیغام دے رہا ہے۔ کہیں مفرد موقف بیانی کا اسلوب اختیار کر کے یہ بتانا چاہتا ہے امت مسلمہ کا ہر فرد حسب استطاعت اسلامی پیغام کو دوسروں تک پہنچائے اور اسلوب جمع اختیار فرما کر اجتماعیت اور منظّم دعوت وتبلیغ کا پیغام دیا ہے لہٰذا یہ اختلاف کر کے قرآن کے مواقف بیانیہ کا دائرہ محدود نہ کیا جائے۔

چوں کہ دعوت کی دو صورتیں ہیں، انفرادی اور اجتماعی اور بلا شبہ دونوں ہی صورتیں اہم ہیں۔ درحقیقت قرآن ان دونوں صورتوں کو محیط ہے۔ پیش خدمت ہے ایک محققانہ جائزہ!

دعوت وتبلیغ کی تطبیقی صورتیں: بعض لوگ دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف کی انفرادی شکل پر زور دیتے اور اجتماعیت میں فوائد کا انحصار کرتے ہیں جبکہ قرآن مقدس نے دعوت، تبلیغ اور امر بالمعروف کی عملی تطبیق میں انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں پر زور دیا ہے، چنانچہ انفرادی کوشش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱)﴿ **ومن أحسن قولا ممن دعا إلى اللّٰه و عمل صالحا و قال إنني من المسلمين** ﴾ [فصلت۳۳] ''اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں۔'' (کنز الایمان)

(۲) ﴿ **یا أیها الرسول بلّغ ما أنزل الیک من ربک** ﴾ [المائدة ، ٦٧] ''اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمھیں تمھارے رب کی طرف سے'' (کنز الایمان)

(۳) ﴿ **الذین یتبعون الرسول النبي الأمي الذي یجدونه مکتوبا عندهم في التورة و الانجیل یأمرهم بالمعروف وینهٰهم عن المنکر ویحل لهم الطیبٰت ویحرم علیهم الخبئٰث ویضع عنهم اصرهم و الأغلل التي کانت علیهم** ﴾ [الأعراف، آیت نمبر ۱۵۷] ''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا'' (کنز الایمان)

چنانچہ پہلی آیت کریمہ میں جس کے دعوتی عمل کو سراہا جا رہا ہے وہ جماعت نہیں بلکہ ایک فرد ہے، اسی طرح دوسری آیت میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں آپ کی انفرادی کوشش کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جبکہ تیسری آیت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انفرادی کوشش بھی ہونی چاہیے۔

اسی طرح قرآن کریم میں دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف کی اجتماعی کوشش پر زور دیا گیا ہے، جیسا کہ اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (۱)﴿ **ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر و اولئک هم المفلحون** ﴾ [آل عمران۱۰۴] ''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے'' (کنز الایمان)

(۲)﴿ **فهل علی الرسل الا البلاغ المبین** ﴾ [النحل ، ۳۵] ''تو رسولوں پر کیا ہے مگر صاف پہنچا دینا'' (کنز الایمان)

(۳) ﴿ **کنتم خیر أمة أخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر** ﴾ (آل عمران۱۱۰) ''تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو'' (کنز الایمان)

ان آیتوں میں واضح طور پر دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف کی اجتماعی کوششوں پر زور ہے۔ درحقیقت ان دونوں پہلوؤں کا احاطہ قرآن کے نظریہ شمولیت کی عکاسی کرتا ہے جو قرآن کا شان امتیاز اور اسلام کا طرۂ افتخار ہے۔ اس لیے دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف کا صرف انفردی یا اجتماعی شکل پر انحصار کر دینا قرآنی اعجاز اور اسلامی حکمت کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن میں دعوت کے عناصر اربعہ: دعوت کا مفہوم بیان کرتے وقت ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن میں دعوت وتبلیغ کا تصور عشوائی اور اتفاقی نہیں ہے بلکہ قرآن نے دعوت کو ایک مستقل علم کی صورت میں پیش کیا ہے جس کے اصول وضوابط قرآن نے متعین کئے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو اس کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآنی دعوت کی خمیر

چار عناصر سے تیار ہوتی ہے، پہلا عنصر حکمت ہے، دوسرا عنصر موعظہ حسنہ ہے، تیسرا عنصر با مقصد مباحثہ اور چوتھا عنصر بصیرت ہے۔ مندرجہ ذیل آیتیں ان چاروں عناصر کو یوں بیان کرتی ہیں:

(۱)﴿أدع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتي ھي أحسن ان ربک ھو أعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو أعلم بالمھتدین﴾ [النحل: ۱۲۵] ''اور اپنے رب کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو، بیشک تمھارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو'' (کنز الایمان)

(۲)﴿قل ھذہ سبیلي أدعو إلی اللہ علی بصیرة أنا و من اتبعني و سبحٰن اللہ وما انا من المشرکین﴾ [یوسف: ۱۰۸] ''تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور جو میرے قدموں پر چلیں، دل کی آنکھیں رکھتے ہیں اور اللہ کو پاکی ہے اور میں شریک کرنے والا نہیں ہوں'' (کنز الایمان)

یہ دونوں آیتیں دعوت کے مفہوم کی تکمیل کرتے ہوئے اس کی عناصر کی تعیین کرتی ہیں اور یہ واضح کرتی ہیں کہ قرآن میں ایسی کسی قسم کی دعوت کا تصور نہیں ہے کہ جو حکمت ودانائی، دلگیر اسلوب میں بہترین وعظ ونصیحت، اغیار کے ساتھ با مقصد بات چیت اور بصیرت ویقین سے خالی ہو۔ اسلامی کا داعی وہی ہوگا جو حکیم ودانا ہو، موقع ومحل کی نزاکتوں سے واقف ہو، اچھی نصیحت کرنے کا ملکہ رکھتا ہو، ترش رو اور بد مزاج نہ ہو، بہتر سے بہتر اسلوب میں اغیار کے ساتھ بحث ومناقشہ کی صلاحیت کا مالک ہو، اس کے ساتھ ساتھ بصیرت ویقین کی دولت سے بھی مالا مال ہو۔ لہٰذا وہ شخص جو حکمت ودانائی سے محروم ہو، اچھی نصیحت کرنے سے قاصر ہو، جو ''اشداء علی الکفار'' یاد رکھے مگر مذکورہ بالا آیتوں کی روح سمجھنے سے معذور ہو، جسے جنگ بدر یاد ہو اور صلح حدیبیہ کے دعوتی انقلاب کی خبر نہ ہو، جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تیرہ سالہ مکی دور یاد نہ ہو۔ جو لوگوں کو قریب کرنے کے بجائے دور کرنے کی حکمت اپنائے۔ جو اغیار سے مثبت اور با مقصد بات چیت کے بجائے دیکھتے ہی لاحول پڑھنے کا اسلوب اپنائے اور جسے میدان دعوت میں بصیرت ویقین نہ حاصل ہو وہ در حقیقت قرآن میں دعوت کے مفہوم سے نابلد ہے اسے چاہیے کہ اپنا محاسبہ کرے اور اپنے بنائے ہوئے اصول نہیں بلکہ خدا کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق دعوت وتبلیغ کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

پیغام فکر وعمل: مذکورہ سطور کی روشنی میں دعوت، تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے درمیان اعتباری فروق واضح ہو جاتے ہیں جن کا اعتبار کسی حد تک ہماری موجودہ پریشانیوں کو دور کر سکتا ہے وہ بایں طور کہ امت کا ہر فرد پہلے اپنا منصب پہچانے پھر اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو اور حسب استطاعت اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ قرآن مقدس نے دعوت کو انبیا اور عام مومنوں کا عمل بتایا ہے جبکہ تبلیغ کو انبیا اور علما کے ساتھ خاص کیا ہے اسی لیے ایک مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی احکام او تشریعات کا عالم ہو ہر شخص اس ذمہ داری کو نہیں نبھا سکتا ہے اور جہاں تک رہی بات دعوت کی تو اس میں انبیا علیہم السلام کے ساتھ عام مومنین شریک ہیں اس لیے ہر وہ مومن شخص جو اپنے دل میں دھڑکتا دل رکھتا ہو، وہ دل جو خوف خدا سے سرشار ہو اور جذبہ شفقت سے لبریز ہو اسے چاہیے کہ اپنے اسلامی عقیدہ وفکر کو دوسروں تک پہنچائے اور دیار اغیار میں اپنا فکری ہمنوا تلاشنے کی کوشش کرے۔

اس طرح ''تبلیغ'' انبیا اور علما کا فرض منصبی ہے جبکہ دعوت انبیا اور عام مومنین کی ذمہ داری ہے، دعوت کا میدان اسلامی اور غیر اسلامی سبھی قسم کا معاشرہ ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلامی معاشرہ کے ساتھ خاص ہے۔

اگر ہمارے ذہن وفکر میں یہ فروق بیٹھ جائیں تو کوئی جاہل، مبلغ بننے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی عالم اپنی تبلیغی ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو آزاد کر سکے گا، اس طرح میرے خیال میں ہماری تبلیغی تنظیموں اور علما کے درمیان بڑھتی دوریاں سمٹ سکتی ہیں ورنہ اللہ ہی الامان والحفیظ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

مراجع

(۱) تفسیر القرطبی (۲) تفسیر الرازی

(۳) اصول الدعوہ، تالیف: ڈاکٹر عبد الکریم زیدان

(۴) أسالیب الدعوہ فی السنة النبویة، تالیف: ڈاکٹر زیاد محمود العانی

(۵) مجلّہ النبا کے شمارہ نمبر ۳۵/۳۸ میں ڈاکٹر عصمت بکر کا مقالہ بعنوان ''معنی الدعوة في القرآن الکریم''

☆☆☆☆

دعوت وتبلیغ احادیث کی روشنی میں

کوثر امام قادری★

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین ایک مکمل پیغامِ الٰہی ہے۔ قرآن مقدس کی آیات اور احادیث کریمہ کی روشنی سے ثابت ہے کہ آپ کی امت آپ کی تبعیت میں اقوامِ عالم، اُمم دنیا کی طرف مبعوث کی گئی ہے۔

اس اُمت کو اس لیے ظاہر کیا گیا تا کہ دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف، نھی عن المنکر کا فریضہ انجام دے چنانچہ اس کی تعریف ان وصفوں کے ساتھ کی گئی ''**کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر**'' (۱)

اس آیت میں بتایا گیا کہ یہ امت اس لیے بہتر ہے کہ اس کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ لوگوں کو برائیوں سے روکتا ہے، بھلائیوں کا حکم دیتا ہے، اس کا مقصدِ حیات دعوتِ خیر، اشاعتِ معروف، ممانعتِ منکرات ہے۔

جہاں انفرادی طور پر یہ کارِ خیر مطلوب ہے وہیں اجتماعی طور پر تحریک کی شکل میں، جماعت در جماعت، گروہ در گروہ لوگوں کا اٹھنا اور برائیوں کا سد باب کرنا، معروفات کو شائع کرنا، خیرات کی دعوت دینا بھی محبوب ومرغوب ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ''**ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٓئک ھم المفلحون**'' (۲)

پوری اُمت کی صلاح وفلاح بلکہ پوری انسانیت کو خیر کی دعوت دینا، ضلالت و بے دینی کی راہ سے ہٹا کر ہدایت وسعادت کی راہ تک لانے کی کوشش کرنا خواہ اجتماعی طور پر خواہ انفرادی طور پر اسی امت محمدیہ کا کام ہے گویا یہ اُمت داعی ہے اور پوری انسانی آبادی مدعو ہے۔

یوں تو دنیا میں بہت ساری تحریکیں سیاسی، سماجی، اصلاحی، فلاحی، عنوان سے اُٹھیں، اُٹھ رہی ہیں اور اُٹھتی رہیں گی، مگر ان سب میں موضوع ومقصد کے اعتبار سے اہم ومحترم وہ تحریک ہے جس کا نصب العین بندۂ خدا کو ذاتِ خدا سے قریب کرنا ہے، گمگشتگانِ راہ کو راہ یاب کرنا ہے، فسق وفجور کے دلدل میں پھنسے ہوئے بندوں کو شاہراہ محمدی سے ہم آغوش کرنا ہے، تاریک دلوں کو انوارِ الٰہیہ سے منور کرنا ہے، بھٹکی ہوئی پیشانیوں کو مرکز توحید کا پتہ دینا ہے۔

دعوت وتبلیغ کے نام پر یہ تحریک کہیں بھی اٹھے، کسی زمانے میں اٹھے، خواہ کسی بھی مومن کے مساعیِ جمیلہ کے سبب اٹھے بہر حال وہ اجنبی وغیر مانوس اور نئی کوئی چیز نہیں ہے جو اچانک دنیا پر برپا ہوگئی ہے بلکہ اس کا سر رشتہ عہدِ موسوی، دورِ عیسوی، زمانہ ابراہیمی اور قرنِ محمدی سے ملتا ہوا نظر آتا ہے۔

رب قدیر کے اولوالعزم پیغمبروں نے دعوت وتبلیغ کا بابرکت کارنامہ انجام دیا اگر چہ ان کا تبلیغی مشن کسی خاص علاقہ تک محدود رہا، لیکن اللہ کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی دعوت کو آفاقیت وعالمگیریت عطا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد دنیا میں کوئی نبی آنے والا نہیں اس لیے آپ کے چھوڑے ہوئے مشن کو جاری وساری رکھنے اور دعوت وتبلیغ کو عام سے عام تر کرنے کی ساری ذمہ داری امت محمدیہ کے سروں پر آگئی۔ اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کا کام اسی امت کو کرنا ہے چاہے تحریک کی شکل میں کرے یا انفرادی طور پر بہر حال اسے پایہ انجام کو پہنچانا ہے۔

اشاعتِ معروف: دعوت وتبلیغ کا ایک حصہ اشاعت معروف اور ممانعت منکرات بھی ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ برائیاں دھوم مچاتی پھریں اور مبلغ خاموش رہے، فسق وفجور کا ننگا ناچ ہو اور مبلغ تماشائی بنا

رہے، گمراہی وضلالت سینہ تانے دندناتی رہیں اور مبلغ چپ رہے، بے حیائیاں، بدعملیاں شباب پر ہوں اور مبلغ کی زبان ساکت اور جامد رہے، قوم گناہوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو اور مبلغ ساحل پر منظر غرقابی دیکھتا رہے، انسانیت ہدایت کو ترس رہی ہو اور مبلغ زبان تک نہ کھولے، آدمیت رہنمائی کی متلاشی ہو اور مبلغ رہبری کرنے سے اعراض کرے، ہرگز نہیں رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس قدر تہدید بھرے انداز میں ارشاد فرمایا، ملاحظہ کیجیے۔

''عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کلا و الله لتأمرن بالمعروف وتنهون عن المنکر او لیضربن الله بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنهم''(۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں خدا کی قسم یا تو تم ضرور امر بالمعروف کرو گے ضرور نہی عن المنکر کرو گے یا ضرور اللہ تعالیٰ تمہارے دل ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر اپنی لعنت اتارے گا جیسی ان بنی اسرائیل پر اتاری۔

''عن ابی سعید رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان''(۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص خلاف شریعت کام دیکھے تو اپنے ہاتھوں سے اس کی اصلاح کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کو روک دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

'' عن جریر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول مامن رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیرون علیه ولایغیرون الا اصابهم الله بعقاب قبل ان یموتوا''(۵)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کسی جماعت یا قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے، وہ جماعت وقوم قدرت کے باوجود اسے گناہ سے نہ روکے تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔

ترسیلِ پیغام: نہی عن المنکر کے ساتھ ساتھ مبلغ بھلائیوں کا حکم بھی دے گا، لوگوں کو خیر کی طرف رغبت دلائے گا، تو کیا مبلغ اپنی طرف سے کچھ کہنے کا مجاز ہے، نہیں بلکہ یہ وہی کہے گا جو اللہ جل مجدہ نے کہا، یہ وہی بیان کرے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گویا وہ اسلامی احکام وفرمودات کی تبلیغ کرے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے **''عن عبد الله بن عمرو ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال'' بلغوا عنی ولو اٰیة''(۶)**

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری طرف سے لوگوں کو تبلیغ کرو خواہ ایک آیت ہو۔

''عن ابی بکر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لیبلغ الشاهد الغائب'' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شاہد غائب کو احکام پہنچائے۔

خوش خبری: مبلغین کو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں خوش خبری سنائی، فرماتے ہیں: **''عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم'' والله لان یهدی الله بک رجلاً واحداً خیر لکم من ان یکون لک حمر النعم''(۸)** خدا کی قسم بیشک یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تیرے سبب سے ایک شخص کو ہدایت عطا فرمادے تو تیرے لیے سرخ اونٹوں کا مالک ہونے سے بہتر ہے۔

داعیان حق کی حوصلہ افزائی کرنے والی ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے۔

''عن ابی رافع رضی الله تعالیٰ عنه قال قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لان یهدی الله عزوجل علی

یدک رجلا خیر لک مما طلعت علیہ الشمس وغربت''(۹)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک کو تیرے ذریعے سے ہدایت فرمادے تو یہ تیرے لیے تمام روئے زمین کی سلطنت ملنے سے بہتر ہے۔

لحاظ مخاطب: ایک مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مخاطب کے مزاج کو سمجھے کہ اس کی عقل کا معیار کیا ہے، آیا وہ جاہل ہے یا علم وفن کا ماہر، اگر بالکل ہی جاہل ہے تو اس کے سامنے اسلام کے وہ احکام ومسائل بیان کئے جائیں جن کو وہ بآسانی تسلیم کرے۔ اگر دلائل وبراہین، دقائق ونفائس اور باریکیاں پیش کی جائیں گی تو عین ممکن ہے کہ وہ انکار کر بیٹھے اور دعوت کا مقصد ہی فوت ہوجائے۔

یوں ہی اگر مخاطب پڑھا لکھا ہے تو وہ جس فن کا جانکار ہے اسی فن کے مسائل میں پیش کر کے سمجھایا جائے تا کہ حقیقت تک رسائی ممکن ہوسکے۔ نیز مرتبے وعہدے کا بھی لحاظ کیا جائے تا کہ کسی طرح کی بدگمانی پیدا نہ ہو۔

''عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ما انت محدث قوما حدیثا لاتبلغہ عقولھم الا لھم کان علی بعضھم فتنۃ''(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو کسی قوم کے آگے وہ باتیں بیان کرے گا جن تک ان کی عقلیں نہ پہنچیں تو ضرور وہ ان میں کسی پر فتنہ ہوگی۔

''عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تواضعوا عن تتعلمون منہ وتواضعوا عن تعلمونہ ولاتکونوا جبابرۃ العلماء فیغلب جھلکم ''(۱۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لیے تواضع کرو اور جسے سکھاتے ہو اس کے لیے تواضع کرو اور گردن کش عالم نہ بنو کہ تمہارا جہل تم پر غالب ہوجائے۔

مشفقانہ اسلوب: جہاں مبلغ کا بیان صاف ستھرا سادہ ہو وہیں لب ولہجے میں نرمی، شفقت اور اپنائیت بھی ہونی چاہئے تا کہ مخاطب گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ بلا ضرورت شرعی ردوابطال کر کے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا، نفرت کا ماحول پیدا کرنا، فاسق وفاجر کے لیے جو سخت احکام ہیں انہیں بےموقع ومحل بیان کرنا یہ وہ ساری چیزیں ہیں جن کا فائدہ کم نقصان زیادہ ہے۔لہٰذا احتراز ضروری ہے۔

''عن ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابا موسی ومعاذ بن جبل الیٰ الیمن ثم قال یسرا ولاتعسرا وبشرا ولاتنفرا''(۱۲)

حضرت ابوبردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری و حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو فرمایا: آسانی کرنا، دشواری نہ کرنا، لوگوں کو خوش خبری دینا، نفرت مت دلانا۔

جس وقت کسی قرینے سے معلوم ہوجائے کہ مخاطب بدتمیز، بدزبان اور سخت مزاج ہو تو اس وقت مبلغ کے کلام میں انتہائی شفقت و نرمی ہونی چاہئے۔

ایک شخص جس کا نام عیینہ بن حصن تھا، مسلمان نہیں ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو سرکار مدینہ نے اس بدمزاج سے کس انداز سے گفتگو فرمائی ملاحظہ کیجیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''ان رجلا استاذن علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال ائذنوالہ بئس رجل العشیرۃ فلما دخل علیہ الان لہ القول قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ(ﷺ) قلت لہ الذی قلت ثم النت لہ القول قال یا عائشۃ ان شر الناس منزلۃ عند اللہ یوم القیامۃ من ودعہ اوترکہ الناس اتقاء فحشہ''(۱۳)

ایک شخص (مذکورہ) نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا: اس کو اجازت دے دو، یہ شخص

اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔ جب وہ آیا تو آپ نے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی، حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو اس کے بارے میں ایسا فرمایا پھر اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہوگا جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا ترک کر دیں۔

ثباتِ قدم: دعوت کی راہوں میں مشکلات اور پریشانیاں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ داعی خواہ کوئی ہو، نبی ہو یا رسول، ولی ہو یا عالم جب اس نے دعوت کا بیڑا اٹھایا تو گویا اس نے پریشانیوں کو دعوت دے دی۔ قدم قدم پہ رکاوٹیں آئیں گی، شدائد و تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا، بھوک، پیاس، غربت، مالی دشواری، سفر کی صعوبت، سب کچھ سامنے ہوں گے مگر ایسے وقت میں بھی داعیانِ اسلام کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ ان کے قدموں میں ذرّہ برابر بھی لغزش نہیں آئی، ہر طرح کی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور ان کے صبر و ضبط اور ثبات قدم نے وہ رنگ دکھایا کہ دنیا ششدر ہو کے رہ گئی۔

"عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال قال رسول اللہ ﷺ لقد اخفت فی اللہ ومایخاف احد ولقد اذیت فی اللہ ومایوذی احد ولقد آتت علی ثلثون من بین لیلۃ ویوم ومالی ولبلال طعام یاکلہ ذو کبد الاشئ"(۱۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ کی راہ میں جتنا خوف زدہ کیا گیا اور کسی چیز کو نہیں کیا گیا، مجھے اللہ کی راہ میں جتنی اذیتیں دی گئیں اور کسی کو نہیں دی گئیں، مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی بھی گزری ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لیے کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکتا مگر قلیل مقدار۔

انجامِ معکوس: داعی انتھک کوشش کرتا ہے، بار بار پیغام لے کر حاضر ہوتا ہے، مگر لوگوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا، وہ کچھ کہتا ہے، لوگ کچھ سنتے ہیں، اس طرح کا ماحول پیدا ہونے سے داعی کا بددل ہونا ایک فطری چیز ہے لیکن یہاں داعی کو ظاہر انجام معکوس پر نظر نہیں رکھنی چاہئے۔ اس کا کام دعوت دینا ہے نہ کہ قبول کرانا اور عمل کرانا، بسا اوقات دعوت و تبلیغ کا فائدہ نظر نہیں آتا مگر اس کے دور رس نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔

"عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما بعث اللہ تعالیٰ موسی علیہ السلام الی فرعون نودی لن یفعل فلم افعل؟ قال فناداہ اثنا عشر ملکا من علماء الملائکۃ امضی لما ارت بہ فانا جھدنا ان نعلم ھذا فلم نعلمہ"(۱۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول کر کے فرعون کی طرف بھیجا موسیٰ علیہ السلام چلے تو ندا آئی اے موسیٰ! فرعون ایمان نہ لائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دل میں کہا پھر میرے جانے سے کیا فائدہ۔ اس پر بارہ علمائے ملائکہ نے کہا اے موسیٰ آپ کو جہاں کا حکم ہے جائیں یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آج تک ہم پر بھی نہ کھلا۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"لیکن نفع بعثت سب نے دیکھ لیا کہ دشمنانِ خدا ہلاک ہوئے، دوستانِ خدا نے ان کی غلامی اور ان کے عذاب سے نجات پائی، ایک جلسے میں ستر ہزار ساحر سجدہ میں گر گئے اور ایک زبان بولے"**اٰمنا برب العٰلمین رب موسیٰ وھارون**" ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو رب ہے سارے جہان کا، رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔(۱۶)

دعوت میں اعتدال: دعوت کے باب میں اس چیز کا بھی لحاظ کیا گیا ہے کہ مخاطب خاطر ملول نہ ہونے پائے، داعی بار بار اپنے مخاطب کو نہ چھیڑے، بار بار پیغام رسانی کا کام نہ کرے، ورنہ مدعو پریشان ہو جائے گا اور وہ ہر ممکن طور پر پیچھا چھڑانا چاہے گا۔ اس لیے داعی ماحول، وقت، موسم کا خیال رکھے یہی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ رہا ہے اور اسی پر صحابہ کرام بھی گامزن رہے۔

"عن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا جلوسا عند باب عبد اللہ ننتظرہ فمربنا یزید بن المعاویۃ النخعی فقلنا اعلمہ بمکاننا فدخل علیہ فلم یلبث ان خرج علینا عبد اللہ فقال انی اجز بمکانکم فما یمنعنی ان اخرج الیکم الا

كراهية ان املكم ان رسول الله ﷺ كان يتخولنا بالموعظة في الايام مخافة السامة علينا" (۱۷)

حضرت شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہم لوگ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظار میں ان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس یزید بن معاویہ نخعی کا گزر ہوا۔ ان کو کہا ہمارے آنے کی اطلاع کردو وہ ان کے پاس گئے پھر تھوڑی دیر میں ابن مسعود آ گئے اور فرمایا: مجھے تمہارے آنے کی اطلاع تھی مجھے تمہارے پاس آنے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ کہیں تم ملول خاطر نہ ہو جاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہمارے اکتا جانے کے خدشے سے صرف بعض ایام میں نصیحت کرتے تھے۔

قول وعمل میں توافق: داعی کے لیے ضروری ہے کہ جو دعوت پیش کرے اس کا عمل خود اس کی تصدیق کرے۔ اگر اس کے قول وعمل میں توافق وتطابق نہ پایا جائے تو اس کی دعوت، دعوت نہ رہ جائے گی بلکہ اسباب تمسخرہ بن جائے گی، ذرا غور کیجیے......

مبلغ نماز کی دعوت دے رہا ہے اور خود نماز نہیں پڑھتا، سر پر عمامہ باندھنے کی فضیلت میں حدیثیں بیان کر رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کا سر عمامے سے خالی ہے، وہ شراب کی حرمت بیان کر رہا ہے اور خود ہی راہ میخانہ کا راہی ہے، تو مخاطب کیا سمجھے گا یہی نہ کہ نماز اتنی ہی اہم ہے جتنی جناب جی بیان کر رہے ہیں تو پھر وہ کیوں نہیں پڑھتے، عمامہ اتنی ہی فضیلت کا حامل ہے تو ان کا سر کیوں اس سے محروم ہے، داڑھی اگر ایسے ہی شعار اسلام ہے تو ان کا چہرہ کیوں بے نور ہے۔ وغیرہ

تو کیا ایسی صورت میں دعوت کا صحیح ثمرہ برآمد ہو سکتا ہے؟ میں نہیں کہتا کہ ایک مبلغ اور داعی تمام گناہوں سے بچے اور تمام نیکیوں اور کار خیر پر اس کا عمل ہو تب وہ دعوت دے، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ داعی کم از کم ان چیزوں پر عمل پیرا ہو جن کی وہ دعوت دے رہا ہے، ان برائیوں سے محفوظ رہے جس سے دوسروں کو روک رہا ہے تا کہ اس کے قول کے ساتھ ساتھ اس کا عمل بھی لوگوں کو دعوت خیر دے۔

نیز خود عمل نہ کرنے اور دوسروں کو نصیحت کرنے کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"یوتی بالرجل یوم القیامة فیلقی فی النار فتندلق اقتاب بطنه فیدور ھا کما یدور الحمار بالرحیٰ فیجتمع الیه اھل النار فیقولون یا فلان مالک الم تکن تامر بالمعروف و تنھی عن المنکر فیقول بلی قد کنت امر بالمعروف ولااتیه وانھی عن المنکر واتیه" (۱۸)

قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، اس کے پیٹ کی آنتیں نکل پڑیں گی، وہ ان آنتوں کے ساتھ اس طرح گردش کرے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر اتا ہے، پھر دوزخی اس کے گرد جمع ہوں گے اور اس سے کہیں گے: اے فلاں شخص! کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ شخص کہے گا کیوں نہیں، میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا، میں برائی سے روکتا تھا اور خود برے کام کرتا تھا۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کے چند اصول، فضائل واحکام بیان ہوئے۔ مولیٰ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت بخشے اور ہم سب کو اس اہم فریضے کی ادائیگی کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

حوالہ جات

(۱) القرآن (۲) القرآن

(۳) سنن ابوداؤد جلد ۲ رص ۵۹۶ (۴) مسلم شریف باب نہی عن المنکر

(۵) ابوداؤد جلد ۲ رص ۵۹۶ (۶) بخاری جلد اول رص ۴۹۱

(۷) بخاری جلد اول رص ۱۶ (۸) شرح معانی الآثار جلد ۳ رص ۲۰۷

(۹) جامع صغیر سیوطی جلد ۲ رص ۴۴۴ (۱۰) ر ر ر ص ۴۷۹

(۱۱) مجمع الزوائد جلد اول رص ۱۲۹ (۱۲) بخاری جلد ۲ رص ۶۲۲

(۱۳) مسلم جلد ۲ رکتاب البر والصلۃ (۱۴) مشکوٰۃ شریف رص ۴۴۸

(۱۵) کنز العمال جلد ۱۲ رص ۴۷۶ (۱۶) فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ رص ۱۹۳،

جامع الاحادیث جلد اول رص ۱۷۹ (۱۷) مسلم جلد ۲ باب الاقتصاد فی الموعظۃ (۱۸) ر ر باب عقوبۃ من یأمر بالمعروف الخ

☆☆☆☆☆

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کا قرآنی مفہوم واسلوب
علم نفسیات کی روشنی میں

ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی علیگ ★

پوری دنیا میں مختلف اقسام کے ادیان و مذاہب کا وجود پایا جاتا ہے۔ ہر دین ومذہب کے لوگ اپنے فرائض ورسومات کی ادائیگی کے لیے اپنا ایک دستور بھی رکھتے ہیں جنہیں قانون کی زبان میں Code of Conduct کہا جائے گا، مگراس کا تحریری شکل میں موجود ہونا ضروری نہیں۔ بعض دینی یا مذہبی سماج میں دستور العمل کا وجود بشکل زبانی بھی پایا جاتا ہے، جس کی توضیح وتشریح کے علاوہ نافذ کرنے کا حق سماج کے مذہبی پیشوا یا دینی رہنما کو حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ہندوستان میں آدم مذہب کے ماننے والے علم بشریات (Anthropology) کے ماہرین نے تفہیم مذاہب وادیان کے لیے کچھ جدید اصول وقواعد وضع کیے ہیں اوران مسلّمات کی روشنی میں از سرنو ادیان و مذاہب کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ ماہرینِ ادیان نے پوری دنیا کے ادیان ومذاہب سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد انہیں مختلف جہتوں سے تقسیم کرکے اُن کی زمرہ بندہ کی ہے۔ تقسیمِ مذہب کی ایک قسم الہامی مذاہب Revealed Religion اور غیر الہامی مذاہب یعنی Non-Revealed Religion بھی ہے۔

الہامی مذاہب Revealed Religion میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کو شامل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کے تمام مذاہب کو غیر الہامی مذاہب Non-Revealed Religion میں رکھا گیاہے۔ الہامی مذاہب میں شامل یہ تینوں ادیان یہودیت، عیسائیت اوراسلام کے پیروکاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ جس کتاب کو اپنا دستورِ حیات بنائے ہوئے ہیں وہ وحیِ الٰہی پر مبنی صحیفۂ آسمانی ہیں۔ تکوینِ کائنات اور انسانی تخلیق کے متعلق تمام دانش ورومفکرین ایک طویل عرصے سے کسی ایک نظریے پر متفق نہیں ہیں۔ اس موضوع پر بھی اُن کے یہاں آپس میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن آسمانی صحائف کے پیروکار کائنات وانسان کی تخلیق کے متعلق اس نظریے پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ کائنات وانسان کی تخلیق قادرِ مطلق رب العزت نے کی ہے۔ یہ خود بخود کسی حادثے کی پیداوار نہیں بلکہ یہ ایک منظّم الوہی تخلیق ہیں، جو کسی مقصد کے تحت پیدا کیے گئے ہیں۔ انسانی پیدائش اورنشو ونما کے متعلق ڈارون کے نقطۂ نظر سے یہ صحائفِ آسمانی بالکل اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی نسل کی افزائش حضرت آدم اور حضرت حوا کے ذریعے کی۔ انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے۔ ان صحائف کا یہ بھی کہنا ہے کہ نسلِ آدم زمین پر اپنی پیدائش کے بعد مختلف خطوں میں بود و باش اختیار کرتا چلا گیا اور اپنی تہذیب وثقافت اور تمدن کی ارتقا کے لیے اپنی ذہنی وتخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک ترقی یافتہ مہذب سماج کی تشکیل میں مصروف ہوگیا۔ تاریخ اپنے نامعلوم دور سے گزرتے ہوئے جب اپنے مصروف عہد میں داخل ہوئی تو اس وقت روئے زمین کے اکثر وبیشتر خطے پر انسان اپنا قبضہ جما چکا تھا۔ صحفِ سماویہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ نسلِ آدم کے اکثر وبیشتر افراد اپنی تخلیق کے اصل مقصد سے رفتہ رفتہ دور ہوتے چلے گئے۔ انسان کے ازلی وابدی دشمن شیطان نے انہیں اغوا کرلیا اور لوگ اللہ واحد کی پرستش کے بجائے شرک وبت پرستی اور بدعات وخرافات میں مبتلا ہوگئے۔

حضرت آدم علیہ السلام روئے زمین پر دین الٰہی کے سب سے پہلے مبلغ ہیں جنہوں نے اپنی قوم وجماعت کے درمیان اُن کی رشد و ہدایت کے لیے دعوت وتبلیغ کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔ حضرت آدم اس زمین پر اللہ کے سب سے پہلے نبی ورسول، پیغمبر و خلیفہ ہیں۔ جو مبلغ و ہادی بن کر تشریف لائے۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے جاں نشین نے اس فریضے کو انجام دیا۔ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد وہدایت اور زمین پر امن وامان برقرار رکھنے کے لیے نبوت کے سلسلے کو قائم فرمایا۔ حضرت آدم کو سب سے پہلا نبی بنایا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبین کے مقام پر فائز کرکے اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ انبیائے کرام رشد وہدایت کا چراغ

لے کر مبعوث ہوئے۔ جہدِ مسلسل کے ساتھ کارِ نبوت کے فریضے کو انجام دیے۔ تمام عمر دعوت وتبلیغ کے اصل مقصد پر گامزن رہے۔

مجھے یہاں صحائفِ آسمانی کا کوئی تقابلی مطالعہ پیش نہیں کرنا ہے۔ اس مقام پر صرف یہ بتانا ہے کہ یہ صحائفِ آسمانی کچھ معاملات میں اتفاق رکھنے کے باوجود اکثر وبیشتر حقائق میں شدید اختلاف رکھتے ہیں، ایسا کیوں؟ اس کا تفصیلی جواب یہاں ممکن نہیں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فی الحال دنیا میں موجودہ صحائفِ آسمانی میں سب سے پہلا صحیفہ توریت جس کے حامل قومِ یہود ہیں، دوسرا صحیفہ انجیل ہے اس کے حامل نصاریٰ یعنی عیسائی ہیں اور آخری صحیفۂ آسمانی قرآن کریم ہے جو دنیا کے تمام مسلمانوں کی کتاب ہے۔ اس اعتبار سے یہ تاریخی سچائی واضح ہوتی ہے کہ بعد میں نازل ہونے والی کتاب اپنے سے آگے آنے والی کتاب کی حقیقت وحیثیت کو دنیا کے سامنے نہ صرف تفصیل کے ساتھ وضاحت کرتی ہے بلکہ اپنی افادیت و معنویت اور ضرورتِ نزول کو بھی بتاتی ہے۔ توریت حضرت موسیٰ کے ذریعے قومِ یہود کو ملی۔ حضرت موسیٰ سے کافی طویل عرصے کے بعد حضرت عیسیٰ نے وحیِ الٰہی پر مشتمل کتاب انجیل کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اس کی غرض وغایت کو بتایا۔ یوں ہی حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی کے بہت زمانے کے بعد سلسلۂ نبوت کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین بن کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر پر اپنی آخری کتاب قرآن کریم کو نازل فرما کر سلسلۂ نبوت اور کلامِ الٰہی کے نزول کا دروازہ بند کر دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ سب سے آخری نبی اور سب سے آخری کتاب اپنی بعثت ونزول کو سابقہ کتبِ آسمانی کی موجودگی میں اپنی ضرورت وافادیت کو کس طرح حق بجانب ثابت کرتے ہیں۔ کس طرح اپنے آپ کو Justify کرتے ہیں۔ کتبِ آسمانی کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روئے زمین پر انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے خالقِ کائنات نے انبیا کا سلسلہ قائم فرمایا اور اُن میں سے بعض انبیائے کرام کو ''صاحبِ کتاب'' کی اضافی خصوصیت سے نواز کر دنیا میں بھیجا مگر قانونِ فطرت یہ ہے کہ ہر آغاز کا انجام ہے، ہر ابتدا کی انتہا ہے، ہر اوّل کا آخر ہے۔ ٹھیک اسی طرح سلسلۂ نبوت کی ابتدا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت کے تحت حضرت آدم سے کی اور اس کی انتہا اپنی حکمت کے تحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ جب آں حضور خاتم الانبیا ٹھہرے تو آپ کی لائی کتاب صحفِ سماویہ میں سب سے آخری کتاب ثابت ہوئی۔ مَیں یہاں ایک بار پھر قارئین کو توجہ دلانا چاہوں گا کہ انبیا کا سلسلہ کیوں؟ اور کتابوں کا سلسلہ کیوں؟ بقول میرے ایک دوست ظہیر باقر بلوچ (خوشاب پاکستان) کے کہ

خالق نے ایک لفظ محبت کے واسطے
بھیجا ہے اس جہاں میں کتابوں کے سلسلے

محبت کا نقطۂ عروج حضرت آدم ہیں اور محبت کا نقطۂ کمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پیغامِ محبت صرف اور صرف یہ ہے کہ تمام مخلوق عبادت، صرف اور صرف الٰہِ واحد کی کرے جو تنہا خالقِ کائنات ہے، پروردگارِ عالم ہے، رب العٰلمین ہے، مالک یوم الدین ہے، قادر، قیوم اور ازلی وابدی ہے۔ دائمی بقا صرف اُسی کی ذات کو حاصل ہے باقی سب کو فنا ہے۔ سب اُس کے محتاج، وہ سب سے بے نیاز اور حقیقی غنی ہے اور اسی پیغامِ محبت کی تفصیل قرآن کریم ہے۔ صاحبِ قرآن اور قرآن کے بعثت ونزول کا عہد اپنے سے پیشتر تمام انبیائے کرام کے زمانے سے تہذیب وثقافت اور تمدنی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ انسان دورِ گلّہ بانی سے نکل کر جہاں بانی کے فن سے آشنا ہو چکا ہے۔ تعمیر وترقی کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکا ہے۔ آج کے دور میں موجود اُس زمانے کے آثار و باقیات کو دیکھ کر آج کا ترقی یافتہ انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے ماحول، سماج اور انسانوں کے درمیان قرآن نے دعوت و تبلیغ کا کیا طریقہ استعمال کیا۔ فریضۂ دعوت کی انجام دہی میں کس طرح کا اسلوب اختیار کیا، دعوت وتبلیغ کے مفہوم کی وضاحت میں کیسا طریقۂ استدلال پیش کیا، یہ وہ قابلِ قدر نکات ہیں جن کی طرف ہر اسلامی مبلغ کی توجہ مبذول ہونی چاہیے۔

قرآن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کے معاملے میں قرآن حالات، ماحول اور انسانی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتا ہے اور اپنے مبلغین کو اس بات کی تاکید بھی کرتا ہے کہ وہ بھی ان تمام نشیب وفراز کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ قرآن واضح طور پر یہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگرچہ اپنی حکمت و مصلحت کے تحت خاتم الانبیا بنا کر بھیجا ہے۔ اب آپ کے بعد کوئی نیا

نبی دنیا میں تشریف نہیں لائے گا مگر رہتی دنیا تک انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ یوں تو قرآن کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ دنیا کے ہر مسلمان کو اپنے دین کا مبلغ ہونا چاہیے۔ صاحبِ قرآن کا بھی مسلمانوں کے لیے یہ حکم عام ہے کہ بلغوا عنی ولو آیة. اے لوگو! میری طرف سے (دنیاوالوں کو) پہنچادو اگر چہ ایک آیت ہی سہی۔ لیکن اس کے باوجود قرآن مبلغین کی تنظیم سازی کے لیے حکم دیتا ہے۔ مبلغین کی ایک جماعت تیار کرنے کو کہتا ہے۔ قرآن اس سلسلے میں کہتا ہے:

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویأ مرون بالمعروف وینھون عن المنکر اولئك ھم المفلحون۔

ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔

مذکورہ آیت میں تنظیم سازی یا جماعت کا بہت واضح طور پر حکم دیا گیا ہے۔ علم نفسیات کے اعتبار سے یہ آیت انتہائی توجہ طلب ہے۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ انفرادی تبلیغ کا کام اپنی جگہ پر مگر جب جماعت یا تنظیمی سطح پر تبلیغ کا کام ہوگا تو اس کے اثرات ونتائج بالکل الگ ہوں گے۔ تنظیم میں جب مختلف لوگ شامل ہوں گے تو ان میں تبلیغ کے لیے جو جوش، جذبہ اور ولولہ پایا جائے گا اُس کی نوعیت ہی کچھ اور ہوگی۔ ہر شخص انسانی جذبے کے تحت تبلیغ کے کام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے گا، تنظیم کے تحت مبلغین میں ازخود نظم وضبط کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جب کسی تنظیم کی تشکیل کی جائے گی یا جماعت سازی ہوگی تو اس کے انتظام وانصرام کے لیے مختلف عہدے داروں کی ضرورت پیش آئے گی، پھر اُس کا ایک امیر مقرر کیا جائے گا تاکہ جماعت یا تنظیم میں فعالیت برقرار رہے اور ایک خاص مقصد ومنصوبہ بندی کے تحت تنظیم اپنا کام کرے۔ اب اس تنظیم کا ہر رکن اپنے امیر کے سامنے اپنے کام کا جواب دہ ہوگا۔ انتظامی امور کی نگہبانی کے لیے مجلسِ شوریٰ ہوگی۔ قارئین غور کریں کہ اس آیت میں دعوت وتبلیغ کے حوالے سے کتنا اہم انتظامی اُمور کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ عوام کی معاشی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے دعوت وتبلیغ کے متعلق قرآن ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وما کان المومنون لینفروا کافة فلولا نفر من کل فرقة منھم طائفة لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھن اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلے سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں اُن کی طرف تاکہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں۔ (التوبہ ۱۲۲، ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن)

معاشرہ یا سماج خاندان پر مشتمل ہوتا ہے اور خاندان افراد پر۔ اب اگر خاندان کا ہر فرد دین سیکھنے یا دین سکھانے کے لیے نکل پڑے تو پورے معاشرے کا سماجی نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اس لیے قرآن نے یہاں تقسیم کار کے تصور سے انسان اور انسانی معاشرے کو روشناس کرایا۔ اس سے قبل ذکر شدہ آل عمران کی آیت میں بھی ''کُل'' سے ''جُز'' کی بات کی گئی ہے۔ سورۂ توبہ کی اس آیت میں بھی ''کُل'' سے ''جُز'' کی بات کی گئی ہے۔ اعتدال کو ہر جگہ برقرار رکھا گیا ہے تاکہ انسانی زندگی کے روزمرہ معمولات کا نظام وطریقۂ کار فطرت کی روش سے ٹکرا نہ جائے۔ آپ غور کریں کہ دعوت وتبلیغ کے حوالے سے قرآن کا منشا ومفہوم یہ ہے کہ دین سکھانے کے لیے مومنوں میں سے کچھ لوگوں پر مشتمل ایک جماعت یا تنظیم ہونی چاہیے اور مومنوں میں سے کچھ لوگوں کو دین سیکھنے کے لیے نکلتے رہنا چاہیے۔ قارئین جانتے ہیں کہ نزولِ قرآن کی تکمیل ۶۱۰ء سے ۶۳۳ء کے درمیان ہوئی۔ اس عہد میں کلیسائی نظام کا دور دورہ ہونے کے باوجود بھی اقوامِ عالم پر یونانی افکار ونظریات شدت کے ساتھ چھائے ہوئے تھے۔ ہر طرف سقراط، ارسطو اور مارکوس کی شہرت عام تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہر فن مولیٰ تھے یعنی All in All تھے۔ ایک ہی شخص فلسفہ، ریاضی، طب، دینیات، سیاسیات، سماجیات، معاشیات، طبعیات وغیرہ سب کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہی مدبر ومفکر مانا جاتا تھا۔ اس دور میں لفظ ''حکیم'' کے مفہوم میں بڑی وسعت ومعنویت تھی۔ کلیسا واُسقفانہ نظام میں بھی فردِ واحد کی اجارہ داری کو تسلیم کرنا وقت اور حالات کی مجبوری تھی۔ شخصِ واحد کی حکمرانی، اجارہ داری اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا۔ اس ماحول میں قرآن نے مبلغین کی ایک جماعت بنانے پر زور دیا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مطلق العنانیت

کے ماحول کوختم کر کے شورائی نظام کی بنیاد پرعوام کو معاشرے میں جمہوری نظام کو اپنانے کا درس دیا گیا۔ یہودیوں کے یہاں دینی رسومات اورعبادات کے فریضے کوانجام دینے کے لیےمختلف خاندانوں کومخصوص کر دیا گیا تھا، جیسے کہ ہندوستان میں مذہبی رسومات کی تمام تر ادائیگی کا فریضہ صرف اور صرف برہمن قوم کے لیے خاص کر دیا گیا تھا۔ آل عمران کی مذکورہ آیت میں اس طرح کےتمام لایعنی تصورات کی جڑوں پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ معاشرے میں ایک نیا انقلاب برپا ہوگیا۔ کسی ایک قبیلے، خاندان یا افراد کی اجارہ داری کی بنیاد پر کبھی بھی کوئی جماعت یا تنظیم اپنا وجود صالحیت وشفافیت کے سے قائم نہیں رہ سکتی۔ تنظیم کی افادیت کو برقرار رکھنے کے لیے تنظیم میں شورائیت اور جمہوریت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جماعت سے جڑے ہوئے لوگوں سے ایثار، قربانی، صبروتحمل، رواداری، قوتِ برداشت Tolerance اور وسعت قلبی کا ہونا لازمی ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں قرآن دعوت وتبلیغ کے فریضے کوانجام دینے والوں میں اجتماعی اعتبار سے ان اوصاف سے متصف ہونے کا حکم دیتا ہے۔ آج مسلم معاشرہ (بطور خاص ہندوستان میں) ان جملہ صفات سے عاری نظر آتا ہے، اس لیے دعوتِ حق کی طرف لوگ متوجہ نہیں ہورہے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت نے Missionary Sprit سے دعوت وتبلیغ کا کام کرنے کا حکم دیا۔ جسے ہم مسلمانوں نے چھوڑ دیا مگر عیسائیوں نے اپنا لیا۔ اس آیت سے تقسیم کار کے تصور کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس آیت سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایک ہی فرد ہرفن مولیٰ نہ بنے بلکہ مختلف افرادمختلف علوم وفنون میں خصوصی مہارت حاصل کریں تاکہ وہ اپنے میدانِ عمل Field میں ماہر Specialist اور Expert ہوں۔ آپ کومعلوم ہونا چاہیے کہ اب قرآن کا مطالعہ دنیا کی دیگر قومیں بھی کررہی ہیں۔ غیرمسلموں میں مطالعے کا یہ سلسلہ معروضی بھی ہےاورمتعصّبانہ جانب داری کے ساتھ بھی۔ ایسے تمام لوگ جوقرآن کے متعلق شک وشبہات میں مبتلا ہیں یا اس پر اعتراض کرتے ہیں اُن لوگوں کوشافی جواب ایک ماہر مبلغ Expert ہی دے سکتا ہے۔ یہ کام سبھی کے بس کی بات نہیں۔ یہ ہے قرآن کی اس آیت کی مستقبل شناسی دعوت وتبلیغ کے حوالے سے۔ اسی لیے قرآن نے کہا کہ تم میں دعوت وتبلیغ کی ایک جماعت ہونی چاہیے یعنی تبلیغ کے لیے تنظیم یا جماعت ہوگی تو وہ اپنے مبلغین کو اپنے کام کوبحسن وخوبی انجام دینے کے لیے خصوصی تربیت کا انتظام بھی کرے گی۔

خصوصی مہارت اور تعلیم وتربیت کے ساتھ تنظیمی طور پر جب مبلغین کی ایک جماعت کام کرے گی اور جب اس کو اپنا مشن بنائے گی تو انسانی نفسیات اس کام کا اپنے رب سے کچھ جزا چاہتی ہے۔ قرآن انسانی نفسیات کے اس جذبے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، انہیں خوشخبری سے نوازتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کا کہنا ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون باللّٰه۔

ہوتم بہترین اُمّت جوظاہر کی گئی ہےلوگوں کی ہدایت وبھلائی کے لیے۔ تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہواللہ پر (آل عمران:۱۱۰ ترجمہ تفسیر ضیاءالقرآن)

دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو''خیر اُمّت''کے خطاب سے مخاطب فرما کر کتنے بڑے اعزاز سے نوازا۔ ان کے کاموں کو سراہا تاکہ ان کے دلوں کوتسکین ملے اور مزید یہ کہ دل جمعی سے اسلام کی تبلیغ کا کام کریں۔ قرآن مبلغین یعنی دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازتا ہے۔ فریضۂ دعوت کا کام بہت کٹھن اور صبرآزما ہے۔ اس لیے قرآن مبلغین کی اس کیفیت کو اجاگر کرتے ہوئے انہیں بشارت سناتا ہے:

ومن احسن قولا ممن دعا الی الله وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة کانه ولی حمیم وما یلقها الا الذین صبروا وما یلقها الا ذو حظ عظیم۔

اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا کہ مَیں تو (اپنے رب کے) فرماں بردار بندوں (میں) سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز اُن کے جوصبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ (حم السجدہ:۳۳۔ ترجمہ تفسیر ضیاءالقرآن)

سورۂ حم سجدہ کی اس آیت میں قرآن نے مبلغین کے اس عمل

کوسراہا بھی ہے، مزید انہیں ہدایات سے نوازا بھی ہے۔ مستقبل کی پیش بندی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اُن کو واضح طور پر کہا کہ یہ بات اور خوبیاں انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں اور یہ بات اُن ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب لوگ ہیں۔ یعنی کارِ تبلیغ میں ''مستقبل مزاج'' ہونا شرط ہے، جو بہت خوش نصیبی کی بات ہے۔ دعوت دینے والوں کو نیک عمل پر کاربند ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو خدا کی فرماں برداری میں ہمہ تن مصروف رکھنا چاہیے۔ خدا کا فرماں بردار اپنے آپ رذیل خصلت سے دور رہے گا اور نیک صفات سے متصف ہونے کی کوشش میں مصروف رہے گا۔ قرآنی مفہوم میں یہ ہے ایک مبلغ کا کردار۔ قرآن دعوت وتبلیغ کے معاملے میں نفسیات کے تمام پہلوؤں کو حسبِ ضرورت مدنظر رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ایک مبلغ کو چاہیے کہ وہ دعوت کا کام کرتے وقت انسانی نفسیات، معاشرتی نفسیات، گروہی نفسیات، نسلی وقبائلی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حالات وزمانے کی رو ورعایت کو بھی مدنظر رکھے۔ نفسیات کے ان تمام پہلوؤں کی جانب متوجہ کرتے ہوئے قرآن نے بہت واضح انداز میں کہا :اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَاَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔

اے محبوب! بلایئے لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے۔ اور ان سے بحث (مناظرہ) اس انداز سے کیجیے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستے سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ (النحل: ۱۲۵۔ ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن)

سورۃ النحل کی یہ آیت مبلغین کو بالخصوص اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔ اگر چہ آیت کے بظاہر مخاطب تو صاحبِ قرآن ہیں مگر یہ تمام مبلغین اسلام کے لیے دائمی دستورِ عمل ہے Code of Conduct منشورِ تبلیغ ہے۔ آیت میں لفظ ''حکمۃ، موعظہ حسنہ'' اور وجادلھم بالتی ھی احسن کا جملہ قابلِ غور ہے۔ اس حوالے سے گفتگو کرنے سے پہلے مَیں یہاں ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ جب قرآن خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

''وانک لعلیٰ خلق عظیم اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں'' (القلم:۴۔ ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن) تو جب خلقِ عظیم میں یہ ساری باتیں شامل ہیں تو پھر آپ سے قرآن یہ کیوں مطالبہ کررہا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ کی طرف آپ حکمت سے، عمدہ نصیحت سے بلایئے اور اس سلسلے میں لوگوں کو بحث و مناظرہ کی ضرورت پڑ جائے تو ان سے بحث شائستہ انداز میں احسن طریقے سے کریں۔ اس لیے جب ہم قرآن کے اعجاز وانداز پر غور وفکر کرتے ہیں تو اس کا جواب یہی ملتا ہے کہ آیت کے بظاہر مخاطب تو صاحبِ قرآن ہیں مگر یہ ہدایات رسول اللہ کے ذریعے اُمّتِ رسول کو دی گئی ہیں، جو تبلیغ کے کام کرنے والے ہیں۔ بے شک رسول اللہ خلقِ عظیم کے منصب پر فائز ہیں لیکن اُمّتِ رسول کے افراد کو قرآن نے خلقِ عظیم کے منصب پر فائز نہیں کیا۔ اس لیے مبلغینِ اسلام کو دعوت وتبلیغ میں حکمت اور عمدہ نصیحت کے اسلوب کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے اور ضرورت کے وقت احسن طریقے سے بحث کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حکمت میں دیگر تمام لوازمات وضروریات کے ساتھ نفسیات کے تمام تر پہلوؤں کو سمیٹ لیا گیا ہے۔ کسی قوم، قبیلے، نسل وافراد کے نفسیاتی پہلو سے جب تک ایک مبلغ واقف نہیں ہوگا وہ ٹھیک ڈھنگ سے تبلیغ کا کام نہیں کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مصلحت سے کراچی (پاکستان) کے ایک چرچ سے مجھے ایک خفیہ کتاب کسی طرح سے ہاتھ لگ گئی۔ کتاب کے مطالعے سے میں صرف حیرت زدہ نہیں ہوا بلکہ حساس طبیعت ہونے کی وجہ سے رات بھر سو نہیں سکا۔ کتاب پڑھنے کے بعد اُمّتِ مسلمہ کی بے حسی کا زبردست اندازا ہوا۔ ذکر شدہ کتاب انگریزی زبان میں تھی جس کا نام تھا: How to Preach Christinity Specially in Pathan Community

عیسائیت کی تبلیغ کیسے کریں، بالخصوص پٹھان قبائل میں۔ مذکورہ کتاب کافی ضخیم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سلیقے اور عرق ریزی کے ساتھ مرتب کی گئی تھی۔ کتاب ٹائپ شدہ جلد بند تھی۔ کسی مطبع سے شائع شدہ نہیں تھی اور کئی لوگوں نے مل کر اسے مرتب کیا تھا۔ اس لیے ''مرتب'' لکھ کر کسی کا نام ٹائپ نہیں کیا گیا تھا۔ میری سمجھ میں پاکستانی عیسائیوں کا یہ بھی کوئی خفیہ طریقہ کار ہوگا۔ کتاب میں پٹھانوں کی تاریخ، حسب ونسب کا بیان، مختلف قبائل کی تفصیل اور اُن کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے بہت باریک بینی اور دقت نظر سے کام لیا گیا تھا۔ پٹھانوں کی قومی خصلت اور اُن کی شخصی اوصاف کی تفصیل مہیا کرانے میں پٹھانوں کی شخصیت کے تمام سفید و سیاہ پہلوؤں کو وضاحت سے بیان کیا گیا تھا۔ آخری باب میں عیسائی

مبلغوں کو پٹھان کے درمیان تبلیغ کرنے کے دوران آنے والے مسائل وخطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ہدایات تحریر کرانے کے بعد ایک عنوان دیا گیا تھا ''Window'' یعنی کھڑکی۔ مطلب کس راستے سے عیسائی مبلغ اُن کے درمیان گھسے۔

یہ کتاب چوں کہ میری نظروں سے گزری نہیں ہوتی اور میں اس کا خود مطالعہ نہیں کیا ہوتا تو شاید میں اس طرح کی کتابوں کے وجود پر یقین نہیں کرتا۔ مگر یہ میرا چشم دید مشاہدہ ہے اسے کیسے جھٹلاؤں؟ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دینِ باطل کے پیروکار عیسائی مبلغین اور مبلغہ اپنے نظریات کی تبلیغ میں مہارت کے ساتھ کس قدر چاک وچوبند اور متحرک ہیں، کس قدر منظّم اور منصوبہ بند ہیں، کیا اس کا اندازہ مسلمانوں کی باطل قیادت کے تابوت کے بوجھ تلے دبے نام نہاد قائدین کو بھی ہے؟ بغیر کسی محنت ومشقت کے مفت میں قوم کو بے وقوف بنا کر حصولِ زر کے لیے جسے دیکھو قائد بننے کے لیے سرگرداں نظر آرہا ہے بلکہ قیادت پر غلط قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ہر طرح کے مکر وفریب اور سازش سے کام لے کر پشت در پشت وراثت کا سلسلہ قائم کیا جارہا ہے۔ مگر تبلیغ دین کے لیے بھی کسی کو فکر ہے۔ وراثتی قیادت کے دعوے داروں نے ہندی غیر مسلموں کے درمیان اسلام کا تعارف کرانے میں کیا کردار ادا کیا ہے؟

تو اِدھر اُدھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

غیر مسلموں کے درمیان دعوت وتبلیغ کے نام پر بنام مسلم جس جانب سے بھی کوشش ہورہی ہے وہ تمام جماعتیں غیر اہلِ سُنّت ہیں، جن کا اسلام خود ہی مشکوک ہے؟ بات چل رہی تھی سورۂ النحل کے حوالے سے ابلاغی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھنے کی۔ اس ضمن میں صاحب تفسیر ضیاء القرآن حضرت علامہ پیر کرم شاہ چشتی ازہری علیہ الرحمہ سابق چیف جسٹس شرعی عدالت پاکستان کی یہ تحریر لائق مطالعہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوسکتا ہے اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے۔ اگر اس کا اندازِ خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا۔ اگر اس کی تبلیغ اخلاص وللّٰہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کردے گا۔ کیونکہ اسلام کی نشر واشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر واکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی لالچ یا خوف وہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے۔ دینِ اسلام کو **سبیل ربک** کے عنوان سے تعبیر کرکے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ دعوت کسی سیاسی جتھہ بندی کے لیے، کسی معاشی گروہ سازی کے لیے نہیں دی جارہی بلکہ اس راستے کی طرف بلایا جارہا ہے جو بندے کو اپنے مالکِ حقیقی کی طرف لے جاتا ہے، جو دوری اور بیگانگی کے صحراؤں سے نکال کر قرب ولطف کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ اس جادۂ منزلِ حبیب سے دور بھاگنے والوں کو قریب لانے کے آداب بتائے جارہے ہیں۔ حکمت، موعظ حسنہ اور پسندیدہ انداز سے مجادلہ۔ ان تین چیزوں کے التزام کا حکم فرمایا گیا۔ حکمت سے مراد وہ پختہ دلائل ہیں جو حق کو روزِ روشن کی طرح عیاں کردیں اور شک وشبہ کی تاریکیوں کو نورِ یقین سے بدل دینے کی قوت رکھتے ہوں۔

هو الدليل الموضح للحق المزيح للشبهات

موعظۂ حسنہ اس پند ونصیحت کو کہتے ہیں جو خیر وفلاح کی یاد دہانی اس اسلوب سے کرائے کہ پتھر دل بھی موم ہوجائیں **قال الخليل (الوعظ) هو التذكير بالخير فيما يرق له القلب والعظة والموعظة الاسم** (المفردات: راغب اصفہانی) یعنی فلسفیوں کی طرح خشک دلائل کے انبار لگاتے نہ چلے جاؤ۔ بلکہ تمہارا اندازِ خطاب ایسا ہونا چاہیے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص ومحبت کے چشمے اُبل رہے ہوں۔ آپ کی آواز کا زیر وبم شفقت و پیار کا آئینہ دار ہو۔ اور اگر بھٹکا ہوا راہی آمادۂ پیکار ہوجائے اور بحث ومناظرہ تک نوبت جا پہنچے تو تم احسن اور عمدہ طریقے سے مناظرہ کرو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب اور شائستگی کا دامن مت چھوڑو۔ فریقِ مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے پیش نظر فقط حق کی سربلندی ہو۔ جب تک کوئی مبلغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہو اُسے اِس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اس معیار پر پورا اُترنے کے لیے علم وآگاہی کی وسعتوں کے علاوہ مکارم اخلاق اور محاسنِ خصائل سے مزین ہونا بھی ضروری ہے اور یہ نعمت کسی صاحبِ دل کی صحبت سے حاصل ہوسکتی ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جارہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ

کی ذمے داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے، خلقِ خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہوکر رضائے الٰہی کے لیے تبلیغ کرے۔ اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، یہ سب کچھ مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے قبولِ حق کی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے۔

یہاں مکارمِ اخلاق کا درس دیا جارہا ہے کہ اس رزم گاہِ خیر و شر میں اگر تمہارا دشمن تم پر دست درازی کرے اور تمہیں اذیت پہنچائے تو اہلِ عزیمت کا شیوہ یہ ہے کہ دشمن سے انتقام نہ لیا جائے اور عفو و درگزر کا رویہ اختیار کیا جائے۔ لیکن اگر تمہارا اخلاقی معیار اتنا بلند نہیں اور تم انتقام لینا ہی چاہتے ہو تو اس صورت میں جتنی زیادتی تم پر کی گئی ہے اُس کا اتنا بدلہ لینے کی تو تمہیں اجازت ہے لیکن اس امر کی اجازت نہیں کہ تم جوشِ انتقام میں اس پر ظلم کرو۔ ورنہ پہلے وہ ظالم تھا اور معتوب، اب ستم شعار اور معتوب تم بن جاؤ گے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کتنا ایمان افروز ہے: عن حذیفة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لاتکونوا امّعة تقولون ان احسن الناس احسنا وان ظلموا ظلمنا ولکن وطنوا انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا وان اسلموا فلا تظلموا.

(ضیاء القرآن، تفسیر، پیر کرم شاہ ازہری، ص: ۷۱۷۔۶۱۸، ج دوم)

صاحب تفسیر ضیاء القرآن ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے مذکورہ آیات کی تفسیر میں جن اہم نکات وحقائق کی نشان دہی کی ہے اس سے قرآنی نظامِ تبلیغ و دعوت کا منشا عیاں ہے اور غرض و غایت بالکل واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے۔ دیگر قوم کی دعوت و تبلیغ اور اسلامی دعوت و تبلیغ میں بنیادی فرق واقعی یہی ہے کہ اور لوگ دنیا کی قوموں کو حسبِ موقع جبر، لالچ اور رشوت کے ذریعے اپنی جماعت میں شامل کرتے ہیں مگر اسلام لوگوں کو خالصتاً اخلاص کی بنیاد پر دینِ اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہی فرق ہے اسلامی اور غیر اسلامی دعوت و تبلیغ میں۔

قرآن رہتی دنیا تک انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے تبلیغ و مبلغین کا سلسلہ جاری رکھنے کا قائل ہے۔ اسی لیے قرآن مبلغین کو ترغیب دیتا ہے، اُن کو بشارتوں سے نوازتا ہے، اُن کے لیے انعام کی خوشخبری دیتا ہے، انبیائے کرام کا اسوۂ حسنہ Roll model کے طور پر پیش کرتا ہے۔ بطور خاص پیغمبرِ آخر زماں ﷺ کی کامل شخصیت کو ہر وقت، ہر لحظہ پیشِ نظر رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن مومنوں کو حکم دیتا ہے:

”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذك اللہ کثیرا۔

بے شک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امّید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھتا ہے۔ (سورۂ احزاب/۲۱، ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن)

سورۂ احزاب کی اس آیت میں جو بات کی گئی ہے اُس کا مفہوم یہی تو ہے کہ ہر مومن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لحہ کامل نمونہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو جو لوگ اپنا معیار بناتے ہیں اُن کی اس آیت میں تین پہچان بتائی گئی ہے: (۱) وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں (۲) وہ قیامت کے برپا ہونے کا بلا کسی شک وشبے کے کامل یقین رکھتے ہیں (۳) وہ کثرت سے اللہ کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں یا یاد کرتے رہتے ہیں۔

قارئین غور کریں کیا کوئی مجرم یا باغیِ حق خالقِ کائنات یا اپنے آقا سے ملنے کی امید رکھے گا؟ کیا کوئی ظالم و جابر کام چور مجرم، خائن اور نافرمان یہ اُمید رکھ سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید وہی رکھے گا جو اپنے اعمال و معاملات کو بھی حتی الامکان صاف و شفاف رکھنے کی ہر ممکن کوشش وسعی میں لگا رہے گا بلکہ خائن و مجرم اپنے رب سے ملنے کی اُمید نہیں رکھے گا۔ قیامت آنے کی امید رکھنے سے کیا مراد ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندۂ مومن کو کامل یقین ہوتا ہے کہ یہ دنیا اور اِس دنیا کی تمام تر راحتیں، عیش، خوشیاں سب چند روزہ ہیں۔ ان میں سے کسی کو بقا و دوام حاصل نہیں، سب فانی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ماعندکم ینفد وما عند اللہ باق جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ (سب) ختم ہو جائے گا اور جو رحمت کے (خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ (سب) باقی رہیں گے۔ (النحل، ۹۶/ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن)

یہ حکم بھی مومن کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ قرآن فرماتا ہے:

”کل شیء ھالك الا وجھه له الحکم والیه ترجعون ہر چیز ہلاک ہونے والی سوائے اس (اللہ) کی ذات کے، اسی کی حکمرانی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا“ (القصص، ۸۸/ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن)

مومن قرآن کا یہ اعلانِ عام بھی جانتا ہے کہ کل من علیھا

فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام۔ جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے۔ (الرحمٰن، ۲۷ تفسیر ضیاء القرآن)

قیامت برپا ہونے کے اس تصور سے بندۂ مومن ہمیشہ لرزاں اور ترساں رہتا ہے۔ یہی وہ تصور ہے جو بندۂ مومن کو نیک عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، عمل صالح کی ادائیگی پر استقامت و تسلسل بخشتا ہے۔ بندۂ صالح ہی نیک عمل کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اور بتقاضائے بشری اگر کوئی غلطی ہو جائے تو عذابِ قبر اور قیامت میں پکڑ کے خوف سے عذابِ آخرت کی دہشت سے اپنے رب کی بارگاہ میں بہت ہی آہ وزاری کے ساتھ توبہ واستغفار بھی کرتا رہتا ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ بے شک بڑا رحیم وکریم قادرِ مطلق رب مجھے ضرور معاف کر دے گا اور آئندہ یقیناً عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اسی لیے بندۂ مومن کثرت سے اپنے رب کو یاد کرتے ہوئے پیغامِ الٰہی کی تبلیغ میں ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اس فریضے کے انجام دینے والوں کے ساتھ حسب حیثیت ہر ممکن تعاون کرتا رہتا ہے۔ قیامت کا تصور مادّیت پرستی اور لذّت پرستانہ رویہ اختیار کرنے سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور زہد وتقویٰ کی زندگی گزارنے پر انسان کو راضی ومائل کرتا ہے۔ اسوۂ رسالت کو معیار بنانے والا مومن یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خاتم الانبیا کی بعثت کا اصل مقصد انسانیت کی رہنمائی اور پیغامِ حق کی دعوت وتبلیغ ہے۔ دعوت وتبلیغ کے کام میں اللہ کے آخری رسول کو بھی کتنی محنت ومشقت کرنی پڑی، بدفطرت لوگوں کی ایذا رساں طبیعت سے کس قدر تکلیف اُٹھانی پڑی۔ کون ہے جو طائف کے واقعہ کو نظر انداز کر دے؟ کفارِ مکہ کی ریشہ دوانیوں، اُن کی خفیہ سازشوں، اُن کی شدت، اُن کی تشدد پسندی اور شعب ابی طالب کی محصوری کے واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے؟ لیکن اس کے باوجود فضلِ الٰہی سے اللہ کے رسول نے پیغامِ حق کی تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ قرآن نے پیغامِ حق کی تبلیغ میں آنے والی مشکلات، پریشانی اور مصائب کے حوالے سے دیگر انبیائے کرام کا بھی ذکر کیا تاکہ مومنوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ دعوت وتبلیغ کا کام کسی طرح آسان نہیں بلکہ بہت مشکل کام ہے۔ مگر اس فریضے کو ہر حال میں نبھاتا بھی رہے۔ اس سے روگردانی ممکن نہیں۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو اس راہ میں صبر واستقامت کی ضرورت ہے، استقلال کی ضرورت ہے، بے پناہ قوتِ برداشت کی ضرورت ہے، علم وحکمت، تربیت ومہارت کی ضرورت ہے، مبلغین کی تربیت ہی کے لیے اللہ نے اسوۂ رسالت کی پیروی کا حکم فرمانے کے ساتھ دیگر اور انبیائے کرام کا بھی ذکر قرآن کریم میں کیا۔ قرآن چونکہ کسی پٹواری کے خسرہ کھتونی کا رجسٹر یا انسانی مردم شماری پر مشتمل اس کے شجرۂ نسب کا ریکارڈ و تفصیل کی کتاب نہیں بلکہ یہ حکمت والے رب العالمین کی نازل کردہ کتابِ انقلاب ہے جو حیاتِ انسانی کے لیے دستور بھی ہے اور منشور بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام میں جس کا جتنا اور جیسا چاہا ذکر فرمایا۔ فرمانِ رسالت سے تو یہ ثابت ہے کہ روئے زمین پر انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کو دنیا میں بھیجا مگر قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے علاوہ صرف پچیس ۲۵ انبیائے کرام کا ذکر ہوا ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ۲۵ بار
(۲) حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ۴۳ بار
(۳) حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ۲ بار
(۴) حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر ۷ بار
(۵) حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر ۶۷ بار
(۶) حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ۱۲ بار
(۷) حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر ۱۷ بار
(۸) حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ۸ بار
(۹) حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ۲۷ بار
(۱۰) حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر ۱۶ بار
(۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر ۲۷ بار
(۱۲) حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ۱۱ بار
(۱۳) حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ۱۹ بار
(۱۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ۱۳۵ بار
(۱۵) حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ۴ بار
(۱۶) حضرت داوٗد علیہ السلام کا ذکر ۱۶ بار
(۱۷) حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ۱۷ بار
(۱۸) حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ۴ بار
(۱۹) حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر ۲ بار
(۲۰) حضرت یسع علیہ السلام کا ذکر ۲ بار
(۲۱) حضرت ذکریا علیہ السلام کا ذکر ۷ بار
(۲۲) حضرت یحیٰی علیہ السلام کا ذکر ۵ بار
(۲۳) حضرت ذالکفل علیہ السلام کا ذکر ۲ بار

(۲۴) حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر ۱ بار

(۲۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ۳۳ بار

نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علی وسلم کی زندگی کے مطالعے کے ساتھ ساتھ قرآن میں ذکر شدہ انبیاے کرام کے حالاتِ زندگی بھی قرآنی آیات کے پس منظر میں ملاحظہ کریں تو واضح ہوگا کہ دعوت وتبلیغ کے مفہوم واسلوب کا قرآنی معیار اور انبیائی منہج کیا ہے۔ انبیاے کرام کے طریقۂ کار کو بھی قرآن معیارِ حق قرار دیتا ہے۔ انبیاے کرام نے حکمِ الٰہی کے تحت اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم وحکمت اور بصیرت کی بنیاد پر تبلیغِ حق کے لیے کس طرح کی حکمت سے کام لیا؟ کیسا طریقۂ کار اپنایا؟ کس طرح کے لب و لہجے کا استعمال کیا؟ اسلوبِ مخاطبت کا انداز کیا تھا؟ طریقۂ استدلال کی نوعیت کیا تھی؟ قرآن مختلف انبیاے کرام کی طرزِ تبلیغ و دعوت اور اسلوبِ مخاطبت کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

(۱) لقد ارسلنا نوحا الی قومه قال یقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم۔ بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف تو انہوں نے کہا، اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سوا، بے شک مَیں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب آ جائے۔
(سورۂ اعراف ۵۹، ضیاء القرآن)

(۲) والی عاد اخاهم هودا قال یقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره افلا تتقون۔ اور عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا، کیا تم نہیں ڈرتے۔
(سورۂ اعراف، ۶۵ ضیاء القرآن)

(۳) والی ثمود اخاهم صالحاقال یقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره قد جاء تکم بینة من ربکم ۔ اور قومِ ثمود کی طرف اس کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا، بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔
(سورۂ اعراف ۷۳، ضیاء القرآن)

(۴) ''والی مدین اخاهم شعیبا قال یقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره قد جاء تکم بینة من ربکم اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب علیہ السلام کو، انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر، بے شک آ گئی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ (سورۂ اعراف، ۸۵ ضیاء القرآن)

(۵) وابراهیم اذ قال لقومه اعبدوا الله واتقوه ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون انما تعبدون من دون الله اوثانا وتخلقون افکا ان الذین تعبدون من دون الله لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند الله الرزق واعبدوه واشکروا له والیه ترجعون وان تکذبوا فقد کذب امم من قبلکم وما علی الرسول الا البلغ المبین اور ابراہیم (علیہ السلام) کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہا کرو، یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو، تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گڑھا کرتے ہو نرا جھوٹ۔ بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے۔ پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اگر تم جھٹلاتے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں یہ جز اس کے کہ وہ (اللہ کا حکم) صاف طور پر پہنچا دے۔
(سورۂ عنکبوت، ۱۷، ۱۸ ضیاء القرآن)

(۶) قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی وسبحن الله وما انا من المشرکین۔ (اے یوسف علیہ السلام) آپ فرما دیجیے یہ برا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں مَیں مشرکوں میں سے۔ (سورۂ یوسف، ۱۰۸ ضیاء القرآن)

(۷) وان الیاس لمن المرسلین اذ قال لقومه الا تتقون اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین الله ربکم ورب آبائکم الاولین۔ اور بے شک، الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم ڈرتے نہیں؟ کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین کو (یعنی) اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ (سورۂ الصٰفّٰت، ۱۲۳، ۱۲۵ ضیاء القرآن)

(۸) ''واذکر فی الکتاب ابراهیم انه کان صدیقا نبیا اذ قال لابیه یابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنك شیئا

یـابـت انـی قـد جـاء نـی مـن العلم مالم یاتك فاتبعنی اھدك صراطا سویا یابت لم تعبد الشیطن ان الشیطن کان للرحمین عصیا یابت انی اخاف ان یمسك عذاب من الرحمن فتکون لـلشیطن ولیا قال اراغب انت عن الھتی یا ابراھیم لئن لم تنته لارجـمـنك اورذ کر کیجیے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا، وہ راست باز نبی تھا جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ! تو کیوں عبادت کرتا ہے اُس کی جو کچھ نہیں سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، اے میرے باپ! بے شک آیا ہے وہ علم میرے پاس جو تیرے پاس نہیں آیا اس لیے تو میری پیروی کر، مَیں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ اے باپ، شیطان کی پوجا نہ کیا کر بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے، اے باپ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب خدائے رحمٰن کی طرف سے تو تُو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ باپ نے کہا: کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگ سار کردوں گا۔(سورۂ مریم، ۴۱ تا ۴۶/ضیاء القرآن)

(۹) ولـوطـا اذ قـال لقومه انکم لتاتون الفاحشة ما سبقکم بھـا مـن احـد مـن الـعـلـمین ائنکم لتاتون الرجال وتقطعون السبیـل فـی نـادیکم المنکروما کان جواب قومه الا ان قالوا ائتـنـا بـعـذاب الله ان کنتم صدقین۔ اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی تو سے اس (بے حیائی) کی طرف، کسی اور قوم نے دنیا بھر میں، کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا اے لوط! لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب۔ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔(سورۂ العنکبوت، ۲۸، ۲۹/ضیاء القرآن)

قارئین ملاحظہ کریں کہ انبیاے کرام کا اسلوب کس دردمندی اور حکیمانہ انداز میں یہ حضرات اپنی اپنی قوم کو دعوتِ حق دے رہے ہیں ۔ موقع اور مناسبت کی لحاظ سے کہیں تحذیری اسلوب ہے، کہیں تبشیری اندازِ تکلم ہے، تو کہیں تفہیماتی اور استدلالی، لب و لہجے کا استعمال ہے، تو کہیں معاملاتی یا ناصحانہ منہج کو اپنایا گیا ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (قرآن کے الفاظ میں) کے ساتھ جو اندازِ تکلم اپنایا ہے وہ بہت ہی مؤدبانہ اور مـحـتـسبـانـه ہے۔ حضرت ابراہیم بار بار اے میرے باپ، اے میرے باپ! کے الفاظ استعمال کررہے ہیں، سلام کررہے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے کا بھی ذکر کررہے ہیں۔ صاحبِ تفسیر ضیاء القرآن، حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعوت کا ہر لفظ محبت واحترام کی خوشبو سے مہک رہا ہے لیکن آذر کا جواب درشتی اور بے مہری کا آئینہ دار ہے، (یا ابت) اے میرے باپ کے جواب میں (یا بنی) اے میرے بیٹے نہیں کہا بلکہ نام لیا اور وہ بھی ابتدائے کلام میں نہیں بلکہ آخر میں۔ 'راغب' خبر کو مقدم کیا اور مبتدا کو مؤخر۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدلل دعوت کے جواب میں کوئی معقول بات پیش نہیں کی جارہی ہے بلکہ دھمکیاں دی جارہی ہیں اور آنکھوں سے دور ہوجانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ (تفسیر ضیاءالقرآن، علامہ پیر کرم شاہ ازہری، اشاعت: محرم ۱۳۹۹ھ، ناشر: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور، ج:۳/ص،۸۵)

دعوت وتبلیغ کے متعلق مختلف انبیاے کرام کے حوالے سے نازل شدہ من جملہ قرآنی آیات کیا منسوخ ہوچکی ہیں؟ تو پھر قرآن میں ان کے وجود کی معنویت کیا ہے؟ مختلف انبیاے کرام، اقوام و اماکن کے حالات و واقعات کو بیان کرنے کا مقصد کیا ہے؟ غرض و غایت کیا ہے؟ اس کی افادیت کیا ہے؟ قرآن کتابِ ہدایت ہے تو یقیناً ہم قرآن کی ان آیات سے بھی ہدایات حاصل کریں گے جس طرح تمام انبیا کرام نے دعوت وتبلیغ کے معاملے میں استقامت دکھائی ہے یا جس طرح مشقت برداشت کی ہے، تبلیغ کا جو انداز اختیار کیا ہے، دعوتِ توحید کے لیے جو طرزِ استدلال اپنایا ہے، شرک و بدعت کو جس انداز میں باطل اور غلط ثابت کیا ہے، ٹھیک اسی انداز و اسلوب کو خوشی خوشی مبلغینِ اسلام کو بھی اپنانا ہوگا۔ اسی میں کامیابی و کامرانی ہے، یہی انبیا کی بعثت کا مقصد ہے اور قرآن کا طریقہ ہے۔ استقامت دعوت وتبلیغ میں جہاں بنیادی شرط ہے وہیں خوش خلقی، شائستگی، سلیقہ شعاری اور سنجیدگی ومتانت، خوفِ خدا اور اخلاص بھی اس کے لازمی جز ہیں، اسلام کا ایک مبلغ (یا تنظیم و جماعت) ان اوصاف سے متصف ہوئے بغیر اگر دعوت کا کام کرے گا تو وہ دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے اور عوام النّاس کو دین سے متنفّر، برگشتہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا، قرآن میں اسی لیے نبی کریم کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فـلـذلك فـادع

واستقم كما امرت ولا تتبع اهواء هم وقل امنت بما انزل الله من كتاب وامرت لاعدل بينكم الله ربنا وربكم لنا اعمالنا ولكم اعمالكم لاحجة بيننا وبينكم الله يجمع بيننا واليه المصير۔ پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور نہ اتباع کیجیے ان کی خواہشات کا، اور (برملا) فرمایئے کہ میں ایمان لایا ہر اُس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان، اللہ تعالیٰ ہمارا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، کسی بحث وتکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف (سب نے) پلٹنا ہے۔ (الشوریٰ/۱۵)

ملاحظہ کریں اس آیت میں کن کن امور کی جانب رسولِ اکرم کو اللہ تعالیٰ نے متوجّہ کیا اور بطور خاص راہِ دعوت میں استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ حالاں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ بابرکات ہر لمحہ دعوتِ حق کے لیے پرعزم دکھائی دیتا ہے۔ ملاحظہ کریں آپ کا خطبۂ حجۃ الوداع اور حیاتِ مبارکہ کے تمام ماہ وسال۔ حق بات یہ ہے کہ آپ کو مخاطب کرکے اس آیت میں اُمت کو تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن جہاں آپ کو ثابت قدم رہنے کا حکم دیتا ہے وہیں آپ کے حسنِ اخلاق وکردار کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

(۱)فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے اور اگر ہوتے تند مزاج، سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے، تو آپ درگزر فرمایئے ان سے اور بخشش طلب کیجیے ان کے لیے۔
(آل عمران/۱۵۹)

(۲)اولئك الذين يعلم الله ما فى قلوبهم فاعرض عنهم وعظهم وقل لهم فى انفسهم قولا بليغا یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، (اے حبیب) چشم پوشی فرمایئے ان سے اور نصیحت کرتے رہیے انہیں، اور کیجیے انہیں تنہائی میں ایسی بات جو مؤثر ہو۔ (النساء/۱۰)

(۳)خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجهلين قبول کیجیے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجیے نیک کاموں کا اور رخ (انور) پھیر لیجیے نادانوں کی طرف سے۔ (الاعراف/۱۹۹)

(۴)"وان الساعة لاتية فاصفح الصفح الجميل اور بے شک قیامت آنے ہی والی ہے پس اے (حبیب) آپ درگزر فرمایا کیجیے ان سے عمدگی کے ساتھ۔ (الحجر/۵)

(۵)فاصبر على ما يقولون وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب پس آپ صبر فرمایئے ان کی دل دکھانے والی باتوں پر اور پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے۔ (ق/۳۹)

(۶)فاصبر صبرا جميلا تو تم اچھی طرح صبر کرو۔"
(المعارج/۵)

مذکورہ آیاتِ قرآنی کا تجزیاتی مطالعہ علم نفسیات کی روشنی میں کریں تو پتہ چلے کہ ایک مبلغ کو باحوصلہ، وسیع القلب، حلیم الطبع، سنجیدہ، عفو و درگزر کرنے والا اور صابر شاکر ہونا چاہیے۔ یہ تمام صفاتِ انسانی علمِ نفسیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان آیات کی جو قدر و قیمت ایک ماہرِ نفسیات "Psychologist" کی نگاہ میں ہے وہ کسی دوسرے فرد میں پانا ممکن نہیں۔ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۰ میں اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق رسولِ اکرم سے ارشاد فرماتا ہے "اے حبیب، مَیں نے اُن کی منافقت کو آپ پر واضح کر دیا ہے، اب آپ اُن کی فطرت سے بخوبی واقف ہیں، پھر بھی آپ اُن کی بے وقوفیوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے نصیحت کرتے رہیے اور انہیں تنہائی میں مؤثر انداز سے سمجھایئے" اس آیت میں چشم پوشی، نصیحت اور مؤثر انداز کے علاوہ لفظ "تنہائی" بہت ہی قابلِ توجہ ہیں۔ اس آیت کی اصل روح یا مفہوم کو ایک ماہرِ نفسیات ہی اخذ کر پائے گا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ منافقانہ روش یا فطرت ہمیشہ مبہم یا دورُخی انداز [Double Policy] اختیار کرتی ہے۔ منافق فطرت لوگ ہمیشہ کسی کے موافق اور مخالف دونوں گروہوں سے برابر کے تعلقات بہت رازداری کے ساتھ بنائے رکھتے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کی حتمی طور پر نشاندہی ہو جانے کے بعد واضح طور پر برسرِعام مع ثبوت ان کی قلعی کھول دی جائے تو انہیں معاشرے میں منہ چھپانے کی کہیں جگہ بھی نہیں ملے گی اور دونوں طرف سے شخصیت مجروح ہو جانے کے بعد خودکشی کے سوا اُن کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں رہے گا۔ قرآن انسانی جانوں کو تلف ہونے سے بچانے کا حامی ہے۔ اس لیے رسول اللہ کو ایسے لوگوں کو تنہائی میں مؤثر انداز سے سمجھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آج دنیا میں

خودکشی کرنے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہے جو W.H.O. کے ریکارڈ سے ثابت ہے۔ رسول اللہ کی پیروی میں ایک مبلغ بھی یہی انداز اپنائے۔ مؤثر انداز میں نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ دعوت دینے کے لیے صرف نبیِ آخر الزماں ﷺ کو ہی نہیں بلکہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو بھی یہی حکم دیا تھا۔ جب انہیں فرعونِ مصر جیسے باغیِ حق کے پاس بھیجا گیا تو قرآن اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

اذهبا الی فرعون انه طغی فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی۔ آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور گفتگو کریں اُس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا میرے غضب سے ڈرنے لگے۔ (طٰہٰ/۴۳-۴۴)

سورۂ طٰہٰ کی مذکورہ آیات میں کئی باتیں ہمارے لیے توجہ طلب ہیں۔ فرعون سرکش ہے یعنی باغیِ حق ہے، ظالم و جابر ہے، مغرور و متکبّر ہے۔ ایک لفظ ''سرکش'' کا استعمال کر کے قرآن نے فرعون کی صفت وفطرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام (مع اُن کے بھائی) کو واقف کرا دیا۔ اُس کی شخصیت سے حضرت موسیٰ کو متعارف کرانے کے بعد انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ ان تمام حقائق کے باوجود اے موسیٰ فرعون سے گفتگو نرم انداز سے کرنا، غصہ، تلخی یا درشت کلامی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ قرآن اس آیت سے اپنے ماننے والوں کو کیا ذہن دینا چاہتا ہے؟ آیاتِ قرآنی کا منشا یہ ہے کہ دعوت خواہ کسی بھی شخص کو دی جائے اس کا سماجی معیار ''Social Status'' کچھ بھی ہو، اُس کا ذاتی کردار کیسا بھی ہو، اُس کا ردِعمل خواہ کتنا ہی سخت ہو مگر دعوت دینے والا ہر قیمت پر نرمی، سنجیدگی اور حکمت اختیار کرے گا۔ اسلام کا مبلغ کسی بھی قیمت پر درشت خو اور بدکلامی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا، اپنے مخاطب سے لعن طعن نہیں کر سکتا۔ دعوت کسی کو انفرادی طور پر دی جا رہی ہو یا محراب و منبر اور اسٹیج کے ذریعے کسی کو مخاطب کیا جا رہا ہو، کسی بھی حال میں اسلام کا مبلغ نرم خوئی کو چھوڑ نہیں سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ طنز و چھینٹا کشی، گالی گلوج کا استعمال کرے گا تو یقیناً اس آیت کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

آیاتِ قرآنی کی منشا و حکم کی خلاف ورزی کر کے کوئی مبلّغ کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، دین کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ آج ہمارے اسٹیجوں کا کیا حال ہے؟ کس طرح کی تقریریں ہو رہی ہیں؟ عصر حاضر کے نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ ان نام نہاد مقرروں کے تقریری انداز سے بیزار ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سادہ لوح عوام ان نام نہاد مقرروں سے تنگ آ کر باطل کے خوشنما جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ کیا عوام اہلِ سُنّت کی جو تعداد ۱۹۷۰ء میں تھی وہ ۱۹۸۰ء میں برقرار تھی اور جو ۱۹۸۰ء میں تھی وہ ۱۹۹۰ء میں برقرار رہی؟ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم صرف ۱۹۷۰ء سے ۲۰۰۸ء تک کا جائزہ مختلف شہروں، قصبات و دیہات کے حوالے سے لیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ گاؤں کے گاؤں، قصبات کے قصبات اور شہر کے شہر عقیدۂ اہلِ سنّت سے منحرف ہو کر باطل عقیدے والوں کے ساتھ موحّد و پکّا نمازی بن گیا ہے۔ کل تک جن گھروں میں محفلِ میلا د و قیام کا انعقاد ہوتا تھا آج اس گھر کے مکین ان معاملات کو شرک و بدعت بتا رہے ہیں۔ یاد رکھیے دعوت میں ہمیشہ بہتر اسلوب اور نرمی کا مظاہرہ کیا جائے گا مگر جب باطل سے رزم گاہِ کارزار میں مقابلہ ہو جائے تو پوری سختی کے ساتھ اپنی طاقت کو بروئے کار لایا جائے گا۔ یہاں کوئی نرمی نہیں ہوگی۔ نام نہاد مقرروں نے تبلیغ کے اسٹیج کو ہی میدانِ کارزار بنا دیا ہے اور اصل میدان جہاد سے راہِ فرار اختیار کر لیا ہے جو نہ قرآن وسنت کے اعتبار سے درست ہے اور نہ علمِ نفسیات کے اعتبار سے مناسب ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ باطل کی تعداد تو بڑھے گی جیسے کہ حدیث میں وارد ہے۔ مَیں ایسے لوگوں کو کہا کرتا ہوں کہ جب باطل کی تعداد بڑھنے ہی والی ہے تو براہ کرم آپ لوگ تقریریں کرنا ختم کر دیں، خانقاہوں اور درگاہوں کو بند کر دیں، مدارس میں تالا ڈال دیں اور چپ چاپ اپنے گھروں بیٹھ جائیں۔ کیا ضرورت ہے طے شدہ نذرانوں پر گھوم گھوم کر تقریر کرنے کی۔ یہ سب حیلہ بازی ہے۔ قرآن کے مطابق تبلیغ نہ کرنے والوں کی اشتعال انگیزی تو باطل کی فطرت ہی ہے، وہ تو ہمیں مشتعل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا مگر راہِ دعوت میں ہمارے لیے قرآن کا حکم یہ ہے:

وقل لعبادی یقول التی هی احسن ان الشیطن ینزغ بینهم ان الشیطن للانسان کان عدوا مبینا اور آپ حکم دیجیے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہت عمدہ ہو، بے شک شیطان فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (بنی اسرائیل/۵۳)

یعنی مبلغ اسلام کو اشتعال انگیزی کا جواب تحقیر، لعن طعن، گالی گلوچ کے انداز میں نہیں دینا ہے بلکہ بہت عمدہ طریقے سے حکیمانہ انداز اپنانا ہے۔ ان نام نہاد طے شدہ نذرانوں یہ غیر حکیمانہ گفتگو کرنے والوں سے عوام اہل سنت کا جو طبقہ متنفر ہو کر باطل عقیدہ کو اختیار کر رہا ہے وہ جہنمی نہیں ہو رہا ہے تو پھر انہیں باطل تک پہنچانے کا

ذمہ دار کون ہے؟ اور لشکر شیطان میں اضافہ کا سبب کون بن رہا ہے؟ شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ ہماری جماعت بڑھے۔ اس بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:"ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعو حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی) کی دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کوتا کہ وہ جہنمی بن جائیں۔(فاطر/۶)

جب شیطان اپنی دعوت کو جاری رکھے گا تو بندۂ مومن بھی قرآنی معیار و مفہوم کے مطابق دینِ حق کی تبلیغ کو جاری رکھے گا۔ تبلیغ کا سلسلہ جب رہتی دنیا تک شیطان جاری رکھے گا تو پھر بندۂ رحمٰن رشد و ہدایت کا سلسلہ کیوں نہیں جاری رکھیں گے۔ سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد تبلیغِ حق کی ذمہ داری اہلِ حق ہی پر تو ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ نرمی سے دعوتِ حق پیش کرو، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے اور میرے غضب سے ڈرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے (لعل) یعنی شاید کا لفظ کیوں ذکر فرمایا؟ شاید تو کلمۂ شک ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ فرعون ایمان لائے گا یا نہیں لائے گا۔ انبیائے کرام کے علمِ غیب سے تو نام نہاد توحید پرست لوگ اختلاف کیا کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو تو (عالم الغیب) سبھی مانتے ہیں تو پھر یہاں شاید کا استعمال کیوں؟ اہلِ علم جانتے ہیں کہ شاید میں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا برابر احتمال رہتا ہے یعنی شاید میں اُمید کا پہلو پایا جاتا ہے۔ آیات کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے انجام سے ابھی باخبر نہیں کیا ہے لہٰذا آیت کا منشا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت کے اس مرحلے میں پُر اُمید ہو کر فریضۂ تبلیغ انجام دیتے ہیں۔ انبیا کے علاوہ دیگر تمام مومنین جو دعوت و تبلیغ کا کام کریں گے ان پر وحی کا نزول نہیں ہوگا۔ ان پر جبرئیل امین نازل نہیں کیے جائیں گے، لہٰذا مبلّغِ اسلام کسی کے انجام سے باخبر تو نہیں ہے لیکن وہ اس اُمید میں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ میری محنت و تبلیغ سے کوئی حق قبول کرے وہ اپنے کام میں تسلسل کے ساتھ لگا رہے، یہ وہ اسلوب ہے جو "Continuity" تسلسل روانی کو برقرار رکھنے کی ترغیب دیتا ہے اور جو لوگ قرآن و سنّت کے معیار کے مطابق دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں ان کے لیے قرآن بشارت دیتا ہے: الذین یبلغون رسلت اللہ و یخشونہ و لا یخشون احدا الا اللہ و کفی باللہ حسیبا وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں، وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے، اللہ تعالیٰ کے سوا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔(احزاب/۳۹)

تبلیغ کا جو نفسیاتی پہلو ہے اسے قرآن ہر حال میں ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ دیکھیے اس آیت میں قرآن ارشاد فرما رہا ہے کہ اللہ کے پیغامات کی تبلیغ کرنے والے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور سے نہیں ڈرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا نگہبان و محافظ تو صرف اللہ ہے۔ اندازہ کریں کہ جب کسی کو یہ یقین کامل ہو جائے کہ میں تو صرف اللہ ہی کی نگہبانی و حفاظت میں ہوں تو اس کی نفسیاتی حالت کتنی اطمینان بخش ہو گی، اس کا قلب کتنا مطمئن ہوگا، اس کو کس قدر سکون اور مسرت و شادمانی نصیب ہوگی اس کا اندازہ اس نعمت سے محروم لوگ کبھی نہیں کر سکتے۔ مبلغین کو قلبی اطمینان حاصل کرنے کا یہ بھی ایک نفسیاتی پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام عالم کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ تمام اقوام عالم کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر۔(سبا/۲۷)

بشیر و نذیر یعنی خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر اللہ نے دنیا میں آپ کو بھیجا۔ جب رسول اکرم کی دعوت عالمی دعوت ہے تو رحمت رسول کے بعد جانشینان رسول اور خدام رسول کی دعوتی پیغام بھی عالمی نوعیت کی ہوگی۔ اس لئے عالمی نوعیت کی دعوت دینے کی ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھانے سے پہلے ہمیں اس کی پوری تیاری کرنی ہوگی، اپنے مبلغین کو تربیت سے آراستہ کرنا ہوگا، کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے یہاں عالمی نوعیت کی دعوتی تیاری تو دور کی بات ہے ہم مقامی اعتبار سے کسی خطے یا علاقے کے لوگوں تک پیغامِ اسلام پہنچانے کے لئے کوئی منصوبہ یا کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔

تبشیر کا کام جس منظّم انداز سے عیسائی مشنریاں نفسیات کے تمام پہلوؤں کو ہی ملحوظ خاطر رکھ کر نہیں بلکہ لالچ، مکر و فریب کے ذریعے کر رہی ہیں اس کا مسلمانوں کو اندازہ نہیں ہے، ان کے مکر و فریب کا جواب ہی حکمت و بصیرت کے ساتھ منظّم انداز میں دینے کی ضرورت ہے، عیسائی مبلغین اپنا کام کس کس انداز میں لیکن ہمت کے ساتھ کرتے ہیں اس کی ایک مثال ہفت روزہ قومی جسارت جدید ممبئی کے نامہ نگار شیخ سلیم اللہ کی مندرجہ ذیل رپورٹ میں ملاحظہ کریں۔

"ترویتی مندر میں عیسائیت کا پرچار عیسائی گروپ خاموشی سے کام کر رہا ہے"۔

چند روز قبل ایک واقعہ پیش آیا جس نے ترویتی مندر کے

سارے انتظامیہ کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا بعض لوگ درشن کے لئے کھڑے لوگوں میں عیسائیت کے پرچار کے سلسلے میں پمفلٹ تقسیم کر رہے تھے۔ عیسائیوں کے اس عمل پر لوگوں نے بغاوت کی اور انہیں پولس کے حوالے کر دیا''۔ (ہفت روزہ قومی جسارت جدید ممبئی، شمارہ: ۳۰ اپریل تا۶ مئی ۲۰۰۶ء، ص۱۲)

مسلمان عیسائیوں کے خاص ہدف ہیں۔ بنگلہ دیش، عراق، افغانستان علاوہ ازیں اور بھی دیگر ممالک اس وقت عیسائیوں کے لیے لقمۂ تر بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں بھی عیسائیت بڑی سرعت لیکن خودسری کے ساتھ اپنا کام کر رہا ہے۔عیسائیوں کی ایک خفیہ کتاب جس پر ''صرف برائے پرائیوٹ سرکیولیشن'' درج ہے اس کا نام ہے ''مسلمانوں میں تبلیغی کام کے طریقے'' یہ کتاب ۴۔ اپریل تا ۹، اپریل ۱۹۰۶ء میں پہلی ''مشنری'' کانفرنس قاہرہ (مصر) میں پڑھے گئے مقالے اور اُن پر ہوئے بحث و تمحیص کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ اس کے کتاب کے چند ابواب حسب ذیل ہیں:

۱۔ غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں سے کس طرح رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے اور انہیں کس طرح تعلیم دی جاسکتی ہے۔
۲۔ غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں میں کس طرح ''کام'' کیا جائے۔
۳۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں کس طرح ''کام'' کیا جائے۔
۴۔ مسلمانوں کے لئے عیسائی لٹریچر۔
۵۔ طبی مشنز۔
۶۔ مسلمان خواتین میں کام۔
۷۔ مسلمان نسلوں کو کس طرح عیسائیت کے لئے جیتا جائے۔
۸۔ عیسائی عقائد کس طرح پیش کیے جائیں۔
۹۔ مسلمانوں میں کام کرنے کے لئے کارکنوں کی تیاری۔
۱۰۔ طلبہ تحریک اور اسلام۔

(دنیا عیسائیت کی زد میں، محمد انور بن اختر محقق، سنِ اشاعت: ندارد، ناشر: مکتبۂ ہاشمیہ سہارنپور، ص۔۲۷)

قرآن کو سمجھ کر اکثر و بیشتر مسلمان پڑھیں یا نہ پڑھیں مگر دنیا کے اکثر غیر مسلم قرآن کا مطالعہ اپنے زبان و سیلے سے کر رہے ہیں، مطالعہ قرآن کی یہ روشنی تفہیمی بھی ہے اور دفاعی و اقدامی بھی۔ اس لئے اگر درست و صحیح ترجمہ مختلف زبانوں میں لوگوں کو دستیاب نہیں ہوا تو خطرہ ہے کہ لوگ تفہیم قرآن کے اصل روح سے ناواقف ہونے کی بنا پر اسلام کے خلاف سخت گیر رویہ اپنائیں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کا سب سے پہلا مترجم ایک عیسائی راہب ''مقدس پیٹر'' ہے، ایک حقیقی مقالے میں محترمہ خدیجہ باوزیر تحریر فرماتی ہیں:

''قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ جو کسی دوسری زبان میں کیا گیا وہ کلونی کے راہب ''پیٹر'' نے کیا تھا۔ پیٹر کلونی کی خانقاہ کا صدر تھا اور کلیسائی حلقوں میں نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ پیٹر نے قرآن مجید کا یہ ترجمہ سن ۱۱۴۲ء میں کیا، اس مقصد کے لئے اس نے اُندلس (اسپین) کا سفر کیا اور وہ تمام مواد اور معلومات جمع کی جو اس کے نزدیک اس ترجمہ کے لئے ضروری تھیں۔

ظاہر ہے مقدس پیٹر کا یہ اقدام کسی بھی طرح سے فراخ دلی یا روشن خیالی پر مبنی نہیں تھا (بلکہ) مذہبی رواداری یا علمی رہنمائی کی بات تو دور رہی اس کا اصل مقصد اس اثر کو زائل کرنا تھا جو اس وقت اسلام نے عیسائی ذہنوں پر قائم کرلیا تھا۔ (ہفت روزہ ترجمان دہلی، ش، شمارہ ۱۲ تا ۱۴ فروری ۱۹۹۷ء، ص۱۳، کالم ۱)

دنیا کے غیر مسلم عوام میں اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن کے متعلق غلط فہمیاں پھیلانے میں عیسائی مشنریز کا بڑا اہم کردار ہے۔ اس لئے بین الاقوامی سطح سے لے کر مقامی اور علاقائی سطح تک پر جو غلط فہمیاں لوگوں کے اندر اسلام اور قرآن اور پیغمبر اسلام کے خلاف پائی جارہی ہیں اُن کے ازالے کے لئے داعیانِ اسلام کو بہت زبردست کردار حکمت و بصیرت کے ساتھ ادا کرنا ہوگا کیوں کہ

ہم نے گل داں میں کانٹے نہیں سجتے دیکھے
بد زباں لوگوں کی عزت نہیں کرتا کوئی!

قارئین! مجھے اعتراف ہے کہ میں اپنے اس موضوع کا کما حقہ حق نہیں ادا کر سکا۔ مجھے اپنی کم علمی اور بے بصیرتی کا اعتراف ہے۔ اللہ و رسول کی عطا کردہ صلاحیت سے جو کچھ بھی ہوسکا ہے اور جیسا بھی ہوسکا ہے وہ آپ کے پیشِ نظر ہے اگر کوئی خامی نظر آئے تو اصلاح فرمائیں، نوازش ہوگی۔ اس مقالہ کو تحریری شکل دینے میں مظہر حسین علیمی (مدیر معاون سہ ماہی سُنّی دعوت اسلامی ممبئی) کے تقاضائے محبت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کی دعوت دی۔ بعض آیات قرآنیہ کی نشان دہی میں مولانا سید جمال احمد الہ آبادی (ناظم اعلیٰ مدرسۂ فیضان مصطفیٰ، زہرہ باغ علی گڑھ) اور حافظ و قاری حضرت علامہ عبد الرحمٰن کانپوری (صدر مدرس شمس العلوم سن گاؤں فتح پور) صاحبان کا تعاون شامل حال رہا، پروردگار انہیں بھی اس کا جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

☆☆☆

اسلام کا دعوتی نظام

محمد نعمان احمد ازہری ★

یہ حقیقت مسلم ہے کہ اسلام اس جہانِ رنگ و بو میں دیگر ادیان و مذاہب کی بہ نسبت نوعمر ہے اور ساتھ ہی اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ماننے والے یکا یک کسی لاہوتی مکان سے نہیں نازل ہوئے، بلکہ آہستہ آہستہ پہلے ایک خاندان سے دوسرے خاندان، پھر ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے، پھر ایک شہر سے دوسرے شہر، پھر ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچتا ہوا یہ دین آج آفاق کی وسعتوں میں پھیل گیا، روئے زمین کی پہنائیوں میں سما گیا۔

اللہ تعالیٰ کا وہ دین جس کے بانی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس وقت ظہور پذیر ہوا جب پورا معاشرہ گمراہیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ پورا ماحول وحدانیت کے تصور سے نابلد تھا۔ ضلالت و گمرہی کے ایسے پراگندہ ماحول اور پرآشوب دور میں اسلام کا وجود بجائے خود ایک چیلنج تھا۔ حالات کی اتنی کڑی نامساعدت، پورے معاشرے کی مخالفت اور اپنوں تک کی بغاوت کے باوجود اللہ کا یہ دین سب پر غالب ہو کر رہا، یہ اس کی حقانیت کی واضح دلیل ہے۔

یہی نہیں بلکہ وہ غیر مسلم محققین جنھوں نے تعصب کی عینک اتار کر اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کیا انہوں نے اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ اسلام سے زیادہ پاکیزہ کوئی مذہب نہیں، اسلام کی ساری خوبیاں، اچھائیاں اور محاسن اپنی جگہ مسلّم، مگر سوال یہ ہے کہ ان اچھائیوں کو دوسروں سے متعارف کرانے اور ان محاسن سے غیروں کو متأثر کرنے کا فریضہ کس نے انجام دیا؟ آیا اسلام محض اپنی حقانیت کی بنیاد پر ہی روز افزوں ترقی کرتا گیا یا اس حقانیت کی آئینہ دار شخصیتوں کا بھی کچھ رول رہا ہے اس کی نشر و اشاعت میں؟

ہمیں تسلیم ہے کہ اسلام کی اپنی اچھائیاں، امتیازی شان اور خوبیاں بلاشبہ اس کی نشر و اشاعت میں کافی حد تک معاون و مددگار رہیں، تاہم اس کے اولین پیروکار اور متبعین کی شخصیتیں کچھ کم موثر اور فعال نہ تھیں جنھوں نے اسلام کی تبلیغ کے نام پر اپنا پورا وجود داؤ پر لگا کر اس کے آفاقی پیغام کو دوسروں تک پہنچایا، اس راہ میں کسی خسارے کی پرواہ کیے بغیر دعوتِ دین کا فریضہ انجام دیا۔

اسلام کا دعوتی نظام دراصل وہی فریضہ ہے جو ہر اہل تکلیف کے سروں پر حسب مراتب مسلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”**کنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر**“ (سورہ آل عمران، آیت:۱۱۰)

کہ اس اُمتِ محمدیہ کو خیر امت ہونے کا اعزاز ملا بایں سبب کہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دینا اور برائیوں سے باز رکھنا اس کا مطمح نظر ہے۔ اس دنیا میں ہر چہار جانب امن و امان ہو، ہر انسان اپنے ماتحت کے حقوق کو پہچانے، معاشرے میں کسی کی حق تلفی نہ ہو، ہر انسان اپنا مقصد تخلیق سمجھ لے اور پھر اپنے معبود حقیقی کے حضور سر تسلیم خم کردے۔ یہی اسلام کا بنیادی مقصد ہے۔ اسی مقصد کے تحت اللہ نے اپنے آخری پیغام کو اپنے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس دنیا میں مبعوث فرمایا اور اس کے لیے مکمل نظامِ حیات اور دستور العمل کے طور پر ایک کتاب نازل فرمائی جو سیاست، معاشرت، تجارت، عبادت، دعوت اور حکومت وغیرہ کے اصولوں پر مشتمل ہے۔

یہاں پر ہمیں صرف اسلام کے نظام دعوت و تبلیغ سے بحث کرنی ہے اور اس کے طریقہ کار کی کچھ جھلکیاں دکھانی ہے۔ لہٰذا اس کے نظام دعوت کو سمجھنے کے لیے دورہنما اصول کی طرف اشارہ ناگزیر ہے:

اول: ”**لا إكراه في الدين**“ [سورہ بقرہ، آیت:۲۵۶] دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

دوم: ”**أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن**“ [سورۃ النحل، آیت:۱۲۵] خدائی دین کی طرف لوگوں کو بلاؤ مگر حکمت و دانائی سے، پند و نصیحت سے اور ان سے اچھے طور طریقے سے جدال کرو۔ اس مقام پہ ممکن ہے کہ کسی ذہن میں یہ سوال گردش کر جائے کہ پھر اسلام میں لڑی جانے والی ان جنگوں کا کیا مقصد تھا؟

جواباً عرض ہے کہ وہ جنگیں کسی غیر مسلم پر جبراً اسلام تھوپنے کے لیے ہرگز نہ تھیں۔ اسلام جب بھی باطل سے نبرد آزما ہوا تو اس کی نوعیت صرف دفاعی تھی۔ اسلام نے پہلے کبھی محاذ آرائی نہ کی، بلکہ جب اس سے تعرض کیا گیا تو اسی کا جواب دیا گیا۔

لیجیے اب ایک جنگ کا ہی نقشہ پیش کر کے اس کا علمی و منصفانہ تجزیہ کر کے فیصلہ آپ کے سر چھوڑ دیتے ہیں۔ شاید آپ کے دل کو تشفی اور ذہن و دماغ کو تسلی ہو جائے۔

جنگ بدر اسلام کی پہلی عظیم جنگ ہے جو ۲ ہجری میں لڑی گئی جس میں اہل اسلام کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی اور کفار کا لشکر ایک ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔ انصاف سے بتایا جائے کہ کیا یہ بات عقل تسلیم کرے گی کہ کوئی دستہ طاقت وقوت اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود کسی مسلح لشکر جرار پر حملہ آور ہونے کی بات سوچ سکتا ہے۔ اور اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ جنگ اسلام کو زبردستی لوگوں کے سر پر تھوپنے کی پاداش میں لڑی گئی تو اب بتایا جائے کہ آخر اسلام کی فاتحانہ عظمت کا جھنڈا لہرانے کے بعد کس کی مجال تھی کہ اس کے خلاف پر مار سکے! پھر سب کے سب مسلمان کیوں کر نہ ہوئے۔ چلیے مان بھی لیا کہ پسپائی و ہزیمت کے بعد سارے کفار و مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے مگر وہ جو بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور مسلمانوں کے ہاتھ لگے جن کی تعداد بہتر (۷۲) ہے۔ انصاف سے بتایا جائے کہ ان بہتر مشرکین قیدیوں میں سے کتنے لوگوں نے جبراً اسلام قبول کیا۔ ایک بھی مثال نہیں مل سکتی، بلکہ انہیں فدیہ دے کر رہائی حاصل کرنے کا پروانہ دیا گیا۔ اور فدیہ بھی اتنا آسان وسستا کہ جو پڑھنا لکھنا جانتا ہو وہ مدینے کے مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے، پھر وہ آزاد ہے۔

یہ تو تصویر کا ایک رُخ رہا جس پر ہمارے حریف کو اصرار تھا کہ اسلام دعوت وتبلیغ سے نہیں بلکہ زور اور زبردستی سے منوایا گیا۔ لیکن اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ چشمِ حیرت سے دیکھیے جو دعوت وتبلیغ کا سچا آئینہ دار اور قرآنی نظام دعوت کا صحیح عکاس ہے۔ عمیر بن وہب جو کل میدان بدر میں مسلمانوں کے سامنے صف آرا تھے، جن کا ایک بیٹا قید و بند کی حالت میں مسلمانوں کی تحویل میں ہے۔ اس کے غیظ وغضب کا کیا پوچھنا؟ آتش انتقام میں بھڑکتا ہوا پورا وجود اس بات کا خواہاں ہے کہ وہ کسی طرح داعی اسلام کا کام تمام کر کے چین لے۔

عمیر مکہ سے چل کر مدینہ پہنچے اور بارگاہِ مصطفوی میں شمشیر آبدار لیے حاضر ہوئے۔ ارادہ بالکل پختہ ہے کہ کل میدان میں تو ہم شکست وریخت سے دوچار ہوئے مگر آج موقع پاتے ہی محمد عربی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ نگاہِ نبوت سے بھلا کون سی چیز پوشیدہ ہو سکتی تھی؟ تاہم اتمامِ حجت کے طور پر پوچھا۔ عمیر کس ارادے سے مدینہ آنا ہوا؟ بولے کہ بیٹے کی رہائی کے سلسلے میں کچھ عرض ومعروض کی غرض سے آیا ہوں۔ آقا نے فرمایا: بیٹے کی رہائی مطلوب تھی تو یہ تلوار کس کام کے لیے ہے؟ عمیر حیلہ پہ حیلہ کیے جا رہے ہیں، آخر یہ تلوار میدانِ بدر میں بھی تو ہمارے ساتھ تھی مگر ہمیں اس سے کیا فائدہ ہوا؟

اس مقام پہ دعوتِ دین کا قرآنی منہاج ذرا بغور ملاحظہ ہو: ''**وجادلهم بالتي هي أحسن**'' کہ رسول اللہ بیک زبان ہی ارشاد فرمادیتے: عمیر سنو! تم میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہو، مجھے سب کچھ پتہ ہے کیوں کہ میں نبی ہوں۔ مگر نہیں بلکہ بڑے سادہ انداز میں تشدد سے خالی نرم لب و لہجے میں گفت وشنید ہو رہی ہے، کوئی انسان یہ جان کر کہ مخاطب اس کے قتل کا ارادہ کیے کھڑا ہے کتنا ہی صبر وتحمل اور حلم وبردباری کا مظاہرہ کرے مگر بہ تقاضائے بشریت یا تو اس سے ہراساں ہوگا یا اس پر غایت درجہ غضب ناک۔ لیکن آپ محمد رسول اللہ کا تیور اور حکمت عملی دیکھیے کہ کسی آمادۂ قتل کے سامنے دین کی دعوت نہیں رکھی۔ بلکہ اس کے ذہن وفکر کے تار و پود بکھیرے کہ عمیر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ محمد تمہارے بنائے گئے منصوبۂ قتل سے بے خبر ہے؟ سن لو! کیا تم نے صفوان کے ساتھ بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ کیا صفوان نے تیرا سارا قرض اور بال بچوں کی کفالت کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لی ہے؟

یہاں پہ یہ نکتہ بہت غور طلب ہے کہ رسول اللہ عمیر کے ذہن سے پہلے وہ بات نکالنا چاہتے تھے جس کی جہالت میں وہ گرفتار تھے اور انھیں اس بات کا قائل کرانا مقصود تھا کہ اسلام ایک سچا دین ہے اور محمد اللہ کے سچے نبی اور سچے رسول ہیں۔ اتنے سچے کہ دلوں کے خطرات پہ اللہ کی عطا سے مطلع ہیں۔ مدینے میں رہ کر بھی مکے کے کسی بند کمرے میں اپنے خلاف رچی جانے والی سازش سے باخبر ہیں۔

یہ رہا دعوتِ دین کا نبوی منہاج کہ مد مقابل جس مسئلہ میں تردد کا شکار ہے پہلے اس کا علمی و منطقی جواب دے کر دلائل سے مطمئن کر دیا جائے، ذہن ودماغ کو تشفی ہو جائے، بعد میں وہ اسلام کی طرف از خود راغب ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف جب رسول اللہ اہل اسلام کی کوتاہیوں اور دینی معاملات میں لاپرواہیوں پر مطلع ہوتے اور ان سے مخاطب ہوتے تو لب ولہجہ سخت اور اندازِ بیان زاجرانہ وتوبیخانہ ہوتا:

''اگر مجھے بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو عین جماعت کے وقت نکلتا اور ان گھروں میں آگ لگا دیتا جن کے مرد جماعت میں شریک نہیں''۔(مفہوم حدیث)

یہ رہا تنبیہ وتوبیخ کا انداز اور وہاں تھا دعوت وتبلیغ کا اسلوب ومنہاج اور یہی جوہری فرق ہے زجر وتوبیخ اور پند وموعظت کے درمیان۔ کہ دعوت دین اور تبلیغ غیروں میں ہوا کرتی ہے اس لیے اس کا انداز بیان شائستہ وسنجیدہ ہونا چاہئے اور پند ونصیحت یا تنبیہ اپنوں میں ہوتی ہے اس لیے وہ ذرا تلخ لب و لہجے میں ہوتی ہے۔ مگر آج دراصل دعوت وتبلیغ کا معیار ہی کچھ بدل گیا۔ یہ صرف اہلِ اسلام کے درمیان ہی محصور ہو کر رہ گئی ہے۔ لہٰذا داعیوں کے اقوال مخاطب کے احوال سے میل نہیں کھاتے جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

دلوں کو تسخیر کرنے کے لیے وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرنا، عفوو درگزر اور تسامح سے کام لینا بھی اسی دعوتِ دین کا اہم پہلو ہے جس کی ایک جھلک ہم آپ کو رسول اللہ کی سیرت طیبہ سے دکھاتے ہیں:

فتح مکہ کے دن رسول اللہ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خانۂ کعبہ کی کنجی لیے حاضر ہوئے اور رسول اللہ سے درخواست کی کہ اس گھر کی نگہبانی اور حاجیوں کو سیراب کرنے کا شرف ہمیں بخشا جائے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ حضرت عباس بن عبد المطلب تھے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ آپ کو بلایا گیا، رسول اللہ نے کنجی ان کے ہاتھوں پہ رکھ دی اور فرمایا: آج کا دن بھلائی کرنے اور وفاداری کا دن ہے۔

ابن سعد نے اپنی ''طبقات کبریٰ'' میں عثمان بن طلحہ سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں: ہم خانۂ کعبہ کا دروازہ دورِ جاہلیت میں صرف پیر اور جمعرات کے دن کھولا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی پاک آئے، چاہا کہ لوگوں کے ساتھ خود بھی کعبے میں داخل ہو جائیں۔ میں نے آپ کو روک دیا اور دروازہ بند کر دیا یہاں تک کہ آپ کو اندر داخل نہ ہونے دیا۔ رسول اللہ نے ایسے موقع پر حلم و بردباری کا مظاہرہ کچھ اس انداز سے فرمایا: اے عثمان! شاید تم دیکھ سکو کہ ایک دن آئے گا جب یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔ میں نے کہا: وہ دن قریش کی ہلاکت اور ذلت ورسوائی کا دن ہوگا۔ ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ عزت و سربلندی کا دن ہوگا۔ جب فتح مکہ کے دن آپ کعبہ میں داخل ہوئے تو مجھے آپ کی وہ بات یاد آئی اور میں نے سمجھ لیا کہ یہی وہ دن ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے عثمان کنجی لاؤ، میں نے بتعمیل حکم کرتے ہوئے حاضر کیا، آپ نے کنجی اپنے دست مبارک میں لی اور پھر میرے حوالے کردی اور ارشاد فرمایا: اے عثمان اسے لے لو، ہمیشہ کے لیے اب تمہاری تحویل میں ہوگی۔ اب یہ کنجی ظالم کے علاوہ کوئی تم سے نہیں چھین سکتا۔ پھر جب میں واپس پلٹا تو آواز لگائی اور فرمایا: کیا ٹھیک ویسا نہیں ہوا جیسا میں نے تم سے کبھی کہا تھا؟ تب مجھے آپ کا وہ فرمان یاد آیا۔ آپ نے ہجرت سے بہت پہلے مجھ سے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا جب کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا، اس کو دوں گا میں نے فوراً بے ساختہ کہا"**أشهد أنك رسول اللّٰه**''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

پہلے واقعے میں حضرت عمیر کے ایمان لانے کا پس منظر یہ تھا کہ ان کے ذہن و دماغ میں یہ تردد تھا کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات بھلا کیسے درست ہوسکتی ہے؟ اور اس کی صحت کی دلیل کیا ہے؟ مگر جب انہوں نے رسول اللہ سے غیب کی خبر اپنے کانوں سے سن لی اور ان کا ضمیر گواہ تھا کہ وہاں میرے اور صفوان کی گفتگو کے درمیان دنیا کا کوئی تیسرا فرد موجود نہ تھا تو انہیں یہ یقین کرنے میں کوئی تامل نہ رہا کہ جب یہ شخص دنیا کے احوال بیان کرنے میں اتنا صادق وراست باز ہے تو دین کے معاملے میں کیوں جھوٹ بول سکتا ہے۔

اور حضرت عثمان بن طلحہ کے متعلق واقعے میں زمانہ آئندہ کی خبر دی گئی۔ جو وقت مقررہ پر حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی تو انہیں قبول اسلام سے کوئی چیز مانع نہ رہی کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔

آج کا المیہ یہی ہے کہ داعیانِ اسلام آج بھی اپنے اپنے مخصوص انداز میں دین متین کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دینے میں منہمک ہیں، مگر غیر مسلم جب پلٹ کر اہل اسلام کے احوال کا مطالعہ کرتا ہے تو قال وحال میں تضاد پاتا ہے، اسی کے منفی اثرات ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے واقعات داعیان اسلام کے لیے نمونہ ہیں کہ دعوت دین کے سلسلے میں اسوۂ نبوی کو اپنائیں اور اپنی دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے کشادہ ذہنی، فراخ دلی اور وسعت ظرفی کا بھرپور مظاہرہ کریں۔

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کا اجر وثواب

شمس الدین بستوی مصباحی ★

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مالک حقیقی نے ہر عہد اور ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے بندوں ہی میں سے کچھ مخصوص افراد اس دار فانی میں مبعوث فرمائے ،جنہوں نے وقت کے تقاضے کے مطابق دعوت وتبلیغ اور اصول وارشاد جیسی مقدس اور اہم ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دیا، تمام نبیوں کے بعد ہمارے نبی اکرم خاتم الانبیا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس جہاں میں تشریف لائے اور آپ نے اپنی کاروان حیات کے پورے بلکہ خصوصیت کے ساتھ آخری دس سالوں میں شبانہ روز کی محنت ،حکمت وموعظت اور حسن اخلاق سے رشد وہدایت کی ایسی شمع منور کی جس کی ضیا پاشیوں سے ایک عالم جگمگا اٹھا۔اور براہ راست اکتساب فیض کرنے والے اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے رسول کی لائی ہوئی تعلیمات کو پھیلانے میں بے مثال اور لازوال کارنامہ انجام دیا۔صحابۂ کرام اور تابعین سے لے کر ماضی قریب تک اُفق رشد و ہدایت پر بے شمار آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے،جن کی دعوت وتبلیغ سے لاتعداد افراد نے ظلمت وگمراہیت سے تائب ہوکر نہ صرف یہ کہ وہ خود منور ہوئے بلکہ تاریک قلوب کو بھی اس شمع ہدایت سے منور کیا۔

مگر افسوس کہ آج ہم اس اہم فریضہ کو چھوڑ چکے ہیں جو ہمارے لیے فلاح دارین کا سبب تھا اور ہے ۔یہی وجہ ہے کہ آج اسلام دشمن طاقتیں اسلامی افکارونظریات کا چہرہ مسخ کرنے کی ناپاک کوشش میں لگی ہوئی ہیں اور مذہب اسلام کو شجر ممنوعہ اور نا قابل عمل بتا رہی ہیں جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

لہٰذا ایسے ماحول میں واقعی ہم اپنے آپ کو دین متین او رمذہب حنفیہ کا خادم شمار کرتے ہیں تو ہم پر واجب ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقۂ دعوت اختیار کریں اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اور سلف صالحین وسواد اعظم علمائے اہل سنت کے دعوتی اسلوب کو اپنا کر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں۔

دعوت اور داعی کی فضیلت :قرآن کا مقدس ارشاد ہے:**ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون**. (آل عمران، پارہ۴، آیت۱۰۴)۔

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔(کنز الایمان)

اور اسی سورت میں ہے: **کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللّٰہ و لو اٰمن اھل الکتب لکان خیرا لھم منھم المومنون و اکثرھم الفسقون**. (آل عمران، پارہ۴، آیت ۱۱۰)

تم بہتر ہوان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا ان میں سے کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر۔

شان نزول: یہودیوں میں سے مالک بن صیف اور وہب بن یہود نے حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ تم سے ہم بہتر ہیں اور ہمارا دین تم سے افضل ہے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔اس سے فضیلت دعوت اور داعی اور مبلغ کی اہمیت کا اندازہ بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ارشاد ربّانی ہوا:ومن أحسن قولا ممن دعا الی اللّٰہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ۔(حٰم السجدہ:۳۳)۔

یعنی:اس سے زیادہ اچھی کس کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔اس باب میں داعی برحق ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متعدد

احادیث بھی وارد ہیں، یہاں صرف چند احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذکر کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

(۱)عن ابی مسعود عقبة بن عمرو الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من دلّ علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ ''رواہ مسلم''۔(ریاض الصالحین، ص۱۱۶، مطبوعہ ارشد برادرس نئی دہلی)۔

ایک دوسری روایت جو بالکل اسی مفہوم کی عکاسی کر رہی ہے۔

(۲)من دعا الیٰ ھدی کان لہ من الاجر مثل اجر مثل اجور من تبعہ لا ینقص ذالک من اجورھم شیا۔(ریاض الصالحین، ص۱۱)۔

پہلی حدیث پاک میں عمل خیر کی طرف رہنمائی کرنے والے کو اس پر عمل کرنے والے کے مثل اجر وثواب کا وعدہ کیا جا رہا ہے جب کہ دوسری حدیث پاک میں اطمینان اور تسلی دلائی جارہی ہے کہ رہنمایان حق کو اسی قدر اجر وثواب عطا کیا جائے گا جس قدر اس پر عمل کرنے والے کو اجر وثواب دیا جائے گا اور دل چسپ بات یہ ہے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوگی۔ بھلا اس سے بڑھ کر اجر و ثواب اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہماری رہنمائی سے جتنے لوگوں نے عمل خیر کیا ،ان سب کے برابر ہمیں اجر وثواب ملے گا جب کہ اگر ہم خود ہی عمل کریں تو ہمیں اپنے ہی عمل کا ثواب ملے گا۔

صاحب تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی علیہ الرحمہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:سئل رسول اللہ ﷺ من خیر الناس ؟قال آمرھم بالمعروف و أنھاھم عن المنکر و أتقاھم للّٰہ تعالیٰ و أوصلھم للرحم۔(روح المعانی،جلد۳ جز۴،ص۲۲)

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ''لوگوں میں سب سے اچھے کون ہیں؟ فرمایا: جو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں''۔

روی الحسن من امر بالمعروف ونھی عن المنکر فھو خلیفہ اللّٰہ تعالیٰ و خلیفة رسول اللّٰہ ﷺ وخلیفة کتابة۔(ایضا)۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے باز رکھا تو وہ اللہ کا خلیفہ ہے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔'' گویا کہ ایک داعی کی حیثیت ایک خلیفہ کی ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ داعی اعظم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا کی قسم !اگر اللہ تیرے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت فرمادے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹ سے بہتر ہے۔

سرخ اونٹ عربوں کے یہاں بہترین مال ہوا کرتے تھے۔ اس لیے اس وقت اس سے زیادہ خوبصورت انعام دیا جاتا تھا۔ دعوت وتبلیغ کی مزید اہمیت وعظمت کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگائیے:

عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم قال :من دعا الیٰ ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا ینقض ذلك من اجورھم شیئا ،و من دعا الیٰ ضلالة کان علیہ من الاثم مثل اثام من تبعہ لاینقص ذلك من اثارھم شیئا۔روا ہ مسلم(ریاض الصالحین،ص۱۱۶)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہدایت کی طرف بلایا، اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اس ہدایت کی پیروی کی ،بغیر اس کے کہ پیروی کرنے والوں کے اجروں میں سے کچھ کم کیا جائے اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی، اس کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا ان لوگوں پر جنھوں نے اس گمراہی کی پیروی کی بغیر اس کے کہ گمراہی کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔

ان تمام احادیث سے دعوت اور داعی کی فضیلت سے آپ بخوبی آگاہ ہو چکے ہوں گے تاہم آئیے ذیل میں اس سلسلے کی مزید چند احادیث کا اور مطالعہ کیجیے اور دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور عظمت سے نہ صرف اپنے آپ کو محظوظ کیجیے بلکہ عملی دعوت میں حصہ لینے کا عزم کیجیے۔

(۱)عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما عن النبی ﷺ قال:مثل القائم فی حدود اللہ والواقع فیھا کمثل قوم استھموا علیٰ سفینة فصار بعضھم او لا ھا و بعضھم

اسفلها اذا استقوا من الماء مروا علی من فوقهم فقالوا لو انا خرقنا فی نصیبنا خرقا ولم نوذ من فوقنا فان ترکوهم وما ارادوا هلکوا جمیعا وان اخذوا علی ایدیهم نجوا و نجوا جمیعا.رواه البخاری. (مشکوۃ المصابیح،ص۴۳۶ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اوران کو توڑنے والے کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنھوں نے قرعہ اندازی کرکے ایک کشتی کے حصّے آپس میں بانٹ لیے۔ان میں سے بعض کو اوپر کا حصہ ملا اور دوسروں کو نیچے کا۔جو لوگ کشتی کے نیچے کے حصّے میں تھے انہیں جب پانی لینا ہوتا تو وہ اوپر والوں کے پاس سے گزرتے (انہوں نے سوچا کہ ہمارے بار بار اوپر جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے) پس وہ کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے حصّے میں شگاف کرلیں اور (شگاف کے ذریعے پانی لے لیا کریں اور بار بار اوپر جاکر) اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں (تو اچھا ہے) اب اگر اوپر والے انہیں (ایسا کرنے سے نہ روکیں گے اور انہیں) چھوڑ دیں گے کہ اپنا (یہ خطرناک) ارادہ پورا کرلیں تو (شگاف کے ذریعے کشتی میں پانی بھر آئے گا اور اسے ڈبو دے گا اور) پھر سب کے سب ہلاک ہوئیں گے۔لیکن اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑ لیں گے (اور انہیں شگاف کرنے سے روک دیں گے) تو (خود بھی) بچ جائیں گے اور (باقی) سب بھی نجات پائیں گے۔

صاحب روح المعانی نے ابن مردویہ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

قرأ رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر "ثم قال الخیر اتباع القرآن و سنتی. (روح المعانی: جلد۳، جز۴،ص:۲۱)

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ' ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا'' قرآن اور میری سنت کا اتباع خیر ہے''۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت میں فلاح کامل کا مدار اس پر ہے کہ خلق خدا کو خیر کی طرف بلایا جائے، معروف کی تعلیم وتلقین کی جائے اور منکرات سے باز رکھا جائے۔

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک أضعف الایمان: (صحیح مسلم، ج۱،ص۵۱)

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''تغیر منکر'' کی ذمہ داری عوام سے زیادہ علما پر ہے۔

داعی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اصلاح و دعوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اور ترک پر امت کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث الیکم عذابا منہ فتدعونہ فلا یستجیب لکم۔ (جامع ترمذی ج۲،ص۳۹ مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہیں لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا ہوگا ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے۔پھر تم اسے پکارتے رہوگے لیکن تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔(ترمذی شریف) امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

حدیث پاک میں ہے: **قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبر فقال یا رسول اللہ ای الناس خیر ؟فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیرالناس اقراء ھم اتقاھم و امر بالمعروف و انھاھم عن المنکر و اوصلھم الرحم.**

(مسند احمد، جلد۶،ص۴۳۲)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوکر آپ کی طرف بڑھا اور سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! انسانوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ان میں سب سے زیادہ خدا کی کتاب پڑھنے والا، اس سے ڈرنے والا اور بھلائی کا حکم دینے اور منکرات سے روکنے اور صلہ رحمی کرنے والا ہو۔

زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کسی انسان کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں کہ وہ ایک ایسے کام کے لیے سرگرم ہو جو براہ

راست خود اسلامی کام ہے۔ بلاشبہ یہ ایسا اعزاز ہے جس سے بڑا کوئی اعزاز ممکن ہی نہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ (فضّلت هذه الامة على سائر الامم) (مسند احمد) امت محمدیہ کی یہ فضیلت کسی پر اسرار سبب سے نہیں ہے اور نہ یہ اس کا کوئی وراثتی حق ہے۔ مگر اس امت کا مرتبہ جس قدر بلند ہے اتنی ہی اہم اور بڑی ذمہ داری اور اتنا ہی بڑا انعام۔ اور یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو ہر حال میں ادا کرنا ہے۔

حدیث شریف میں اللہ کے نبی، داعی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال الدین النصیحة۔ قلنا لمن؟ قال: للّٰه ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین و عامتهم۔ (مسلم شریف، ج۱، کتاب الایمان، ص۵۴، مطبوعہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے (راوی کہتے ہیں) ہم نے عرض کیا خیر خواہی کس کے ساتھ ہو؟ آپ نے فرمایا: خیر خواہی ہو اللہ کے ساتھ، اس کی کتاب کے ساتھ، اس کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے اماموں اور ان کے عوام کے ساتھ۔

مذکورہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کو خیر خواہی سے تعبیر کیا، یعنی خیر خواہی کا نام دین ہے۔ مگر یہاں پر چوں کہ خیر خواہی کا لفظ کافی تفصیل طلب تھا اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً اس کی وضاحت چاہی اور عرض کر دیا کہ حضور! کس کی خیر خواہی کا نام دین ہے؟ تب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی، کتاب اللہ کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، ائمہ مسلمین کی اور عام مسلمانوں کی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے: یـایها الذین امنوا قوا انفسکم واهلیکم ناراً۔ (التحریم:۶)۔

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ (کنز الایمان)

جس طرح ہر شخص اپنے اہل و عیال کی پرورش کے لیے تکالیف برداشت کرتا ہے اسی طرح اسے چاہیے کہ وہ انہیں دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے ہر ممکن سعی کرے اور یہ اس کی شرعی ذمہ داری ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله قال: قال النبی ﷺ: کلکم راع و کلکم مسؤول، فالامام راع وهو مسؤول، والرجل راع علی أهله وهو مسؤول، والمرأة راعیته علی بیت زوجها وهی مسؤولة، والعبد راع علی مال سیده وهو مسؤول، الا فکلکم راع وکلکم مسؤول"

(بخاری، ص۹۷۵، دار الکتب العلمیہ)۔

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کا ہر ایک دوسرے کا نگہبان ہے اس لیے تم سے ایک دوسرے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ چنانچہ قوم کا سردار یہ بھی نگہبان و جواب دہ ہے اور شوہر اپنی بیوی کا نگہبان و جواب دہ ہے۔ اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان و جواب دہ ہے۔ اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان و ذمہ دار ہے۔ ہوشیار رہو کہ تم میں کا ہر ایک ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔

ان احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے دعوت، داعی کی اہمیت اور اس کے اجر و ثواب وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ اگر ہم لوگ احادیث نبویہ میں دعوت کے بتائے گئے اصول اور نکات پہ عمل پیرا ہو جائیں تو ہم بہتر سے بہتر طور پر آج کی دنیا میں اس کے وسیع وہمہ گیر پیغام کو نہ صرف تمام کر سکتے ہیں بلکہ معاشرے کے اندر بڑھتی ہوئی بے راہ روی کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں۔ اور معاشرے کو آئیڈیل انسانی معاشرہ بنا سکتے ہیں اور عند اللہ اجر و ثواب کے مستحق بھی بن سکتے ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کہنے لکھنے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاه سیدالنبی الکریم صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وآله وسلم۔

☆☆☆☆

باب سوم

اسلوبِ دعوت وتبلیغ

یہ باب تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں داعی کی اظہاری کیفیتوں ،اسلوبیاتی ولفظیاتی پیکروں اورزبانی وتحریری سانچوں کی صورت گری کرتا ہے۔اس کے اندر تمام مضامین میں دعوتی اسالیب اورطریقۂ کار پرہی گفتگو کی گئی ہے ۔اس باب میں کل نو/۹ حضرات کے مقالے ہیں ۔سبھی نے دعوت وتبلیغ کی صحیح ترین اور عصری تقاضوں سے بھرپوراسالیب کا تذکرہ فرمایاہے۔یقین ہے کہ اسے مبلغین اپنے فکروعمل دونوں پرچسپاں کریں گے۔

اسلامی دعوت میں اسلوبِ نبوت

علامہ محمد افتخار احمد (افریقہ)★

خالقِ کائنات ارشاد فرماتا ہے: "ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ (النحل: ۱۲۵)

ربِ کائنات کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے لیے بڑی حکمت، بڑی دانشوری، بڑی آگہی اور انداز میں بڑی لطافت اور خوبصورتی کی ضرورت ہے۔ ایک داعی خود کو محسوس کرے کہ وہ بڑے عظیم منصب اور اعلیٰ درجے پر متمکن اور فائز ہے، کیوں کہ وہ نبیِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب اور اسسٹنٹ ہے اور اللہ کا داعی اور نمائندہ ہے۔

سبحان اللہ! ایک داعی کا مقام و اکرام کتنا عظیم و رفیع ہے۔ ایسے داعی کو علومِ نبوت اور معارفِ رسالت سے خوب سے خوب تر انداز میں مزین و آراستہ ہونا بھی ناگزیر ہے۔ اس داعی کو ایسے انسانوں کو جو گم کردۂ راہ ہوں ان کو ان کے مالکِ حقیقی سے ملانے کا عظیم فریضہ انجام دینا ہے۔ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس بڑے اور مقدس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے داعی و مبلغ نہ صرف قرآن و سُنّت کے علومِ مبارکہ سے مسلح ہوں بلکہ انہیں خوبصورت اور پرکشش طرزِ دعوت اور اسلوبِ نبوت اختیار کرنے کا سلیقہ بھی آتا ہو۔

ایک مقام پر ربِ تعالیٰ فرماتا ہے "وقل لعبادی یقولوا الّتی ھی احسن" آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ ایسی باتیں کرو جو عمدہ اور دل پذیر ہوں، جو سنے وہ متاثر ہو اور انہیں قبول کرے۔ (بنی اسرائیل: ۵۳)

ہادیِ اعظم، واعظِ اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اندازِ خطاب کیسا ہوتا تھا اسے آپ ایک صحیح حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

"حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمارے سامنے ایسا وعظ فرمایا کہ ہماری آنکھیں اشکبار اور ہمارے دل بہت ترساں اور متاثر ہوئے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ آخری موعظت و نصیحت ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں کیا نصیحت و عہد دیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں تم سب کو ایک عمدہ اور روشن شاہراہ پر چھوڑ رہا ہوں، اس کی شب اس کے دن کی طرح ہے، جو کوئی اس سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔ تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، لیکن تم میری سُنّت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سُنّت سے آگاہی رکھتے ہوا سے مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے تھام لینا اور ہمیشہ اپنے امیر کی اطاعت و پیروی کرنا، اگرچہ تمہارے اوپر کوئی حبشی امیر ہو، اس لیے کہ بندۂ مومن کی مثال اس اونٹ کی طرح ہے جسے نکیل دے دی گئی ہو جہاں اسے لے جایا جایے وہ جاتا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

کتنا خوبصورت اور پرکشش ہے اسلوبِ نبوی اور کتنی عظیم و حکیمانہ ہیں وہ باتیں جو زبانِ نبوت سے صادر ہوئیں۔ اسلوبِ نبوی کا ایک جلوہ یہ ہوتا ہے کہ پند و موعظت بڑے نرم و ملائم انداز سے کی جاتی تا کہ سامعین جو سخت دل ہیں ان کے قلوب بھی موم ہو جائیں۔ امام بخاری نے یہی باب باندھا "الرفق فی الامر کلّہ" ہر موڑ پر اور ہر شے میں نرمی اور لین کا مظاہرہ کرنا۔ اس باب میں امامِ بخاری نے جو حدیثِ مبارکہ درج کی ہے آپ بھی اسے پڑھیں:

"ام المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: یہودیوں کی ایک ٹولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئی، انہوں نے اپنی زبان سے یہ الفاظ کہے

★ دارالعلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ

''**السام علیکم**'' (آپ پرموت) حضرتِ عائشہ فرماتی ہیں: میں نے یہودیت کی اس چال کو سمجھ لیا، فوراً آپ نے جواب دیا ''**علیکم السام واللعنة**'' (تم سب پرموت ولعنت)۔ام المؤمنین بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ذرا نرمی سے اے عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں: یارسول اللہ! کیا آپ نے وہ نہ سنا جوانہوں نے کہا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں میں نے اس کا جواب بھی دیا ''اورتم پرموت''۔ (صحیح بخاری ص۸۹۰، ج۲)

شارحین نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہودیوں کی دعا تو صفر ہے اور حضور کی دعا مقبول، ان کو موت تو آنی ہی تھی، اس لیے ہمارے حضور کا ایک کلمہ ''**وعلیکم**'' (اورتم پرموت ہو) ان کی تباہی وبربادی کے لیے کافی ہے۔ام المؤمنین حضرتِ عائشہ کو آپ نے درس دیا کہ کسی طرح کی زیادتی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، ہر حال میں نرمی برتنا شیوۂ اہلِ حق ہونا چاہیے۔

امام بخاری نے ایک حدیث تخریج فرمائی، '' حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور مسجدِ نبوی میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ نے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ نبی صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا: اسے چھوڑ دو (اس کا پیشاب نہ روکو) اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو، اس لیے کہ تم آسانی کرنے والے اور سختی نہ کرنے والے بنا کر دنیا میں بھیجے گئے ہو۔ (صحیح بخاری ص ر۳۶، ج ا ر)

سبحان اللہ! کتنا عمدہ ہے اسلوب اور کتنی خوبصورت ہے تربیتِ نبوی، مسجد جیسی مقدس جگہ بلکہ حرمِ نبوی جیسے مبارک مقام کو ایک شخص نجاست سے آلودہ کررہا ہے مگر حضور سراپا نور صلیٰ اللہ علیہ وسلّم اس کام سے اسے اس لیے فوراً نہیں روک رہے ہیں کہ مبادا پیشاب کے رکنے سے اسے کہیں ضرر ونقصان نہ ہوجایے اور اسے کوئی مرض لاحق نہ ہوجایے۔ آپ کا تحمل اور حلم بھی کتنا عظیم ہے۔

کسی کو اسلامی دعوت دینی ہو یا کسی کو دین پر کما حقہ مستقیم کرنا ہو تو ایسے مواقع پر یہ اسلوبِ نبوی ضرور پیشِ نظر رکھا جایے۔یقیناً یہ طرزِ عمل پوری انسانیت کے لیے آئیڈیل ہے۔ مذکورہ حدیث میں دوسری نہایت اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ امتِ محمدیہ ایک سہل ونرم قوم ہے، لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا اس کا مزاج اور طریقۂ امتیاز ہے۔ ایسے مقامات پرنرم وآسان رویے سے بڑے دوررس اثرات اور مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

اسلامی دعوت پیش کرنے والوں میں ایک نہایت مؤثر بات یہ ہوتی ہے کہ داعی جس بات کی تبلیغ کررہا ہے کیا اس پر خود اس کا عمل بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ عملی میدان میں پیچھے ہے تو اس کی دعوت بے اثر ہوکر رہ جاتی ہے اور وہ مبلغ اس آیت کا مصداق بن جاتا ہے '' **اتأمرون الناس بالبر و تنسون انفسکم**'' (البقرۃ:۴۴) تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو۔

اس سلسلے میں بھی نبیِ اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلّم کا طرزِ عمل کتنا عمدہ اور کتنا جمیل ہے۔ ہمارے حضور صلیٰ اللہ علیہ وسلّم جب کسی بات کی دعوت دیتے یا کوئی حکم سناتے تو سب سے پہلے اس پر آپ کا خود عمل ہوتا۔ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبے میں جب آپ نے عہدِ جاہلیت کے باقی رہ جانے والے بعض قصاص کے بارے میں اعلان فرمایا تو سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون معاف فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا'' **ان کل دم فی الجاهلية موضوع وان اول دمائکم أضع دم ربيعة بن حارث کان مسترضعاً في بني سعد بن ليث قتله هذيل**'' جاہلیت کے تمام خون معاف کردیے گیے اور سب سے پہلا قتل جو میں معاف کرتا ہوں وہ میرے چچا حارث کے بیٹے ربیعہ کا خون ہے، وہ بنی سعد میں شیرخوار بچہ تھا، ھذیل نے اسے قتل کردیا تھا۔ (سبل الہدی والرشاد)

کتنا خوبصورت، کتنا وزنی اور کتنا پروقار ہے اسلوبِ نبوی! کہ تعلیمات پیش کرتے وقت داعیِ اعظم صلیٰ اللہ علیہ وسلّم خود ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں پھر دوسروں کو عطا فرماتے ہیں۔ اسلامی دعوت کے طویل تسلسل میں اسلوبِ نبوی کا یہی جلوہ آپ کو ہر موڑ پر اور ہر موقع پر نظر آئے گا۔ سود کی حرمت کا جب آپ نے اعلان فرمایا تو اسی وقت یہ بھی فرمادیا کہ سب سے پہلے عباس (حضور کے چچا) کا سود معاف کرتا ہوں۔

ہمارے نبی صلیٰ اللہ علیہ وسلّم کا یہی وہ اسلوب وطرزِ عمل تھا کہ جسے دیکھنے والے دیکھتے اور سننے والے سُنتے اور آپ پر نثار ہو جاتے۔ اسلامی دعوت کے سلسلے میں اسلوبِ نبوی کا ایک اور جلوہ ملاحظہ ہو۔ کعبہ مقدسہ کے کلید بردار حضرتِ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہجرتِ مدینہ سے قبل ایک روز نبیِ اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلّم سے میری ملاقات ہوئی۔ رسولِ اسلام صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے مجھے قبولِ اسلام کی دعوت دی۔ میں نے جواب دیا: اے محمد صلیٰ اللہ علیہ وسلّم آپ کیسی عجیب وغریب باتیں کر رہے ہیں؟ آپ مجھ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ میں آپ کی اطاعت قبول کر لوں گا جبکہ آپ نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور ایک نیا دین لے کر آئے ہیں۔ آگے مزید بیان فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمارا یہ دستور تھا کہ ہم زائرین کے لیے پیر اور جمعرات کو کعبۂ مقدسہ کا دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور تشریف لائے اس مقصد سے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ آپ بھی کعبہ میں داخل ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بڑی بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور نہایت نا شائستہ انداز میں گفتگو کی مگر حضور نے کسی قسم کی خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ بڑے حلم اور بردباری سے میری بدکلامی کو برداشت کیا اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے فرمایا ''**یا عثمان لعلک ستری ھٰذا المفتاح یوماً بیدی أضعه حیث شئت**'' اے عثمان! یاد رکھو ایک دن آنے والا ہے جب تم دیکھو گے کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا''۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص۳۶۶، ج۵)

یہ سُن کر میں بوکھلا گیا اور میں نے کہا کیا اس روز قریش کی عزت وآبرو خاک میں مل چکی ہوگی، تبھی تو یہ انقلاب رونما ہوسکتا ہے، حضور نے فرمایا: اے عثمان! جس دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اس روز قریش ذلیل وخوار نہ ہوں گے بلکہ ان کی عزت وشوکت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہوگا۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ حضور کا یہ ارشاد میرے دل میں نقش ہوگیا، مجھے یقین ہوگیا کہ ایسا ہی ہوگا، ان کی زبانِ پاک سے جو بات نکلتی ہے وہ لامحالہ ہوکر رہتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اسلام قبول کرلوں لیکن میری قوم کو میرے اس ارادے کی کہیں بھنک پڑ گئی تو انہوں نے مجھے سختی سے جھڑکا، اس لیے میں نے ایمان لانے کا ارادہ ترک کردیا۔

جس روز مکہ فتح ہوا تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ کعبے کی کلید پیش کرو۔ میری کیا مجال تھی کہ انکار کرتا، فوراً گھر سے چابی لے آیا اور بصد ادب بارگاہِ رسالت میں پیش کردی۔ حضور نے فرمایا عثمان! تمہیں وہ دن یاد ہے؟ جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ ایک روز یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! بے شک آپ نے ایسا ہی فرمایا تھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے وہ چابی مجھے عطا فرمائی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا'' **خذوھا خالدة تالدة لا ینزعھا منکم الّا ظالم**'' یہ چابی لے لو اور میں یہ تمہیں ابد تک کے لیے دے رہا ہوں اور جو تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

(ضیاء النبی ص۲۷۰، ج۴ بحوالۂ سبل الہدیٰ والرشاد)

چودہ صدیاں بیت چکی ہیں ابھی تک وہ کلید جو مصطفیٰ صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے انھیں دی تھی انہیں کی نسل میں چلی آرہی ہے اور یقیناً قیامت تک ان کی نسل میں ہی باقی رہے گی اور کعبہ شریف کی کلید برداری کا شرف انھیں ہی حاصل رہے گا۔

اس واقعے میں ایک طرف علمِ غیبِ نبی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے تو دوسری جانب سرورِ کائنات صلیٰ اللہ علیہ وسلّم کا غیر معمولی حلم وتحمل کا جلوہ بھی نظر آتا ہے۔

ربِ کائنات ہمارے سب مبلغینِ اہلِ سُنّت کو انھیں خطوط پر کام کرنے اور اسلوبِ نبوی کو پیشِ نظر رکھنے اور حکمتِ نبویہ کو بروئے کار لانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

اللھم صلّ و سلّم و بارک و انعم علی سیّدنا و شفیعنا و طبیبنا و کریمنا و مولانا محمد رسول اللّٰہ صلیٰ اللّٰہ تعالیٰ علیه واٰله و صحبه اجمعین.

☆☆☆☆☆

☆☆☆

انبیائے کرام کے دعوتی اسالیب

مولانا افتخار اللہ مصباحی ★

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دعوت وتبلیغ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ مذاہب کی تاریخ۔ چنانچہ مذہب کی ابتدا کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ، فکر ونظر، علم وعمل، زبان وبیان، تہذیب وتمدن، ابلاغ و ترسیل اور درس وتدریس کے باسعادت مشن کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیائے انسانی کی ہدایت کے لیے جو مختلف نبوی اسالیب بیان فرمائے اُن میں گزشتہ قوموں کے واقعات وقصص کے ذریعے ان کے نیک وبد اعمال اور ان اعمال کے ثمرات ونتائج کو یاد دلایا اور عبرت و بصیرت کا سامان مہیا کیا۔

انھیں تاریخی نبوی اسالیب کے ذریعے ابلاغ حق اور دعوت وتبلیغ کے اہم مقصد کو پورا کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ قارئین وسامعین کے دل میں گھر کرسکیں۔ خوف خدا، محبت رسول کے ذریعے پتھر دلوں کو سمجھایا جاسکے۔ گمراہیت کی چکی میں پستی انسانیت کو بچانے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے پیشتر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نوع انسانی بنی آدم اشرف المخلوقات کی طرف ربانی عرفانی پیغام کے ساتھ تشریف لائے اور لاثانی اصول، لافانی قانون لاہوتی نغمات سے نابلد کانوں، ویران دلوں، پراگندہ دماغوں کو آشنا کرایا، پھر پیچیدہ شاہراہوں، خاردار وادیوں، پرفتن ماحول کو دبستان علم وادب کا گہوارہ بنایا اور پھر یہ سلسلہ اپنے انوکھے انداز وشاہانہ سطوت، نبوی نزاکت، لسانی سلاست، پیغمبری نفاست کے ساتھ چل پڑا۔ انبیائے عظام وقفہ وقفہ سے اس روئے گیتی پر جلوہ فگن ہوتے رہے اور دعوت کے نبوی اسالیب رہتی دنیا تک کے داعیوں کے لیے چھوڑ گئے۔

اسلوب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام: حضرت نوح علیہ السلام لباس پیغمبری میں ملبوس سر پر تاج نبوی سجائے ہوئے زمانہ کے آشفتہ حال غربا، کمسن بچوں، مفلوک الحال ماؤں اور قوم کے تونگروں کے سامنے جلوہ بار ہوئے اور اپنی قوم کو راہ حق کی طرف پکارا اور سچے مذہب کی دعوت دی۔ پیغام ربّانی سنائے لیکن قوم نہ مانی، نفرت وحقارت کے ساتھ انکار کیا۔ اُمرا ورؤسائے قوم نے ان کی تکذیب وتحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ قوم کبھی ان کی طرف نظر نہ کرتی اگر کبھی کبھار کرتی بھی تو کہتی کہ پہلے ان پست، غریب، لاچار، آشفتہ حال فقرا ومساکین کو اپنے پاس سے نکال دو تب ہم تمہاری بات سنیں گے، کیوں کہ ہم کو ان سے شرم وحیا آتی ہے اس لیے ہم اور یہ ایک ساتھ اایک جمع نہیں ہوسکتے۔

بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو بار بار تنبیہ کی کہ مجھ کو اپنی اس ابلاغِ دعوت وارسالِ ہدایت میں نہ تم سے اُجرت میں مال ودولت، جاہ ومنصب کی امّید ہے، نہ عزت ووقار کی بلکہ اپنے معبود برحق، جاعل حقیقی، فاعلِ مختار سے اجرت وثواب کا یقین کامل ہے۔ بہر حال حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی مساعی جمیلہ کی کہ بدبخت قوم سمجھ کر فیروز بخت ہوجائے اور رحمت الٰہی کی آغوش میں آجائے، مگر قوم نے ایک نہ مانی جوں جوں دعوت وتبلیغ میں جدوجہد ہوتی گئی ان کے بُغض وعناد میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام قوم سے بالکل مایوس ہوگئے اور قوم کی باطل پرستی، عناد اور اس کی ہٹ دھرمی ان پر واضح ہوگئی اور قرآنی لب ولہجہ کے مطابق ساڑھے نو سو سال/۹۵۰ کی پیہم جدوجہد، دعوت وتبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا تو سخت ملول وپریشاں اور کبیدہ خاطر ہوئے تو اللہ جلّ جلالہ نے اپنے پیغمبر کی تسلّی کے لیے فرمایا: ”واوحی الی نوح انّہ لن یؤمن من قومك الّا من قد امن فلا تبتئس بما کانوا یفعلون“ (پارہ ۱۲/، سورئہ ھود/ع، ٤)

”ترجمہ: اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمھاری قوم سے مسلمان نہ ہونگے مگر جتنے ایمان لاچکے تو غم نہ کھا اس پر جو وہ کرتے ہیں“۔ (کنز الایمان)

جب کفار کی ایذائیں اورصبر نوح علیہ السلام سے گزرا تقدیر الٰہی کا وقت پہنچ چکا تھا تب حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ اب آپ کی قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا ان کے ایمان کی مایوسی ہے مگر وہ جو ایمان لا چکے ہیں وہی اس پر قائم رہیں گے یا جن کے ایمان کی اُمّید ہے وہ ضرور ایمان لائیں گے تو اے پیارے نبی (نوح علیہ السلام) تم ان کفار کے کفریہ کرتوتوں، بدعملیوں، گستاخیوں سے غم ناک نہ ہوں غم محبت میں ہوتا ہے ان کی محبت چھوڑ دو جو تکلیفوں کا زمانہ تھا وہ لد گیا۔ (تفسیر نعیمی، ص،۱۱۱/ پارہ،۱۲/ ع،۱۲)

چنانچہ حدیث پاک ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے مناظرہ کیا تو آپ کی قوم نے آپ کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہوگئے جب آپ ذرا ہوش میں آئے تو کہا: الٰہی میری قوم کو ہدایت فرما، لیکن جب آیت مذکورہ اتری تب آپ نے ان پر بددعا فرمائی۔" ربّی لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً" (پارہ،۲۹،سورۂ نوح/ع،۱۰)

''ترجمہ: اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ''

حضرت نوح علیہ السلام نے جب دعوت کا آغاز کیا آپ کے معاصرین نے نہ مانا پھر ان کی اولاد کو دعوت دی، وہ بھی نہ مانے۔ ایسے ہی سات قرون (نسلوں) تک مسلسل یہ لوگ نہ مانے جب ان سے مایوس ہوئے تو پھر مذکورہ بالا دعا مانگی۔ (تفسیر روح البیان، ج،۱۵/ پارہ،۲۹)

مثنوی شریف میں ہے:

نا حمولی انبیا را از امر دان
ورنہ حمالست بدرا حلم نشان
طبع را کشتند اندر حمل بود
نا حمولی گر کند از حق بود

''ترجمہ: انبیا علیہم السلام کی بے صبری امر الٰہی سے ہوتی ہے ورنہ وہ بہت سخت امور کی قوت برداشت رکھتے ہیں۔ سب سے بڑا بوجھ نفسانیت کے تقاضے ہیں لیکن وہ اسے اٹھا لیتے ہیں اس ثابت ہوا کسی وقت معاملہ میں انکی عدم برداشت امر ربّانی سے ہوتی ہے۔

(تفسیر روح البیان، ص،۳۷/ پارہ،۱۲/ ع،۶)

اسلوب حضرت ہود علیہ السلام: حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ ربّ العزت کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر ظلم و ستم کرنے سے منع فرمایا لیکن وہ نہ مانی اور آپ کو سختی سے جھٹلایا اور اپنے اجسام کے عظیم الجثہ کی قوت کی عظمت پر دھوکہ کھا کر غرور و تکبّر کے ساتھ کہا"من اشد منّا قوۃ" ہم سے قوت میں بڑھ کر کون ہے؟ آج دنیا میں ہم سے زیادہ شان وشوکت، رعب و دبدبہ، جلال و جبروت کا مالک کون ہے، کیوں کہ ان کے ایک نوجوان کا قد اٹھارہ ہاتھ لمبا ہوتا اور ان کی قوت کا یہ حال تھا کہ ان کا تنہا ایک نوجوان پہاڑ سے ٹکڑا اکھیڑ لیتا تھا پھر اسے جہاں چاہتا لے جاتا انہیں ایسی قوت سے دھوکہ لگا کہ وہ اپنی قوت وطاقت کے بل بوتے عذاب الٰہی کا مقابلہ کریں گے اور اسے رفع کریں گے۔ (تفسیر نعیمی، ج،۱۲/ص، ۳۴۹/ پارہ،۲۴)

مگر حضرت ہود علیہ السلام مسلسل اسلام کی تبلیغ میں لگے رہے۔ وہ اپنی قوم کو عذاب الٰہی، غضب قہار سے ڈراتے اور تمرد و سرکشی کے بھیانک نتائج بتا کر قوم نوح کے واقعات یاد دلاتے غرض کہ ہر طریقے سے انہیں سمجھاتے کبھی نرمی سے کبھی سختی سے کبھی شوق دلانے سے کبھی ڈرانے دھمکانے سے اور اپنی تبلیغ و پیغام حق کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بھی دہراتے کہ میں کسی اجر و عوض کا خواہاں نہیں۔ سچے نبی اور سچی تبلیغ کی یہی پہچان ہے ہرگز کوئی پیغمبر مال ومتاع، عزت ووقار، جاہ وحشم اور ریاست وسلطنت کی خاطر ایسا نہیں کرسکتا اس لیے کہ ان سامنے تو صرف ایک ہی نکتہ ہوتا ہے اور ادائے فرض، دعوت وتبلیغ، اعلاء کلمۃ الحق اور اپنے مالک حقیقی کے احکام کی پیغامبری ہے۔

اسلوب حضرت لوط علیہ السلام: آپ ان بگڑے ہوئے حالات میں آئے جب قوم برائیوں، بے حیائیوں اور خباثتوں میں غوطے لگا رہی تھی، استلذ از بالمثل کی گھناؤنی حرکت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس برائی پر ان کو ذرا برابر ندامت محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ قوم علی الاعلان اس فعل بد شنیع کا ارتکاب کرتی تھی۔ ان کی شیطنت کا یہ حال تھا کہ جب کسی خوبصورت کو دیکھتے تو ٹوٹ پڑتے، مہمان کی بھی اس سلسلہ میں کوئی پرواہ نہ کرتے (العیاذ باللہ) وہ عفت عظمت کے دامن کو تار تار کرتے تھے، حسیناؤں کے حسن کا خون ہو رہا تھا۔ حسن پرستوں کی دست درازیاں صاحب حسن وجمال کا جینا دوبھر کردیا تھا تب حضرت

لوط علیہ السلام شاہانہ پیغمبری کے ساتھ جلوہ نما ہوئے۔ قرآن مجیدفرقان حمید میں یوں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"ولوطا اذقال لقومه أتأتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العالمين، انكم لتأتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون."(سورۂ اعراف، ع،۱۰)

''ترجمہ: ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا، کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد سے گزر گئے ہو۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت وطہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور حسن خطابت ولطافت کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہوسکتے تھے ان کو سمجھائے اور موعظت ونصیحت کی مگر اس کا نتیجہ قوم نے بایں شکل دیا:

ناصح مت کر نصیحت دل میرا گھبرائے ہے
جس کو دشمن جانتا ہوں وہ مجھے سمجھائے ہے

قوم کے لوگ اُن کا مذاق اڑاتے اور خاندان پر طنز کرتے، برا بھلا کہتے مگر اس کے باوجود ان تمام کو جمع کرتے ان کے گندے کرتوت انہیں یاد دلاتے مزید گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج وثمرات بتا کر عبرت دلاتے پھر بھی ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ پڑا بلکہ اس کا یہ اثر ہوا قوم بھڑکے ہوئے انداز میں کہی لوط! بس یہ نصیحتیں اور عبرتیں ختم کر۔ اگر ہمارے ان بداعمال سے تیرا خدا ناراض ہے تو عذاب لاکر دکھا جس کا ذکر کے بار بار تو ہم کو ڈراتا ہے۔"فما كان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوا لوط من قريتكم انهم اناس يتطهرون (پارہ۱۹،ع،۱۸، سورۂ نمل)

''تو اس کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہ بولے کہ لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ کو ستھرا پن چاہتے ہیں۔(کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انہوں نے بطریق استہزا کہا تھا۔ یہ ان کا وہ جواب ہے جو حضرت لوط علیہ السلام نے آخری مواعظ ونصائح فرمائے اس کے بعد پھر کوئی وعظ ونصیحت نہ فرمائی اور یہ جواب بھی ان کا آخری تھا کہ اس کے بعد انہوں نے اور کوئی جواب نہ دیا۔(تفسیر روح البیان، ص۴۴۳،ج۱۰)

بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا عذاب آیا اور قوم لوط بری طرح تہ وبالا ہوئی۔ زمین کو اُلٹ کر اس قوم پردے مارا گیا اور پھر پتھر کی بارش ہوئی۔ اُن کے عذاب کے حوالے سے صاحب روح البیان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ رجم (سنگ سار ہونے) سے اس لیے معذّب ہوئے کہ ان کا فعل بہت ہی برا تھا کیوں کہ لواطت منہیات میں فاحش ترین فعل ہے ان کے شہر کو اس لیے الٹا گیا کیونکہ وہ لواطت کے وقت لڑکوں کو الٹا کرتے تھے اسی مناسبت سے انہیں مناسب سزا ملی۔

نہ ہرگز شنیدم در عمر خویش
کہ بدمرد را نیک آمد بپیش

''ترجمہ: ہم نے زندگی بھر یہ نہیں سنا کہ برے آدمی کو بھلائی حاصل ہوئی ہو۔(تفسیر روح البیان، ج۱۰، ص۴۴۴)

اسلوب حضرت یوسف علیہ السلام: حضرت یوسف علیہ السلام آپ نبی زادہ تھے اسلام کی تبلیغ وخدمت خلق کا ذوق ان کے ریشہ ریشہ میں پیوست تھا پھر خدا نے ان کو بھی نبوت ورسالت کے لیے چن لیا تھا اس لیے دین حق کی اشاعت ان کی زندگی کا نصب العین تھا گو قید میں تھے مگر مقصد حیات کو کیسے بھول جاتے۔ اعلائے کلمۃ الحق اور دعوت وتبلیغ کو کیسے فراموش کردیتے یہ کب ممکن کا تھا موقع کو غنیمت جانا۔ پیار ومحبت سے دعوت حق دینا شروع کیا جسے قرآن مقدس یوں بیان فرماتا ہے:"يصاحبي السجن أ ارباب متفرقون خير ام الله الواحد القهار"(پارہ۱۲،ع۱۴،سورۂ یوسف)

''ترجمہ: اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیوں کیا جدا جدا ربّ اچھے یا ایک اللہ جو سب پر غالب''۔(کنزالایمان)

حضرت یوسف علیہ السلام نے سب سے پہلے انہیں ایمان علی التوحید کی باتیں بتائیں اور راہ ہدایت سکھایا اور آپ نے ان کے قلوب کو دولت توحید سے سنگارنا چاہا جیسے انبیائے کرام علیہم السلام کی عادت مبارکہ ہے کہ وہ ہر وقت خلق خدا کی ہدایت وارشاد اور ان پر لطف وکرم فرماتے ہیں۔ چنانچہ پیار بھرے انداز میں آپ نے فرمایا''یہ متفرق معبود کہ کوئی سونے کا ہے کوئی چاندی کا، کوئی لوہے کا ہے، کوئی پتھر کا اور کوئی لکڑی کا ہے، کوئی چھوٹا ہے، کوئی بڑا ہے اس پر تم نے کبھی غور بھی کیا جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا وہ اللہ تعالیٰ معبود بالحق منفرد

بالالو ہیہ جو سب پر غالب ہے اس پر کسی کو غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اے لوگو! تم اس کے علاوہ جن کی بھی عبادت کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ چند نام ہیں جن کو تمہارے باپ دادا نے گڑھ لیا ہے اللہ تعالی نے ان کے لیے ہرگز کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ذکر الٰہی ایمان کی علامت ہے اور منافقت سے برأت اور شیطان سے حفاظت اور جہنم سے نجات کا موجب ہے، حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا:

دلت آئینہ خدانماست
روئے آئینہ تو تیرہ چراست
صیقلے داری صیقلے می زن
باشد آئینہ ات شود روشن
صیقل آں اگر نہ آگاہ
نیست جز لاالہ الا اللہ

''ترجمہ: تیرا قلب خدا نما آئینہ ہے۔ پھر تیرا آئینہ زنگ آلود کیوں ہے۔ مصقلہ تیرے پاس ہے۔ دل کے زنگ کو اس مصقلہ سے صاف کر۔ اگر تجھے اس مصقلہ کا علم نہیں۔ تو میں بتا دوں وہ مصقلہ ذکرِ لا الہ الا اللہ ہے۔ (تفسیر روح البیان رج۔ ۶/ پارہ ۱۲)

اسلوب حضرت شعیب علیہ السلام: :جب آپ اپنی قوم کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ خدا کی نافرمانی اور معصیت و گناہ کا ارتکاب صرف افراد وا حاد میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ ساری قوم گرداب ہلاکت میں مبتلا ہے اور اپنی بداعمالیوں میں اس قدر منہمک و مستغرق ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے معصیت و گناہ ہے بلکہ وہ اپنے گندے کرتوت کو باعث فخر و ترقی و کامیابی سمجھتے اور اس قوم میں کچھ ایسے امور تھے جو رواج کی شکل اختیار کر چکے تھے اور انہیں امور کو وہ کامیابی و کامرانی کا ضامن سمجھ بیٹھے تھے مثلاً بت پرستی اور مشرکانہ رسوم وعوائد، خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم دینا۔ تمام معاملات میں کھوٹ، لوٹ گھسوٹ اور ڈاکہ زنی جیسے قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:''والی مدین اخاھم شعیباً، قال یقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره ولا تنقصوا المکیال والمیزان انی اراکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیط

''ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو بے شک میں تمہیں خوش حالی میں دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خطرہ ہے''۔ (کنزالایمان)

پیغمبر خدا نے قوم کو عبادت الٰہی کی دعوت دی۔ ناپ تول میں کمی سے منع فرمایا اور غضب قہار سے ڈرایا اور خوش حال ہونے کی وجہ سے شکر ربّ بجالانے کی ترغیب دلائی لیکن ان کی خوش عیشی، دولت وثروت کی فراوانی، زمین اور باغوں کی زرخیزی اور شادابی نے ان کو مغرور، نافرمان اور شکرِ خدا سے کوسوں دور کر دیا تھا ان نعمتوں کو خدا کی عطا و بخشش کہنے کے بجائے اپنے باپ دادا کی میراث کہتے پھرتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے شیریں کلام، حسن خطابت، طرز بیان سے حتی المقدور قوم کو رشد و ہدایت کے لیے خدا کی حجت ودلیل اور نشانیاں پیش کرتے رہے مگر افسوس چند ضعیف و کمزور نا تواں ہستیوں کے علاوہ دامن حق سے وابستہ نہ ہوئے۔ آپ یہ بھی فرماتے اس پیغام ربّانی کے بدلے تم سے کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں لیکن قوم نے جواب دیا۔'' قالوا یشعیب أصلوتك تأمرك ان نترك ما یعبد آباء ونا او ان نفعل فی اموالنا ما نشٰٓئوا''( )

''ترجمہ: کافروں نے کہا اے شعیب! (علیہ السلام) کیا یہ تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان خداؤں کو جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے اور ہم نہ کریں اپنے مالوں میں وہ جو ہم چاہیں''۔ (کنزالایمان)

الحاصل قوم کے تو نگر تیور چڑھا لیتے، بگڑ جاتے اور کہتے تیری نماز کے بدلے ہم اپنے باپ داداؤں کے دیوتاؤں کو پوجنا چھوڑ دیں، اپنی ہی دولت سے اپنا اختیار ختم کر لیں اور کم تولنا چھوڑ دیں، ڈاکہ زنی بند کر دیں اور مفلس وقلاش ہو کر رہ جائیں کیا یہی دعوت وتبلیغ ہے اور پیغام ربّانی ہے تیرا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نہایت دل سوزی اور محبت بھرے انداز میں فرماتے اے قوم! مجھے خوف لاحق ہے کہ تیری بے باکیاں و نافرمانیاں کہیں تیرا بھی حشر وانجام وہ نہ کروا دیں جو تجھ سے قبل قوم

نوح، قوم ہود، قوم لوط وغیرہ کا ہوا ابھی بھی وقت ہے خدا کے حضور جھک جاؤ تائب ہو جاؤ وہ رحمان ورحیم ہے وہ غفار وستار ہے تمہاری بد کاریوں کو معاف فرمادے گا۔ حدیث: جس قوم کو خیانت کی عادت ہو اس پر غرور کا رعب چھا جاتا ہے اور جہاں زنا کا مرض ہو وہاں موت بکثرت واقع ہوتی ہے اور جہاں بھی تول میں کمی بیشی ہو وہاں رزق میں بے برکتی ہو جاتی ہے اور جو حاکم ناحق فیصلہ کرتا ہے اس علاقہ میں خوں ریزی بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اس پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر روح البیان ،ج،۱، پارہ ۱۲)

بالآخر قوم نے کوئی نصیحت نہ سنی تو قانون الٰہی کا ابدی وحتمی فیصلہ آپہنچا اور ان کی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کر دیا اور آنے والی قوموں کے لیے ان کو بھی عبرت وموعظت بنادیا۔

یکے بعد دیگرے انبیائے کرام ربّانی پیغامات لاتے رہے اور اسلام کی اشاعت وتبلیغ دین کی خاطر دعوتی وتنظیمی فکر سے لوگوں کے دلوں کو مزیّن ومرصّع کرتے رہے اور دین کی توسیع میں مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ ابھی آگ کے جھونکے، مصائب وآلام کے طوفان جہالت وگمرہی، گھٹاٹوپ اندھیرے، ظالموں کے زہر آلود پھونکوں کی ضرر رساں ہوائیں چل رہی تھیں۔ اسی ماحول میں معلم انسانیت، رہبر اعظم، رحمت دوعالم، سرکار دوجہاں، سیّاح لامکاں۔ مونس غریباں، سرکارِ جانِ جاناں، نبیِ آخر الزماں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی تاریک اور گرد آلود فضا میں اپنے پیغمبرانہ شان وشوکت، جاہ وحشم، نور سے مزیّن جلوہ بار ہوئے۔ (جو کفر وشرک کی نگری، بت کدوں وبت پرستوں کا مرکز، ظلم وجبر کا گہوارہ تھا، ان کو اپنی شاہانہ سطوت، نوابی نزاکت، شاعرانہ نفاست، لسانی سلاست و زبانی فصاحت پر غرور وگھمنڈ تھا تو سرکار بے حال فقرا کو دیکھتے، عورتوں کی نحیف آواز کو سنتے، زندہ درگور کی جانے والی کمسن بچیوں کی آہ وفغاں کی صدا کانوں میں گونجتی تو آپ بے چین وبے قرار ہو اُٹھتے، چشمانِ نبوت اشکوں سے تر ہو جاتیں۔ چنانچہ قبل اعلان نبوت آپ جبل حرا میں بغرض عبادت چھپ چھپ کر جایا کرتے۔ نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک دن پیغام حقانی، سورۂ مدثر کی شکل میں اتر پڑا۔ ”یا یها المدثر، قم فانذر، وربك فكبّر، وثیابك فطهّر، والرجز فاهجر،“ ”ترجمہ: اے بالاپوش اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے دور رہو۔“

ان آیات کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند قدّوس نے دعوت اسلام کے منصب پر مامور فرمادیا اور آپ خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعوت حق اور تبلیغ اسلام شروع فرمائے اور انتہائی پوشیدگی، نہایت رازداری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے چنانچہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے، پھر یہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ چپکے چپکے تین برس تک چلتا رہا جس میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیّار ہوگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ شعراء کی آیت ”و انذر عشیرتك الاقربین“ نازل فرمائی۔ (اے محبوب آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈرائیں) حکم ربانی کے مطابق ایک دن کوہ صفا سے یا معشر قریش کہہ کر قبیلۂ قریش کو پکارا پھر فرمایا میں تم لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الٰہی اتر پڑے گا اس طرح انہیں خوف خدا سے ڈرایا اور پیغام حق بتایا لیکن وہ جل بھن اُٹھے اور اول فول بکنے لگے۔

اب وہ وقت آگیا کہ اسلام کا ستارہ عروج ثریّا پر چمکے تو رب ذوالجلال نے سورۂ حجر کی آیت ”فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركین“ نازل فرمائی اور حکم فرمایا اے محبوب آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان فرمائیے۔ آپ نے اسلام کی حقانیت اس کی پاکیزگی وطہارت اس کے ذاتی محاسن وخوبیاں اور دل کش اوصاف اور دین اسلام کی تبلیغ علانیہ طور پر فرمانے لگے اور شرک وبت پرستی کی کھلم کھلا مذمّت کرنے لگے تو تمام قریش بلکہ تمام اہل مکّہ حتی کہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا پھر طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذارسانیوں سے آپ پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ عرب کے ہر کوچہ و بازار میں آپ کے کاہن، ساحر، شاعر، مجنون ہونے کا (معاذ اللہ) زوردار پروپیگنڈہ کرنے لگے اوباش وشریر لڑکے راستوں میں آپ پر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے، دیوانہ دیوانہ کو شور مچا کر پتھر

پھینکتے کبھی کفار مکہ آپ کے راستوں میں کانٹے بچھاتے، کبھی آپ کے جسم ناز پر نجاست ڈالتے، کبھی آپ کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی ناپاک سعی کرتے۔ نجس اوجھڑی لا کر حالت سجدہ میں آپ کے کندھوں پر رکھ دیتے اور ٹھٹھا مار کر ہنستے رہتے غرض کہ شب وروز معلم کائنات کی ایذا رسانی میں مصروف کار رہتے تھے مگر رہبر اعظم، محسن انسانیت اس کے باوجود دعوت وتبلیغ اور پیغام ربّانی کی ترسیل سے پیچھے نہ ہٹے۔ پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ جبل استقامت کی طرح ثابت قدم ہو کر مسلسل اس عظیم دعوتی کارنامے کو منزل مقصود کی طرف بڑھاتے رہے۔ اچانک ایک روز وفد روسائے قریش تیور چڑھائے ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لیے آپ درمیان سے ہٹ جاؤ اور اس کو سپرد کر دو اب ہم معبودوں کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تاکہ فیصلہ ہو جائے۔ ابو طالب نے نبی سے فرمایا: کچھ دنوں کے لیے دعوتِ اسلام موقوف کر دو۔ چچا کی گفتگو سن کر ہادیٔ برحق نے بھرّائی ہوئی مگر جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا: عمِّ محترم! خدا کی قسم اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لاکر دے دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا یا میں خود دینِ اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔ اللہ اکبر۔ (سیرت المصطفیٰ)

پھر تبلیغ اسلام کے لیے طائف گئے، وہاں کے رؤسا نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ غنڈوں کو ابھار دیا کہ برا سلوک کریں چنانچہ وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور پتھر برسانے لگے یہاں تک کہ آپ کے مقدّس پاؤں زخموں سے لہولہان ہو گئے پھر بھی دعوت دیتے رہے آپ کے انداز دعوت کو مؤرخ یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکّہ میں تشریف لائے تو قریش اور بھی عداوت میں سخت ہوئے مگر ہر قسم کی اذیتوں اور مظالم کے باوجود آپ نہایت ہی صبر وسکون اور مستعدی کے ساتھ انہیں توحید و رسالت کا درس دیتے رہتے جب کبھی کوئی مجمع اکٹھا ہوتا تو انہیں اسلام سے روشناش کراتے اور ان کو توحید خدا اور اپنی رسالت کی دعوت دیتے اور ان کو آمادہ کرتے کہ وہ خدا کے دین حنیف کی نصرت واعانت کریں کیونکہ اسی بات کو قبول کرنے میں ان کی بھلائی اور بہتری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موسمِ حج دعوت وتبلیغ کی خاطر بہت ہی انوکھا اور سنہرا موقع ہوتا تھا آپ کا طریقہ تھا کہ حج کے زمانے میں جب کہ دور دور کے عربی قبائل مکّہ میں جمع ہوتے تھے تو آپ تمام قبائل میں دورہ فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور اسلام کے حسن کو بے نقاب کرتے اور یہ آپ ہی خاصہ تھا کہ جب آپ سنتے کہ کوئی شریف سردار شخص مکّہ میں آیا ہے فوراً اس سے جا کر ملتے اس کے نا آشنا کانوں کو پیغام ربّانی سے روشناش کراتے اور اسلام کی دعوت دیتے اور شرک وکفر سے بچنے کی ہدایت فرماتے۔

پھر ایک پاکیزہ تہذیب وتمدّن کا جنم ہوا۔ بایں وجہ اسلام کی حقانیت کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے اور تاریک دنیا نورِ اسلام سے جگمگا اٹھی، کفر کی ظلمت چھٹی، اسلام کا بادل چھایا، نور کا برکھا آیا اور جھوم کے رحمت برسایا۔

اب اگر کوئی باشعور ان تمام قصص اور اسالیب انبیائے کرام اور حیات طیّبہ پر فکر ونظر کو تکلیف دے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہو جائے گی کہ کیسا پُر اثر اور عمدہ اُسلوب اپنایا گیا اور کس عمدہ لب ولہجہ، حسن واخلاق، محبت واُلفت اور سہل ونرم طریقے سے دعوت وتبلیغ کا عظیم کام انجام دیا گیا۔ الحاصل یہ کہ انبیائے کرام کی حیات مبارکہ سے دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں ہمارے لیے نہایت ہی روشن خطوط کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دعوتی اسالیب کی تمام مثالیں حیات انبیائے کرام علیہم السلام سے جھلکتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان تمام اسالیب کی پیروی کریں اور عملی طور پر اس سے سرمو انحراف نہ کریں۔ اگر ہم اسالیب انبیائے کرام دعوت وتبلیغ کی راہ میں اپنانے میں کامیاب ہو جائیں تو بہت ہی جلد ہم اپنی کوششوں اور دعوت وتبلیغ کا ثمرہ اپنے ماتھے کی نگاہوں سے ملاحظہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نا خواہد رسید

ترجمہ: پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے طریقہ کے خلاف جو شخص بھی کوئی راستہ اختیار کرے گا کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

دنیا کے بڑے مذاہب اور ان کا طریقۂ تبلیغ

محمد ظفر الدین برکاتی ★

دین اس مذہبی اور اخلاقی روح کا نام ہے جو سارے مذاہب میں یکساں ہے، دین ہمیشہ سے ایک ہے اور ایک ہی رہے گا، قرآن حکیم کا اعلان ہے:

ان الدین عنداللّٰہ الاسلام۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۸)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے (مستند و محبوب) دین اسلام ہی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مذہب، دنیا کی پیدائش کے وقت سے ہی اسلام ہے۔ البتہ حالات اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق شریعتیں بدلتی رہی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت وہ مخصوص قانونِ زندگی ہے جسے مذہب اپنے ابدی اصول کو عملی جامہ پہنانے کے لیے زمانہ اور ماحول کے مطابق ترتیب دیتا ہے، اس طرح، موجودہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کوئی نیا دین نہیں بلکہ وہی دین ہے، جو انسان اول اور پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کو ملا۔ اسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام تک سارے انبیاے کرام نے سینچا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری کے دور میں یا اُن کے بعد اُن کے ماننے والوں کے دور میں اس کا نام یہودیت پڑ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دورِ رسالت میں وہ عیسائیت کے نام سے مشہور ہوا، بہر حال ہر جگہ اور ہر دور میں ''اسلام'' ہی اِلہامی اور خدائی مذہب تھا۔

اسی لیے اسلام کسی فرد، جماعت یا کسی مخصوص طبقے کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ دوسرے مذاہب مثلاً بدھ مت کے تعلق سے یہ محقق کہ اس کو مہاتما بدھ نے جنم دیا، وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ درحقیقت اسلام پورے بنی نوع انسان کا فطری مذہب ہے۔ اور فطرت ساری انسانی برادری پر حاوی ہے اور اسلامی عقیدے کی سادگی اور فطرت پسندی ہی اسلامی نظریۂ حیات کی سب سے بڑی طاقت ہے جس کے سبب آج بھی اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور حق یہ کہ اسلام اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان، البتہ موجودہ اسلام آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی دعوتی خدمات اور تبلیغی سرگرمیوں کا ثمرہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسیحیت اور یہودیت کو اسلام کا مقابل اور ضد ٹھہراتے وقت اس بات کا خیال ضرور ہونا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تعلیمات کا جو مجموعہ اپنی قوم کو دیا تھا وہ اپنی اصلی حالت میں آج موجودہ نہیں ہے، کیوں کہ توریت اور انجیل جو اُن دوشریعتوں کی اصل ہیں ان کے بنیادی ڈھانچے کو یہودی اور عیسائی پیشواؤں نے نت نئے خودساختہ خیالات اور من گھڑت باتوں سے آلودہ کر دیا ہے، حتی کہ انجیل کو حضرت مسیح علیہ السلام کی چند سوانح عمریوں سے بھر رکھا ہے اور بس، ان کی تعلیمات کا بہت ہی کم حصہ اس میں شامل کیا ہے، جب کہ مذہب اسلام اور اس کا الہامی دستورِ حیات ''قرآن حکیم'' جس کو پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے بندوں کو دیا گیا ہے وہ آج من وعن موجود ہے۔

اسلام سبھی الہامی مذاہب کی صحیح تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے۔ (المائدہ ۴۸) لیکن شریعت اسلامی اگلی شریعتوں کو منسوخ کرتی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اور شریعتوں کی طرح کسی خاص زمانے یا کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ اس نے انسانی فطرت کے دائمی اور عالم گیر قوانین کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر دور کی زندگی کے لیے ایسے اصول بنا دیے ہیں جو ہمیشہ کام دیں گے۔ البتہ زمانے اور ماحول کے مخصوص حالات کے اعتبار سے ان اصولوں کے مطابق فروعی قوانین

بنانے میں اجتہاد سے کام لیا جاسکتا ہے۔ انہی اصولی اور فطری خوبیوں کے سبب اسلام آج دنیا کے ان بڑے مذاہب میں شمار ہوتا ہے جو عالم گیر کہلاتے ہیں چنانچہ آج مسلمان ہر چھوٹے بڑے ملک میں اقلیت یا اکثریت کسی بھی صورت حال میں ضرور پائے جاتے ہیں۔ سردست پیش ہیں اس آفاقی مذہب کی ضروری تفصیلات وتعلیمات۔

اسلامی تعلیمات: اسلامی نظام کی بنیاد توحید پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات کا تنہا خدا ہی مالک ہے، اور اس نے اپنے پیغامات کو بندوں تک پہنچانے کے لیے رسولوں اور نبیوں کو بھیجا ہے، وہ سب بندوں کو خدا کی مرضی پر چلاتے اور انہیں شان بندگی اور شان زندگی کا روحانی وعملی فلسفہ بتاتے رہے، ان کا یہی عمل ''رسالت'' کہلاتا ہے، جو اسلامی نظام کا اہم جزو ہے۔ اسلام نے آخرت کا بھی تصور دیا ہے کہ سب کو ایک دن خدا کے حضور کھڑا ہونا ہے اور اپنے کیے کا حساب دینا ہے۔ اسلام کا تصور خلافت بھی اہم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان زمین پر اللہ کا نائب یا خلیفہ ہے جس کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ دنیائے انسانیت کے وہ پہلے فرد ہیں، ساری کائنات ان کی اولاد ہے، اس طرح سارے انسان ایک باپ کی اولاد ہوئے، لہٰذا رنگ ونسل میں فرق وامتیاز، ذات پات، چھوت چھات یہ سب بعد کی پیداوار اور غلط ہیں۔ عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، امیر کو غریب پر، برہمن کو اچھوت پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس اور پرہیزگار ہو۔ اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَاللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات ۱۳)

چھوٹے بڑے، امیر وغریب، مرد وعورت، مالک ونوکر سب اللہ کے بندے اور اس کے تابع فرمان ہیں، مطلق آزادی کسی کو حاصل نہیں، ہاں انسانوں کے تعلق سے ہر ایک آزاد ہے، مسلک ومذہب کے اعتبار سے بھی روئے زمین پر کسی کے لیے کوئی جبر نہیں۔ لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْتَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الغيِّ۔ (بقرہ ۲۵۶) جس کو جس مسلک اور عقیدہ پر اعتماد ہوا اور اس سے اس کی نجات وفلاح کا یقین ہوا اس کو وہ اختیار کرسکتا ہے۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُومِنْ ومن شاء فليكفر۔ (الکہف ۲۹)

اسلام کی دعوت وتبلیغ: اسلام خیرالقرون سے بعد کے زمانے میں کس طرح پھیلا اور کن حضرات نے پھیلایا اس کی ایک پوری تاریخ ہے، عرب ممالک سے باہر دوسری حکومتوں کے باشندے مسلمان ہو کر اس طرح اسلام کی پناہ میں آئے کہ ہر مسلمان بجائے خود ایک عظیم مبلغ اور اسلامی اصول واحکامات کی اشاعت کا دلدادہ وعلم بردار ہوگیا، نیز ہندوستان کے اندر اسلام کے داخلے کے دور میں حضرات صوفیہ کرام نے اپنے اپنے طور پر اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا اور انہی کی وجہ سے اس میدان میں مسلمانوں کو کامیابی بھی ملی، اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچانے کے لیے مسلمانوں کے اندر مذہبی روح، انسانی رواداری اور انسانی ہمدردی انہی حضرات نے پیدا کی ہے۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں اور مسلمانوں کے درمیان روحانی خلیج پاٹنے کی زریں تاریخ انہی مبلغین نے رقم کی ہے۔ ان حضرات نے اسلام کے ''عقیدۂ توحید'' کو ہندوؤں کے سامنے ''وحدت الوجود'' کے رنگ میں پیش کیا، اس عقیدے میں ہندوؤں کو اپنے ویدانت کے فلاسفہ کی جھلک نظر آئی، پھر اس نے ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا، اس سے بھی زیادہ کشش ان کے لیے اسلام کے پیش کردہ معاشرتی نظام میں تھی، جو اخوت ومساوات کی بنیاد پر تعمیر ہوا تھا، اس طرح بہت سے غیر مسلم مسلمان ہوگئے، اور جو نہ ہوسکے ان کے اندر پہلی سی وحشت نہ رہی۔

موجودہ دور میں اسلام کی دعوت وتبلیغ اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے میں اسلامی مدارس، علمائے اسلام اور ائمہ مساجد کا بہت اہم رول ہے، خانقاہوں کے دیندار مخلص جانشین اپنے علم وعمل سے اور بہت سے شبینہ مدارس قائم کرکے اور سیمیناروں کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں، کچھ اپنی رہائش گاہ پر ارباب حل وعقد اور قوم کے معززین حضرات کی دعوت کرتے ہیں، اور انہیں اسلام کی باتوں سے آشنا کراتے ہیں، یوں ہی مخلص اہل ثروت حضرات اور رفاہی تنظیمیں، دینی کتابوں، کتابچے، اشتہاری رسائل، چند ورقی پیغامات، یک ورقی دستی اشتہارات اور مذہبی اسٹیکرز مختلف زبانوں میں شائع کرا کر اور خرید کر مفت تقسیم کرتے ہیں، بزرگان دین کے اعراس میں متعدد اجتماعات ہوتے ہیں، ان میں فرزندان توحید کو مذہب کی بنیادی اور روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والی ضروری باتیں بتاتے ہیں، یوں موقع اور موسم کے اعتبار سے ہر شہر اور ہر قصبے میں مذہبی کانفرنسیں ہوتی ہیں، دینی جلسے ہوتے ہیں اور ان میں قوم کو

خطاب کیا جاتا ہے پھر انہیں اسلامی دعوت دی جاتی ہے۔

تاہم عصر حاضر میں منظّم ومنصوبہ بند طریقے سے اسلام کی دو عالم گیر دعوتی تحریکیں ''دعوت اسلامی'' اور ''سنی دعوت اسلامی'' خالص عملی دعوت وتبلیغ کی خاطر سرگرم عمل ہیں۔ جن کے جفاکش مخلص کارکن اسلامی فکروعمل کی اشاعت کے دل دادہ اور قوم کی اصلاح کا خالص جذبہ رکھتے ہیں، اسلامی لباس میں ملبوس مختلف مقامات کی طرف روانہ ہوتے ہیں، علاقائی تقاضوں کے مطابق مجلسیں منعقد کرکے قوم کو اسلامی فکر دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور انہیں بتاتے ہیں کہ ان کی تخلیق کیوں ہوئی ہے اور انہیں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔

اور ہاں! موجودہ دور کے اسلامی مبلغین خواہ وہ جس بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے ہوں دنیا کو وہی باتیں بتاتے ہیں جو اسلامی تعلیمات، عقاید اور نظریات کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں لکھی جاچکی ہیں، اس کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی نظریہ کبھی اور کہیں بھی دینے کی جرأت نہیں کرتے تو اب ان کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ راست بازی، خوش اخلاقی، شیریں مقالی اور حق گوئی وبے باکی جیسے اوصاف کا جامع ہوں۔ دروغ گوئی یا مکروفریب اسلامی مبلغین کے لیے کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

یہودیت: کہا جاتا ہے کہ یہودی مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب (اسلام اور عیسائیت) کا پیش رو ہے جو روئے زمین کے بیشتر حصوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی تعلیمات کا دارومدار بڑی حد تک ملت ابراہیمی کے اصول وقواعد پر مبنی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارض مقدس میں چالیس سالہ اقامت کی حالت میں جو ہدایات ملیں وہ ''روحانی قوانین'' کہلاتی ہیں انہیں یہودیت کے رہنماؤں نے بہت پہلے ہی اپنی من مانی باتوں سے متاثر کردیا۔ اس لیے راقم اپنے مطالعہ کی روشنی میں یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ اس کی مذہبیت آج ختم ہوچکی ہے۔ لیکن چوں کہ اس کا شمار بھی دنیا کے بڑے مذاہب میں ہوتا ہے، اس لیے یہاں ضروری تفصیلات دی جاتی ہیں۔

تعلیمات: کتابی یہودیت میں عمل کی اہمیت پر بہت زور دیا جاتا ہے، کتاب مقدس کی ہر روز تلاوت ضروری ہے، مذہبی روسے یہ فرض ہے کہ یہودی دن میں تین بار عبادت کرے۔ اس مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر تھے۔ یہودی خدا کی چہیتی امت ہے، دنیا وآخرت کی کامرانی اسی کا حصہ ہے، دنیا کے دوسرے لوگ (غیر یہود) اعمال وعقائد کے لحاظ سے خواہ کتنے بھی اچھے ہوں مگر وہ صرف جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، کوئی یہودی خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہودی نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لیے یہودی ہے کہ یہودی ماں باپ سے پیدا ہوا ہے، اب چاہے وہ اعمال کے اعتبار سے کیسا بھی رہے وہ اپنے بھائیوں کی نظر میں بہرحال یہودی رہے گا۔ اس سے قارئین کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہودیوں کا مقصد دوسری قوموں کو اپنے مذہب میں داخل کرنا نہیں بلکہ دوسری قوموں، حکومتوں اور دوسرے مذاہب کو کمزور کرنا اور ان پر حکومت کرنا ہے۔ (تلخیص، مذاہب عالم ص: ۵۷، از احمد عبداللہ المسدوسی، بی، ایل، بی مکتبہ خدام ملت کراچی)

نظریات کی تبلیغ: یہودی نظریات کے مبلغین کا طریقۂ کار، ان کے داخلی اور خارجی معاملات اور اپنے مشن کی فروغ دہی میں ان کی حد درجہ رغبت وتندہی اپنے آپ میں ایک ایسی حقیقت ہے جس کی تہہ تک ہر کوئی نہیں پہنچ سکتا، یہ ڈھٹائی سے اپنی عیاری ومکاری کا مظاہرہ کرتے اور ذلت ورسوائی کو بھی بڑی آسانی سے قبول کرلیتے ہیں البتہ اپنی حکمت عملی کی رفتار کم نہیں کرتے۔ مثلاً امت مسلمہ کے بعض گمراہ فرقوں کے عقائد کی مرمت کرتے ہیں، اس کے لیے انہوں نے ہر ملک کی ہر تنظیم اور ہر عقیدہ میں اپنے تربیت یافتہ افراد کو داخل کردیا ہے، جو اس ملک اور اس تنظیم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بیٹھے زہر کی طرح زندگی کے لمحات کم کرتے ہیں یا دیمک کی طرح اندر ہی اندر چاٹ کر اسے کھوکھلا کردیتے ہیں۔

بہت پہلے ان کے طریقۂ کار کا ویژن پیپر (دستاویزی بصیرت) اس طرح تیار ہوا تھا:

اخبارات وجرائد کو اپنے کنٹرول میں کرلیں گے، اس طرز کا منظّم طریقۂ کار عوام کی نگاہوں سے اوجھل ہوگا، غیر یہود کارکنوں کو دھوکا دیں گے۔ اقتدار میں آنے کے بعد ہمارے لیے یہ بات ناقابل قبول ہوگی کہ ہمارے مذہب وعقیدہ کے علاوہ کوئی دوسرا

مذہب وعقیدہ مدمقابل ہو، اللہ تعالیٰ کی منتخب قوم ہونے کے ناطے دنیا کی دوسری قوموں کی تقدیر ہمارے ہاتھوں میں دے دی گئی ہے۔ ہماری طرف سے پیش کیے جانے والے اصول کے موثر ہونے کا انحصار اس طریقۂ کار پر ہوگا کہ ہم انہیں اس تشریح وتوضیح کے ساتھ عوام کے سامنے رکھیں گے کہ ماضی کے فرسودہ نظام کے مقابلے میں یہ کہیں بہتر، شاندار اور استحکام کی ضمانت ہو۔ ہمارے دانشور غیر یہود کے عقائد کی کمزوریاں بیان کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں گے کہ وہ اپنے مذہب کی تہہ میں چھپے حقائق اور اسرار کو کبھی زیر بحث نہیں لائیں گے اور ہم کبھی کسی طرح بھی سامنے نہیں لانا چاہتے۔ ہم قدیم ادب وتاریخ کی تعلیم کو ختم کر کے مستقبل سے متعلقہ عنوانات پر مشتمل تعلیم کو رائج کریں گے کہ ماضی کی تاریخیں ہماری رہنمائی نہیں کر پاتیں، چوں کہ یہ صحیح اور غلط واقعات کا مجموعہ ہیں۔ طویل عرصے سے ہماری محنت یہ ہے کہ ہم غیر یہود میں پاپائیت ومولویت کو ختم کر دیں گے، اس کو بے وقار بنا دیں گے اور ان کے مشن کو برباد کر دیں گے۔ یہودی طریقۂ کار کے تین عملی خطرناک حصے ہیں (۱) شارک (۲) تخریب کار (۳) عسکری۔

شارک: یہ سرمایہ دار ہے جو سرمایہ کو سود کے لیے پھیلا کر اپنا شکار قابو میں کرتا ہے جس کی بنیاد پر غیر یہود دانشوروں، صحافیوں، سیاست دانوں، ریڈیو ٹیلی ویژن کے فن کاروں، شاعروں اور ادیبوں کو پیسے دے کر خریدتا ہے، غیر یہودیوں کی صلاحیتوں کو لائٹ (Light) میں لا کر فلاح وخوش حالی اور ذریعۂ استحکام سے روکنے کے لیے بے دریغ سرمایہ لگاتا ہے، وہ بنیادی آسامیوں پر تعینات بااثر سرکاری اور نیم سرکاری ملازمین کو اپنی ضروریات کے لیے روپے کے عوض استعمال کرتا ہے تاکہ ملک کی سیاسی، معاشرتی اور سماجی صوبوں پر مکمل اس کی گرفت مضبوط ہوجائے خصوصاً جہاں اس کا تعلق ملک کی خفیہ ایجنسیوں سے یا ملکی پالیسی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح شارک یہودی ملک کے اندر ایسی تنظیموں اور افراد پر بھی امداد کا دروازہ کھولے رہتا ہے، جو توڑ پھوڑ اور دہشت گردی جیسی سرگرمیوں پر ایمان رکھتے ہیں، جنگ کے مواقع پیدا کرنا اور مختلف طریقوں سے اپنے مفاد کو حاصل کرنے کے لیے خاطر خواہ مہارت رکھتے ہیں۔ (تلخیص مذاہب اسلام: ص:۱۴۳۔ از: احمد عبداللہ المسدوسی)

امریکی نژاد، یہودی فوجی ماہر پروفیسر ''ہرٹ'' لکھتا ہے:

''اگر یہودیوں کو دنیا میں پھیلنا پھولنا ہو تو انسان کے دل ودماغ سے ان سے ان کے پیغمبروں کی محبت، ایمان اور ان کے اعتقادی رسم ورواج کے اعلیٰ اقدار کو تہس نہس کرنا ہوگا، عیسائی مبلغ ہو یا مسلمان علما ہر کسی کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے، سونے کی چمک (مال کی لالچ) کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا، اس لیے بکاؤ مال سے ربط رکھنا چاہیے، اگر عیسائی اور مسلمان علما کو تبلیغ دین کے نام پر مالی امداد فراہم کی جائے تو اس مدد کے سہارے وہ اپنے کام کو پھیلائیں گے، پھر اچانک ہاتھ روک کر انہیں پریشان کیا جا سکتا ہے کہ پھیلے کام کو کیسے ترک کیا جائے۔ لہٰذا اس صورت میں وہ یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے مشروط مالی امداد پر بھی آمادہ ہوجائیں گے۔'' (مذاہب عالم ص: ۱۴۰)

یہودی اپنے نظریات کی تبلیغ میں جہاں بلاواسطہ کامیاب ہونے میں دشواری محسوس کرتے ہیں وہاں وہ بالواسطہ طور پر عوامی مقرر قسم کے لوگوں کو سامنے لاتے ہیں، کیوں کہ کچھ لوگ پیٹ کے بھوکے ہوتے ہیں۔ ایسا شخص اگر انہیں تلاش بسیار کے بعد ہاتھ لگ جاتا ہے تو یہودی تنظیم اپنے تمام ذرائع سے حلقۂ عوام میں اسے مقبولیت دلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور اس طرح اس شخص پر صیہونیت کی گرفت مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔ پھر ایسے شخص کو جب اقتدار سے الگ کر کے عوام کی نظروں سے گرائے جانے کی دھمکی دی جاتی ہے تو پھر وہ یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر کام کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے، خواہ یہ کام کتنا ہی شرم ناک یا مذہب سے متصادم کیوں نہ ہو۔ یہ طریقہ اور فارمولہ شاعروں، ادیبوں، اداکاروں اور دوسرے تعلیم یافتہ طبقوں کے لیے بہت کارگر ہے۔ یہودی ''کاز'' کا اس فلسفے پر ایمان ہے کہ اگر قابل افراد، کثیر مال ودولت اور بااثر اقتدار نہ ہو تو یہودی نظریات کی تبلیغ نہیں ہوسکتی، اس لیے ان کی عام سوچ یہ ہے کہ تعمیر سے زیادہ تخریب سے دولت حاصل کی جاسکتی ہے، یہودی اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہودی عورتوں کے ذریعے موثر افراد کو بدکاری میں ملوث کر کے مقاصد حاصل کیے جائیں۔

اقوام عالم کے ہاتھوں سے اقتدار چھین لینے کے لیے یہودی دانشوروں نے بڑی عرق ریزی اور ذہانت سے صدیوں پہلے جو

منصوبے تیار کیے تھے وہ بدلتے حالات کے ساتھ بڑی کامیابی سے تکمیل آشنا ہو رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ معاشی اور اقتصادی میدانوں میں سودی یہودیوں کا اچھا جال ہے۔ شعبۂ تعلیم میں یہودی گھس پیٹھ ملک وملت کے حقیقی تقاضوں سے کبھی ہم آہنگ نہیں ہونے دیتے، پاکستان اور عرب ممالک اس کے عملی ثبوت ہیں۔ سماجی ومعاشرتی شعبوں میں صہیونت، زرخرید، صحافی، دانشور اور فن کار اُن اقدار کی طرف لے جانے والے ہر راستے پر اسلحہ بنے بیٹھے ہیں۔ مثلاً ہلکی پھلکی پھیلتی بے ادبی، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذریعہ عام ہوتی فحاشی، اور ڈش انٹینا و Blue فلموں کی منفی کردار سازی کے کرشمے کی دین ہے۔ (وثائق یہودیت ص:۷ تا ۱۰ مترجم عبدالرشید ارشد الریاض، السعودیہ)

عیسائیت: یہ بنیادی اعتبار سے ایک اخلاقی، تاریخی، توحید پرست اور نجات دہندہ مذہب ہے جس میں خدا اور بندوں کے تعلقات کا درمیانی رابطہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے۔ یہ عیسائیت کی اپنی تاریخ ہے، اسی بنیاد پر عیسائی اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کہتے ہیں اور آسمانی مذہب کا پیرو کار ثابت کرتے ہیں کیوں کہ درحقیقت یہودیت کی طرح عیسائیت بھی ملت ابراہیمی کی ایک شاخ ہے، اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام وہی تھا جو حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام لے کر آئے تھے، تاہم مسیحیت کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

تعلیمات وعقائد: خدا ایک ہے، عبادت صرف اسی کے لیے ہے، آسمانی باپ سب سے پیار کرتا ہے، پاک دلی اور نیک عملی سب سے اچھی چیز ہے، دوستوں ہی سے نہیں بلکہ اپنے دشمنوں سے بھی پیار کرو، برائی کا بدلہ بھلائی سے دو، اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر طمانچہ مار دے تو دوسرا بھی اس کے سامنے کر دو اور جو تمہارا چوغہ لے لے تو تم اس کو اپنا کرتا بھی دے دو۔ ان تعلیمات کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے اندر ان کی تعلیمات کا کوئی اثر نہیں ہے، گویا یہ محض مفروضہ نظریات ہیں یہودیوں کی طرح انہوں نے بھی اپنا مقصد دولت اور حکومت کو بنالیا ہے، جس کے لیے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

نظریاتی اعتبار سے سبھی عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ جوہر ہونے کی حیثیت سے ایک اور بحیثیت اقانیم تین وجود پر مشتمل ہے (وجود، علم اور حیات کو اقانیم کہتے ہیں) وجود کو باپ، علم کو بیٹا اور حیات کو روح القدس سے تعبیر کرتے ہیں، اسی اقانیمی اختلاف کی وجہ سے مسیحی تین فرقوں میں بٹ گئے۔

عیسائیت کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، نتیجے میں عقیدۂ عیسائیت کی پیچیدگی عیسائیوں کے نظریۂ حیات کی بہت بڑی کمزوری ہے، ایک خدا میں تین خدا اور ان تین خداؤں میں ایک خدا کا مابعد الطبیعات اور فلسفیانہ تصور معمولی سوجھ کے آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

نظریات کی تبلیغ اور اس کا طریقہ کار:

عیسائیوں کے دعوتی و تبلیغی اوصاف میں سب سے اہم وصف جذبۂ ایثار ہے اس کی ٹرننگ اس طرح دی جاتی ہے کہ وہ ہر مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ افریقہ کے وحشیوں، دور دراز جنگلوں اور جزیروں سے وہ نہیں گھبراتے، بڑے بڑے شہروں میں بھی ان کے سینٹرز قائم ہوتے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی بستی میں بھی ہیلتھ سینٹر، اسپتال اسکول، کالج اور دیگر فلاحی ورفاہی ادارے قائم کرتے ہیں، یہ ان کے محبوب تبلیغی ذرائع اور مشغلے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے اخبارات، رسائل اور کتابیں لاکھوں کی تعداد میں قیمت پر یا بلا قیمت شائع ہوتی ہیں۔ ان میں بڑی ہوشیاری سے مسیحیت کی تعلیم پوری دنیا میں پہنچائی جاتی ہے، ابلاغ کے ایسے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں کہ پڑھنے والا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اسے کس مذہب کے کلچر کی تعلیم دی جاتی ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس رسالے یا اخبار میں بہترین مضامین اور کہانیاں وغیرہ ہیں حالاں کہ غیر محسوس انداز میں مسیحیت کے ٹیکے سے اس کی جبیں داغی جاتی ہے۔ تقریباً یہی حال مسیحی اسکولوں اور کالجوں کا بھی ہے۔ انہوں نے کرسچن اداروں کے متعلق ایسی فضا پیدا کر رکھی ہے اور ایسا ماحول بنا رکھا ہے کہ ہر صاحب استطاعت یہی چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اسی عیسائی ادارے میں رہ کر تعلیم حاصل کرے۔ مسیحی اسکول اور کالجز ہندوستان کے بیشتر بڑے شہروں میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں جن میں مسلم بچوں کی شرح نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ (تحفظ اسلام نمبر ص:۲۰۶ از: افروز قادری)

عیسائیوں کی ان سرگرمیوں کے کچھ عملی نمونے اور پیش آمدہ حقائق ملاحظہ کریں:

راجستھان کے سرحدی ضلع جیسل میر کے علاقے میں درجنوں غیر ملکی خواتین کی مشکوک سرگرمیاں سرخیوں میں آئیں ہیں۔سرکاری ذرائع کے مطابق سوئیز رلینڈ، اٹلی، جاپان، فرانس، آسٹریلیااور دیگر ممالک کی لڑکیاں ''سونار قلعہ'' سمیت شہر کے مختلف بڑے حلقوں میں نوجوانوں سے شادی رچاتی ہیں۔انہیں دوست بنا کر رکھتی ہیں، ان کی پارٹنرشپ میں ہوٹل، مہندی پالر اور بیوٹی پارلر چلاتی ہیں۔یہ سب رضا کار تنظیموں کے تحت کام کرتی ہیں جو دور دراز علاقوں میں متعدد ریسٹورینٹ چلاتی ہیں۔

(روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو لکھنؤ۔۲۲ر فروری ۲۰۰۴ء)

گزشتہ چند سالوں سے عیسائی مشینیریز نے غریبی، مفلسی اور بیماری سے عاجز ہندوؤں اور دلتوں کو ان کی مصیبتوں اور مشکلات سے آزاد کرانے کی لالچ دے کر ہزاروں کی تعداد میں انہیں عیسائی بنانے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ حال ہی میں قصبہ چھتمل پور میں ''ماونٹ کارمینٹ کرشچن اکیڈمی'' کے کیمپ میں چار سو ہندوؤں کو عیسائی مذہب میں داخل کیا گیا۔اس کیمپ کا اہتمام ایک عیسائی تنظیم ''پروٹسٹ کرشچن ریکارڈ ٹرسٹ'' نے ''بائبل سبھا'' کے نام سے کیا تھا، واضح رہے کہ عیسائی مذہب قبول کرنے والوں میں اکثریت کا تعلق دلت طبقے سے تھا، اور دستور ہند میں جبراً تبدیلی مذہب قانوناً جرم ہے، جس کی وجہ سے ہندوستانی خفیہ ایجینسی اور حفاظتی دستوں کی پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں۔(روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو ۳۰ر مئی ۲۰۰۴ء)

عیسائیت کے مسائل لامحدود ہیں۔وہ اس میدان میں عرصے سے منظم ہو چکے ہیں، دولت کی فراوانی نے انہیں اس قابل بنادیا ہے کہ وہ بڑی آسانی سے مذہبی تبلیغ کے لیے مختلف موثر ذرائع استعمال کر کے نہ صرف غیر مسلموں بلکہ مسلمانوں کو بھی اپنے دام تزویر میں پھنساتے جارہے ہیں، ان کے بڑے بڑے ریسرچ سینٹرز قائم ہیں جن میں ریسرچ اسکالرز، محققین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اسٹاف اور ذمہ دار، تبلیغ کے نت نئے فلسفوں کو موثر طریقوں پر پیش کرنے کے ذرائع کی چھان بین کرتے رہتے ہیں۔ابھی حال ہی میں مجھے بہار کے انتہائی دیہی علاقے میں جانے کا اتفاق ہوا، یہ علاقہ نیپال اور بہار کا سرحدی علاقہ ہے جہاں آمدورفت اور تعلیم وتربیت کے وسائل محدود تر ہیں، ایسے علاقے میں ایک چرچ دیکھنے میں آیا جہاں ایک بڑا عیسائی مشن اسکول بھی ہے۔یہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت میں عیسائی کتنے مخلص ہیں۔

ہندومت وہندوتو: ہندومت یا ہندو مذہب کی کوئی متعین اساس نہیں ہے۔یہ مختلف سناتن دھرمی عالموں اور سنتوں کے نظریات کا مجموعہ ہے۔اس لیے یہودیت، نصرانیت اور اسلام کی طرح نہ ان کے کسی پیغمبر کا وجود ہے نہ کسی الہامی کتاب کا اور نہ ہی متعین عقیدہ ہے۔اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ ہندو مذہب کیا ہے، کیوں کہ اس مذہب کا کوئی بانی نہیں جو تاریخی حیثیت سے اس کو بنیادی مقام عطا کرے اور نہ تاریخی اعتبار سے اس کے کسی ابتدائی رہنما کا سراغ لگ پاتا ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ قدیم ویدک ہندودھرم کی اچھائیاں، اس کی ایشور بھکتی، اس کی خدمت انسانیت کا جذبہ اور اس کا دھیان گیان دنیا میں مشہور ہے۔قدیم ہندومت کے ماننے والے، امن پسند اور بقائے باہم کے اصولوں پر یقین رکھتے ہیں۔اس ویدک دھرم پر ملک کی اکثریت یقین رکھتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی اس کا احترام کرتے ہیں، لیکن ہندو کون ہے اس بارے میں ہندودانشوروں کا خاصہ اختلاف ہے مگر سب کا مآل ایک ہے جیسا کہ ''وردھ سیمورتی'' نامی کتاب میں ہے ''حسن اخلاق والا، ویدک راستوں پر چلنے والا، بت پرست اور تشدد سے بچنے والا ہی ہندو ہے۔''

لیکن موجودہ ہندوئیت جس کو آج کی اصطلاح میں ''ہندوتو'' سے جانتے ہیں، ہندوستانی متشدد ذہنیت کے لوگوں کی سرگرم تحریک ہے، جس کی گونج ملکی سرحدوں سے نکل کر بیرون ممالک میں بھی سنائی دینے لگی ہے، اس کے طور طریقے سے صاف ظاہر ہے کہ قدیم وجدید ہندوئیت میں آسمان وزمین کا فرق ہے اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، کیوں کہ موجودہ ہندوئیت کے مقاصد دو دو چار، کی طرح واضح نہیں ہیں، اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ سو سالوں میں خصوصاً ملک کی آزادی کے بعد ان کے نعروں اور مذہبی سیاسی اصطلاحوں میں بہت زیادہ ردّوبدل واقع ہوا ہے۔ان کی اس تضاد

بیانی اور طریقۂ کار پر غور کرنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی پس وپیش نہیں رہ جاتا کہ یہ کوئی نہ کوئی نظریاتی تحقیق ہے جس کی تبلیغ واشاعت ہندوئیت کے نام پر ہو رہی ہے۔ اس کی تائید اس طرح سے بھی ہو جاتی ہے کہ ہندو دھرم کے ماننے والے دانشوروں اور سنجیدہ حلقوں میں یہ تحریک تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ کیوں کہ انہیں ہندو دھرم کے اصولوں پر یقین ہے۔

موجودہ ہندوئیت: (ہندوتو کے عقائد اور تعلیمات کا خلاصہ) بیسویں صدی کے آغاز اور پہلے دہے کے خاتمے پر کانگریس کے دو اہم لیڈر ''بال گنگا دھر تک'' اور ''آربل گھوش'' نے ''ہندومہاسبھا'' کے نام سے ایک تنظیم کا قیام عمل میں لایا۔ جس کا ضابطہ اور نظریاتی فریم ورک ''ڈاکٹر کیشو بلی رام ہیڈ گوار'' نے تیار کیا۔ اس کا آئیڈیالوجی یہ ہے کہ یہ ایک نظریاتی تنظیم ہے، اس کی جھلک اس کے تمام پروگراموں میں دیکھی جاسکتی ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے دعوے کرتی ہے مگر اس پر دلیل پیش نہیں کرتی۔ اس کی سوچ یہ ہے کہ جو ہندو نہیں وہ ہندوستانی نہیں اور جو بھارتی نہیں وہ ہندوستانی قومیت بھی نہیں رکھتا، اس کا خیال ہے کہ وہ ایک غیر سیاسی تنظیم ہے، اس کے ارکان اس کو ثقافتی اور سماجی تنظیم کہتے ہیں، اس کے لٹریچرز میں بھارت کے قدیم کلچر اور تعلیمات کو ساری انسانیت کے دکھوں کا مداوا کہا گیا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ ایسے خدا کی ضرورت ہے جو زندہ ہو، سنتا ہوا اور جواب دیتا ہوا اور ایسا زندہ کوئی اور خدا نہیں بلکہ وہ ہندو سماج ہے، اس کی نظر میں مسلم اور عیسائی ایسی دو قومیں ہیں جو راشٹر کے خلاف سازش میں سرگرم رہتے اور انسانی سماجی اقدار اور ملکی معاملات میں انتشار پھیلاتے ہیں۔ آج اس ہندومت کی دو مضبوط تحریکیں ''وشو ہندو پریشد'' اور ''شیوسینا'' ہندوستان میں اپنی ہندوئیت کا ثبوت پیش کر رہی ہیں اور عملی اعتبار سے وہی دونوں سرگرم بھی ہیں۔

ہندوتو کا طریقہ کار: اس کے نزدیک اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ذرائع کے اچھے برے ہونے کا کوئی سوال بھی بے معنی ہے۔ اصل اہمیت مقصد کا حصول ہے، اس طرح جو شخص اس کا پجاری ہو اور کامیابی سے اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہو وہی اس کا آئیڈیالوجی ہے۔ حصول مقاصد میں اخلاقی، غیر اخلاقی اور جائز وناجائز کی بحث سراسر فضول اور عبث ہے، اس کا بنیادی طریقۂ کار یہ ہے کہ ذات اور عقیدے کو نظر انداز کر کے ہر شخص کو مخاطب بنایا جائے، اور انہیں یہ بتایا جائے کہ بھارت کے تمام لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس حقیقت کو مانیں کہ بھارت ہندو ملک ہے، اور اس راشٹر کے تئیں غیر معمولی جذبۂ حوالگی کو اُبھارا جائے، کیوں کہ اس کا خیال یہ ہے کہ ہندوستان میں ایک ہی مذہب، ایک ہی سماج اور ایک ہی کلچر ہے اور وہ ہندومت ہے اور باقی سب اس کے تابع ہیں۔ خود ہی کسی پر الزام سادھنا اور پھر اپنے کالے کارنامے سے نتیجتاً اس کو مجرم قرار دینا بھی ان کا خاص طریقۂ کار ہے۔

نظم ونسق: یومیہ، ہفتہ وار، ماہوار، اس کے شرکا رو ممبران کسی مقام پر متعین وقت پر جمع ہوتے ہیں، بھگوا جھنڈے کے سایے تلے'' سیوم سیوک'' (ممبران) مکھیہ شکشک (صدر مدرس۔ لیڈر یعنی خاص مربی یا استاذ) کی سیٹی پر سبھی لائن میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر جذباتی قسم کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ جسمانی، ذہنی، فکری، تبلیغی اور تنظیمی اُمور سنگھی انداز میں سدھائے جاتے ہیں، سال میں خاص اور اہم اجتماعی تقریبات ہوتی ہیں، اور پھر یہیں سے وہ اپنے نظریات کو ہندی زبان میں پمفلٹس اور کتابوں کے ذریعے ملک میں پھیلاتے اور مفت تقسیم کرتے ہیں۔ (تلخیص آر، ایس، ایس۔ ایک مطالعہ، از: حارث بشیر، دہلی)

اچھے کارکن کی صفات: پہلی چیز نا قابل تسخیر جسمانی قوت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کمزور جسم اور مردہ دل سے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، لہٰذا ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے بازو فولاد جیسے ہوں اور بے خوفی اور نڈر کردار کا پہلو بہت نمایاں ہو، غصہ اور جھنجھلاہٹ کے بجائے حکمت اور صبر کامیابی کے لیے ذہانت کی علامت ہے، غرور سے بچنا راشٹر کی پوجا بتایا جاتا ہے۔ قول وفعل میں تضاد نہ ہو۔

قربانی کی زندگی کو دوسری زندگیوں پر ترجیح دی جاتی ہے، تن من دھن سے نوجوانی مانگی جاتی ہے، کیوں کہ ان کی نظر میں چوسی ہوئی زندگی ہندوتو کے کام نہیں آئے گی، ہر ممبر کے لیے روزانہ کا مستقل کام لازمی ہے، پھر وقتی اور مخصوص کام سال بھر میں مختلف لوگوں جیسے اسکولی طلبہ اور تجارت پیشہ حضرات کے لیے کیمپ لگایا جاتا ہے اس میں کم

عمروں کی ذہن سازی، جذبات سازی اور فکر سازی پر زور دیا جاتا ہے، اہم رہنماؤں کو پروگرام میں بلانا،کم لوگوں کی شرکت اور لمبی چوڑی شرکا کی فہرست دکھانا ان کی تہذیب میں داخل ہے،مقررین کی کھیپ تیار کرنے کے بجائے ہر تنظیم کو آزادانہ کام کرنے کی تربیت دی جاتی ہے،طلبہ میں سنگھ پریوار کے ذریعے اپنے نظریات کی تبلیغ کی جاتی ہے، تعلیمی اداروں، مزدوروں، مذہبی اجتماعات اور دنیا کے تمام شعبائے زندگی میں ان نظریات کی جھلک نظر آتی ہے۔

بدھ مت: یہ بنیادی اعتبار سے ہندومت کی ایک مضبوط شاخ ہے کیوں کہ گوتم بدھ بھی اسی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کا شمار بھی دنیا کے بڑے مذاہب میں ہوتا ہے۔کم از کم تین بڑے مما لک میں اس کے ماننے والے اچھی تعداد میں موجود ہیں۔اس کے بانی گوتم بدھ ہیں۔یہ صوفی مزاج اور انسانیت دوست آدمی تھے۔ان کی تعلیمات اور اصلاحات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنیادی اصول ترک دنیا (راہبی) ہے۔ان کے سچے اصول یہ ہیں،عمل کا سچا جذبہ،انسانوں سے سچا برتاؤ، سچی نظر، سچی کوشش، سچی زبان، سچی خدمت، سچے خیالات اور سچا علم۔گوتم بدھ کا پیغام یہ ہے کہ ہر معصیت سے بچو، ہر ایک خوبی کو حاصل کرو،قلب ونظر کا تزکیہ کرو۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بدھ مذہب ایک اخلاقی ضابطہ اور فلسفہ ہے جو زندگی سے غیر مطمئن اور ناکام آرزو لوگوں کے لیے، سبز اور دلکش باغ ہے اور اس کی اسی خوبی نے گوتم بدھ کی تبلیغی دوڑ دھوپ اور اصلاحی سرگرمیوں کو کامیابی سے ہم کنار کیا ورنہ تو یہ انجام کار کے طور پر آج ایک فلسفہ بن کر رہ گیا ہے۔تاہم اس کے ماننے والے آج بھی اپنے طور پر اس کی تبلیغ ضرور کرتے ہیں۔چین میں تبت اس کا مرکزی سرگرم مقام ہے اور ہندوستان میں بنارس، گیا بہار اور کشی نگر یوپی بھی اس کے مذہبی مقام مانے جاتے ہیں کیوں کہ یہی تینوں مقام اس کی ابتدائی تبلیغی سرگرمیوں کا صدر مقام رہے ہیں۔

جین مت: یہ بڑے مذاہب میں شمار نہیں ہوتا۔تاہم یہ بھی ایک نظریاتی مذہب ہے جس کے بانی وردھامنم مہابیر جی ہیں۔یہ اصولی اعتبار سے ہندو تھے اور دراصل یہ ہندومت ہی کی ایک شاخ ہے۔مگر اس کی چند غیر معقول چیزوں سے متنفر ہو گئے اور اپنی ایک الگ راہ نکالی جو اُن کی زندگی میں ہی ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی اور پھر بعد میں اسے ایک مستقل مذہب کا درجہ مل گیا۔مہابیر جی امن وشانتی، سچائی اور مساوات جیسے اہم اصولوں پر یقین رکھتے تھے۔چوں کہ یہ بڑے مذاہب میں شمار نہیں ہوتا نہ ہی اس کی تبلیغی سرگرمیاں عام طور سے دیکھنے میں آتی ہیں،اس لیے اس کی تفصیل سے گریز کرتے ہیں۔

سکھ مت: اس اس کا شمار بھی بڑے مذاہب میں نہیں ہوتا،لیکن اس کے افراد ہمارے ملک میں نمایاں نظر آتے ہیں، اس لیے اس کا بھی تذکرہ فائدے سے خالی نہیں۔اس کے بانی گرونانک پنجابی ہیں، جو سکھوں کے پہلے گرو کہلاتے ہیں۔ان کے بنیادی اصول میں یہ چیزیں قابل نمونہ ہیں: سچائی ہی خدا ہے، اتفاق میں بڑی طاقت ہے، زندگی کامیاب بنانے کے لیے انسانوں کی خدمت کرنی چاہیے اور ایک خدا کی عبادت ہی دائمی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ گرونانک جی کے ماننے والوں نے ان کے اس آخری اصول کی خلاف ورزی کی اور خود انہی کی پوجا شروع کر دی۔تاہم آج اگر یہ کہا جائے کہ اس کے پیروکار آخری اصول کو چھوڑ کر ان کی ساری تعلیمات پر اسی فیصد عمل پیرا ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ وہ ہر جگہ کامیاب ہیں،کم تعداد میں ہوتے ہوئے بھی ملک کی اکثریت کو ان کی اجتماعیت اور اتحادی طاقت کا اعتراف ہے۔ان کے اپنے گرو کی اِن تعلیمات پر عملی پیش قدمی ہی دراصل ان کے مذہب کی دعوت وتبلیغ ہے اسی لیے باضابطہ طور سے ان کے یہاں دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مذہب طریقۂ زندگی بھی ہوتا ہے اور نظریۂ حیات بھی جیسا کہ مذہب اسلام اس دور انحطاط میں بھی جہاں طریقۂ حیات ہے وہاں نظریۂ حیات بھی ہے، اس طرح یہ ایک کامل ضابطہ حیات ہے۔مگر دوسرے تمام مذاہب اس خوبی سے خالی ہیں،اس لیے ان مذاہب میں ان کے بڑے عالموں اور قائدین کے نظریات کا عکس زیادہ ہے، نتیجے میں ان کی دعوتی اور اشاعتی سرگرمیوں کا انداز بھی اسی اعتبار سے بدلہ ہوا ہوتا ہے۔

☆☆☆

مذہب اسلام اور مستشرقین کا طریقۂ کار

محمد رضا عبد الرشید ⋆

''غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبان، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے'' اور اسی تعریف سے جو غیر مشرقی عالم، مشرقی علوم کے لیے اپنے آپ کو وقف کرے گا اسے مستشرق (Orientalist) کہا جائے گا۔

آکسفورڈ کی جدید ڈکشنری میں مستشرق کی تعریف اس طرح کی گئی ہے ''مستشرق وہ ہے جو مشرقی علوم و آداب میں مہارت حاصل کرے''۔

المنجد میں مستشرق کا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ ''العالم باللغات والاداب والعلوم الشرقیة والاسم الاستشراق'' Collinggem English Dictionary میں مستشرق کی تعریف یہ کی گئی ہے:

(An expert in eastern languages and history)

ڈاکٹر احمد عبد الحمید غراب نے اپنی کتاب ''رویة اسلامیة لـلاستشراق'' میں کچھ تعریفیں لکھی ہیں جن میں سے چند پیش کی جاتی ہیں:

(۱) استشراق مغربی اسلوب فکر کا نام ہے جس کی بنیاد مشرق و مغرب کی نسلی تقسیم کے نظریہ پر قائم ہے جس کی رو سے اہل مغرب کو اہل مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری حاصل ہے۔

(۲) استعماری مغربی ممالک کے علما اپنی نسلی برتری کے نظریے کی بنیاد پر مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اس کی تاریخ، تہذیبوں، ادیان، زبانوں، سیاسی اور اجتماعی نظاموں اور ذخائر دولت اور امکانات کا جو تحقیقی مطالعہ غیر جانب دارنہ تحقیق کے بھیس میں کرتے ہیں اسے استشراق کہتے ہیں۔

(۳) استشراق اس مغربی اسلوب کا نام ہے جس کا مقصد مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اس کی فکر اور سیاسی تشکیل نو کرنا ہے۔

تحریک استشراق و مستشرقین کے کاموں اور تعریفوں کو ذہن نشیں کر لینے کے بعد اب ان کے انداز دعوت و تبلیغ کو دیکھیں کہ انہوں نے یہ دعوتی و تبلیغی نظام کب اور کیوں شروع کیا؟ اور اس کی وجہ کیا تھی؟

ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں اسلام جس سرعت کے ساتھ پھیلا تھا اور جس سرعت کے ساتھ اسلام نے لا تعداد انسانوں، متعدد علاقوں اور کئی تہذیبوں کو مسخر کر لیا تھا، اس نے یہود و نصاریٰ کو محو حیرت کر دیا اور اسلام ان کے لیے لمحۂ فکریہ بن گیا، انہوں نے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اگر اسلام کی اشاعت اسی رفتار سے جاری رہی تو ساری دنیا پر توحید کا پرچم لہرانے لگے گا، صلیبیں ٹوٹ جائیں گی، گرجوں کی گھنٹیاں خاموش ہو جائیں گی اور بنی اسرائیل کی قوم جو صدیوں نبوت و حکومت کے عظیم مناصب پر فائز رہی ہے، وہ نہ صرف عظمتوں سے محروم ہو جائے گی بلکہ اس کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا، یہ خوف ان کے دلوں میں اس لیے پیدا ہوا کہ انہوں نے اس جرأت، حوصلے اور ایثار کے مظاہرے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے جو قرآن حکیم اور دین اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا، ان کے سامنے اپنی قومی بقا کا مسئلہ تھا، وہ خاموشی سے عمل کو نہیں دیکھ سکتے تھے کہ اسلام کی حدود پھیلتی جائیں، یہودیت اور عیسائیت کا دائرہ تنگ ہوتا جائے اور آخر کار ساری دنیا کی فضا نعرۂ توحید کی صداؤں سے گونجنے لگیں، ان خطرات کے پیش نظر یہود و نصاریٰ نے اسلام اور اسلام کے راستے میں بندھ باندھنے کی کوششیں کیں، یہود و نصاریٰ کا اسلام اور مشرق کے علوم کی طرف متوجہ ہونا اسلام کے راستے میں بندھ باندھنے کی کوشش کا ہی ایک حصہ تھا، علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوتے وقت اپنے دین کے حوالے سے تین مقاصد ان کے پیش نظر تھے۔

(۱) دین اسلام کو دنیا کی اقوام میں عموماً اور یہودی و عیسائی اقوام میں

خصوصاً پھیلنے سے روکا جائے۔

(۲) مسلمانوں کو عیسائی اور یہودی بنانے کے لیے تگ ودو کی جائے۔

(۳) دین کے حوالے سے عیسائیوں کے عربی زبان اور مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہونے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ذہنی بیداری، کے زمانے میں نصرانیت کے حلقوں میں بعض ایسے لوگ ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنے مذہب کے روایتی عقائد کو خلاف عقل قرار دیا، انہوں نے ضروری سمجھا کہ اصل عیسوی عقائد معلوم کرنے کے لیے کتاب مقدس کی یورپی زبانوں میں ترجموں پر اعتماد کی بجائے عبرانی زبان کے نسخوں پر اعتماد کیا جائے۔

اور ساتھ ہی ساتھ مستشرقین نے اسلام کے خلاف اپنے دعوتی اور تبلیغی نظام (مقاصد) کو چار عنوانات کے تحت تقسیم کر دیا تھا۔

(۱) دینی مقاصد

(۲) علمی مقاصد

(۳) اقتصادی مقاصد

(۴) سیاسی مقاصد۔

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں فرقے اس کام کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہوئے ''یوحنا کلیفین'' اور ''لوتھر'' اس کام میں پیش پیش تھے اور ان دونوں نے اسلام کے خلاف اپنی دعوت کو عام کرنے کے لیے تقریباً ۵۰ ہزار سے زائد مبلغین کو ممالک اسلامیہ میں یہودیت کی دعوت دینے کے لیے تیار کر کے بھیجا تھا، جو اسلامی ملک میں پہنچ کر اور ہزاروں مبلغین کو تیار کر رہے تھے۔

یہود و نصاریٰ نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے راستے میں سب سے پہلے جس مقصد پر غور کیا وہ ''اشاعت اسلام'' کو روکنا تھا، عیسائیت اور یہودیت کو عام کر کے مسلمانوں کو اس طرف مائل کرنا تھا، مندرجہ بالا دونوں مقاصد کو پورا کرنے کے لیے وہ صدیوں سے مختلف حربے استعمال کر رہے ہیں، انہوں نے عیسائیت اور یہودیت کی تبلیغ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، دلائل کے زور سے اسلام کی تکذیب کے لیے بھی انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا، تلوار کے زور سے اسلام کی شمع کو گل کرنے کے لیے بھی انہوں نے اپنے بازو کو آزما لیا، انہوں نے اسلام سے مبارزت کے لیے جو پروگرام (دعوتی و تبلیغی نظام) وضع کیا اس کی چند اہم شقیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ایسے آدمی تیار کئے جائیں جو مسلمانوں کی زبانوں، ان کے دین، ان کے تہذیب وتمدن، عقائد، تاریخ، اختلافات اور دیگر مظاہر حیات سے پوری طرح آگاہ ہوں، وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی اپنی زبانوں میں گفتگو کرنا سیکھیں، ان میں گھل مل سکیں اور وہ مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی اعمال کو اس انداز میں دیکھنے اور پیش کرنے کی مہارت رکھتے ہوں جو مبلغ کے موقف کے مطابق ہو۔

(۲) ان تربیت یافتہ لوگوں کو اسلامی ممالک میں تبلیغی مشنوں پر بھیجا جائے، جہاں وہ مختلف فلاحی اور خیراتی کاموں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں کو ہماری طرف مائل کر سکیں۔

(۳) ان مساعی میں کامیابی کے لیے مغربی سیاستداں سے گٹھ جوڑ کیا جائے تاکہ حمایت میں تبلیغی کوششیں بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہ سکیں۔

(۴) تبلیغی کاموں کی خاطر سرمائے کی فراہمی کے لیے حکومتوں کے علاوہ بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے ساتھ بھی روابط قائم کئے جائیں۔

(۵) اپنے کام کو منظّم کرنے، اس کی رفتار تیز کرنے اور تبلیغی کوششوں کا رخ متعین کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور ایسی انجمنیں بنائی جائیں جو تبشیری کاموں کی نگرانی کر سکیں۔

مندرجہ بالا نکات ان کی دعوتی و تبلیغی نظام میں سے اہم ہیں۔

مندرجہ بالا تمام پروگراموں میں یا تمام کاروائیوں میں عیسائی راہب اور پادری پیش پیش تھے۔ اور یہودی علما پس منظر میں رہ کر اس پروگرام کو آگے بڑھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ جو لوگ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو رہے تھے، اسلام کو سمجھنے کے لیے اسی قسم کی بے ہودہ کتابیں ان کے پیش نظر تھیں۔

مبلغین کی تربیت کی اس قسم کی منظّم کوششیں گو ذرا بعد میں شروع ہوئیں لیکن اس قسم کی انفرادی کوششیں پہلے شروع ہو چکی تھیں۔ استشراق کی تحریک کے آغاز کی طرح مبلغین کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلح کرنے کی کوششوں کا آغاز ''یوحنا دمشقی'' نے ہی کر دیا تھا۔

عیسائی مبلغین نے عیسائیت کی تبلیغ کی تربیت حاصل کی اور پھر دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ ان لوگوں نے اپنے لیے جو لقب پسند کیا وہ ''مبشرین'' کا لقب تھا۔ انہوں نے انسانی ہمدردی، اخوت، رحم دلی، مساوات اور آزادی کے خوبصورت لباس زیب تن کر

رکھے تھے لیکن ان کے سینوں میں بھی اسلام دشمنی کا وہی لاوا ابل رہا تھا جو یہودونصاریٰ کی پہچان ہے۔ اہل مغرب اسلام کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ کریں تا کہ کسی خوبصورت بھیس والے کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھا جائیں۔

برطانیہ کے وزیر اعظم ''گلاڈسٹن'' نے اپنی قوم کو اسلام سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ''جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں یہ قرآن موجود ہے اس وقت تک یورپ مشرق پر اپنا تسلط قائم نہیں کرسکتا اور نہ ہی یورپ خود محفوظ ہے''۔

''لورانس بروان'' نے اپنے استشراقی جذبات کا اظہار اس طرح کیا:

''حقیقی خطرہ اسلامی نظام، اس کے پھیلنے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت اور اس کی قوت حیات میں ہے، مغربی استعمار کے راستے میں یہی واحد دیوار ہے''۔

ایک مشہور مستشرق ومبشر ''صموئیل زویمر'' جو اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے کافی معروف ہے وہ اپنے ہم منصبوں سے کہتا ہے: ''جب تک مسلمان ہمارے مدارس میں داخلہ لینے سے ہچکچاتے ہیں، اس وقت ہمارے لیے ضروری کہ ہم ان کے لیے لادینی مدارس کھولیں اور ان مدارس میں ان کے لیے داخلہ آسان بنائیں، یہی مدارس کے اندر اسلامی روح کو ختم کرنے میں ہمارے مدد ومعاون ثابت ہوں گے''۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اہل مغرب کو اپنے ممالک میں فلاحی اور تعلیمی کاوشیں کرتے ہوئے دیکھیں تو صرف ان کے ظاہر کو دیکھ کر دھوکے میں نہ آجائیں بلکہ ان کے اصل عزائم کو دیکھنے کی کوشش کریں جن کے تحت انہوں نے ان نیک کاموں کے لیے اسلامی ممالک کو منتخب کیا ہے۔

سترھویں صدی عیسوی کے آغاز میں فرانس کے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے مبلغین شام پہنچے، مبلغین نے وہاں مدارس اور دوسرے تعلیمی ادارے قائم کئے، انہوں نے کئی کتابیں بھی چھاپیں، اس کے بعد امریکہ بھی میدان میں آگیا اور امریکیوں نے اپنے تبلیغی مشن ممالک اسلامیہ میں بھیجنے شروع کردیئے کچھ عرصہ بعد جرمنی اور برطانیہ نے بھی فرانس اور امریکہ کی تقلید کی، ان تبلیغی مشنوں کا نشانہ پورا عالم اسلام تھا، مختلف ممالک سے جو مشن اسلامی ممالک میں وارد ہوئے ان کے حالات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشن صرف کلیسا کی کوششوں سے عالم اسلام میں وارد نہیں ہوئے تھے بلکہ ان مشنوں کو بھیجنے میں ان ممالک کی حکومتوں کا بھی بڑا دخل تھا۔

ڈاکٹر محمد ابراہیم نے اپنی کتاب ''الاستشراق رسالۃ الاستعمار'' میں ان تبلیغی مشنوں کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں، وہ اہل مغرب کے رویے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل مغرب اپنے ممالک میں مذہب کے خلاف مصروف پیکار ہیں لیکن وہی لوگ عیسائی مبلغین کو ممالک اسلامیہ کے طول وعرض میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بھیجتے ہیں''۔

مغرب سے جو تبلیغی مشن ممالک اسلامیہ میں آئے انہوں نے اپنا کام انتہائی عیاری سے کیا، انہوں نے یہاں آکر بڑے بڑے جلسے منعقد نہیں کئے، انہوں نے مسلمانوں کو مناظرے کی دعوت نہیں دی، دین اسلام کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکنے کا نعرہ بلند کرکے وہ میدان میں نہیں آئے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ ان کے ہمدرد، خیر خواہ اور دوست ہیں، انہوں نے اسکول کھولے تا کہ عیسائیت کا بیج ان نونہالوں کے دلوں میں بوسکیں جن کو آسانی سے اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے، ان کی توجہ اعلیٰ تعلیم پر نہ تھی بلکہ ان کی توجہ کا مرکز پرائمری تعلیم تھی کیوں کہ اسی سطح پر وہ بچے کی طرف سے کسی مزاحمت کے بغیر اس کے دل سے ایمان کی دولت نکال سکتے تھے، ان اسکولوں میں انہوں نے تربیت یافتہ عورتوں کو تدریس کے کام پر مقرر کیا جو بچوں کی نفسیات کی ماہر ہوتی تھیں اور بچوں کو آسانی سے اپنے شیشے میں اتار سکتی تھیں، انہوں نے تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں یہ محسوس کیا کہ مسلمان اپنے بچوں کو عیسائی تعلیمی اداروں میں بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں وہاں سیکولر ادارے قائم کرکے اپنے مقاصد حاصل کئے۔

مستشرقین مبلغین نے انڈونیشیا کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے خصوصی طور پر منتخب کیا، یہاں تک کہ مبلغین نے ۱۹۶۷ء میں ''مالانج'' کے شہر میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ جزیرۂ جاوہ کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا کام بیس سال میں مکمل کیا جائے اور اس وقت جزیرۂ جاوہ میں ۶۵ ملین مسلمان آباد تھے، اسی کانفرنس میں پورے انڈونیشیا کے تیرہ کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ۵۰ سال کا ہدف مقرر کیا گیا، عیسائی ممالک کی

حکومتوں کی بے پناہ مالی امداد کی وجہ سے انڈونیشیا میں ان مبلغین کی دعوت کا نظام جس طوفانی انداز سے پھیلا اس کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۷۵ء میں ''پروٹسٹنٹ کلیسا آف انڈونیشیا'' کے اعداد وشمار کے مطابق اس ملک میں ۹۸۱۹ گرجے، ۳۸۹۷ پادری، ۸۵۰۴ جز وقتی مبلغین تھے، اور ان کے تصرف میں کئی ہوائی اڈے اور متعدد فضائی کمپنیاں تھیں، ذرائع ابلاغ ان کے کنٹرول میں تھے، کئی روزنامے ان کے تصرف میں تھے اور کئی اشاعتی کمپنیاں، پریس اور ہسپتال ان کے کام میں معاونت کررہے تھے۔

انڈونیشیا میں ان مبلغین کے کاموں کو وسعت دینے کے لیے درج ذیل طریقوں کو عمل میں لانے پر اتفاق ہوا۔

(۱) ایسی زمینیں جو گرجے اور کتب خانے قائم کرنے کے لیے زیادہ موزوں ہوں ان کو ہر قیمت پر خریدا جائے، مثلاً ایک گرجے کے سامنے ایک چھوٹا سا گھر اسلام کی تبلیغ کے لیے استعمال ہوتا تھا اس کو تیس لاکھ میں خرید کر اپنا مرکز بنالیا۔

(۲) عوامی دلچسپی کے ایسے مراکز قائم کئے جائیں جو نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کرسکیں۔

(۳) کسانوں کو اپنے بچے مراکز میں داخل کرانے کے بدلے میں اتنے قرضے دیئے جائیں جتنے کا وہ مطالبہ کریں۔

(۴) بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں ایسے مراکز قائم کئے جائیں جہاں لوگوں کو جمع ہونے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے مواقع میسر آئیں۔

(۵) غریب لوگوں میں ضروریات زندگی مثلاً کپڑے اور چاول وغیرہ تقسیم کئے جائیں۔

مبلغین نے صرف انڈونیشیا ہی نہیں بلکہ افریقہ کے ممالک اور ہندوستان میں بھی ان کی خصوصی توجہات کے مرکز تھے، تبلیغی مراکز کی برطانیہ کی تبشری کونسل نے ۱۹۱۰ء میں ہندوستان میں اپنے کام کی رفتار کا جائزہ لیتے ہوئے اعتراف کیا: ''دو ہزار تبلیغی مراکز، ایک ہزار مدرسے اور سیکڑوں تبلیغی مہمیں سرگرم عمل ہیں، اس کے علاوہ ایک اعلیٰ تعلیم کا مدرسہ ہے جس میں مسلمان بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور متاثر ہوجاتے ہیں لیکن دائرۂ اسلام سے نہیں نکلتے الغرض ہمارا کام ہندوستان میں پوری آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے''۔

لندن میں ان مبلغین کا تبلیغی دورہ وتبلیغی مرکز ۱۷۹۵ء میں وجود میں آیا، بے شمار عیسائی مذہبی راہنما اس تنظیم کے ساتھ منسلک تھے، اس تنظیم کے نہج پر اسکاٹ لینڈ، نیویارک، جرمنی، ہالینڈ، سیوڈن اور ناروے میں بھی تبلیغی مراکز قائم ہوئے، ۱۸۵۵ء میں برطانیہ اور امریکہ کے مبلغین کی ایک مشترکہ تنظیم قائم ہوئی، انہوں نے نارتفلیڈ میں عیسائی طلبہ کی ایک کانفرنس منعقد کی جس میں اسی (۸۰) مدارس کے دوسو پچاس (۲۵۰) مندوب شریک ہوئے، اس کانفرنس نے مسیحیت کی تبلیغ کے لیے ایک سو نوجوانوں کی کفالت کا بیڑا اٹھایا، اسی تنظیم کی کوششوں سے ''اجنبی ممالک میں تبلیغ عیسائیت کے لیے رضا کار نوجوانوں کی جمعیت'' کا قیام عمل میں آیا، جنہوں نے انجیل کی اشاعت پر سب کاموں کی نسبت زیادہ زور دیا، لندن ہی میں ۱۸۹۵ء میں ''نوجوانوں میں تبلیغ عیسائیت کی انجمن'' قیام پزیر ہوئی، یہ تنظیم عورتوں، نوجوانوں، لڑکیوں اور لڑکوں کو مبشرین کی باتیں سننے کی طرف مائل کرتی تھی، ۱۹۰۷ء میں ایک اور انجمن معرض وجد میں آئی جس کا مقصد عمر رسیدہ لوگوں میں (تعلیم بالغاں) عیسائیت کی تبلیغ تھا۔

اس وقت پوری دنیا میں خاص کر عالم اسلام میں پانچ ہزار سے زائد ان کی تبلیغی تنظیمیں ہیں جن کو مغربی حکومتیں عالم اسلام کے خلاف سازشوں کے لیے بھیجتی ہیں۔

عیسائی مبلغین کا ایک عالمی اجتماع بھی منعقد ہوتا ہے جس میں دنیا بھر کے راہ نما، مبلغین اور مراکز کے نگراں حاضر ہوکر اپنی روداد سناتے ہیں، ان کانفرنسوں میں یہ لوگ جس قسم کے پروگرام بناتے تھے ان کی نوعیت سمجھنے کے لیے ۱۹۰۶ء میں قاہرہ میں منعقد ہونے والی پہلی عالمی کانفرنس کے ایجنڈے پر ذرا غور فرمایئے جس میں ان کے ایجنڈے کی اہم شقیں درج تھیں کہ ہمیں کس طرح کام کرنا ہے اور اب کیا کرنا ہے۔

(۱) اکناف عالم میں مسلمانوں کی تعداد کا جائزہ لینا۔

(۲) افریقہ، ہندوستان، ایران، شام، فلسطین، فارس، ملایا اور چین میں اسلام اور مسلمانوں کے حالات کی تفصیلی سروے کرنا۔

(۳) ایسی کتابوں کی تیاری اور اشاعت جن کو تعلیم یافتہ مسلمانوں اور مسلم عوام کے درمیان پھیلانا ضروری ہے۔

(۴) لوگوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً عیسائی بنانے کی کوشش کرنا۔
(۵) مرتد ہو جانے والوں کا جائزہ لینا۔
(۶) عیسائیت قبول کرنے والے غربا کی مدد کرنا۔
(۷) مسلم عورتوں کے معاملات کا جائزہ لینا۔
(۸) مبلغین کی عمدہ تربیت اور ایک دوسرے سے باہمی رابطہ قائم رکھنا، مختلف ممالک میں۔
(۹) مسلمانوں کو ایک نئے تعلیمی نظام سے متعارف کرانا جو عیسائیت کی تعلیم سے بھرا ہو۔

مندرجہ بالا نکات سے پتہ چلتا ہے کہ ان مبلغین کو اسلام اور مسلمانوں کی کتنی فکر تھی، ان نکات میں کوئی بھی ایسا نہیں جس میں مسلمانوں کے علاوہ اور اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کے لوگوں کو عیسائیت کی تبلیغ کا ذکر ہو۔

یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مشہور شہر لکھنؤ میں بھی ان مبلغین کا ایک علاقائی اجتماع منعقد ہوا یہ اجتماع ۱۹۱۳ء میں منعقد ہوا اور اس میں جو دعوتی اور تبلیغی نکات اپنے مبلغین کو دیے گئے اس کا بھی جائزہ لے لیں۔

(۱) مسلمانوں کے اندر مغربی فکر کو ڈال دیا جائے، مغربی زبانوں کو عام کیا جائے تا کہ مسلمان مغربی ادب اور مغربی تہذیب سے واقف ہو کر ان کی طرف مائل ہوں، اس کے لیے اپنے مدارس کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور مغربی تعلیم کو مغربی زبانوں اور انداز فکر کے ساتھ تمام مسلمانوں میں پھیلایا جائے تا کہ مدارس اور اخبارات و رسائل مغربی انداز اختیار کر لیں۔
(۲) ایک الگ طریقے سے مبلغین کی جماعت تیار کی جائے کیوں کہ ان کے دل اور زبان عام مبلغین سے مختلف ہوں گے۔
(۳) مسلمانوں کو سیاسی طور پر تقسیم کیا جائے تا کہ وہ سیاسی طور پر کمزور ہوں اور ان کے درمیان مغربی تہذیب کو پہنچنے کا موقع مل سکے۔
(۴) ایشیا اور افریقہ اہم انسانی منڈیاں ہیں ان میں کام کرتے ہوئے عیسائیوں کو چاہئے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو ظاہر نہ ہونے دیں ورنہ مقامی لوگ عیسائیت سے بدظن ہو جائیں گے۔
(۵) زویمر نے کہا کہ مسلمان اگر چہ توحید پرست ہونے کے مدعی ہیں لیکن وہ ''الٰہ'' کی جو تعریف کرتے ہیں وہ ''الٰہ'' عیسائی تعریف سے بہت مختلف ہے۔
(۶) مبلغین کو چاہئے کہ وہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو موسیقی کا رسیا بنائیں، وہ نرمی سے گفتگو کریں، مخاطب کی ذہنی سطح کا خیال رکھیں، عقائد پر بات کرنے سے پہلے عام سماجی موضوعات کو شروع کریں، انجیل کے حوالے سے بات کریں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ بات وہی ہو جس میں قرآن اور انجیل متفق ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں میں عیسائیت کے لیے نرمی کا گوشہ پیدا ہو۔
(۷) طبی مراکز کو ہر سطح پر عام کریں اور دینی مناظروں سے پرہیز کریں۔
(۸) ایسے مدارس قائم کریں جس میں عربی کی تدریس کے لیے آسان اور عمدہ طریقہ کار اپنایا جائے تا کہ جامعہ ازہر کے متعلق مسلمانوں کا اعتقاد متزلزل ہو جائے۔
(۹) سستے نرخوں پر کتابیں مہیا کرنے کا بندوبست کریں اور کتابوں کی فروخت پر ایسے لوگ متعین کریں جو مسلمانوں کی نفسیات کو سمجھ کر ان سے گفتگو کریں تا کہ مسلمانوں کا اعتماد حاصل کر سکیں۔
(۱۰) عیسائیت کے اہم عقائد پر رسالے لکھ کر ان کو سستے نرخوں پر مہیا کریں۔
(۱۱) تبلیغی کاموں میں عورتوں سے مدد لی جائے، وہ مریضوں کی دیکھ بھال اور تبلیغی مدارس میں کام کریں، دیہاتوں میں اور لوگوں کے گھروں میں جا کر لوگوں سے بات چیت کریں، مدارس البنات قائم کئے جائیں جہاں روزانہ انجیل سنائی جائے۔
(۱۲) مناظرے اور مجادلے کا کوئی فائدہ نہیں، ان سے وہ محبت ختم ہو جاتی ہے جس سے دوسرے کا دل متاثر ہوتا ہے، مبلغ کا ہتھیار محبت اور حسن سلوک ہے، کیوں کہ اعتقاد کا تعلق دل سے ہے، مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ حسن اخلاق، استقامت اور عقلی خصوصیات سے متصف ہو، تا کہ مبلغین کا حسن اخلاق عیسائیت کو اسلام سے بہتر ثابت کر سکے۔
(۱۳) مدارس پہلے تبلیغی مراکز ہیں، کاموں کی شروعات یہیں سے کریں۔
(۱۴) انجیل کو مسلمانوں کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔

(۱۵) سماجی خدمات کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کی جائے۔

مگر حیرت ہے کہ مبلغین کی ان لاتعداد کوششوں کے باوجود اسلام کے شجرۂ طیبہ پر خزاں کے آثار نمودار ہونے کی بجائے اس پر تازہ برگ وبار نظر آنے لگتے ہیں، اسلام کی اشاعت کو روکنے کے لیے مبلغین جتنی کوششیں کرتے ہیں وہ اتنا ہی پھیلتا ہے۔

عیسائی مبلغین نے اپنے دین کو پھیلانے کے لیے انتھک کوششیں کیں لیکن ان کوششوں میں ان کو شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، اس ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ جس عیسائیت کو وہ پھیلانا چاہتے تھے اس کی تعلیمات میں اتنی جان نہیں تھی کہ وہ کسی سلیم الفطرت اور عقل سلیم رکھنے والے انسان کو اپنی طرف مائل کرسکیں اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے جو حربے استعمال کئے اس کا اثر دل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

مبلغین صدیوں سے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، انہوں نے اپنے بے پناہ وسائل کو اس مکروہ مقصد کے لیے استعمال کیا ہے لیکن ان کی ان مساعی کے باوجود ان کے اپنے مذاہب اور ان کی اپنی اقوام کے لوگ ڈھڑا ڈھڑ اسلام قبول کر رہے ہیں، کوئی قرآن حکیم میں کسی بحری سفر کے تجربات کا خوبصورت بیان دیکھتا ہے تو وجد میں آجاتا ہے، کسی کو عیسائی مبلغین کا اسلام کے خلاف غیر معقول اور معاندانہ رویہ حقیقت کی جستجو کی طرف مائل کر دیتا ہے، یہ مبلغین جس شمع کو بجھانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں اس کی ضو میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ان کے اپنے ظلمت کدے بھی اس تنویر سے محفوظ نہیں، مبلغین کی ان کوششوں اور ناکامیوں کو قدرت نے چودہ سو سال پہلے کس خوب صورت انداز میں بیان فرما دیا تھا ملاحظہ کریں، سورۂ انفال کی آیت ۳۶ ہے: ''ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ ط فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون o''

ترجمہ: بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں لوگوں کو اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی اس طرح خرچ کریں گے، پھر ہو جائے گا خرچ کرنا ان کے لیے باعث حسرت وافسوس، پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے۔

المختصر مبلغین کی جہد مسلسل ناکامیوں کا ہی شکار رہی اس لیے کہ وہ مذہب جس کے خلاف یہ حضرات برسرِ پیکار ہیں مسلسل بڑھ رہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

☆☆☆☆

مآخذ ومراجع

(۱) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (سورۂ انفال آیت ۳۶)
(۲) المنجد۔ (عربی لغت)
(۳) الاستشراق رسالۃ الاستعمار۔
(۴) Collinggem English Dictionary
(۵) رویۃ اسلامیہ للاستشراق۔
(۶) الاستشراق وجہ للاستعمار الفکری۔
(۷) الحیل والاسالیب فی الدعوۃ الی التبشیر۔
(۸) سیرت الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المعروف ضیاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جلد ششم، جلد ہفتم۔
(۹) تاریخ اسلام حصہ سوم
(۱۰) اسلام اور مستشرقین، علما کے مختلف مقالات
(۱۱) البعث الاسلامی کا یہودی نمبر
(۱۲) وثائق یہودیت، عظیم تر اسرائیل کے عظیم عالمی صیہونی منصوبے کے خفیہ دستاویزات (مترجم) The prolocols of the Learned Elders of Zion
(۱۳) مغرب کا عروج اور متوقع زوال۔
(۱۴) سہ روزہ ''دعوت'' دہلی کا اسلام اور مغرب نمبر ۱۹۹۱ء
(۱۵) ۱۹۱۳ء میں لکھنؤ میں واقع عیسائی مبلغین کے تربیتی اجتماع کے اہم نکات کا پوسٹر۔
(۱۶) اردو ٹائمز وانقلاب اور اورنگ آباد ٹائمز کا جمعہ ایڈیشن۔ وغیرہ۔

☆☆☆☆

دعوت وارشاد کے اصول

مولانا نفیس احمد مصباحی ★

مذہبِ اسلام پوری انسانی نسل کے لیے ایک نسخۂ ہدایت بن کر اس خاک دانِ گیتی پر جلوہ گر ہوا۔ اس نے زندگی کے ہر گوشے سے متعلق واضح ہدایت اور رہ نما اصول بنی نوع انسانی کے سامنے رکھے اور اسے دونوں جہاں میں سرخ روئی اور کامرانی کے نسخے بتائے۔ اس نے جہاں یہ بتایا کہ انسان اپنی ذاتی زندگی میں کس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرے، وہیں سماج اور معاشرے میں رہ کر احکامِ خداوندی پر عمل کرنے کرانے کے طریقے بھی بتائے۔ اس طرح اس نے دعوت وارشاد اور تربیت واصلاح کی اہمیت وافادیت کو بھی اجاگر کیا اور اس کے اصول وضوابط بھی بتائے۔ قرآن وحدیث اور بزرگوں کے ارشادات میں اس کے تعلق سے واضح رہ نمائی موجود ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں دعوت وارشاد کی اہمیت وافادیت اور اس کے رہ نما اصول کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

دعوت وارشاد کی اہمیت وافادیت

☆**ارشادِ ربانی ہے:** ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون. (آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے روکیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر وتؤمنون بالله (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کے (فائدے کے) لیے بھیجے گئے ہو، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

پہلی آیت میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں میں کچھ لوگوں کو دعوت وتبلیغ کی ذمّے داری نبھانا چاہیے، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چاہیے اور جو اہلِ ایمان اس ذمّے داری کو نبھائیں گے فلاح وکامیابی ان کا مقدر ہوگی۔ دوسری آیت میں مسلمانوں کو ''خیر امت'' (بہترین قوم) قرار دیا گیا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے روکتے ہیں۔

☆حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں انھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے، ان میں یہ نصیحتیں ہیں:

يا بنى اقم الصلوٰة وأمر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر علىٰ ما اصابك ان ذلك من عزم الامور. (لقمان:۱۷)

ترجمہ: اے میرے پیارے بیٹے! نماز پڑھا کر، اچھائی کی نصیحت کیا کر، برائی سے منع کیا کر اور جو اُفتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کیا کر، بیشک یہ ہمت کے کام ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا: يايها الذين اٰمنوا قوآ انفسكم واهليكم ناراًوقودهاالناس والحجارة، عليها ملٰئكة غلاظ شدادلا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤ مرون. (التحریم:۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس (آگ) پر ایسے سخت دل اور زور آور فرشتے مقرر ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انھیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: وذكر فان الذكرىٰ تنفع المؤمنين (الذاریت:۵۵)

ترجمہ: اور سمجھاؤ، کیوں کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: یــا یھــا الــمــدثــر، قــم فــانــذر، وربك فكبر. (المدثر:۱۔۳)

ترجمہ: اے بالا پوش اوڑھنے والے! اپنی جگہ سے اٹھیے، پھر ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔

قرآن کریم کی طرح احادیث نبویہ میں بھی جگہ جگہ دعوت و تبلیغ کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور اس کا حکم دیا گیا۔ چند احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

☆عــن حذيفة بن اليمان (رضى الله تعالىٰ عنه) عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: والذى نفسى بيده لتامرن بالمعروف و لتنهون عن المنكر او ليوشكن الله أن يبعث عليكم عقاباًمنه، ثم تدعونه فلا يستجيب لكم. (رواه الترمذى فى سننه، وحسنه، باب ما جاء فى الامر بالمعروف والنهى عن المنكر، حديث: ۲۱۶۹)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ یا تو اچھی بات کا حکم دیتے رہو گے اور بری باتوں سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ جلد تم پر اپنا عذاب بھیجے گا، پھر تم دعا بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول نہ کرے گا''۔ (ترمذی)

☆عــن سهــل بن سعدرضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان هذاالخير خزائن، ولتلك الخزائن مفاتيح، فطوبىٰ لعبد جعله الله مفتاحاًللخير مغلاقاًللشر، وويل لعبد جعله الله مفتاحاًللشر مغلاقاًللخير.

(سنن ابن ماجہ، باب من کان مفتاحاً للخیر، حدیث: ۲۳۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دین نعمتوں کے خزانے ہیں اور ان نعمتوں کے خزانوں کی کچھ کنجیاں ہیں، تو خوش خبری ہو اس بندہ کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی کی کنجی، برائی کا تالا بنادے اور تباہی ہے اس بندے کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ برائی کی کنجی اور بھلائی کا تالا بنادے۔ (ابن ماجہ)

''بھلائی کی کنجی اور برائی کا تالا'' بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے نیکیوں اور بھلائیوں کو عام کرائے اور برائیوں کے راستے بند کرائے اور اپنی کوشش، جدوجہد اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے دوسروں کی ہدایت کا ذریعے بنے اور ''برائی کی کنجی اور بھلائی کا تالا'' بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ضلالت وگمراہی کا ذریعے بنے۔

☆عن درة ابنة أبى لهب قالت: قام رجل الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو على المنبر فقال: يا رسول الله، أىّ الناس خير؟ قال: خير الناس اقرؤهم واتقاهم وآمرهم بالمعروف وانهاهم عن المنكر وأوصلهم للرحم. (رواه أحمدوالطبرانى واللفظ لأحمد، مجمع الزوائد، ۵۲۰/۷)

حضرت درّہ بنت ابولہب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر سوال کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے اچھا شخص کون ہے؟ سرکار نے ارشاد فرمایا: سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن شریف کا پڑھنے والا، سب سے زیادہ پرہیزگار، سب سے زیادہ بھلائی کا حکم دینے والا، برائی سے منع کرنے والا اور سب سے زیادہ رشتے جوڑنے والا ہو۔ (مسند امام احمد، معجم طبرانی، مجمع الزوائد)

☆عــن عــمرو بن عوف رضى الله عنه أنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اِنّ الدين بدأغريباًويرجع غريباًفطوبىٰ للغرباء الذين يصلحون ما أفسدالناس من بعدى من سنّتى. (سنن الترمذى، باب ماجاء انّالاسلام بدأغريباً، حديث: ۲۶۳۰)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دین (اسلام) ابتدا میں اجنبی تھا اور پھر پہلے کی طرح اجنبی ہوجائے گا، تو ان (مسلمانوں) کے لیے خوش خبری ہے جن کو دین کی وجہ سے اجنبی سمجھا جائے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اس طریقے کو درست کریں گے جس کو میرے بعد لوگوں نے بگاڑ دیا۔ (ترمذی)

☆عــن أبى هريرة رضى الله عنه أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من دعاالى هدىً كان له الاجر مثل أجورمن

تبعه، لاینقص ذلك من اجورهم شئیا، ومن دعا الیٰ ضلالة کان علیه من الاثم مثل آثام من تبعه، لاینقص ذلك من آثمهم شیاً. (صحیح مسلم، باب من سنّ سنۃً حسنۃً.....، حدیث:۶۸۰۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص (لوگوں کو) ہدایت اور بھلائی کے کاموں کی طرف بلائے اس کو ان سب کے عمل کے برابر ثواب ملتا رہے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان کی وجہ سے ان پیروی کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جو گمراہی کے کاموں کی طرف بلائے اس کو ان کے عمل کے برابر گناہ ملتا رہے گا جو اس گمراہی کا راستہ اپنائیں گے اور اس کی وجہ سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔(مسلم شریف)

ان کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ان احادیث کا ایک ذخیرہ موجود ہے جن میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت وفضیلت اور اسے ترک کرنے کے وبال کو بیان کیا گیا ہے۔ اب اس کے بعد دعوت کے کچھ اسلامی اصول اور مدارج بیان کیے جاتے ہیں جن کو اپنا کر مطلوبہ نتائج آسانی کے ساتھ جلد حاصل کیے جا سکتے ہیں اور دعوت کے اثرات کو دیرپا اور مستحکم کیا جا سکتا ہے۔

دعوت کے کچھ اسلامی اصول

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دعوت کے اصول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: **ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجا دلهم بالتی هی احسن.** (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ اور ان سے اس طریقے پر بحث ومباحثہ کرو جو سب سے بہتر ہو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دعوت وارشاد کے تین طریقے بتائے ہیں: (۱) حکمت (۲) موعظت حسنہ (۳) مجادلۂ حسنہ

اب آگے ان کی کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے:

۱۔ حکمت: حکمت کا معنی دانائی، عقل مندی، سوجھ بوجھ اور پختہ تدبیر ہے، ایک داعی، مرشد اور مبلّغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعوت وارشاد کا کام بڑی عقل مندی، سوجھ بوجھ اور پختہ تدبیر سے کرے، ورنہ مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوں گے، بلکہ لوگ متنفرّ اور بےزار بھی ہو سکتے ہیں۔

دراصل داعی اور مرشد کی حیثیت ایک طبیب کی ہے جس طرح طبیب کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ نباضی یا دوسرے آلات کے ذریعے مریض کی بیماری کی صحیح کیفیت کا اندازہ کرنے کے بعد ہی علاج تجویز کرے اور اسے مناسب دوا کے ساتھ مناسب غذا اور پرہیز بتائے تاکہ مریض مرض سے جلد از جلد چھٹکارہ پائے اور اس کی صحت وتندرستی بحال ہو۔ اسی طرح ایک داعی اور مرشد کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس کے ساتھ دعوت وارشاد کا عمل کرے پہلے اس کے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لے اور پھر اس کے مناسبِ حال ترغیب، ترہیب یا دونوں سے ملا جلا طریقۂ دعوت اختیار کرے اور جس طرح طبیب، مریض کے حالات کا صحیح جائزہ لیے بغیر دردِ شکم کے مریض کو اگر بخار کی دوا دے اور دست کے مریض کو مسہل اور ملیّن دوائیں استعمال کرائے تو مرض میں کمی اور افاقہ کے بجائے مریض کی جان پر بھی بن سکتی ہے اور ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' جیسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح داعی اور مرشد اگر مدعو اور مسترشد کے حالات کے خلاف یا نامناسب طریقۂ دعوت وارشاد اپنائیں اور غلط نسخۂ دعوت وہدایت تجویز کرے تو حالات سنگین ہو سکتے ہیں اور اس کے راہ راست پر آنے کے بجائے گمراہ ہونے اور راہِ حق سے منحرف ہو جانے کی زیادہ امید ہے۔

اسی لیے داعی پر لازم ہے کہ وہ دعوت وارشاد کے عمل میں نرمی کے ساتھ افہام وتفہیم کا طریقہ اپنائے اور ابتدا ہی میں سختی اور بائیکاٹ کی راہ نہ اپنائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: یسرّوا ولا تعسّروا، وسکّنوا ولا تنفّروا (رواہ مسلم فی صحیحہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ، باب فی الامر بالتیسیر، حدیث:۴۵۲۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''نرمی اور آسانی پیدا کرو، دشواری اور سختی کا معاملہ نہ کرو، لوگوں کو تسلّی دو، نفرت نہ دلاؤ۔ (صحیح مسلم شریف)

۲۔ موعظتِ حسنہ: موعظت کا معنی وعظ ونصیحت کرنا، توبہ کرانے والی اور اصلاح پر آمادہ کرنے والی باتیں یاد دلانا۔ صاحب

تفسیر روح البیان علاّ مہ شیخ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''موعظت'' سے مراد ہر وہ ذکر ہے جس سے دل نرم پڑ جائے، وہ ذکر ثواب یا عذاب سے متعلق ہو۔

اب اس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ داعی، مرشد اور مبلّغ کی ذمّے داری ہے کہ وہ دعوت وارشاد کا کام کرتے وقت اچھی طرح نصیحت کرے۔ عقیدہ اور عمل کی اصلاح پر آمادہ کرنے والی باتیں یاد دلائے، نیک عمل پر ثواب اور بد عملی پر عذاب کا مستحق ہونے کی بات اتنے مؤثر پیرائے میں بیان کرے کہ سننے والوں کے دل نرم پڑ جائیں۔

۳۔ مجادلۂ حسنہ: ''مجادلہ'' سے مراد بحث ومباحثہ ہے اور مجادلۂ حسنہ کا مطلب یہ ہے کہ جسے دعوت خیر پیش کی جارہی ہے اگر وہ انکار کرے یا اس کے خلاف کوئی دعویٰ کرے تو اس سے اچھی طرح بحث ومباحثہ کرے اور اس کے ساتھ بد کلامی، بدتمیزی اور گالی گلوچ سے پیش نہ آئے کہ یہ اہل علم اور اہلِ حق کا شیوہ نہیں۔

صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''کسی کو گناہ کرتے دیکھے تو نہایت متانت اور نرمی کے ساتھ اسے منع کرے اور اسے اچھی طرح سمجھائے، پھر اگر اس طریقے سے کام نہ چلا، وہ شخص باز نہ آیا تو اب سختی سے پیش آئے اس کو سخت الفاظ کہے، مگر گالی نہ دے، نہ فحش لفظ زبان سے نکالے۔'' (بہار شریعت، ج ۱۶/۲۲۲، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی)

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں: ''جس طرح کا انسان ہو اسی طرح کی افہام وتفہیم کی جائے۔ عوام کو حکمت اور اشاروں، کنایوں سے سمجھایا جائے تو وہ کیا سمجھیں گے، کیوں کہ ان بے چاروں کو تو صاف اور سادہ باتیں چاہئیں، اس لیے کہ وہ موٹی عقل والے سادہ لوح ہیں۔ اسی طرح اہل علم وحکمت سے مناظرہ ومباحثہ کی صورت اپنائی جائے تو وہ اس سے ایسی نفرت کریں گے جیسے نوجوان، عورت کے دودھ سے کرتا ہے۔'' (تفسیر روح البیان (مترجم)، ج ۷/ص ۳۶۲، رضا اکیڈمی ممبئی)

تفسیر سمرقندی میں ہے: ''خواص کو حکمت سے دعوت دینا مفید ہے، عوام کو وعظ ونصیحت سے اور بد مذہبوں کو بحث ومباحثہ اور مناظرہ سے دعوت دینا بہتر ہے'' (ایضاً ص ۲۶۱)

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: ''میرے پیر ومرشد قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب ''اللائحات الباقیات'' میں فرمایا کہ ''حکمت'' سے مراد بصیرت (سوجھ بوجھ ہے)، یعنی حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے دعوت وارشاد کا کام کیا جائے، مثلاً بعض مقامات پر تخفیف، نرمی اور آسانی فائدہ مند ہوتی ہے اور بعض موقعوں پر شدت اور سختی مفید ہوتی ہے، بعض مقامات پر جلب مصالح (مصالح کی تحصیل) مفید ہوتی ہے اور بعض مواقع پر سلب مفاسد (خرابیوں کو دور کرنا) فائدہ مند ہوتا ہے، اسی طرح ''**الموعظة الحسنة**'' سے مراد وہ پند ونصائح ہیں جن میں ترغیب وترہیب اور نیکیاں ہوں اور دلوں کو شرعاً ناپسندیدہ چیزوں سے بچانے والے اور پسندیدہ چیزوں کی طرف رغبت دلانے والے ہوں حاصل یہ جس طرح مناسب اور لائق ہو ویسے ہی افہام وتفہیم کی جائے۔'' (ایضاً ص ۳۶۳)

دعوت وارشاد کی صورتیں اور احکام: اس کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) اگر غالب گمان یہ ہے کہ وہ کہے گا تو لوگ اس کی بات مان لیں گے اور بری بات سے باز آجائیں گے تو یہ واجب اور ضروری ہے، اس لیے اس سے باز رہنا جائز نہیں۔

(۲) اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ وہ طرح طرح کی تہمت لگائیں گے اور گالیاں دیں گے تو ترک کرنا افضل ہے۔

(۳) اور اگر یہ معلوم ہے کہ وہ اسے ماریں گے اور یہ صبر نہ کر سکے گا تو یہ اپنا فرضِ منصبی نبھائے اور اس صورت میں یہ شخص مجاہد ہے۔

(۴) اور اگر معلوم ہے کہ وہ اسے ماریں گے تو صبر کر لے گا تو یہ اپنا فرض منصبی نبھائے اور اس صورت میں یہ شخص مجاہد ہے۔

(۵) اور اگر یہ معلوم ہے کہ وہ مانیں گے نہیں، مگر نہ ماریں گے اور نہ گالیاں دیں گے تو اسے اختیار ہے اور افضل یہی ہے کہ کرے۔

(فتاوی عالم گیری، بہار شریعت، ۱۶/۲۲۲، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی)

دعوت وارشاد کے کچھ اور اصول

دعوت وارشاد کا کام کرنے والوں کے لیے کچھ اور اصول و ضوابط اور ہدایات ہیں جن کو اپنانے سے اچھے، پائیدار اور دیرپا نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:

☆دعوت کا کام کرنے والا بقدر ضرورت علم رکھتا ہو اور اتنا جانتا ہو کہ مثلاً یہ چیز گناہ ہے اور دوسرے کو بری بھلی بات سمجھانے کا طریقہ معلوم ہو اور مؤثر پیرائے میں اسے کہہ سکے، کیوں کہ جسے علم نہ ہو وہ اس کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ اسی لیے دیکھا جارہا ہے کہ بے علم اور غیر تربیت یافتہ مبلّغین ومرشدین اسلامی احکام کی تبلیغ میں بے اصولی اور بے راہ روی کی وجہ سے دین اسلام کے لیے ضرر رساں اور نقصان دہ ثابت ہورہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دعوت وارشاد اور تربیت واصلاح کے مطلوبہ مقاصد کے حصول کی توقع عبث ہے بلکہ الٹے خسارہ اور نقصان کے اندیشے زیادہ ہیں۔

☆دعوت وارشاد کا کام کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس کام میں مخلص ہو، اس کا مقصد دین حق کو سر بلند کرنا ہو، نام آوری اور ریا نہ صرف دعوت وتبلیغ کے کاموں کو بے نتیجہ اور بے اثر کردیتی ہے بلکہ بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت کا باعث نہیں بنتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ان اللہ لایقبل من العمل الا ماکان لہ خالصاًوابتغیٰ وجھہ(رواہ النسائی فی سننہ عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب من غزا یلتمس الاجر والذکر، حدیث:۳۱۴۲)

حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی مقصود ہو۔(سنن نسائی)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: انّ اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکنّ ینظر الی قلوبکم وآمالکم (اخرجہ مسلم فی صحیحہ عن ابی ھریرۃرضی اللہ عنہ، باب تحریم ظلم المسلم، حدیث:۶۵۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے۔(صحیح مسلم)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :"لو انّ رجلاًعمل عملاًفی صخر لا باب لھا ولا کوّۃ خرج عملہ الی الناس کائناًما کان."(رواہ البیھقی فی سننہ، ج، ۵/ص، ۳۵۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص ایسی چٹان کے اندر کوئی کام کرے جس میں نہ کوئی دروازہ ہو نہ کوئی سوراخ، تب بھی وہ لوگوں پر ظاہر ہو کر رہے گا، وہ کام چاہے جیسا ہو (اچھا یا برا)۔(سنن بیہقی)

غور فرمایئے جب ہر قسم کا کام خود ظاہر ہو کر رہتا ہے تو پھر دعوت وارشاد کا کام کرنے والوں کو ریاکاری اور دکھاوے کی نیت کرکے اپنا عمل ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟

☆داعی اور مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جس بات کی دعوت دے، پہلے خود اس پر عامل ہو، ورنہ قرآن کریم کے اس حکم کا مصداق بن جائے گا:

"لما تقولون ما لا تفعلون" یعنی ایسی بات کیوں کہتے ہو جسے خود نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا:"اَتأمرون بالبر وتنسون انفسکم" یعنی کیا لوگوں کو تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھولے ہوئے ہو۔

حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یجاء بالرجل یوم القیامۃ فیلقی فی النار فتندلق اقتابہ فی النار فیدور کما یدور الحمار برحاہ، فیجتمع اھل النار علیہ فیقولون :یا فلان !ما شانك الیس کنت تأمر بالمعروف وتنھا عن المنکر ؟قال:کنت امرکم بالمعروف ولا آتیہ وانھا کم عن المنکر ولا آتیہ.(رواہ البخاری عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنھما، باب صفۃ النار وانھا مخلوقۃ، حدیث:۳۲۹۷)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جس سے اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی۔ وہ انتڑیوں کے ارد گرد اس طرح گھومے گا جیسا کہ چکی کا گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ جہنم کے لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہوجائیں گے اور اس سے پوچھیں گے اے فلاں !تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم اچھی باتوں کا حکم نہیں کرتے تھے اور بری باتوں سے ہم کو نہیں روکتے تھے؟ وہ جواب دے گا: میں تم کو اچھی

باتوں کا حکم کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور بری باتوں سے روکتا تھا لیکن انہیں کیا کرتا تھا۔ (بخاری شریف)

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مررت لیلۃ اسری بی علی قوم تقرض شفاھھم بمقاریض من نار قال: قلت: من ھؤلاء؟ قالوا: خطباء من اھل الدنیا کانوا یأمرون الناس بالبر وینسون انفسھم وھم یتلون الکتاب افلا یعقلون. (رواہ أحمد عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ فی مسندہ، ۳/۱۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شب معراج میں میرا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا کہ ان کے ہونٹ جہنم کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرئیل (علیہ السلام) سے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا: یہ واعظ ہیں جو دوسروں کو نیکی کرنے کے لیے کہتے تھے اور خود اپنے کو بھلا دیتے تھے حالانکہ وہ اللہ کی کتاب پڑھتے تھے کیا وہ سمجھدار نہیں تھے؟ (مسند احمد)

حضرت صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں: "اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص خود عامل نہ ہو وہ دوسروں کو اچھی بات کا حکم ہی نہ دے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ خود بھی کرے اور دوسروں کو بھی کرنے کو کہے۔ (بہار شریعت، ج ۱۶، ص ۲۲۳)

☆ داعی اور مبلّغ کو چاہیے کہ وہ جس کو کسی بات کا حکم دے اس کے ساتھ شفقت و مہربانی کرے اور نرمی کے ساتھ کہے۔ (بہار شریعت، ج ۱۶، ص ۲۲۳)

اوپر سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ "نرمی اور آسانی اختیار کرو، سختی سے کام نہ لو، لوگوں کو تسلّی اور تسکین دو، نفرت نہ دلاؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون کو فرعون کے پاس جا کر نرمی کے ساتھ حق بات پیش کرنے کا حکم دیا، قرآن کریم میں اس کا بیان کچھ اس طرح ہے۔ "اذھبا الی فرعون انّه طغی، فقولا له قولاً لیّناً لعله یتذکّر او یخشیٰ" (طٰہٰ: ۴۴)

یعنی تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، یقیناً اس نے سرکشی کی، تو اس سے نرم بات کہنا، اس امّید پر کہ وہ دھیان کرے یا ڈرے۔

حدیث پاک میں ہے: عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ادع علی المشرکین، قال: انّی لم ابعث لعّاناً، وانّما بعثت رحمةً. (اخرجه مسلم فی صحیحه، باب النھی عن لعن الدوابّ وغیرھا، حدیث: ۶۶۱۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے لیے بد دعا کرنے کی درخواست کی گئی، تو آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مسلم شریف)

قرآن کریم میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوا: فبما رحمة من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضّوا من حولك فاعف عنھم واستغفر لھم. (آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے۔ اور اگر تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے پاس نہ پھٹکتے۔ تو تم انہیں معاف کرو اور ان کے لیے استغفار کرو۔

☆ داعی اور مرشد کو چاہیے کہ وہ دعوت وارشاد کا کام سب سے پہلے اپنے گھر والوں اور قریبی رشتہ داروں سے شروع کرے، پھر اپنے دوستوں اور دیگر متعلقین کی طرف توجہ کرے، پھر دیگر افراد تک حق بات پہنچائے۔

اسی اللہ تعالی نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وانذر عشیرتك الاقربین" ()

(اور اے محبوب) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

حدیث پاک میں ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے "وانذر عشیرتك الاقربین" آیت کریمہ نازل فرمائی اور آپ نے "صفا" پہاڑی پر چڑھ کر زور سے پکارا: یا صباحاہ! یعنی اے لوگو! صبح کو دشمن حملہ کرنے والا ہے، اس لیے تم سب یہاں اکٹھا ہو جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ آپ کے پاس اکٹھا ہو گئے، کوئی خود آیا کسی نے اپنا قاصد بھیجا اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا: بنو عبد المطلب، بنو فہر اور بنو کعب! ذرا بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں

کہ اس پہاڑی کے دامن میں گھوڑسواروں کا ایک لشکر ہے جوتم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم مجھے سچا مان لوگے؟ سب نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ایک سخت عذاب آنے سے پہلے اس سے ڈرا رہا ہوں۔ ابولہب بولا: تو ہمیشہ کے لیے برباد ہوجائے، ہمیں محض اسی لیے بلایا تھا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ "تبت یدا ابی لھب" نازل فرمائی، جس میں ارشاد فرمایا: ''ابولھب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے''۔ (مسند امام احمد، البدایہ والنھایہ)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱) دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دینے والوں کو چاہیے کہ وہ دعوت وارشاد کی ابتدا اپنے قریبی رشتے داروں سے کریں، یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ (۲) داعی اور مرشد کے لیے ضروری ہے کہ اس راہ میں آنے والی پریشانیوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کرے، اگر کوئی سخت کلامی اور بدمزاجی سے پیش آئے تو اس پر ناراض نہ ہو بلکہ صبر وضبط کا مظاہرہ کرے۔

☆ داعی اور مرشد کو موقع محل دیکھ کر دعوت وارشاد اور وعظ ونصیحت کا کام کرنا چاہیے، لوگوں کے سر پر سوار ہو کہ زبردستی یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے، تو ان سے ایک آدمی نے کہا: اے عبدالرحمان! میری خواہش ہے کہ آپ ہم لوگوں کو روزانہ نصیحت کیا کریں۔ آپ نے فرمایا: میں روزانہ تم لوگوں کو نصیحت اس لیے نہیں کرتا کہ تم اکتا نہ جاؤ اور تمہیں اُکتا دینا مجھے پسند نہیں۔ پھر فرمایا: "انّی أتخولکم بالموعظة کما کان رسول الله صلی الله علیه و سلم یتخوّلنا بها مخافة السامة علینا." (صحیح بخاری، ومسلم)

''میں ناغہ کر کے تمہیں وعظ ونصیحت کرتا ہوں جیسے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ناغہ کے ساتھ نصیحت فرماتے تھے اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسا اس لیے کرتے تھے کہ کہیں ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔''

☆ داعی اور مرشد کے لیے لازم ہے کہ اس کے اندر داعیانہ سوز اور تڑپ ہو اور اس کے دل میں داعیانہ ذمّیداری کو انجام دینے کے ساتھ یہ احساس اور جذبہ کارفرما ہو کہ اس کی دعوت وارشاد اور اصلاح وتبلیغ کو وہ سارے لوگ قبول کرلیں جو اس کے مخاطب ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی داعیانہ تڑپ، سوز اور احساس ذمّیداری کی مکمل تصویر تھی، آپ نے اپنی دعوت واصلاح کا آغاز اہلِ مکّہ سے کیا اور پوری کوشش صرف فرمادی کہ وہ آپ کی دعوت حق کو قبول کرلیں اور راہ راست پر آجائیں، مگر آپ کی تمام تر کوششوں کے باوجود جب وہ راہ راست پر نہ آئے اور اپنے آپ کو ایمان واسلام کی دولت سے محروم رکھا تو آپ کو اس قدر افسوس اور صدمہ ہوا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلّی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لعلّك باخع نفسك الّا یكونوا مؤمنین. (الشعراء:۳)

''کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: "فلعلّك باخع نفسك علی اثرهم ان لم یؤمنوا بهٰذا الحدیث اسفاً" (الکھف:٦)

''تو کہیں تم ان کے پیچھے غم سے اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اگر وہ اس کلام (قرآن) پر ایمان نہ لائیں۔''

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت وارشاد کے مخاطب لوگوں کو راہ راست پر لانے کی سچی تڑپ، والہانہ جذبہ اور قلبی احساس اس قدر تھا کہ آپ نے ان کے حق کو قبول نہ کرنے پر اس طرح صدمہ سے دوچار ہوئے کہ لگتا تھا کہ اس غم میں آپ اپنی جان، جانِ آفریں کے حوالے کردیں گے۔

حدیث پاک میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس داعیانہ وصف کا اظہار فرمایا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه و سلم :مثلی کمثل رجل استوقد ناراً، فلمّا أضائت ما حولها جعل الفراش و هذه الدوابّ التی تقع فی النار و أنتم تقحمون فیها . (مشکوٰۃ المصابیح، ج۱، ص۲۸، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس برکات مبارک پور، اعظم گڑھ)

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی ہو اور جب ارد گرد کا ماحول آگ کی روشنی

سے جگمگا اٹھا تو کیڑے مکوڑے اور پتنگے آگ پر گرنے لگے وہ شخص پوری قوت سے انہیں روک رہا ہے، لیکن وہ اس کی کوششوں اور محنتوں کو ناکام بنا کر آگ میں گرے جا رہے ہیں، ایسے ہی میں تمہیں کمر سے پکڑ کر جہنم کی آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے جا رہے ہو۔'' (صحیح بخاری و مسلم)

☆ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعوت و اصلاح کے دوران تدریج کا پورا پورا خیال رکھے اور جس کو وہ دعوت حق دے رہا ہے اسے سارے شرعی احکام یک بارگی نہ بتا دے بلکہ اس کے حالات کا جائزہ لے کر مناسب مواقع پر آہستہ آہستہ اسے احکام بتائے، بعض اناڑی اور ناواقف لوگ دعوت و ارشاد کا کام اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور اصلاح و تربیت کے عمل میں تدریج کو یک سر نظر انداز کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی دعوت و اصلاح کے منفی اثرات سامنے آتے ہیں اور سدھار کے بجائے اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس دعوت و ارشاد کے عمل میں تدریج کا پورا خیال رکھا جائے کہ یہی حکمت و دانائی کا تقاضا، سالہا سال کے تجربات و مشاہدات کا نچوڑ اور تقاضائے فطرت سے ہم آہنگ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نزولِ قرآن میں بھی ہم تدریج دیکھتے ہیں کہ وہ یک بارگی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہ ہوا، بلکہ موقع اور ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ، تھوڑا تھوڑا تیئیس برس میں نازل ہوا۔ اسی طرح شراب کی حرمت کا حکم بھی یک بارگی نہیں ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ کو شراب حرام کرنا اور لوگوں کو اس کی تباہ کاریوں سے بچانا منظور ہوا تو پہلے اس کی خامیاں بتائیں اور یہ بتایا کہ اس میں گو کہ فوائد و منافع بھی ہیں، مگر اس کے نقصانات اور گناہ ان سے کہیں زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"ویسئلونك عن الخمرو المیسر، قل فیهما اثم کبیر و منافع للناس و اثمهما اکبر من نفعهما"(البقرۃ:۲۱۹)

''اور آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ دنیوی منافع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے''۔

اس آیت میں شراب کو حرام قرار نہیں دیا گیا، بلکہ اس کے نقصانات اور خسارے بیان کیے گئے اور اس کے عارضی منافع پر دائمی نقصانات کو ترجیح دی گئی اور یہ واضح کیا گیا کہ جوئے اور شراب کا گناہ ان کے نفع سے کہیں زیادہ ہے۔ نفع تو یہی ہے کہ ان سے کچھ وقتی سرور اور مستی پیدا ہوتی ہے یا ان کی خرید و فروخت سے تجارتی فائدہ ہوتا ہے اور جوئے میں کبھی مفت کا مال ہاتھ آ جاتا ہے اور گناہوں اور مفسدوں کا کیا شمار؟ عقل کا زوال، غیرت و حمیت کا زوال، عبادت سے محرومی، لوگوں سے عداوتیں، سب کی نظروں میں خوار ہونا اور مال و دولت کی بربادی وغیرہ۔ پھر جب لوگوں کے قلوب و اذہان میں اس کے نقصانات راسخ ہو چکے اور ذاتی طور پر اس سے نفرت کرنے اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تو اس فعل کو گھناؤنا اور شیطانی فعل کہا گیا اور کلی طور پر اس سے بچنے کا حکم ہوا۔ شراب کی حرمت کا حکم سن ۳ھ میں غزوۂ احزاب سے چند روز بعد نازل ہوا۔ ارشاد ربانی ہے:

"یایها الذین اٰمنوا انّما الخمرو المیسرو الانصاب والازلام رجس مّن عمل الشیطان فاجتنبوه لعلّکم تفلحون، انّما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر و یصدکم عن ذکر الله وعن الصلوٰۃ، فهل انتم منتهون "(المائدۃ:۹۰/۹۱)

''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام، تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ، شیطان یہی چاہتا کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے، تو کیا تم باز آئے''۔

مذکورہ آیتوں سے ہمیں یہ مزاج ملا کہ اسلامی احکام کی تبلیغ و ارشاد کے لیے ضروری ہے کہ اگر ہمیں مخاطب کو کسی کام سے باز رکھنا ہو تو ایک بارگی اس سے باز رہنے کا حکم نہ دیں، بلکہ بتدریج موقع اور حالات کی مناسبت سے حکم دیا کریں۔

☆ داعی اور مبلّغ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دعوت و ارشاد کا کام حرص و ہوس اور دنیوی مفاد سے خالی ہو کر انجام دے، اس کے پیش نظر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہو، کیوں کہ داعی کا کام دنیا والوں کو کچھ دینا ہے، ان سے لینا نہیں، ایک داعی کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ ''دعوت و ارشاد'' کا کام کرتے وقت صرف اپنی ذمّے داریوں کو پیش نظر رکھے۔ وہ مدعو کے طرز عمل سے بے پرواہ ہو کر اسے حق کا پیغام پہنچاتا رہے۔ اسے حق کی راہ دکھاتا رہے اور راہ حق پر چلنے کی تلقین کرتا رہے اور دل میں یہ عزم رکھے کہ اس کا اجر صرف اللہ

تعالیٰ سے حاصل کرنا ہے اور یہ یقین رکھے کہ جو خدائے کریم اپنے نا فرمان بندوں کو بھی رزق دیتا ہے، دنیوی مال متاع سے نوازتا ہے وہ اس کے دین کی راہ میں مخلصانہ اور بے لوث خدمت کرنے والے فرماں بردار بندوں کو کیوں کر محروم رکھے گا۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ با دشمناں نظر داری

قرآن کریم میں انبیائے کرام کے اس قول کو بار بار اعلان کیا :"ان اجری الّا علی اللّٰہ وامرت ان اکون من المسلمین"(یونس:۷۲)

''میرا اجر صرف اللہ کے یہاں ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کا اطاعت گزار بنوں''

سورۂ ہود میں حضرت ہود علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا گیا:
"یقوم لا اسئلکم علیہ اجراً، ان اجری الّا علی الذی فطرنی، افلا یعقلون"(ہود:۵۱)

"اے میری قوم! میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، تو کیا تمہیں عقل نہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔'' جتنے رسول آئے سب نے اپنی قوموں سے یہی فرمایا اور نصیحت خالصہ وہی ہے جو کسی طمع (لالچ) سے نہ ہو۔''(خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، ص ۳۶۴، مجلس برکات، مبارک پور)

سورۂ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ خطاب بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے:"انّی لکم رسول امین، فاتّقوا اللہ و اطیعون، وما اسئلکم علیہ من اجر، ان اجری الّا علی ربّ العالمین. (الشعراء:۱۰۷۔۱۰۹)

''میں تمہارے لیے اللہ کا بھیجا ہوا امین ہوں، تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی کے ذمۂ کرم پر ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔

ان آیات کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ انبیائے کرام دنیوی مفادات اور مادّی منافع سے خالی ہو کر صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے دعوت وارشاد کا کام کرتے تھے اس لیے انبیائے کرام کی نیابت میں دعوت و ارشاد کی ذمّے داری نبھانے والے مبلّغین ومرشدین کو بھی انہیں کے طرز فکر وعمل کو اپنانا چاہیے۔

☆ دعوت وارشاد کا کام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ دعوت وارشاد کا کام کرتے وقت سادہ، سلیس، واضح، صاف وشفّاف اور دلنشیں اندازِ بیان اپنائیں اور مخاطب کے مبلغ علم اور مبلغ عقل وفہم کا پورا خیال رکھیں، تا کہ وہ جو پیغام اسے دینا چاہیں وہ اچھی طرح اس کے ذہن ودماغ میں اتر جائے، اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو پیش نظر رکھیں ''لوگوں سے ان کی عقل وسمجھ کے مطابق بات کرو۔

اور اگر کوئی بات مشکل ہو تو اسے حسب ضرورت دو یا تین بار دہرائیں تا کہ ان کا بیان اور گفتگو با مقصد اور اثر انداز ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ یہی تھا، صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"کان النبی صلی اللہ علیہ و سلم اذا تکلّم بکلمۃ اعاد ھا ثلاثاً حتیٰ تفھم عنہ"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اس کو تین بار دہراتے، تا کہ وہ بات اچھی طرح لوگوں کے سمجھ میں آجائے۔

ہر زمانے میں تقریر کرنے اور بولنے کے ڈھنگ ہوتے ہیں، انہیں جاننا ضروری ہے، اصل مقصد تو لوگوں کے دلوں میں اپنی بات اتارنا ہے۔ سامعین جس قسم کے ہوں اسی لحاظ سے زبان وبیان اختیار کریں، کم پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے نکتے بیان کرنا، فلسفیانہ انداز میں بولنا اور مشکل الفاظ اور ترکیبیں استعمال کرنا دعوت وارشاد کے عمل کو بیکار اور بے نتیجہ بنانا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان سنن ابوداؤد میں موجود ہے:"کان کلامہ کلاماً فصلاً یفھمہ کلّ من یسمعہ"یعنی آپ کی گفتگو صاف اور واضح ہوتی تھی جو سنتا سمجھ جاتا۔

یہ دعوت و ارشاد کے تعلق سے کچھ اجمالی رہ نما اصول اور ہدایات ہیں جنہیں اپنا کر دعوت وارشاد اور تربیت واصلاح کے عمل کو مفید اور بار آور بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سے وہ کام لے جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں۔ جو دنیا میں اس کے بندوں کے لیے ہدایت ورہ نمائی کا ذریعے اور آخرت میں ہم سب کے لیے سرخروئی اور سرفرازی کا باعث ہوں۔ آمین بجاہ حبیبك سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ أجمعین.

☆☆☆☆

داعیان دین کے اوصاف

مولانا محمد شاکر نوری رضوی (امیر سُنّی دعوت اسلامی) ★

یہ تحریر بالخصوص تحریک سُنّی دعوت اسلامی کے ان داعیوں کے لیے ہے جو دعوت کی حقانیت اور بلندی پر یقین رکھتے ہیں، جنھوں نے عزم مصمّم کرلیا ہے کہ تحریک ہی کے ساتھ جئیں گے اور ان شاء اللہ تحریک ہی کے لیے جان دیں گے۔ تحریک کے انہیں ساتھیوں کو مندرجہ ذیل باتوں کا عملی نمونہ بننا چاہیے۔

(۱) اسلام کی سچی دعوت کا اہتمام۔

(۲) سنتِ نبوی کا اتباع والتزام۔

(۳) علما ومشائخ اہلِ سنت کی توقیر واحترام۔

ہر کام پر اپنا منشور پیش نظر رکھیں۔

اخلاص: اخلاص سے مراد یہ ہے کہ ہمارا اُٹھنے والا ہر قدم محض اللہ عزوجل اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے ہو۔شہرت کی خواہش، عزت کی تمنّا، اقتدار کی لالچ اور کسی خطاب کے خیال سے دل پاک ہو، ارشاد ربّانی ہے" وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ "اور اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے۔ (پارہ ۱۰ ر رکوع ۱۴ ر آیت ۶۲، کنزالایمان)

دنیا تعریف کرے یا گالی دے اس سے بے نیاز ہو کر یہ تصور دل میں جما لیں کہ ہمارا مرنا، جینا سب کچھ رب کعبہ اور دین اسلام کے غلبے کے لیے ہے۔ اگر اللہ عزوجل اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل میں کامیابی سے ہم کنار فرمائے اور گم گشتگانِ راہِ ہدایت صحیح راہ پر چل پڑیں اور پچھلے گناہوں سے تائب ہو جائیں تو اسے اپنی خوبی نہ سمجھیں بلکہ یہ عقیدہ دل میں رہے کہ دلوں کا پھیرنے والا تو خدائے عزیز وقدیر ہی ہے، یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں پیغام پہنچانے کا ذریعے بنایا۔

یاد رکھیں کہ کامیابی اور ناکامی مِنْ جانب اللہ ہے، کامیابی پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کرے، ناکامی پر مزید محنت اور کوشش کرے اور ناکامی کے اسباب بھی تلاش کرے، اخلاص میں کمی، عمل میں کوتاہی، مقصد فراموشی، عبادت میں سستی ناکامی سے ہم کنار کرنے والی چیزیں ہیں، ورنہ اللہ عزّ وجل تو کسی کی کوشش کو رائیگاں نہیں فرماتا۔ اسی کا فرمان ہے "وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى" اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔ (سورۂ والنجم، آیت ۳۸)

ناکامی پر بد دل یا مایوس ہونا مومن کا شیوہ نہیں ان شاء اللہ خالق کائنات ضرور جلد یا بدیر کامیابی سے ہم کنار فرمائے گا۔ اس کا وعدہ حق ہے" وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ "تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ (سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۸)

ہم خالص اللہ ورسول جلّ جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کی خاطر سنّی دعوتِ اسلامی کے لیے سرگرم رہیں اور سعیِ پیہم وجہد مسلسل سے اس کے ذریعے دین کو عام وتام کریں۔ اللہ عزوجل کی رضا کے علاوہ اور کچھ ہمارا مطلوب ومقصود نہ ہو۔ قرآن مقدس میں اطاعت شعاری ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" (سورہ بینہ، آیت ۴)

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعوت اور تبلیغ کے سلسلے میں ہمیشہ یہی اعلان فرمایا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس سے ہم کو کوئی دنیوی غرض اور ذاتی معاوضہ مطلوب نہیں "وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اس پر ہے جو ساری دنیا کا پروردگار ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی اعلان فرمایا" وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ" اور اے میری قوم! میں تم سے اس دولت کا خواہاں نہیں، میری جزا تو خدا ہی پر ہے۔ (سورۂ ھود آیت ۲۸)

ہمارے حضور تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کے صدقہ وطفیل ہمیں داعیِ دین ہونے کی عزت عطا کی گئی۔ ان کی قلبی کیفیت کو بیان کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے خود انھیں عطا فرمایا "قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ" تم فرماؤ میں نے تم سے اس پر کچھ اجر مانگا ہو تو وہ تمہیں کو، میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ (کنزالایمان، سبا، ۶ ر آیت ۴۷)

★ بخاری مسجد، شیدا مارگ، چارنل ڈونگری، ممبئی

اسی طرح ایک اور مقام پر محسن اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگوں کو دعوت الی اللہ کے مقصد کی وجہ بتا دینے کا حکم دیا گیا "قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا"، تم فرماؤ اس پر میں تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے کہ اپنے رب کی طرف راہ لے۔ (کنزالایمان، آیت ۵۷، فرقان)

یعنی میری اس کاوش، جدوجہد کی وجہ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو جان لو کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم لوگ حق کو قبول کر لو۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح ذہن میں بیٹھ گئی ہوگی کہ دعوت کے کام میں اخلاص سب سے زیادہ ضروری ہے، دنیا میں بھی اخلاص ہی کامیابی کی بنیاد ہے۔ کوئی بظاہر کتنا ہی بڑا نیکی کا کام کر لے، لیکن اگر اس کی نیّت کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد ذاتی منفعت یا شہرت یا نمائش تھا تو اس کام کی قدر و قیمت فوراً نگاہوں سے گر جاتی ہے۔

فکر اسلامی: ہماری فکر خالص اسلامی فکر ہو، ہماری سوچ میں کہیں سے غیر اسلامی امور داخل نہ ہونے پائیں۔ ہمیں ہر وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اسلام ایک مکمّل نظامِ حیات ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اس کے دائرے سے خارج نہیں، وہ اخلاق سنوارنے کا پیغام بھی دیتا ہے اور عدل و انصاف کا قانون بھی فراہم کرتا ہے۔ وہ رزق حلال حاصل کرنے کے طریقے بھی بتاتا ہے اور اس کے اصول بھی مہیّا کرتا ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر گوشے کو سیراب کرتا ہے، کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔

احکامِ اسلامی کی معلومات فراہم کرنے کے لیے قرآن حکیم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق کو مضبوط کرنا ہوگا۔ ہمارا مذہب وہم و گمان کا مذہب نہیں۔ اگر اللہ عزّ وجل نے فہم و بصیرت عطا فرمائی ہے کہ اپنے مسائل خود قرآن و حدیث سے حل کر سکیں تو الحمد للہ، ورنہ اللہ عزوجل نے جن خوش نصیبوں کو معرفت قرآن و حدیث کی دولت عطا فرمائی ہے ان سے استفادہ کریں۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فکرِ اسلامی تجارت کی منڈی سے لے کر گھریلو زندگی تک چھائی ہوئی رہنی چاہیے اور اس پر صد فی صد اطمینان ہونا چاہیے، فکر اسلامی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے علمائے ربّانیین سے ملاقات، زاہدین کی ہم نشینی، نیز ان حضرات کا احترام اور ان کی خوبیوں کی تعریف نہایت ہی کارآمد ثابت ہوگی۔ اولیا اللہ کے آستانوں پر حاضری اور ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کامیابی کا زینہ ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمان اور اسلام کی سر بلندی کے لیے کیا ہونا چاہیے یا وہاں پر مسلم سرگرمیاں کیا ہیں؟ اور اسلام کے لیے کیا ہو رہا ہے؟ اس کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ نیز تحریک کے افکار و نظریات کو لوگوں تک پہنچانے کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم جس تحریک سے وابستہ ہیں اس کے ذریعے اس وقت عالمی سطح پر احیائے سنت اور فرامینِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کام شروع ہو چکا ہے، دنیا کے مختلف ممالک آج بھی بے تابی سے داعیانِ دین کا انتظار کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں اگر ہم نے اپنے سے قریب ہونے والے مسلمان بھائیوں کے اذہان و قلوب کو اسلامی فکر سے مزیّن نہیں کیا تو عند اللہ ضرور ہم سے مواخذہ ہوگا۔ لہٰذا ہم ہر آنے والے کو سنوارنے کی کوشش کریں نیز اسے اچھی طرح تحریک کو سمجھنے کا موقع دیں، پہلی ملاقات میں نہ آپ اسے مکمّل سمجھ سکتے ہیں اور نہ وہ آپ کو۔ وہ جتنا آپ سے قریب ہو اس کے دل میں اسلام کی محبت پختہ ہوتی چلی جائے اور معاصی و مناہی سے نفرت پیدا ہوتی چلی جائے۔

اس طرح ساتھیوں میں اضافہ ہوگا اور پھر تشنگانِ دین کو محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جام سے سیراب کرنے میں آسانی بھی ہوگی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم خود اپنی دعوت کا عملی نمونہ بن جائیں۔

"سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کی نظر اپنے عیبوں پر ہو اور انھیں دور کرنے کی کوشش کرے"

ہم ایک طبیب کے فرائض انجام دیں کہ طبیب مریض سے نہیں مرض سے نفرت کرتا ہے، اگر معاشرے میں کوئی مسلمان برائیوں میں زندگی گزار رہا ہے اس کی دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے کوشاں ہو جائیں، وہ کیسا بھی ہے پیارے آقا کا اُمّتی تو ہے۔

اگر آپ کی نصیحت سے اس کی اصلاح ہو جائے تو جب تک وہ دیوانگیِ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جیے گا آپ کے لیے بخشش کی دعائیں کرتا رہے گا۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو یہی ذہن دیتا ہے کہ تم اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ ہم سوچتے ہیں کہ جنّت کے حق دار بن جائیں تو اپنے ان اسلامی بھائیوں کو بھی عشقِ

رسول کی راہ پرگامزن کرنے کی کوشش کریں جو برائیوں میں مبتلا ہیں۔ اور اگر اللہ عزّ وجل نے کچھ عبادت کی توفیق دی ہے تو اس پر نازاں نہ ہوں بلکہ خدا کا شکر ادا کریں۔

ایثار: دنیا میں کوئی بھی نظام بغیر ایثار و قربانی کے قائم نہ ہوسکا۔ اگر ہم عیش کدوں میں بیٹھ کر نظامِ اسلام قائم کرنا چاہتے ہیں تو حَاشَا وَ کَلّا یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ دین کی راہ میں جان، مال اور وقت قربان کر دینا یہ دین پر کوئی احسان نہیں بلکہ اس کو قبول کرنا ربّ عز وجل کا احسان ہے۔ اس لیے کہ عیب دار کا نذرانہ قبول نہیں ہوتا اور ہم تو سراسر خطاکار ہیں پھر بھی اس کا عظیم احسان ہے کہ اپنے دین کے کام کے لیے اس نے ہمیں توفیق مرحمت فرمائی۔ اگر اس راہ میں آنے والی مصیبتوں کا ہم نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور صبر و شکر کی راہ پر گامزن رہے یہاں تک کہ وقت آنے پر ہم نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی تو یہ ہماری زندگی کی معراج ہوگی۔ اس لیے کہ جو بستر پر مرتے ہیں وہ مر ہی جاتے ہیں اور جو اس کی راہ میں جان دیتے ہیں وہ جان دے کر بھی زندہ رہتے ہیں اور دائمی اجر کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ راہِ خدا میں دی گئی قربانی کے ضائع ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں تو اجر ہی اجر ہے۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری جان اور ہمارا مال سب کچھ تو احکم الحاکمین کی امانت ہے جیسا کہ رب تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃُ"

بیشک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے مال اور جان خرید لیے اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔ (کنزالایمان، پارہ ۱۱ رکوع ۳ آیت ۱۱۰ التوبہ)

ہم تو درحقیقت ان دونوں چیزوں (جان و مال) کی نگرانی کے لیے ہیں جہاں جہاں ہمیں ان کے استعمال کا حکم ملا ہے وہاں وہاں ان کو استعمال کریں تاکہ یوم حساب شرمندگی نہ ہو، رسوائی نہ ہو۔ اگر ہم امانت الٰہی کی ذمّہ داری کو بحسن وخوبی انجام دے چکے تو خالق جنت عزوجل کے وعدے کے مطابق جنت کے حق دار بن جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

دولتِ علم: دعوت کی راہ میں ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمہ وقت ہمارا معاون ہو۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق علم دین ہمارا بہترین ساتھی ہے، ارشادِ رسالت ہے "عَلَیْکُمْ بِالْعِلْمِ فَاِنَّ الْعِلْمَ خَلِیْلُ الْمُؤْمِنِ" علم کو اپنے اوپر لازم کرلو کہ علم بہترین دوست ہے۔

علم ایسا دوست ہے جو قبر کی تاریک وادی میں فرشتوں کے جواب کے لیے بھی کام آتا ہے۔ داعی سے مخاطب کو کافی امّیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہ مختلف پریشانیوں کا حل دین کے دائرے میں چاہتا ہے۔ اگر مخاطب کی پریشانیوں کا علاج قرآن وحدیث کی روشنی میں نہ کیا گیا تو وہ تشنہ چلا جائے گا، اس طرح اجر سے محرومی ہوگی۔ لہٰذا تحصیل علم میں ہمیشہ سرگرداں رہیں کبھی اپنے آپ کو مکمّل نہ سمجھیں۔

ہمارا دفتر ہو یا مکان اس کی زینت دینی کتابوں سے ہو نہ کہ قیمتی شوپیس سے اور یہ کتابیں برائے زینت نہ ہوں بلکہ برائے مطالعہ ہوں۔ اور مطالعہ برائے مطالعہ نہ ہو بلکہ برائے عمل ہو یہی تقاضائے دینِ متین ومنشائے شرع مبین ہے۔

روزمرّہ کے معمولات میں سے کچھ وقت مخصوص کریں جو تحصیل علم یا مطالعہ کے لیے ہو اور علم نافع کے حصول کی دعا کریں۔ اور تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر علم میں اضافہ کی دُعا کرتے رہیں "رَبِّ زِدْنِی عِلْماً" اور عرض کریں کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے" ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صدقہ مل جائے گا۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد عبادات میں سب سے بہترین عبادت تحصیل علم ہے۔

حضور حافظ ملّت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان (بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) ارشاد فرماتے ہیں کہ داعیان دین کے لیے بہترین وظیفہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔

حضور سیّدالعلما سید آلِ مصطفےٰ مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں کہ داعیانِ دین کو روزانہ کم ازکم دو سو صفحات کتب بینی کرنی چاہیے۔

یاد رہے قرآن وسنت کی روشنی میں علم کے بغیر دعوت کا کام بھٹکنا اور بھٹکانا ہے۔ قرآن حکیم کا ترجمہ کنزالایمان، کتب احادیث وتفسیر، تاریخ اسلام، سیرتِ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، علمائے اہل سنت بالخصوص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصنیف کردہ کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں۔ بزرگوں کی سیرت اور ان کے واقعات اور ان کی کتابوں کا بھی مطالعہ کریں۔ یاد رہے قرآن مقدس کی روشنی میں بزرگ تر وہی ہے جو صاحب تقویٰ ہو۔ چنانچہ رب عزوجل کا فرمان ہے:" اِنّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"

بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے"۔(کنزالایمان، سورۃ الحجرات، آیت ۱۲)

اور تقویٰ بغیر علم کے نہیں ہوسکتا۔ چاہے وہ درسگاہ سے ملے یا من جانب اللہ ملے یا بزرگوں کی نظر سے ملے۔ اپنی زندگی اس راہ میں لگادو تاکہ علم کی روشنی میں دنیا کو اُجالے میں لاسکو۔

برائے مطالعہ

بہارِ شریعت حصہ اول:	ضروری
تمہیدِ ایمان:	ضروری
قانونِ شریعت:	ضروری
تجلی الیقین:	ضروری
سرورالقلوب:	ضروری
جذب القلوب:	ضروری
بہارِ شریعت حصہ ۱۶:	ضروری
اخبارالاخیار مترجم:	ضروری
تیکمیل الایمان مترجم:	ضروری
تحقیقات اول ودوم:	ضروری
فتاویٰ افریقہ:	ضروری
سیرتِ رسول (عربی) یا سیرۃ المصطفٰی:	ضروری
مبارک راتیں:	ضروری
مکاشفۃ القلوب:	ضروری
کیمیائے سعادت:	ضروری
نفحات الانس، بزم اولیا:	ضروری
عظمتِ والدین:	ضروری

عمل: علم بغیر عمل کے ایسے ہی ہے جیسے درخت بغیر پھل کے۔ یہ کتنی بڑی منافقت ہوگی کہ ہم کہیں کچھ اور کریں کچھ۔ خالقِ کائنات جل جلالہ نے ارشاد فرمایا "اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو۔

(کنزالایمان، سورۃ البقرہ، آیت ۴۴)

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم جو دعوت لوگوں کو دیں اس دعوت کا اوّلیں مخاطب اپنی ذات کو بنائیں، اپنے وجود کو مکمّل اسلامی رنگ میں رنگ ڈالیں، ہمارا ایک ایک عمل اسلام کے دائرے میں ہو۔ اگر ہم نے اپنی ذات کو دعوت سے محروم رکھا اور ساری کائنات میں دین کی دعوت پہنچانے میں سرگرداں رہے تو یہ اپنی دعوت کا مذاق اڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کھلی ہوئی منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور ایسا کرنے میں دارین میں رُسوائی کے علاوہ اور کیا ہاتھ آئے گا؟۔

داعی کا کردار قوم کے لیے نمونۂ عمل ہوتا ہے، داعی کی بے عملی اور سستی کو دلیل بنا کر اگر کوئی جاہل بے عملی کا شکار ہوگیا تو انجام کتنا خطرناک ہوگا، اللہ عزّ وجل ہم سب کو اپنے پیارے حبیب کے صدقہ وطفیل دارین کی رُسوائی سے بچائے۔ آمین بجاہ حبیبہٖ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

اچھی صحبت

اللہ عزوجل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔ (پارہ ۱۱/آیت ۱۱۸)

علم پر عمل کی طرف ابھارنے والی چیز صالحین کی صحبت ہے۔ اچھی صحبت کی بنیاد پر اچھا جذبہ پیدا ہوتا ہے، تحریک کے کامیاب اور زیادہ باعمل ساتھیوں کی طرف نظر ہونی چاہیے اور ان کی صحبت سے استفادہ کرنا چاہیے۔ تاکہ کج روی، کوتاہی اور نفس کی شرارتوں سے بچنے کا ہنر پیدا ہوسکے۔ حق بات اور اچھائی کو قبول کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ سعادت مندوں کی نشانی ہے۔ بے جا ضد، ہٹ دھرمی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

چند ساعت صحبتے با اولیا — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

علمائے باعمل کی صحبت سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے اور ان کے درس میں شرکت کے لیے وقت نکالنا چاہیے تاکہ قرآن وحدیث کے رموز واسرار سے واقفیت حاصل ہو۔ اس لیے کہ حکمت ودانائی کی ایک بات کبھی عرصۂ دراز کے لگے ہوئے زنگ کو دور کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ ایسی محفلوں سے سخت اجتناب کریں جہاں ضمیر کو جگانے کے بجائے سلایا جارہا ہو اور اسلامی روح کو زک پہنچانے والے اعمال کی نمائش ہورہی ہو۔

یاد رکھیں! درس اور محفل سے مراد علمائے حق وعلمائے اہل سنت کی محفل اور درس ہے ورنہ وہ لوگ جن کے دل کا دِیا بجھ چکا ہو ایسوں کی زبان سے قیل وقال بے مقصد ہوگا اس لیے کہ اندھیرے کا مسافر اجالا نہیں دے سکتا۔

استقامت: دین کی راہ میں آزمائش وابتلا سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی آلام ومصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اور کبھی اپنے، پرائے کی طعنہ زنی قلب وجگر میں لرزہ پیدا کردیتی ہے۔ کبھی داعیان دین کو

خریدنے کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی مکروفریب کے جالے اس طرح بُن دیئے جاتے ہیں کہ آدمی اس کو سمجھ تک نہیں سکتا۔ کبھی مسلسل تگ ودو کے باوجود خاطر خواہ کامیابی نہ ملنے پر طبیعت میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے غرض کہ مختلف طریقوں سے داعی دین آزمایا جاتا ہے لیکن کامیاب داعیِ دین وہی ہوسکتا ہے جس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے بلکہ طوفان اپنا رُخ موڑ دے، طعنہ دینے والے سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ اسے دعوت سے کسی صورت سے نہیں روکا جا سکتا۔ استقامت کا مظاہرہ کرنے والے کو ان شاء اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کی مدد ملے گی۔

اللہ عزوجل کا وعدہ ہے "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا' (پارہ۲۱، آیت ۴۷)

محبتِ رسول: ذات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کس حد تک ہونی چاہیے۔ خود پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سنئے، ارشاد فرماتے ہیں۔ "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ'' تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور بقیہ تمام انسانوں کے مقابلے میں اس کے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)

صحابہ کرام اور اولیائے کرام علیہم الرضوان میں اطاعت الٰہی عزَّ وجلَّ واطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عظیم جذبہ تھا اس کی وجہ کیا تھی؟

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور انھیں ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہتا کہ محبت رُسوا نہ ہونے پائے، کوئی یہ نہ کہے کہ عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کر رہا ہے۔ لہٰذا رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو خوب خوب اپنے دل میں جا گزیں کرلیں اور یہ محبت ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوتی ہے۔

محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اضافہ کے لیے معجزات وکمالات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں اور ان کا ذکر کریں۔ نیز خالق کائنات جلَّ وعَلا نے جس طرح قرآن مجید میں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کی ہے اور جو آداب بارگاہِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہیں انھیں اچھی طرح سے پڑھیں۔ حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ "تجلی الیقین" اور محقق علی الاطلاق، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "جذب القلوب" کا مطالعہ اس کے لیے بہت مفید ہے۔

اسی طرح عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مزید اضافہ وپختگی کے لیے نعت پاک بہترین ذریعہ ہے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دل میں کس قدر ہے اس کو جانچنے کا بہترین آلہ یہ ہے کہ جب کوئی کام احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹکراتا ہو یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو اگر چہ اس میں مال کی فراوانی، ظاہری عزت وشہرت و بلندی حاصل ہوتی ہو اس کی طرف قدم بڑھنے سے رُک جائیں تو سجدۂ شکر بجا لائیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے آپ کے سینے کو منوّر کر دیا ہے اور اگر قدم پھسل جائیں تو ڈرنا چاہیے کہ جس محبت کا تقاضہ ہم سے اللہ عزوجل اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہ محبت تکمیل تک نہیں پہنچی۔

آیئے! چند صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیفیت کو پڑھیں تا کہ دعوت کی راہ میں ہمارے حوصلے بلند ہوں اور حصول محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آسان ہو جائے۔

☆ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "اگر مجھے اپنی اُمت کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں لوگوں کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا'' اس کے بعد حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول ہو گیا کہ جب نماز کے لیے مسجد میں آتے تو ان کے کان پر مسواک ہوتی جس طرح کہ لکھنے والا قلم کو کان پر رکھ لیتا ہے۔ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو مسواک دانتوں میں گھما لیتے اور پھر اسے اپنی جگہ پر رکھ لیتے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اپنی پسند کا اظہار فرمایا تھا تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو زندگی بھر کے لیے محبوب بنائے رکھا تا کہ رضائے محبوب حاصل ہو جائے۔ یہ کیفیت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی نہیں تھی بلکہ ہر صحابیِ رسول کا یہی حال تھا۔

☆ حضرت ابن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خزیم اسدی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کیا خوب ہی آدمی ہیں سوائے دو باتوں کے کہ ان کے گیسو بہت لمبے ہیں اور تہبند گھسٹتا ہے۔

حضرت خزیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے استرہ لیا اور گیسو کاٹ کر کان کے برابر کر لیے اور تہبند پنڈلی تک چڑھا لی۔ (ابوداؤد)

محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو ثبوت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیش کیا ہے کوئی پیرو کار کسی مقتدا کے لیے پیش نہیں کرسکتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اہل باطل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دیوانگیِ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سرخمیدہ نظر آتے یا میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے۔

لہٰذا ہر داعیِ دین کے لیے ضروری ہے کہ محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دل میں خوب خوب جاگزیں کر لے اور جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ محبت رسول ذکرِ رسول و نعتِ رسول سے پیدا ہوتی ہے اور پھر بات بھی صحیح ہے جو جس سے زیادہ محبت کرتا ہے اسی کا ذکر زیادہ کرتا ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعویٰ محبت کرتے ہیں تو ہمیں بھی آپ ہی کا ذکر کثرت سے کرنا ہوگا۔

بدمذہبوں سے دوری: آج کل کئی ایک بدمذہب فرقے پائے جاتے ہیں جیسے دیوبندی، وہابی غیر مقلد، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، صلح کلی، رافضی، قادیانی، منکرین حدیث ان سے گھن کریں اور ان کو اپنے سے دور رکھیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ“ ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور رکھو کہیں یہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں اور کہیں یہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ ایک دوسری حدیث پاک میں ہے کہ نہ ان کے ساتھ کھاؤ، نہ پیو، نہ بیٹھو، نہ شادی بیاہ کرو، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو، نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھو، ان کی صحبت ایمان وعقیدہ کے لیے زہر قاتل ہے۔ لہٰذا ان سے دور رہنا ضروری ہے۔ یونہی جھوٹ، چغلی، غیبت، حسد، بغض، کینہ، حرص و طمع، لڑائی جھگڑا وغیرہ سے لازمی طور پر اجتناب کریں۔

باہمی اخوت: یوں تو جملہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن ایک ہی تحریک کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ بھائی چارگی کا رشتہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے، تحریک کے ساتھیوں میں بھائی چارگی کے نظام کو قائم کریں۔ ایک دوسرے کی خوشی اور ایک دوسرے کے غم میں شریک ہوں۔ اپنے ساتھیوں کی خوبی بیان کریں اور کمی کو دور کریں، ایک دوسرے کی عیب جوئی کے بجائے عیب پوشی کریں۔ رشتۂ اُخوت کو توڑنے کی ہزار کوششیں کی جائیں لیکن سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے ہو جائیں۔ اگر کسی ساتھی سے دل آزاری ہوئی ہو تو عفو و درگذر کی عادت اختیار کریں۔ اپنے کامیاب ساتھیوں کے لیے دل میں محبت پیدا کریں اور ان کی خوبیوں کو اپنا کر خود بھی کامیابی کی راہ کے مسافر بنیں۔ یہ نہ ہو کہ شیطانی وساوس کے شکار ہو کر دل میں کینہ رکھیں۔ اپنے ہر بھائی کی تکلیف وراحت کا خیال رکھیں، تحریکی مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کو قربان کریں اور ہزار کامیابی کی منزلوں کو چھو لینے کے باوجود اپنے رویّے میں کہیں سے کوئی بھی تکبر یا اپنے دیگر ساتھیوں کو حقیر سمجھنے کا جذبہ پیدا نہ ہونے دیں۔

اور یہ بات ہمیشہ دل و دماغ میں رہے کہ کوئی بھی شخص اگر محبت و اعتماد کرتا ہے تو دین کی وجہ سے کرتا ہے، ورنہ ہم میں اور عام انسان میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا خاتمہ بالخیر سے پہلے اپنے آپ کو کامیاب تصوّر کرنا یہ سراسر بیوقوفی ہے۔ اللہ عزوجل ہم سب کو شیطانی شرارتوں سے محفوظ رکھے اور اخلاص و بھائی چارگی کے ساتھ دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

باہمی اخوت کو پارہ پارہ کرنے والی چیز تمسخر ہے جس کی مذمّت قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ“ (پارہ۲۶ الحجرات۔ آیت۱۰) لہٰذا تمسخر سے پرہیز کریں۔

خوش طبعی: خوش مزاجی وخوش طبعی ہر صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ کبھی کبھی اچھا مزاح کر لیا کریں اس سے ساتھیوں میں محبت و اخوت پیدا ہوگی۔ خوش مزاج بنیں، سب سے اچھی طرح پیش آئیں۔ ایک داعی کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح وملاعبت کے آثار و برکات حد وشمار سے باہر ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی جو کہ حضور کی ربیبہ تھیں وہ حضور کے پاس آئیں آپ غسل فرما کر تشریف لائے ہی تھے آپ نے مزاحاً ان کے چہرے پر پانی کی چھینٹیں ماریں۔ اس کی برکت سے آپ کے چہرے پر وہ حسن و جمال رُونما ہوا جو کبھی نہ ڈھلا، شباب کا عالم ہمیشہ برقرار رہا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزاحی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ دیہاتوں میں ایک شخص ”زاہر“ نام کا تھا کبھی کبھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیہات کی ایسی ترکاریاں ہدیہ میں لایا کرتا جو حضور کو پسند تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ

وسلم اس کی واپسی پر شہر کی چیزیں مثلاً کپڑا وغیرہ عنایت فرمایا کرتے تھے اور حضور اس کو دوست رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ''زاہر'' سے ہمارا دوستانہ ہے ہم اس کے شہری دوست ہیں۔ ایک روز حضور بازار تشریف لے گئے تو زاہر کو کھڑا دیکھا۔ حضور نے اس کی پشت سے اپنا دست مبارک اس کی آنکھوں پر رکھ کر اسے اپنی جانب کھینچا اور لپٹا لیا اور اپنا سینہ مبارک اس کی پشت سے ملا دیا۔ وہ حضور کو نہیں دیکھ سکا تھا کہنے لگا یہ کون ہے؟ اور جب پہچان لیا کہ حضور ہیں تو اپنی پُشت کو حضور کے سینۂ مبارک سے اور ملا دیا اور نہیں چاہا کہ جدا ہو۔ پھر حضور نے فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے۔ زاہر نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے کھوٹا اور کم قیمت مال تصور کیا ہے؟ فرمایا تم خدا کے نزدیک تو کھوٹے نہیں ہو بلکہ گراں بہا ہو۔ (مدارج النبوۃ حصہ اول ص ۸۹/۹۰)

فکرِ آخرت: اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ملت اسلامیہ کو دین کی قدروں سے آشنا کرنے کے ساتھ ساتھ فکرِ آخرت کا جذبہ بھی دلوں میں پیدا کرنا چاہیے اس لیے کہ جب داعی کے دل و دماغ پر آخرت کی فکر چھائی ہوئی ہوگی تو وہ اپنے ہر عمل کی جزا و سزا کا خیال رکھیں گے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کے مخلص داعی کے دل و دماغ پر اجر کا تصور نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ مولیٰ کی رضا اور اپنے گناہوں پر نظر رہتی ہے۔

اجلۂ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم فکرِ آخرت میں لرزاں و ترساں رہتے۔ حضور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں اگر احکم الحاکمین قیامت میں یہ ارشاد فرمائے کہ میں نے سب کو بخش دیا سوائے ایک کے تو میں سوچوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں اور اگر قیامت میں رب ارشاد فرمائے کہ سب کو جہنم میں ڈال دو سوائے ایک کے تو میں سوچوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس کا رتبہ انبیا علیہم السلام کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ ہو اس ذاتِ پاک کی فکرِ آخرت کا عالم کیا ہے؟ اگر ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ہے تو کامیاب داعیوں کی راہوں اور طریقوں پر ہی چلنا ہوگا۔ اچھوں کے صدقے میں اللہ عزوجل ہمیں اچھا اور کامیاب بنا دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اطاعت امیر: تحریک کے ہر ساتھی کو اپنے امیر پر کامل اعتماد ہو، اس کی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہو اور اخلاص و دل سوزی کی طرف سے بھی اطمینان ہو، اس کی عزت واحترام کے جذبے سے سینہ سرشار ہو۔

یاد رہے کہ امیر پر اعتماد کے بغیر تحریک کا کارواں منزل کی طرف رواں دواں ہونے کے بجائے تھک کر راستے ہی میں بکھر جاتا ہے۔ ماضی کی سیکڑوں تحریکیں اس بات کی شاہد ہیں جو عدم اعتماد کی وجہ سے کامیابی سے ناکامی میں تبدیل ہوگئیں، دین اور شریعت کے معاملے میں امیر کی اطاعت لازمی ہے۔

امیر کی طرف سے صادر ہونے والے احکام کو فیصلہ کن جانے۔ ان میں بحث ومباحثہ یا نکتہ چینی کی ذرا بھی گنجائش نہ سمجھے اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے، اگر کوئی فیصلہ نظر ثانی کے لائق ہو تو مشورہ ضرور دے اور اپنی رائے سے ضرور مطلع کرے لیکن ادب اور اخلاص کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے۔

یاد رکھیں! امیر اور دعوت کے سپاہیوں کے درمیان اعتماد اور اطمینان کی جتنی عمدہ اور خوشگوار فضا قائم ہوگی تحریک کا نظام اتنا ہی مضبوط ہوگا۔ اس لیے کہ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اِنْ اُمِرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُّجدِعٌ یَّقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْالَہٗ وَاَطِیْعُوْا'' (مسلم شریف)

اگر کوئی نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے مطابق لے چلے تو تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

ایک اور مقام پر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنْ تُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبْشِیٌّ کَانَ رَاْسُہٗ زَبِیْبَۃً ''

سنو اور اطاعت کرو اگر چہ ایک حبشی غلام بھی تمہارا ذمے دار بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی مانند چھوٹا اور بدنما ہو۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں اگر انسانوں کی سربراہی کی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے سپرد ہوتی ہے جو کسی وجہ سے چہیتا نہ ہو بہت سے لوگ اسے اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں اس کے باوجود امت کی اجتماعیت اور اس کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر ایسا شخص بھی امیر مقرر کیا گیا ہو تو اس کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اگر امیر کی طرف سے کسی ایسے رویے کا اظہار ہو اور وہ کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کرے جو آدمی کو ناپسند ہو ایسی حالت میں بھی امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچنا روا نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ وہ رویّہ خلافِ شرع ہو تو اس پر تنبیہ کا ہر مسلمان کو حق ہے۔

جو شخص امیر کا مطیع وفرمانبردار نہ رہا اور مرگیا تو ایسے شخص کی موت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہالت کی موت فرمائی ہے۔ ارشادِ رسالت ہے: ''جو کوئی اپنے امیر کی طرف سے کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو چاہیے کہ صبر کرے اس لیے کہ جو کوئی جماعت سے ایک بالشت دوری بھی اختیار کرتا ہے اور اس کو اسی حالت

میں موت آجاتی ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے‘‘۔

☆☆☆

بزرگوں کی نصیحتیں

حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم کے اقوال زرّیں

(۱) کسی حریص کو اپنا مشیر نہ بناؤ کیوں کہ وہ تم سے وسعت قلب اور استغنا چھین لے گا۔

(۲) کسی جاہ پسند کو اپنا مشیر نہ بناؤ کیوں کہ وہ تمہارے اندر حرص وہوس پیدا کر کے تمہیں ظالم وآمر بنا دے گا۔

(۳) تنگ دلی، بزدلی، اور حرص انسان سے اس کا ایمان سلب کر لیتی ہے۔

(۴) ایسے مشیر بہتر ہیں جنہیں خدا نے ذہانت وبصیرت دی۔ جن کے دامن داغِ گناہ
اور کسی ظلم کی اعانت سے پاک ہوں۔

(۵) کارخانۂ قدرت میں فکر کرنا بھی عبادت ہے۔

(۶) زمانے کے لمحے لمحے میں آفات پوشیدہ ہیں، موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔

(۷) ندامت گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور غرور نیکیوں کو۔

(۸) جلد معاف کرنا انتہائی شرافت اور انتقام میں جلدی انتہائی رذالت ہے۔

(۹) برا آدمی کسی کے ساتھ نیک گمان نہیں کرتا کہ وہ ہر ایک کو اپنی طرح سمجھتا ہے۔

(۱۰) میزانِ عمل کو خیرات کے وزن سے بھاری کرو۔

(۱۱) جو لوگ مردار دنیا کے سبب بھائی بند بنے ایسی بھائی بندی دنیا کی حرص میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے مانع نہیں ہوتی۔

(۱۲) جو شخص اپنے اقوال میں حیادار ہے وہ اپنے افعال میں بھی حیادار ہوگا۔

(۱۳) جس کے اپنے خیالات خراب ہوتے ہیں وہ دوسروں کے حق میں زیادہ بدظن ہوتا ہے۔

(۱۴) دنیاداروں کی دوستی معمولی اور ادنیٰ بات پر ٹوٹ جاتی ہے۔

(۱۵) نیک کام میں کسی کے پیچھے ہونا بُرے کام کی پیشوائی سے بہتر ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انمول نصیحتیں

جن پر داعیِ دین اگر عمل کرے تو دارین میں سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے:

(۱) تم بادشاہ سے ایسا عمل رکھو جیسے آگ سے رکھتے ہو، کہ اس سے دور رہتے ہوئے فائدہ اٹھاؤ، بہت قریب نہ جاؤ۔

(۲) عوام کے سامنے صرف اسی بارے میں بات کرو جس کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے، ان کے سامنے نہ ہنسو، نہ مسکراؤ۔

(۳) بازاروں میں زیادہ نہ جاؤ اور دوسروں کی دکانوں میں نہ بیٹھو اور نہ راستوں میں ٹھہرو۔

(۴) گھر کے علاوہ کسی جگہ بیٹھنا چاہو تو مسجد میں جا بیٹھو۔

(۵) سسرال میں بیوی کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرنا اور دو بیویوں کو ایک گھر میں جمع نہ کرنا۔

(۶) حق گوئی میں کسی کی پروا نہ کرنا خواہ بادشاہِ وقت کیوں نہ ہو۔

(۷) خود کو عوام اور اپنے گرد وپیش والوں سے زیادہ عبادت گزار بناؤ۔

(۸) اہل علم کے شہر میں جاؤ تو عامی بن کر جاؤ تاکہ وہاں کے اہل علم تم کو اپنا حق مارنے والا نہ سمجھ لیں اور نہ ان کی موجودگی میں مسئلہ بتاؤ، نہ ان کے اساتذہ پر طعن کرو۔

(۹) زیادہ ہنسنے اور عورتوں کے ساتھ زیادہ باتیں کرنے سے دل مردہ ہوتا ہے۔

(۱۰) راستہ چلنے میں وقار وطمانیت اختیار کرو، کاموں میں جلدی نہ کرو اور جو شخص تمہیں پیچھے سے پکارے اس پر توجہ نہ دو۔

(۱۱) گفتگو میں زیادہ چیخ پکار نہ کرو۔ لوگوں کے درمیان اللہ عزوجل کا ذکر کرو، تاکہ لوگ سیکھیں۔

(۱۲) نمازوں کے بعد اپنے لیے کچھ ورد مقرر کر لو، ہر ماہ چند دن روزے کے لیے خاص کر لو، اور اپنے نفس کی نگرانی کرو۔

(۱۳) جب تمہیں کسی کی برائی کا علم ہو تو اس کا تذکرہ نہ کرو۔ اس کی کوئی اچھائی تلاش کرو اور اسی سے اس کا ذکر کرو۔

(۱۴) قرآن مقدس کی تلاوت، قبورِ مشائخ اور مبارک مقامات کی زیارت کثرت سے کرو۔

(۱۵) بخل سے گریز کرنا، کیونکہ بخل انسان کو رسوا کرتا ہے اور نہ لالچی اور جھوٹا بننا، بلکہ اپنی مروت ہر معاملے میں محفوظ رکھنا۔

(۱۶) بڑوں کے ہوتے ہوئے اس وقت تک نشست میں برتری اختیار نہ کرو جب تک وہ تمہیں خود پیش کش نہ کریں۔

مذکورہ نصیحتیں ان سو نصیحتوں میں سے ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمائی تھیں۔

سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے اقوال زرّین

(۱) محبتِ دنیا کے علاوہ اگر ہمارا اور کوئی گناہ نہ بھی ہو پھر بھی ہم دوزخ کے حق دار ہیں۔

(۲) رہنے کے لیے مکان، پہننے کے لیے لباس اور پیٹ بھرنے کے لیے روٹی اور بیوی دنیا داری نہیں، دنیا داری یہ ہے کہ دنیا ہی کی طرف منھ ہو اور اللہ کی طرف پیٹھ۔

(۳) دنیا دار دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور دنیا اہل اللہ کے پیچھے۔

(۴) مخلوق تین طرح کی ہیں فرشتہ، شیطان اور انسان۔ فرشتہ خیر ہی خیر ہے اور شیطان شر ہی شر ہے، انسان مخلوط ہے جس میں خیر و شر دونوں ہیں، جس پر خیر کا غلبہ ہوتا ہے وہ فرشتوں میں مل جاتا ہے اور جس پر شر کا غلبہ ہو وہ شیطان سے۔

(۵) مومن اپنے اہل وعیال کو اللہ پر چھوڑتا ہے اور منافق زر و مال پر۔

(۶) اپنی مصیبت کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوگی۔

(۷) ذکر جب قلب میں جگہ بنا لیتا ہے تو بندہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں دائمی مشغول ہو جاتا ہے چاہے اس کی زبان خاموش ہو۔

(۸) تنہائی میں خاموش رہنا بہادری نہیں، مجلس میں خاموش رہنے کی کوشش کرو۔

(۹) بہترین عمل لوگوں کو دینا ہے لوگوں سے لینا نہیں۔

(۱۰) لوگوں کے سامنے معزز بنے رہو اگر اپنا افلاس ظاہر کروگے تو لوگوں کی نگاہوں سے گر جاؤ گے۔

(۱۱) میانہ روی نصف رزق ہے اور اچھے اخلاق نصف دین۔

(۱۲) وہ انسان کتنا کم نصیب ہے جس کے دل میں جانداروں پر رحم کی عادت نہیں۔

(۱۳) تیرے سب سے بڑے دشمن تیرے برے ہم نشین ہیں۔

(۱۴) تمام اچھائیوں کا مجموعہ عمل سیکھنا، عمل کرنا، اور دوسروں کو سکھانا ہے۔

(۱۵) جو اللہ تعالیٰ سے آشنا ہوا اس نے خلقِ خدا کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کیا۔

(۱۶) جب عمل میں تجھے حلاوت نہ ملے یوں سمجھ تو نے اسے کیا ہی نہیں۔

(۱۷) جب تک تیرا اِترانا اور غصہ کرنا باقی ہے خود کو اہلِ علم میں شمار نہ کر۔

(۱۸) ظالم اپنے ظلم سے مظلوم کی دنیا خراب کرتا ہے اور اپنی آخرت۔

(۱۹) عقل مند پہلے قلب سے مشورہ کرتا ہے پھر زبان سے بولتا ہے۔

(۲۰) اس بات کی کوشش کر کہ گفتگو کا آغاز تیری جانب سے نہ ہو، تو صرف جواب دینے والا رہے۔

چند گذارشات

(۱) فرائض وسنن کی پابندی ان کے وقتوں پر کریں۔

(۲) روزانہ تلاوت قرآن مقدس کے لیے کچھ حصہ متعین کر لیں، کوشش کریں کہ ختم قرآن مقدس تین ماہ سے زیادہ اور تین دن سے کم نہ ہو۔

(۳) قرآن کی کچھ آیتوں کا ترجمہ کنز الایمان ضرور روزانہ پڑھیں، ساتھ ہی اس کا تفسیری حاشیہ بھی پڑھیں۔

(۴) زبان سے سچ کے علاوہ کوئی بات نہ نکلے، کبھی بھول سے بھی جھوٹ نہ بولو۔

(۵) وعدے کے پکے بنیں، حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، وعدہ خلافی سے پرہیز کریں۔

(۶) باوقار بنیں، سنجیدگی کا دامن ہاتھوں سے کبھی چھوٹنے نہ پائے، ہاں دل آویز تبسّم اور سنجیدہ تفریح پر وقار متانت کے خلاف نہیں۔ البتہ کثرتِ مزاح وقار وعزت کو گرا دیتی ہے نیز ساتھیوں میں بُعد پیدا کرتی ہے۔

(۷) حساس بنیں، اچھائی اور بُرائی کا اثر لو (اچھائی سے خوشی اور برائی سے ضرور رنج ہو) تواضع اور انکساری کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹے۔ البتہ چاپلوسی اور بے غیرتی سے پرہیز کرو۔

(۸) غصے میں بھی صحیح فیصلے کی عادت اختیار کریں، کسی کی اچھائیوں کو عداوت کی نگاہ سے نہ دیکھیں چاہے اس کی ذات سے تمہیں کتنی ہی اذیّت پہنچی ہو۔ اور نہ محبت میں کسی کی برائیوں کو اچھائیوں کے ترازو میں رکھو۔

(۹) حق گو بنیں چاہے اس کی زد تمہاری ذات یا تم سے متعلق

تمہارے عزیز پر ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو۔

(۱۰) مخلوق خدا کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ خدمت کے موقع کو غنیمت جانو، اس پر اللہ عز وجل کا شکر ادا کرو، مریض کی عیادت کرو، پریشاں حال کے ساتھ ہمدردی کرو۔ اور یاد رکھو! کئے گئے احسان کا تذکرہ کبھی نہ کرو کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ احسان جتانے والے پر خداوند قدوس قیامت کے دن رحمت کی نظر نہ فرمائے گا۔

(۱۱) عفو و درگذر کی عادت اختیار کریں، انسان اور حیوان سب کے ساتھ شفقت کریں۔

(۱۲) اسلام کے اجتماعی آداب کا ہمیشہ خیال رکھیں، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم کریں، عیب جُوئی سے پرہیز کریں اور غیبت سے زبان کی حفاظت کریں۔ سب سے بہتر انسان وہ ہیں جو اپنے عیب تلاش کریں۔

(۱۳) بہتر سے بہتر لکھنے پڑھنے کی کوشش کریں۔ روزانہ اخبار کا مطالعہ نیز عالمی حالات کا خبروں کے ذریعے تجزیہ کریں۔

(۱۴) مستقل طور پر معاشی جِد وجُہد جاری رکھیں، اگر چہ تم بے احتیاج ہو، تمہاری ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور تم بے سہاروں کا سہارا بن سکو۔

(۱۵) تمہارے اندر یہ جذبہ ضرور ہو کہ اپنی ڈیوٹی نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں، کوتاہی اور خلاف ورزی سے پرہیز کریں۔

(۱۶) حلال و جائز پیشے کے علاوہ کوئی ناجائز وحرام پیشے کا تصور بھی دل و دماغ میں نہ آنے پائے خواہ اس کے پیچھے کتنا ہی پاکیزہ مقصد پوشیدہ ہو۔

(۱۷) حقوق العباد کی ادائیگی میں حد درجہ احتیاط رکھیں۔ والدین اہل وعیال اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی دارین میں شرمندگی کا سبب بن جاتی ہے۔

(۱۸) کاروبار ہو یا ملازمت اپنے مال کا کچھ حصہ تحریک کے فروغ کے لیے خاص کریں اور غربا و مساکین کے لیے بھی متعین کریں، خواہ آپ کی آمدنی تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۹) اسلامی اخلاق کے اِحیا کے لیے بھرپور محنت کریں، ہمارا اخلاق باطل مذہب والوں سے ہمیں ممتاز کردے اور اسلام کی محبت اور سچائی کا یقین لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ انداز سلام و کلام سے لے کر طعام و منام تک اسلامی رنگ نمایاں ہو۔

(۲۰) آخرت کی تیاری اور سزا و جزا کے تصور کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھیں۔ یاد رکھیں! دل میں چھپی ہوئی ہر بات کو احکم الحاکمین جانتا ہے، کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں چاہے گھر کی تاریک کوٹھری میں کیا ہو یا دن کے اجالے میں۔

(۲۱) صحت کا بھرپور خیال رکھیں، کسل ولاغری سے بچنے کے لیے طبی معائنہ کرائیں، ہمیشہ چاق وچوبند رہنے کی کوشش کریں اس کے لیے وقت پر آرام و طعام اچھے معاون ثابت ہوں گے۔ اور تیز مشروبات سے پرہیز بھی معاون ثابت ہوں گے۔ تمباکو نوشی، گٹکھا، تمباکو والے پان، بکثرت چائے صحت کے لیے ضرر رساں ہیں ان سب سے بچنا ضروری ہے۔

(۲۲) تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھو اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جینے اور مرنے کا عزم رکھو۔

(۲۳) ادائیگی صلوۃ میں ذوق وشوق واطمینان کا خیال رکھیں اور امت کا بھرپور خیال رکھیں، جماعت کی پابندی کا بھی خیال رکھیں، جہاد کا جذبہ ضرور رکھیں تا کہ وقت جہاد راہ خدا میں نذرانۂ جاں پیش کر کے کامیاب ہو سکیں۔

(۲۴) بہ کثرت توبہ واستغفار و درود شریف کا ورد کیا کریں۔ کبائر گناہ تو بہت دور رہے صغائر سے بھی اجتناب کریں۔ سونے سے پہلے احتساب ضرور کر لیا کریں تا کہ دن بھر کی اچھائیاں اور برائیاں سامنے آجائیں۔

(۲۵) وقت کی قدر کریں اس لیے کہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا، چند لمحات بھی رائیگاں نہ جائیں اس کا خیال رکھیں۔

(۲۶) زیادہ تر باوضو رہنے کی عادت بنائیں کہ اس سے گناہوں سے بچنے اور نیکیاں کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲۷) برے دوستوں اور معصیت کی جگہوں کے قریب تک نہ جائیں۔

(۲۸) زمین کے ایک ایک گوشے میں تحریک کے کام کے لیے کوشاں رہیں، قیادت کی رہنمائی میں ہی قدم آگے بڑھائیں۔ اپنے جملہ حالات کی اطلاع تحریک کے قائد کو دیتے رہیں، ان کی اجازت کے بغیر کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو بنیادی طور پر نقصان دہ ہو۔ آپ کی حیثیت ایک فوجی کی سی ہو جو بے تابی سے اپنے کمانڈر کے حکم کا انتظار کر رہا ہو۔ حکم عدولی اور قیادت پر شبہ وتردد تحریک کو بے جان کر دے گی اور شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

یہ چند گذارشات مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر میں نے اپنے مخلص ساتھیوں کے لیے صرف رضائے الٰہی ورضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ترتیب دی ہیں تا کہ توشۂ آخرت ہو اور اسلام کی عظمت سے دنیا آشنا بھی ہو سکے۔

............☆☆☆............

داعی کے اوصاف اور دعوت کے چند سنہری اصول

تاج محمد خان ازہری ★

دعوت وتبلیغ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تخلیق کائنات کے بعد، جب سے دنیا میں انبیا اور رسل علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا ہے ہر نبی اور ہر رسول نے اس فریضے کو انجام دیا ہے اور ان کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوجانے کے بعد اب یہ مقدس فریضہ اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے سرانجام دے رہے ہیں۔ چوں کہ رب قدیر کا ارشاد پاک ہے: أدع الی سبیل ربك بالحكمة و المؤعظة الحسنة۔ لوگوں کو حکمت وموعظت کے ساتھ اپنے رب کی جانب دعوت دو اور بلاؤ۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: کنتم خیر أمت أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر۔ تمہیں خیر الامم ہونے کا شرف اس لیے حاصل ہے کہ تم لوگوں کو اچھائیوں کی ترغیب دیتے ہو اور برائیوں سے باز رہنے کا حکم دیتے ہو۔ صرف قرآن عظیم ہی نے نہیں بلکہ دعوت وتبلیغ کا حکم پیارے آقا نے بھی دیا، اور فرمایا: بلغوا عني و لو آية۔ اور دوسری حدیث پاک میں فرمایا: فليبلغ الشاهد الغائب۔ مندجہ بالا آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہمارے قارئین کو دعوت الی اللہ کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوگیا ہوگا۔ لہٰذا اب ذیل میں ہم داعی کے کچھ اوصاف اور دعوت کے چند سنہری اصول وضوابط سپرد قرطاس کرتے ہیں۔ کہ یہ اوصاف اگر ایک داعی کے اندر پالیے جائیں نیز بیان ہونے والے اصول وضوابط اس کے پیش نظر ہوں تو باذن اللہ وہ ایک انتہائی کامیاب مبلغ اسلام ہوسکتا ہے اور اس کی دعوت کو ضرور قبولیت عامہ حاصل ہوگی۔

داعی کا کام دوسروں کو ان کے ارادوں اور افکار سے دست بردار کرواکے اپنے خیالات کے مطابق ڈھالنا ہوتا ہے، مگر یہ کوئی آسان کام نہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے، پیدائشی اور وراثتی عقائد ونظریات کلیتہً ترک کردینا آسانی کے ساتھ ممکن نہیں ہوتا۔ دوسروں کو بدلنے کی تکنیک سے واقفیت کے بغیر دعاۃ کو اکثر ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں داعی کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب کی ذہنی کیفیت، حالات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دعوت کے کام کا آغاز نہایت ہی حکمت وبصیرت سے کرے، تب ہی اس کی دعوت مؤثر ہوسکتی ہے۔ ذیل میں ان اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہمہ وقت داعی کی فطرتِ ثانیہ کی صورت میں اس کے وجود کا حصہ بن کر رہیں، ان نکات پر عمل کرکے ان شاء اللہ داعی اپنی دعوت کو قابلِ قبول اور مؤثر بنا سکتا ہے۔

اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ: داعی کی اولین کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ چیزوں کو صرف اپنے ہی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ دوسروں کے نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھے، اس طرح اسے مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ایک ہی مسئلے کے بارے میں مختلف لوگوں کا نقطۂ نظر مختلف ہوتا ہے۔ اگر داعی بھی صرف اپنے ہی نقطۂ نگاہ پر اڑا رہے تو دوسروں تک اپنی بات نہیں پہنچا سکے گا، اس لیے ضروری ہے کہ فریق ثانی کی بات کو مکمل سنے اور اپنی بات کے آغاز کے ساتھ ہی اس کی بات کا انکار نہ کرے بلکہ اس کے موقف کو سراہتے ہوئے دوسرے زاویئے سے بات کرے کیوں کہ آغاز گفتگو میں مخاطب کی بات کے جھٹلانے سے وہ دل برداشتہ ہوجائے گا اور اپنی انا (میں) کی وجہ سے آپ کی بات بھی سننے سے انکار کردے گا، جملہ نقطہ ہائے نظر کو سامنے رکھ کر ہی درمیانی راہ نکالی جاسکتی ہے، جو قابلِ قبول ہوسکے۔

اپنی اہمیت جتانے سے اجتناب: اپنی دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے داعی کو چاہیے کہ اپنی اہمیت جتا کر دوسروں پر بات تھوپنے سے اجتناب کرے۔ بات اس طرح کرے کہ دوسرا شخص

محسوس کرے کہ یہ اس کے اپنے دل کی آواز ہے، جو کچھ اس نے سنا اس کے اپنے نظریات ہیں ان میں غیریت نہیں بلکہ اپنائیت ہے۔ ان نظریات پر کسی کی اجارہ داری نہیں، دوسروں کے نظریات کو اپنانے میں انسانی نفس آڑے آجاتا ہے جبکہ وہی خیالات اپنے سمجھ کر قبول کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

بحث وتکرار سے پرہیز: بے جا بحث مباحثہ اور تکرار سے پرہیز کرے، کبھی دوسرے شخص کو چیلنج نہ کرے، اس لیے کہ جب آپ علی الاعلان کسی شخص کو للکاریں گے تو وہ لازماً اپنے دفاع پر تل جائے گا پھر کبھی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں ہوگا، خواہ اس کا موقف غلط ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ انسان کی نفسیات میں سے ہے کہ وہ جس معاملے میں اپنی تذلیل محسوس کرتا ہے اسے کبھی قبول نہیں کرسکتا۔

دوستانہ ماحول: اگر آپ دوسروں کو اپنی سوچ کے مطابق بدلنے کے خواہش مند ہیں تو گفتگو کا آغاز دوستانہ ماحول میں کیجیے، طرزِ عمل سے اپنائیت کا احساس ہو۔ شیریں کلامی دلوں کو تسخیر کرنے میں اکسیر کا درجہ رکھتی ہے دوران گفتگو اس بات کا شدت کے ساتھ خیال رکھیئے کہ مخاطب آپ کی باتوں سے زیادہ سے زیادہ موافقت کرے، ورنہ گفتگو کا رخ اگر بار بار انکار کی سمت جائے گا تو آپ اپنی کامیابی کے راستے مسدود پائیں گے۔ کوئی ایسی بات نہ کی جائے کہ مخاطب جس کا فوری انکار کردے۔ مشترک امور پہلے زیرِ بحث لائے جائیں تاکہ موافقت کا ماحول قائم رہے۔

مخاطب کو سننا: اگر کہیں غلطی ہوجائے تو داعی کو چاہیے کہ فوراً تسلیم کرکے معذرت کرلے۔ دورانِ گفتگو دوسرے کو بھی بات کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس طرح مخاطب اپنی اہمیت کو محسوس کرے گا اور داعی کی بات بھی توجہ سے سنے گا۔ اگر داعی ہی بولتا جائے اور مخاطب کو موقع نہ دے تو سننے والا بوریت محسوس کرے گا۔ اس طرح اچھی بات کے قبولیت کے امکانات بھی کم ہوجائیں گے۔

ہمدردانہ رویہ: مخاطب کے اچھے جذبات کو سراہا جائے۔ چوں کہ ذہن کی نسبت دل کے راستے سے تبدیلی جلد آتی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ داعی کا رویہ ہمدردانہ اور خیرخواہی پر مبنی ہو۔ مخاطب کو داعی کے خلوص اور حسن نیت پر اعتماد و بھروسہ ہو۔

غصے سے اجتناب: دعوت کا کام انتہائی صبر آزما اور قوت برداشت طلب ہوتا ہے۔ دعوت کی کامیابی کے امکانات ایسی صورت میں ہی روشن ہوسکتے ہیں جبکہ داعی دوسروں کو غصے اور اشتعال میں لائے بغیر اپنی بات منتقل کرنے پر قادر ہو، مخاطب کو بوریت اور ناراضگی سے بچانے کا ہنر بخوبی جانتا ہو، وقت ضائع نہ کرکے سارا کام خوش گوار موڈ اور اچھے ماحول میں کرے۔

مثبت سوچ: داعی کی گفتگو سے مخاطب کو کبھی اس طرح کا اشارہ نہ ملے کہ اشیا اور موجودہ حالات ناقابلِ اصلاح ہیں، بلکہ اس طرح مخاطب کے ذہن کو تبدیلی کی طرف راغب کرے کہ ساتھ ساتھ اس کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی رہے۔ اس طرح مخاطب کی غلطیوں کو درست کرلینا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہوگا، غلط خیالات پر آسانی سے قابو پایا جاسکتا ہے، بس ہمت کرنے کی دیر ہے۔ مزید برآں دوسرے لوگوں کی عملی مثالیں دینے سے مخاطب کا حوصلہ بڑھتا ہے اور قدم جادۂ حق پر رواں دواں ہوجاتے ہیں۔

مخاطب کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی: اس میں شک نہیں کہ حوصلہ افزائی جادو کا اثر رکھتی ہے، اسی لیے داعی کو گفتگو کا آغاز مخاطب کی خوبیوں سے کرنا چاہیے۔ اس کے باعث ناخوشگوار اور تلخ بات بھی گوارا کی جاسکتی ہے۔ بہتری کے آثار پیدا ہوں تو داعی کو چاہیے کہ مخاطب کو داد وتحسین سے نوازے۔ اس طرح حالات تیزی کے ساتھ سنورنے لگیں گے، کام کی رفتار میں اضافہ ہوگا۔ ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک سے یاس اور قنوطیت جنم لیتی ہے۔ اُٹھے ہوئے قدم بھی رک جاتے ہیں، جو کچھ داعی تجویز کرے اسے مخاطب کو بخوشی و رضا قبول کرنے دے، جبر کا ماحول پیدا نہ کرے۔ اس لیے کہ رب کا فرمان ہے: لاا کراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ دین میں کوئی جور وزبردستی نہیں، ہدایت وگمرہی دونوں کے راستے واضح کردیئے گئے ہیں۔

براہِ رست تنقید سے گریز: داعی کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں پر نکتہ چینی سے قبل خود اپنی غلطیوں کی نشان دہی کرے۔ کسی کو براہ راست اور سب کے سامنے نہ ڈانٹے اس لیے کہ حکما نے کہا ہے: نصیحت اگر تنہائی میں ہوتو وہ نصیحت ہے اور اگر لوگوں کے مابین ہوتو

فضیحت ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی نصیحت کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ داعی کو چاہیے کہ مخاطب کو اس کی خامیوں اور کوتاہیوں کی طرف بالواسطہ طریقے سے متوجہ کرے، تا کہ احسان مندی کے جذبات پیدا ہوں، ورنہ غصہ اور نفرت پیدا ہوگی اور دعوت کا مقصد حقیقی فوت ہو جائے گا۔

حکم کے بجائے گزارش: داعی کبھی بھی تحکمانہ انداز اختیار نہ کرے، احکامات صادر کرنے کی بجائے مختلف سوالات کر کے مخاطب کو اپنے نقطۂ نظر کی طرف لائے تا کہ مخاطب جواب کی صورت میں خود اسے تسلیم کرے۔ اس طرح وہ شرمندگی سے بچ جائے گا ورنہ اپنی اہانت اور رسوائی کے احساس کے باعث سچ کو تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوگا۔

غمی وخوشی میں شرکت: داعی کا اخلاقی اور منصبی فریضہ یہ بھی ہے کہ دوسروں میں سچی دلچسپی لے، غمی وخوشی میں شرکت کرے، اس طرح عوام داعی کے قریب آ جائیں گے، پھر اس کے لیے اپنی بات سمجھانا اور منوانا آسان ہو جائے گا۔

خوش مزاجی: دُعاۃ اور مبلغین یہ بات ہمہ وقت پیش نظر رکھیں کہ خندہ پیشانی اور مسکراہٹ جادو کا اثر رکھتی ہے۔ ایک خوش مزاج شخص کو کسی محفل میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ہر اچھے شخص کے گرد دلکشی کا ایک ہالہ ہوتا ہے، اس میں داخل ہونے سے کوئی شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا داعی کے لیے لازم وضروری ہے کہ وہ لوگوں سے ہمیشہ خندہ پیشانی اور نرم کلامی سے پیش آئے۔ ترش روی اور تلخ کلامی سے غایت درجہ دور رہے۔

ذاتی روابط: رابطوں کی مختلف نوعیت اور صورتیں ہوتی ہیں، لیکن سب سے اہم ذریعے ذاتی رابطہ ہے۔ سب سے زیادہ غلط فہمیاں دوری کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ بارہا ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگوں اور جماعتوں کے افکار ونظریات ایک دوسرے کے مماثل ہوتے ہیں لیکن درمیان میں رابطے کی خلیج حائل ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پاتے، نتیجتاً باہم برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اسی لیے تو کسی دانا وحکیم شاعر نے کہا ہے:

قریب آ ؤ تو شاید ہمیں سمجھ لو گے
یہ دوریاں تو غلط فہمیاں بڑھاتی ہیں

شخصی رابطے بُعد کو قُرب میں بدلنے کا بہترین ذریعے ہیں۔ اس طرح افہام وتفہیم کی راہیں کھلتی ہیں، بدگمانیاں دور ہوتی ہیں، ذہنوں میں لگی گرہیں کھلتی ہیں اور حسنِ اخلاق سے دل پگھلنے لگتے ہیں۔ لہٰذا داعی کے فرائض منصبی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں سے قدرے اِمکان ذاتی روابط بھی برقرار رکھے۔

تدریجی دعوت: دعوت کے ضمن میں داعی کا تدریج کا خیال رکھنا بہت اہم ہے، عوام کو ایک دم ساری باتیں نہ بتائے، بلکہ حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی، یا بلفظ دیگر یوں کہا جائے کہ آسان سے مشکل کی جانب سفر کرے۔ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت اس طرح حسین پیرائے میں دے کہ وہ اس میں انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل محسوس کریں، تشنہ روح کی سیرابی اور ضروری کامیابی کی ضمانت کا احساس کریں، دعوت اسلام انہیں اپنے دل کی پکار محسوس ہو۔ اسلام قبول کرنے والوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت اس طرح دی جائے کہ ان کی زندگی کا ایک ایک پہلو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کے ضمن میں آتا جائے۔ جو لوگ اپنی انفرادی زندگی میں اصلاح قبول کرلیں انہیں ظالمانہ اور استحصالی نظام کو بدلنے کی دعوت دی جائے تا کہ طاغوت کے ساتھ ٹکرانے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جائیں اور جب وقت آئے تو اپنا تن، من اور دھن سب کچھ غلبۂ اسلام کے لیے لٹا دینے سے بھی دریغ نہ کریں، اس لیے داعی کو چاہیے کہ کسی بھی مخاطب کو اس کی قوتِ ہضم سے زیادہ خوراک نہ دے۔

جدید ذرائع و وسائل کا استعمال: دعوت کے میدان میں داعی کو ہمیشہ جدید ترین ذرائع اور وسائل استعمال کرنے چاہیے بایں طور ایک تو پیغام تیزی کے ساتھ وسیع ترین حلقوں تک پہنچایا جا سکتا ہے، دوسرے قبولیت کے اعتبار سے مفید ثابت ہوتا ہے۔ غلطیوں کا قصداً ارتکاب داعی کے اوصاف سے نہیں ہو سکتا۔

انکساری وسادہ مزاجی: اس ضمن میں داعی کو ہمیشہ اپنا قُدوہ رسولِ گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کو بنانا چاہیے۔ تواضع انکساری اور سادہ مزاجی اس کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہو اور پھر کام خاموشی، آہستگی اور سادگی سے کرے، نمود ونمائش تکبر وغرور کا شائبہ تک نہ ہو، ذاتی پروپیگنڈے سے پرہیز کرے، صرف رضائے

الٰہی مقصود ہو، اس کام میں شہرت بھی ہے اور بزرگوں نے شہرت کو آفت قرار دیا ہے کیوں کہ اس راستے نفس وشیطان کا حملہ بہت شدید ہوتا ہے۔نفس کی تربیت کا سامان بھی بہت ضروری ہے، ورنہ ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہوکر انسان اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے۔ عجلت اور تیز رفتاری بھی نقصان دہ ہوتی ہے، ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوتا ہے ورنہ بعض اوقات ذرا سی غلطی، کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے، پلاننگ بہت سوچ سمجھ کر کرے۔ سطحیت بنی ایک بہت بڑی کمزوری ہے اس لیے داعی کی نظر دوررس نتائج پر ہو، دیرپا نتائج بڑی محنت سے حاصل ہوتے ہیں۔صرف بیج پھینکنے پر اکتفا کرکے نگرانی کے بغیر مرادوں کی فصل نہیں کاٹی جاسکتی، داعی اور دعوت کا رشتہ درحقیقت کھیت اور کسان کا ہوتا ہے۔

اسلام کی آفاقیت وجامعیت کا تصور: داعیِ اسلام اگر غیر مسلموں کو تبلیغ کرے تو یہ بات خاص طور پر بتائے اور ذہن نشین کرائے کہ اسلام پوری انسانیت کی متاع گراں مایہ ہے، اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کے اصول وضوابط کسی انسان کے بنائے ہوئے نہیں۔ علوم کے ماہرین اور سائنسداں فطری اصول وضع نہیں کرتے بلکہ صرف ان کا انکشاف کرتے ہیں۔ پوری کائنات کا نظام خدائے وحدہ لاشریک کے بنائے ہوئے انہیں فطری اصولوں پر چل رہا ہے۔ لہٰذا جب کائنات کی ہر چیز لاشعوری طور پر خالق کائنات کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ہوئے ہوتو انسان کو تو بدرجہ اولی وبدرجۂ اتم شعوری طور پر اس کے سامنے جھکنا چاہیے اور یہی امن وآشتی کا واحد ذریعہ ہے۔طبعی قوانین کی طرح اللہ نے اخلاقی وسماجی اور اجتماعی زندگی کے بھی کچھ ضابطے دیئے ہیں، جنہیں اللہ کے رسول ہم تک پہنچائے ہیں، ان کی پابندی بھی اسی طرح ناگزیر ہے ورنہ دنیا کا نظام اسی طرح بگڑا رہے گا اور اس کی اصلاح نہیں ہوسکے گی۔ مسلمانوں کی صف میں آکر حق کو قبول نہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ حکمت ودانائی اور راہ نمائی جہاں سے میسر آئے لے لینی چاہیے یہ نہ دیکھا جائے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ توجہ اس امر کی جانب ہونی چاہیے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور درحقیقت یہی فرمان رسول بھی ہے: الحکمة ضالة المؤمن أنى وجدها فهو أحق بها و عند من رأها طلبها۔ یعنی علم وحکمت مومن کی متاعِ گمشدہ ہے جہاں بھی ملے اسے حاصل کرلے اور جس کسی کے پاس ہو اس سے طلب کرلے۔

نظم وضبط وباہمی تعاون: یوں تو باہمی ربط اور تعاون ہر اہم کام کے لیے درکار ہے مگر دعوت وتبلیغ کے میدان میں باہمی تعاون کی بڑی اہمیت ہے، سب لوگ ایک جیسی صلاحیت اور قابلیت کے حامل نہیں ہوتے، کام اجتماعی سطح پر اور منظّم طریقے سے کیا جائے تو بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ باہمی تعاون کے ذریعے ساتھیوں کی کمزوریاں دور کی جاسکتی ہیں، دوسروں کی مضبوطی اور ثابت قدمی دیکھ کر عزم وحوصلہ بلند ہوتا ہے، اس سے جد وجہد میں سرگرمی اور تیزی پیدا ہوتی ہے، اجتماعی ماحول میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔جس سے علم وعمل کی کمی اور کوتاہی دور ہوتی ہے، اور کم ہمتی سے نجات حاصل کرکے آدمی جرأت مندی سے کام کرتا ہے، لہٰذا داعی کو تنہا کام کرنے کی بجائے دوسروں کے ساتھ مل کر تنظیم کی صورت میں کام کرنا چاہیے۔

مذہب کے وقار کا لحاظ: داعی کے لیے دین کے وقار کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے، دعوت کے ضمن میں ایسا انداز نہ اپنایا جائے جس سے اسلام کی توہین اور دعوت کی بے قدری ہو۔ اسلام کو بے توقیری اور اہانت سے بچانا داعی کا فرضِ اولیں ہے۔مخالفت اور بے رخی کی صورت میں بھی داعی کی زبان سے ہرگز کلمۂ بددعا منھ سے نہیں نکلنا چاہیے بلکہ ہمیشہ رشد وہدایت کی دعا کرنی چاہیے اور رسول کریم کا سفر طائف اس کی نگاہوں کے سامنے ہمہ وقت ہو۔

موقع کی مناسبت: بے جا اور بے موقع ومحل بات نہ صرف اپنا اثر کھودیتی ہے بلکہ الٹا منفی اثرات مرتب کرتی ہے، لہٰذا یہ بات داعی کے ملحوظ خاطر رہے کہ ایسی کیفیت پیدا ہی نہ ہونے دے کہ مخالف اپنے آپ کو گھیراؤ میں محسوس کرے اور بغاوت یا راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوجائے، ناراضگی اور غصے کا عنصر پیدا ہوجانے پر نازیبا کلمات سننے پڑتے ہیں ان حالات میں بھی داعی کے ہاتھ سے صبر وتحمل کا دامن نہ چھوٹنے پائے اور مایوسی قریب نہ پھٹکے۔

ماحول کی تبدیلی: دعوت وتبلیغ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر داعی کو کہیں طے شدہ پروگرام کے بغیر اچانک دعوت دینے کا ماحول اور موقع

میسر آجائے تو جس شخص کو متوجہ کرنا مقصود ہو اُسے ظاہری اعتبار سے سابقہ حالت پر نہ رہنے دیں۔ بات کے آغاز سے پہلے مخاطب اگر بیٹھا ہو تو اسے پیار سے اُٹھالیا جائے، کھڑا ہو تو ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ چند قدم چلالیا جائے، اس طرح مخاطب کے اندر بات سننے اور سمجھنے پر آمادگی پیدا ہوتی ہے۔

نفرت کی بجائے محبت: داعی کو چاہیے کہ گنہگار سے گنہگار شخص کے ساتھ بھی نفرت نہ کرے، اس لیے کہ نفرت و کراہت مرض سے ہوتی ہے نہ مریض سے، لہٰذا داعی مخاطب کے سامنے چاہت اور محبت کا مظاہرہ کرے، ہمدردی، دردمندی اور خیر خواہی کے جذبات کا اظہار کرے، کسی صورت میں بھی اپنے مخاطب کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچنے دے۔

غیر متزلزل یقین: دعوت کی کامیابی کا دارومدار اپنے پیغام کی حقانیت پر غیر متزلزل یقین سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں داعی کے اندر کسی دنیا دار کی وجاہت اور مرتبے سے مرعوبیت پیدا نہ ہو، اور کسی بھی صورت میں اپنی وضع قطع اور تشخص کو دوسروں کی خاطر نہ چھوڑے۔ اسلامی آداب کا پورا خیال رکھے، داعی کا یقین اتنا پختہ ہو کہ کسی صورت میں بھی اصولوں پر سمجھوتا (Compromise) کرنے کے لیے تیار نہ ہو ورنہ دعوت ایک بے جان ڈھانچہ بن کر رہ جائے گی، ہاں موقع کی مناسبت سے انداز میں جدّت، کشش اور رغبت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

صبر و تحمل: اُمتِ مسلمہ کی خصوصیات اور امتیازات میں سے اس کی داعیانہ حیثیت بہت نمایاں ہے، دعوت کے ذریعے بے یقینوں کو یقین دلانا، خوابِ غفلت میں محو لوگوں کو بیدار کرنا، غافلوں کو خبر دار کرنا، بگڑے ہوؤں کو راہ راست پر لانا اور بے خوفوں کو ڈرانا، یہ کام بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اکتاہٹ، تھکاوٹ، بیزاری اور پریشانی کو داعی اپنے قریب نہ پھٹکنے دے، کبھی جارحانہ انداز نہ اختیار کرے، اس لیے کہ مظلومیت میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ ابتدائی دور میں اس سے بڑھ کر کوئی اور حربہ کارگر نہیں ہوسکتا، حق کی خاطر ہر طرح کے ظلم و جور کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے دیکھ کر انصاف پسند لوگوں کی ہمدردیاں حاصل ہوتی ہیں۔ انبیا علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ اس طرح کے واقعات سے پر ہیں۔

لگن، شوق، اور دعا: یہ امر قابل توجہ ہے کہ لگن اور دُھن کے بغیر کوئی معرکہ سر نہیں کیا جاسکتا۔ دعوتِ دین کا کام توفیق ایزدی کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا داعی قدم قدم پر دعا کا سہارا لے، دعا اور دعوت میں درد و سوز، تڑپ اور خیر خواہی کا عنصر غالب ہونا چاہیے، جان و مال اور آرام و وقت کا ایثار درکار ہوتا ہے۔ اس لیے دل جیتنے کے لیے حسب موقع تحائف بھی دینے چاہئیں۔ داعیِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تَهَادُوْا تَحَابُّوْا۔ یعنی آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس لیے کہ اس سے الفت و محبت پیدا ہوتی ہے۔ دعوت بار بار دی جائے لیکن لگن کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ دوسروں کو تنگ کیا جائے، ان کے آرام اور مصروفیات کا خیال نہ رکھا جائے، حتیٰ کہ تنگ آکر کوئی چڑھ جائے یا ضد پر اتر آئے، داعی کی غیر حکیمانہ حرکات کے باعث ایسی صورت حال میں مخاطب کے انکار و طغیان کا وبال بڑھنے کا خطرہ بھی ہوسکتا ہے۔

پاکیزہ ماحول میں دعوت: اگر مبلغ یا داعی اپنے مخاطب کو اس کے ماحول سے نکال کر اپنے ماحول میں لے آئے تو سمجھ لو کہ نصف معرکہ سر کرلیا، کیوں کہ پاکیزہ ماحول کے اپنے خوشگوار اثرات ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی موجودگی بھی اثر آفرینی میں اضافہ کرتی ہے، اس طرح سابقہ منفی اثرات زائل ہونے لگتے ہیں اور نیا رنگ چڑھنے لگتا ہے۔ اگر داعی اپنے اندر درج بالا اوصاف پیدا کرلے، معاشرے میں ایک آئیڈیل (Ideal) بن جائے، دعوت دیتے وقت حکمت و بصیرت کے دامن کو پکڑے رکھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گفتار کی بجائے کردار کا غازی بن جائے تو اس کی زبان میں تاثیر پیدا ہوجائے گی، اور اس کی دعوت کو بھی مقبولیت و قبولیت کا درجہ حاصل ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلیٰ و اعلم

☆☆☆

امام احمد رضا کے اسالیب دعوت

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی ★

قرآن حکیم میں معبودِ حقیقی ، اللہ وحدہ لاشریک نے تبلیغ ودعوت کے حکم کے ساتھ دعوت کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا ہے۔ ثبوت کے لیے سورۂ ابراہیم آیت ۲، ۵۲۔ سورۂ رعد آیت ۴۰۔ سورۂ قصص آیت ۵۹ اور سورۂ شعرا آیت ۲۱۴ وغیرہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

"وما علینا الا البلاغ" سے عام طور سے مبلغین وداعیان اسلام یہی مراد لیتے ہیں کہ ان پر اسلام کا حقِ بلاغ صرف اس قدر ہے کہ خدا کا پیغام دوسروں کو سنا دیا جائے اور اثرات ونتائج خواہ کچھ ہوں۔

اسی سوچ نے ملت اسلامیہ کی فکری اور عملی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور مسلمانوں کی مذہبی زندگی ایک فیصلہ کن انقلاب کی طرف بڑھنے کے بجائے جمود وتعطل کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

"بلاغ" مقصد اور غرض وغایت کی آخری حد تک پہنچا دینے کو کہتے ہیں۔ گویا بلاغ سے مراد کسی بات کا محض پہنچانا نہیں بلکہ اس کے مقصد کی آخری حد یعنی اس کے انجام تک پہنچا دینا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے " فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ "یعنی جب وہ اپنے انجام یعنی اپنی آخری حد کو پہنچ جائیں۔ (سورہ طلاق، آیت ۲)

انبیائے سابقین بالخصوص پیغمبر اسلام، معلم کائنات، رسول رحمت وانسانیت، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلاغ کا کمال یہی تھا کہ انھوں نے پیغام الٰہی اس قدر یقین اور تاثیر کی اتنی قوت سے بنی نوع انسان تک پہنچایا کہ اس کی اطاعت انسانوں کو دنیا ہی میں سرخ رو کر گئی اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے دعوائے نبوت کے مطابق نیست ونابود ہو گئے۔

حضور نبی اُمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوت حق کی راہ میں بہت ہی نرمی، تواضع اور صبر وتحمل سے کام لیا۔ آپ نے گالیوں کے جواب میں دُعائیں دیں، پتھر پھینکنے والوں کی جانب محبت ورحمت کے پھول برسائے، یہ ساری حقیقت آپ کی سیرتِ مبارکہ سے واضح ہے۔

رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"راہ خدا میں جس قدر اذیت مجھے دی گئی ہے پہلے کسی اور کو ایسی تکلیف نہیں دی گئی" (جمع الفوائد ج ۲، ص ۴۷)

الغرض دعوت وتبلیغ کے لیے مبلغ وداعی کا علم وعمل اور اخلاق وکردار سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا سوجھ بوجھ اور صبر وتحمل نیز انکسار وتواضع کا حامل ہونا ضروری ہے۔

حضور داعی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب وعترت اور بعد کے آنے والے بزرگان دین نے آپ ہی کے طریقۂ تبلیغ ودعوت کی پیروی کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ انجام دیا اور اسلام پھیلتا بڑھتا چلا گیا۔

البتہ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا رہا، بنام اسلام، اسلام میں بھانت بھانت کے فرقے جنم لیتے رہے، لہٰذا کھلے ہوئے کفار ومشرکین سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے عقائد وایمان کے لیے یہ خطرہ بن گئے اور اس طرح دعوت وتبلیغ کے انداز اور زاویوں میں تبدیلی ہوتی رہی۔

امام احمد رضا اور تحفظ عقائد اسلامی: مجدد اسلام اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا کا عہد (۱۸۵۶، ۱۹۲۱ء) مسلمانان برصغیر کے لیے بڑا ہی قاتل عہد تھا۔ انگریز اور ہندی مشرکین تو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے ہی لیکن ان اعدائے اسلام سے زیادہ خطرہ باطل جماعتوں سے تھا۔ گھر کے ان چراغوں سے گھر کو آگ لگ رہی تھی، یہ گستاخانِ خدا ورسول، یہ باغیانِ اسلام، اسلام ہی کے نام پر عامۃ المسلمین کو اسلام سے بیگانہ کر کے انہیں کفر وارتداد کے دلدل میں ڈھکیل رہے تھے۔ ظاہر ہے ایسے عالم میں غیر مسلمین یعنی کھلے

کفار ومشرکین کو دعوت حق دینے سے زیادہ ضروری اور اہم عامۃ المسلمین کے عقائد وایمان کا تحفظ تھا۔

امام احمد رضا نے یہ کارنامہ بدرجۂ اتم انجام دیا اور یہی آپ کا اہم تجدیدی کارنامہ ہے۔ آپ نے فرقہائے باطلہ کے چہروں سے اسلام کا جھوٹا نقاب اُلٹ کر ان کے چہرۂ کفر وارتداد کو جگ ظاہر فرما دیا۔ ثبوت کے طور پر ''حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح امام احمد رضا نے دیوبند کے عناصرِ اربعہ، مولوی اشرفعلی تھانوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی نیز قادیانی، مرزائی، احمدی دھرم کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی کفری عبارتوں پر حرمین شریفین کے مفتیان کرام سے کفر وارتداد کا فتویٰ لیا اور ان غدارانِ خدا ورسول کے چنگل میں پھنسنے سے مسلمانوں کو بچالیا۔

امام احمد رضا نے روافض، مفضلہ، وہابیہ، دیوبندیہ، اہل حدیث، چکڑالوی، ندوی اور نیچری وغیرہ کا بھی رد بلیغ فرمایا۔ آپ نے وہی نکھرا ستھرا اسلام پیش فرمایا جس اسلام کی تبلیغ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب وعترت اور بعد کے آنے والے بزرگان دین نے فرمائی تھی۔ آپ نے مذہب حق، مذہب اہل سُنّت کو خوب خوب واضح کر دیا اور اسی لیے فی زماننا مذہب اہل سُنّت کو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی آخری سانس تک قلمی ولسانی جہاد فرمایا اور پوری قوت وتاثیر کے ساتھ فریضہ دعوت انجام دیا۔ امام احمد رضا کے فتاوے، متعدد نقلی وعقلی علوم وفنون پر تصانیف اور ملفوظات اس کے روشن ثبوت ہیں۔

ایسا نہیں کہ امام احمد رضا نے غیر مسلمین کو دعوت حق نہیں دی، آپ کی تبلیغی مساعی سے غیر مسلمین بھی داخل اسلام ہوئے، حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلما علامہ ظفر الدین عظیم آبادی نیز آپ پر لکھی جانے والی کتابوں سے یہ حقیقت واضح ہے، آج بھی الحمدللہ! آپ کی تعلیمات اور نظریات سے مغربی ممالک میں غیر مسلمین دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے محمد یوسف اینڈ ریوز برطانوی کا انگریزی رسالہ Imam Ahmed Raza and Britsh Converts to Islam یا اس کا اردو ترجمہ ''امام احمد رضا اور برطانوی نومسلم'' از راقم عبدالنعیم عزیزی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

امام احمد رضا کے اسالیب دعوت:

نرمی کے فوائد: دینی امور میں امام احمد رضا پر شدت کا الزام ہے جو سراسر غلط ہے۔

حیرت ہے کہ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے امام احمد رضا کی فقہی عظمت اور علمی جلالت کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر شدت کا لیبل چسپاں کر دیا، امام احمد رضا کی یہ شدت ان کے لیے تھی جو خدا ورسول کے از حد گستاخ اور دین متین کو ڈھانے والے اور مسلمانوں کے عقائد وایمان کے راہزن تھے اور ظاہر ہے یہ شدت ''اشداء علیٰ الکفار'' کی پیروی میں تھی جو بالکل بجا اور حق ہے۔

لاریب امام احمد رضا ''اشداء علیٰ الکفار ورحماء بینهم'' کی تنویر اور ''الحب للہ والبغض للہ'' کی تصویر تھے۔ وہ گردن باطل پر برہنہ شمشیر تھے، لیکن مسئلہ دعوت میں آپ نے داعی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے نائبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی پیروی کی ہے۔

امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک وہابی حاضر ہوا۔ وہ آپ کے علمی جلال اور اخلاق کے جمال سے بہت متاثر ہوا اور جب وہ بارگاہِ رضا سے واپس گیا تو راستے میں کہنے لگا کہ اعلیٰ حضرت مدظلہ کی باتیں میرے دل نے قبول کیں اور اب میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان سے مرید ہوں گا۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۶۴)

جب امام احمد رضا کو یہ بات بتائی گئی تو آپ نے اس طرح ارشاد فرمایا:

''دیکھو! نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے، اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے۔''

(الملفوظ حصہ اول ص ۶۴)

دعوت حق اور انکسار وتواضع: عامۃ المسلمین کے عقائد وایمان کے تحفظ اور انہیں بد مذاہب سے دور رکھنے نیز اسلام میں کلی طور سے داخل ہوجانے کے سلسلے میں کس طرح عجز وانکسار سے کام لیتے ہیں، ملاحظہ کیجئے۔

الف: مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ دست بستہ:

''پیارے بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات اور آپ کے صدقے میں اس ناچیز کثیر السیآت کو دین حق پر قائم رکھے اور اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت، دل میں سچی عظمت اور اس پر ہم سب کا خاتمہ کرے، آمین۔ یا ارحم الراحمین۔ (تمہید ایمان بآیات قرآن ص۲)

ب: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی جانِ جہان بھی ہیں اور جانِ ایمان بھی اور آپ ہی کی محبت اور تعظیم مدار ایمان ومدار نجات ہے، امام احمد رضا نے عامۃ المسلمین کو سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے کامل وابستگی کی دعوت دی ہے۔ فرماتے ہیں:

''مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مدارِایمان ومدارِنجات ومدارِقبول ایمان ہوئی یا نہیں! کہو ہوئی اور ضرور ہوئی۔ (ایضاص ۳)

دینی دعوت اور محبت مسلمین: ملاحظہ کیجئے کہ کس درد وقلق اور محبت کے ساتھ دعوت حق دیتے ہیں۔

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تواے رضا اول گیا آخر گیا

....

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

....

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

ناصحانہ انداز: امام احمد رضا بدعات سے سخت متنفر تھے۔ وہ اہلِ بدعت کی صحبت کو بھی مہلک قرار دیتے تھے اور اہل بدعت سے دور ونفور رہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ آپ نے عوام وخواص سب کو نصیحت فرمائی اور اپنے دور کے علما کو بھی نصیحت فرمائی جو مبتدعین کے ساتھ بہے جارہے تھے۔ ایک خط میں مولانا محمد علی مونگیری کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''آپ جیسے صوفی صافی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس میں عین ہدایت کے انتثال کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت ممدوح ایک مکتوب شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: فسادِ مبتدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافراست۔ مولانا! خدارا انصاف، آپ یا زید یا اور اراکین، مصلحت دین ومذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت ممدوح؟ (مکتوب محررہ ۵/رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ بحوالہ مکتوبات مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۶ ص ۹۱)

مخالفین کو دعوت حق، عرض وگزارش کے لہجے میں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے منکرین کو اس انداز میں دعوت حق دیتے ہیں:

''حضرات مخالفین سے بھی گزارش ہے کہ اگر توفیق الٰہی مساعدت کرے، یہی حرف مختصر ہدایت کرے تو از یں چیز بہتر ورنہ اگر بوجہ کوتاہی فہم وغلبہ وہم وقلت تدرّب وشدت تعصب اپنی تمام جہالاتِ فاحشہ کی پردہ دری ان مختصر سطور میں نہ دیکھ سکیں تو اس مہر جہاں تاب کا انتظار رکھیں جو بعنایت الٰہی واعانت رسول پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام ظلمتوں کی صبح کردے گا۔ ان کا ہر کاسۂ سوال آب زلال رد وابطال سے بھر دے گا۔ کیا فائدہ کہ اس وقت آپ کی خواب غفلت کچھ ہذیات کا رنگ دکھا دے اور وہ جب صبح ہدایت افُق سعادت سے طالع ہو تو کھل جائے کہ ع

خواب تھا جو کچھ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

(انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ)

گستاخان رسول سے بیزاری کی دعوت: امام احمد رضا بہت ہی شائستگی کے انداز میں مسلمانوں کو گستاخانِ مصطفےٰ سے بری وبیزار ہونے کی تلقین فرماتے ہیں:

''جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ......پھر وہ تمھارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہوفوراً اس سے جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمھارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہوا پنے اندر سے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، میں ہمیشہ تمھیں یہی بتاتا رہا اور اس وقت بھی یہی عرض کرتا ہوں''۔

(وصایا شریف)

اعلانِ حق اور ردِّ بدمذہباں: کہنے والوں نے امام احمد رضا کو متشدد، مکفر المسلمین اور جانے کیا کچھ کہا، بھانت بھانت کی الزام تراشیاں کیں جو سب کی سب جھوٹ ہیں۔ ملایان دیوبند نے مسئلہ تکفیر میں امام احمد رضا پر جس بہتان تراشی اور سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا تذکرہ خود امام موصوف نے اس طرز پر کیا ہے:

''ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سُنّت کے فتاوائے تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں، اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحٰق صاحب کو کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن کو کہہ دیا پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمہ کو کہہ دیا، یہاں تک کہ ان کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم ومغفور سے جڑ دی کہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا، مولانا کو اللہ تعالیٰ جنتِ عالیہ عطا فرمائے۔ انہوں نے آیت کریمہ "ان جاء کم فاسق بنباءٍ فتبینوا" پر عمل فرمایا، خط لکھ کر دریافت کیا، جس پر یہاں سے رسالہ ''انجاء البری عن وسواس المفتری'' لکھ کر ارسال ہوا۔ (حسام الحرمین ص ۴۹)

امام احمد رضا کی احتیاط

(الف)۔ امام احمد رضا مسئلۂ تکفیر میں بے حد محتاط تھے، ایک صاحب نے تکفیر مسلم کی بابت آپ سے سوال کیا تو جواب میں فرمایا۔

''بطور سبّ وشتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہ گار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا'' (الملفوظ حصہ چہارم ص ۳۰۶)

(ب) مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تصنیف ''تقویۃ الایمان'' کی سطر سطر سے توہین رسالت کی بو آتی ہے بلکہ بعض مقامات پر کھلے لفظوں میں توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے اور اسی سے بعض علما مثلاً علامہ فضل حق خیرآبادی اور علامہ فضل رسول بدایونی وغیرہما نے ان کی تکفیر بھی کی ہے۔ خود امام احمد رضا نے بھی مولوی اسمٰعیل دہلوی کے رد میں متعدد رسائل تصنیف کئے مگر احتیاطاً آخر میں شرعی مسئلہ تحریر فرمایا: علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے۔ سبحٰن السبوح عن کذب مقبوح)

(ج) دوسری جگہ انہیں کے متعلق فرماتے ہیں ''ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومناسب''

(الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ)

(د) ایک تیسری کتاب میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی عبارتوں پر پوری پوری تنقید کر کے کفریات کی وضاحت فرمادی ہے۔ اور تنقیدات کو پڑھنے کے بعد ایک عام مسلمان بھی دہلوی صاحب کو مسلمان سمجھنے کے لیے آمادہ نہ ہوگا لیکن امام موصوف کے حزم واحتیاط کا عالم یہ ہے کہ ان کے متعلق شرعی فیصلہ یوں فرماتے ہیں:

''لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کا کافر مان لینا اور بات ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر کرتے ڈریں گے''۔ (سل السیوف الهند یہ علیٰ کفریا بالنجد یہ)

(ہ) امام احمد رضا کی شدت ایمان کی حدت ہے: آپ وہابیہ کی بابت فرماتے ہیں: یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے ابتداءً بہت نرمی برتی گئی مگر چوں کہ ان کے دلوں میں وہابیت راسخ ہوگئی تھی اور مصداق "ثم لایعودون" حق نہ مانا، اس پر سختی کی گئی کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

"یاایھاالنبی جاھدالکفار والمنفقین واغلظ

علیھم'' اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے ''**و لیجدو افیکم غلظة**'' لازم ہے کہ وہ (کفار ومشرکین) تم میں درشتی (سختی) پائیں۔(الملفوظ، حصہ اول ص۶۴)

(و) اتمامِ حجت کی منزل: امام احمد رضا نے کسی بھی مسلمان کو کافر نہیں کہا البتہ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں کفری عبارات لکھیں اور متنبہ کرنے، بار بار توجہ دلانے پر بھی رجوع نہیں کیا اس وقت شریعت اسلامیہ کے ایک ذمہ دار ہونے کے ناطے امام احمد رضا کو آخری فیصلہ دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ آپ نے بذات خود حکم سنانے کی بجائے ان گستاخان خدا اور سول کے خلاف عرب وعجم کے مشاہیر سے فیصلہ لیا۔

''یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی غوغے پر التفات نہ ہوگا، منوا دینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے''۔(دافع الفساد عن مراد آبادی)

امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل گستاخانِ خدا اور سول کے خلاف حرمین طیبین کے مشاہیر علما و مفتیان کرام سے فتویٰ لیا۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی، ۲۔ مولوی اشرف علی تھانوی، ۳۔ مولوی رشید احمد گنگوہی، ۴۔ مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی۔

(ز) مولوی اشرف علی کے نام مکتوب، امام احمد رضا کا ایک اقتباس: امام احمد رضا نے دعوتِ حق میں ہمیشہ شائستگی کو ملحوظ رکھا ہے، مولوی اشرف علی کو لکھتے ہیں:

''رئیسوں کا دباؤ تھا ناچار دفع وقتی کو وہی چاند پوری صاحب آپ کے وکیل بنے، فقیر نے اپنے خط وقلم سے جناب کو رجسٹری شدہ خط بھیجا کہ کیا آپ مناظرہ معلومہ پر آمادہ ہوئے، کیا آپ نے چاند پوری صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیا، سات مہینے سے زائد گزرے آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا، ظاہر ہے کہ اگر آپ واقعی آمادہ ہوئے ہوتے، واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا تو وہاں لکھ دینا دشوار نہ تھا، مردانہ وارفرار سے قرار نہ ہوتا، یہ ہے وہ فرض لایعنی، غیر واقع، بے معنیٰ معاہدہ جس سے عدول کا ادھر الزام لگایا جاتا ہے۔

(مکتوبات امام احمد رضا، از مولانا محمود احمد القادری)

خلاصۂ کلام: امام احمد رضا نے دعوت حق میں وہی انداز اختیار کیا ہے جو قرآن وسُنّت سے ظاہر وباہر ہے اور جس طریقۂ تبلیغ و دعوت کو بزرگان دین نے اختیار فرمایا تھا۔

آپ کی دعوت میں نرمی، شائستگی، تلقین، تنبیہ ونصیحت بھی ہے اور ضرورت کے مطابق شدت وحدت بھی، وہ اس غرض سے کہ قرآنی حکم کے مطابق ہر حال میں حق کو ظاہر کر دیا جائے، مشرکین یا اعدائے اسلام کیسی بھی کراہت اور مخالفت کا اظہار کیوں نہ کریں۔

امام احمد رضا نے پیغمبرانہ بلاغ کی پیروی کی ہے اور نبوی سُنّت پر عمل کیا ہے۔ آپ نے صحیح معنوں میں دعوت وتبلیغ کا حق ادا کیا ہے یعنی بلاغ کے اس معنیٰ کو مدنظر رکھا ہے کہ مقصد کو آخری حد تک پہنچا دیا جائے۔

کتابیات

۱۔ قرآن کریم

۲۔ حدیث پاک

۳۔ یوسف اینڈ ریوز Imam Ahmed Raza & British Converts to Islam (ترجمہ راقم عبدالنعیم عزیزی، بنام امام احمد رضا اور برطانوی مسلم)

۴۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں، الملفوظ حصہ اول وچہارم

۵۔۶۔ امام احمد رضا، مکاتیب بنام مولانا محمد علی مونگیری ومولوی اشرف علی تھانوی۔

دیگر تصانیف امام احمد رضا: ۷۔ حدائق بخشش، ۸۔ تمہید ایمان،

۹۔ انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ۔

۱۰۔ وصایا شریف۔

۱۱۔ حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین۔

۱۲۔ الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ۔

۱۳۔ سل السیوف الہندیہ علیٰ کفر بابا النجدیہ۔

۱۴۔ دافع الفساد عن مراد آبادی۔

۱۵۔ سبحٰن السبوح وغیرہ۔

☆☆☆

دعوت اور دُعاۃ

ڈاکٹر صابر سنبھلی★

اپنے بندوں کو سیدھا راستہ دکھانے کا کام اللہ تعالیٰ نے اولاً اپنے پیغمبروں سے لیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں اگر چہ ان کی اولاد میں شرک و بت پرستی کی بلا نہیں تھی، مگر گناہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ انسانوں کو زندگی کا اسلوب سکھانے کے علاوہ دنیا کے اولین انسان اور پیغمبر کو گناہوں سے روکنے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔ جب تک انسانوں پر شیطان کا سخت داؤں نہ چلا اور وہ شرک وکفر کی تاریکیوں سے دور رہے، انبیا و مرسلین کا کام بھی نسبتاً آسان رہا، مگر جب کفر و شرک کی وبا عام ہوگئی تو انبیائے کرام کا سارا وقت دعوت و تبلیغ میں ہی گزرنے لگا۔ اس لیے کہنا چاہیے کہ دعوت و تبلیغ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی سُنّت ہے، جو بندگانِ خدا اس میں کوشاں رہتے ہیں وہ انبیا کی سُنّت پر عمل کرنے کا اجر پاتے ہیں۔

لیکن یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر اس بارے میں بھی غور کرنا ضروری ہے کہ جس کام کو ہم یا آپ یا چند عالم یا کوئی قوم تبلیغ یا دعوت کہہ دے یا کہنے لگے تو کیا وہ کام ان کے کہنے سے سُنّتِ انبیا ہو جائے گا؟ میرا اِصرار ہے کہ اگر ساری دنیا بھی کہے تو ایسا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ انبیا کی سُنّت وہ کام ہے جس کو انبیا نے کیا ہے ہمارے آقا و مولیٰ رسول آخر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو کام کیے وہ بھی سُنّت کے درجے میں آتے ہیں، تابعین اور تبع تابعین کرام نے جو نیک کام کیے اور جن کو اہل اسلام نے سراہا وہ بھی ان کی سُنّت کہے جائیں گے اور ان کو دوہرانے والے بھی ثواب کے مستحق ہوں گے۔

ذرا خالی الذہن ہو کر غیر جانب داری کے ساتھ فیصلہ کیجیے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سارے انبیا کی تاریخ پڑھ لیجیے، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کی زندگیوں کا مطالعہ کیجیے، آپ کو نہیں ملے گا کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی مسلمانوں میں جا کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا ہو، دینی دعوت ہمیشہ غیر مسلموں کو ہی دی گئی۔ مسلمانوں کو صرف دین کی تعلیم دی جاتی رہی ہے اور اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ غیر مسلموں کو دینے کے جواب میں انبیا و مرسلین علیہم السلام، صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین کرام نے پتھر بھی کھائے، تلواروں کی ضربیں بھی برداشت کیں اور جانیں بھی قربان کیں مگر اس عمل سے ہاتھ نہیں کھینچا۔ (جب کہ آج مسلمانوں میں تبلیغ کے عوض لذیذ کھانوں کی دعوتیں ملتی ہیں) آپ کو ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملے گا کہ کسی نبی نے، کسی صحابی نے، کسی تابعی نے مسلمانوں کی بستیوں میں جا کر نماز کی تبلیغ کی ہو یا کلمہ طیبہ سکھایا ہو اور وہ بھی مسافر بن کر، اب جو لوگ یہ راگ الاپتے نہیں تھکتے کہ ''تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کی طرف اپنی سواریوں کے کجاوے مت کسو'' وہ صرف کلمے اور نماز کی تبلیغ کے نام پر بھاگل پور سے میوات کی مساجد کی طرف اور میوات سے مرشدآباد کی مسجدوں کی طرف آئے دن اپنی سواریوں کے کجاوے کستے رہتے ہیں۔ آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کلمہ اور نماز کی تبلیغ کا کام تو اپنے عمل کو سُنّت کی شکل دینے کی ایک جعلی چال ہے، ورنہ مسلمانوں کی بستی میں روزانہ پانچ بار اذان سننے والا کون سا ایسا مسلمان ہے جسے کلمہ طیبہ یاد نہ ہو، کیوں کہ مسلمانوں کی آبادیوں میں غیر مسلموں کو بھی اذان یاد ہو جاتی ہے، پھر ان کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں سے جو کسی مرحوم کے

★ سیف خان سرائے، سنبھل، مرادآباد (یوپی)

سوئم میں ہزار پانچ سو بار ضرور کلمہ پڑھتے ہیں مجلس سوئم سے باہر آتے ہی کلمہ سنایا جائے یا یاد کرایا جائے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ کلمے کی تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی کی ہے اور صحابہ و تابعین نے بھی، شاید اس طرح نماز کی نام نہاد تبلیغ کو سُنّت قرار دیئے جانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس مسلمان کے گھر جا کر اس کو کلمہ پڑھایا؟ یا مسلمانوں کی کس آبادی میں شرعی سفر پر جا کر نماز کی تبلیغ کی؟ اگر اس عمل کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ، اور تابعین سے ثابت نہیں کیا جا سکتا تو ضد اور انا کو چھوڑ کر صاف اعلان کر دینا چاہیے کہ یہ کام سُنّت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ مسلمانوں کی بستیوں میں (جہاں پہلے سے ہی مسجد بھی ہوں) جا کر نام نہاد تبلیغ کرنے والے اس کام کے لیے غیر مسلموں کی آبادیوں کی طرف کبھی رخ بھی نہیں کرتے، بلکہ ایسی آبادیوں سے کترا کر نکل جاتے ہیں۔ کیا کبھی ان کی یہ تمنا نہیں ہوتی کہ خالص غیر مسلم دیہاتوں میں بھی کلمہ طیبہ اور نماز کا خوب بول بالا ہو، تو پھر وہ اس کے لیے کیا کوشش کرتے ہیں؟ البتہ یہ ضرور سننے میں آیا ہے کہ کبھی کبھار انہوں نے اس نام نہاد تبلیغ میں ترشول دھاری شوسینا کی مدد لی ہے۔ کیا واقعی شیوسینا کلمہ طیبہ اور نماز کی عظمت کی قائل ہے؟ کیا شیوسینا بھی کلمہ طیبہ اور نماز کے فروغ کی خواہش مند ہے؟ کیا ہر دو فریق (یعنی شوسینک بھی) اس تبلیغ کا ثواب پائیں گے؟ اگر نہیں تو پھر اس گٹھ جوڑ اور محبت و انس کا سبب کیا ہے؟ اس راز سے بھی پردہ اٹھانا چاہیے۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جن نام نہاد مبلغین کی زندگیاں اس بدعت میں بسر ہو گئیں وہ زکوٰۃ کے مسائل سے یکسر بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ ان قائدین بدعت کی ہوشیاری اور دانائی ہی ہے۔ نماز پڑھنے میں کسی پیسے کوڑی کا خرچ ہوتا نہیں ہے، ہاں پردیس میں جا کر اگر کسی کو زکوٰۃ نہ دینے کے عذاب سے ڈرایا جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ سفر بیچ میں ہی چھوڑ کر اپنا بقچہ اٹھا کر گھر کا ٹکٹ کٹا لے۔

ہاں! اپنے شہر، محلے، یا گاؤں میں رہ کر اگر دینی باتوں کی تعلیم دی جائے تو یہ عمل دینی دعوت اور تعلیم کے تحت آ سکتے ہیں۔ ہندوستان میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں غیر مسلم نہ ہوں، یا مسلمانوں میں گناہ گار اور بے نمازی نہ ہوں، ایسے حالات میں بہار کے دربھنگہ کے بے نمازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر تبلیغ کے نام پر ریاست ہریانہ کے گڑگاؤں کی مسجدوں کو بد بو سے بسانے کے لیے سفر کرنا اور قصر نمازیں پڑھتے ہوئے جانا کس کی سُنّت ہے؟ یہ بات شاید جماعت کے امیر الامرا بھی نہ بتا سکیں۔

لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس طریقۂ تبلیغ کے جواز کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی وہ یوں کہ کلمۂ طیبہ کی تبلیغ غیر مسلموں میں کی جائے اور نماز کی تبلیغ مسلموں میں، چوں کہ بھارت میں مسلم اور غیر مسلم اکثر ساتھ ساتھ رہتے ہیں، اس طرح کوئی مضحکہ خیز صورت بھی پیدا نہ ہوگی، مگر اس مشورے کو مانے گا کون؟ الیاسی تبلیغی جماعت تو ماننے سے رہی۔

تمہید کچھ زیادہ طویل ہو گئی، عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی کام کو دعوت یا تبلیغ کے لیے منتخب کرنے سے پہلے یہ غور کرنا ضروری ہے کہ یہ کام واقعی سُنّت ہے یا ایک بدعت کو کار ثواب بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

دعوت و تبلیغ کا کام ہر مکتبِ فکر میں ہوتا ہے۔ بدھ بھکشو بودھ دھرم کا پرچار کرتے ہیں، گیتا پریس گورکھ پور سے سناتن ہندو دھرم کا لٹریچر شائع ہوتا ہے، کچھ لوگ جے گرو دیو دھرم کا پرچار کرتے بھی نظر آئیں گے، آر، ایس، ایس کا اصل مقصد ہندو ثقافت کا احیا ہی ہے، آریہ سماج کے جلسے اور لٹریچر دیگر مذاہب پر کھلے حملے کا کام کرتے ہیں، عیسائی اسپتال اور مشن سے متعلق تعلیمی ادارے نہایت خاموشی سے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو پھانسنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ نوٹ بھی خوب صرف کرتے ہیں، قادیانیوں کی نام نہاد تبلیغ کا کام بڑے اعلیٰ پیمانے پر چل رہا ہے، اہل تشیع میں اکثر افراد مبلغ ہوتے ہیں اور ہر ایک

کا یہ انتہائی مقصد ہوتا ہے کہ زندگی میں ایک فرد کو کم سے کم ضرور شیعہ بنالے، نام نہاد جماعت اسلامی اور الیاسی تبلیغی جماعت کے لوگوں کو ہر وقت اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے دیکھا جاسکتا ہے، مگر اہل سُنّت و جماعت میں اس طرف توجہ کم ہے، سوائے مدارس ، تصانیف و تالیفات کے، اس وجہ سے جماعت کو نقصان بھی پہنچ رہا ہے۔

اوپر جتنے نام نہاد تبلیغی اداروں کا ذکر ہوا ان کے ارکان اپنے کام میں بہت ماہر اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کو اس کام کے لیے باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اس کے شواہد ان کے ہاؤ بھاؤ اور کام کرنے کے طور وطریقوں سے ملتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے عموماً اپنے اندر کچھ خصوصیات پیدا کرتے ہیں اور کچھ طریقے اختیار کرتے ہیں، جن کا لب لباب یہ ہے، ان سے ان کو اپنے طریقوں کو کامیاب بنانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

ان ادیان کے نام نہاد مبلغین اور دُعاۃ کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دعوت میں کسی قسم کی تلخی کو راہ پانے کا موقع نہ ملے۔ یہ سبھی دیگر ادیان و مذاہب کا کہیں کھل کر اور کہیں اشارات میں رد کرتے ہیں، مگر اس بات کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں کہ میدان دعوت میدانِ مناظرہ نہ بن جائے، دوسروں کا رڈ کیے بغیر اپنے دین کو برحق ثابت کرنا بہرصورت ناممکن ہے۔ لیکن دعاۃ کی یہ عادت ان کی خوبی ہی کہی جاتی ہے کہ اگر کوئی مخالف ان سے مناظرہ کرنے پر آمادہ ہوجائے تو کم از کم میدانِ دعوت میں یہ لوگ فوراً اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، پھر ایک لفظ بھی ان کی زبان سے ایسا نہیں نکلتا جو اختلاف کا سبب بنے۔ ان کی یہ عادت ان کے کام میں بڑی مدد و معاون ہوتی ہے، لیکن یہ مفتیانِ شرع ہی بتائیں گے کہ تبلیغ کے تعلق سے یہ رویہ شرعاً کیسا ہے؟

نرم روئی، شیریں بیانی اور خوش مزاجی ایسی عادتیں ہیں جو مخالف کو بھی زیر کر لیتی ہیں۔ عام طور سے مبلغین ان خوبیوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ دل میں کیا ہے یہ تو خدا ہی جانتا ہے؟ مگر انسانوں کو تو یہ عادتیں بھاتی ہی ہیں بعض دین سے ناواقف ان ظاہری خوبیوں کی وجہ سے ہی لٹو ہو جاتے ہیں اور ان کی باتیں ان کے دلوں میں گھر کر جاتی ہیں۔

خالق و مالک کا ذکر، اس کی حمد اور اس کی ذات پر بھروسا دلانا بھی سبھی مبلغین کا وطیرہ ہوتا ہے۔ اگر ان کا سامع کسی طرح کی پریشانی میں مبتلا ہے تو پہلے زبانی پھر عملاً اس کی مشکلات کو حل کرانے کا یقین دلاتے ہیں اور دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح اس کی مدد کرتے ہیں۔ اب وہابیہ، غیر مقلدین بھی پیٹرو ڈالر سے کام لینے لگے ہیں، اس دولت سے ان کو بہت فائدہ مل رہا ہے، لیکن سُنّیمسلمان کے پاس بھلا اتنا پیسہ کہاں اور ہو بھی تو اہلِ حق غیر شرعی ذرائع پر بھروسہ کبھی نہیں کرتے۔

کرنسی کا حربہ اس وجہ سے بھی زیادہ کارگر اور کامیاب ہے کہ آج دنیا کے بیشتر انسان روزگار کی طرف سے پریشان رہتے ہیں۔ کوئی ملازمت چاہتا ہے مگر نہیں ملتی تو کوئی کاروبار میں نقصان اٹھا کر فاقوں کا شکار ہوجاتا ہے اور قرض خواہوں سے اپنی عزت بچانے کے لیے ہر وقت فکر مند رہتا ہے تو ایسے میں کرنسی نوٹ ہی اس کی مشکل کا حل ہوتے ہیں۔ نئے دین کی طرف سے مبلغین اس کے شکوک وشبہات دور کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں بس پھر شکار کے ہاتھ سے نکلنے کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

آج کے دور میں (بلکہ شاید ہمیشہ سے) انسانوں کی بنیادی ضرورتیں تین ہیں یعنی روٹی، کپڑا اور مکان انسان زیادہ تر ان کی تلاش اور حصول ہی میں سرگرداں رہتا ہے۔ جو لوگ ان میں سے کسی ایک چیز سے بھی محروم ہیں یا ایک سے زیادہ چیزوں کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں ان پر کرنسی نوٹ کا حربہ بہت زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ کھانے کمانے کے چکر میں سیکڑوں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ اپنے آبا و اجداد کے دین سے منحرف ہوگئے۔ اس طریقے سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والی

جماعت جماعتِ اہل سُنّت ہی ہے، افسوس اس بات پر ہے کہ ہم اپنی زکوٰۃ کا بھی صحیح اور سوچ سمجھ کر استعمال نہیں کرتے۔

صحت کو بنائے رکھنا اور بیماریوں سے مقابلہ کرنا بھی آج بڑا مسئلہ ہے۔ اس زمانے میں بعض بیماریاں ایسی بھی ہیں کہ غریبوں کی تو حیثیت کیا ہے متمول حضرات بھی ان کا کما حقہ مقابلہ نہیں کر سکتے اور اگر کرتے ہیں تو بجٹ بگڑ جاتا ہے۔ اس لیے عیسائی مشنریوں نے ایک زمانے میں خیراتی اسپتالوں سے بڑا فائدہ اٹھایا، اب کچھ دوسرے ادیان کے علمبردار بھی خیراتی اسپتالوں کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ عیسائیوں کے اِسکولوں نے بھی برٹش عہدِ حکومت میں تبلیغ کے معاملے میں بڑا کام کیا مگر اب وہ تو کم، ششو مندر، سرسوتی اسکول اور بال ودیا مندر جیسے ادارے اس معاملے میں زیادہ ہی پیش پیش ہیں۔ اگر یہ کسی مسلمان کو ترک مذہب پر آمادہ نہ بھی کر سکیں تب بھی ان کے بچوں کے عقیدے ضرور خراب کر دیتے ہیں۔ مذہب حقہ کے قائدین کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ عربی مدارس کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کے اسکولوں کی ضرورت بھی اب پہلے سے زیادہ ہے۔

کچھ مبلغین عوام کو متأثر کرنے کے لیے ایک حربہ اور بھی استعمال کرتے ہیں اور وہ ہے ''دعا'' عیسائی مشنری اس حربے کو بہت استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے یہ جگہ جگہ دعائیہ جلسے منعقد کرتے ہیں، پھر یہ پروپیگنڈے کرتے ہیں کہ لوگوں کی دعائیں قبول ہورہی ہیں اور وہ فیض یاب ہورہے ہیں۔ اس پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر بھیڑ بڑھنے لگتی ہے تو مزید پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ دیکھئے دُعا میں آنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جلسے میں مانگی گئی پادریوں کی دعائیں (جن پر عوام صرف ''آمین'' کہتے ہیں) قبول ہورہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگوں کے مسائل اتفاقیہ طور سے یا کسی اور ذریعے سے یا قیمت سے بھی حل ہو جاتے ہوں تو ان کا اور بھی زیادہ شور سے پروپیگنڈہ ہوتا ہے، اگر کسی کی دعا قبول نہ ہو تب بھی پروپیگنڈے میں کمی نہیں رکھی جاتی۔ یہ تأثر بھی دیا جاتا ہے کہ دعائیں انہیں کی قبول ہوتی ہیں جو اہل حق ہوتے ہیں، جبکہ (اللہ رحیم وکریم سب سُنْتا ہے اور کسی کو بھی محروم نہیں رکھتا) کچھ ایسا ہی شہرہ نام نہاد الیاسی تبلیغی جماعت کی دُعا کا بھی ہوتا ہے جو اجتماع کے آخری دن ہوتی ہے اور اس میں ناواقفیت سے ایسے لوگ بھی بڑی تعداد میں شامل ہو جاتے ہیں جو ان کے خیالات اور اعمال سے قطعاً اتفاق نہیں رکھتے۔ مگر پھر اُن کے مداح ہو جاتے ہیں تو دعا قبول ہو یا نہ ہو اس کی وجہ دعا کے وقت ہونے والی رِقت ہوتی ہے۔

اصل میں بناوَٹی رقت بھی ایک فن ہے۔ جو اس کا ماہر ہو وہ بڑے بڑے سخت دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر اور نفسیاتی حقیقت ہے کہ رونے والی آواز (ہچکیوں) کو سن کر اور آنسوؤں کو دیکھ کر ہر شخص متاثر ہوتا ہے اور وہ بھی رونے لگتا ہے۔ آنکھ روتی ہے تو دل نرم پڑ جاتا ہے، بس پھر کیا ہے نرم دل کو کسی بھی سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے، الیاسی تبلیغی جماعت کے آخر میں ہونے والی دعا بڑی آسانی سے عوام کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس جماعت کے پاس بڑے بڑے اداکار رونے والے مقرر اور دعا خواں ہیں۔ اس جماعت سے اتفاق رکھنے والوں نے بھی اس فن سے بہت کام لیا ہے۔ وہ اکثر تقریر کرتے کرتے رونے لگتے ہیں، آواز گلے میں رندھ جاتی ہے، آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں، جن کو رومال سے پونچھتے وقت تقریر بھی رک جاتی ہے۔ اس جماعت کے بعض مخالفوں کو بھی دیکھا گیا کہ رقت والی تقریریں سن سن کر ان مقررین کے مداح ہو جاتے ہیں۔

اہلِ سُنّت کے یہاں ہدایت دینے کے آج بھی قدیم طریقے رائج ہیں، جو جدید طریقوں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب نہیں رہے۔ اغیار کے جو طریقے شرعاً جائز ہوں دُعاۃِ اہل سُنّت کو بھی اپنا لینے چاہیں۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور نظریۂ دعوت

محمد توفیق برکاتی مصباحی ★

مجدد اعظم، فقیہ اسلام، امام اہل سُنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کی ہمہ جہت ذات اور قابل قدر شخصیت کسی تعارف، تبصرے اور ترجمے کی محتاج نہیں۔ آپ نے پوری زندگی دین کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کردی، پژمردہ قلوب میں عشق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چراغ جلایا، شعائر اسلام کے تحفظ و بقا کی خاطر قلمی جہاد کیا، اُمت مسلمہ کے عقائد کو استحکام عطا کیا، خدا اور رسول کی ذات پر، معمولات اہل سُنّت پر اور مسلمہ عقائد پر ہونے والے حملوں کا بھرپور دفاع کیا اور دلائل و شواہد کی روشنی میں احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے علمی وفقہی کارہائے نمایاں اور دینی وملی خدمات جلیلہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ جن پر عالمی جامعات میں تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔(۱) آپ کی آفاقی شخصیت کے نت نئے گوشے سامنے آرہے ہیں، تابندہ نقوش سے عالم اسلام بہرہ ور ہورہا ہے۔(۲)

مذہب کے فروغ وابلاغ میں امام احمد رضا کی تعلیمات اور عالم گیر ذات سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے، جس کی خوش نما اور رنگارنگ کرنوں سے پوری دنیائے اسلام رہنمائی حاصل کررہی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقش بندی رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا کی ذات ایک بحر ذخار اور روشن آفتاب و ماہ تاب ہے جس کی موجوں اور شعاؤں کا شمار کرنا ممکن نہیں''۔(۳)

حضرت علامہ سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ کمال نہیں کہ وہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ وہ بہت بلند پائے کے فلسفی تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ ریاضی وہیئت کے دانائے راز تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ فقہ کے افق کے درخشاں آفتاب تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں اچھی شاعری کرتے تھے۔ کمال تو یہ ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے جو انفرادی طور پر دوسرے لوگوں میں شان افتخار اور اولوالعزمی کا سبب بنا کرتی ہیں۔''(۴)

دعوت وارشاد کی حقیقت، اس کا حقیقی مفہوم: اسلوب دعوت اور اس کے بنیادی نکات امام احمد رضا کی نگاہ میں کیا تھے، آپ کی تعلیمات سے کیا اشارہ ملتا ہے، اس کی اہمیت وافادیت کے تعلق سے آپ نے کیا نظریہ پیش کیا؟ زیر ترتیب مضمون میں ان تمام باتوں پر قدرے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

دعوت وتبلیغ ایک عظیم مذہبی فریضہ ہے جو ایمان والوں کو خداوند قدوس کی جانب سے تفویض ہوا ہے قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں، خود امت محمدیہ کی افضلیت و برتری اور شان وعظمت کی وضاحت میں قرآن کریم میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسی صفات کا استعمال ہوا۔ (۵) انبیائے کرام ورسولان عظام کی بعثت وتشریف آوری کا مقصد دعوت الی الحق ہی تھا۔ (۶) بقدر استطاعت گردوپیش میں پھیلے ہوئے منکرات کا قلع قمع اور خلاف شرع امور کا انسداد اور قوم کی نسبت رہنمائی بہت ضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''ازالۂ منکر بقدر قدرت فرض ہے''۔(۷)

مزید فرماتے ہیں: ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضرور

بنصوص قاطعہ قرآنیہ اہم فرائضِ دینیہ سے ہے اور بحال وجوب اس کا تارک آثم و عاصی اور ان نافرمانوں کی طرح خود بھی مستحق عذاب دنیوی واخروی۔ احادیث کثیرہ اس معنی پر ناطق ہیں"۔(۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یوں نہیں خدا کی قسم یا تو تم ضرور امر بالمعروف کرو گے، ضرور نہی عن المنکر کرو گے، یا ضرور اللہ تعالیٰ تمہارے دل ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر اپنی لعنت اتارے گا جیسی ان بنی اسرائیل پر اتاری۔(۹)

دعوت وتبلیغ کی اہمیت وافادیت وضرورت مسلم تو ہے ہی، اس سے زیادہ اہمیت ان لازمی امور کی ہے جن کی بجا آوری اس عمل میں بے حد ضروری ہے۔ یہ میدان بڑا دشوار گزار اور پر آشوب ہے جس میں حکیمانہ طرز عمل اور ناصحانہ اسلوبِ بیان اختیار کرنا، نیز عصری تقاضوں کو پیش نظر رکھنا اور بہترین تدابیر کو عمل میں لانا بہت ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے" (۱۰) یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف کے اندر حکم دیا گیا کہ تبلیغ سامعین کے حال کے مطابق ہونی چاہیے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ میں اِس طرز کی کئی احادیث ذکر فرمائی ہیں۔(۱۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو کسی قوم کے آگے وہ باتیں بیان کرے گا جن تک ان کی عقلیں نہ پہنچیں تو ضرور کسی پر فتنہ ہوں گی۔(۱۲)

دین کی ترویج و اشاعت میں حکمت وموعظت، نرمی و ملائمت، خوش اخلاقی ونرم خوئی کو روح کا درجہ حاصل ہے، اس لیے کہ سنجیدہ گفتگو دل پذیر ہوتی ہے اور اذہان خود بخود اس کی جانب جھکتے ہیں۔ اس کے برخلاف غیر سنجیدہ جذباتی اور تشدد پسندانہ طرز تکلم سے کام بننے کی بجائے بگڑ جاتا ہے اور اس سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نرمی کے فوائد کے بارے میں امام اہل سُنّت ارشاد فرماتے ہیں:

"دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتداءً نرمی برتی گئی۔" (۱۳)

اپنے ایک فتویٰ میں تحریر کرتے ہیں:

"مقاصدِ شرع سے ماہر خوب جانتا ہے شریعت مطہرہ رفق وتیسیر پسند فرماتی ہے، نہ معاذ اللہ تضییق وتشدید۔"(۱۴)

لوگوں کو برائیوں سے منع کرنے اور نیک باتوں کا حکم دینے میں حدود اللہ کی رعایت اور اس کا پاس ولحاظ ناگزیر ہے۔ بے جا تشدد اور تعصب زدہ اسلوب بیان سخت نقصان کا پیش خیمہ ہے۔ امام اہل سُنّت قدس سرہ فرماتے ہیں:

"امر بالمعروف ونہی عن المنکر عمدہ تمغائے مسلمانی ہے۔ اس نیک کام میں بہت لوگ حدود خداوندی کا خیال نہیں رکھتے اور تعصب کو یہاں تک نباہتے ہیں کہ ان کا گناہ ان جاہلوں کے گناہ سے بدر جہا زائد ہو جاتا ہے جن کے لیے یہ ناصح مشفق بنے تھے۔"(۱۵)

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید قرآن وحدیث میں واضح الفاظ میں کی گئی ہے۔ ان کی دل داری اور اطاعت بہر حال لازمی ہے۔ ہاں اگر یہ دل داری اور فرماں برداری شرعی امور میں حائل ہو تو جائز نہیں۔ ماں باپ اگر خلافِ شرع کام بھی کریں تو انہیں اس سے روکنے اور باز رکھنے کی لیے سختی سے پیش آنے کی ممانعت ہے بلکہ نرمی اور ان کا ادب واحترام بہر صورت ضروری ہے۔

اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"امر ونہی میں والدین سے سخت کلامی جائز نہیں۔"(۱۶)

ایک دوسرے فتویٰ میں تحریر کرتے ہیں:

"اطاعتِ والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں۔ اُن کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے، مگر اس کے سبب یہ امور جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر وہ کسی

ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں ''لا طاعة لأحد فی معصیة الله تعالیٰ، ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے، اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا، بلکہ غیبت میں ان کے لیے دعا کرے۔'' (۱۷)

انسدادِ جرائم ودفع منکرات میں جہاد کافی موثر ذریعے ہے اور منکر کے ازالہ میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ جہاد کی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جہاد کہ اعظم وجوہ ازالۂ منکر ہے اس کی تقسیم تین اقسام پر ہے، سنانی، لسانی، جنانی۔ جنانی یعنی کفر وبدعت، فسق کو دل سے برا جاننا۔ یہ ہر کافر، مبتدع وفاسق سے ہے اور ہر مسلمان کہ اسلام پر قائم ہو، اسے کرنا ہے۔ مگر جنہوں نے اسلام کو سلام اور اپنے آپ کو کفار و مشرکین کا غلام کیا، ان کی راہ جدا ہے۔ ان کا دین غیر دین خدا ہے۔ اور لسانی کہ زبان وقلم سے ردّ، بحمدہ تعالیٰ خادمانِ شرع ہمیشہ سے کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو دمِ آخر تک کریں گے، وہابیہ، نیاچرہ، دیوبندیہ، قادیانیہ، روافض، غیر مقلدین، ندویہ، آریہ، نصاریٰ وغیرہم کا ردّ کیا اور اب گاندھویہ سے برسر پیکار ہیں۔ حق کی طرف بلاتے اور باطل کو باطل کر دکھاتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ گروں سے بچاتے ہیں **وللہ الحمد**۔ آگے ہدایت رب عزوجل کے ہاتھ ہے۔'' (۱۸)

اس اہم اور پر اثر کام میں اپنے معمولات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دفع گمراہان میں جو کچھ اس حقیر ہیچ میرز سے بن پڑتا ہے بحمداللہ تعالیٰ ۱۴ برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے اور میرے رب کریم کے وجہ کریم کو حمد کہ اس نے میری بساط، میرے حوصلے، میرے کاموں سے ہزاروں درجہ زائد اس سے نفع بخشا۔'' (۱۹)

آپ نے پوری زندگی اشاعت دین ومذہب میں گزار دی، بدمذہبوں کا ردِ بلیغ کیا، ہزار سے زائد کتب ورسائل تصنیف کیے، تحریر و تقریر اور وعظ ونصیحت بلکہ اپنے کردار وعمل، معمولات وتعلیمات کے ذریعے مذہب اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور ہمیشہ ہر وقت فکر امت میں لگے رہے۔

دین کی اشاعت کے لیے خاطر خواہ کام نہ ہونے کی وجہ سے اپنا درد دل کچھ یوں بیان کیا:

''بڑی کمی امرا کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے۔ حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ ''وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا'' کوئی عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے نہیں۔ کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں نہیں، جو کچھ کر سکتے ہیں فارغ البال نہیں، جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں۔ بعض نے خون جگر کھا کر تصانیف کیں تو چھپیں کہاں سے۔ کسی طرح سے کچھ چھپا تو اشاعت کیوں کر ہو۔'' (۲۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے خود اپنے دانش مندانہ طرز عمل اور مدبرانہ تفہیم کے ذریعے نظریۂ دعوت کو آشکارا کیا اور مخاطب کی نفسیات کو پرکھ کر تبلیغ دین کے لیے زاویے متعین فرمائے، ایک سید صاحب کی اصلاح کا ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو۔ امام احمد رضا قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

ایک صاحب سادات کرام سے اکثر میرے پاس تشریف لاتے اور غربت وافلاس کے شاکی رہتے۔ ایک مرتبہ بہت پریشان آئے میں نے ان سے دریافت کیا کہ جس عورت کو باپ نے طلاق دے دی ہو کیا وہ بیٹے کو حلال ہوسکتی ہے؟ فرمایا: نہیں، حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جن کی آپ اولاد ہیں تنہائی میں اپنے چہرہ مبارکہ پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا: اے دنیا! کسی اور کو دھوکہ دے، میں نے تجھے طلاق دے دی جس میں کبھی رجعت نہیں پھر ساداتِ کرام کا افلاس کیا تعجب کی بات ہے؟ سید صاحب نے فرمایا: واللہ میری تسکین ہوگئی، وہ اب زندہ موجود ہیں۔ اس دن سے شاکی نہ ہوئے (۲۱)

سوچیے، غور کیجیے! کس خوب صورت اندازِ تخاطب کے ذریعے اعلیٰ حضرت نے سید صاحب کی اصلاح فرمائی اور دین کا پیغام دیا۔ یہ

اسلوب دعوت اور طرز عمل آپ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسوۂ حسنہ سے سیکھا، جس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جوان کو زنا کے متعلق اجازت طلب کرنے کے سوال واستفسار پر اس کی قباحت وشناعت سے آشنا کر دیا اور شائستہ طرز عمل سے زنا کاری جیسے عظیم تر گناہ کو اس کی نگاہ میں ناپسندیدہ بنا دیا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس عظیم تاریخی واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

ایک شخص خدمت اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ میرے لیے زنا حلال فرما دیجیے۔ صحابہ کرام نے انہیں قتل کرنا چاہا کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ گستاخی کے الفاظ کہے۔ حضور نے منع فرمایا اور ان سے فرمایا: قریب آؤ، وہ قریب حاضر ہوئے اور قریب فرمایا۔ یہاں تک کہ ان کے زانوئے اقدس سے مل گئے۔ اس وقت ارشاد فرمایا: کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے عرض کی نہ، فرمایا: تیری بیٹی سے، عرض کی نہ، فرمایا: تیری بہن سے، عرض کی نہ، تیری پھوپھی سے، عرض کی نہ، فرمایا: تیری خالہ سے، عرض کی نہ۔ فرمایا: کہ تو جس سے زنا کرے گا آخر وہ بھی کسی کی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ ہوگی یعنی جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسرے کے لیے کیوں پسند کرتا ہے۔ دست اقدس ان کے سینہ پر مار کر دعا فرمائی کہ الٰہی! زنا کی محبت اس کے دل سے نکال دے۔ وہ صاحب کہتے ہیں: جب میں حاضر ہوا تھا تو زنا سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی چیز نہ تھی اور اب اس سے زیادہ کوئی چیز مجھے مبغوض نہیں۔ (۲۲)

یہ حدیث پاک (مسند امام احمد بن حنبل ص ۲۵۶، ۲۵۷ ج ۵) میں موجود ہے۔

امام احمد رضا نے اس طرز کے اور واقعات اپنی کتب ورسائل میں تحریر کیے ہیں اور وعظ ونصیحت میں بیان فرمایے، جس سے یہ نظریہ اخذ ہوتا ہے کہ دعوت کی اہمیت کیا ہے اور اس کے اسلوبِ بیان اور موثر تدبیریں کتنا اثر رکھتی ہیں۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تعلیمات ہمیں عنایت فرمائی ہیں اقوام عالم کو ان سے روشناس کریں اور دعوت وتبلیغ کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ کی مناسب رہنمائی کریں۔

مآخذ ومراجع

(۱) امام احمد رضا قادری اور عالمی جامعات از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کراچی

(۲) حیاتِ رضا کی نئی جہتیں از ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

(۳) پروفیسر محمد مسعود احمد، چشم و چراغِ خاندان برکاتیہ، نوری مشن مالیگاؤں، ص ۷

(۴) مولانا عبدالستار ہمدانی، کہی ان کہی، مقدمہ، نوری مشن مالیگاؤں، ص ۲

(۵) القرآن الکریم، آل عمران ۳۔ آیت ۱۱۰

(۶) تفسیر ابن عباس ص ۲۹۰

(۷) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ اوّل ص ۱۶۹ ج ۹ رضا اکیڈمی ممبئی

(۸) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ اوّل ص ۲۱۵ ج ۹ رضا اکیڈمی ممبئی

(۹) امام سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، الملاحم ص ۵۹۶ ج ۲

(۱۰) القرآن الکریم، سورہ نحل ۱۶۔ آیت ۱۲۵

(۱۱) امام احمد رضا قادری، جامع الاحادیث ص ۱۹۳، ۱۹۴ ج ۱

(۱۲) امام جلال الدین سیوطی، جامع صغیر، ص ۹۷ ج ۲

(۱۳) مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری، الملفوظ حصہ اول ۳۲، رضا اکیڈمی ممبئی

(۱۴) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ مترجم ص ۱۵۱ ج ۱۱ پوربندر گجرات

(۱۵) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ مترجم ص ۱۰۹ ج ۱۱ پوربندر، گجرات

(۱۶) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، نصف اخیر ص ۲۶۱ ج ۹ رضا اکیڈمی ممبئی

(۱۷) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی ص ۹۶ ج ۹

(۱۸) امام احمد رضا قادری، رسالہ ''المحجۃ المؤتمنۃ فی آیات الممتحنۃ'' ص ۹۴

(۱۹) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ ص ۳۳ ج ۱۲ رضا اکیڈمی ممبئی

(۲۰) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی ص ۳۳ ج ۱۲

(۲۱) مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری، الملفوظ حصہ اوّل ص ۶۳، رضا اکیڈمی ممبئی

(۲۲) مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری، الملفوظ، رضا اکیڈمی ممبئی، حصہ اوّل، ص ۳۲

(۱۲) کلیاتِ مکاتیب رضا، ص ۳۸۸ ج ۱

(تفصیل دیکھیں: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، فتاویٰ رضویہ، جلد دوازدہم، طبع ممبئی)

☆☆☆

باب چھارم

دعوت وتبلیغ میں صوفیا ومشائخ کا کردار

مذہبِ اسلام کی تعلیمات کو عام سے عام تر کرنے میں صوفیا ومشائخ نے وہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے جس سے ماضی وحال کی تاریخ کے صفحات تابناک ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان کا چپہ چپہ اُن کی خدمات ومساعی سے اس طرح لپٹا ہوا ہے کہ اب ایک کو دوسرے سے جدا کرنا محال ہے۔ یہ باب صوفیا ومشائخ کی خدمات ومساعی اور ان کے کردار واخلاق کو اجاگر کرتا ہے کہ جس کے سحر سے لوگ اسلام کے قریب آئیں گے۔

خلفائے راشدین کی دینی ودعوتی خدمات

محمد اسلم رضا قادری ★

دعوت وتبلیغ کا بنیادی مقصد اسلامی احکام وتعلیمات کا نفاذ و عمل ہے، تاکہ معاشرے سے ہر طرح کی برائیوں کا انسداد ہو، ہر شخص قرآن وحدیث اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عین مطابق اپنے شب وروز گزار کر اسلام کا شیدائی وفدائی بن کر، محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں محو ہو کر کتاب وسنت کا صحیح معنی میں پاسبان ومحافظ بن جائے، اس کے ایثار وقربانی، جاں نثاری وفدا کاری سے چمن اسلام خوب لہلہائے، اس باغ کا ہر گل وبوٹا اپنی مشکبار خوشبو سے اطراف و اکناف کو معطر کردے۔ بلا ریب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب واحباب بھی ایسے ہی افراد واشخاص تھے جن کے مجاہدانہ کردار وعمل، اخلاص وللّٰہیت اور جذبۂ صداقت سے دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بامِ عروج تک پہنچ گیا، شریعت وسنت محمدی علیہ التحیۃ والثنا کا تحفظ، احکامِ اسلامی اور تعلیماتِ مصطفوی کی تشکیل وترویج ان مقدس اصحاب کی حیات کا جزو لاینفک بن چکی تھی۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا وہ مقدس گروہ ہے جن کے ایثار، اخلاص، آپسی الفت ومحبت کی نظیر کوئی پیش نہیں کرسکتا۔ یہ ایسے نفوس قدسیہ ہیں جن کے مومن صادق ہونے کی شہادت خود اللہ رب العزت نے دی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کی شہادت وعظمت اس طرح بیان فرمائی ''**اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم**'' میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

حقیقت میں جو اسلام ہم تک پہنچا ہے وہ انہیں جاں نثاروں، عزم واستقلال کے پیکروں، خلوص ووفا کے چہروں کی مساعی جمیلہ اور داعیانہ زندگی کا ثمرہ ہے۔ اگر اُن حضرات نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اسلامی احکام وتعلیماتِ رسول کی زمام پر اپنی گرفت مضبوط نہ کی ہوتی تو شجر اسلام کبھی کا پژمردہ ہو کر رہ جاتا لیکن ان اصحاب نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسلوبِ دعوت وتبلیغ کو اپنا کر ایسے زرین کارنامے، دینی ملی اور دعوتی وتبلیغی خدمات انجام دیں اور ایسے ایسے ممالک و امصار کو فتوحات اسلامی میں شامل کیا جہاں سے اسلام اور بانیِ اسلام کی صدا گونج اٹھی۔ مصر، دمشق، روم، عراق کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم حق وصداقت اپنی شان بان سے لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ لوگ اپنے رسول کے ان غلاموں کی زندگی دیکھ کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا اندازہ لگاتے، ان کے جذبۂ عشق ومحبت کو دیکھ کر اپنے قلوب کو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا مدینہ بناتے، وارفتگی وجاں نثاری کا جذبہ انہیں سے سیکھتے۔ بقول ڈاکٹر اقبال ؒ:ع

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

بلا شبہ یہ مبارک جماعت تحفظ اسلام اور احیائے سنتِ خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولین داعی ومحرک ہے۔ اس بنا پر ان کی خدمات جلیلہ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ ہزار ہا صحابہ میں بھی خلفائے راشدین کی عظیم ترین قربانیاں سب سے اہم ہیں اور یہی خلفائے اربعہ انبیا ومرسلین کے بعد ساری خلق میں افضل واعلیٰ ہیں۔ بقول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ السامی ''اہل سنت وجماعت نصرھم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ مرسلین، ملائکہ ورسل انبیائے بشر صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں، تمام امم عالم اولین وآخرین میں کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا'' **ان الفضل بيد الله، يؤتيه من يشاء، والله ذو الفضل العظيم**o'' یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (کنز الایمان)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی، پھر مولیٰ علی، صلی اللہ تعالیٰ علی سیدہم ومولاہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم۔

★ مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ صدر بازار باسنی ناگور، راجستھان

مذہب مہذب پر آیات قرآن عظیم واحادیث کثیرہ حضور پر نور نبی کریم علیہ والہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشاداتِ جلیلہ واضحہ امیر المومنین مولیٰ علی مرتضی ودیگر ائمہ اہل سنت طہارت وارتضا واجماع صحابہ کرام وتابعینِ عظام وتصریحات اولیائے امت وعلمائے ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے وہ دلائل باھرہ وحجج قاھرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہوسکتا'' اھ (فتاویٰ رضویہ ۱۱/۱۴۶، ۱۴۷)

مندرجہ ذیل سطور میں ہم بالترتیب خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی دینی وعلمی، تبلیغی اور دعوتی خدمات کا ایک مختصر جائزہ سپرد قرطاس کریں گے تا کہ یہ امر آفتاب نیم روز کی مانند عیاں ہوجائے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلفاو تلامذہ نے اپنے رسول رحمت کی سنت وشریعت کی کس طرح پاسبانی کی ہے اور کن کن مصائب وآلام، تکالیف ومحن کا سامنا کرتے ہوئے احقاقِ حق وابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا۔

آج انہیں خلفائے راشدین کی بے لوث خدمات وقربانیوں، دینی ودعوتی کارناموں اور تبلیغی جدوجہد کا صدقہ ہے کہ اسلام کی اخلاقی وروحانی تعلیمات وہدایات، ہمدردی وغم خواری سے بھری معلومات کو لوگ پڑھ کر، دیکھ کر اور سن کر دامن اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سیرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی پڑھیں اور آپ کے ان خلفا کے کارناموں اور خدمات دینی کا بھی خوب مطالعہ کریں تا کہ یہ کاروان حیات وعشق یوں ہی روز افزوں ترقی پذیر رہے۔

عہد صدیقی اور خدمت دین: مؤرخ عصر مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دینی، ملی، دعوتی اور تبلیغی کارناموں پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق نے جس دن اسلام قبول کیا دین حق کی اشاعت اور اسلام کے استحکام کے لیے اپنی ذات کو وقف کردیا۔ آپ ہی کی دعوت پر قریش کے بعض اہم لوگوں نے اسلام قبول کیا، جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو دین کی اشاعت و استحکام کا احساس اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ فتنۂ ارتداد کا انسداد، مانعینِ زکوٰۃ کا تدارک اپنا فرض سمجھا اور حالات کی نزاکت ونامساعدت کے باوجود تمام امور پران کاموں کو مقدم رکھا۔ آپ کی مساعیِ جمیلہ سے مخالفینِ زکوٰۃ راہ راست پر آگئے۔ مرتدین کی اکثریت تائب ہوکر اسلام میں داخل ہوگئی، اس طرح آپ نے جب بھی کسی لشکر کو دشمن کے مقابلہ کے لیے بھیجا یہ نصیحت کی کہ دشمن کے سامنے پہلے اسلام پیش کیا جائے۔ عہد صدیقی کی فتوحات میں جہاں اسلامی ریاست کی توسیع ہوئی وہیں حضرت خالد بن ولید کی دعوت پر عراق کے اکثر قبائل نے اسلام قبول کیا، حیرہ کے عیسائی راہب پر اسلام کی حقانیت واضح ہوئی اور وہ مسلمان ہوگیا، مدعیٔ نبوت طلیحہ مشرف باسلام ہوا، مثنیٰ بن حارثہ کی مساعیٔ جمیلہ سے بنی وائل کے تمام مشرک اور نصرانی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔'' (خلفائے راشدین، ص: ۱۴۶، ۱۴۷)

عہدِ صدیقی میں تدوینِ قرآن: محقق عالم دین علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی اعظمی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہم ترین خدمت ''تدوین قرآن'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''امام احمد، امام بخاری، ترمذی، نسائی، ابن حبان (فی الصحیح)، طبرانی (فی الکبیر)، ابن جریر، ابن المنذر، ابن داوٗد (فی المصاحب)، ابوداوٗد طیالسی، ابن سعد اور عدنی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تدوین ثانی کی تفصیل یوں روایت کی ہے، فرماتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق نے جنگ یمامہ (جس میں تقریبا بارہ سو صحابۂ کرام شہید ہوئے جس میں حفاظ صحابہ کی تعداد سات سو تھی) کے بعد میرے پاس دو آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا۔ میں ان کے یہاں حاضر ہوا تو حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکر صدیق نے مجھ سے فرمایا ''عمر نے مجھ سے کہا کہ جنگِ یمامہ میں حفاظِ قرآن کی بڑی شدید خونریزی ہوئی ہے، مختلف معرکوں میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سارا قرآن (ان کے ساتھ ہی) چلا جائے گا، میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ''جمع قرآن'' کا حکم دیں'' اس پر میں نے عمر سے کہا کہ ہم کوئی ایسا کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ عمر نے کہا ''ھو واللہ خیر'' بخدا یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ عمر مجھ سے اس معاملے میں گفت وشنید کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے لیے اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہوگئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں صدیق اکبر نے مجھ سے فرمایا ''تم عقلمند جوان ہوتم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے تم تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے تو تم تلاش وتتبع اور چھان بین کر کے قرآن جمع کرو''

حضرت زید فرماتے ہیں: ''**فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ماكان اثقل مما امرني به من جمع القرآن**'' خدا کی قسم اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر ''جمع قرآن'' کی اہم ذمہ داری سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔ میں نے عرض کیا آپ حضرات ایک ایسا کام کریں گے جو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ صدیق اکبر نے جواب دیا ''**هو والله خير**'' خدا کی قسم یہ کام تو بہتر ہی ہے، ''**فلم يزل يراجعني ابوبكر حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر ابي بكر وعمر**'' ''اس پر ان سے میری گفت وشنید جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا، ''**فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال**'' ''تو تلاش وتتبع اور چھان بین کر کے میں درختِ خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں اور آدمیوں سے قرآن جمع کرنے لگا۔'' اھ (تدوین قرآن، ص:۶۳ تا ۶۵)

علامہ محمد احمد مصباحی مزید لکھتے ہیں: بہر حال ''جمع قرآن'' صدیق اکبر کا زبردست کارنامہ اور اُمت مسلمہ پر ان کا احسانِ عظیم ہے جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل ومحاسن میں شمار کیا جائے گا، امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ''تدوین قرآن'' حضرت صدیق اکبر کی فضیلت واولیت کا برملا اعتراف کیا، ابن سعد، ابو یعلیٰ (مسند میں) ابونعیم (معرفہ میں) حیثمہ ابن ابی داؤد (فضائل الصحابہ فی المصاحف میں) اور ابن مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن راوی ہیں ''**قال، اعظم الناس في المصاحف اجرا ابوبكر، رحمة الله على ابي بكر هو اول من جمع كتاب الله**'' مصاحف میں سب سے زیادہ عظیم اجر حضرت ابوبکر کا ہے، ابوبکر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی۔ (کنز العمال ۱/۲۷۹، فتح الباری ۹/۹، بحوالہ تدوین قرآن، ص:۶۔۷۷)

قارئین کرام! حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے اس جاں نثار صحابیِ رسول اور خلیفۂ رسول کا نام ہے جن کی مکمل زندگی اپنے آقا ومولیٰ کی سیرت کا مکمل نمونہ تھی اور داعیانہ و مجاہدانہ کردار عمل سے متصف تھی۔ ''تدوین قرآن'' کا مسئلہ کتنا اہم اور نازک تھا مگر آپ نے خلافت وحکومت کے دیگر امور ومناصب و ضروریات کو احسن طریقے سے انجام دیتے ہوئے حکمت عملی، دور اندیشی اور وسعت فکر ونظر سے کام لیتے ہوئے اکابر صحابۂ کرام کی مفید آرا کو قبول کر کے اس عظیم الشان کام کو اپنے عہد خلافت میں منازل تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیا، جس کا بنیادی مقصد اسلامی قوانین کا تحفظ، شریعت مصطفوی کی بقا تھی۔ خدا بھلا کرے سیدنا صدیق اکبر کا کہ انہوں نے قرآن کی تدوین وترتیب کا فریضہ انجام دے کر امت محمدیہ کو انتشار وافتراق کے مہلک مرض سے محفوظ فرمالیا ورنہ امت مسلمہ میں اختلاف ضرور واقع ہوتا، لوگ قولِ خدا وقولِ رسول میں امتیاز نہیں کر پاتے، قرآن وحدیث خلط ملط ہو کے رہ جاتے۔

عہدِ فاروقی اورخدمتِ دین: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں صبح کے وقت ایک کنویں سے ڈول نکال رہا ہوں، پھر ابوبکر آئے انہوں نے ایک یا دو ڈول نکالے۔ ان کے ڈول نکالنے میں ضعف تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، پھر عمر بن خطاب آئے اور انہوں نے ڈول نکالے اور میں نے ان کی طرح غیر معمولی صلاحیت والا کسی کو نہیں دیکھا، حتیٰ کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے اور انہوں نے اپنی سواریوں کو پانی پلا کر بٹھا دیا۔ (الحدیث)

مذکورہ بالا حدیث پاک کے تحت شارح صحیح مسلم حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (پاکستان) لکھتے ہیں ''اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں بہت زیادہ شہر فتح ہوئے اور بہت مال ودولت اکٹھا ہوا اور کفار سے بہت مال غنیمت حاصل ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے ''اگر تم ان کو خلیفہ بناؤ گے تو ان کو دنیا اور دین الٰہی کے نفاذ میں قوی پاؤ گے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو قیامت تک بعد میں آنے والے حکمرانوں پر حجت بنا دیا ہے''۔ (شرح صحیح مسلم:۶/۹۲۰)

مؤرخ عصر علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت وحکومت میں دینی ودعوتی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے اور اسلامی حکومت کے آئین واصول پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

اسلام کے نظامِ خلافت میں دین حق کی اشاعت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں اسلام کی اشاعت اور علوم دینیہ کی ترویج کا خاص اہتمام کیا۔ سرکاری افسر اور عہدے داروں سے لے کر عام مسلمانوں کی اخلاقی و دینی اصلاح پر خاص توجہ صرف کی۔ مسلمانوں کے اعلیٰ کردار، ان کی شرافت اور حسن سلوک سے متاثر ہوکر ممالکِ محروسہ کے بہت سے باشندوں نے برضا ورغبت دین کو قبول کیا، چنانچہ رومی سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو سالار فوج کی سادگی کا گرویدہ ہوگیا اور اسلامی صداقت کا معترف ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر مشرف باسلام ہوگیا، اس طرح کے صدہا واقعات تاریخ کی زینت میں ہیں۔

وہ عرب قبائل جو عراق اور شام کی حدود میں آباد تھے حضرت عمر نے ان سب کو تبلیغ دین کے ذریعے مسلمان کرلیا۔ مسلمانوں کی فتوحات اور مفتوحہ علاقوں پر اُن کے جذبۂ ترحم کی زریں مثالوں نے بھی اجتماعی حیثیت سے لوگوں کو اسلام کی جانب مائل کیا۔ دیلم کی چار ہزار فوج نے بخوشی اسلام قبول کیا۔ فتح جلولاء کے بعد بہت سے رؤسا مسلمان ہوگئے، شام اور مصر میں بھی لوگوں نے کثرت سے اسلام قبول کرلیا۔ شہر فسطاط میں نومسلموں کا ایک بڑا محلّہ آباد تھا، انفرادی واجتماعی ہر محاذ سے عہد فاروقی میں غیر مسلموں کے اندر خوب اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اشاعتِ دین کے سلسلہ میں جبر واکراہ کو ہر گز روا نہ رکھا گیا۔ (خلفائے راشدین، ص:۳۰۸،۳۰۹)

حضرت سیدنا عمر فاروق کا عہد خلافت اسلامی تعلیمات کے فروغ واستحکام کا تابناک دور سمجھا جاتا ہے۔ مذہب اسلام کی اشاعت وترویج، تعلیمِ دین متین اور شعارِ اسلام کا تحفظ، سنت واتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افادیت و ہمہ گیریت ممالک محروسہ میں درس قرآن کے لیے علما، حفاظ اور قرا کا تقرر، دمشق وفلسطین اور دور دراز ممالک ودیار میں معلمین حضرات کی ترسیل، ان تمام خدمات میں حضرت عمر فاروق کی جدو جہد اور مساعی جمیلہ کا سلسلہ خلیفۂ اول سے نہایت نمایاں نظر آتا ہے۔

مفتوحہ علاقوں میں حضرت سیدنا عمر فاروق نے بکثرت مساجد، مدارس تعمیر کروائے، معلمین اور خطبا ومؤذنین کی تنخواہیں بھی بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ خود مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع بھی عہد فاروقی میں وقوع پذیر ہوئی۔ اسلامی حکومت کا صحیح معنی میں نفاذ ہی عہد فاروقی میں ہوا۔ متعدد شعبہائے حیات اور ضروریات انسانی کے مراکز و ادارے بیت المال، شعبۂ عدالت، شعبۂ افتا وغیرھا سب عمر فاروق کے دور میں معرض وجود میں آئے۔ بقول علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی ''اسلامی نظام مملکت کی اساس گو صدیق اکبر کے عہد میں رکھی گئی مگر انہیں بہت تھوڑا وقت ملا جو اندرونی فتنوں اور بیرونی شورشوں کے انسداد میں صرف ہوگیا اور باقاعدہ اسلامی خلافت کے آئین کی تنظیم نہ ہوسکی، درحقیقت اسلام کے نظام حکمرانی کے تمام خدوخال ابھر کر حضرت عمر کے دور خلافت میں منظر شہود پر آئے اور ایک ترقی یافتہ کامل آئینِ جہاں بانی سامنے آیا، حکومت کے تمام صیغے اور محکمے قائم ہوئے اور ایک اعلیٰ ترین اسلامی جمہوریت کا قیام عمل میں آیا''۔ (خلفائے راشدین، ص:۲۹۷)

حضرت امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ آپ کی اوّلیات کو شمار کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(۱) آپ کے دور خلافت میں تاریخ سنہ ہجری جاری ہوا۔ (۲) بیت المال قائم ہوا۔ (۳) ماہِ رمضان میں تراویح باجماعت ادا کی گئی۔ (۴) لوگوں کے حالات کا راتوں میں جائزہ لیا۔ (۵) شراب پینے والوں پر اسّی کوڑے لگوائے۔ (۶) متعہ کی حرمت عام کی اور کسی فرد کے لیے روا نہ رکھا گیا۔ (۷) نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں پڑھنے کا حکم دیا۔ (۸) دفاتر قائم کئے اور وزارتیں معین ومقرر فرمائیں۔ (۹) سب سے زیادہ فتوحات ہوئیں۔ (۱۰) صدقے کا مال اسلامی امور میں خرچ کرنے سے روکا۔ (۱۱) ترکہ اور ورثے کے مقررہ حصوں کی تقسیم کا نفاذ فرمایا۔ (۱۲) گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کی۔ (۱۳) شہروں میں قاضی مقرر فرمائے۔ (۱۴) کوفہ، بصرہ، جزیرہ، شام، مصر اور موصل کے شہر آباد کیے۔ (تاریخ الخلفاء، ص: ۲۱۶،۲۱۷، اردو)

عہد عثمانی اور خدمتِ دین: شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دعوتی خدمات آپ پچھلے صفحات

میں مطالعہ کر آئے۔ اب حضرت سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغی ودعوتی خدمات پر ہم کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے تاکہ یہ امر خوب روشن ہوجائے کہ صداقت صدیق، عدالت فاروق، سخاوت عثمان، شجاعت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مذہب اسلام کو بہت عروج بخشا ہے اور ان کی ایثار وقربانیوں سے رگِ اسلام مضبوط ہوئی ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی لکھتے ہیں ''اسلام میں حکومت وسلطنت کا بنیادی مقصد اشاعتِ دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی نائب رسول کی حیثیت سے یہ فریضہ خلافت کے آخری ایام تک انجام دیتے رہے۔ جہاد میں جولوگ گرفتار کرکے ان کی خدمت میں حاضر کیے جاتے آپ خود ان سے اسلام کے محاسن بیان کرتے اور قبولِ اسلام کی دعوت دیتے، نومسلموں کو دین کے مسائل خود سکھاتے اور دوسروں کو بھی اس خدمت پر مامور کرتے۔'' (خلفائے راشدین، ص:۴۰۶)

خلافتِ عثمان اور جمعِ قرآن: پوری اُمت میں حضرت عثمان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے عہد صدیقی میں مدون صحیفۂ قرآن کو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منگوا کر قرآن کریم کی جملہ سورتوں کو قریش کی قرأت پر نقل وجمع کرنے کا اہتمام فرمایا اور عراقیوں، شامیوں کے نزاع فی القرآن کے مسئلے کا انسداد فرما کر امت مسلمہ کو اتحاد و وداد، محبت ورواداری کی تعلیم دی اور اس اہم کام کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن زبیر، سعد بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی کو سونپی گئی۔ ان حضرات نے بڑی صداقت ودیانت داری سے صحیفۂ صدیق اکبر کے مطابق قرآن جمع فرمایا پھر اس کی متعدد نقلیں اطراف مملکت میں ارسال کرنے کا حکم دیا اور باقی مصاحف کو تلف کردینے کا حکم دربارِ عثمانی سے جاری ہوا۔ اس طرح عہد عثمانی میں دین کا یہ عظیم ذخیرہ ایک صحیفے کی شکل میں منصۂ شہود پر آیا۔

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی لکھتے ہیں ''حضرت عثمان غنی کے ہاتھوں اسلام کی یہ عظیم ترین خدمت انجام پائی جس سے دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق قرآن مجید کے ایک ہی مصدقہ نسخے پر قائم ہوگیا، قرآن کے اختلاف قرأت واملا کو اگر باقی رکھا جاتا تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت وانجیل اور دیگر آسمانی صحیفوں کا ہوا، بلاشبہ حضرت عثمان نے قرأتِ واحدہ پر لوگوں کو متفق کرنے کے لیے جو کام کیا وہ عین حکمت پر مبنی تھا۔ اس لیے آپ نے قرآن پاک کو اس طرح صاف کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی جانب نازل فرمایا تھا۔ (خلفائے راشدین، ص:۴۰۸، ۴۰۹)

حضرت عثمان غنی شیخین کے طریق کار کے مطابق امور خلافت انجام دیتے تھے۔ آپ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔ آپ نے آذر بائیجان اور آرمینہ، طرابلس، الجزائر، مراکش، قبرص، طبرستان، طالستان، مرودر، جوزجان کو فتح کرکے اسلامی حکومت میں داخل فرمایا اور دینی ودعوتی فرائض احسن طریقے سے انجام دے کر اسلام اور بانیِ اسلام کا فکری پیغام دور دور تک پہنچایا۔ اس طرح اسلامی فتوحات کا سلسلہ عثمان غنی کی وفات وشہادت تک خوب پھیلتا رہا اور اسلام کے روحانی واصلاحی پیغام وعمل سے لوگ آشنا ہوتے رہے۔ دعوت وتبلیغ سے دینِ مصطفیٰ کا فروغ ہوتا رہا۔

عہد مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خدمت دین: حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم علم وفضل، زہد وتقویٰ، تدبر وتفکر، فہم وفراست، دین متین کی اشاعت وتبلیغ اور امور سلطنت وحکومت میں کمال کی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں خارجی انتشار وافتراق کی سرکوبی کرتے اور اس سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بھی دینی دعوت وتبلیغ میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا پیغام امن وخیر خواہی، حسن سلوک ورواداری دور دور تک پہنچا اور لوگ دین متین کی خوبیوں کو دیکھ کر دامن اسلام میں آنے لگے۔ آپ نے نہایت نرمی وآسانی سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ غیر بھی آپ کے حسن وکردار، صداقت ودیانت، ہمدردی وغم خواری کے معترف تھے۔ اسلامی نظام حکومت کا بنیادی مقصد ہی دین کی اشاعت ودعوت ہے اس فریضے کو حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی لکھتے ہیں ''اسلامی نظم مملکت میں خلیفہ یا امیر کا بنیادی فریضہ دین حق کی اشاعت، غیروں تک اسلام کا پیغام پہنچانا، مسلمانوں کے اعمال وعقائد کی اصلاح ہے، ان کی صحیح

رہنمائی امیر المومنین کے لیے ناگزیر ہے۔ حضرت علی عہدِ رسالت ہی سے ان مذہبی خدمات کے لیے ممتاز تھے یمن میں اشاعتِ دین حق ان کا زریں کارنامہ ہے۔ سورۂ برأت نازل ہوئی تو اس کی اشاعت آپ ہی کو سونپی گئی۔

دورِ خلافت میں اگر چہ وہ خانہ جنگیوں میں الجھا دیئے گئے مگر دین کی اشاعت سے غافل نہ رہے۔ ایران وآرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہوگئے تھے۔ حضرت علی نے سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں اکثر تائب ہوکر اسلام میں داخل ہوگئے۔ خارجیوں کو جنگ نہروان میں کیفر کردار تک پہنچا دیا یہ آپ کا بڑا دینی کارنامہ ہے''۔ (خلفائے راشدین، ص۴۹۲، ۴۹۳)

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاسی تدبر، فراست و دانائی کے حامل اور حقوق انسانی کے محافظ و پاسبان تھے۔ وہ اپنی خلافت کو دین وتقویٰ، راست بازی اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ چلانا پسند فرماتے تھے اور اپنی حکومت کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریق کار اور انداز تبلیغ واشاعت، قرآن وسنت کے اصول وقوانین پر قائم ودائم رکھ کر استوار کرنے کی سعیِ جمیل فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر کی اِمارت پر حضرت قیس بن سعد کو مامور کیا تو اہلِ مصر کے پاس یہ خط رقم فرمایا ''خبردار ہو کہ تمہارا ہم پر حق ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کریں اور تمہارے معاملات کو اللہ کے مقرر کردہ حق کے مطابق چلائیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کو نافذ کریں اور تمہارے در پردہ بھی تمہارے ساتھ خیر خواہی کریں''۔ (طبری، ۷، ۳، ۵۵۰)

خلافت وسلطنت کو چلانے میں رعایا اور عوام پر نرم خوئی اور بلند اخلاقی سے پیش آنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے، جس کا نفاذ اہل علم وعمل حکمرانوں نے ہر عہد میں کیا ہے اور اپنی رعایا اور قوم کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے ہیں، جس کی روشن مثالیں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی ہمیں بکثرت ملتی ہیں، جن کی وجہ سے اسلامی نظام حکومت مزید مستحکم ہوا اور رعایا مولیٰ علی کی کرم گستری اور عدل پروری سے نہایت خوش رہتی، والیِ مصر حضرت قیس بن سعد کے نام ''رعایا'' کے متعلق ایک خط تحریر فرماتے ہیں:

''اپنے اور رعیت کے درمیان لمبے چوڑے پردے حائل نہ کرو، حکام کا رعایا سے پردہ کرنا نظر کی تنگی اور علم کی کمی کا ایک شاخسانہ ہے اس پردے کی وجہ سے ان کو صحیح حالات کا علم نہیں ہوتا، چھوٹی باتیں ان کے لیے بڑی بن جاتی ہیں اور بڑی باتیں چھوٹی ہوجاتی ہیں، اچھائی اُن کے سامنے برائی بن کر آتی ہے اور برائی ان کے سامنے اچھائی کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور حق باطل کے ساتھ خلط ملط ہوجاتا ہے''۔ (ابن کثیر، ج۸/۸)

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی لکھتے ہیں:

''حضرت علی نے اپنی زندگی کو سادگی کے سانچے میں ڈھال رکھا تھا۔ وہ کوفہ کے بازاروں میں کوڑا لے کر اس حال میں پھرتے تھے کہ ان کے معمولی کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ اس شان سے انجام دیتے کہ وہ محافظ دستے کے حصار میں ہوتے اور نہ ہی آگے آگے نقیب ظل سبحانی کی آمد آمد کی صدا لگاتا، ابوبکر وعمر کی طرح وہ عام لوگوں میں اس طرح گھلے ملے رہتے کہ کوئی اجنبی شخص انہیں دیکھ کر خلیفۂ وقت کی شناخت نہ کرسکتا تھا''۔

(خلفائے راشدین، ص۴۸۹)

حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی سلطنت و حکومت کا نظام اسلامی اقتدار وروایات کے تحفظ وبقا پر گردش کررہا ہے۔ اسلام کے اس داعی وترجمان نے سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت کا حق ادا کر کے دین اسلام کی روشنی سے ہر ایک کو منور کردیا اور مملکتِ اسلامی کی حدود کو نہایت وسیع کیا۔

اللہ رب العزت ہم سب کو خلفائے راشدین کی طرح دین متین کی خدمت کرنے کا جذبہ عطا فرمائے اور سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ نبی الکریم والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

☆☆☆

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تبلیغی مساعی

اختر حسین فیضی مصباحی ★

پروردگارِ عالم اپنے دین کی حفاظت و اشاعت کے لیے ہر زمانے میں ارباب بصیرت، اصحاب علم و معرفت اور صاحبان فضل وکمال کو باقی رکھتا ہے، جو دین حق کی ترویج و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں اور چمنستانِ اسلام کی آبیاری و شادابی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ یہ وہ دُعاۃ و مبلغین تھے جن کی مساعیِ جمیلہ ہر طرح کی ریا اور لالچ سے پاک تھی۔ وہ دین کی خدمت اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بے لوث تھے۔ ان کا ہر کام خدا کی خوشنودی اور رسول کی رضا کے لیے تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جس مبارک جماعت نے تبلیغ اسلام اور اشاعت حق کا فریضہ انجام دیا وہ تابعین کی جماعت تھی جن کی سعی پیہم اور جہد مسلسل سے اسلام کو خوب فروغ ملا، گم گشتہ راہ، ہدایت یاب ہوئے تابعین کے دور اخیر میں ایک ایسے داعیِ حق اور مبلغ اسلام کا نام بھی صفحۂ قرطاس پر ملتا ہے جن کی دعوت و تبلیغ صرف دعوت و تبلیغ کی حد تک نہ تھی بلکہ دعاۃ و مبلغین کے لیے رہنما اصول تھی اس مبارک ذات کا نام نعمان بن ثابت ہے جو عوام وخواص کے درمیان ابوحنیفہ اور امام اعظم کی کنیت اور لقب سے معروف ہے۔

آپ عبدالملک بن مروان کے دورحکومت میں سن ۸۰ھ میں کوفہ کے مشرقی علاقہ میں پیدا ہوئے یہ دور علم کلام کا دور تھا۔آپ نے بھی ابتداءً علم کلام کی طرف توجّہ کی اور اس فن میں مہارت حاصل کی، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں میں ابتدائی عمر میں بحث ومناظرہ میں مشغول رہتا تھا، اس وقت علم کلام میرے نزدیک سب سے اعلیٰ اور افضل تھا، میں سمجھتا تھا کہ یہ علم اصول دین سے ہے اور اس سے دین کی بڑی خدمت انجام پاتی ہے اسی خیال سے میں ایک مدت تک اسی کو علم دین سمجھ کر دشمنان اسلام سے مقابلہ کرتا رہا، پھر سوچا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام دین میں ہم سے زیادہ علم وبصیرت رکھتے تھے اور وہ لوگ کبھی بحث ومباحثہ میں نہ پڑے، بلکہ شرعی امور میں غور وفکر کیا اور فقہی ابواب ومسائل کو اپنی ذہنی اور فکری کاوشوں کا محور بنایا۔

مذکورہ بالا سطور سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم کلام کی طرف میلان خدمت دین اور تبلیغ اسلام کے جذبۂ بیکراں کے ساتھ تھا۔ کلامی بحث ومناقشہ سے علمی برتری کا اظہار ہرگز نہ تھا یہ خدمت دین اور دعوت حق کا جذبہ ہی تھا کہ آپ علم فقہ کی طرف مائل ہوئے اور اس کے اندر خوب خوب مہارت حاصل کی۔ اس علم شریف کے ذریعے آپ نے دین حق کی خدمت ایسی خدمت وتبلیغ کی کہ آج تک پروان ملت آپ کے مدوّنہ قوانین شریعت پر عمل پیرا ہوکر دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں گویا آپ صرف ایک مبلغ ومصلح ہی نہ تھے بلکہ تبلیغ واصلاح کا ہنر بخشنے والے ایک عظیم انسان تھے۔

آپ کی عمر کا قیمتی حصّہ بحث ومناظرہ میں گزرا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ اوقات بے کار گزرے۔ بحث ومناظرہ کے ذریعے دعوت وتبلیغ کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

دشمنِ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی توبہ: کوفہ میں ایک رافضی تھا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہودی کہا کرتا تھا ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس رافضی کے پاس گئے اور کہا کہ میں تمہاری لڑکی کے لیے شادی کا پیغام لایا ہوں، لڑکا نہایت شریف، مال دار، حافظ قرآن، سخی اور طہارت گزار ہے، خدا کا خوف رکھتا ہے، نماز وروزہ کا سخت پابند ہے رافضی نے کہا: حضور ایسا رشتہ پھر ملنا مشکل ہے جلدی کریں مجھے ایسے داماد کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا لیکن اس کے اندر خصلت ایسی ہے جسے تم ناپسند کروگے۔ اس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ مذھباً یہودی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ عالم ہوکر مجھے یہ مشورہ دے رہے ہو کہ میں ایک یہودی سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔آپ نے فرمایا کہ

★ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

جب تم ایک امیر اور شریف یہودی سے اپنی بیٹی کا رشتہ پسند نہیں کرتے تو کیا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص سے اپنی دو بیٹیوں کا رشتہ کر سکتے ہیں جو یہودی ہو۔ اس نے آپ کی باتیں سن کر توبہ کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے اعتقاد سے رجوع کیا۔ (تاریخ بغداد، ۱۳/۳۶۴، بیروت)

مناظرانہ انداز کی اس گفتگو میں حضرت امام اعظم کی شانِ تبلیغ ودعوت عیاں ہے۔

خارجیوں سے ایک مناظرہ: امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے صاحبزادے حضرت حماد فرماتے ہیں کہ جب خارجیوں کو معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ اس شخص کو کافر نہیں کہتے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو۔ شریر خارجیوں کا ایک دستہ آپ کے پاس آپہنچا، یہ وہ زمانہ تھا جب حکومت عباسیہ بدامنی کا شکار تھی اور اندرون ملک کئی مذہبی جماعتیں دہشت گردی سے کام لے رہی تھیں، خارجی کہنے لگے کہ ہم ایک مسئلہ پوچھنے آئے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان آنے والوں کے لیے جگہ بنائیں جب مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ ادھر ادھر ہوئے اور تمام خارجی آپ کے قریب آگئے تو انہوں نے تلواریں کھینچ لیں اور کہا کہ ہم تو آپ کو قتل کریں گے، آپ کا قتل ہمارے دشمنوں کا قتل ہوگا اور ستّر سالہ جہاد سے بھی افضل ہوگا آپ نے فرمایا قتل سے پہلے میرے ساتھ مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، وہ اس بات کو مان گئے آپ نے فرمایا مناظرانہ گفتگو سے پہلے تلواریں ایک طرف رکھ دو انہوں نے کہا ہم ایسا کس طرح کر سکتے ہیں ہم تو انہیں آپ کے خون سے رنگنے کے لیے لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا چلو بات کرو، انہوں نے کہا ایک ایسے شخص کا جنازہ ہے جو شراب پیتا ہے اور شراب کے نشہ ہی مر گیا، دوسرا ایک ایسی عورت کا جنازہ ہے جو زانیہ ہے، حاملہ ہوئی تو اس نے خودکشی کر لی آپ نے پوچھا کیا وہ دونوں یہودی تھے؟ انہوں نے کہا نہیں پوچھا کیا وہ مجوسی تھے؟ کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بتاؤ آخر وہ کس مذہب پر تھے؟ انہوں نے کہا وہ مسلمان تھے، آپ نے پوچھا وہ کون سا کلمہ پڑھتے تھے؟ کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا ان کا ایمان کس درجہ کا تھا؟ کیا ان کے کلمہ پڑھنے کے بعد یہ نصف ایمان تھا، ثلث تھا یا ربع تھا انہوں نے کہا نہیں یہ پورا ایمان تھا آپ نے ان خارجیوں سے پوچھا کہ بتاؤ تم ایسے شخص کو کیا کہو گے جس کا ایمان مکمل ہے؟ وہ لاجواب ہو گئے مگر کہنے لگے چلو ایمان کی بات چھوڑو ہمیں یہ بتاؤ وہ جنتی ہوں گے یا دوزخی؟ آپ نے فرمایا میں ان دونوں کے لیے یہی بات کہوں گا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت کے دو دشمنوں کے لیے کہی تھی جو ان دونوں سے بہت زیادہ مجرم تھے اور سیاہ کار تھے، ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا: "فمن تبعني فانّه منّي ومن عصاني فانّك غفور رحيم۔" (ابراھیم/۳۶)

''ترجمہ: تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنزالایمان)

اور ان کے بارے میں وہ بات کہونگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کے متعلق کہا تھا جو ان سے جرم میں بڑھ کر تھے۔ "ان تعذبهم فانّهم عبادك وان تغفر لهم فانّك انت العزيز الحكيم۔'' (سورۂ مائدہ/۱۱۸)

''ترجمہ: اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

اور میں ان کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق سلوک کروں گا کافر بولے کیا ہم آپ پر ایمان لائیں جب آپ کی پیروی کمینے لوگ کرتے ہیں۔ فرمایا: "لااقول للذين تزدري اعينكم لن يوتيهم الله خيراً، الله اعلم بما في انفسهم ،انّي اذاً لمن الظالمين۔" (ھود/ ۳۱) ''ترجمہ: اور میں انہیں نہیں کہتا جن کو تمھاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں کہ ہرگز انہیں اللہ کوئی بھلائی نہ دیگا اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے ایسا کروں تو میں ظالموں میں سے ہوں۔ (کنزالایمان)

خارجیوں نے امام صاحب کے دلائل سنے تو تلواریں ایک طرف پھینک دیں اور اپنے عقیدے سے توبہ کر لی اور اہل سنت وجماعت کا عقیدہ قبول کر کے خالص مسلمان بن گئے۔ (مقامات امام اعظم، از حافظ الدین کردری/محمد فیض احمد اویسی، رج، ارص، ۳۰۱،۳۰۲)

دہریوں کو وجود خدا کا ثبوت دیا: آپ کے زمانے میں جہاں خارجی،

رافضی اور دوسرے بدعقیدہ لوگ موجود تھے وہاں دہریے اور ملحد بھی موجود تھے وہ چاہتے تھے کہ جب بھی موقع ملے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں ایک دن آپ مسجد میں اکیلے تشریف فرما تھے اچانک دہریوں کا ایک گروہ اندر آ گیا اور آتے ہی آپ کے سامنے تلواروں اور چھریوں کی نمائش کرنے لگے آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو جی میں آئے کر لینا۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ اس کشتی کے متعلق تم کیا کہو گے جو سامان سے لدی ہوئی دریا میں چل رہی تھی اس کشتی کو طوفانی ہواؤں اور موجوں نے گھیر لیا مگر اس کے باوجود وہ اپنے راستے پر چلتی رہی حالاں کہ اس کا کوئی ملاح یا چلانے والا نہیں تھا اس پر کوئی آدمی بھی نہیں تھا جو کشتی کا رخ پھیر کر طوفان کی زد سے کسی دوسری طرف لے جائے، کیا تمہاری عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کے باوجود کشتی طوفان کے درمیان سیدھی منزل کی طرف چلتی جائے ان سب نے کہا عقل نہیں مانتی آپ نے فرمایا جب تمہاری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ ایک کشتی کسی چلانے والے یا ملاح کے بغیر طوفان میں اپنا راستہ خود نہیں بنا سکتی تو اتنی بڑی کائنات جس میں مختلف اقسام کے تغیرات اور طوفان ہے وہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟ آپ کی یہ بات سن کر دہریے جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے لاجواب ہو گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے عقائد سے توبہ کر لی (امام اعظم، از: سید تراب الحق قادری، ص۱۱۴)

علم کلام سے بیزار ہو کر جب حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث اور علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور دس دن تک مسلسل ان کے دریائے علم سے سیراب ہو کر مرتبۂ کمال حاصل کیا۔

امام حماد فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ بڑے ذہین، جلد سمجھنے والے طالب علم تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب کہ عالم اسلام کے اہل علم وفضل اُن کے دسترخوان علم سے استفادہ کرنے لگے لگیں اور مجھے محسوس ہوا کہ نعمان ایک ایسا آفتاب ہے جو بطن گیتی کی تاریکیوں کو چیرتا ہوا کائنات کو روشن کرے گا۔ (مناقب موفق ۸۷/امام اعظم، از: تراب الحق قادری، ص، ۵۷)

استاذ گرامی حضرت حماد کے وصال کے بعد ان کی مسند تدریس آپ نے سنبھالی ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ آپ کے علم وفضل اور طریق تربیت واصلاح کی شہرت ہوگئی دور دراز سے طالبان علم اور شائقین ذہن ودانش آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ان کا شمار ناممکن ہے۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جتنے کہ امام اعظم کے ہوئے اور عوام کو کسی اس قدر فیض نہ پہنچا جتنا کہ امام اعظم اور ان کے اصحاب سے۔ مشتبہ احادیث کی تفسیر، اخذ کردہ مسائل، جدید پیش آنے والے مسائل اور قضا واحکام میں فائدہ پہنچا۔ خدا ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ بعض متأخر محدثین نے حضرت امام ابوحنیفہ کے تذکرہ میں ان کے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو لکھی ہے اور ان کے نام ونسب بھی لکھے ہیں طوالت کے خوف سے ہم اسے حذف کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان، ص، ۸۴/امام اعظم، ص ۲۷۶)

آپ کی درس گاہ سے ایسے ایسے صاحب کمال پیدا ہوئے جن کی تبلیغ ودعوت سے دین کو تقویت ملی۔ آپ کے تلامذہ میں قاضی، مفتی، معلم، مبلغ، مصلح، محدث، مفسر، مؤدب ہر طرح کے لعل وگہر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپ کے وہ تلامذہ جنہوں نے تعلیم وتربیت، تبلیغ ودعوت اور اِرشاد واصلاح کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ قاضی ابو یوسف۔ ۲۔ امام محمد بن حسن۔ ۳۔ امام مالک۔ ۴۔ امام مسعر بن کدام۔ ۵۔ امام زفر بن ہزیل۔ ۶۔ عبداللہ بن مبارک۔ ۷۔ وکیع بن جراح۔ ۸۔ یحیٰ بن سعید قطان۔ ۹۔ یحیٰ بن زکریا۔ ۱۰۔ یزید بن ہارون۔ ۱۱۔ عبد الرزاق بن حمام۔ ۱۲۔ ابو عاصم نبیل۔ ۱۳۔ امام مکی بن ابراہیم وغیرہ۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس مشورہ جس نے تدوین فقہ کا عظیم کارنامہ انجام دیا اس کے اراکین کی تعداد کم وبیش چالیس بتائی جاتی ہے، الجواہر المضیہ کے حوالے سے ان چالیس اراکین شوریٰ کے نام سن وصال کے ساتھ تحریر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امام زفر بن ہزیل رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۸ھ

۲۔امام مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۹ھ
۳۔امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۵ھ
۴۔امام مندل بن علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۸ھ
۵۔امام نصر بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۹ھ
۶۔امام عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۱ھ
۷۔امام حبان بن علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۳ھ
۸۔امام ابوعصمہ نوح رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۳ھ
۹۔امام زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۳ھ
۱۰۔امام قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۵ھ
۱۱۔امام حماد بن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۶ھ
۱۲۔امام ہیاج بن بسطام رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۷ھ
۱۳۔امام شریک بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۸ھ
۱۴۔امام عافیہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۰ھ
۱۵۔امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۱ھ
۱۶۔امام قاضی ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۲ھ
۱۷۔امام ابومحمد نوح نخعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۲ھ
۱۸۔امام ہشیم بن بشیر سلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۳ھ
۱۹۔امام یحیٰی بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۴ھ
۲۰۔امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۷ھ
۲۱۔امام اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۸ھ
۲۲۔امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ
۲۳۔امام علی بن سہر رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ
۲۴۔امام یوسف بن خالد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ
۲۵۔امام عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۲ھ
۲۶۔امام فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۲ھ
۲۷۔امام علی بن ظبیان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۲ھ
۲۸۔امام حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۴ھ
۲۹۔امام وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۷ھ
۳۰۔امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۷ھ
۳۱۔امام یحیٰی بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۸ھ
۳۲۔امام شعیب بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۸ھ
۳۳۔امام حفص بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۹ھ
۳۴۔امام ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۹ھ
۳۵۔امام خالد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۹ھ
۳۶۔امام امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۰۴ھ
۳۷۔امام یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۰۶ھ
۳۸۔امام عبدالرزّاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۱۱ھ
۳۹۔امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۱۲ھ
۴۰۔امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۱۵ھ

(الجوہر المضیہ از حافظ عبد القادر قرشی / امام اعظم از شاہ تراب الحق قادری، ص ۲۹۶، ۲۹۸)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک اگر چہ بعض مسائل تدوین کے مراحل سے گزر چکے تھے لیکن اسے باقاعدہ کامل دستور اور جامع قانون کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اس لیے کہ اس وقت تک استدلال و استنباط کے اصول وضوابط مقرر نہ تھے کہ جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

امام صاحب نے جب قاضیوں اور حکام کے فیصلوں میں غلطیاں دیکھیں تو آپ کو تدوین فقہ کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ اس کار عظیم کے لیے آپ نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس ایسے اہل علم وفضل اور ماہرینِ فن کا انتخاب کر کے ایک فقہی مجلس قائم کی جن میں کا ہر فرد درجۂ اجتہاد پر فائز تھا۔ تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مسند پر رونق افروز ہوتے، آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا پھر اس مسئلہ پر آپ کے تلامذہ گفتگو کرتے، بعض اوقات بحث و تمحیص میں ان کی آواز بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتے رہتی، امام صاحب خاموشی سے ان کی گفتگو سنتے رہتے پھر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔

امام اعمش آپ کے طریقۂ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اس کے اراکین اس مسئلہ کو اس قدر گردش دیتے ہیں اور اس کے ہر پہلو کا اس قدر غور سے جائزہ

لیتے ہیں کہ بالآخر اس کا حل روشن ہو جاتا ہے۔ (مناقب کردری، ج، ۲رص،۳۰)

علامہ موفق لکھتے ہیں: امام اعظم نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کے شوریٰ پر رکھی اوران پر اپنی رائے مسلط نہ کی۔ اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا اور رسول سے پرخلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک مسئلہ پیش کر کے اپنے تلامذہ کی رائے سنتے اور پھر اپنا نظریہ بیان فرماتے ضرورت ہوتی تو ایک ماہ یا زیادہ عرصہ تک بحث ہوتی یہاں تک کہ جب کسی ایک قول پر آ کر بات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسے اصول میں درج کر لیتے اس طرح انہوں نے سب تحریر درج کر لیے۔ (حیات امام اعظم ابوحنیفہ، ص۔۳۴۱)

اس طرح امام اعظم اور آپ کے اصحاب نے قوانین شریعت کی تدوین کی اور اسے کتاب کی شکل میں اشاعت کی اور یہی وہ قوانین وضوابط ہیں جن کے بغیر ایک داعی اور مبلغ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہی دعوت وتبلیغ کے بنیادی اصول ہیں کہ ان کے بغیر دعوت کا کام صحیح طریقے سے عمل پذیر ہونا ممکن نہیں۔ اس نہج سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی تبلیغی مساعی اور جذبۂ دعوت کی شان ارفع واعلیٰ نظر آتی ہے۔

آپ وقتاً فوقتاً اپنے تلامذہ کو پند وموعظت سے بھی نوازتے جن میں تربیت اور اصلاح کے موتی پنہاں ہوتے اور آپ کا یہ طریقۂ تبلیغ نہایت ہی مؤثر ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: تم سب میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میرا حزن وملال دور کرنے والے ہو۔ میں نے تمہارے لیے فقہ کی سواری کی اس کی زین کس دی اور لگام تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم تمہارے فیصلے سنا کریں گے اور تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ تم میں سے ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے میں تم کو اللہ کا واسطہ دے کر چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچانا۔ جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے اور ان کا حاکم نہ بنے اور لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضا سے علاحدہ ہو جانا۔ تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چمٹے نہ رہنا، ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر قضا کے منصب پر قائم رہ کر خلق خدا کی امداد کرنا ایسے لوگ جو اُمور دنیا سے علاحدہ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں ان کے لیے تنخواہ حلال ہے اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگا دینا کہ وہ تم سے نہ مل سکیں، ان کے لیے اپنی عدالتوں کے دروازے کھلے رکھنا، پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لیے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ عشا کے بعد تین بار یہ اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جاسکو تو اتنے دنوں کی تنخواہ نہ لینا، یاد رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں اگر کوئی گناہ یا جرم کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔ (مناقبِ موفق ۷۷،۷۴ ملخصاً)

آپ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نام جو وصیتیں تحریر فرمائیں وہ ایک مشفق اور مہربان استاذ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے یہ وصایا آپ کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ اور دینی ودنیوی امور میں فلاح وکامیابی کی ضمانت ہیں۔ ان میں سے چند وصایا ہدیۂ ناظرین ہیں۔

حاکم کے ساتھ محتاط طرز عمل: سلطان وقت کی عزت کرو اور اس کے مقام کا خیال رکھو اور اس کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور سے پرہیز کرو ہر وقت اس کے پاس حاضر نہ رہو جب کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے کیوں کہ جب تم اُس سے کثرت سے ملو گے تو وہ تمہیں حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور تمہارا مقام اس کی نظروں سے گر جائے گا تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ رکھو جیسا کہ آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ اسے نفع بھی اٹھاتے ہو اور دور بھی رہتے ہو اس کے قریب تک نہیں جاتے کیوں کہ اکثر حاکم اپنی ذات اور اپنے مفاد کے علاوہ کچھ اور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

عوام کے ساتھ محتاط طرز عمل: عوام کے پوچھے گئے مسائل کے علاوہ ان سے بلاضرورت بات چیت نہ کیا کرو عوام اور تاجروں سے علمی باتوں کے علاوہ دوسری باتیں نہ کیا کرو تا کہ ان کو تمہاری محبت ورغبت میں مال کا لالچ نظر نہ آئے ورنہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کر لیں

گے کہ تم ان سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو۔ عام لوگوں کے سامنے ہنسنے اور زیادہ مسکرانے سے باز رہو اور بازار میں بکثرت نہ جایا کرو، بے رِیش لڑکوں سے زیادہ بات چیت نہ کیا کرو کہ وہ فتنہ ہیں البتہ چھوٹے بچوں سے بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو، عام لوگوں اور بوڑھے لوگوں کے ساتھ شاہراہ پر نہ چلو اس لیے کہ اگر تم ان کو آگے بڑھنے دو گے تو اس سے علم دین کی بے توقیری ظاہر ہوگی اور اگر تم ان سے آگے چلو گے تو یہ بات معیوب بھی ہوگی کہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

اُمور زندگی کی ترتیب: (اُمور زندگی کی ترتیب یہ ہے) پہلے علم حاصل کر پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو اور پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرو علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے کی جدو جہد کرو گے تو حصول علم سے قاصر رہو گے اور یہ مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا اور تحصیل علم سے قبل ہی تمہیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کردے گا اس طرح تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا اور جب تمہارے اہل وعیال کی کثرت ہو جائے گی تو تمہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہو جائے گی اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے اس لیے علم حاصل کرو آغاز شباب میں جب کہ تمہارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں پھر مال کمانے کا مشغلہ اختیار کرو تا کہ شادی سے قبل تمہارے پاس بقدر ضرورت مال ہو کہ اس کے بغیر اہل وعیال کی ضروریات دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ لہٰذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ہی اِزدواجی تعلق قائم کرنا چاہیے۔

سیرت وکردار کی تعمیر: اللہ سے ڈرو، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کی خیر خواہی کا خصوصی خیال رکھو اور لوگوں کو عزت دو تا کہ وہ تمہاری عزت کریں تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پر ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اولاد بنالیا ہے تا کہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو اگر کوئی عام شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑا نہ کرو ورنہ تمہاری عزت چلی جائے گی اور اظہار حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ وحشمت کا خیال نہ کرو اگر چہ وہ سلطان وقت ہو جتنی عبادت دوسرے لوگ کرتے ہیں اس سے زیادہ کرو۔ ان سے کمتر عبادت کو اپنے لیے پسند نہ کرو بلکہ عبادت میں سبقت اختیار کرو کیوں کہ عوام جب کسی عبادت کو بکثرت کر رہے ہوں اور پھر وہ دیکھیں کہ تمہاری توجہ اس عبادت پر نہیں ہے تو وہ تمہارے متعلق عبادت میں کم رغبت ہونے کا گمان کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ تمہارے علم نے تمہیں کوئی نفع نہ پہنچایا۔

معاشرتی آداب: جب تم کسی ایسے شہر میں قیام کرو جس میں اہل علم بھی ہوتو وہاں اپنی ذات کے لیے کسی امتیازی حیثیت کو اختیار نہ کرو بلکہ اس طرح رہو کہ گویا تم بھی ایک عام سے شہری ہوتا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ تمہیں ان کی جاہ ومنزلت سے کوئی سروکار نہیں ہے ورنہ اگر انہوں نے تم سے اپنی عزت کو خطرے میں محسوس کیا تو وہ سب تمہارے خلاف کام کریں گے اور تمہارے مسلک پر کیچڑ اچھالیں گے اور (ان کی شہ پر) عوام بھی تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور تمہیں بری نظر سے دیکھیں گے جس کی وجہ سے تم ان کی نظروں میں بغیر کسی قصور کے مجرم بن جاؤ گے اگر وہ تم سے مسائل دریافت کریں تو ان سے مناظرہ یا جلسہ گاہوں میں بحث وتکرار سے باز رہو اور جو بات ان سے کرو واضح دلیل کے ساتھ کرو ان کے اساتذہ کو طعنہ نہ دو ورنہ وہ تمہارے اندر بھی کیڑے نکالیں گے۔

تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے ہوشیار رہو اور اپنے باطنی احوال کو اللہ تعالی کے لیے ایسا خالص بنالو جیسا کہ تمہارے ظاہری احوال ہیں اور علم کا معاملہ اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے مطابق نہ بنالو۔

آداب زندگی: لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کرلیں اور اپنے لیے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کرلو جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور صبر و استقامت کی دولت جو رب کریم نے تم کو بخشی ہے اور دیگر جو نعمتیں عطا کی ہیں ان پر اس کا شکر ادا کرو اور اپنے ہر ماہ کے چند ایام روزہ کے لیے مقرر کرلو تا کہ دوسرے لوگ اس میں بھی تمہاری پیروی کریں، اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھو اور دوسروں کے رویہ پر بھی نظر رکھو

تا کہ تم اپنے علم ذریعے سے دنیاوآخرت میں نفع اٹھاؤ۔

تمہیں چاہیے کہ بذات خودخرید وفروخت مت کرو، بلکہ اس کے لیے ایک ایسا خدمت گزار رکھو جو تمہاری ایسی حاجتوں بحسن وخوبی پورا کرے اور تم اس پر اپنے دنیوی معاملات میں اعتماد کرو، اپنے دنیوی معاملات اور خود کو درپیش صورت حال کے بارے میں بے فکر مت رہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کرے گا۔

آداب وعظ ونصیحت: جب تم کسی شخص میں برائی دیکھو تو اس شخص کا تذکرہ اس برائی کے ساتھ نہ کرو بلکہ اس سے بھلائی کی امید رکھو اور جب وہ بھلائی کرے تو اس کی اس بھلائی کا ذکر کرو، البتہ اگر تمہیں اس کے دین میں خرابی معلوم ہو تو لوگوں کو ضرور اس سے آگاہ کردو تا کہ لوگ اس کی اتباع نہ کریں اور اس سے دور رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ فاسق وفاجر آدمی جب برائی میں مبتلا ہے اسے بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچیں اگر چہ وہ شخص صاحب جاہ ومنزلت ہو۔ جب تم سلطان وقت سے خلاف دین کوئی بات دیکھو تو اس کو اپنے اطاعت اور وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے آگاہ کردو، یہ اظہار وفاداری اس وجہ سے ہے کہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے، چنانچہ تم اس طرح اظہار خیال کرو کہ جہاں تک آپ کے اقتدار اور غلبہ کا تعلق ہے میں آپ کا فرماں بردار ہوں بجز اس کے کہ میں آپ کی فلاں عادت کے سلسلے میں جو دین کے مطابق نہیں ہے آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں، اگر تم نے ایک بار سلطان وحاکم کے ساتھ اس جرأت سے کام لیا تو وہ تمہارے لیے کافی ہوگی اس لیے کہ تم اگر اس سے بار بار کہو گے تو وہ شاید تم پر سختی کرے اور اس میں دین کی ذلت ہوگی۔

تم موت کو یاد رکھو اور اپنے اساتذہ کے لیے استغفار کیا کرو اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔ قبرستان، مشائخ اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کیا کرو۔

اخلاقِ حسنہ: بخل سے اجتناب کرو کہ بخل کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ لالچی اور دروغ گو نہ ہو، حق وباطل کو آپس میں خلط ملط نہ کرو۔ بلکہ تمام اُمور میں اپنی غیرت وحمیت کی حفاظت کرو اور ہر حال میں سفید لباس زیب تن کرو۔ اپنی طرف سے حرص سے دوری اور دنیا سے بے رغبتی ظاہر کرتے ہوئے دل کا غنی ہونا ظاہر کرو۔ اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرو اور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دو اگر چہ فی الواقع تم تنگ دست ہو۔ متاع دنیا جس کی اہل علم کے نزدیک کوئی قدر نہیں اُسے حقیر جانو کہ اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ دنیا سے بہتر ہیں۔ غرض کہ اپنے دنیوی معاملات کسی دوسرے شخص کے سپرد کردو تا کہ تمہاری توجہ علم دین پر پوری طرح مرکوز رہے، یہ طرز عمل تمہاری ضرورت کی تکمیل کا زیادہ محافظ ہے، کسی قوم میں نماز کی امامت کے لیے پیش قدمی نہ کرو جب کہ وہ خود تمہیں از راہ تعظیم مقدم نہ کریں۔

آدابِ مجلس: سلاطین کے مظالم کے وقت وہاں حاضر نہ رہا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں یقین ہو کہ اگر تم ان کو ٹوکو گے تو وہ انصاف کریں گے۔ بہ صورت دیگر وہ تمہاری موجودگی میں کوئی ناجائز کام کریں گے اور بسا اوقات انہیں ٹوکنے کی تمہیں قدرت وہمت نہ ہوگی تو لوگ تمہاری خاموشی کی بنا پر گمان کریں گے کہ سلاطین کا وہ ناجائز کام برحق ہے۔ علمی مجلس میں غصے سے اجتناب کرو اور عام لوگوں کو قصہ، کہانیاں سنانے کا مشغلہ اختیار نہ کرو کہ قصہ گو کو جھوٹ بولے بغیر چارہ نہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کرنا اور ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ تمہارے اور دوسرے مسلمانوں کے فائدے کے لیے ہیں۔ (امام اعظم، از سید شاہ تراب الحق قادری رص،۱۳۸/۱۵۰ ملخصاً، اسلامک پبلی شر دہلی)

آپ کی دعوت وتبلیغ کا مقصد اصلی یہ تھا کہ لوگوں کے اندر صراط مستقیم پر چلنے کا جذبہ پیدا ہو اور کتاب وسنّت کی تعلیمات پر عمل کرنے کا حوصلہ بھی۔ اسی محور پر آپ تا عمر تبلیغ ودعوت کا کام کرتے رہے۔ سن ۱۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا لیکن آپ کی اس اصلاحی اور تبلیغی تحریک پر کوئی زوال نہ آیا۔ آپ کے باہمت اور دین کے وفادار تلامذہ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور اتنا بڑھایا کہ اس کے ذریعے کار دعوت انجام پارہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت بڑی خوبصورتی کے ساتھ انجام پاتے رہیں گے۔

☆☆☆

حضورغوث اعظم اور دعوت وتبلیغ

محمد فضل الرحمٰن برکاتی ★

غوث اعظم بمن بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے
واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سید العارفین، حجۃ الواصلین، نائب رحمۃ للعٰلمین، قطب ربانی، محبوب سبحانی، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے صاحب کرامت بزرگ ہیں، بہت بڑے عالم جلیل ہیں یا بہت بڑے داعی ومبلغ۔ سچ یہ ہے کہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم جلیل الشان، بہت بڑے صاحب کشف وکرامت بزرگ اور بہت بڑے داعی ومبلغ بھی ہیں۔ آپ کا مرتبہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بہت اونچا ہے اور بلاشبہ آپ روئے زمین کے تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔

محمد کا رسولوں میں ہے جیسے مرتبہ اعلیٰ
ہے افضل اولیا میں یونہی رتبہ غوث اعظم کا

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان المبارک ۴۷۰ھ میں گیلان کے قصبہ نیف میں پیدا ہوئے، آپ کا لقب پاک محی الدین اور اسم گرامی عبدالقادر، آپ کے والد کا نام ابوصالح موسیٰ جنگی دوست اور آپ کی والدہ کا نام ام الخیر فاطمہ تھا۔ آپ کی پیدائش سے قبل اور وقت پیدائش وبعد پیدائش بے شمار کرامتوں کا ظہور ہوا۔ آپ نے شیر خوارگی کے زمانے میں بھی روزہ کے اوقات میں شیر مادر نوش نہ فرمایا۔

رہے پابند احکام شریعت ابتدا ہی سے
نہ چھوٹا شیر خواری میں بھی روزہ غوث اعظم کا

حضور شیخ کل، تاج اولیا اور غوث الاغواث ہیں۔ ہر سلسلے والا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در سے ہی فیض پا رہا ہے اور اولیائے جہاں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم مبارک کے سامنے اپنی اپنی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔

جو فرمایا کہ دوش اولیا پر ہے قدم میرا
لیا سر کو جھکا کر سب نے تلوا غوث اعظم کا

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

حضرت غوث اعظم نے ابھی عمر کی چند منزلیں ہی طے کی تھیں کہ سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ تعلیم وتربیت کا تمام بوجھ آپ کی والدہ محترمہ ام الخیر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کندھوں پر آپڑا اور انہوں نے اپنے لخت جگر کی تعلیم وتربیت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔

حضرت شیخ ۴۸۸ھ مطابق ۱۰۹۵ء میں ۱۸ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل کے لیے بغداد پہنچے اور ناموران فن سے بھرپور استفادے کئے، جن میں ابوالوفا علی بن عقیل حنبلی، ابوالخطاب محفوظ کلوذانی حنبلی، ابوغالب محمد بن الحسن باقلانی، ابوسعید محمد بن عبدالکریم، ابوزکریا یحیٰ بن علی تبریزی، عارف باللہ حضرت حماد دباس قدس سرہ اور قاضی ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہ العزیز خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان میں آخر الذکر مخزومی سے آپ کو غایت درجہ عقیدت تھی اور پھر یہی آپ کے شیخ طریقت ٹھہرے۔

حضرت مخزومی فرماتے ہیں:

''عبدالقادر جیلانی نے مجھ سے خرقۂ خلافت پہنا اور میں نے ان سے پہنا، ہم میں سے ہر ایک دوسرے سے برکت حاصل کرے گا''۔ (قلائد الجواہر ص ۴،۵)

آغاز رشد وہدایت: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

★ پرانی بستی، نزد راجا مبارک شاہ مسجد، مبارکپور اعظم گڑھ (یوپی)

جب بغداد میں شریعت وطریقت کے علوم ومعارف حاصل کر چکے تو مخلوق خدا کو فیضیاب کرنے کا وقت آ گیا۔ ماہ شوال ۵۲۱ھ مطابق ۱۱۲۷ء کو محلّہ حلبہ برابینہ میں آپ نے وعظ کا آغاز فرمایا۔(بہجۃ الاسرار ص ۹۰)

بغداد کے محلّہ باب الازج میں حضرت شیخ ابوسعید مخزومی کا ایک مدرسہ تھا جوانہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کردیا۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے طلبا کا اس قدر ازدحام ہوا کہ قدیم عمارت ناکافی ہوگئی تو بغداد کے علم دوست حضرات نے اسے وسعت دے کر شاندار نئی عمارت تیار کرائی۔ ۵۲۸ھ مطابق ۱۱۳۴ء میں یہ مدرسہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت سے مدرسۂ قادریہ مشہور ہوا۔ (قلائد الجواہر ص ۵)

آپ نے وعظ وتبلیغ کا سلسلہ (۵۲۱ھ مطابق ۱۱۶۶ء) تک جاری رکھا اس طرح آپ نے چالیس سال تبلیغ اور تینتیس سال تدریس وافتا کے فرائض انجام دیئے۔(زبدۃ الآثار ص ۳۹)

غوث اعظم کا وعظ: سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہفتے میں تین دن خطاب فرماتے، جمعہ کی صبح، منگل کی شام اور اتوار کی صبح۔ طریقہ یہ تھا کہ پہلے قاری صاحب قرآن پاک کی تلاوت کرتے اس کے بعد حضرت خطاب فرماتے، کبھی سید مسعود ہاشمی تلاوت کرتے کبھی دوسرے دو حضرات تلاوت کرتے جو دونوں بھائی تھے، تلاوت سادہ انداز میں لحن کے بغیر ہوتی۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتداء مجھ پر وعظ وتقریر کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ خاموش رہنا میری طاقت سے باہر ہوجاتا، میری مجلس میں دو یا تین آدمی سننے والے ہوتے مگر میں نے سلسلۂ کلام جاری رکھا پھر لوگوں کا ہجوم اس طرح بڑھا کہ جگہ تنگ ہوگئی پھر عیدگاہ میں خطاب شروع کیا وہ بھی ناکافی ہوئی تو شہر سے باہر کھلے میدان میں اجتماع ہونے لگا اور ایک ایک مجلس میں ستر ہزار کے قریب سامعین جمع ہونے لگے۔ چار سو افراد قلم ودوات لے کر آپ کے ملفوظات جمع کرتے تھے۔

(سالنامہ اہل سنت کی آواز ۲۰۰۷، ص ۸۲ بحوالہ اخبار الاخیار فارسی ص ۱۲)

مشائخ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ جیلانی جب وعظ کے لیے منبر پر بیٹھ کر الحمد للہ کہتے تو روئے زمین کا ہر غائب وحاضر ولی خاموش ہوجاتا اسی لیے آپ یہ کلمہ مکرر کہتے اور اس کے درمیان کچھ سکوت فرماتے، بس اولیا اور ملائکہ کا آپ کی مجلس میں ہجوم ہوجاتا۔ جتنے لوگ آپ کی مجلس میں نظر آتے ان سے کہیں زیادہ ایسے حاضرین ہوتے جو نظر نہیں آتے تھے۔(ایضاص ۲۹۴)

حضرت شیخ عموماً عربی زبان میں خطاب فرماتے لیکن بعض اوقات فارسی میں بھی خطاب فرماتے اسی لیے آپ کو ذوالبیانین واللسانین اور امام الفریقین کہتے ہیں۔ (اخبار الاخیار ص ۲۰) آپ کی کرامت یہ تھی کہ دور ونزدیک کے لوگ یکساں طور پر آپ کی آواز سنتے تھے۔(زبدۃ الآثار ص ۵۷)(ایضاص ۸۲)

وعظ کی اثر انگیزی:۔ آپ کا وعظ بہت اثر انگیز ہوتا تھا۔ آپ کی زبان مبارک میں ایسی روانی اور طاقت تھی کہ مضامین کا ایک سیل رواں ہوتا جو آپ کے دہن مبارک سے نکلتا چلا جاتا، تاثیر ایسی کہ پتھر دل بھی موم ہوجاتے، سیاہ کار تائب ہوتے، کفر کی آلودگی میں لتھڑے لوگ سرچشمۂ اسلام کے قریب آ کر شفاف ہوجاتے، لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ بے حال ہوجاتے اور بہت سے لوگ مرغِ بسمل کی مانند تڑپنے لگتے اور بعض تو وہیں جاں بحق ہوجاتے۔

شیخ عمر کیسانی کا بیان ہے کہ آپ کی کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں کچھ یہود ونصاریٰ اسلام نہ قبول کرتے ہوں، چور، ڈاکو اور بدمعاش لوگ اپنے جرائم سے توبہ نہ کرتے ہوں اور رافضی وغیرہ اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک عیسائی راہب آپ کی مجلس میں آیا اور مسلمان ہوگیا، اس نے لوگوں کو بتایا کہ میں یمن کا باشندہ ہوں میرے دل میں اسلام قبول کرنے کی لگن پیدا ہوئی لیکن میں نے عہد کرلیا کہ میں اس شخص کے ہاتھ پر اسلام لاؤں گا جو دنیا بھر کے مسلمانوں سے افضل ہوگا، چنانچہ میں اکثر اسی فکر میں محو رہتا تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ تم بغداد کی طرف چلے جاؤ اور شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلو کیوں کہ وہ اس زمانے میں سب سے بہتر ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں کہ میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زیادہ یہود ونصاریٰ تائب ہوکر مشرف باسلام ہوئے، رہزنوں اور فسق وفجور میں ملوث افراد جنہوں نے میرے ہاتھوں پرتوبہ کی ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔

آپ کی ہر مجلس میں کوئی نہ کوئی یہودی یا عیسائی مشرف باسلام ہوتا، ڈاکو، قاتل اور دیگر جرائم پیشہ اور بدعقیدہ لوگ تائب ہوتے۔(قلائدالجواہر ص۱۸،۱۹)

اسلوبِ خطابت: سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبات میں عموما سادہ اور عام فہم باتیں ارشاد فرماتے، لیکن کبھی کبھی آپ کا دریائے علم موجزن ہوتا تو وہ عالمانہ اور محققانہ نکات بیان فرماتے اور آیتوں کی ایسی تفسیر سناتے کہ بڑے بڑے علما بھی انگشت بدنداں ہوجاتے۔ آپ دین متین کی تعلیمات کو بہت پر کشش اور مؤثر انداز میں بیان فرماتے بعض اوقات صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کے ارشادات بھی زیب سخن بنتے۔

آپ پر بغداد کی معاشرتی، سماجی اور دینی زندگی کی بگڑتی ہوئی حالت پوشیدہ نہیں تھی۔ ظلم وستم جبر واستبداد، تن آسانی عیش وطرب میں ڈوبی زندگی کو ہلاکت کے بھنور سے نکال لانا ہی آپ کا مقصد اصلی تھا اور اسی لیے آپ نے بغداد کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا، بڑے بڑے لوگوں کو ان کی برائیوں پر بے دھڑک ٹوکتے اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ منجانب اللہ ایک داعی ومبلغ کی حیثیت سے دنیا میں منتخب فرمائے گئے تھے آپ نے اس وقت کے ظالموں، عالموں، صوفیوں، فقیہوں سے خطاب فرمایا، ان کے مواعظ سے چند اقتباسات نذر قارئین ہیں۔

(۱) اے لوگو! تم رمضان میں اپنے نفسوں کو پانی پینے سے روکتے ہو اور جب افطار کا وقت آتا ہے تو مسلمانوں کے خوف سے افطار کرتے ہو اور ان پر ظلم کرکے جو مال حاصل کیا ہے اسے نگلتے ہو۔

(۲) اے لوگو! افسوس کہ تم سیر ہوکر کھاتے ہو اور تمہارے پڑوسی بھوکے رہتے ہیں اور پھر دعویٰ یہ کرتے ہو کہ ہم مومن ہیں، تمہارا ایمان صحیح نہیں، دیکھو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے سائل کو دیا کرتے تھے، اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالتے، اس کا دودھ دوہتے اور اپنی قمیص سیا کرتے۔ تم اُن کی متابعت کا دعویٰ کیسے کرتے ہو جب کہ اقوال وافعال میں ان کی مخالفت کررہے ہو۔

آپ نے اس وقت کے مولویوں، فقیہوں اور زاہدوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

(۳) اے مولویو اور اے فقیہو، زاہدو، عابدو، اے صوفیو! تم میں کوئی ایسا نہیں جو توبہ کا حاجت مند نہ ہو، ہمارے پاس تمہاری موت اور حیات کی ساری خبریں ہیں۔ سچی محبت جس میں تغیر نہیں آسکتا وہ محبت الٰہی ہے، جس کو تم اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور وہی محبت روحانی صدیقوں کی محبت ہے۔

(۴) یا الٰہی تو منافقوں کی شوکت توڑ دے اور ان کو ذلیل فرما، ان کو توبہ کی توفیق عطا فرما اور ظالموں کا قلع قمع فرمادے، زمین کو ان سے پاک فرمادے یا ان کی اصلاح فرما۔ (اقتباسات از الفتح الربانی)

آج جس قدر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت کو بیان کیا جاتا ہے اور ہمارے مبلغین وخطبا حضرات اپنے خطبوں میں زور بیانی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے، اگر عوام کے سامنے آپ کے ان اقدامات و مساعی مشکورہ کو جو احیائے دین کے لیے آپ نے کی ہیں پیش کیا جائے تو اس سے دو فائدے ہوں گے، اوّل تو وہ حضرات جو صرف اور صرف آپ کو کرامت تک ہی محدود جانتے ہیں ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا، دوم ہماری عوام اور خواص کے اندر جذبۂ تبلیغ بھی پیدا ہوگا جس سے آج بھی گمراہ انسانوں کو راہ ہدایت نصیب ہوسکتی ہے، بشرطیکہ آج کے مبلغین اور داعیانِ اسلام کی تبلیغ کا طرز وانداز سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ کی طرح ہو۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شریعت کے تنِ بے جان میں دوبارہ جان ڈال دی اور آپ کی دعوت وتبلیغ نے ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو منزلِ مقصود سے ہمکنار کردیا جس کی وجہ سے آپ کا لقب ''محی الدین'' مشہور ومعروف ہوگیا۔ آپ کے اسلوب دعوت وتبلیغ اور خطبات سے زمانہ آج بھی فیض یاب ہورہا ہے اور قیامت تک ان شاء اللہ ہوتا رہے گا۔

گر دد مسیح بمردہ رواں دادی تو بدین محمد جاں
ہمہ عالم محی الدین گویاں بر حسن و جمالت گشتہ فدا

☆☆☆☆

ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور خواجہ غریب نواز

غلام مصطفیٰ رضوی ★

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ورضیت لکم الاسلام دینا'' اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ اسلام دین فطرت ہے، یہ پوری کائنات کا دین ہے، اس دین کو لانے والے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو تمام عالم کے لیے رحمت ہیں۔ دین متین چونکہ تمام عالم کے لیے ہے، اس لیے اس کی تبلیغ کے لیے جو نظام سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تشکیل دیا وہ بھی عالمگیر اور آفاقی ہے اور اس حیات افزا پیغام کو پہنچانے والے حکمت وتدبیر اور کامیابی کے ساتھ پہنچاتے رہے اور دین کی مقدس دعوت اور تبلیغ کا فریضہ باحسن طریق انجام دیتے رہے۔

اسلام کی کشش نے دلوں کی دنیا بدل دی۔ اسلام کی حرکی قوت نے بہت جلد دنیا کے بیشتر خطوں کو متاثر کیا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو اسلامی معاشرہ کہلایا۔ جس میں امتیازات کا گزر نہ تھا اور اس معاشرے کے پسِ پشت اسلام کا نظام اخلاق اور نظام اخوت ومحبت جلوہ گر تھا جس کے اثرات براہ راست فکر ونظر اور روح پر پڑتے ہیں۔ داعیانِ اسلام کا مقدس گروہ اخلاق کے زیور سے مرصع تھا اس لیے ان کی دعوت پر تاثیر تھی۔ سرکار دوعالم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** ''میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔'' (مشکوۃ)

صوفیائے کرام واولیائے عظام کے گروہ نے حسنِ اخلاق کو اپنا کر دین کی تبلیغ کی اور شوریدہ زمینوں کو اپنی دعوت سے گلزار بنا دیا۔ ان علاقوں میں جہاں شرک والحاد کے تعفن نے ماحول کو پراگندہ کر رکھا تھا وہاں دعوت حق کا کام صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے بعد اولیا وصوفیا نے انجام دیا اس خصوص میں ہندوستان کی سرزمین کو بھی دیکھا جانا چاہیے۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد: برصغیر پاک وہند میں اسلام کی اشاعت تین راستوں سے ہوئی۔ (۱) ساحل مالا بار کی طرف سے جو ہندوستان کے جنوب میں ہے (۲) براہِ سندھ (۳) شمالی مغرب کے سرحدی درے جو پاکستان کو افغانستان اور ایران سے ملاتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری میں ہی سرزمین ہندوستان کے جنوب میں مالا بار اور کیرالا کے ساحلی علاقے دامنِ اسلام میں آ گئے تھے۔ قبل از اسلام عرب کے تجارتی جہاز ہندوستان کے مشرقی جزائر تک جایا کرتے تھے۔ پروفیسر محمد اسلم کے مطابق عرب تاجروں کی مساعیِ جمیلہ سے گجرات میں بھی اسلامی اثرات نفوذ کرنے لگے تھے۔

اموی عہد خلافت میں مجاہد اسلام محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا۔ دیبل کو فتح کیا اور مسجد تعمیر کروائی۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تبلیغ اسلام کی غرض سے سندھی اُمرا کو خطوط لکھے۔ آپ کی دعوت نے اثر کیا اور کئی سندھی اُمرا نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے سندھی مسلمانوں کی تربیت کی غرض سے علما تیار کر کے انہیں سندھ بھیجا۔ سندھ میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ہی علومِ اسلامیہ کے فروغ اور تربیت کی غرض سے مدارس کا بھی آغاز ہو گیا۔ تبع تابعین میں مشہور عالم ابوحفص ربیع بصری نے سندھ میں حدیث نبوی کے درس کا اجرا کیا۔

مشہور سیاح مسعودی نے ہند کی سیاحت کی اور اس نے گجرات کے ساحلی مقامات پر مسلمانوں کی موجودگی کا ذکر کیا۔ تبلیغ کے حوالے سے لاہور متحدہ ہندوستان کا اہم شہر مانا جاتا ہے۔ بہت سے علما وصوفیا نے یہاں بساط علم بچھائی اور ایمان وایقان کی شمع کو فروزاں کیا۔ جن میں محمود غزنوی کے حملے سے بھی پہلے حضرت شیخ اسماعیل بخاری ثم لاہوری (م ۴۴۸ھ) پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے لاہور میں اسلام کی تبلیغ کی اور اس کے لیے وعظ وارشاد اور درس وتدریس کو ذریعہ بنایا۔

آپ نے لاہور میں تفسیر وحدیث کے درس کا آغاز فرمایا۔ آپ کی دعوت سے روزانہ بہت سے افراد شرک سے تائب ہوکر اسلام کی دولت سے مشرف ہوتے۔

غزنوی سلطنت کے آخری دور میں حضرت سید علی بن عثمان داتا گنج بخش علی ہجویری (م ۴۶۵ھ) غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ آپ نے اپنی دعوتی کوششوں میں درس، وعظ کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی کام لیا۔ چنانچہ آپ کی کتاب ''کشف المحجوب'' جوفارسی زبان میں تصنیف ہوئی موضوع تصوف کے حوالے سے کافی مشہور ہے۔ آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں لاہور اوراس کے اکناف میں بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی پہنچی۔ شمالی ہندوستان کا علاقہ جو مرکزی حیثیت کا حامل ہے یہاں بھی اسلام کی کرنیں اولیائے کرام کے توسط سے پہنچیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے نمایاں نام حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری المعروف سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا ہے۔

ولادت باسعادت: حضور سلطان الہند کی ولادت ۱۴/رجب المرجب ۵۳۷ھ مطابق ۱۱۴۲ء کو سجستان کے قصبہ سنجر میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام خواجہ سید غیاث الدین حسن ہے جو حسینی سادات سے تھے اور علم وفضل اور نجابت میں عدیم المثال تھے اور تقویٰ وطہارت میں فردِ فرید۔ والدہ ماجدہ حسنی سادات سے تھیں اس طرح آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ سولھویں پشت میں آپ کا نسب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔

تعلیم وتربیت: والد ماجد حضرت خواجہ سید غیاث الدین حسنی نے سلطان الہند کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ آپ نے نو برس کی عمر میں قرآن مجید کو حفظ کرلیا بعدہٗ تفسیر وحدیث اور فقہ کی تحصیل فرمائی۔

سلطان الہند کی عمر ۱۵ برس کی بھی نہ ہوئی تھی کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ورثہ میں ایک باغ اور پن چکی ملی جس کی آمدنی سے مصارف پورے ہوتے۔ ایک روز اپنے باغ میں تشریف فرما تھے کہ ایک مجذوب درویش حضرت ابراہیم قندوزی آپہنچے۔ آپ نے استقبال کیا اور احترام وعقیدت سے بٹھایا، انگور کا خوشہ حاضر خدمت کیا، آپ کے خلوص وتواضع سے درویش متاثر ہوئے۔ باطن کا مشاہدہ فرمایا اور بغل سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا اور چبا کر آپ کے منھ میں ڈال دیا۔ اس ٹکڑے کو تناول کرتے ہی دل کی دنیا بدل گئی، جائداد فروخت کی اور جو رقم ہاتھ آئی اسے ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیا اور سمرقند روانہ ہوگئے۔

سمرقند میں حضرت سلطان الہند مولانا شرف الدین کے درس میں شریک ہوئے۔ مروجہ علوم میں مہارت حاصل کی۔ بخارا کے اساتذہ سے بھی علم لیا جن میں مولانا حسام الدین بخاری شامل ہیں۔

بیعت واجازت: علومِ دینیہ کے حصول کے بعد روحانی تربیت کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۵۵۱ھ میں حرمین مقدس کا پہلا سفر کیا۔ ان دنوں حضرت خواجہ عثمان ہارونی (م ۶۱۷ھ) نے نیشاپور کے نواح میں قصبۂ ہارون میں بساطِ روحانیت آراستہ کررکھی تھی اور آپ کے علم وفضل اور روحانی عظمتوں کے چرچے دور دور تک پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت سلطان الہند آپ کی خدمت میں پہنچے۔ ۵۵۲ھ میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔ خرقۂ خلافت پایا اور مرشد کی خصوصی نگاہ والتفات سے باریاب ہوئے۔ کچھ عرصہ مرشد کی خدمت میں رہ کر منازل روحانیت طے فرمائی اور سیاحت بھی کی۔

بشارت بابرکت: آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بدخشاں اور بخارا وغیرہ گئے۔ یہ مسافرت کا عرصہ بیس برس پر محیط تھا ''انیس الارواح'' میں مرشد کی معیت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حاضری اور بشارت کا حال آپ نے بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''میرے پیرومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی جب بغداد سے روانہ ہوئے تو میں بھی حضرت کے ساتھ روانہ ہوا، مکہ معظّمہ پہنچے۔ حضرت مجھے کعبے کے پرنالے پر لے گئے اور مجھ فقیر کے لیے خدائے تعالیٰ سے دُعا فرمائی۔ اس وقت ایک غیبی آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کیا۔

مکہ معظّمہ سے حضرت مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور مجھے حضور رسول مقبول کے روضۂ پاک پر لے گئے اور مجھے حکم دیا کہ سلام کر۔ مَیں نے سلام عرض کیا، روضہ شریف سے آواز آئی وعلیکم السلام قطب المشائخ۔ یہ آواز سن کر میرے حضرت نے مجھ سے فرمایا: تیرا کام کمال کو پہنچا'' دربار رسالت سے آپ کو ہندوستان کی ولایت

اور تبلیغ اسلام کی خدمت تفویض کی گئی۔

ہندوستان میں ورود: اولیائے کرام کی حیاتِ مبارکہ کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ دین کی اشاعت وتبلیغ کے لیے سیاحت ومسافرت کو اختیار کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے بھی عرصے تک سیاحت فرمائی۔ آپ بغداد، ہرات، تبریز، بلخ ہوتے ہوئے براستہ غزنی ہندوستان آئے اور لاہور میں حضرت سید علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش ہجویری علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور چلہ کش ہوئے۔ یہاں سے واپسی پر یہ شعر کہا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نو رِخدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

نفس زبان سیکھنے میں حرج نہیں، دعوت وتبلیغ کے لیے دوسری زبانوں کا سیکھنا ناگزیر ہے۔ حضرت خواجہ ملتان پہنچے اور وہاں پر ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں کو سیکھا، تہذیب وثقافت کا مطالعہ کیا۔ ملتان سے دہلی پہنچے اور مختصر قیام کے بعد اجمیر کا رُخ کیا۔

دعوت وتبلیغ: ڈاکٹر عابد نظامی کے مطابق حضرت خواجہ کی تبلیغ کے نتیجے میں دہلی میں دوران قیام تقریباً ۷۰۰ مشرک مشرف باسلام ہوئے۔ مشرکین کا مذہبی مرکز اجمیر ہی تھا اور وہاں ظلم وستم کا دور دورہ تھا اور امتیازات بھی۔ حضرت خواجہ کی آمد کے وقت اجمیر میں راجپوت راجہ پرتھوی راج حکمراں تھا۔ آپ کا قیام اسے گراں گزرا، اس کے سپاہی حضرت خواجہ کو ہر آن تکلیف پہنچانے کے درپے ہوتے۔ بزورِ قوت بھی انہوں نے حضرت خواجہ کو اجمیر سے نکالنے کی کوشش کی، آپ نے عزیمت واستقامت کا مظاہرہ کیا اور اخلاص واخلاق اور نرمی وملاحت اور اپنے پاکیزہ گفتار سے اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔

راجہ کے کارندوں نے حضرت خواجہ کو ستایا۔ آپ نے ایک مٹھی خاک آیت الکرسی پڑھ کر ان کی طرف پھینک دی۔ چنانچہ جس سپاہی پر یہ خاک پڑی وہ بدحواس ہوکر بھاگ کھڑا ہوا، اس ناکامی نے مشرکین کو سیخ پا کر دیا۔ انہوں نے رام دیو نامی مہنت سے درخواست کی کہ اس درویش کو شہر سے نکال دے۔ رام دیو جب بارگاہ خواجہ میں آیا اس پر لرزہ طاری ہوگیا، دل کا عالم مدوجزر ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا اس کا نام سعدی رکھا گیا۔

بار بار شکست سے دوچار ہوجانے کے بعد پرتھوی راج نے یہ تصور قائم کیا کہ یہ درویش کوئی شعبدہ باز یا جادوگر ہے اس لیے کسی جادوگر کے ذریعے اس درویش کو شہر سے باہر کیا جائے۔ راجہ نے اس دور کے مشہور ساحر جے پال جوگی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ اس درویش کو تباہ کردے۔ جے پال اپنے شاگردوں کے ساتھ آیا۔ حضرت خواجہ کی سمت بڑھا اپنے تمام شعبدے آزمائے اور ناکامی سے دوچار رہا۔ پھر کامیابی کی دولت اس طرح پالی کہ دل کی دنیا یکسر بدل گئی اور وہ مسلمان ہوگیا۔ حضرت خواجہ نے عبداللہ نام رکھا اور روحانی منازل پہ فائز کرکے دین کا مبلغ اور رہبر بنادیا۔ حضرت سلطان الہند نے اجمیر اور اس کے نواح میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، راجہ کو بھی دعوت حق پیش کی پر وہ ایمان نہیں لایا۔ آپ کی مقبولیت اور قبول اسلام کی کثرت دیکھ کر راجہ اور اس کے ارکانِ سلطنت مضطرب ہوئے۔ حضرت سلطان الہند اور آپ کے مریدین وتلامذہ پر جور وستم کے پہاڑ توڑے گئے لیکن ان کے قدموں میں اضمحلال نہ آیا۔ آپ کا ایک مرید جو راجہ کے ہاں ملازم تھا اسے راجہ نے کافی پریشان کیا۔ آپ نے تنبیہ فرمائی مگر وہ نہ مانا اور بدتمیزی کے الفاظ کہے جس پر بے ساختہ آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوئے ''ما پتھورا را زندہ گرفتیم'' ہم نے رائے پتھورا کو زندہ ہی گرفتار کرکے مسلمانوں کے حوالے کیا۔

''سیدالاقطاب'' میں ہے کہ شہاب الدین غوری ہندوستان پر پیش قدمی سے پہلے خراسان میں تھا کہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کھڑے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ شہاب الدین! اللہ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عطا فرمانے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو۔ اس خواب کے بعد سلطان نے ہندوستان پر فوج کشی کی اور راجہ کو زندہ گرفتار کیا فتح کے بعد شہاب الدین بارگاہِ خواجہ میں حاضر ہوا آپ نے فتح کی مبارک باد دی اور کلمات خیر تلقین فرمائے کہ یہاں کے باشندوں سے اچھا سلوک کرنا اور عدل وانصاف سے حکومت کرنا۔

حضرت خواجہ نے ایمان وایقان کے نور سے دلوں کی صفائی کی، شرک کی تاریکی میں توحید کی شمع فروزاں کی، آپ کے روشن کردار اور اخلاق نے فکر ونظر کو بدلا، آپ اکثر روزے سے رہتے،

صبر وقناعت کو اپنایا، ریاضت ومجاہدہ کا یہ عالم ہوتا کہ اکثر نماز فجر عشاء کے وضو سے ادا فرماتے۔ آپ کا دسترخوان ہمیشہ غرباء کے لیے وسیع رہا، آپ کی نگاہ فیض جس پر پڑتی وہ تائب ہو جاتا اور ایمان کی دولت سے سرفراز ع

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

دہلی میں اسلامی سلطنت کا قیام ہوا۔ آپ نے اپنے خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کو دہلی بھیجا جہاں حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کی اور تبلیغ کا فریضہ انجام دیا خانقاہی نظام کو استوار کیا۔ بعد کو آپ کے خلفا اور پھر ان کے خلفاء نے پورے ہندوستان میں پہنچ کر دینِ متین کے پیغام سے بنجر زمین کو شاداب بنا دیا۔

مستورات میں تربیت ودعوت کا کام آپ کی صاحبزادی بی بی حافظہ جمال نے انجام دیا جو عابدہ وزاہدہ تھیں۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی کے مطابق حضرت سلطان الہند کے دست اقدس پر شرک وبت پرستی سے تائب ہو کر نوے لاکھ غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کے فرزندوں نے بھی احیائے حق کا فریضہ انجام دیا اور ہندوستان کی زمین سرسبز وشاداب ہوگئی اور دلوں کی تطہیر ہوئی۔ علامہ حسن رضا بریلوی نے خوب فرمایا؎

گلشن ہند ہے شاداب کلیجے ٹھنڈے
واہ اے ابر کرم زور برسنا تیرا

تصنیفات وتالیفات: خاصانِ خدا کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ حق وصداقت کے فروغ واشاعت کے لیے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑتے اور ہر طور پر اعلائے کلمۃ الحق کو مقدم رکھتے ہیں۔ علم سے تو مسلمانوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ یہ بیجا نہیں کہ علم بغیر دین سے استفادے کے راحت وسکون نہیں پہنچا سکتا۔ علم کی ترسیل کا ذریعے کتابیں ہیں۔ لہٰذا صوفیائے کرام وخاصان خدا نے اس شعبے کو استحکام بخشا اور تصنیف وتالیف کے ذریعے فکر وبصیرت کے زنگ دھوئے اور بعد کو آنے والوں کے لیے جادۂ حق کے خطوط استوار کیے۔

تصنیف وتالیف کا شغل ارباب تصوف میں شروع سے ہی رہا ہے۔ حضرت خواجہ نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ہدایت وسچائی کے اصول وضوابط اور اسرار معرفت درج ہوئے ہیں اور ان کا مطالعہ ایمان کی بالیدگی کا سبب ہوگا اور ساتھ ہی حضرت سلطان الہند کی دینی وعلمی بصیرت اور استحضار اور تعمق کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

چند تصنیفات کے اسما درج کیے جاتے ہیں:

(۱) انیس الارواح (۲) حدیث المعارف
(۳) رسالہ آداب دم زدن (۴) رسالہ تصوف منظوم
(۵) رسالہ وجودیہ (۶) کشف الاسرار (۷) گنج الاسرار (۸) وصل المعراج (۹) ادبیات ورباعیات (۱۰) آثار منسوب وغیرہ

وصال: سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کا وصال ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار اقدس شہر اجمیر میں مرجع خلائق ہے۔ ساری دنیا سے زائرین آتے ہیں مرادوں سے دامن بھرتے ہیں اور شاد وفرحاں لوٹتے ہیں بعد از وصال بھی فیض وبرکات کا نہ تھمنے والا دریا رواں دواں ہے۔

کتابیات

(۱) خواجہ معین الدین چشتی، انیس الارواح، مشمولہ، ہشت بہشت،
(۲) عابد نظامی، خواجۂ خواجگان، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور مئی ۱۹۸۲ء
(۳) علامہ یٰسین اختر مصباحی اداریہ ماہنامہ کنز الایمان دہلی۔
(۴) امام احمد رضا محدث بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱۔
(۵) ڈاکٹر محمد اختر، خواجۂ خواجگاں، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور۔
(۶) پروفیسر محمد اسلم، برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی آمد، ضیائے حرم لاہور

☆☆☆

شمالی ہند میں اسلام کے اولین مبلغ

حضرت غازی میاں قدس سرہ

علامہ بدر القادری مصباحی ★

تیسری صدی ہجری کے آخری دور میں غزنی کی سرزمین پرنو مسلم ترکوں نے جس سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی، جس کا بانی سلطان الپ تگین کے نام سے پکارا جاتا ہے، چوتھی صدی کے طلوع ہوتے ہی اسی مطلع سے ایک مرد مجاہد نے قدم بڑھا کر ہندوستان میں نعرۂ جہاد بلند کیا اور اس کی صدائے تکبیر کوہ ہمالیہ سے لے کر بحر ہند کے کناروں تک جا پہنچی۔ اس کا نام نامی سلطان محمود غزنوی تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے جیالے بھانجے حضرت سالار مسعود غازی نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر ہمارے خطے کا رخ کیا اور متعدد معرکوں کے بعد آخری معرکے میں جامِ شہادت نوش کر کے ہمارے ہی خطۂ بہرائچ میں آرام فرما ہیں۔ (حضرت غازی میاں کے دستیاب حالات کے ماخذ اسی مضمون کے اخیر میں دیے جاتے ہیں، زبان اردو میں مؤلف کی کتاب ''تذکرۂ سیّد سالار مسعود غازی'' حضرت کے حالات پر بالاختصار روشنی ڈالتی ہے)

خطۂ پورب میں شہاب الدین غوری سے بہت پہلے مجاہد اعظم حضرت سالار مسعود غازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج کشی اور ستر کھ کو مرکز بنا کر ہمالیہ کی ترائی سے بنگال کے علاقوں تک مجاہدین کی روانگی اور جہاد ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ مجاہد اسلام کے ساتھ ساتھ عزلت پسند درویش بھی تھے اور درویشوں کا خاصہ خودنمائی اور دکھاوے کے کاموں سے اجتناب ہوتا ہے اور آپ کی تاریخ مفقود ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مجاہدین اسلام جو آپ کے ہمراہ آئے تھے جہاں جہاں جہاد کے لیے بھیجے گئے وہ وہیں شہید کردیے گئے اور جب اس روشن تاریخ کو صفحۂ قرطاس تک لانے والے ہی نہ رہے تو تاریخ کون لکھتا؟ جیسا کہ میں نے تذکرۂ غازی میں لکھا ہے کہ غازی میاں کو شہید کرنے والی قوم میں سے ہی کچھ لوگ آپ کے اخلاق کریمانہ اور تصرفات و کرامات کے اتنے گرویدہ ہوچکے تھے کہ شہادت کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا اور اُن کے مزار مبارک کی مجاوری کرنے لگے۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ میں حضرت مجاہد اعظم کے متعلق لکھا ہے:

''غازی میاں جو عام طور پر سپہ سالار مسعود غازی کے لقب سے معروف ہیں، ہندستان کے قدیم ترین اور مشہور ترین اولیا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا مزار بہرائچ (اتر پردیش، بھارت) میں ہے۔ ضیاء الدین برنی کے مطابق وہ سلطان محمود غزنوی کی فوج کے ایک سپاہی تھے، جب کہ ابو الفضل کا بیان ہے کہ وہ سلطان عزیز (خویشاوند) تھے۔ عبد القادر بدایونی نے ایک خیر آباد کے ولی کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ افغان تھے جو شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان کی ابتدائی زندگی کے حالات معلوم نہیں ہوسکے، اس لیے آنے والی نسلوں نے ان کی سوانح میں خیالی اور رومانی داستانیں شامل کردی ہیں۔ عبد الرحمان نے مرأۃ مسعودی میں جو جہانگیر کی عہد ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء میں لکھی گئی ہے۔ ان سب داستانوں کو شامل کرلیا ہے اگرچہ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے غزنوی عہد کی ایک مفقود تاریخ ''تاریخ ملا محمد غزنوی'' سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ جوانی میں غازی میاں اپنے باپ سالار ساہو کے ہمراہ جنگوں میں شریک رہے۔ سولہ برس کی عمر میں وہ ہندستان پر چڑھائی کے لیے نکلے۔ ستر کھ (بارہ بنکی) کو اپنا مرکز بنا کر انھوں نے اطراف میں اپنے ماتحتوں کو فتوحات اور اشاعت اسلام کے لیے بھیجا، سیّد سیف الدین اور میاں رجب بہرائچ کی طرف بھیجے گئے، لیکن انہیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اس پر سالار مسعود خود جنگ کے لیے نکلے، ابتدا میں انہیں کامیابی ہوئی لیکن آخر کار وہ شکست کھا گئے اور اپنے ہمراہیوں سمیت ۱۸ رجب ۴۲۴ھ/۳۰ جون ۱۰۳۳ء کو شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے خادموں نے انہیں ایک جگہ دفن کردیا جو

انہوں نے پہلے ہی اپنے لیے پسند کر لی تھی۔ ان کا نام اور ان کا مزار غزنوی اور غوری حملوں کے درمیانی عرصے میں بھی زندہ اور قائم رہا۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی موجود تھی جو ان کے مزار کی نگہبانی اور ان کی شہادت کی یاد تازہ کرتی رہی۔ (Some Aspects of Nizami Religion and politics during the13th century) ص ۷۶،۷۷، علی گڑھ)

ولادت اور حالات زندگی: آپ کا اسم گرامی مسعود ہے یکشنبہ ۲۱ رجب ۴۰۵ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۰۱۵ء، اجمیر شریف میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ان دنوں آپ کے والد ماجد ہند کے سلسلے میں سلطان محمود غزنوی کے نائب کی حیثیت سے ہندوستان میں قیام پذیر تھے۔ والد گرامی کا نام سالار ساہو اور والدہ کا نام بی بی ستر معلےٰ تھا، جو سلطان محمود غزنوی کی بہن تھیں۔ حضرت سالار ساہو، حضرت محمد بن حنفیہ بن مولائے کائنات شیر خدا علی مشکل کشا کرّم اللہ وجہہ کی اولاد سے تھے۔ غازی میاں علیہ الرحمہ نے بہت کم عمری ہی میں جہاد شروع فرما دیا، اس لیے غازی کہلائے، پیدائشی ولی اور حبِ خدا میں سرشار تھے۔ جہاد کے ارادہ سے جب آخری بار غزنی سے روانہ ہوئے تو خوشنودی حق کے متلاشیوں کا ایک عظیم لشکر آپ کے ہمراہ ہو چلا اور آپ کو اپنا امیر و رہنما تسلیم کیا۔ اس لحاظ سے سالار کہلائے، سالار مسعود غازی کے علاوہ بھی آپ کو متعدد ناموں سے شہرت و مقبولیت ملی۔ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدّث دہلوی فرماتے ہیں ''اسم مبارکش میر مسعود است و در نواح دہلی و را پیر پہلم، و در دیار خراسان رجب سالار، و در بعضے جاہا میاں و بالے میاں و بالا پیر و ہٹیلا پیر نیز گویند و لقب مبارکش سلطان الشہید و سیّد الشہید است'' (خزینۃ الاولیاء، ص ۲۱۷)

آپ کا مبارک نام سالار مسعود ہے اور دہلی کے اطراف پیر پہلم، خراسان کے علاقے میں رجب سالار اور بعض جگہوں پر میاں غازی، بالے میاں، بالا پیر، ہٹیلا پیر بھی کہتے ہیں۔ آپ کے مبارک لقب سلطان الشہید اور سیّد الشہید ہیں۔

کمسن مجاہد: تعلیم و تربیت حضرت ابراہیم بارہ ہزاری کی نگرانی میں ہوئی۔ سلطان محمود غزنوی اپنے اس سعادت آثار بھانجے کو بہت پیار کرتے تھے اور اس کی پیشانی سے ہویدا نور اقبال کو پہچانتے تھے۔ نو سال کی عمر میں علومِ ظاہری و باطنی سے فارغ ہو گئے اور عشقِ الٰہی میں کم عمری کے باوجود اتنے کامل ہو گئے کہ استاذ محترم خود تا عمر خادم مشفق کی طرح ساتھ رہے۔ فتح سومنات کے وقت سلطان محمود غزنوی کے سپہ سالار حضرت ساہو کے ہمراہ حضرت سالار مسعود غازی بھی تھے، اس وقت ان کی عمر صرف نو سال تھی۔

(مشیر اوقات، جولائی، معین الدین علوی، ص ۴۹)

ہندوستان میں: فتح سومنات کے بعد کچھ دنوں آپ غزنی میں رہے پھر بہ نیت جہاد ہندوستان کا رخ فرمایا اور دریائے سندھ اور درۂ خیبر کی راہ سے ہندوستان آئے، اجودھن میں قدم رکھا تو فرمایا ''یہ زمین یکسوئی اور توجہ الی اللہ کے لیے بہت مناسب ہے'' آپ کے ہمراہ سر بکف مجاہدین اسلام اور سرشاران بادۂ وحدت کا لشکر تھا۔ اعلان تکبیر اور نعرۂ رسالت کے ساتھ دہلی، میرٹھ، قنّوج ہوتے ہوئے آپ ستر کھ پہنچے اور اسے اپنا مستقر قرار دے کر کئی جہتوں میں مجاہدین روانہ کئے۔ ایک وفد بہرائچ کی طرف بھی روانہ کیا گیا جس کا ذکر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے بھی کیا ہے اور لکھا ہے ''ستر کھ (بارہ بنکی) کو اپنا فوجی مرکز بنا کر انہوں نے اطراف میں اپنے ماتحتوں کو فتوحات اور اشاعتِ اسلام کے لیے بھیجا۔ سید یوسف الدین اور رجب میاں بہرائچ کی طرف بھیجے گئے لیکن انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس پر سالار مسعود خود جنگ کے لیے نکلے۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ص ۴۲۹)

مولانا عبدالرحمان چشتی مرأۃ الاسرار میں رقم طراز ہیں:

''آپ (حضرت سالار مسعود غازی) نے ملک افضل کو ان کے رفقا کے ہمراہ بنارس کی جانب روانہ فرمایا، ان کا مزار دوسرے شہدا کے ساتھ اس علاقے میں مشہور ہے۔ پھر ملک عمر، ملک طغرل کو ان کی جماعت کے ساتھ بیسواڑہ کے پرگنوں کی طرف بھیجا جنہوں نے ان اطراف میں جہاد کرتے ہوئے دولت شہادت پائی۔ چنانچہ ملک عمر شہید اور ملک طغرل شہید وغیرہ کی قبریں قصبہ بملور اور قرب و جوار میں لوگوں کی زیارت گاہ ہیں، ان میں ملک عمر شہید نہایت رعب و داب اور تصرف کے ساتھ آرام فرما ہیں۔ اسی طرح ہر شہر اور ہر قصبہ میں ملک حضرات کو اور ہر قریہ میں مصلحین اور اہلِ شجاعت کو مقرر فرمایا، چنانچہ اس خطے میں میں جہاں جہاں گیا ہوں ہر جگہ ان شہدا کے آثار موجود ہیں اور ہر مقام پر زیارت گاہِ خلائق ہیں۔ (مرأۃ الاسرار، ج ا، قلمی

فارسی....ذکر سلطان الشہید، بحوالہ دیار پورب میں علم وعلما، ص۲۲)

دہلی و اودھ سے لے کر بنگال تک اور بالخصوص مغربی وشمالی اودھ میں اسلام کی قندیل پہلی بار روشن فرمانے والے سلطان المجاہدین حضرت سالار مسعود غازی اوران کے رفقا ہیں۔ انہوں نے اپنی مجاہدانہ تاریخ اپنے لہو سے رقم کی اور اس خطۂ کفروشرک کوخون رگِ جاں سے طہارت دے کر پاک کر دیا۔ تاریخ المنوال وواہلہ کے حوالہ سے قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں ''بزمانہ سید سالار مسعود غازی ملک افضل بغرض فتح بنارس وملک علوی نائب ان کے وملک طاہر بمقام مئو، وملک مروان بمقام شادی آباد وغازی پور آئے۔ مزارات ان کے ان مقام پر ہیں، سترکھ (ملک اودھ) سے ملک حاجی بمقام ٹانڈہ متعین ہوئے تھے۔ مسعود غازی سترکھ سے پورب نہیں آئے۔ (تاریخ المنوال، مطبوعہ پٹنہ، ج۲، ص۸۱ بذریعہ دیار پورب میں علم اور علما، ص۲۳)

حضرت غازی میاں اور ان کے سرفروش ہمراہیوں کی بدولت ہی ہمارے علاقے میں سب سے پہلے نوراسلام پھیلا۔ مولانا شاہ ابوالحسن قطبی مانکپوری لکھتے ہیں ''کسی تاریخ میں لڑائی سوائے کڑا مانکپور کے اور کوئی لڑائی سید مسعود کی درج نہیں ہے لیکن اکثر قبریں گنج شہیداں دیہات وقصبات، متعلقہ اضلاع رائے بریلی وسلطان پور وفیض آباد وپرتاب گڑھ واعظم گڑھ وجونپور وبنارس وغازی پور میں برابر پائی جاتی ہے اور جہاں جہاں قبریں ہیں باوجود تمادی ایام کے عام طور پر بلاکسی اختلاف کے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں یہاں معرکۂ مجاہدانہ غازی میاں ہوا ہے اور یہ انہیں کے ساتھیوں کی قبریں ہیں۔

(آئینۂ اودھ مطبوعہ نظامی کانپور ۱۳۰۳ھ ص ۲۷)

آپ ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''ناظرین کتاب کو خیال رہے کہ ممالکِ مغربی وشمالی اودھ میں جہاں مقابر شہیدان ہمراہیان غازی میاں کہا جائے اس کو باور کرنے میں تامل نہ کیا جائے'' مولوی محمد صادق خلاصۂ تواریخ مسعودی میں رقم طراز ہیں'' آپ (حضرت غازی میاں علیہ الرحمہ) ۴۲۰ھ میں سترکھ آئے تمام ملک میں کوئی شہر وقصبہ وگاؤں نہیں کہ آپ کے ساتھ کا شہید نہ ہو۔ تمام ملک ہند میں غازیانِ اسلام منتشر تھے۔ ہر جگہ کو نور شہادت سے منور کیا۔ اسی وقت سے ہندوستان میں اسلام نمودار ہوا۔ (خلاصۂ تواریخ مسعودی مطبوعہ غالب الاخبار ۱۳۸۸ھ ص ۷۷)

مولوی عنایت حسین اپنے مقفیٰ مسجع پیرائے میں سرکار غازی میاں کی توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جس جس ملک میں حضرت کے نمک خوار تھے، بڑے بڑے سردار تھے، بعد آپ کے سب نے شہادت پائی۔ اسلام کی بیخ جمائی، ہر شہر ودیار میں ایک نہ ایک شہید لشکر سالار مسعود ہے، قبراس کی موجود ہے، کوئی مقام خالی نہیں ہے، کل زیرنگیں ہیں۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ ''غازی میاں'' کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> اتر پردیش (بھارت) کے کئی شہروں اور دیہاتوں (میرٹھ سنبھل اور بدایوں) میں ان کی یاد میں بہت سی تقریبات منائی جاتی ہیں اور میلے بھی لگتے ہیں۔ شمالی ہند کے بہت سے شہروں کی قدیم قبروں کو ان کے ساتھی شہدا کی قبریں سمجھا جاتا ہے۔ (مثلاً بدایوں میں میراں ملہم کے مرقد کے لیے دیکھئے رضی الدین: کنز التواریخ ص۱۵ بدایوں ۱۹۰۷ء) مشرقی بنگال (بنگلہ دیش) کے بعض دیہات میں غازی میاں کی داستان نے ایک مقبولِ عام توہم پرستی کی صورت اختیار کرلی ہے۔

باکمال مجاہدین ومبلغین: حضرت غازی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان سرزمین ہند پر مبلغینِ اسلام کے مقدمۃ الجیش بن کر آئے، وہ شجاعت و بسالت کے ساتھ ساتھ روحانیت وولایت کے بھی تاجدار تھے۔ اسی طرح آپ کے لشکریوں میں بھی ایک سے ایک اہلِ علم وفضل اور صاحبان کرامت ہستیاں موجود تھیں۔ جو اپنے گداز نفس سے ہمارے اس خطۂ ہند کو اسلام کی کاشت کے لیے نرم وملائم بنانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ جناب قاضی عبدالرحیم انصاری جائسی نے اپنی کتاب جغرافیہ وتواریخ قصبۂ جائس میں اسی بات کو دہرایا ہے کہ سید سالار مسعود غازی جب فتوحات کرتے ہوئے اودھ پہنچے تو سترکھ کے اطراف وجوانب میں فوجیں روانہ کیں۔ حاشیہ میں ان مقامات میں سے کچھ کے نام درج کئے ہیں لکھتے ہیں: مثلاً بنارس، غازی پور، مئو، مبارکپور، ہمیر پور، ٹانڈہ مئو، قاضی طیب، الہٰ آباد، فتح پور ہنسوا، فیض آباد، ایودھیا، بہرائچ، مہوبا، کوپامئو، کڑامانکپور، ڈلمئو، ردولی اوراودیانگر

(جائس) وغیرہ

اس کے بعد قلعہ اودیانگر کی تسخیر کا واقعہ لکھتے ہیں:

اودیانگر میں جب سید سالار مسعود غازی کو خبر استحکام قلعۂ بالائی معلوم ہوئی تو نہایت متفکر ہوئے مگر ایسے مقام پر سپہ سالار فوج بصلاح علما کے مقرر کئے جاتے تھے، بمصداق شاور ھم فی الامر ۱۰۲۷ھ میں اہل رمل نے بیان کیا کہ آج شب میں آندھی آئے گی تمام لشکر کے چراغ گل ہو جائیں گے مگر ایک شخص کے ڈیرے کے اندر چراغ جلتا ہوگا اور وہ تلاوت کلام پاک میں مصروف ہوگا، وہی قابل سپہ سالار ہے، چنانچہ شب کو ایسا ہی ہوا۔

میر عمادالدین کے ڈیرے میں چراغ جلتا ہوا ملا اور وہ سپہ سالار مقرر ہوئے اور ان کی معیت میں مشائخ و سادات دیئے گئے، قصہ مختصر مجاہدین اودیانگر پہنچے محاصرہ کیا گیا مگر اس کا استحکام اور وقعت مجاہدین کو دائرۂ استقامت سے باہر کئے دیتی تھی، کوئی صورت کامیابی کی نظر نہیں آتی تھی، واقعی اگر بند رہتا اور اہل قلعہ مقابلہ کی جرأت نہ کرتے تو فتح یابی کی کوئی ترکیب سوچنا آسان بات نہ تھی، مگر مشیت ایزدی کچھ یوں ہی تھی یعنی اس قلعہ کے اندر کوئی کنواں نہ تھا اور نہ ہی کوئی تالاب بس اگر اہل قلعہ باہر نکل کر نہر سے پانی لینے کے واسطے نہ آتے تو بھی جان شیریں کو سپرد تیغ اجل کرتے۔ لہٰذا محصورین کو خود ہی کھلے میدان میں لڑنے کا خیال ہوا اور پھاٹک کھول کر آمادۂ جنگ ہوئے۔ جب مجاہدین کو اس جنگ سے فراغت ہوئی تو اپنے ساتھیوں کی تلاش میں مصروف ہوئے۔ جس قدر مجاہدین اجتماع سے باقی رہے ان کو مختلف مقامات پر اندرون و بیرون حصار شہید پایا، جن کو عموماً انہیں مقام یا سمت میں دفن کیا گیا، جہاں انہوں نے شہادت پائی تھی، چنانچہ چند مشہور نام شہدا کے حسب ذیل ہیں۔ عثمان شہید عرف مردان غیب، آپ کا مزار محلّہ سیدانہ میں ہے، روشن شہید آپ کی قبر محلّہ چودھرانہ شمالی مشرقی رخ پر ہے۔

کرد مسعود غازی یکتا — لمعۂ تیغ بت شکن لامعی
شد بعہد عمادیں خلجی — کعبۂ یمن مسجد خلجی

(تاریخ جامع مسجد اورنگ آباد، ۴۱۸ھ)

مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہے کہ قبل ۴۲۰ھ قلعہ فتح ہو چکا تھا اور ۴۱۸ھ سے پہلے مجاہدین جائس میں سکونت پذیر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی مذکور ہے کہ ۴۱۷ھ/۱۰۲۷ء میں قلعہ وڈیانگر فتح ہو گیا، مجاہدین غازی نے سکونت بالائی حصار اختیار کر لی۔ بعد اس کے مسجد بنائی اور جانب شمال قلعۂ ہٰذا کے باہر میر عمادالدین خلجی سپہ سالار نے حجرہ بنا کر چلّہ کشی کی اور بطور حاکم رہ کر آس پاس کے قصبات از قسم دلمئو اور حسین آباد (رائے بریلی) اور کڑا مانک پور وغیرہ میں اشاعتِ اسلام کے کام کرنے لگے۔

گویا اودیانگر یعنی جائس کی فتح کے لیے حضرت غازی میاں علیہ الرحمہ نے جس مرد خدا کا انتخاب فرمایا تھا وہ عارف باللہ با کرامت ولی اور مجاہد کبیر حضرت میر عمادالدین خلجی تھے۔ ان کے ہاتھوں وہاں کا قلعہ فتح ہوا اور وہاں کا انتظام و انصرام پورا کر کے آپ اپنے بچے ہوئے غازیوں کے ساتھ یادِ حق کے لیے مسجد تعمیر کرتے ہیں اور مشغولِ عبادت ہو جاتے ہیں اور ادھر دشمنان اسلام اپنی تیاریوں میں لگ جاتے ہیں اور موقع غنیمت پا کر پھر اچانک حملہ آور ہوتے ہیں۔ امیر عمادالدین خلجی اور ان کے باقی ماندہ ساتھیوں میں سے چند کے علاوہ سب کو شہید کر دیتے ہیں۔ اودیانگر میں زندہ بچ جانے والوں یا ان کی اولاد میں سے شیخ سعداللہ نامی بزرگ نے سلطان شہاب الدین غوری سے اس وقت ملاقات کی جب وہ ۵۸۹ھ/۱۱۹۴ء میں جے چند کو شکست دے کر دہلی، اجمیر اور قنوج کو دوبارہ پرچمِ اسلام تلے لائے اور قنوج کی فتح کے بعد بنارس کی تسخیر پر متوجہ ہوئے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:

”سلطان شہاب الدین غوری دہلی اور قنوج فتح کرنے کے بعد بنارس کی تسخیر کو جانے لگے تو راہ میں نواح اودیانگر میں مقیم ہوئے، شیخ سعداللہ اپنے مصائب کے حالات سلطان کے حضور عرض کرنے کے واسطے شاہی کیمپ میں گئے اور میر عمادالدین کی شہادت کے اسباب اور ان کے مزار کے بمقام اودیانگر موجود ہونے کے حالات اور ہنود کے زیر اثر ہونے کی تکلیف بادشاہ کے حضور میں عرض کئے۔ یہ بات ہنود کو شاق گزری، شیخ صاحب واپس ہو کر مکان تک پہونچنے نہیں پائے تھے کہ بیرون حصار نماز مغرب کا وقت آ جانے کی وجہ سے بانگ اذان دے کر مصروفِ نماز ہو گئے یکا یک اذان کی آواز سنتے ہی کفار نے پہنچ کر آپ کو شہید کر دیا۔ غالباً یہی وجہ دوبارہ

جنگ اور فتح اودیانگر کی ہوئی۔

(جغرافیہ وتواریخ قصبۂ جائس، قاضی عبدالرحیم انصاری،ص،۱۷۷)

انمٹ نقوش: علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہند لکھتے ہیں۔

''فاتحین نے سرخم کرائے، عرفانے دل جیتے، یوں اسلام پھیلا، مگر اسلام کی اشاعت کرنے والوں میں کچھ ایسے بھی مردانِ باخدا کا تذکرہ ملتا ہے جو بہ یک وقت ان دونوں ہتھیاروں سے لیس تھے، تلواروں کی کاٹ ایسی تھی کہ جواس کی زد پر آیا دونیم ہوا، نگاہ ایسی پر تاثیر کہ جس پر پڑی وہ بندۂ بے دام ہوگیا۔ انہوں نے تلواروں کی دھار سے سروں کو جھکایا اور نگاہوں کی مقناطیسیت سے دلوں کو موم کیا، انہی پاک نہاد افراد میں حضرت سیّد سالار مسعود غازی شہید قدس سرہ بھی ہیں، سلطان محمود غزنوی کو قنوج سے پورب آنے کا موقع نہیں ملا مگر ان کے باحوصلہ بھانجے نے گنگ وجمن عبور کرکے گھا گھرا پار کیا اور کوہ ہمالہ کے دامن بہرائچ میں آکر دم لیا۔ پوری زندگی خیمہ وخرگاہ میں گزاری۔ اس کے باوجود اسلام کی جڑیں اتنی مضبوط کردیں کہ آٹھ سوسال گزرنے کے باوجود اپنی جگہ قائم ہے، سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جس طبقہ کے ظالموں نے دھرم رکھشا کے نام پر غازی میاں کو شہید کیا اسی طبقہ کے لوگ سب سے زیادہ ان کے آستانے پر جبیں سائی کرتے ہیں۔ کیا دنیا کی پوری تاریخ میں کسی مظلوم کے خون میں یہ تاثیر پیدا ہوئی۔ (تذکرہ سید سالار مسعود غازی، مقدمہ،ص،۴،۵،۶)

پروفیسر ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ لکھتا ہے:

''مسلمان اولیا اور بزرگوں کے مزاروں پر ہندو لوگ بھی ان کے عرس کے موقع پر بہت کثرت سے حاضری دیتے ہیں، ایک بے اولاد ہندو جو مشرک ہے اور ہزاروں خداؤں کو مانتا ہے، اس خیال سے کہ مراد مانگنے میں اس سے کوئی خدا چھوٹ نہ جائے، مسلمانوں کے خدا کے حضور میں بھی اپنی گزارش پیش کرتا ہے، اگر اس دعا کے بعد وہ صاحب اولاد ہوگیا تو اس صورت میں اس کا سارا کنبہ مسلمان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی کافی مثالیں ملتی ہیں'' پھر مثال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے'' ہندوؤں کی بعض نیچ ذاتوں میں مسلمان پیروں کی پرستش اتنی عام ہے کہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں صرف شمالی مغربی صوبوں اور اودھ میں ۲۳۳۳۶۴۳، ہندوؤں نے جو ان صوبوں کی ہندو آبادی میں ۵ء۸۷ فی صد تھے اپنے تئیں پیر پرست لکھوایا''۔ (دعوتِ اسلام،ص،۲۸۶) (ہندوستان کی مردم شماری کی رپورٹ،ج،۱۶،مطبوعہ الہٰ آباد ۱۸۹۴ء)

قبور شہدا یا اسلام کا تخم: سرکار غازی میاں کے ہمراہ غزنی سے فداکارانِ اسلام کا ایک گروہ اُٹھا جو شمالی ہند موجودہ صوبہ اتر پردیش کے قصبات وقریات میں شہید ہوکر دفن ہوگیا۔ آج بھی بہرائچ، بدایوں، جائس وغیرہ میں ان کے آثار گنج شہیداں کے طور پر موجود ہیں اور ایسا لگتا ہے اس خطۂ ارضی پر قدرت کے گل ریز ہاتھوں نے ان شہدا کے خون چکاں جسموں کی کاشت کی ہے۔ جس طرح باغباں کسی باغ کی کیاریوں میں منصوبہ سازی کے ساتھ رنگ وبو بکھیرنے والے پودے اور پھولوں کی قلمیں لگاتا ہے اسی طرح رفقائے غازی میاں نے اس کفرستان میں ایمان واسلام کی فصل بہار لانے کے لیے اپنے جسم وجان کو بطور تخم کرڈالا۔

ہند سے ابھریں نہ کیوں خالد وطارق زبیر
بدر ہے اس کاشت کو خون شہیداں مفید

اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ رفقائے غازی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت کو ایک زمانہ گزرا، ان کے سمند اقبال اور نعرۂ جہاد فضا میں تحلیل ہونے کے تقریباً صدی بعد سلطان شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک کے ذریعے یہاں دوبارہ صدائے تکبیر گونجی، پھر ملوک، رؤسائے مسلمین آتے رہے، علما و مشائخ کے قافلے اترتے رہے۔ ان سلاطین وامرا میں سے اکثر کے محلات تو کھنڈر ہوچکے ہیں، مگر ان میں سب سے پہلے یہاں زیر زمیں دفن ہونے والوں کی روحانی قدریں اپنے اپنے علاقے میں دلوں پر حکمرانی کررہی ہیں، ان کی قبروں کے پاس سے گزرنے والا ہر اہلِ نظر ان خاکی تودوں سے ان کی عظمت حیات، تصرفات وکرامات کی جلوہ باریاں ملاحظہ کرتا ہے۔ شمالی ہند کے اندر اشاعت اسلام میں حضرت غازی میاں اور ان کے رفقا کی قربانیاں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

گزرا انہیں اس راہ سے گزرے بھی زمانہ
ہر چاندنی شب آج بھی لے جاتی ہے خیرات

☆☆☆

دعوت وتبلیغ اور مشائخ چشت

سید سیف الدین اصدق چشتی ★

دعوت وتبلیغ سے متعلق احکام وفرامین، ترغیب وترہیب، توفیق وتنسیق، تیسیر وتعسیر، وعدووعید، تنذیر وتبشیر وغیرہ قرآن وحدیث کے صفحات بسیط پر مختلف پیرائے میں بڑی کثرت وموزنیت کے ساتھ انمول ہیروں کی طرح جڑے نظر آتے ہیں، ان ہی بنیادوں پر مسلمانوں کے ہر دور میں اور ہر ملک میں یہ کام کسی نہ کسی طرح انجام دیا جاتا رہا ہے، بس! فرق اگر کوئی ملتا ہے تو اس کی کمی اور زیادتی کا، قرآنی اشاروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام میں کمی بیشی کی بنیاد پر امت کے فروغ وعزت میں بلندی وپستی آتی رہی ہے، ایک علاقہ اور ایک قوم کے لوگوں نے اگر کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق اس قوم سے لے کر دوسری قوم کو عطا فرمادی ہے۔ چنانچہ عربوں کو توفیق ملی تو کبھی ایرانیوں کو، کبھی ترکستانیوں کو ملی، تو کبھی مصریوں کو، کبھی منگولوں کو ملی تو، کبھی کردوں کو، کبھی بربروں کو تو کبھی پٹھانوں کو غرضیکہ مختلف زمانوں میں کوئی نہ کوئی قوم اسلام کی شوکت وعظمت کے کام میں نمایاں اور پیش رو بنتی رہی ہے۔ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو یہ بھی دکھا دیا ہے کہ ان کی عزت وعظمت دراصل اسلام کو تقویت بخشنے اور اس کی خدمت سے وابستہ ہے۔ چنانچہ اسی کے طفیل کبھی دمشق کو عظمت ملی، کبھی بغداد کو، کبھی قرطبہ کو، کبھی قاہرہ کو تو کبھی بقول میر دہلی کو عالم میں انتخاب قرار دیا گیا۔ پھر قوموں سے ہٹ کر افراد امت سے بھی خصوصی کام لیا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت امام حسن بصری، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام غزالی، حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم، سر سلسلۂ چشتیان حضرت خواجہ ابی اسحاق شاہ چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی، مقتدائے اہل عرفان حضرت خواجہ عثمان ہارونی، عطائے رسول حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی وغیرہم جیسی اولو العزم شخصیات اُفقِ عالم پر آفتابِ جہاں تاب بن کر چمکیں تو جن افراد واقوام کو دعوت وتقویت دین کی توفیق ملی اسی کے طفیل انہیں عزت و برتری نصیب ہوئی اور جنہوں نے کوتاہی اور غفلت کو راہ دی، زوال وپسماندگی ان کا مقدر بنی..... تاریخ اقوام عالم چیخ چیخ کر آواز دے رہی ہے کہ اے خدا کے بندو! عذاب الٰہی اور قہر خداوندی سے پناہ چاہو! دعوت وتبلیغ سے انحراف کی بنیاد پر روئے زمین سے نہ جانے کتنی قومیں نابود ہوگئیں، صفحۂ ہستی سے ان کا وجود مٹا دیا گیا، گنہگاروں اور سیہ کاروں کے ساتھ نیکوں کو بھی عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا۔

صادق اور مصدوق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ سے متعلق متعدد حدیثیں ہمیں عبرت دلاتی اور نصیحتیں کرتی نظر آئیں گی............ آج کا اسپین وپرتگال کل کے اسلامی اندلس کا وہ وسیع وعریض خطہ جنت ارضی کے مانند تھا، جہاں صدیوں مسلمانوں کی سطوت وشوکت کے پرچم لہرائے، جن کی علمی وتمدنی ترقی کے معیار سے ساری دنیا مرعوب ومتاثر ہوگئی، تاریخ علم وتمدن کے ماہرین کا اتفاق ہے کہ یورپ کی موجودہ علمی ومادی ترقیات کا آغاز وہیں کی خوشہ چینی سے ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے سب کچھ کیا تھا لیکن دعوتی فریضہ انجام دینے میں شاید کمی کی تھی جس کی وجہ سے وہ وہاں پر مختصر سی تعداد میں رہے اور جب اکثریت واقلیت کے اصول کے دائرہ اثر میں آئے تو اولاً مجبور ومقہور ہوئے پھر اپنا وجود تک کھو بیٹھے۔ آج ہمارے پاس اس سرزمین کے لیے نوحہ ومرثیہ خوانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں

اندلس کے لیے حضرت اقبال کا یہ شعر مسلمانانِ عالم کے درد وکرب اور روحی اضطراب کا عکاس ہے۔ اسپین کے مسلمانوں کی حالتِ زار پر مصنف ''تاریخ اسلام'' مولانا محمد اکبر نجیب آبادی کا یک

سطری مگر نہایت جامع تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

''مسلمان جب کبھی جہاں کہیں دینِ اسلام سے ایسے غافل اور قرآن کریم سے بےتعلق ہوئے ان پر ایسی ہی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں۔(۱)

برصغیر ہندوپاک میں اگرچہ اندلس ہی کی طرح مسلمانوں کی حکومت سات سو سال سے زیادہ عرصہ تک رہی اور یہاں حکمرانوں نے عوام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے مختلف طریقے بھی اختیار کیے۔ اکثر مسلم بادشاہوں کے افعال وحرکات نے اسلام کو زک ہی پہنچائی مگر باوجود اس کے یہاں دین کے داعیوں، صوفیوں اور بالخصوص مشائخ چشت اہل بہشت نے سارے ملک میں پھیل کر دنیاوی اور سیاسی منافع سے الگ رہتے ہوئے جم کر دعوت کا کام کیا، آج انہیں کے قدومِ ناز کی برکت سے مسلمانوں کی اچھی پوزیشن اور عظیم الشان دینی وعلمی کام ہے۔ اس خطۂ برصغیر میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی کل تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہیں بنتی، لیکن اب ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس بیالیس کروڑ ہے، ۱۳، ۱۴ کروڑ ہندوستان میں، ۲۶، ۲۷ کروڑ پاکستان وبنگلہ دیش میں یعنی باہر سے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے ایک اور دس ہزار کا فرق رکھتی ہے یعنی ایک آدمی اگر باہر سے آیا ہوا ہوگا تو ۹۹۹۹ نو ہزار نو سو ننانوے یہیں اسی زمین کے ہیں، ان میں کچھ تو وہ ہوں گے جو باہر سے آنے والوں کی نسل سے ہیں لیکن اکثر وبیشتر ان کی اولاد ہیں جو چشتی بزرگوں کی محبت وانسانیت نوازی کی اداؤں کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

محاسنِ سلطان الہند خواجۂ خواجگان علیہ الرحمۃ والرضوان: حضور خواجۂ خواجگان کا عظیم توکل، بےمثال اخلاص، نصرت الٰہی پر بے پناہ اعتماد اور اپنے مشائخ کرام کے ساتھ بھرپور محبت واطاعت گزاری وسپردگی کی خصوصیات وکیفیات ہی اُن کی سیرت کا اصل جوہر ہے جس نے انہیں دردوسوز، زہد کامل اور عظیم قربانیوں کا مرقع بنادیا۔ بقول شیخ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ انہوں نے نفس امارہ کو رقصِ بسمل پر مجبور کردیا۔ اُن کے زہد وتوکل نے انہیں طاغوت کو لاہوت کے بحر بیکراں میں فنا کردینے کی صلاحیت کا مالک اور ملامت خلق سے بے پرواہ بنادیا۔ جبہ ودستار اور مقبولیت کا کِبر ان کے پاس پھٹکنے کی ہمت نہ کرسکا۔ آپ کی ذات میں حبیب عجمی کی سادگی، داؤد طائی کا زہد، معروف کرخی کی روحانیت، فضیل بن عیاض کا توکّل، قادریت کی عزیمت، سہروردیت کی سرمستی، ابراہیم بن ادہم کا استغنا، جنید وشبلی کی فنائیت، حذیفۃ المرعشی کی خلوت نشینی اور سوزِ دروں، ابواسحاق شامی کی داعیانہ شان، خواجہ ابواحمد چشتی کی قوت توجہ اور خواجہ زندنی کی روحانی گیرائی نے بیک وقت طریقت کا دجلہ وفرات بنا کر ہندوستان میں مدنی لَے کو نئے اسلامی سُروں میں بدلنے کی وہ صلاحیت ان کے مرشد نے پیدا کی کہ ہندوستان چشتیت کا گلستاں ہوگیا، نوے لاکھ انسان جامِ توحید سے سیراب ہوئے۔ لاالہ الا اللہ کی ضربوں اور اللہ اکبر کی صداؤں سے شرق تاغرب گونجنے لگا، آپ کی صلبِ روحانی سے برآمد یہ حب نبوی تھا جس نے مدیح خیر المسلمین کے فن کی ایسی آبیاری کی کہ ''چپے چپے پر سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' کی نعتیہ صدائیں گونجنے لگیں اور اہلِ ہند کا مزاج یہ بن گیا کہ

احسن یہ تمنائے دلی ہے کہ دمِ نزع
میں آنکھ سے دیکھوں شہ ابرار کی صورت

مولانا شاہ ہلال احمد قادری لکھتے ہیں:

''حضرت خواجہ بزرگ برصغیر پاک وہند میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وارثِ روحانی بن کر تشریف لائے تھے اور شاید یہ خطہ انہی کے روحانی فتح وتسخیر کا منتظر تھا، انہی کے مبارک قدموں کی بدولت مسلم سلاطین کی ترکتازیاں جہاں کشا ثابت ہوئیں اور سرزمین ہند مسلمانوں کے زیرنگیں آگئی۔ حضرت خواجۂ خواجگان کی ہندوستان آمد ہندوستان کی تاریخ کے لیے کیسی انقلاب انگیز اور عہد آفریں ثابت ہوئی یہ تاریخ کے طالب علموں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حضرت خواجہ کے باکمال اور لائق جانشینوں نے جو اس سلسلۂ عالیہ کو پشتہا پشت تک تواتر وتسلسل کے ساتھ لے کر چلتے رہے جس کی مثال دوسرے سلسلوں میں کم ملتی ہے، عظیم دینی وروحانی خدمات انجام دیں اور ان کی تعلیمات نے قوم کے فکر ومزاج اور اخلاق وعمل پر گہرا اور دیرپا اثر ڈالا، وہ تعلیمات آج بھی طالب علموں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی، شیخ عثمان اخی سراج قدست اسرارہم وہ مشائخ چشت ہیں جن کی برکات آج بھی جاری

ہیں اوران نفوس قدسیہ کے انعکاس سے قلوب روشن ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ مذکورۃ الصدر خلفا کے واسطے سے مختلف سمتوں میں پھیلا اوراس کی متعدد پرثمر شاخیں وسعت کی بنا پر مستقل سلسلے کی صورت اختیار کر گئیں۔ چنانچہ خواجہ فرید الدین شکر گنج کے خلیفہ حضرت علی احمد صابر قدس سرہ کا سلسلہ چشتیہ صابر یہ سے موسوم ہوا اور حضرت کے دوسرے خلیفہ اور جانشین محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور بواسطہ حضرت اخی سراج چشتیہ نظامیہ سراجیہ کے نام سے معروف ہوا۔(۲)

ہفت اقلیم ولایت میں خواجۂ خواجگان کی شخصیت درخشاں بزم ہدایت ہے تو اُن کی محفل پروانگی سجانے والی چشتی کہکشاں وہ سلسلۃ الذہب ہے جس کی ہر کڑی خود ایک کائنات کی حیثیت رکھتی ہے، خطہ برصغیر میں پھیلے ہوئے حضرت خواجہ سے منسوب چشتی بزرگوں کا احاطہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں، البتہ ہم یہاں اپنے صوبۂ بہار سے متعلق چند مشائخ کا بطور نمونہ سرسری خاکہ پیش کرنا چاہیں گے جس سے غیر منقسم ہندوستان کے طول وعرض میں ان کی دعوتی خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بہار میں مسلمانوں کے وجود کے تعلق سے پروفیسر سید شمیم احمد منعمی تحریر فرماتے ہیں:

''بہار میں مسلمانوں کی باضابطہ تاریخ کی ابتدا خانقاہ اور صوفیا کی تاریخ سے اس طرح ہم آہنگ ہے کہ اُسے جدا کرنا مشکل ہے۔ جب کبھی بہار میں اسلام کی آمد اور مسلمانوں کے وجود وارتقا کا ذکر چھڑے گا تو لامحالہ خانقاہ اور صوفیائے کرام کا ذکر ناگزیر ہو جائے گا۔ سیاسی اعتبار سے بختیار خلجی کی آمد ہی کو بہار میں مسلمانوں کا داخلہ مانا جاتا ہے لیکن یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ بختیار خلجی کے حملہ سے قبل مسلمانوں کی آبادیاں یہاں قائم ہو چکی تھیں اور صوفیا کی سرگرمی کے کئی مراکز قائم ہو چکے تھے۔ دہلی سے پٹنہ کو جوڑنے والی شاہراہ پر مضافاتِ پٹنہ کا مشہور ومعروف قصبہ منیر شریف اس سلسلے میں خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ یہی وہ متبرک بستی ہے جہاں مسلمانوں کا نقش اولین باضابطہ ثبت ہوا تھا''۔(۳)

حضرت امام محمد تاج فقیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ بیت المقدس کی خلیل قدس نامی بستی میں ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک بشارت پر ۵۷۶ھ میں منیر کو فتح کیا اور ایک ایسی خانقاہ کی بنیاد ڈالی جو نہ صرف روحانی قیادت کا مرکز تھی بلکہ بختیار خلجی کے حملہ تک سیاسی زمامِ اقتدار بھی سنبھالے رہی۔ ان کے احباب ورفقا اور جانشینوں نے پورے بہار میں نہایت مستعدی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیا۔ ۵۸۰ھ میں اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد اپنے لڑکوں کو قائم مقام بنا کر آپ بیت المقدس واپس چلے گئے۔ حضرت تاج فقیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ اسرائیل علیہ الرحمہ نے اپنے دو چھوٹے بھائیوں حضرت شیخ اسمٰعیل اور حضرت شیخ عبدالعزیز رحمہم اللہ کو شمالی وجنوبی بہار میں خدمتِ اسلام پر معمور فرمایا۔

حضرت مخدوم یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت شیخ اسرائیل کے فرزند اور حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد قدس سرہ کے والد گرامی قدر ہیں، آپ کی ولادت ۵۴۰ھ میں اپنے آبائی وطن خلیل قدس میں ہوئی، آپ اپنے دادا حضرت امام محمد تاج فقیہ کے ساتھ منیر تشریف لائے تھے۔(۴)

حضرت یحییٰ منیری کی شخصیت شریعت وطریقت کی سنگم تھی، قناعت وتوکل اور درویشی ایسی کہ آپ کے دادا نے جو حکومت فتح کی تھی آپ نے اسے برضا ورغبت بختیار خلجی کے سپرد فرما دیا اور خود کو ریاضت ومجاہدہ، سیر وسیاحت اور حصولِ علم کے لیے وقف کر دیا۔ مختلف اسلامی مملکت کی سیاحت فرماتے ہوئے بغداد معلی پہنچے، درس نظامیہ کے علوم ظاہری کی تکمیل کی اور شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر ہوکر ارشاد وخلافت حاصل کیے۔ شیخ الاکبر محی الدین ابنِ عربی کی زیارت کے لیے دمشق گئے اوران کی خدمت سے بھی فیضیاب ہوئے۔(۵)

حضرت مخدوم یحییٰ منیری کا نکاح حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت (جن کا شمار صوبۂ بہار کے متقدمین بزرگوں میں ہوتا ہے، تبلیغ ودعوتِ اسلامی کے حوالے سے آپ کی ٹھوس خدمات کے شواہد صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مندمل نہیں ہوئے ہیں۔ آپ کی چاروں بیٹیاں اسلامی تاریخ کی خوش قسمت ماؤں میں گزری ہیں۔ انہوں نے ایسے سپوت بہار وبنگال کو عطا فرمائے جو سب کے سب حیرت انگیز طور پر علمی اور روحانی اعتبار سے ممتاز ومنفرد ہوئے۔ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین

احمد بن یحییٰ منیری، مخدوم احمد چرم پوش، مخدوم تیم اللہ سفید باز، مخدوم حسین دھکڑ پوش بھی آپ کے سگے نواسے تھے اور سب کے سب چندے آفتاب چندے ماہتاب ہوئے۔ آپ کی ایک صاحبزادی بی بی کمال نے تو جہان آباد ضلع کے کاکو میں دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریوں کو مردانہ وار نبھایا) کی بڑی صاحبزادی بی بی رضیہ سے ہوا۔ حضرت یحییٰ منیری کا وصال ۱۱رشعبان المعظم ۶۹۰ھ کو منیر شریف میں ہوا۔ انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ ہر سال اس تاریخ میں عرس کا اہتمام ہوتا ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری علیہ الرحمہ

آپ کی ولادت ۲۹رشعبان المعظم ۶۶۱ھ کو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں منیر شریف میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ بی بی رضیہ اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھی، مشہور ہے کہ آپ نے بلاوضو کبھی حضرت مخدوم جہاں کو دودھ نہیں پلایا۔ آپ کی تعلیم مروجہ نصاب کے مطابق گھر پر ہوئی، پھر علامہ شرف الدین ابوتوامہ جیسا استاد کامل مل گیا جن سے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ ساتھ ہی روحانی وباطنی فیض بھی حاصل کرتے رہے۔ استاذ کی خواہش پر ان کی دختر نیک اختر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد والد ماجد مخدوم یحییٰ کے وصال کی خبر ملی تو تاب وتواں جاتا رہا اور استاذ وخسر سے اجازت لے کر سنار گاؤں (نزد ڈھاکہ) سے جہاں ان کا مدرسہ اور خانقاہ تھی منیر شریف تشریف لائے اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ مگر معرفت الٰہی کی وہ آگ جو برسوں سے سینے میں فروزاں تھی بھڑک اٹھی بالآخر اپنے صاحبزادہ حضرت مخدوم ذکی کو والدہ کی گود میں ڈال کر فرمایا: اسے آپ شرف الدین کی جگہ سمجھئے اور اپنے بچہ کو طلب الٰہی کی اجازت دیجئے۔ ولیہ والدہ اس بات سے بہت خوش ہوئیں اور رغبت ورضا کے ساتھ اجازت دے دی۔ حضرت مخدوم نے رخت سفر باندھا اور دہلی جا پہنچے جسے صرف ہندوستان کا صدر مقام ہی نہیں بلکہ صوفیا کے مرکز ہونے کا بھی شرف حاصل تھا آپ نے وہاں کے مشاہیر مشائخ سے ملاقاتیں کیں مگر کہیں تشفی نہ ہوئی اور یہاں تک فرمایا کہ ''شیخ ابن ایں است ماہم شیخم'' (۶) سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں پہنچے۔ ان کی علمی مجلس میں حصہ لیا۔ محبوب الٰہی نے چند سوالات کیے۔ آپ نے معقول و مناسب جواب دیئے جس سے خوش ہوکر آپ نے اعزاز واکرام سے نوازا، پانوں کا تھال پیش کیا اور رفقا کی جانب متوجہ ہوکر فرمایا ''سیمرغیست نصیب دام مانیست'' (ایک شاہین بلند پرواز ہے مگر میرے جال کی قسمت کا نہیں ہے) یہ کہہ کر آپ نے انہیں رخصت فرمادیا۔'' (۷)

آپ وہاں سے پانی پت حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر کے یہاں گئے مگر ''شیخ است اما مغلوب الحال است بہ ترتیب دیگرنمی پردازد'' (شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال دوسروں کی تربیت نہیں کرسکتے) کہتے ہوئے دہلی لوٹ آئے۔ پھر خواجہ حضرت نجیب الدین فردوسی کا پتہ معلوم ہوا۔ پہنچتے ہی ایک رُعب طاری ہوا اور جسم مبارک پسینہ پسینہ۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا ''درویش آؤ برسوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کردوں۔'' (۸)

بیعت لیا اور ساتھ ہی اجازت وخلافت، خرقہ اور کچھ نصائح جو بارہ برس پہلے سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے لکھ رکھا تھا۔ وہ آپ کے حوالے کیا اور رخصت فرمایا۔ مخدوم جہاں نے تعلیم وتربیت کے لیے کچھ دن قیام کرنے کی اجازت چاہی تو پیر ومرشد نے فرمایا۔ تمہاری تعلیم وتربیت بارگاہ رسالت سے مقدر ہے۔ مشہور ہے کہ آبہیا (ضلع بھوج پور) کے جنگل میں ۱۲ سال یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ نہایت سخت مجاہدے اور ریاضت کیا پھر راجگیر کے جنگل میں دیکھے گئے۔ اس طرح تقریبا چالیس سال جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی بسر کی جہاں اپنے رب کے ساتھ راز ونیاز کی کن کن منزلوں سے گزرے کسی کو خبر نہیں۔ راج گیر کو بہار شریف سے قربت حاصل ہے اس لیے رفتہ رفتہ آپ کی ولایت کی شہرت وہاں پہنچی تو لوگوں کا قافلہ وہاں پہنچنے لگا، آپ نے خلقِ خدا کی خدمت کے لیے بدرجۂ مجبوری بہار شریف میں اقامت اختیار کرلی۔ اس طرح درس وتدریس اور رُشد وہدایت کا ایک فیض رواں ہوگیا، ۶رشوال المکرّم جمعرات کی رات کو عشا کی نماز کے وقت ۷۸۳ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے، قطرہ سمندر میں اور جزوکل میں مل گیا، مادۂ تاریخ ''وفات پرشرف'' ہے، (۹)

ایں جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم وتسلیم وے کنم

وصال کے وقت آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز ایک ایسا شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارکِ سلطنت ہو اور حافظ قرآن بھی ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا اور لوگ ایسے شخص کے منتظر تھے کہ یکا یک حضرت مولانا اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے، یہ تینوں شرطیں آپ میں موجود تھیں اس لیے آپ ہی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کچھ دنوں مزار مبارک پر چلّہ کش رہ کر وہاں سے رخصت ہوئے اور فرمایا(۱۰)

دِلا ہرگز نیابی در جہاں ہم چوں شرف پیرے
کہ مالا مال از وشد سید اشرف جہاں گیرے

مخدوم جہاں کثیر التصانیف بزرگ ہیں آپ کی تصنیفات، مکتوبات، ملفوظات اور رسالہ جات کی تعداد ستر ہ سو سے زیادہ ہے، لیکن بہت سی تصانیف اور رسائل گردشِ زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہو گئے۔(۱۱)

حضرت مولانا شاہ محمد قسیم الدین فردوسی رقم طراز ہیں:

''آپ کے مکتوبات، ملفوظات، تصنیفات میں خاص تاثیر ہے اور یہ مقام حضرت مخدوم کو اسی خصوصی فیضان کی وجہ سے ہے جو آپ کی تعلیم روح پاک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اماناً ہوئی اور جس کی بشارت آپ کے شیخ نے دی تھی۔ مکتوباتِ صدی کے فیضان وتاثیر، عظمت وافادیت کے متعلق صرف میرا یہ خیال نہیں بلکہ مخدوم جہاں کے عہد پاک کے بزرگان دین اور ہر صدی کے اکابرین موجودہ دور کے علما وفضلا سب کے سب معترف ہیں۔ حضرت جلال الدین بخاری، سید عبداللہ شطار، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی، مولانا سید اشرف جہاں گیر سمنانی،، مولانا عبدالحق محدث دہلوی، ابوالفضل دربارِ اکبری کا مشہور مورخ، حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی وغیرہم۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات میں نادر تحقیقات اور بلند ولطیف علوم ومضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو حقائق ومعارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے، اس کتاب کے صفحات پر جابجا ایسے لطیف نکتے اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی ہیں جو ذاتی تجربات کا نچوڑ اور سالہا سال کی ریاضتوں اور وہبی علوم کا نتیجہ ہیں اور جن کو پڑھ کر وجد وسرور کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے طرب انگیز ادبی مقالے اور وجد آفریں شعر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔(۱۳)

بلاشبہ صاحب مکتوب آفتاب ہیں۔ اگر آفتاب ہماری قسمت سے چھپ گیا ہے تو کیا ہوا، آپ کی تصنیف تو ہے، ہم اسی ماہ تاباں سے نورِ ایماں کیوں نہ لیں؟

از بخت بدم اگر فروشد خورشید
بہ از نور رخت مہا چراغے گیرم

افسوس! یہ بلند پایہ شخصیت جسے زمانے نے سلطان المحققین مخدوم الملک اور مخدوم جہاں کے نام سے متعارف کرایا اسے آج ہم ''مخدوم بہار'' بنا کر محدود کر رہے ہیں۔ عمداً ہو یا سہواً بہر حال یہ ایک نامناسب عمل ہے جس کا سدباب کرنا لازمی ہے۔ متذکرہ بالا تمامی بزرگ گوکہ سلسلۂ سہروردیہ سے متعلق ہیں مگر صوبۂ بہار کی اسلامی دعوت وتبلیغ میں ان کی حیثیت خشتِ اول اور اولین معمار کی ہے اس لیے انہیں نظر انداز کر کے گزر جانا انتہائی ناسپاسی اور تعصب مشربی گردانا جائے گا، جس سے ہر حال میں اللہ کی پناہ چاہتے رہنا چاہئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ صوبۂ بہار مسلمانوں کے ابتدائی دور میں چشتی بزرگوں سے خالی رہا ہے، حضرت خضر پارا دوز چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار مقدس بہار شریف میں موجود ہے جنہیں حضرت سید قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرید وخلیفہ کہا جاتا ہے، آپ سلسلۂ چشتیہ کے کتنے اوپر کے بزرگ ہیں، ان کا زمانہ کیا رہا ہوگا اور کن حالات میں آکر انہوں نے یہاں خدمت اسلام کی ہوگی؟ انہیں صرف تصور کی نگاہوں سے دیکھ کر محسوس کیا جا سکتا ہے، جہاں آباد ضلع کے ارول جہان آباد شاہ راہ پر موضع کندوئی میں حضرت غریب نواز اجمیری کے پوتے کی ایک مشہور خانقاہ عرصے تک مصروفِ ہدایت رہ چکی ہے، جس کے بانی خواجہ داؤد چشتی کا مزار مبارک اب تک اس موضع میں محل برکت ہے، لیکن اب خانقاہ یا افراد خاندان کا کوئی نشان نہیں۔(۱۴)

مخدوم جہاں کے نانا حضرت شہاب الدین پیر جگجوت کے معاصر حضرت مخدوم آدم صوفی چشتی بزرگ گزرے ہیں، جن کی خانقاہ اور مزار مقدس آج کچی درگاہ سے قریب ہی پکی درگاہ پٹنہ میں

مرجع خلائق ہے۔

خود پیر جگجوت کے سگے نواسے مخدوم تیم اللہ سفید باز چشتی جن کا مزار بیجون بہار شریف میں ہے۔ وسیع خدمات کا دائرہ رکھنے والے بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ بہار شریف کے کاغذی محلّہ میں حضرت مخدوم احمد سیستانی کی خانقاہ بھی مخدوم جہاں سے پہلے کی خانقاہوں میں بے حد محترم تھی۔ حضرت مخدوم احمد سیستانی باعتبارِ سلسلہ سہروردی تھے یا چشتی یہ ہنوز تشنۂ تحقیق تو ہے مگر اغلب گمان آپ کے چشتی ہونے کی طرف ہی اشارہ کرتا ہے۔ بہر حال آپ کی روحانی عظمت اور دینی خدمات ہر طرح مسلم ہے۔ خود حضرت مخدوم جہاں کا آپ کے مزار مبارک پر حاضری کے معمول کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کا آستانہ آج بھی عظمت ورفعت کا زندہ گواہ ہے۔

پیرزادۂ سلطان الہند حضرت عبد اللہ چشتی المودودی علیہ الرحمہ:

آپ ''چشت'' کے قریب ''بھکر'' کے مقام پر پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام خواجہ سید اسد اللہ چشتی اور لقب سلطان گنج نشیں ہے۔ آٹھ واسطوں کے بعد نسب حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی سے جا کر ملتا ہے، جو اس طرح ہے ''سید عبداللہ چشتی ابن سید اسد اللہ چشتی ابن سید برہان الدین چشتی ابن سید عبدالرحمٰن چشتی ابن محمد جان چشتی ابن خواجہ محمد سمعان چشتی ابن خواجہ منصور چشتی ابن خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۵۲۷ھ۔ آپ پیر ومرشد ہیں حضرت شریف زندنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اور حضرت شریف زندنی پیر ومرشد ہیں خواجہ عثمانی ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے اور خواجہ ہارونی پیر ومرشد ہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے، اس سلسلہ روحانی کی بنیاد پر حضرت خواجہ سید عبداللہ چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواجۂ خواجگان علیہ الرحمہ کے پیرزادگان میں شمار کیے جاتے ہیں، آپ اپنے وطن سے خدمتِ دین کا جذبہ لے کر مع اہل وعیال کے بہار شریف تشریف لائے اور حضرت مخدوم سے استفادۂ فیض کیا، کچھ عرصے خدمت میں رہنے کے بعد مخدوم الملک نے کچھ اشارات وعلامات کے ساتھ بہار شریف سے جنوب کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ کی منزل نوادہ ضلع کا علاقہ شیخ پورہ نکلی جہاں فروکش ہو کر آپ لاکھوں بندگانِ خدا کی نجات کا ذریعے بنے۔ شیخ پورہ میں آج بھی حضرت شیخ عبداللہ مودود چشتی کی اولاد آباد ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوتی آ رہی ہے۔ مولانا سید شاہ عین الدین چشتی موجودہ سجادہ نشین ہیں اور اپنے مورثین کی روحانی مشن کو فروغ دینے میں کوشاں ہیں۔

نویں اور دسویں صدی ہجری میں کچھ ایسی خانقاہوں کی بنیاد بہار میں پڑی جو عرصے تک دعوت وتبلیغ کا بیش قیمت فریضہ انجام دینے کے بعد تاریخ کے صفحات میں روپوش ہوگئیں، اب صرف مزارات باقی ہیں یا شکستہ عمارتیں۔ ان میں حضرت عطاء اللہ بغدادی قادری ثم چشتی اور حضرت فریدالدین طویلہ بخش چشتی کی خانقاہیں سرِ فہرست ہیں، یہ دونوں بزرگ حضرت نور قطب عالم پنڈوی کے فیض یافتہ تھے جن کا سلسلہ دو واسطوں سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی سے جا ملتا ہے۔ حضرت طویلہ بخش چشتی کی خانقاہ کے آثار چاند پورہ بہار شریف میں ہنوز باقی ہیں، انہیں خاندان کے متوسلین میں مشہور زمانہ مسلم الثبوت اور سلم العلوم کے مصنف حضرت ملا محبّ اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ) بھی تھے۔ ان کا مزار بھی اسی خانقاہ سے ملحق درگاہ شریف کے جنوب میں مغربی گوشے میں واقع ہے۔ (۱۵)

حضرت عطاء اللہ بغدادی چشتی کا مزار مبارک بہار شریف کے سکونت محلے میں واقع ہے، حضرت عطاء اللہ اور حضرت فرید الدین طویلہ بخش کے اخلاف میں کئی شخصیتیں ایسی پیدا ہوتی رہیں جن سے زمانہ فیضیاب ہوا۔ اب بھی متعدد سادات وشیوخ کے خانوادے ان بزرگوں کی نسبی جزئیت کا شرف رکھتے ہیں۔ بہار ہی کے محلّہ بھینساپور اور بخاری محلے کے درمیان محلّہ چشتیانہ میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر چشتی کی اولاد سے ایک محترم خانقاہ بھی اسی دور میں قائم ہوئی تھی جس کے بانی حضرت شاہ امان اللہ چشتی تھے جس کا سلسلہ نسب تین یا چار پشتوں کی نسل سے بابا فرید سے جا ملتا تھا۔ حضرت شاہ امان اللہ کے ایک صاحبزادے شیخ فیض اللہ چشتی بہار شریف سے ہجرت کر کے پٹنہ چلے آئے اور یہاں سید پور دیگھا میں سکونت اختیار کر لی۔ گیا ضلع کے بیتھو شریف میں بھی ایک چشتی خانقاہ ہنوز موجود ہے جس کے بانی حضرت مخدوم شاہ درویش اشرف چشتی ہیں، جن کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم شاہ اشرف جہانگیر سمنانی

کچھوچھوی قدس سرہ کے بھانجے حضرت شاہ عبدالرزاق نورالعین سے جاملتا ہے۔

پروفیسر شاہ شاہد اشرفی موجودہ سجادہ نشین ہیں۔(۱۶)

بارہویں صدی ہجری میں حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک قدس سرہ کی پٹنہ آمد سے ایک نئی روحانی بہار کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ کے خلفا کے ذریعے اس برصغیر میں بے شمار خانقاہوں کا قیام عمل میں آیا اور نظام خانقاہی اور اس کے ذریعے تبلیغ ودعوت، رشد وہدایت کے طریقۂ کار کا گویا احیا ہوگیا۔ حضرت مخدوم شاہ منعم پاک کی عظیم الشان خانقاہ پٹنہ کے محلّہ متین گھاٹ میں ہنوز آباد وشاداب ہے اور حضرت پروفیسر شمیم احمد منعمی صاحب موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

حضرت خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رحمۃ اللہ علیہ: آپ ۱۲۲۱ھ میں بمقام میاں پور ضلع بردوان کے ایک عظیم علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی نویں پشت کے جدامجد حضرت سیدنا قاضی عبدالخبیر علیہ الرحمہ دیارِ عرب سے بعہد سلطانِ اسلام بنگال میں عہدۂ قضا پر معمور ہوئے اور نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی بنیاد پر آپ کا خانوادہ علم وعرفان میں نہایت معروف ہوا، چارسال چار ماہ کی عمر میں خاندان کے بزرگوں سے تعلیمی سلسلے کا آغاز کیا اور گیارہ سال کی مختصر سی عمر میں حافظ قرآن اور مجود قاری ہوکر خاندانی عظمت کو دوبالا کردیا۔ (۱۷)

نوسال کی صغرسنی میں خاندان کے دوسرے بزرگوں کے ساتھ امام العارفین حضرت سید صادق علی شاہ مونس اللہ چشتی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر ذوق وشوق کے ساتھ بیعت ہوئے۔ آپ حضرت مخدوم سید قمیص اعظم قادری قدس سرہ (م ۹۹۲ھ) کی اولاد امجاد ہیں۔ بیعت وخلافت کا شرف محبّ النبی حضرت مولانا شاہ فخرالدین چراغ چشت دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے باکمال بزرگ سے حاصل تھا، جنہیں نظامیہ سلسلہ کا مجدد کہا جاتا ہے۔ انہوں نے نظامیہ سلسلہ کو نئی زندگی بخشی اور اپنے خلفا کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج کر نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں۔

حسین فخری نے لکھا ہے:

''خلفائے مرشدی ومخدومی دہفت اقالیم دائر وسائر ومحیط اند'' (۱۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ایک رسالہ ''انتباہ'' میں جب یہ اعتراض کیا کہ سلسلہ چشتیہ حضرت علی تک متصل نہیں ہوتا کیوں کہ حضرت خواجہ حسن بصری حضرت علی کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کس طرح مل سکتی تھی۔ اسی طرح قول الجمیل میں بھی انہوں نے اس شبہہ کا اظہار کیا، (شاہ عبدالعزیز صاحب نے حاشیہ قول الجمیل میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصری کی ملاقات حضرت علی سے باعتبار تاریخ ثابت نہیں) حضرت شاہ فخر چراغِ چشت قدس سرہ نے اس کی تردید میں رسالۂ فخر الحسن تحریر فرمایا اور اپنے محدثانہ کلام سے اس اعتراض کو باطل قرار دیتے ہوئے حضرت حسن بصری کی خلافت اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی سات ملاقات ثابت فرمائی۔

ڈاکٹر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''شاہ فخر صاحب کی اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم نے جب اس رسالہ کو دیکھا تو فرمایا کہ حسن اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے، لیکن یہ تحقیق جو مولانا نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی۔ فخر الحسن میں احادیث کی متداول کتب اور شرح کے علاوہ ان کتابوں کے حوالے موجود ہیں جس سے ان کے تبحر علمی اور وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ گزشتہ صدی کے ایک مشہور عالم مولانا احسن الزماں حیدرآبادی مرید وخلیفہ مولانا محمد علی خیرآبادی نے ''قول المستحسن فی شرح فخر الحسن'' کے نام سے شاہ صاحب کی اس تصنیف کی مبسوط شرح عربی میں لکھی تھی، مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے فخر الحسن کا جواب لکھنا چاہا لیکن نہ لکھ سکے۔'' (۱۹)

حضرت شاہ صادق علی مونس اللہ چشتی کو شریعت وطریقت کے اس مجمع البحرین کی محبت فیض اور نظر کیمیا نے ''درکفے جام شریعت درکفے سندانِ عشق'' کا نمونہ بنادیا تھا اور حسن قسمت کہ حضرت قیام اصدق کو ایسے شیخ کامل کی معیت حاصل ہوگئی۔ پورے بارہ سال تک مرشد کی خدمت میں رہے، ایک طرف علوم ظاہری کی تکمیل ہوتی رہی تو دوسری طرف سلسلہ طریقت کے مرحلے بھی طے ہوتے رہے، شیخ کی محبت نے فطری صلاحیتوں کو جلا بخشی، سفر وحضر ہر جگہ ساتھ رہ کر

اکتساب فیض کرتے رہے، یہاں تک کہ شریعت وطریقت کے دونوں علوم میں باکمال ہوگئے، مولانا شاہ ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی فردوسی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تیرہویں صدی ہجری کے وہ باکمال بزرگ ہوئے جو نہ صرف علوم باطنی کے مالک تھے بلکہ علوم ظاہری کے ہر شعبہ میں مہارت تامہ رکھتے۔ تفسیر ہو یا حدیث، فقہ ہو یا منطق وفلسفہ، علم قرات ہو یا فن تجوید تمام مضامین پر آپ کو درک حاصل تھا۔ آپ کے مکتوبات اور دیگر تصانیف کے مطالعے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربی وفارسی آپ کی مادری زبان تھی۔ بے تامل لکھتے اور بولتے اگر آپ کا دن تحصیل علم میں گزرتا تو رات ذکر وفکر میں گزارتے۔ مرشد کامل کی تربیت کامل کا یہ اثر تھا کہ مشاہدۂ جمالِ دوست میں محو رہتے''۔(۲۰)

حضرت شاہ صادق علی قدس سرہ نے وصال سے ایک دن قبل حضرت اصدق کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنا جانشین بنایا اس کے بعد دوات وقلم لے کر بیاض دل سے قرطاس ظاہر پر رقم فرمایا ''فرزند قیام را بہ فرزندیٔ خود گرفتیم وقائم مقام خود کردیم، وہمہ اشیائے مملوکہ خود را بہ او دادیم، وعطا کردیم، ہر کہ از مریدان ومسترشدان، وخلفایان من ہم چوں من نداند او از من مرتد است'' (ترجمہ: یعنی میں نے فرزند قیام کو اپنی فرزندی میں لے کر اپنا قائم مقام اور جانشین کیا اور اپنی ملکیت کی تمام چیزیں ان کے حوالے کی اور ان کو بخشا۔ میرے مریدین اور مسترشدین اور خلفا میں جو کوئی بھی ان کو میری ہی طرح لائقِ احترام نہ جانے گا وہ میرا باغی ہے۔)(۲۱)

حضرت بابا صادق علی شاہ مونس اللہ چشتی اکتیس دنوں کی علالت کے بعد ۲۶ رصفر المظفر ۱۲۴۸ھ کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ مزار مبارک جزیرۂ انڈمان کے علاقہ پولو پلانگ میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت خواجہ قیام اصدق بعدِ وصال مزارِ شیخ پر چلہ کش رہے پھر مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہوئے عظیم آباد پٹنہ پہنچے۔ جہاں لوگوں نے بڑی پذیرائی اور خوب علمی روحانی استفادہ کیا، پھر مخلصین کی درخواست پر موجودہ نالندہ ضلع کے موضع جمواداں تشریف لائے اور طویل قیام فرمایا جہاں تشنگانِ معرفت اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوتے رہے، حضرت شاہ خواجہ قیام اصدق چشتی قدس سرہ کی گوشۂ زندگی پر مشتمل مبسوط کتاب ''حیات اصدق'' کے مؤلف ابی وشیخی حضرت مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق صاحب کا زہرہ نگار قلم خواجہ اصدق کی اسلامی تبلیغ اور دعوتی سرگرمیوں کی یوں عکاسی کرتا ہے:

''روزانہ کا معمول تھا، روحانی مجلس منعقد ہوتی، اس میں محبت کی صراحی لائی جاتی، عشق کا جام پلایا جاتا، معرفت کا خمار چڑھایا جاتا اور اسرارِ الٰہی کے دروا کیے جاتے۔ پھر تو سبھوں پر ایسا سرور طاری ہوتا کہ نگاہوں کی چمک دوسروں کی تسخیر کا سامان بن جاتی، عالم آتا تو پندار کی پگڑی اتار دیتا، صوفی آتا تو رِیا کی پگڑی اُتار پھینک دیتا، فلسفی آتا تو روحانیت کے سامنے سرنگوں ہوجاتا ہے، رافضی آتا تو تکریم صحابہ کا درس یاد کر کے لوٹتا، خارجی آتا تو اہل بیت کی دشمنی بھول جاتا اور در رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاند آتا تو لمحوں میں طوقِ اہانت سے چھٹکارا پاجاتا، کاروانِ راہِ سلوک کے پیشوا حضرت داتا نیاز چشتی بریلوی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے''(۲۲)

گر بادۂ توحید پئیں اہل مشارب
ہفتاد و دو ملت کی ہو تکرار فراموش

شاید آپ جمواداں سے بھی رخت سفر باندھتے لیکن جمواداں کے جنگلات میں مرشد کی بتائی وہ علامات نظر آگئیں جہاں آپ کو اپنا مستقر اور مرکزِ ارشاد بنانا تھا۔ قیام وسکونت کا ارادہ مصمم ہوا اور اسی جگہ مسجد وخانقاہ تعمیر کرائی، جگہ کا نام چشتی چمن رکھا جو بعد میں پیر بیگھ سے مشہور ہوئی۔

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رقم طراز ہیں:

''جمواداں میں آمد کی تاریخ ۱۲۵۰ھ ہے اس وقت آپ کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ خانقاہ جو بنائی وہ بھی شہری سہولتوں سے محروم، آبادی سے دور جگہ، اردگرد دور تک پھیلے ہوئے جنگلات تھے، جوانی میں دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے منھ پھیر کر یاد الٰہی کے لیے اہل وعیال کے ساتھ جنگل میں بیٹھ رہنا ہی آپ کے کمالِ معرفت کی دلیل ہے۔ فقر

وتوکل جوخواجگان چشت ہی کی خصوصیت رہی ہے آپ نے اس کومکمل طور پر اختیار کیا، لیکن طالبین حق وہاں بھی پہنچتے رہے اور نصف صدی تک ارشاد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ فقر ودرویشی کا حال یہ تھا کہ انتقال کے وقت ایک چادر بھی نہ نکلی جو اوڑھائی جاتی بجز مستعملہ چادر کے، فقر وتوکل جو ارباب معرفت کا سرمایہ ہے، حضرت شاہ قیام اصدق چشتی قدس سرہ پورے طور پر اس سے بہرہ ور تھے، بلکہ فقر وتوکل کی آبرو تھے۔" (۲۳)

۲۱رمضان المبارک ۱۳۰۱ھ بیاسی برس کی عمر میں وصال یار سے شاد کام ہوئے، حضرت مولانا شاہ احمد علی غازی پوری علیہ الرحمہ نے یہ قطعۂ تاریخ موزوں فرمایا۔

قدوۂ عارفاں، شاہ قیام
بہر عرفاں بود بے شک وریب
بہر سال وصال آں واصل
گفت الفقر فخری ہاتف غیب، ۱۳۰۱

مزار پر انور چشتی چمن پیر بیگھ شریف میں مرجع خاص وعام ہے جہاں پر ہر سال تاریخ وصال پر عرس کا اہتمام ہوتا ہے اور زائرین وطالبین میں نور کا باڑا بٹتا ہے۔ آپ کے خلیفۂ اجل عاشق رمز شناس حضرت علامہ سید شاہ محمد باقر علی الاصدقی علیہ الرحمہ عالم کیف وسرور میں فرماتے ہیں۔

بہ سویت سجدہ می ریزد، زروئے صدق یا اصدق
نظر فرما بہ سوئے باقر مسکین شیدایت

صوبۂ بہار میں خواجہ شاہ قیام اصدق کو فخریہ نظامیہ کے بانی ہونے کا شرف حاصل ہے جس سے ہزاروں ہزار بندگان خدا تک اللہ ورسول کا پیغام پہنچا اور دور دراز کے علاقوں میں سلسلہ چشتیہ فخریہ کی برکات عام ہوئیں۔ آپ اپنے عہد کے ایسے ممتاز، ذی علم، صاحب روحانیت اور پرکشش شخصیت کے حامل شیخ طریقت تھے کہ بڑے بڑے علما وفضلا جو اچھے اچھوں کی مجلسوں میں بیٹھ چکے تھے وہ جب آپ کی مجلس میں آئے تو ہمیشہ کے لیے آپ ہی کے ہو کر رہ گئے۔ مثلا حضرت علامہ سید شاہ محمد باقر آروی،، حضرت علامہ فخر الدین حسین سخن دہلوی، حضرت علامہ محمد سعید عظیم آبادی، ایسے نامور مشائخ جو خاندان خلافت کے حامل اور صاحب سلسلہ تھے۔ آپ کی صحبتوں کو پالینے کے بعد آپ سے اکتسابِ فیض کے لیے خلافت کے طالب ہوئے۔ آپ کے خلفا کی فہرست سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ سبھی معاصرین آپ کی خداداد عظمتوں کا اعتراف کرتے۔ کرامت اصدقیہ کے مؤلف حضرت مولانا شاہ فرید الدین اصدقی سہسرامی علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۳ھ) اس باب میں تذکرۂ رقم فرماتے ہیں کہ ان کے کمالات کا اندازہ کون کرسکتا ہے، ان کے زمانے کے بڑے بڑے اکابر طریقت ان کی مجلس میں نہایت مودبانہ بیٹھا کرتے تھے۔ (۲۴)

رُشد وہدایت کے لیے آپ نے تحریری شغل بھی اختیار فرمایا۔ چنانچہ رموز العارفین، منہاج العابدین، زاد السفر، مکتوبات اصدقی اور ارشادِ پیر وغیرہ جیسے مختلف موضوعات پر متعدد تصنیفات آپ کی یادگار ہیں، اربابِ تصوف کے یہاں شعر وسخن کا ذوق متوارث رہا ہے اور اصلاً گیسوئے سخن کی مشاطگی میں صوفیا کا بڑا حصہ رہا ہے، گوکہ حضرت خواجہ اصدق کے تمام کلام محفوظ نہیں کیے جاسکے پھر بھی عربی وفارسی میں ان کے جو اشعار محفوظ رہ گئے ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے کمالات علمی وادبی کا یہ باب بھی تشنہ نہیں رہا، شاعر نے انہیں خدا رسیدہ ہستیوں کے تصور میں کہا ہے۔

دن میں اِک نور برستا ہے تیری تربت پر
رات میں چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

میری یہ تحریر عموماً بہار شریف اور اس کے قرب وجوار میں آرام فرما بزرگوں کے ارد گرد گھومتی رہی۔ اس تاریخی شہر سے مختلف سلاسل کے عظیم المرتبت بزرگوں کا قدیم تعلق رہا ہے۔ اس سے جہاں اس شہر کی عظمت، بزرگی اور مدینۃ الاولیا ہونے کا پتہ ملتا ہے وہیں اس بات کا بھی خوب خوب اندازہ ہوتا ہے کہ جب ایک مخصوص خطے میں بزرگوں اور بالخصوص چشتی بزرگوں نے اس قدر تواتر کے ساتھ دعوتی وتبلیغی فریضہ انجام دیا تو برصغیر کے کفر وشرک کے کثیف وآلودہ ماحول میں کس محنت وجاں فشانی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی ہوگی! اگر اوّل تا آخر ان تمام مشائخ کی حیات وخدمات کو یکجا کیا جائے تو اس کی ضخامت کیا ہوگی ذرا چشم تصور میں لائیے۔ مولانا غلام علی آزاد نے اسی بنا پر لکھا ہے" لاشک بزرگان عنبر سرشت راحقے است قدیم بر ولایت

ہند‘‘ (اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگانِ دین کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے) دعوت وتبلیغ کے لیے یہاں جو ماحول بنا، فضا سازگار ہوئی اوراس کام میں جوسرعت آئی یہ براہ راست سلطان الہند خواجۂ خواجگان حضرت غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دین ہے۔ صاحب سیر الاقطاب نے یہ اظہار حقیقت کیا ہے ’’ہندوستان بہ یمن قدوم میمنت لزومش طریقہ اسلام ظاہرگشت وسیاہی کفر وشرک از عرصہ روزگار بزود‘‘ (ہندوستان میں ان (خواجہ خواجگان) کی مبارک آمد سے اسلام کی تبلیغ کا راستہ صاف ہوگیا اور کفر وظلمت کافور ہوگئی)۔ چنانچہ اس خطۂ برصغیر کی ہر دینی درس گاہ، محراب ومنبر، مساجد کی تعمیر اوران میں ہونے والی تعلیم اور عبادتیں، خانقاہوں میں اوراد و وظائف، چلے، ریاضتیں، حد یہ کہ ہر صاحب ایمان کا ایمان خواجۂ خواجگان کے فیض اور تصرف روحانی کا رہین منت ہے۔ اس سرزمین کے اول تا آخر تمام حسنات خواجہ بزرگ کے نامۂ اعمال کی زینت بن گیے، یہاں جس نے بھی خدا کا نام لیا اور اسلام وایمان کا کام کیا وہ مشائخ چشت اہل بہشت ہی کے حسنات کا سایہ ہے۔ سارے ملک پر ان کا ایک مضبوط حق ہے جوان کے لیے ہماری وفائے ایمانی کا مطالبہ کرتا ہے۔

دعوت عمل: آج اس بات کی بے حد ضرورت ہے کہ ہم اپنے ان بزرگوں کے روشن کارناموں کو پڑھ کر یا سن کر صرف سر دھننے کے بجائے سنجیدگی، خلوصِ نیت، تندہی اور مستقل مزاجی کے ساتھ ان کے مشن کو فروغ دینے کا عزم کریں اور میدان عمل میں آئیں۔ مادہ پرستی اور خود پرستی کے اس دور میں ہمیں اخلاقِ عالیہ سے متصف ہوکر خود میں جذبۂ خدمت خلق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ خدمتِ خلق جسے مشائخ طریقت نے تمام عبادتوں پر فوقیت دی اور روحانی عمل کا سب سے اعلیٰ مظہر گردانا ہے، ہندالولی حضرت خواجۂ اجمیری فرماتے ہیں کہ ’’حقیقی عبادت درماندگاں رافریاد رسیدن، وحاجت بیچارگاں روا کردن وگرسنگاں راسیر گردانیدن‘‘ (۲۵)

سار ی دنیا آج ہمارے پیارے آقا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے حقیقی متبعین سے کس قدر استفادہ کررہی ہے یہ بات اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ تو پھر اسے بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ساری دنیا میں باطل افکار وخیالات کے حاملین خلق خدا کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے جس عمل کا سہارا لے رہے ہیں وہ یہی ’’خدمتِ خلق‘‘ ہے اور ہمیں اس تلخ جام کو بھی حلق کے نیچے اتارنا ہوگا کہ انہیں اس سے خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہورہی ہے۔ اس لیے اپنی بقا وترقی اور اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے ہمیں کمربستہ ہونا ہوگا کیوں کہ

حسن تدبیر سے جاگ اٹھتا ہے قوموں کا نصیب
کبھی تقدیر بدلتی نہیں ارمانوں سے

دنیاوی نقشے پر اپنی نازک دگرگوں اور تشویش ناک حالاتِ زار سے آگہی کے باوجود جمود وتعطل، بےعملی اور باہمی رسہ کشی میں مبتلا رہنے والے ناسمجھوں سے تو بس اتنا کہہ کر گزر جانا ہے۔

دیکھ کر رنگ زمانہ بھی تو کھلتی نہیں آنکھ
اتنی ہی خواب پرستی ہے تو سوتے رہیے

حوالہ جات

(۱) تاریخ اسلام حصہ سوم، ص ۲۶۶
(۲) جام شہود سہ ماہی بہار شریف شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۵ء
(۳) بہار میں مسلمانوں کی تاریخ، افکار ملی دہلی شمارہ نومبر ۲۰۰۴
(۴) تاریخ سلسلہ فردوسیہ (۵) رسالہ ہمدم نومبر ۶۷ء
(۶) مناقب الاصفیا، ص ۲۶۵ (۷) 〃 〃ص ۲۶۲
(۸) اخبارالاخیار، ص ۱۰۹ (۹) مقدمہ مکتوبات صدی
(۱۰) 〃 〃 〃(۱۱) تجلیات شرف، ص ۱۹۹
(۱۲) دیباچہ مکتوبات صدی (۱۳) تاریخ دعوت وعزیمت
(۱۴) بہار میں مسلمانوں کی تاریخ افکار ملی دہلی شمارہ نومبر ۲۰۰۴ء
(۱۵) 〃 〃 〃
(۱۶) 〃 〃 〃
(۱۷) حیات اصدق، ص ۳۳ (۱۸) تاریخ مشائخ چشت، ص ۵۲۰
(۱۹) تاریخ مشائخ چشت، ص ۴۷۰ (۲۰) تاثر حیات اصدق، ص ۲۹
(۲۱) حیات اصدق، ص ۸۰ (۲۲) سہ ماہی جام شہود بہار شریف شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۵ء (۲۳) کرامات اصدقیہ
(۲۴) سیرالاولیا

☆☆☆

شیراز ہند میں اسلام کے مبلغ

سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی

علامہ بدر القادری★

جن پاک نفوس، اہل اللہ کے دم سے جونپور اور اس کے گردونواح اضلاع مثلاً فیض آباد، اعظم گڑھ، دیوریا، گورکھپور، بنارس وغیرہ میں اسلام کی اشاعت کا نیا دور شروع ہوا، اُن میں نامی گرامی شخصیت شہنشاہِ سمناں حضرت غوث العالم سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی بھی ہے، آپ کے فیضان کا سلسلہ صدیوں پیشتر سے آج تک جاری وساری ہے۔ آپ کی ولادت سمنان میں ہوئی۔ والد گرامی سمنان کے بادشاہ تھے جن کا اسم گرامی سلطان محمد ابراہیم تھا۔ (لطائفِ اشرفی، ج ۲، ص ۸) اور والدہ رابعہ عصر ولیہ مشہور بزرگ خواجہ احمد لیسوی کی صاحبزادی تھیں، جن کا نام خدیجہ بیگم تھا۔ حضرت بی بی خدیجہ بیگم صائم الدہر اور قائم اللیل خاتون تھیں جن کی نماز تہجد کبھی قضا نہ ہوئی۔ (لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۹)

سلطانِ سمنان کے گھر تین بیٹیوں کے بعد چوتھے بچے کی ولادت کے آثار نمودار ہوئے تو انہی دنوں شہر سمنان کی فصیلوں کے باہر جب کہ شہر کا دروازہ مقفل ہو چکا تھا ایک دیوانہ بہ آواز بلند یہ پکارتے سنا گیا کہ لوگو! خبردار ہو جاؤ، شہنشاہِ ولایت غوث العالم کی تشریف آوری ہونے والی ہے۔ شہر پناہ کے دربانوں نے یہ آواز بار بار سنی مگر شہر کا دروازہ نہیں کھولا، اچانک وہ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی مست دیوانہ شہر کے اندر صدائیں بلند کر رہا ہے۔ وہ دراصل ایک مجذوب بزرگ ابراہیم شاہ تھے، جنہوں نے بادشاہ حضرت جہانگیر کی ولادت کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ اور اس نے بہت پہلے آپ کے نانا خواجہ احمد لیسوی نے بھی اپنی صاحبزادی کو یہ بشارت دی تھی کہ تمہارے گھر ایک فرزند کی ولادت ہوگی جو اپنے نورِ ولایت سے دنیا کو روشن کر دے گا۔ ان تمام اہل باطن کی پیشین گوئیوں کا ثمرہ بن کر آپ نے ۶۸۸ھ میں اس عالم میں جلوہ ارزانی فرمائی۔

صرف سات سال کی عمر میں آپ نے قرأت سبعہ کے ساتھ قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اور چودہ سال میں علوم ظاہر و باطن حاصل کر کے پورے عراق میں شہرت حاصل کر لی۔ آپ ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ آپ کے والد سلطان محمد ابراہیم کا وصال ہو گیا اور حکومت کی ذمّے داریاں آپ پر آن پڑیں۔ آپ نے حکومت کی ذمّے داریوں کے ساتھ ساتھ یادِ الٰہی کی مشغولیات کو برقرار رکھا۔ اور زیادہ سے وقت عبادت ومجاہدے میں صرف کرنے لگے۔ مؤلف لطائفِ اشرفی نے بیان کیا ہے کہ آپ کا زمانہ حکومت عدل وانصاف اور امن وآسائش کا بہترین نمونہ تھا۔

یادِ حق کی شمع آپ کے رگ وپے کو گرمائے رکھتی تھی۔ اسی زمانے میں خواجہ اویس کرنی نامی بزرگ کی خواب میں زیارت ہوئی اور انہوں نے آپ کو ذکر اویسیہ کی تلقین کی۔ آپ اس ذکر میں مشغول ہوئے اور تھوڑے عرصہ بعد وہ وقت مسعود آیا کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات نصیب ہوئی اور انہوں نے فرمایا: ''ایک وقت میں دو قسم کی سلطنت دشوار ہے خدا کی طلب ہے تو ہندوستان کا سفر کرو''۔

خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات نے آپ کو اُمورِ دنیا سے متنفر کر دیا۔ اور راہِ خدا کی کشش ہر فکر پر غالب آنے لگی۔ والدہ ماجدہ کے حضور حاضر ہوئے جو آپ کی مربی اور اس گوہر شب تاب کی پرورش میں مصروف تھیں۔ بیٹے کی بات سن کر فرمانے لگیں بیٹے! تمہاری ولادت سے بہت پہلے تمہارے نانا جان کے ذریعے مجھے اس بات کی خوش خبری پہنچ چکی تھی۔ رب تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ وہ ساعت سعید آ گئی، جاؤ خدا تمہارا حافظ ناصر ہو، رضائے مولیٰ کا یہ سفر تمہیں مبارک ہو۔ والدہ ماجدہ کی مرضی پا کر آپ آمادۂ سفر ہوئے اور ہندوستان کی طرف رخت سفر باندھا۔ مملکت دنیوی کو خیر آباد کہہ کر مملکت فکر کے اس مسافر کی مشایعت کے لیے بارہ ہزار سپاہی مع لوازمات آدابِ شاہی ہمراہ چلے، مگر اس راہ میں کروفر کی کہاں گنجائش؟ آپ نے سب کو رخصت کر دیا اور محض ایک کالا کمبل اور ایک پیالہ ہمراہ لے کر تنہا وادیٔ عشقِ حق میں قدم رکھا۔ ہندوستان کی سرزمین آپ کے قدوم میمنت لزوم کے لیے سراپا منتظر تھی، یہاں کے اہل باطن مدتوں سے آپ کی راہ میں انتظار کے چراغ جلائے ہوئے تھے۔ آپ اُچ شریف سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خانقاہ کے قریب پہنچے تو حضرت مخدوم جہانیاں اپنے اہل ارادت

کے ساتھ تشریف فرما تھے اور اولیا کے سفر کی صعوبتوں کا ذکر کر رہے تھے، یک بیک اٹھے اور خانقاہ کے باہر یہ کہتے ہوئے لپکے:

''زمانۂ دراز کے بعد کسی طالب صادق کی نزہت جانفزا محسوس ہو رہی ہے۔''

ان کے ساتھ ان کے معتقدین بھی خانقاہ کے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کمبل پوش فقیر گرد و غبار میں اٹا ہوا ہے، دور دراز سفر کی صعوبتیں اٹھائے خانقاہ کی جانب چلا آ رہا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت آگے بڑھے اور سیّد اشرف کو گلے سے لگا لیا، پیشانی چوما اور فرمایا ''سیادت کے باغ پر بہار میں مدّتوں بعد نسیم رحمت آئی ہے میرے عزیز! تیرا آنا مبارک، اور ہمتِ مردانہ کے ساتھ اس راہ میں قدم بڑھانا مبارک، جلد آگے بڑھو کہ برادرم علاء الدین تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں''۔ وہاں سے حضرت مخدوم اشرف بلا تاخیر پنڈوہ شریف ضلع مالدہ کے لیے چل پڑے جہاں ان کے روحانی مربی محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا کے مشہور خلیفہ شیخ سراج اخی عثمان کے روحانی نور نظر شیخ علاء الدین علاء الحق لاہوری ثم بنگالی اپنی مسند ارشاد و ہدایت آراستہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ علاء الحق کے تمام خانوادہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے مگر آپ نے سب سے الگ ہو کر اپنے راہِ فقر کا انتخاب کیا۔ آپ جید عالم دین بھی تھے اور عظیم روحانی پیشوا بھی، آپ کا جود و سخا بھی بڑے بڑے امیروں اور رئیسوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا تھا، آپ کے علمی، روحانی اور کریمانہ سے متمتع ہونے کے لیے اہل حاجت کا تانتا بندھا رہتا۔ ادھر سے حضرت مخدوم اشرف نے اپنے روحانی رہنما تک پہنچنے کے لیے سفر شروع کیا۔ وہاں شیخ کامل نے حلقۂ حاضرین میں فرمایا، ''جس کے انتظار کی گھڑیاں میں دو سال سے شمار کر رہا ہوں اور ملنے کی راہ دیکھ رہا ہوں، وہ آنے والا امروز یا فردا میں پہنچا چاہتا ہے''۔ (لطائف اشرفی، ج، ۲/ص، ۹۵)

دوپہر کا وقت تھا۔ شیخ علاء الحق قیلولہ کرتے کرتے ایک دم اٹھ بیٹھے، اور فرمایا ''بوئے یارمی آید''۔ شیخ کے پاس اُن کے پیرو مرشد کا عطا کردہ ایک لحافہ (فنس) تھا وہ لایا گیا، تشریف فرما ہوئے، خانقاہ کے تمام حاضر باش مریدین و معتقدین ہمراہ چلے۔ جن کے پاس گھوڑے اور سواریاں تھیں وہ سواریوں پر اور بہت سوں نے پیدل شیخ علاء الحق کے ہمراہ ایک کوس آگے بڑھ کر مخدوم اشرف کا استقبال کیا، آپ کی نظر جب شیخ پر پڑی تو بے تحاشہ دوڑ کر قدموں پر گر پڑے۔ مرشد طریقت نے والہانہ انداز میں گلے سے لگایا، لحافہ پر برابر بٹھایا اور خانقاہ پہونچے، اس موقع پر شیخ علاء الحق نے فرمایا۔

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے
بامیدے رسد امید وارے

اہلِ خانقاہ نے مخدوم اشرف کی خوب آؤ بھگت کی، کیوں نہ ہو کہ جس فرزند روحانی کی ملاقات کے واسطے سالہا سال سے خود مرشد مشفق اس قدر مشتاق تھے اور جس کے استقبال میں خانقاہ سے چل کر اتنی دور اتنی عزت و توقیر سے گیے، اہل خانقاہ کیوں نہ ان کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھاتے۔ سچ ہے...... بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدور پیدا۔ اسی دن بعد مغرب حضرت شیخ علاء الحق والدین نے حضرت مخدوم اشرف کو بیعت کیا۔ بیعت کے وقت مرید صادق وفور جذبات سے سدھ تھے، آنسوؤں کی لڑی تھی کہ ٹوٹتی ہی نہ تھی، یقیناً پیرو مرشد کے ذریعے معرفت کی نعمتِ لازوال ملنے پر یہ خوشی کے آنسو رہے ہوں گے۔

اشرف نہنگ دریا، دریا بسینہ دارد

بیعت کے بعد آپ نے بارہ سال تک پیرو مرشد کی خدمت کی۔ اس کے بعد خرقۂ خلافت اور جہانگیر کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

مملکت جونپور میں: اس کے بعد آپ نے اپنے پیرو مرشد کی اجازت سے جونپور کا رخ کیا۔ حضرت مخدوم صاحب کے حالات میں جس جونپور کا ذکر ہوا ہے، اس کی حیثیت آج کے شہر جونپور یا صرف ضلع جونپور کی نہیں تھی، بلکہ اس زمانے میں جونپور ایک مستقل حکومت اور ریاست کی حیثیت رکھتا تھا اور شرقی خانوادہ کا علم دوست، علما نواز بادشاہ ابراہیم شرقی سریر آرائے سلطنت تھا، اس با خدا بادشاہ کے زمانہ میں ہی خطۂ پورب کو اسلامی علم و آگہی کی روشنی سے منور ہونے کا موقع ملا۔ اس زمانے میں جونپور مرکز علم و علما تھا۔ اس کے علاوہ چریا کوٹ، محمد آباد، گھوسی، ظفر آباد، بنارس، گورکھ پور وغیرہ تک میں جگہ جگہ مسلمان آباد ہو چکے تھے، پیرو مرشد کے فرمان کے بموجب آپ نے مملکت جونپور کو اپنی تبلیغ و ارشاد کا مرکز بنایا اور اس کے بہت سے شہروں اور قصبات میں آپ کے سوز نفس سے اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا نمایاں کام ہوا، اس ضمن میں بہت سے اہل ظاہر علما سے آپ کی بحثیں بھی ہوئیں اور آپ پر فتوے لگائے گیے۔ مگر آپ

کے باطنی تصرف اور ایمانی وعرفانی کمالات نے بالآخر علما پر بھی آپ کی صداقت وکرامت آشکارا کردی۔

محمد آباد میں: ضلع اعظم گڑھ میں آج بھی محمد آباد نامی مشہور قصبہ ہے جہاں مسلمان بکثرت آباد ہیں۔ اس زمانے میں بھی وہاں علما واہل دانش خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ لطائفِ اشرفی میں ہے کہ حضرت مخدوم صاحب محمد آباد تشریف لائے تو یہاں کہ علما نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ نے اپنی ایک کتاب میں جو خلفائے راشدین کے بارے میں لکھی گئی ہے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اور خلفائے ثلٰثہ کے بالمقابل زیادہ تعریف بیان کی ہے، جس سے آپ پر رفض کا الزام عائد ہوتا ہے۔ دوسرے روز جمعہ تھا، تمام علما اور مفتیان کرام کا اجتماع ہوا اور سب نے مذکورہ اعتراض پیش کیا۔ محمد آباد میں اس وقت سب سے بڑے مفتی اور سربراہِ علما مولانا مفتی سید خان تھے۔ انہوں نے علما کی بات کا جواب اس طرح دیا کہ حضرت مخدوم صاحب صحیح النسب سید ہیں اور حضرت مولائے کائنات ان کے جداعلیٰ ہیں، انہوں نے اگر اپنے جداعلیٰ کی شان میں کچھ زیادہ توصیفی کلمات تحریر فرمائے ہیں تو اس سے خلفائے ثلٰثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کہاں لازم آتی ہے؟ اس طرح تمام علما نے اپنے فتوے واپس لیے اور حضرت مخدوم صاحب کی دعاؤں سے سرفراز ہوئے۔

ظفرآباد میں: محمد آباد اعظم گڑھ سے آپ ظفرآباد تشریف لے گیے۔ درمیانی علاقوں میں آپ نے کہاں کہاں قیام فرمایا، ہمیں اس کا سراغ نہیں ملا۔ ظفرآباد میں بھی علما کی خاصی تعداد موجود تھی، ان لوگوں کو حضرت کے آنے کی خبر ملی تو کچھ لوگوں نے آپ کا علمی امتحان لینا چاہا اور مشکل سوالات مرتب کر کے آپ سے پوچھنے کا پروگرام بنایا۔

آپ نے اپنے باطنی علم سے ان لوگوں کے منصوبہ کو جان لیا۔ اور ازخود ان کے مجمع میں پہنچ گیے اور ان سے سوالات معلوم کئے بغیر جوابات کی تقریر فرمانے لگے۔ اور ہر مسئلے کو اتنی وضاحت سے بیان فرمایا کہ سننے والے حیران وششدر رہ گیے۔ علمائے ظفرآباد میں شیخ کبیر سرور پوری بڑے پایہ کے عالم تھے۔ انہوں نے ہی سوال نامہ مرتب کیا تھا۔ حضرت مخدوم کی تقریر، جس میں علم ومعرفت کے موتی جگمگا رہے تھے سن کر شیخ کبیر نہایت شرمندہ ہوئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے مجمع میں پہنچ کر سوال کیا کہ کم از کم میں اس شخص کو تو دیکھوں جس نے اعتراضات وسوالات قلم بند کئے ہیں۔ تو شیخ کبیر نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ پھر بلند ہاتھ کو انہوں نے سیدھا کرنا چاہا تو ہاتھ بلند ہی رہ گیا۔ آپ نے اپنی تقریر مکمل کر لی تو ان سے پوچھا کیا کوئی سوال باقی رہ گیا ہے؟ تو انہوں نے شرمساری سے پانی ہوتے ہوئے جواب دیا: ''اے اہلِ سلوک کے امام! میں نے علم کا دعویٰ کیا تھا، سو شرمندہ ہوا، میں معذرت پیش کرتا ہوں، زمین نے میرے پیروں کو باندھ لیا ہے اور ہاتھ فضا میں معلق ہے رحم فرمائیے''۔

آپ نے فرمایا: جا میں نے درگزر کیا۔ اس کے بعد شیخ کبیر کے ہاتھ پاؤں بحال ہوئے۔ انہوں نے جبہ ودستار پھینک کر، دریدہ لباس، پھٹے حالوں، ننگے سر بھاگ دوڑ کر حضرت مخدوم کی بارگاہ میں حاضری دی اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ اس حال میں دیکھ کر حضرت مخدوم نے انہیں سینے سے لگایا، اپنے غلامی میں داخل کیا، بالآخر وہ آپ کے خلیفہ ہوئے۔

حضرت مخدوم اور اشاعتِ اسلام: پرانے زمانے سے بڑے سادھو سنت، جوگی ہوتے آئے ہیں جو اپنی برسوں کی تپسیا اور سفلی کوششوں سے سحر اور جادو میں کمالات حاصل کر لیا کرتے تھے۔ مخالفت نفس ایک ایسا معمول ہے کہ بے دین انسان بھی اسے اپناتا ہے تو اسے اس کے کچھ نہ کچھ فوائد نظر آجاتے ہیں۔ ہندوستان میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط فرمانے والے اولیائے اسلام اور بزرگان دین حنیف میں سے اوائل دور کے بزرگوں نے اپنے روحانی کمالات اور باطنی قوت سے اس قسم کے جوگیوں اور ہندو مذہب کے اکابرین کو شکست دی اور انہیں باور کرایا کہ اصلی روحانی کمالات کا سرچشمہ صرف اسلام ہے۔ چنانچہ خواجہ خواجگان سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے بزرگوں نے اطراف وجوانب ہند میں پھیل کر اپنے روحانی کمالات کے ذریعے اسلام کی اشاعت فرمائی۔

قدیم جونپور اور موجودہ صوبہ اتر پردیش کے شمال مشرقی حصوں میں حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تبلیغ اسلام کے لیے وہی طریقہ اپنایا۔

پیر ومرشد کے ہاتھوں آپ کو جس مملکت میں روحانی سیادت عطا کی گئی تھی آپ نے اس کا دورہ فرمایا۔ مینی ہوتے ہوئے اس زمانے کے کسی گاؤں بھدونڈ میں آپ کا گزارا ہوا، وہاں پر ملک الامرا محمود نامی رئیس موجود تھے، انہوں نے حضرت کا استقبال کیا۔ وہاں ایک بہت بڑا مندر تھا جس سے لگے ہوئے چھوٹے چھوٹے پانچ

سومندر اور بھی تھے۔ وہاں ایک مشہور پنڈت جوگی رہتا تھا، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ہوا میں پرواز کرتا ہے۔ مندروں کے گرد ونواح میں اونچی اونچی فصیلیں بنی ہوئیں تھیں۔ اس علاقے میں کسی بھی مسلمان کا داخلہ ممنوع تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے بتایا کہ جوگی ایک دن نماز کے وقت مسلمانوں کی مسجد میں جاتا دیکھا گیا۔ مسلمانوں نے سوچا، معلوم نہیں کس ارادے سے آیا ہے، اس کے پیچھے پیچھے مسجد میں داخل ہوئے تو کسی کو نہیں پایا، البتہ دیکھا کہ صحن میں ایک اژدہا کنڈل مارے بیٹھا ہے اور اس کے منہ سے شعلے ابل رہے ہیں۔ حضرت مخدوم اشرف یہ حالات وواقعات سنے اور تن تنہا مندر کی جانب چل پڑے۔ مندر کے دروازے پر بہت سے گماشتے پہرہ دے رہے تھے، انہوں نے پوچھا کیا یہاں کوئی اژدہا رہتا ہے جس کے منہ آگ نکلتی ہے یہ سن کر کچھ لوگ آپ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھے مگر سب کے پیروں کو زمین نے پکڑ لیا، جو بھی انہیں دیکھتا، اپنی جگہ جم جاتا، آپ مندر کے اندر پہنچے، جوگی اپنی پوجا میں مصروف تھا، اس نے آپ کو دیکھا تو غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور کہا اب تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جاسکتے۔ اور جوگی چمگاڈر کی طرح فضا میں اڑنے لگا۔ مگر تھوڑی دیر بعد وہ چھوٹا سا کیڑا بن کر زمین پر آگرا اور تڑپنے لگا، چند لمحے تڑپنے اور بلکنے کے بعد آپ نے اسے انسانی شکل میں لوٹایا تو اس وقت بھی تیز تیز سانسیں کھینچ رہا تھا۔ آپ نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ لگایا۔ اسے فوراً سکون وراحت نصیب ہوئی۔ جوگی نے بلا تاخیر آپ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا اور اقرار کیا کہ میرا علم سراسر ظلمت تھا اور آپ کا علم نور ہی نور، مجھے اپنا غلام بنا لیجیے۔ اس نے صدق دل سے توبہ کی اور اپنے پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مشرف باسلام ہو گیا۔ سچ ہے ع

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اسلام لانے کے بعد جوگی نے بابا کمال کے نام سے شہرت پائی اور آپ کی خلافت سے مالا مال ہوا۔ ظفر آباد میں بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے، ان میں شیخ کبیر کا نام مشہور ہے۔ اس بات سے شیخ چراغ ہند سہروردی کو ناگواری ہوئی اور انہوں نے شیخ کبیر کو جواں مرگی کی بد دعا دی۔ مگر حضرت مخدوم اشرف کی دعا ان کے ساتھ تھی اس لیے ان پر بد دعا کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ضعیف ہو کر ان کا انتقال ہوا۔

کاشی (بنارس) ساری دنیا میں ہندو مذہب کا مرکز مانا جاتا ہے وہاں کے پنڈتوں اور برہمنوں کو دنیا بھر کے ہنود بہت عزت وتکریم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ہر برہمن بسرے پچھمن ورام است ایں جا

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ بنارس تشریف لے گیے، تو انہیں بتایا گیا کہ یہاں فلاں مندر میں ایک بت ہے جو از خود آنکھیں کھولتا ہے اور اس کی آنکھ سے روشنی نکلتی ہے۔ آپ مندر پہنچے، وہاں کے طلسماتی کارخانہ میں آپ کے پہنچنے سے کھلبلی مچ گئی، جادوگر جوگیوں سے آپ کا مقابلہ ہوا، آپ کی کرامت سے نظر فریب پتھر کا بت خاک کا ڈھیر بن گیا اور آپ نے پجاری جوگی سے کہا کہ تم بھی پتھر ہو اور یہ بت بھی پتھر ہے۔ آپ کا یہ کہنا تھا پجاری پتھر کی مورت کے مانند منجمد ہو گیا اور بڑے بت کی روشنی دینے والی آنکھوں کی جگہ دو گڈھے رہ گیے، یاتریوں کی آمد ورفت کا زمانہ تھا۔ آپ تو وہاں سے اپنی قیام گاہ پر چلے آئے۔ چشم زدن میں یہ خبر ہر طرف پھیل گئی۔ تمام باکمال ہنود نے بہت کوشش کی کہ پجاری جوگی کسی طرح اصل حالت میں آئے، مگر ناکام رہے، بالآخر حضرت مخدوم کی خدمت میں التجا کرنے پہنچے کہ پجاری کی گستاخی معاف کر دیجئے، آپ نے کہا جاؤ اپنے جنتر منتر اس پر آزماؤ، وہ لوگ لوٹ کر رات بھر آگ جلانے اور منتر پڑھنے میں مشغول ہوئے، اب ہوا کہ پجاری کے جسم پر جگہ جگہ آبلے پڑ گیے، یہ دیکھ کر وہ اور پریشان ہوئے اور روتے گڑگڑاتے حضرت مخدوم اشرف کے قدموں میں آگرے، آپ کو رحم آ گیا، اپنے مریدوں اور پجاری کے چیلوں کے ہمراہ آپ مندر پہنچے۔ بڑے پجاری کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے مس کیا، وہ ہوش میں آ گیا، حواس درست ہوتے ہی آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور فوراً مشرف باسلام ہو گیا۔ لطائفِ اشرفی میں ہے کہ اس روز آپ کی زندہ کرامت دیکھ کر ایک ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

(لطائف اشرفی، ج،ا رص، ۴۱۲)

مہکی ہوئی ہیں راہیں گزرے ہیں وہ جدھر سے

آپ نے اجودھیا میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور وہاں کے اہل عقیدت ومحبت کو راہِ سلوک دکھائی، اودھ کے حاکم نواب سیف خان کو بھی حضرت مخدوم سے والہانہ عقیدت تھی۔ آپ نے انہیں بھی علوم

باطنی کی تلقین سے سرفراز فرما کیا اور خرقہ خلافت سے نوازا۔ (لطائف اشرفی، ج، ا رص، ۴۱۱)

اودھ میں مولانا شمس الدین نامی ایک متدین عالم تھے جو زبان و بیان میں نہایت فصیح و بلیغ تھے، انہیں بھی حضرت کی صحبت کے فیض نے کیمیا بنا دیا۔ (لطائف اشرفی ،ض، ا رص ۴۰۲)

ردولی کی طرف یہ ابر کرم بڑھا تو وہاں شیخ صفی الدین اور شیخ بہاء الدین نامی اہلِ سعادت نے حضرت مخدوم سے حصول فیض کیا۔ آپ نے حضرت صفی الدین کے حق میں نورانیت کی دعا فرمائی تو ان کے چہرے پر ایسا نور پیدا ہوا کہ لوگ زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، نیز ان کے حق میں یہ بھی دعا فرمائی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ علم رہے، حضرت مخدوم کو ان سے اتنی محبت تھی کہ خاص ان کی تعلیم کے لیے آپ نے چالیس روز تک ردولی میں قیام فرمایا اور وہ بھی ایسے لائق و فائق کہ محنت ولگن اور اطاعت وانقیاد کے ذریعے آپ کے اجلۂ خلفا میں شمار ہوئے۔ اسی سفر کے دوران آپ نے آس مئو میں نزول اجلال فرمایا، تو وہاں کے ایک ہزار اشراف نے آپ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ (لطائف اشرفی، ج،۲ رص، ۳۸۳) قصبہ جائس میں قدم مبارک پہونچا تو وہاں کے تین ہزار مسلمان نے غلامی اختیار کی۔ آپ نے وہاں کے جید عالم وفقیہ مولانا غلام الدین کو اپنی خلافت سے نوازا۔ (لطائف اشرفی، ج،۲ رص،۳۸۴)

یہ آفتاب معرفت قصبہ انہونہ کے مطلع پر جلوہ گر ہوا تو وہاں کے تمام سادات کرام نے بیعت کی سعادت پائی، حضرت مخدوم اشرف نے ان کی آرام دِہ زندگی کے لیے دعا فرمائی۔ (لطائف اشرفی ج،۲ رص،۴۸۵)

یہ قافلہ نورانی چلتا چلاتا سدّھور کے قصبے میں اقامت گزیں ہوا تو وہاں کے اجلہ علما و شیخ خیر الدین اور قاضی محمد نے سعادتِ میزبانی پائی۔ شیخ خیر الدین نے بعض مسائل شرعیہ میں حضرت مخدوم اشرف سے رہنمائی چاہی اور مطمئن ہو کر مرید ہو گیے۔ اسی وقت وہاں کے اور بارہ آدمیوں نے بیعت کی دولت پائی۔ وہاں کے قاضی ابو محمد اور مذکورہ دونوں بزرگوں کو حضرت مخدوم کی جانب سے اجازت وخلافت بھی مرحمت کی گئی۔ (لطائف اشرفی، ج، ا رص ۴۰۷، ۴۰۹)

حضرت مخدوم اور قاضی شہاب الدین : سلطنت شرقیہ کے قاضی شہاب الدین دولت آبادی علم و فضل کے وہ نیر تاباں ہیں جس سے خطۂ اودھ اور پورب کو علومِ اسلامیہ کی دولت لا زوال حاصل ہوئی۔ ہمارے علاقے کے قصبات وقریات تک میں قال اللہ وقال الرسول کے لاہوتی نغمات پہنچانے میں اس عالمِ ربانی کو بڑا دخل ہے۔ انہی کے فیضان نے خطۂ پورب کو شیرازِ ہند بنایا۔

سلطان ابراہیم شرقی کے زمانے میں قاضی صاحب کے علم کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ حضرت مخدوم اشرف جب خطۂ جونپور میں تشریف لائے تو قاضی صاحب ان کی بارگاہ میں نہایت ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہوئے۔ باادب بیٹھے، قاضی القضاۃ تھے شاہی سواری سے ہر دوسرے تیسرے روز حضرت مخدوم کی زیارت کو آتے تو قیام گاہ سے کافی فاصلے ہی پر سواری سے اتر جاتے، مصاحبین اور خدام کو وہیں روک دیتے، حضرت مخدوم کی قیام گاہ نظر آتی تو پیادہ ہو جاتے اور عمامہ سر سے اتار کر گلے میں ڈال لیتے۔ بایں انداز حاضری دیتے، حضرت مخدوم اشرف بھی اس عالم ربانی کی بڑی قدر کرتے، قاضی صاحب ہی کے توسط سے سلطان ابراہیم شرقی نے بھی حضرت مخدوم کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کیا، قاضی صاحب نے سلطان کو لانے سے پیشتر حضرت مخدوم سے اجازت طلب کی اور کہا کہ حضرت کی ذات ثمردار درخت کے مانند ہے جس سے غربا کی طرح امرا کو بھی متمتع ہونے کا موقع عنایت فرمایا جائے۔ قاضی صاحب کی خوش گفتاری سے حضرت مخدوم بہت مسرور ہوئے اور سلطان شرقی کی آمد کا مقصد سنے بغیر ہی فرمایا، سلطان آنا چاہتا ہے تو آئے، مگر ہم تمہاری خاطرداری کے لیے قلعہ اس کے حوالے کرتے ہیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان دنوں کسی مضبوط قلعہ کی تسخیر کے لیے فوج روانہ کی تھی مگر کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ سلطان حاضر دربار ہوا، ادھر حضرت مخدوم نے فتح قلعہ کی پیشین گوئی کی، ادھر قاصد نے فتح کا مژدہ سنایا، سلطان دل وجان سے آپ کا معتقد ہو گیا اور اپنے تین صاحبزادوں کو حضرت کی بیعت میں دیا اور گزارش کی کہ حضرت جونپور ہی قیام فرمائیں۔ حضرت مخدوم نے سلطان کی درخواست اس طرح قبول فرمائی کہ شہر جونپور میں تو نہیں، مگر مملکت جونپور ہی میں قیام کروں گا اور کسی علاقۂ غیر میں قیام پذیر بھی ہوں گا تو وہ کھینچ کر عملداری جونپور میں شامل ہو جائے گا۔

سلطان شرقی کے تینوں صاحبزادگان حضرت کے مرید ہوئے ان کے اطوار وآداب دیکھ کر حضرت مخدوم نے فرمایا، تمہارے صاحبزادے خوش نصیب ہیں کہ قاضی شہاب الدین جیسے ملک العلما

سے علم وتربیت پارہے ہیں۔ اسی روز سے قاضی صاحب ملک العلما کے خطاب سے پکارے جانے لگے۔ حضرت مخدوم کی صحبت نے ملک العلما قاضی شہاب الدین کے علم وفضل میں چار چاند لگا دیئے، وہ علوم ظاہری شرعی کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کے بھی شناور ہوگیے اور حضرت کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔ (لطائف اشرفی، ج،ا،ص،۴۱۰)

مال وزر سے اجتناب: حضرت مخدوم ارباب حکومت وسلطنت رکھتے تھے ورنہ ان کی دولت وثروت کی جانب آپ نے کبھی ایک آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ ایک بار اودھ کے سیف خاں نے نذر میں ایک گاؤں پیش کرنا چاہا، جس کی آمدنی اس زمانے میں ایک لاکھ تک تھی، آپ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ''فقیر زمین کے ٹکڑوں میں خود کو مقید نہیں کر سکتے۔ (لطائف اشرفی، ج،۲،ص،۳۸۲)

سیروسیاحت اور اکتساب فیوض: حضرت غوث عالم مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی المولیٰ عنہ نے روئے زمین پر سیروسیاحت بھی خوب کی اور عجائب عالم کا مشاہدہ کیا۔ مقامات مقدسہ، مزارات انبیا واولیا کی زیارت سے شاد کام ہوئے، تذکرہ نویسوں کی روایت کے بموجب آپ نے ایک سونو اولیائے کرام سے حصول فیض کیا، حج کئے، مدینہ طیبہ روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔

لطائف اشرفی میں ہے آپ کی سیروسیاحت کے ذکر میں بہت سے معروف وغیر معروف علاقوں، جزیروں اور کوہستانوں کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً جزیرۂ صہف، ایلاق، سیلان، جبل الفتح، بیت المقدس، جبل لبنان، جبل النہاوند، جبل الطّور، جبل القدم، جبل القاف، حضلان، جبل الابواب، ولایت خقماق، جبل القرون وغیرہ۔

حضرت مخدوم کی بہار شریف حاضری بھی آپ کی سوانح کا ایک روشن باب ہے۔ عام روایتوں کی رو سے تو لگتا ہے کہ آپ ترک سلطنت کر کے عازم ہند ہوئے تو اوچ شریف کے بعد بہار شریف لے گیے مگر کچھ کا خیال آیا کہ پیرومرشد کی صحبت سے شاد کام ہونے کے بعد قیام روح آباد (کچھوچھہ) کے زمانے میں آپ نے بہار شریف کا سفر کیا اور وہاں پہنچے تو مخدوم الملک شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کا جنازہ رکھا ہوا تھا، انہوں نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے گا، جو تمام صفات حضرت مخدوم اشرف کی تھیں، آپ نے نماز پڑھائی، پھر ان کے مزار پر مراقب ہوکر حصول فیض کیا۔ (لطائف اشرفی ج،۲،ص،۹۴)

روح آباد، بھڈ ونڈ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کو روح آباد کے نام سے آباد کیا گیا جسے آج کل کچھوچھہ کہا جاتا ہے وہاں آپ کے حکم سے ''کثرت آباد'' کے نام سے ایک خانقاہ بنائی گئی جس میں ''وحدت آباد'' کے نام سے آپ کے لیے خاص حجرہ بنایا گیا۔ اسی کے مشرقی حصّے میں ایک جگہ بیٹھ کر آپ اپنے اہل ارادت کو سلوک وطریقت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس جگہ کو ''دارالامان'' کہا جاتا تھا۔ شمالی جانب ایک پر رونق جگہ جہاں لوگ حضرت مخدوم سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے ''روح افزا'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ اسی علاقہ میں آج طریقت وروحانیت کا وہ عظیم تاجور شاہانہ کروفر سے رونق افروز ہے آج بھی اس کے آستانۂ عالیہ پر شیاطین، اجنّہ، ارواح خبیثہ اور سحر کے ستائے ہوئے مظلوم دنیا بھر سے سمٹ کر آتے ہیں اور قطب عالم کے دربار عالی سے ہر ظالم کو انصاف کی روحانی ہتھکڑی ڈال کر مظلوم کی دادرسی کی جاتی ہے۔

وصال: آپ کا وصال تقریباً ایک سو بیس سال کی عمر میں بتایا جاتا ہے۔ تذکرۃ العابدین میں ہے کہ ۸۰۸ھ میں انتقال ہوا۔ آخر دم تک رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ یوم وفات اپنے جانشین حضرت نور العین قدس سرہ اور دیگر متعدد خلفا اور اہلِ ارادت اور اکابرین کو بلا کر سب کے مناسبِ حال نصائح فرمائے۔ حضرت نورالعین کو اپنے تبرکات اور بزرگان سلسلہ کی متبرّک نشانیاں عطا کر کے اپنا جانشین مقرر کیا، ان کے فرزند کو بلا کر دعاؤں سے نوازا، ظہر کی نماز ادا فرمائی اور قوالوں کو محفل میں آنے کا حکم دیا۔ قوالوں نے حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کا کلام پڑھنا شروع کیا۔ جب اس شعر پر پہنچے۔

گر بدست تو آمدست اجلم   قد رضینا بماجری القلم

تو آپ پر وجد طاری ہوا، قوالوں نے آگے کے اشعار پڑھے تو آپ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔

خوب تر زیں دگر نباشد کار   یار خنداں رود بجانب یار

سیر بیند جمال جاناں را   جاں سپارد نگار خنداں را

اور اسی عالم میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کے ارشادات وملفوظات میں علم ومعرفت کا گنج گراں مایہ پوشیدہ ہے آپ نے تصنیفات بھی کی ہیں، شاعری بھی فرماتے تھے، تخلّص اشرف تھا۔ آپ نے خدمت خلق کو عبادت نافلہ سے افضل فرمایا ہے عمر بھر رشد وہدایت اور تعلیم وتزکیہ فرماتے رہے اور بعد وصال بھی آپ کا آستانہ مرجع خلائق اور کیمیا اثر ہے۔

☆☆☆

دعوت وارشاد میں

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی خدمات

ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم ★

شاہ برکات و برکات پیشینیاں
نو بہار طریقت پہ لاکھوں سلام

کسی بھی دینی یا روحانی ادارہ یا مرکز کی اہمیت کا اندازہ اس کے نصب العین کی حقانیت، اس کے طریقۂ کار کی عام قبولیت اور اس سے وابستہ ارباب فکر ونظر کی ذہنی وقلبی پاکیزگی وطہارت سے کیا جاسکتا ہے۔ جب فرد اپنی ذات اور شخصیت سے بلند ہو کر فکر بن جاتا ہے تو وہ ادارہ میں تبدیل ہو کر ایک تحریک کی شکل اختیار کرلیتا ہے، فرد رخصت ہوجاتا ہے لیکن اس کی فکر ادارے اور تحریک کی صورت میں باقی رہ جاتی ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع ایک ایسا ہی دینی وروحانی ادارہ یا مرکز ہے جس کی اساس تقریباً تین صدی قبل صاحب سبع سنابل، حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولادت ۹۱۲ھ/وفات ۳/رمضان المبارک ۱۰۱۷ھ) کے خلف اکبر حضرت میر سید عبد الجلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولادت ۲۰/رجب المرجب ۹۷۲ھ/ وفات ۸/صفر ۱۰۵۷ھ) کے پوتے سلطان العاشقین حضرت شاہ برکت اللہ بن حضرت سید شاہ اویس قدس سرہ نے برج کی دھرتی مارہرہ (ضلع ایٹہ، اتر پردیش) میں رکھی اور جو تاحال احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی احمدی قاسمی اور سید العلماء حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی احمدی نوری قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ وجانشین علامہ سید شاہ آل رسول حسنین میاں قادری برکاتی احمدی نوری کے توسط سے عشقی برکاتی پیغام کو عام کررہا ہے۔

حضرت سید شاہ برکت اللہ المقلب بہ صاحب البرکات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت ۲۶/جمادالاخری ۱۰۷۰ھ کو قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی میں ہوئی۔ اپنے والد بزرگوار حضرت میر اویس قدس سرہ کی حیات تک آپ بلگرام ہی میں مقیم رہے، والد ماجد کی وفات (۲۰ رجب المرجب ۱۰۹۷ھ) کے بعد آپ نے کالپی شریف کا سفر کیا اور وہاں حضرت سید شاہ فضل اللہ صاحب سجادہ سے بیعت کی، پھر آپ مارہرہ تشریف لائے۔ حضرت سے قبل بھی ان کے اجداد میر سید عبد الواحد بلگرامی، میر سید عبد الجلیل اور میر سید اویس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مارہرہ شریف سے تعلق اور ربط رہا تھا بلکہ میر سید عبد الجلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اسی سرزمین پر اپنی خانقاہ بنالی تھی اور تقریباً اکتالیس برس تک اسی مرکز سے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور بعد وصال اپنی خانقاہ کے صحن میں مدفون ہوئے۔ یہ خانقاہ اب ''درگاہ بڑے پیر'' کے نام سے مشہور ہے اور فیوض وبرکات کا مرکز ہے۔ حضرت میر سید عبد الجلیل کے صاحبزادے حضرت میر اویس کا طریقہ یہ تھا کہ کبھی آپ کا قیام بلگرام میں رہتا اور کبھی آپ مارہرہ میں اپنے والد ماجد کی خانقاہ میں بہ سلسلۂ رشد وہدایت قیام فرما ہوتے۔ ایسے ہی ایک بار حضرت اپنے وطن قدیم بلگرام میں تشریف فرما تھے کہ مالک حقیقی نے آپ کو طلب کرلیا۔

حضرت سید شاہ برکت اللہ نے جس سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ کا آغاز فرمایا اس کی مختصر تاریخ ''خاندان برکات'' مرشد برحق تاج العلما حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

''بچپن کا زمانہ اپنے حضرت والد ماجد اور دیگر بزرگانِ خاندان کی آغوش تربیت وشفقت میں گزرا اور ابتدائے سن شعور سے آغاز سنِ کہولت تک حضرت سید العارفین سید شاہ لطیف اللہ عرف شاہ لدہا بلگرامی قدس سرہ السامی کے فیض صحبت سے مشرف رہ کر اخذ فیوض وبرکات فرمایا۔ نیز دوسرے اکابر خاندان مثل حضرت سید مربی بن سید عبد النبی بن سید طیب وسید غلام مصطفیٰ بن سید فیروز سے بھی مستفیض ہوئے۔ اگرچہ حضرت کے والد ماجد نے اپنے وصال سے

پہلے حضرت کو سجادہ نشینی اور اپنے خاندان کے اعمال واشغال وغیرہ اور سلاسل آبائی قدیم چشتیہ وسہروردیہ وقادریہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی مگر حضرت نے اس پر اکتفانہ فرما کر اپنے ابن عم سید مربی بن سید عبدالنبی بن سید طیب قدس سرہم سے بیعت فرمائی اور خلافت واجازت سلسلۂ عالیہ قادریہ وچشتیہ وسہروردیہ بھی حاصل کی۔ نیز حضرت سید غلام مصطفیٰ بن سید شاہ فیروز قدس سرہما اور حضرت سید العارفین سید شاہ لدھا قدس سرہ سے بھی اجازت وخلافت ،اکتساب فیض وبرکت فرمایا، مگر چونکہ ظرف عالی واقع ہوا تھا اور کسی طرح سے سیری نہ ہوتی تھی اور عشق نسبت قادری روزافزوں تھا۔ لہٰذا حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہ کا شہرۂ کمال سن کر کالپی شریف تشریف لے جاکر حضرت سے اجازت وخلافت سلسلہ عالیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، ابوالعلائیہ، مداریہ بدیعہ حاصل کی اور اس راہ کے بہت سے اسرار باطنی اخذ فرما کر فیض نسبت قادریہ عالیہ سے مالامال ہوکر مارہرہ میں واپس آکر مسندِ ارشاد کو رونق دی اور رہنمائی خلق میں مشغول ہوئے۔''

اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد جب حضور صاحب البرکات مارہرہ تشریف لائے تو پہلے جدامجد حضرت میر سید عبدالجلیل کی خانقاہ میں قیام فرمایا مگر پڑوس میں ایک شریر قوم آباد تھی، لہٰذا شہر سے دور ۱۱۱۸ھ میں ایک نئی بستی کی بنیاد ڈالی جس کا نام پیم نگر برکات نگری رکھا جو اب بستی پیرزادگان کے نام سے موسوم ہے۔ اسی بستی میں وہ خانقاہ تعمیر ہوئی جس نے خانقاہ برکاتیہ کے نام سے شہرت پائی، حضرت کی دینی وروحانی پیشوائی کا درجہ اس قدر بلند تھا اور اس کا شہرہ اتنا عام تھا کہ شاہانِ دہلی اورنگ زیب عالمگیر سے لے کر محمد شاہ تک حضرت کی خدمت میں نیاز نامے ارسال کرتے تھے۔

یہ راز سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حضور صاحب البرکات اپنے اہل خاندان سے اکتساب فیض وبرکت اور جمیع سلاسل میں اجازت وخلافت کے باوجود کیوں کالپی شریف تشریف لے گئے اور وہاں سے اسرار باطنی حاصل کرنے کے بعد آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ کو ہی رہنمائی خلق کے لیے کیوں منتخب فرمایا، اس راز کی عقدہ کشائی تو کلام امام احمد رضا سے ہی بہ آسانی ہوسکتی ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ چشتی، سہروردی، نقشبندی
ہر ایک تیری طرف مائل ہے یا غوث
مشائخ میں کسی کی تجھ پہ تفضیل
بحکم اولیا باطل ہے یا غوث

روایت ہے کہ بارگاہِ غوثیت سے آپ کو آپ کے مریدین ومتوسلین کو ایک عظیم فیض بشارت حاصل ہے: ''حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں تمہارے خاندان کے مریدوں متوسلوں کی شفاعت کا ذمہ دار ہوں، میں جنت میں ہرگز قدم نہیں رکھوں گا جب تک تمہارے خاندان کے مریدوں متوسلوں کو جنت میں داخل نہ کرالوں گا۔''

شارح قادریت وبرکاتیت امام احمد رضا قادری برکاتی جبھی تو فرماتے ہیں:

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو میرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

حضور صاحب البرکات کا وصال شبِ عاشورہ محرم الحرام ۱۱۴۲ھ قریب صبح صادق مارہرہ میں ہوا اور خانقاہ کے قریب مدفون ہوئے۔ حضرت کے مزار پر آپ کے معتقد نواب محمد خاں بنگش مظفر جنگ والی فرخ آباد نے روضہ تعمیر کروایا، جو اب موسوم بہ ''درگاہ شاہ برکت اللہ'' ہے اور جس کے متولی تاج العلما حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جانشین احسن العلما حضرت سید شاہ مصطفیٰ حسن حیدر حسن میاں، سجادہ نشین خانقاہ برکاتی تھے۔

خانقاہِ برکاتیہ نے عالم اسلام کو جو مشائخ عظام دیئے ہیں ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں: برہان الموحدین حضرت شاہ آل محمد (ولادت ۱۸؍رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ و وفات ۱۶؍رمضان المبارک ۱۱۶۴ھ)، زبدۃ الواصلین حضرت شاہ سید حمزہ (ولادت ۱۴؍ربیع الآخر ۱۱۳۱ھ ووفات ۱۴؍محرم الحرام ۱۱۹۸ھ) قطب العارفین شمس الدین ابوالفضل حضرت سید شاہ آل احمد اچھے صاحب (ولادت ۲۸؍رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ ووفات ۱۷؍ربیع الاول ۱۲۳۵ھ)، سراج السالکین حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے صاحب (ولادت ۱۰؍رجب المرجب ۱۱۶۳ھ ۲۶؍رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ) قدوۃ العارفین حضرت سید شاہ آل رسول (ولادت رجب المرجب ۱۲۰۹ ووفات ۱۸؍ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ) سید العابدین حضرت سید شاہ اولاد رسول (ولادت ۱۵؍شعبان المعظم ۱۲۱۲ھ ووفات ۲۶؍ربیع الآخر ۱۲۶۸ھ) خاتم الاکابر حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری (ولادت ۱۹؍شوال

۱۲۵۵ھ ووفات ۱۱ر رجب المرجب ۱۳۲۴ھ) حضرت سید شاہ ابو القاسم محمد اسمٰعیل حسن (۳ر محرم الحرام ۱۲۷۲ھ ووفات یکم صفر ۱۳۴۷ھ) تاج العلماء حضرت سید شاہ اولا د رسول محمد میاں قدس سرہ (ولادت ۲۳ر رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ ووفات ۲۴ر جماد الآخر ۱۳۷۵ھ) سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفے قدس سرہ (وفات ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء)

خانقاہِ برکاتیہ کا نصب العین اتباع شریعت ہے۔ سند المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی نے جو حضور صاحب البرکات کے جد امجد ہیں، اس نصب العین کا تعین ان الفاظ میں فرمایا: ''بندہ غفلت سے جب رہائی پاتا ہے کہ جو خدا اور رسول کے حکم ہیں ان کے بجا لانے میں مشغول رہے اور جن سے منع فرمایا ہے ان سے دور رہے اور اپنے نفس سے ہمیشہ محاسبہ (امرونہی کی تعمیل کی جانچ اور پڑتال) کرتا رہے۔'' سند المحققین نے مزید فرمایا کہ ''مخالف نفس بھی باتباع شریعت ہی کرنا لازم ہے اور جو مخالفت بغیر اتباع شریعت ہو وہ حقیقۃ مخالفت نہیں بلکہ نفس کی موافقت ہے۔ اگر چہ بظاہر مخالفت معلوم دے اس لیے کہ اہل طریقت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ جس طریقت کو شریعت رد کردے پس وہ زندقہ (بے دینی) ہے اور ان کا یہ اجماع اس وجہ سے ہے کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیا علیہم السلام سے اعرف واکمل ہیں اور ان کا دین سب دینوں سے زیادہ مضبوط اور اتم ہے اور سب دین اس کے آگے منسوخ وباطل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف ہر زمانے میں مذکور اور سب کتابوں میں مسطور تھا۔'' سند المحققین قدس سرہ نے اپنی تحریروں میں اس کی بار بار وضاحت فرمائی ہے کہ بغیر اتباع شریعت خدا تک رسائی ناممکن ہے، ان کے نزدیک ''شریعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت (اتباع کرنا) ہے اور طریقت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ دست بدست (کامل طور پر پیچ ڈالنا) یعنی متبوع کی متابعت تک پہنچنا یہی طریقت ہے۔'' حضرت نے فرائض شریعت کو چھوڑ کر اوراد وظائف میں مشغولی کو بیکار بتایا ہے۔ آپ نے مرید حقیقی صادق الارادت کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلیم کئے ہوئے مکارم اخلاق حاصل کرنے کی تلقین فرمائی کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشارت فرمائی کہ وہ میرے بہت پیارے اور قیامت کے دن مجھ سے بہت قریب تر ہوں گے۔ الغرض سند المحققین نے اپنے اخلاف کے لیے جو نصب العین متعین فرمایا وہ ہے اتباع شریعت محمدی۔

سلطان العاشقین حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ کی سب سے بڑی کرامت استقامت وتصلب فی الدین وتقوی اور آپ کی متشرع زندگی تھی۔ آپ کی زندگی شریعت محمدی کا نمونہ تھی۔ آپ کی تصانیف میں شریعت وطریقت کے رموز کی عقدہ کشائی ہوتی ہے، تربیت خلق کی طرف آپ نے خاص توجہ فرمائی، مروجہ بدعات کو ختم کرنے میں بے انتہا سعی فرمائی، آپ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

☆ خدائے تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں۔

☆ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے کسی حاکم سے رجوع نہ کریں۔

☆ ان لوگوں کے گھر ہرگز ہرگز نہ جائیں جو دنیا کے لہو ولعب میں لگے رہتے ہیں۔

☆ ان لوگوں سے ضرور ضرور ملیں جن کا ظاہر دین ودنیا سے آراستہ ہو۔

☆ زیارتِ قبور کے لیے حاضری ضروری ہے۔

☆ جہاد اکبر یہ ہے کہ نفس کے ساتھ لڑتے رہیں، مخلوق خدا کے محتاج نہ ہوں، دست طلب ہمیشہ خالق کائنات کی بارگاہ میں دراز کریں۔

☆ علم وعمل کو اوّلیت دیں اور ان پر کبھی غرور نہ کریں۔

☆ مخلوقِ الٰہی کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں۔

☆ ہمیشہ یہ تمنا کریں کہ علم خالص اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض سے ملے گا۔

خانقاہِ برکاتیہ سے یہی تعلیمات عام ہوتی رہی ہیں۔ اس خانقاہ کے خلفا ومتوسلین نے دنیا کے گوشے گوشے میں انہیں تعلیمات کی اشاعت کی ہے۔ اس خانقاہ نے اپنے حلقے سے وابستہ ہر سالک کو یہ ادب بتایا ہے کہ وہ حضرت جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہر چھوٹے بڑے کام میں بہت کوشش سے اپنے اوپر لازم جانے کہ محبوبی کا درجہ اسی سے ملتا ہے۔

وقت رحلت حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہ سے لوگوں نے استدعا کی کہ حضور کچھ وصیت فرمادیں تو آپ نے فرمایا ہمارا وصیت نامہ ہے ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول''، بس یہی

کافی ہے اور اسی میں دین ودنیا کی فلاح ہے۔

مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نے ہر دور میں تقریر وتحریر سے شریعت غرّا کی تبلیغ واشاعت میں سعی بلیغ فرمائی۔ اس مضمون میں ان تمام تصانیف کا ذکر نہیں کیا جا سکتا جو اس خانقاہ کے مشائخ نے سپرد قلم فرمائی ہیں۔ نہ ہی ہم ان کے اپنے دور کے روحانی اثرات کا ذکر ان سطور میں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ اس خانقاہ کا شہرۂ کمال چاروں طرف پہنچا ہوا تھا۔

دور جدید میں بھی جب سے وہابی تحریک نے سر اُٹھایا یہ خانقاہ اعدائے دین کے خلاف اہل سنت و جماعت کی دینی وروحانی تحریک کا مرکز بنی رہی۔ اسی خانقاہ کے ایک متوسل حضرت شاہ مولانا عبدالمجید عین الحق بدایونی قدس سرہ تھے، جو حضرت اچھے میاں قدس سرہ کے دست حق پرست پر مرید ہو گئے تھے اور جن کے خلف اکبر سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول نے جب ہندوستان میں پہلی مرتبہ فتنۂ وہابیہ اٹھا تو اس کا سد باب فرمایا تھا۔ اس فتنہ نے جب دوبارہ سر اٹھایا تو حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہ سے اجازت وخلافت سے مشرف امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اس کے خلاف برسر پیکار ہو گئے۔

انگریزی دور حکومت میں اُٹھنے والی سیاسی تحریکوں میں اگر سیاست اور مذہب کو خلط ملط کیا گیا اور سیاسی مصالح کے پیش نظر احکامِ دین کی غلط تعبیر پیش کی گئی یا سیاسی مقاصد کے لیے قرآن واحادیث کی آزاد تشریح وتوضیح کی گئی اور محدثین وائمہ کی کتابوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا تو اس وقت بھی خانقاہ برکاتیہ نے اپنا موقف واضح کیا۔ ایسی تحریکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے امام اہلِ سنت کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا گیا، تحریک خلافت وترک موالات کے جواب میں جب مرکز اہل سنت بریلی شریف میں جماعت انصار الاسلام قائم ہوئی تو امام اہل سنت کی فرمائش پر مرشد برحق سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ نے افتتاحی جلسہ میں خطبہ صدارت پیش فرمایا اور اپنے قوت استدلال سے مسئلہ خلافت کی وضاحت فرمائی۔ اور اہل سنت کے لیے ایک لائحہ عمل بھی پیش کیا۔ جب تقسیم ہند کا مسئلہ کھڑا ہوا تو ملک کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے وطن عزیز جو بے شمار اولیا، اصفیا کے مزارات اپنے سینے میں دفن کیے ہوئے ہے، جہاں لاکھوں مساجد اور ہزاروں خانقاہیں اور دینی مدارس موجود ہیں، اس کے تحفظ کے پیش نظر نیز خالص معاشی نقطۂ نظر سے غربائے اہلِ سنت کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی غرض سے خانقاہ برکاتیہ میں جماعت اہل سنت قائم ہوئی جس کے صدر حضرت تاج العلما، نائب صدر حضرت احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں، ناظم اعلیٰ حضرت سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں تھے۔ اس جماعت مبارکہ کے نمایاں ترین مبلغین میں شیر بیشہ سنت حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب قدس سرہ تھے۔ اس جماعتِ مبارکہ کا نقیب ایک رسالہ بھی خانقاہ برکاتیہ سے شائع کیا جاتا تھا جس کا نام تھا ''اہل سنت کی آواز''۔ جس وقت ملک میں تقسیم کی وجہ سے آگ لگی ہوئی تھی ایک یہی جماعت اہل سنت تھی جس نے غربائے اہل سنت کی دلجوئی کی اور انہیں اپنے ہی علاقوں میں رہ کر شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی گزارنے اور ہر شر وفساد سے دور رہنے کی تلقین کی۔

اور جب آزاد ہندوستان میں کانگریس کی ہمنوا جمعیۃ العلما نے ملک وقوم کے سامنے اپنے ہندوستانی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے پیش کر کے اپنے نصوص عقائد وہابیہ کی تبلیغ واشاعت کا ''دانش مندانہ'' راستہ اختیار کیا تو حضور سید العلما نے بمبئی کو اپنا مرکز بنا کر سُنّی جمعیۃ العلما کو طاقت ور اور مستحکم بنانے میں اپنی زندگی وقف کر دی۔ ان کی مساعی جمیلہ کا یہ نتیجہ تھا کہ علمائے اہل سنت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ افسوس یہ ہے کہ ان کے رحلت کرنے کے بعد یہ پلیٹ فارم منتشر ہو گیا۔

حضور سید العلما کی تبلیغی سرگرمیوں کا ایک اہم پہلو جگہ جگہ ملک کے طور وعرض میں دینی مدارس کا قیام تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کو وسعت دینے اور مستحکم کرنے میں بھی سعی بلیغ فرمائی۔ حضور مفتیِ اعظم اور حضرت مجاہد ملت کے شانہ بہ شانہ آپ نے حافظ ملت حضرت شاہ عبدالعزیز کے دار العلوم اشرفیہ کو ایک وسیع تر اور مثالی سُنّی یونیورسٹی بنانے میں جو خدمات انجام دیں ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ دار العلوم اشرفیہ کی طرف اگر حضور سید العلما نے خصوصی توجہ فرمائی تو اس کی خاص وجہ روحانی رشتہ تھا کیونکہ دار العلوم اشرفیہ کے بانی حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی قدس سرہ خانقاہ برکاتیہ کے خلفائے کرام میں سے ایک تھے۔ انہیں حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہ نے خلافت سے نوازا تھا۔

ہمارے عصر میں حضور سید العلما نے خانقاہ عالیہ قادریہ

برکاتیہ کا پیغام عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ملک کے طول وعرض میں عام کیا۔ سنیت، حنفیت، قادریت، برکاتیت، نوریت، رضویت کے خصائص عام کرنے میں آپ کی جومساعی جمیلہ اس عصر میں رہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی قائدانہ شان کی عظمت یہ تھی کہ سُنّی دنیا ان کی قیادت میں متحد ہوگئی۔ انہوں نے سُنّی دنیا کی ایک نمایاں شناخت قائم کی اور اسے سر بلندی اور افتخار کی منزلت پر فائز کیا۔ اس شناخت سر بلندی اور افتخار کا مظہر حضور سید العلما کا عطا کیا ہوا وہ شعر ہے جو سُنّی دنیا کا نعرہ اور نصب العین ہے۔ جب تک اس شعر کی بازگشت رہے گی سُنّی دنیا حضور سید العلما کو عقیدت اور احسان مندی سے یاد کرتی رہے گی۔

کسی کی جے وجے ہم کیوں پکاریں کیا غرض ہم کو
ہمیں کافی ہے سید اپنا نعرہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صاحب البرکات، حضور آل محمد، حضور شاہ حمزہ، حضور آل احمد اچھے میاں، حضور شاہ آل رسول اور حضور ابوالحسین نوری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جانشینی اور سجادگی کا حق حضور سید العلما نے ادا کر دیا۔ خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ اپنے "سید" پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ سادہ پوشی کے ساتھ جس وقار، سنجیدگی، متانت اور تمکنت کے ساتھ آپ نے برکاتی، نوری گدی کی خدمت کی زمانہ اس کا معترف ہے۔ ان کی وراثت اور سجادگی ان کے فرزند سید شاہ آل رسول حسنین میاں قادری، برکاتی، نوری، نظمی کو ملی ہے۔ ان کی فکر انگیز صلاحیتوں سے حضور صاحب البرکات کی علمی روایت کو تقویت ملی ہے۔ ان کی طبیعت شعر گوئی کی طرف بالخصوص مائل ہے۔ لیکن اس میدان میں ان کی رغبت نعت ومنقبت سے ہے۔

ان کے نعتیہ کلام میں صاحب البرکات کا عشقی رنگ، عینی کی ایمان افروز بصیرت، نوری کی دمک، 'رضا' کا والہانہ عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور 'سید' کا وقار خاندان آل رسول موجود ہے۔ پندرہ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا کہ وہ حضور صاحب البرکات، حضور اچھے میاں، حضور شاہ آل رسول، حضور شاہ ابوالحسین نوری میاں اور حضور سید العلما کی نیابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مجھے ان کی جو بات متاثر کرتی ہے وہ یہ کہ انہوں نے خاندانِ شاہ برکت اللہ کے علمی وقار کو بلند رکھا ہے، وہ عالمانہ شان کے ساتھ مسند شاہ آل رسول پر رونق افروز ہیں۔

صاحب سجادہ، زینت خانقاہ برکاتیہ احسن العلما حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی احمدی قاسمی کی طرف اس وقت علمائے اہل سنت اور غربائے اہل سنت دونوں کی نگاہیں ٹھہرتی تھیں کہ آپ بقیۃ السلف تھے اور آپ اپنے بزرگانِ طریقت کی ودیعت کی ہوئی تعلیمات کا مظہر تھے۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا سفر بہت طویل ہے۔ برصغیر کا کون سا ایسا گوشہ ہے جہاں آپ نے عقائد اہلِ سنت کی تبلیغ نہ فرمائی ہو۔ ماہر رضویات کے منصب پر کئی علما ودانش ور ہیں۔ لیکن حضرت احسن العلما اس سے بلند درجہ پر فائز تھے۔ آپ شارحِ رضویت تھے۔

حضور احسن العلما کی حق پرستی، انصاف پسندی، دینی بصیرت کے ثبوت میں آپ کا صرف ایک تاریخی اعلان ہی پیش کروں گا جب آپ نے نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری کو خانقاہ برکاتیہ میں عرس شریف کے موقع پر قائم مقام مفتی اعظم کا خطاب عطا فرمایا۔ اس اعلان کے ذریعہ آپ نے مرکز اہل سنت بریلی شریف کو حضرت ازہری میاں کی پروقار شخصیت کی قیادت سپرد کی۔

آج جب اہل سنت ایک بار پھر اپنے آپ کو نرغے میں پاتے ہیں تو مجھے اپنے پیر و مرشد حضور تاج العلما کی وہ تعلیمات یاد آتی ہیں جو آپ نے ایسے ہی پرفتن دور میں غربائے اہل سنت کو عطا فرمائی تھیں۔ آج بھی ہم ان سے روشنی لے سکتے ہیں، آپ نے فرمایا: "اس خانقاہ عالیہ قادریہ مارہرہ مطہرہ کے اکابر کرام اور آستانہ عالیہ کے خلفا وخدام علیہم رحمۃ الملک المنعام کا ہمیشہ سے یہ وظیفہ رہا ہے کہ وہ ایسے اوقات ابتلا وامتحان اور دور مصائب وآفات میں ضعفا مسلمین وغربائے مخلصین اہل سنت کی شرعی دینی رہنمائی رہبری قولاً وعملاً کرتے رہیں۔ اپنے مرشدان کرام علیہم رضوان الملک العلام کے اس اسوۂ حسنہ کے اتباع میں ان کے آستانہ مبارکہ کے ایک ادنیٰ خادم الخدام کی حیثیت سے فقیر بھی دین دار اور دین پرور اپنے برادران دین وسنت بالخصوص خواجہ تاشان قادریت و برکاتیت کی خدمت میں یہ شرعی دینی ہدایات جواب سے پہلے بھی بار بار پیش کی جاتی رہی ہیں۔ اب پھر پیش کرتا ہے تا کہ بتوفیق اللہ تعالیٰ وہ ان پر عمل کریں اور بفضل اللہ تعالیٰ وبفضل رسولہ الاعلیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فلاح دارین سے اپنا حصہ پائیں۔ ان کا خلاصہ اس طرح ہے۔

۱) سب سے اہم واقدم یہ کہ دین اسلام قدیم اور اہل سنت وجماعت کے مذہب قدیم پر نہایت پختگی اور مضبوطی سے ظاہر و باطن

میں قائم رہیں اور خدا ورسول جل وعلا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوستوں وفرمانبرداروں کوہی اپنا دوست جانیں۔ اللہ ورسول جل وعلا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سارے مخالفوں، دشمنوں کو ان کی دشمنی اور مخالفت کے موافق اپنا مخالف اور دشمن جانیں اور ایسوں سے حتی الوسع دوری علیحدگی میں کم ازکم وہی برتاؤ رکھیں جو خود اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے رکھتے ہیں۔

۲) عقائد ایمانیہ کی درستگی کے بعد اپنے اعمال بھی موافق شریعت مطہرہ کریں۔ نماز اور روزہ کی پابندی اختیار کریں۔ جو مال والے ہیں وہ زکوٰۃ فرض ہونے پر زکوٰۃ دیں اور مال وجان اور عزت وایمان کے لحاظ سے صاحبانِ استطاعت حج بھی زیارت روضۂ مطہرہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم ادب کے ساتھ بجالائیں۔

۳) علم دین کی تحصیل بقدر ضرورت فرض عین ہے، کم ازکم اتنا علم ضرور حاصل کریں کہ ضروریاتِ دین معلوم ہو جائیں اور جن احکام کا اپنے آپ سے تعلق ہے ان کو بجالا سکیں۔

۴) اپنی ہر حاجت، ہر ضرورت میں صرف اپنے رب کریم ہی کے کرم ورحمت پر بھروسہ رکھتے ہوئے دل کو قوی رکھیں۔ اسی سے مدد چاہیں اور محبوبان خدا اور سید المحبوبین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے مدد چاہنا، ان کے حضور اپنی فریاد پیش کرنا، ان پر اعتماد کرنا یہ تو خود اللہ ہی سے مدد چاہنا ہے، اسی پر بھروسہ کرنا اسی کے سامنے فریاد پیش کرنا ہے۔

۵) دنیا گزشتنی وگزاشتنی ہے۔ یہاں اپنے اوپر جو کچھ ظلم وستم، تنگی اور مصیبت بیتے اس پر حتی الوسع صبر اختیار کریں۔ صبر اور نماز اور اچھے کاموں سے مدد چاہیں۔

۶) دنیا میں مصیبت کیسی ہی اشد ہو اس میں اللہ ورسول جل وعلا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں، مخالفوں، کفار ومشرکین مرتدین ومبتدعین سے بلاوجہ شرعی ہرگز ہرگز رجوع نہ ہوں۔ ان کی خوشامد اور چاپلوسی سے قطعاً بچیں۔ ان کو اپنا معتمد علیہ، چارہ ساز ہرگز ہرگز نہ جانیں۔ اللہ ورسول پر بھروسہ رکھیں۔

۷) غدر اور بدعہدی، خفیہ اور اعلانیہ شرارت پسندی اور فتنہ انگیزی سے قطعاً ظاہر وباطن میں دور رہیں۔

۸) (خاص طور سے تقسیم ہند کے پس منظر میں) یقین رکھو کہ مجرد کہیں بھاگ کر جانا، اندھ موٹھ بے سروسامان موت سے ڈر کر یا بے روزگاری وغیرہ سے گھبرا کر، یہ ہرگز فائدہ نہ بخشے گا۔ رزق، مقدر اور جو خیر وشر اور بھی مقرر ہے وہ جہاں بھی رہے بہرحال پہنچ کر رہے گا۔

۹) اول تو غریب دین دار مسلمانوں کے پاس مال دنیا ہے ہی کہاں اور کتنا؟ اور اللہ ورسول جل وعلا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیے سے جو کچھ ہے ایسے پر فتن وقت میں مسلمانوں پر اور بھی لازم کہ وہ اسے نہایت کفایت شعاری سے اپنے مصارفِ جائزہ شرعیہ ہی میں صرف کریں۔ فضول وحرام اور ناجائز کاموں اور رسموں میں ہرگز ہرگز نہ برباد کریں۔

۱۰) اہلِ اسلام اہلِ سنت اپنے آپس میں اتحاد وتنظیم اور خیر وجائز میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

حضور تاج العلما نے مسلکِ امام احمد رضا کو خانقاہ برکاتیہ ہی کی ایک شاخ تصور کیا تھا۔ اور کیوں نہ ہو، امام اہل سنت تو ''رضائے آل رسول'' ہیں۔ میری دانست میں مسلک امام احمد رضا کی تبلیغ واشاعت کا سب سے اہم مرکز خانقاہِ برکاتیہ ہے۔ یہ مسلک جہاں کی سوغات ہے وہاں سے اس کی برکات ہمیشہ عام ہوتی رہیں۔ یہی اس راقم کی دعا ہے، آمین ثم آمین۔ امام اہل سنت سے والہانہ عقیدت خانقاہ برکاتیہ کا طرّہ ٔامتیاز ہے، اس امتیاز میں کوئی اور شریک بھی نہیں ہوسکتا، میرے اس دعوے کی ترجمانی مرشد برحق حضور تاج العلما قدس سرہ کی ایک منقبت کے مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

تیرے مرشد میرے اجداد کرام
ان کا تو مظہر بجا احمد رضا
تیری الفت میرے مرشد نے مجھے
گھٹی میں ہی دی پلا احمد رضا
میرے مرشد کے تصدق میں ملی
مجھ کو یہ تیری ولا احمد رضا
فیض مرشد سے ہے یہ نعمت ملی
میں ہوں تیرا تو مرا احمد رضا
لاکھ حاسد کچھ بکیں لیکن فقیر
تیرا تیرا ہے ترا احمد رضا

☆☆☆

قطب گجرات سیدنا وجیہ الدین حسینی علوی

سید محمد تنویر ہاشمی ★

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا '' اللہ تعالیٰ ہر سو برس پر ایک مجدد پیدا فرمائے گا۔ جو اس صدی میں دین کی تجدید کرے گا۔ (ابوداؤد شریف) یہ حدیث شریف شیخ مکہ حضرت سیدنا شیخ علی متقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درس حدیث کے دوران اپنے تلامذہ کو پڑھا رہے تھے کہ دفعتاً کسی طالب علم نے دست بستہ آپ کی خدمت میں سوال کیا کہ حضور اس صدی کا مجدد کون ہے اور یہ سعادت کس بندے کو حاصل ہے، حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے عزیز! ان شاء اللہ اس کا جواب کل دوں گا، درسگاہ سے فراغت پا کر رات تہجد کے لیے بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتے ہیں، نماز تہجد کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در اقدس کی جانب متوجہ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے حلقۂ درس حدیث میں میرے ایک عزیز شاگرد نے مجھ سے اس دور کے مجدد سے متعلق سوال کیا ہے کہ اس دور کا مجدد کون ہے، سرکار! یہ سوال میرے لیے عظیم سوال ہے، میری دستگیری فرمائیں اور اس امر سے مطلع فرمائیں کہ اس دور میں مجددیت کا تاج کس مبارک سر پر رکھا گیا ہے، وہ کون سعادت مند ہے جسے یہ شرف عظیم عطا کیا گیا ہے، اس عرضی پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صدی کا مجدد وجیہ الدین ابن نصر اللہ ہے۔

قدوۃ الواصلین، زُبدۃ الکاملین، حجۃ اللہ علی الارض برہان الاتقیا، مجدد المأۃ العاشرہ وجیہ الحق والملۃ والدین سرکار سیدنا مرشدنا وجیہ الدین حسینی علوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲۲ محرم الحرام ۹۱۰ھ احمد آباد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد بزرگوار سرکار سیدنا قاضی سید شاہ نصر اللہ حسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے صاحب شریعت وطریقت عارف باللہ مرد حق آگاہ ولی اللہ تھے، آپ کے جد مکرم حضرت سیدنا بہاء الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ خانۂ کعبہ میں مراقب تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے دیدار سے شرف یاب ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے عزیز فرزند! ملک ہند جاؤ، آپ نے حضور کا حکم پاتے ہی اپنے فرزند حضرت سیدنا معین الدین حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند مریدین وخدام کو ساتھ لے کر رخت سفر باندھا اور بڑی سرعت کے ساتھ منازل سفر طے کرتے ہوئے ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا، قصبہ پاڑی گجرات میں سکونت پذیر ہوئے، الحمد للہ علوی خاندان کے یہ بطل جلیل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم مبارک سے ہندوستان تشریف لائے، شبانہ روز تبلیغ واشاعت دین متین میں سرگرداں رہے، ہزاروں لاکھوں گم کشتگان راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور لاکھوں تشنگان معرفت کی پیاس بجھائی۔

آپ کا نسب مبارک ۲۶؍ واسطوں سے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے، چوں کہ آپ کے اجداد عرب سے ہند تشریف لائے اور محاورہ عرب کے مطابق خود کو علوی مشہور کیے، ایک مرتبہ کسی طالب علم نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ علوی ہیں تو جواباً آپ نے فرمایا کہ کیا ایسا بھی کوئی ہے جو حسینی ہو اور علوی نہ ہو، حاصلِ جواب یہ تھا کہ ہر حسینی علوی ہے اس لیے آپ کے خاندان کے افراد علوی حسینی دونوں نسبتوں سے خود کو منسوب کرتے ہیں، اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ اہل عرب حسنی وحسینی سادات کو علوی کہتے ہیں جیسا کہ محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مناقب دوازدہ امام میں سرکار امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''باقر اول علوی بود کہ مادر و پدر ہر دو علوی بودند''۔

ہندوستان میں علاقۂ گجرات کو نویں اور دسویں صدی ہجری میں خصوصی شرف حاصل رہا ہے، احمد آباد علوم وفنون اور معارف میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، خود شاہان گجرات علوم وفنون کے بڑے قدرداں اور علما وفضلا کے خدمت گزار تھے، یمن، شیراز اور دیگر اسلامی ممالک سے جید علما، محققین اور محدثین گجرات تشریف لاکر مستقل

سکونت پذیر ہو گئے تھے جن کے فیوض و برکات سے پورا علاقہ علوم وفنون کا گہوارہ بن گیا تھا، تاریخ کی بے شمار کتب شاہد عدل ہیں کہ گجرات علوم عقلیہ ونقلیہ کا شیراز اور فن حدیث میں یمن، شام، بخارا کی مماثلت رکھتا تھا، ایسے سنہرے دور میں سرکار سیدنا وجیہ الدین حسینی علوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علوم وفنون کی تحصیل کا سلسلہ شروع فرمایا، تقریباً ۳۳ رسال کی عمر مبارک تک مختلف علما، فضلا، محدثین اور محققین سے علوم متداولہ کا استفادہ کرتا رہے، یہاں تک کہ سوا سو سے زیادہ علوم وفنون میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہو گئی جیسا کہ محمد امین زبیری ثمرات القدس میں شجرات الانس کے مصنف کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عماد طارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی وفات سے پہلے حضرت شاہ وجیہ الدین حسینی کو سوا سو علوم سکھائے جب کہ خود وہ ڈھائی سو علوم جانتے تھے، چنانچہ حضرت علامہ طارمی کے انتقال کے بعد حضرت سرکار سیدنا وجیہ الدین حسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں شاید کچھ علوم تحصیل سے رہ گئے، خود فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ فرزند مغموم نہ ہو جتنے علوم آپ کے استاذ جانتے تھے ہم اس سے زیادہ علوم تمہیں عنایت کرتے ہیں، یہ فرماتے ہوئے ایک کاغذ دکھلایا جس پر بے شمار علوم وفنون کے نام درج تھے آپ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے بعد میں جس علم وفن کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اس علم وفن کا امام و ماہر ہوں، اسی لیے میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سرکار سیدنا وجیہ الدین حسینی علوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام علم وفضل کا تقابل نہ آپ کے دور میں کسی سے درست ہے اور نہ آپ کے بعد لہٰذا کوئی بھی جو اس طرح کی حرکت کرے اس کے لیے سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتمان حق اور منصب علم وفضل کے ساتھ ظلم وزیادتی ہے۔

آپ نے علوم وفنون کی تحصیل کے بعد درس کا نورانی سلسلہ شروع کیا اور اپنے مدرسہ کا نام مدرسہ علویہ تجویز فرمایا، قلیل عرصہ میں اس درس گاہ کی شہرت اکناف عالم میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، دور دراز مقامات سے طلبہ آپ کی درس گاہ میں شامل ہونے لگے، تشنگان علوم دینیہ فیضیاب ہو کر خدمت دین متین میں مصروف ہوئے اور بے شمار بندگان خدا کے تاریک قلوب واذہان کو منور کرتے رہے تا آنکہ درس وتدریس کا یہ سلسلہ ہند سے لے کر بلاد عرب تک پھیل گیا اور یہ علوی نور پورے عالم کو نورانی کرتا چلا گیا، آپ کے طلبہ بلاد عرب تشریف لے جاتے تو ان کی بڑی پذیرائی ہوتی تھی اور آپ کی عطا کردہ سند خصوصی طور پر بلاد عرب میں قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی، آپ کے تلامذہ جہاں کہیں ٹھہر جاتے وہیں علم وعرفان کا دریا جاری ہو جاتا، اس طرح آپ کے علوم ومعارف کے فیوض وبرکات مختلف علاقوں اور کئی ملکوں تک پہنچ گئے، نہایت مختصر میعاد میں آپ کی درسگاہ کو جامعہ کی حیثیت حاصل ہو گئی اور ملکی وبین الاقوامی سطح سے علما محققین خصوصاً علمائے عرب آپ کی خدمت میں استفتا روانہ کرتے رہے، صاحب ''گلزار ابرار'' لکھتے ہیں کہ آپ کامل چونسٹھ سال علوم عقلیہ ونقلیہ پڑھاتے رہے، آخر عمر میں آپ نے سلسلہ درس وتدریس موقوف کرنا چاہا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو بشارت ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹا سلسلہ درس وتدریس بند نہ کرو ہم بنفس نفیس آپ کا درس سننے کی خاطر آیا کرتے ہیں اور تمہارے درس سے مسرور ہوتے ہیں، اس بشارت عظمی کے بعد آپ نے اس سلسلہ کو تادم اخیر جاری رکھا اور درس کا نام درس محمدی رکھا، مصنف ''یاد ایام'' رقم طراز ہیں کہ علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی ان برگزیدہ علما میں سے ہیں جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے، استاذ الاساتذہ استاذ البشر اور استاذ امت محمدیہ جیسے معزز معروف القاب سے آپ کو یاد کیا جاتا ہے، محقق علی الاطلاق شیخ الہند حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی جیسی بلند پایہ شخصیت نے آپ سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا ہے، جس کا تذکرہ اخبار الاخیار اور گلزار ابرار میں ملتا ہے۔

قطب گجرات سیدنا وجیہ الدین حسینی علوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جہاں درسگاہ کے سلطان اور یکتائے روزگار مدرس تھے وہیں آپ تصنیف وتالیف کے بھی بہترین شہسوار تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ کی متعدد منتہی کتب پر شروح وحواشی آج بھی موجود ہیں صرف فن حدیث میں بتیس ۳۲ ررسالے آپ نے قلم بند فرمایا، حضرت مولانا غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف مآثر الکرام میں آپ کی تصانیف کی تعداد زیادہ بیان کی گئی ہے، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، بیان ومعانی مناظرہ وکلام الغرض کون سا ایسا علم وفن ہے جس پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہو، آج بھی جن احباب کا تعلق درسی کتب سے ہے وہ بخوبی واقف ہیں کہ آپ کس قدر لازوال تدریسی، تحقیقی تاریخ

سازکارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، آپ کی بہت ساری تصانیف پیر محمد شاہ لائبریری احمد آباد، خدا بخش لائبریری پٹنہ، آکسفورڈ لائبریری برطانیہ اور بے شمار قلمی نسخہ جات مختلف خانقاہوں میں موجود ہیں، آپ کا شہرۂ آفاق عربی رسالہ ''حقیقت محمدیہ'' جو دنیائے تصوف میں بے حد قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس کی شرح شیخ علامہ مرزا محمد دائم نے لکھی تھی جس کی تحقیق عزیزم مولانا جلال رضا نے بڑی عرق ریزی سے کی ہے اور اسے مصر سے شائع کروایا ہے، عزیزم مولانا نظام الدین مصباحی بھڑوچی کی اطلاع کے مطابق آپ کے ملفوظات بھی شائع ہو چکے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ جمیع وابستگان قطب گجرات آپ کی تصانیف جمع کریں اور ان کا جدید ایڈیشن کم از کم اردو وانگریزی زبانوں میں ترجمہ کے ساتھ شائع کریں کیوں کہ دور حاضر میں یہ کام کسی بڑے کارنامے سے کم نہ ہوگا۔

ابتدائی ایام میں آپ اپنے والد بزگوار سے سلسلہ چشتیہ مغربیہ اور اپنے ماموں حضرت بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ سہروردیہ کے طریق کے مطابق اشغال واذکار حاصل کئے، ایک مرتبہ آپ حضرت کبیرالدین مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو اپنے قلبی احوال سنائے تو انہوں نے فرمایا کہ زیادہ مضطرب نہ ہو، عنقریب غوث العالم سرکار سیدنا محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احمد آباد تشریف لارہے ہیں آپ کو تمام تر باطنی نعمت انہیں سے حاصل ہوں گی، اس تذکرہ کے ضمن میں حضرت سیدنا غوث العالم کا مختصر تذکرہ بے جانہ ہوگا۔

رئیس الکاملین سلطان الاولیا غوث العالم حضرت سیدنا محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ فریدالدین عطار کی اولاد میں سے ہیں، وارث ولایت محمدی صاحب انوار صمدانی واقف اسرار رحمانی حضرت غوث العالم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی سخت ریاضت ومجاہدہ کئے خصوصاً دعوت اسماء الٰہ کو درجہ کمال تک پہنچائے، آپ سلطان الموحدین پیر جہاں حضرت ظہورالحق والدین رحمۃ اللہ علیہ سے چودہ (۱۴) خانوادوں کی خلافت واجازت حاصل کئے، آپ کے پیر ومرشد حضرت شاہ ظہور حاجی حضور رحمۃ اللہ علیہ باکمال ولی اللہ تھے، ایک سو ساٹھ سال کی عمر پائی، عمر کا اکثر وبیشتر حصہ سفر میں گزارا اور اکثر بلاد عرب وہند کے روحانی مراکز پر چلہ کشی کئے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ انوار کی چالیس سال جاروب کشی بڑے ذوق وشوق اور عقیدت ومحبت سے کرتے آئے، حضرت غوث العالم رحمۃ اللہ علیہ نے تمام تر روحانی فیوض وبرکات حضرت سلطان الموحدین سے پا کر ریاضت ومجاہدہ کی سخت وادیوں سے گزرتے ہوئے مقام غوثیت پر فائز ہوئے، آپ کے تفصیلی حالات حضرت مولانا شاہ فضل اللہ شطاری نے مناقب غوثیہ زبانِ فارسی میں جمع کیا ہے، آپ طریقت میں سلسلہ شطاریہ کے اکابر اولیا میں شمار کئے جاتے ہیں، جب شیر شاہ سوری حضرت غوث العالم رحمۃ اللہ علیہ سے بدظن ہو کر کے اپنے ہم شیرزادہ اختر جنگ کو جو فوج کا افسر تھا حکم دیا کہ گوالیار جاؤ اور شیخ محمد غوث کا سر اتار لاؤ اور اس کے پورے خاندان کو تباہ وبرباد کردو اس وقت آپ گجرات کے لیے روانہ ہو چکے تھے، راستے میں آپ کو مع اہل وعیال اور آپ کی والدہ ماجدہ کو ظالموں نے قید کرلیا اور مستورات کی بے حجابی اور بے ادبی کرنے لگے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کی پشت پر دونوں ہاتھوں سے مارتے ہوئے بولیں کہ اب مستورات کی عزت وعصمت خطرہ میں پڑ گئی ہے اے فرزند! تمہاری ولایت وغوثیت کس وقت ظاہر ہوگی، اتنا سننا تھا کہ آپ کو جلال آگیا اور اپنی زبان ولایت وغوثیت سے فرمایا ''مریخ تو کجائی تا کار خود نمائی'' مریخ تو کہاں ہے آ اور اپنا کام دِکھا۔ آپ کی زبان مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ مشرق سے مغرب کی طرف ایک تلوار نمودار ہوئی مگر اس کے باوجود بھی آپ نے ایک مرتبہ پھر فوجی افسر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم سب واپس چلے جاؤ درویشوں کا شیوہ دشمنوں کے حق میں بھی دعا کرنا ہے اور یہ فقیر بھی اس کا پابند ہے، افسر جنگ نے کہا کہ ہم شیر خان کے حکم کے پابند ہیں اور ان کا حکم ہے کہ بلا تاخیر آپ کا سرتن سے جدا کیا جائے، جب فوجی افسران اپنی بات پر اٹل رہے اور حضرت کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ ''اقتل یا مریخ''، یعنی اے مریخ قتل کر، ان الفاظ کے ساتھ ہی فوجیوں کے سرتن سے جدا ہونے لگے، یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر اکثر فوجی فرار ہو گئے اور آپ بعافیت گجرات پہنچے، روحانی دنیا سے شغف رکھنے والے جانتے ہیں کہ ستارہ مریخ حضرت غوث العالم کے تابع تھا اور عاملین خصوصی طور پر اس حوالے سے آپ کی بارگاہ کے عنایت کے محتاج رہے ہیں، حضرت غوث العالم کی تصنیف مبارک ''جواہر خمسہ'' پچھلے چار سو برس سے برابر اہل حق کی رہبری ورہنمائی کرتی چلی آرہی ہے سلسلہ شطاریہ کو آپ کی ذات والا صفات سے بے حد فروغ ملا ہے، ویسے یہ سلسلہ دنیائے تصوف کا نہایت قدیم ومعروف

سلسلہ ہے یہ اس سلسلے کو ابتداء ترکستان میں بسطامیہ اور وسطی ایشیا میں عشقیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اس سلسلہ کا راست تعلق حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اور اس سلسلہ کے اولیا سے اکتساب فیض کرتے ہیں اس سلسلہ کی اشاعت میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بڑا اہم کردار ہے، نیشا پور، آذر بائیجان اور ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت عبداللہ شطاری کے ذریعے پھیلا، آپ کے اخلاص وللّٰہیت، ریاضت ومجاہدہ، نفس کشی اور فاقہ کشی کو دیکھ کر آپ کے پیر ومرشد نے آپ کو شطار کہہ کر مخاطب کیا، یہی اس سلسلہ کی وجہ تسمیہ ہے، حضرت عبداللہ شطاری ہی وہ بزرگ ہیں جنہیں سب سے پہلے شطاری کے نام سے یاد کیا گیا، حضرت غوث العالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور قطب گجرات کی ایک دوسرے سے ملاقات احمد آباد گجرات میں ہوئی اور حضرت غوث العالم کا قیام احمد آباد میں تقریباً ۱۸ سال رہا، بعدہ عہد اکبری میں آپ مع اہل وعیال گوالیار منتقل ہوئے اور یہاں شب جمعہ ۱۴ رمضان المبارک ۹۷۰ھ آپ کا وصال ہوا، گوالیار شریف میں آپ کا آستانہ مرجع خلائق ہے، حضرت قطب گجرات کو سلسلہ شطاریہ میں خلافت واجازت حضرت غوث العالم سے حاصل ہوئی، بے شمار اسرار ورموز اور تصوف کے دقیق مسائل اور باطنی وروحانی فیوض و برکات یہ سب آپ کو انہیں سے حاصل ہوئے، خود فرماتے ہیں کہ اگر غوث العالم کی پابوسی کا مجھے شرف حاصل نہ ہوتا تو اسرار حقیقت سے آشنائی نہ ہوتی، حضرت غوث العالم خود بھی حضرت قطب گجرات سے بڑی محبت رکھتے تھے جو آج بھی اس خلافت نامہ کی تحریر سے واضح ہے جو آپ کے لیے تیار کی گئی تھی، چنانچہ خلافت نامہ میں حضرت غوث العالم لکھتے ہیں کہ وجیہ الدین شیخ المشائخ، شیخ الاسلام اور حیدر علی ثانی ہیں، واضح ہو کہ اولیائے امت محمدیہ میں حیدر علی ثانی کا لقب قطب گجرات رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص ہے۔

آپ ہمیشہ اہل دنیا، اہل ثروت اور اہل اقتدار سے کنارہ کش رہے، فقر وفاقہ، صبر وقناعت اور سادگی آپ کا خصوصی شعار تھا، جو نذرو نیاز عقیدت مندوں کی طرف سے پیش ہوتی اسے غربا ومساکین میں تقسیم فرمادیتے، لباس بھی بڑا سادہ پہنتے تھے کہ آپ کے لباس کی سادگی سے شان مصطفوی ظاہر ہوتی تھی، ایک مرتبہ ایک طالب علم آپ کے مدرسہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ درس دے رہے تھے، وہ کچھ دیر متفکر کھڑا رہا بالآخر طلبہ سے دریافت کیا کہ حضرت میاں وجیہ الدین کہاں ہیں، اس پر حضرت نے خود اس نووارد سے پوچھا بتاؤ تم کو اس سے کیا کام ہے، اس نے کہا میری ایک آرزو ہے جسے میں آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرسکتا ہوں، آپ نے فرمایا وجیہ الدین یہ فقیر ہے اور حضرت میاں وجیہ الدین دوسری جگہ رہتے ہیں، اس انداز سے وہ متاثر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میرا مطلب آپ کی ذات سے تھا سو حاصل ہوگیا تو اب کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہیں رہی محض اس گفت وشنید کے بعد آپ کی قدم بوسی کر کے رخصت ہونے لگا تو طلبہ نے اس سے کہا کہ کچھ روز یہاں قیام کرو، اس پر اس نے کہا جو طالب ایک دید میں اپنا مطلب پالے پھر وہ کیوں پڑا رہے، طلبہ حیرت سے حضرت کی طرف دیکھنے لگے اور دیکھتے ہی رہے تو حضرت نے فرمایا، تیل، آگ تیار تھی تو کیا اس کو روشن نہ کرتا، بسا اوقات درس وتدریس سے فراغت پاتے تو حضرت خضر سے آپ کی ملاقات ہوتی اور ان سے مختلف امور پر گفتگو ہوتی، ایک مرتبہ آپ کو کسی خدارسیدہ نے ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول دیکھا تو آپ سے دریافت کیا کہ کیا باتیں ہوئی ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معرفت کے سوا کیا بات ہوسکتی ہے، پھر انہوں نے پوچھا کہ مستفیض ہوئے یا آپ ان کو فیض یاب فرمائے اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور اوروں سے فیض لیتے نہیں بلکہ دیتے ہیں۔

آپ کے دور مبارک میں حکومت کی زبان فارسی تھی اور وقت ضرورت گجری یعنی اردو زبان بھی استعمال ہوتی، چنانچہ آپ بھی گاہے بگاہے اُردو زبان میں کلام کرتے تھے آپ کے قیمتی اقوال عربی، فارسی اور گجری زبانوں میں جمع کئے گئے ہیں جن کے مطالعہ سے وجود پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے، ہم یہاں افادتاً چند اقوال زریں نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ''خدائے قدوس کا ہمیشہ ذکر کرو کہ ذکر سے وسوسے دور ہوجاتے ہیں اور دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے، دل کی صفائی کا نشان شوق ولولہ اور محبت ہے، خدا سے غافل کرنے والی عادات سے بچو اور غفلت پیدا کرنے والی چیزوں کو ترک کردو، خدا کی مرضی ہے کہ سب اس کو پہچانیں، علم وشغل دونوں حاصل کرو کیوں کہ دونوں کا مقصد ایک ہے، شغل کرنا ریاضت سے بہتر ہے اور اس سے زیادہ مفید ہے، ایام شغل میں کشف وکرامت کا انتظار مت کرو، روغن زیادہ استعمال کرو، گوشت کم کھاؤ، راحت سے سستی ہوتی ہے اور اس سے حلاوت نہیں ملتی، دنیا کو ترک کردو خدا مل جائے گا اور دنیا سے دور ہو جاؤ خدا تم سے قریب ہوجائے گا، جوانی کی ریاضت بہت مفید ہے

جوانی میں جتنا سلوک اور ریاضت کیا جائے اتنا ہی زیادہ مفید ہے، مرشد کی اجازت کے بغیر ریاضت ومجاہدہ کرنا جسم کو ضعیف کرنے کا سبب ہے، ریاضت ومجاہدہ سے فتوحات کا دروازہ کھلتا ہے مگر حجاب نہیں ہٹتا ہے، راحت وتکلیف میں نفس کا رجحان معلوم کروتا کہ آئندہ حال میں سنبھل سکو، نفس خطرے میں مبتلا کردیتا ہے ذکر کرو خطرات دور ہوجائیں گے، روحانی اشغال سے کشائش اور باطنی ترقی حاصل ہوتی ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصور سے روحانیت بڑھ جاتی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوتا ہے، ضعیفوں کی مدد کرنا، غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہاتھ کی عبادت ہے، خویش واقارب سے ملنا اور اولیا سے ملنا پاؤں کی عبادت ہے، مناظر قدرت دیکھ کر خوف الٰہی کا پیدا ہونا اور گریہ وزاری کرنا آنکھ کی عبادت ہے، توحید ورسالت کی باتیں سننا اور علما وصلحا کا کلام سننا کان کی عبادت ہے، دنیا سے قطع تعلق اور عقبیٰ کی طرف رجوع کرنا یہ دل کی عبادت ہے، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق پیدا ہونا روح کی عبادت ہے، جو چیز حضورِ حق میں غفلت کا سبب ہو اس سے پرہیز کرو، کشائش وترقی زیادہ روزہ رکھنے سے نہیں ہوتی بلکہ شغل سے زیادہ ترقی حاصل ہوتی ہے، ساری ترقی مرشد کے فیض وتربیت پر موقوف ہے، حضوری میں بہت جلد ترقی ہوتی ہے مرشد کے زیر نظر ہونا بڑی بات ہے ایک قسم کا اشارہ عالم کے عالم کو ہلا دیتا ہے مرشد کے ایک اشارے سے ہزار گمراہ وبدکار کامل اور ولی ہوجاتے ہیں، سالک راہ کو ''**من کان للہ کان اللہ لہ**'' کا آئینہ دار ہونا چاہئے، جب ایسا ہوتا ہے تبھی ''**من ترک الکل وجد الکل**'' کا مقام حاصل ہوتا ہے، سالک راہ کو چاہئے کہ زبان اور قدم کا خیال رکھے، خلق سے زیادہ اختلاط نہ رکھے، جہاں تک ہوسکے خاموشی اختیار کرے، آپ کے ایک عزیز نے عرض کیا کہ دوسرے مشائخ مقامات کی تفصیل بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ہمارے خانوادے میں تفصیل بیان کرنے کی حاجت نہیں ہم پہلے ہی قدم میں ذات احد کو پہنچتے ہیں، کسی نے عرض کیا کہ ریاضت کس سلسلہ میں زیادہ ہے اور کس سلسلہ میں کم ہے؟ فرمایا کہ سلسلہ سہروردیہ میں ریاضت سب سے زیادہ ہے اور سلسلہ شطاریہ میں سب سے کم ہے، کسی نے عرض کیا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں فلاں ذکر جس دم کے ساتھ کیا جاتا ہے اجازت ہو تو کروں، فرمایا کہ وہی ذکر سلسلہ شطاریہ میں بغیر حبس دم کیا جاتا ہے، صوفی فرائض وواجبات اور سنن موکدہ کے سوا نوافل کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہو بلکہ استغراقیت میں زیادہ کوشاں رہے، **حسنات الابرار سیئات المقربین، حسنات المقربین سیئات الواصلین، حسنات الواصلین سیئات العاشقین، موتوا قبل ان تموتوا** یعنی موت سے پہلے ایسا ہونا چاہئے کہ موت کا شعور باقی نہ رہے، ہمہ وقت ذکر خدا میں مشغول رہنا چاہئے یہاں تک کہ دل ذاکر ہوجائے، جب دل ذاکر ہوجاتا ہے تو جسم کے ہر ایک حصہ سے ذکر کی آواز پیدا ہوتی ہےء، یہاں تک کہ خواب میں بھی قلب غافل نہ رہے گا، جو شغل کرے دس روز سے کم نہ کرے کیوں کہ فتح یابی دس میں مضمر ہے اور عشرہ میں خاص تاثیر ہے اور جس شغل میں لذت پائے اس میں ہمیشگی برتے، کسی نے وسوسوں کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اس کی طرف خیال بھی نہ کرو بلکہ اپنے شغل میں مشغول رہو وسوسے خود بخود دور ہوجائیں گے، کسی نے سوال کیا کہ ایک وہ موحد ہے جو غلبۂ حال میں کتوں کے ساتھ کھانا کھالیتا ہے اور دوسرا عالم خشک ہے تو ان دونوں میں بہتر کون ہے؟ جواب میں فرمایا کہ جو زاہد جمیع اشیا میں حق کا مشاہدہ کرتا ہو اور کسی چیز کا دل میں خیال نہ رکھتا ہو وہ زاہد خشک عالم سے بہتر ہے، ذکر یا شغل جتنا بھی ہو اس پر پابندی کرنا چاہئے کیوں کہ پائداری کا راز تسلسل میں مضمر ہے۔

المختصر آپ کی پوری زندگی بندگان خدا کی رشد وہدایت، درس وتدریس اور ریاضت ومجاہدہ میں صرف ہوئی، آپ کی کل مدت عمر اٹھاسی ۸۸ سال ہے یکشنبہ کی صبح صادق کے وقت محرم الحرام کا مہینہ اور ہجرت کا ۹۹۸واں سال تھا جب آپ دار فانی سے دار بقا کی جانب سفر کرتے ہوئے اپنے مطلوب ومقصود سے وصال فرماگئے۔

یہ خاکدان گیتی جب تک قائم رہے گی اور علم وعرفان کا جب تک دور رہے گا حضرت قطب گجرات منارۂ نور کی حیثیت سے چمکتے رہیں گے، سیدواڑہ خانپور احمد آباد میں آپ کا نورانی آستانہ مرجع خلائق ہے، فیض بخشی کا یہ در صدیوں سے آباد ہے جہاں تشنگان معرفت وحقیقت اور طالبان دین ودنیا سیراب ہورہے ہیں، جس کی طلب جیسی ویسی عطا کا منظر اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے، حصولِ برکت کی نیت سے حضرت قطب گجرات کے مختصر حالات میں نے قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کی ہے ورنہ آپ کی ذات ایسی ہمہ جہت ذات ہے جس پر قلم اٹھانا مجھ جیسا بے بضاعت تو کجا بلکہ وقت کے بڑے بڑے علما وعرفا بھی قاصر رہے ہیں۔

☆☆☆

دعوت و تبلیغ میں جنوبی ہند کے صوفیہ کا کردار

شاہ محمد فصیح الدین نظامی ★

انسان کی کثیر الجہات ہستی انبیائی دعوت کی مخاطب رہی ہے اوراس کی ہمہ جہتی ترقی ، اس کے متضاد عناصر میں کامل ہم آہنگی وموزونیت تربیتِ ربانی کا مقصود رہا ہے۔

انسان کا موزوں جسم، اعلیٰ دماغ اور پاکیزہ روح مل کر اس کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں اوراس شخصیت کے تمام پہلوؤں کا اتمام وکمال صرف ایک زاویے سے نہیں بلکہ ہر زاویے سے تزکیہ وتطہیر آسمانی شریعت کا منشا ہے۔ انفرادی ، اجتماعی ، خارجی ، داخلی ، جسمانی وروحانی، ذہنی وقلبی، فکری وجذباتی ، نفسیاتی ووجدانی تمام پہلوؤں کا کمال احکامِ الٰہی کی غایت ہے۔ حسنِ اعمال دراصل انسان کے تمام گوشہائے دیدہ ونادیدہ میں توازن واعتدال پیدا کرنے اورانسانیت کو مرتبہ احسان پر فائز کرنے سے عبارت ہے۔ اس لیے انبیائی دعوت جس طرح انسان کے شعور کے اندر انقلاب پیدا کرتی ہے اسی طرح انسان کے نازک اورلطیف جذبات اوراحساسات کے اندر بھی گرمی اور روشنی پیدا کرتی ہے، پیغمبرانِ حق فرد کی گتھیاں بھی سلجھاتے ہیں اور صاحب جنوں بھی بناتے ہیں ۔ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام جس طرح جسم کی طہارت ونظافت کے آداب سکھاتے ہیں اسی طرح قلب وروح کو سنوارتے اورنکھارتے ہیں۔ رسولِ خدا عرفانِ الٰہی کا راز بھی بتاتے ہیں تعمیرِ حیات کا سلیقہ اور تسخیرِ کائنات کا گُر بھی بتاتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک ایسا مکمل نظامِ حیات اورآدابِ زندگی عطا کرتے ہیں جو انسانیت کے مکمل وجود اوراس کے پورے ابعاد کے مکمل ترین ارتقا کا ضامن ہوتا ہے ۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو انسانیت کو کمال عطا کرتا ہے۔

اسلام کی آفاقیت: اسلام ہی وہ مخزن ہے جہاں سے انسانی فلاح وبہبود اور ترقیات کے خزانے نکلتے ہیں۔

اسلام ہی وہ منزل ہے جہاں پرجا کر انسانیت کی ہر راہ ختم ہوجاتی ہے۔

اسلام ہی وہ منزل ہے وہ تجربہ گاہ (Laboratory) ہے جہاں سے جدید علوم (Advance Sciences) کے نظریے جنم لیتے ہیں۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسان کو مکمل انسانیت کا درس دیتا ہے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو خیالات کو پاکیزگی عطا کرتا ہے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ذہنِ انسانی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عقل کو اخلاق وحیا سے آراستہ کرتا ہے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو حرام وحلال میں تمیز کا سبق پڑھاتا ہے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو حق وباطل میں فرق نمایاں کرتا ہے۔

اسلام کو فروغ صرف تحریروں اورشعلہ مقالی سے نہیں بلکہ اذانِ بلالی، خونِ شہیداں کی لالی اور کاملین وواصلین کی پختہ خیالی سے ہوا۔

اگر اسلام کو ہٹادیا جائے تو یہ دنیا بے علمی اور بداخلاقی کے گمراہ کن اندھیروں میں بھٹک جائے گی۔

دعوت وتبلیغ کا قرآنی اسلوب: مذہبِ اسلام کی یہ شان رہی ہے کہ وہ کسی بھی معاملے میں صرف حکم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کا صحیح اور مثبت طریقۂ کار بھی بتلاتا ہے۔ چنانچہ دعوت وتبلیغ جیسے اہم معاملہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **أدع الی سبیل ربّک بالحکمة و الموعظة الحسنة.** (القرآن الحکیم پ۱۴،سورۃ النمل آیت ۔۱۲۵)(۱)

ترجمہ: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو (لوگوں کو) حکمت اورعمدہ نصیحت کے ساتھ۔

حکمت اورعمدہ نصیحت کا مطلب شعلہ مقالی اورساحرالبیانی نہیں بلکہ شیریں مقالی اوردانائی کے ذریعے مخاطب کو دلائل سے مطمئن کرنے کے ساتھ اس کے جذبات کو بھی ملحوظ رکھا جائے تاکہ جس کے لیے یہ بات کہی جارہی ہے وہ یہ محسوس کرے کہ ناصح وداعی کے دل میں اس کی بھلائی کی کافی سے زیادہ تڑپ موجود ہے کیوں کہ کارِ دعوت وتبلیغ انتہائی صبر آزما، کٹھن اورجاں سوزی سے عبارت ہے۔ یہاں عالی ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے، حکمت وموعظت کے دامن کو تھامے رکھنا ہوتا ہے، معاندین کا یہ اعتراض بڑا قدیم ہے کہ اسلام زور زبردستی ، طاقت

★ مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد

واقتدار اور جنگ وجدال کے ذریعہ پھیلا ہے۔ اس الزام کی تردید سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ **لا اکـــراہ فـی الدّین قد تبین الرشد من الغیّ** یعنی دین کے بارے میں کوئی زور زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی سے کھلے طور پر واضح ہو چکی، اب جو چاہے ایمان قبول کرے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔

دوسرا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ اسلام جہاد کے ذریعہ دنیا میں تشدد اور انتہاپسندی کو فروغ دیتا ہے۔ حالاں کہ اسلام نے جارحانہ اقدام کی نہ کبھی اجازت دی نہ ہی وہ اس کا قائل ہے۔ البتہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ظلم وتشدد کا انسداد ہو اگر ایسا نہ ہوتو یہ دنیا ظلم وتشدد اور ناانصافی کی آماجگاہ بن جائے گی اور کرۂ ارضی سے امن وسکون رخصت ہو جائے گا۔

تصوف کی حقیقت: تصوف کسی جدید تحریک کا نام ہرگز نہیں، بعض دین ناآشنا لوگ تصوف کو یونان کے مشرکانہ عقائد یا ہندومت کے کفریہ نظریات کا چربہ قرار دیتے ہیں جو بے بنیاد اور بعید از حقیقت بات ہے۔ دراصل تصوف تو اسلام کا جزو لاینفک ہے۔ اسلام وتصوف باہم لازم وملزوم ہیں کسی عارف باللہ مرشد کامل سے تصوف کی علمی وعملی تعلیم وتربیت حاصل کرنے والے خوش نصیب سالک طریقت پر یہ راز منکشف ہو جائے گا کہ اسلام ظاہر ہے تو تصوف اس کا باطن، اسلام پوست ہے تو تصوف اس کا مغز، اسلام جسم ہے تو تصوف روح، اسلام رنگ ہے تو تصوف خوشبو، اسلام سورج ہے تو تصوف روشنی، اسلام چاند ہے تو تصوف چاندنی۔ اسلام آبشار ہے تو تصوف نغمہ۔ اسلام دریا ہے تو تصوف روانی، اسلام سمندر ہے تو تصوف موج، اسلام قال ہے تو تصوف حال، اسلام جادہ ہے تو تصوف منزل۔ ایک مومن صادق کے لیے اسلام وتصوف یا شریعت دونوں کس قدر اہم اور ضروری ہیں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے اس کی چند الفاظ میں بڑی دل پذیر تشریح فرمائی ہے کہ

من تفقّہ بغیر تصوّف فتفسّق ومن تصوَّف
بغیر تفقّہ فتزندق ومن جمع بینھمافتحقّق (۲)

(یعنی جو کوئی تصوف کے بغیر فقیہ بنا وہ فاسق ہوا اور جو فقہ کے بغیر صوفی بن بیٹھا وہ زندیق ہوا اور جو دونوں کا جامع ہوا وہ محقق ہوا)

خانقاہ کیا ہوتی ہے؟ خانقاہ ایک عبادت خانہ بھی تھی جہاں رہنے والے اپنے رب کی عبادت کرتے تھے اور اوراد ووظائف پڑھتے تھے۔ خانقاہ ایک مسافر خانہ بھی تھا جہاں باہر سے آنے والے قیام کرتے تھے انہیں کھانا کپڑا بھی ملتا تھا۔ بستر بھی و دوسری ضرورتیں بھی۔ خانقاہ ایک مدرسہ تھی جہاں کتابوں کا درس ہوتا تھا۔ اصول دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خانقاہ ایک تربیت گاہ تھی جس میں رہنے والوں کو اچھے اخلاق اور آداب سکھائے جاتے تھے ان کے ایک ایک عمل پر نظر رہتی تھی اور ان کی اصلاح کی جاتی تھی۔ خانقاہ ایک روحانی شفاخانہ بھی تھی جہاں بیماروں کو دوا اور دعا دونوں ملتی تھیں، کسی کو تعویذ دیا جاتا تھا کسی کو عمل یا وظیفہ بتایا جاتا تھا کسی کے لیے باطنی توجہ کی جاتی تھی۔ خانقاہ ایک ایسی جگہ بھی تھی جہاں کسی کے لیے باطنی توجہ کی جاتی تھی۔

خانقاہ ایک ایسی جگہ بھی تھی جہاں سماج کے ہر طبقے کے لوگ آکر ملتے تھے ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹتے تھے، محبت، بھائی چارہ، رواداری اور دردمندی کا سبق سیکھتے تھے۔ آپس میں شیر وشکر ہو کر رہتے تھے اور ایک دوسرے کے مسائل سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ خانقاہ ایک لنگر خانہ بھی تھی جہاں فقرا، مساکین اور مسافروں کو بروقت کھانا ملتا تھا بعض خانقاہوں میں تو دن رات لنگر جاری رہتا تھا۔ ایسے ادارے کی افادیت اور اچھائی سے کون انکار کر سکتا ہے جس میں بیک وقت اتنی خوبیاں موجود ہوں۔

آج ہمارے ملک کا سماجی ڈھانچہ بدل رہا ہے ان تبدیلیوں سے کچھ تناؤ اور کشمکش بھی پیدا ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں سب سے اہم رول خانقاہیں ہی ادا کر سکتی ہیں۔ ہمارے دیس کو نفرت کی نہیں پریم کی ضرورت ہے، توڑنے کی نہیں جوڑنے کی ضرورت ہے پریم کا درس ایک صوفی دے سکتا ہے، ایک بھگت دے سکتا ہے اور دلوں کو ملانے کا کام ایک خانقاہ ہی کر سکتی ہے۔'' (۳)

جنوبی ہند کا کردار: جنوبی ہند کے صوفیائے کرام کی ذواتِ گرامی قدر، جمالِ نبوت وحسنِ حقیقت کے کامل استفاضے کی وجہ سے ارشاد وحقائق واسرار میں ہمیشہ سرگرم افاضہ انوار رہیں۔ تقریر وتحریر، گفتار وکردار، جلوت وخلوت میں اللہ تبارک وتعالی کی برہان اور عالم لاہوت کی آواز، جن کی ہر بات شریعت کا لب لباب اور طریقت کی رہبر ہے۔ جنہوں نے ہر پیاسے کو تشنگی بجھانے والی سیرابی، ہر بھوکے کو زندگی بخشنے والی غذا اور شک وریب کے تڑپتے ہوئے بیمار زخمی دلوں کو یقین کا

مرہم اورایمان کی اکسیر بخشی اور جن کے دستِ شفا سے ذہنی ، جسمانی روحانی ومعنوی امراض کے لاکھوں مریض شفایاب ہوئے۔ ایسی ذی شان اورعالی مرتبت شخصیات کا تذکرہ جنہوں نے دینِ مبین اسلام کی نشرواشاعت،ترویج وترقی میں نہایت مستعدی وسرگرمی سے اپنا کردار ادا کیا، جذبہ ایمان وعمل سے سرشارانِ پاک نفوس اور عظیم ہستیوں نے جنوبی ہند کی سرزمین پرانمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ان مقدس نفوس کے احوال دینی ودعوتی ہمارے لے میزانِ عمل اور مشعلِ راہ ہیں۔ کیوں کہ ان کے فیوض وبرکات کا یہ نورانی سلسلہ تادورِ شمس وقمر بلاانقطاع جاری رہے گا۔ ان نفوسِ قدسیہ کے اقوال وآثار اوراعلائے کلمۃ اللہ کی جدّ وجہد میں ان کی کوششیں اور کاوشیں ایک بیش قیمت سرمایہ ہیں جن کی حفاظت اہلِ محبت وطریقت پر لازم ہے۔ زیرنظر خصوصی مقالہ اسی سلسلۃ الذہب سے تعلق رکھتا ہے۔

تسخیرِ مُلک نہیں تسخیرِ قلوب: دکن میں حضرت صوفی سرمست علیہ الرحمہ، حضرت شیخ سراج الدین جنیدی علیہ الرحمہ کے بعد اولین چشتی بزرگوں میں ہیں جنہوں نے سرزمین دکن پرقدم رکھا۔ شیخ برہان الدین غریب علیہ الرحمہ بھی تھے دکن میں آپ کی خانقاہ مرجع خاص وعام بن گئی۔ کچھ عرصے بعد اسی زمانے میں چشتیہ سلسلہ کے ایک اور بزرگ حضرت سید محمد گیسودراز علیہ الرحمہ دکن پہنچے جنہوں نے ایک عظیم الشان خانقاہ قائم کی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ''اخبارالاخیار'' میں تحریر فرمایا ہے۔

بعد از رحلت شیخ بدیار دکن رفعت وقبول عظیم یافت ، اہل ایں دیار منقاد ومطیع او گشتند''(۴)

(یعنی اپنے پیرومرشد کے وصالِ باکمال کے بعد دکن کی طرف چلے آئے اور شہرتِ عظیم پائی اس دیار کے تمام لوگ آپ کے مطیع وحلقہ بگوش ہوگیے)

حضرت بندہ نواز علیہ الرحمہ کے معاصر اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے نامور بزرگ حضرت میر سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جس مقدار میں حقائق ومعارف ان کی خدمت میں حاصل ہوئے دوسرے مشائخ میں کسی سے حاصل نہ ہوئے تھے۔ سبحان اللہ کس حد کا تقویٰ رکھتے ہیں۔''

قطب شاہی بادشاہ، قلی قطب شاہ کا کہنا ہے۔

حضرت سید محمد خواجۂ گیسودراز بندہ حق ، بندہ پرور، بندہ گر، بندہ نواز

مغل شہنشاہ اورنگ زیب نے کہا:

نیست کعبہ در دکن جز درگہِ گیسودراز بادشاہ دین ودنیا تاابد بندہ نواز

حضرت بندہ نواز علیہ الرحمہ اور آپ کے مشائخ خانوادہ نیز آپ کے خلفا شاہ یداللہ علیہ الرحمہ، شیخ علاؤالدین گوالیاری علیہ الرحمہ، سید صدرالدین اودھی علیہ الرحمہ، شیخ فخرالدین بغدادی علیہ الرحمہ، حضرت سید محمد اکبر حسنی علیہ الرحمہ وغیرہ نے تصوف کے وسیلے سے دعوت وتبلیغ کے دائرے کوصوبۂ کرناٹک میں وسیع کیا۔ جس کے نتیجے میں ہزارہا افراد نے دامنِ اسلام میں پناہ لی۔ دکن میں گلبرگہ، بیدر، بیجاپور، حیدرآباد اور قندہار کے علاقے صوفیہ عظام اوران کے نورانی، دینی دعوتی وتبلیغی کام سے مزین ومنور ہوگیے۔ حضرت بندہ نواز علیہ الرحمہ کی دعوتی وتبلیغی کاوشوں کو تسلسل واستحکام بخشنے میں، حضرت میراں جی شمس العشاق علیہ الرحمہ، حضرت برہان الدین جانم علیہ الرحمہ اور حضرت امین الدین علی اعلیٰ شیرِ خدا علیہم الرحمہ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ان صوفیائے کرام نے جنوبی ہند کے خطہ پر ''تسخیرِ ملک'' کے بجائے ''تسخیرِ قلوب'' کواپنایا کیوں کہ دل ہی معرفتِ الٰہی کا منبع ومحل، تجلّی گاہ اورانوار کا مرکز ہوتا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے'' تاریخ مشائخ چشت'' میں لکھا ہے:

''چشتیہ سلسلے کی نشرواشاعت کا کام شیخ برہان الدین غریب علیہ الرحمہ اور حضرت سید محمد گیسودراز علیہ الرحمہ اوران کے خلفا نے انجام دیا''۔(۵)

تاریخ کا حیرت انگیز المیہ: تاریخ کی کتابوں کی چھان بین کے بعد اس بات پر زیادہ حیرت اورافسوس ہوتا ہے کہ شمالی ہند کے تقریبا تمام مؤرخین نے دکن کے خطّے کو یکسر نظرانداز کردیا۔ نہ وہاں کے صوفیہ کا ذکر ہے اور نہ ان کی بے لوث دینی خدمتوں کا، ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے بھی بندھیاچل کے جنوب میں جھانک کر دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ البتہ مؤرخین کو دکن کے صرف تین اہم واقعات یاد ہیں جن میں سب سے پہلے علاؤالدین خلجی کا دیوگیر (دولت آباد) پرحملہ ہے۔ دوسرے سلطان محمد تغلق کا دہلی سے دکن پایۂ تخت منتقل کرنا ہے اور تیسرے مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں اورنگ زیب عالمگیر کا دکن میں طویل قیام ہے۔

حالاں کہ ان تینوں تاریخی واقعات کے درمیان صدیوں کا طویل عرصہ ہے اور اس دوران دکن کی سرزمین پر سیاسی حالات جو رخ بدلتے رہے اور جو سلطنتیں بنتی اور بگڑتی رہیں ان کو شمالی ہند کے مورخین نے یکسر نظر انداز کر دیا اور بدقسمتی سے دکن کی تاریخ لکھنے والے یہ نہ لکھ سکے کہ دکن کی ریاستیں دہلی کے کسی شہنشاہ یا بادشاہ کی ہم عصر تھیں۔(۶)

جنوبی ہند میں دعوت کے عظیم مراکز: جنوبی ہند کے علاقوں میں دکن اور دکن میں اورنگ آباد، خلد آباد صوفیائے کرام کی دینی و دعوتی سرگرمیوں کے بڑے مراکز کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں جب ہم ان صوفیائے کرام کی دکن میں آمد اور ہاں ان کی دینی سرگرمیوں اور تبلیغ اسلام پر قلم اٹھاتے ہیں تو اورنگ آباد کے مخصوص جغرافیائی حالات کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ۱۳۰۹ء میں دیوگری کی فتح کے بعد ایک روز حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے اپنے نوعمر اور ہونہار مرید خواجہ منتجب الدین زرزری بخش کو طلب کیا اور بحکم الٰہی ان سے ارشاد فرمایا کہ تم سات سو پالکیاں یعنی چودہ سو اولیا اور مریدوں کو لے کر دکن جاؤ اور وہاں رشد و ہدایت کی داغ بیل ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم میں خواجگان چشت کی ایک بہت بڑی جماعت بنائی اور پیر و مرشد کے حکم کے مطابق روانہ ہو گیے اور یوں ۱۳۰۹ء میں سرزمین دکن پر قدم رکھنے والے پہلے بزرگ حضرت منتجب الدین قرار پائے۔ ۱۳۲۶ء میں حضرت زرزری بخش علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ اس وقت سلطان محمد تغلق کے سر میں منتقلی کا سودا سمایا۔ اس نے بشمول حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ صوفیائے کرام کو حکم دیا کہ دہلی سے دکن چلے جائیں۔

روشن ضمیر صوفیہ نے حکم کو مسلک اور آداب تصوف کے خلاف قرار دیتے ہوئے جواب دیا کہ دین کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے مناسب وقت پر ہم اپنی مرضی سے چلے جائیں گے۔ ساری زمین خدا کی ملکیت ہے جہاں ہمارا رزق لکھا ہے وہیں ملے گا لیکن سلطان محمد تغلق کے جبراً حکم کے دوران حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے حضرت زرزری بخش کے بڑے بھائی حضرت برہان الدین غریب علیہ الرحمہ کے ساتھ اپنے مریدوں اور مشائخ کا قافلہ دکن روانہ کر دیا جن میں حضرت برہان الدین غریب علیہ الرحمہ کے ہمراہ حضرت راجو قتال حسینی علیہ الرحمہ تھے۔ اس قافلے نے ۱۳۲۷ء کے لگ بھگ ہجرت کی۔ حضرت راجو قتال حسینی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ اس وقت عہدِ طفلی میں تھے، اس طرح دہلی میں بے لوث علم اور پر خلوص عمل کا ایک بڑا آئینہ تھا جو ٹوٹ گیا لیکن اس کے ٹکڑے سارے ہندوستان خصوصا جنوبی ہند میں اس طرح بکھرے کہ ہر ٹکڑا ایک مکمل آئینہ بن گیا، ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب بن کر جگمگانے لگا۔ ان سب کا مرکز دیوگری یا دولت آباد اور خلد آباد تھا جہاں سب سے پرکشش اور مرکزی حیثیت حضرت برہان الدین غریب علیہ الرحمہ کو حاصل تھی۔ انہیں کے اشارے پر یہ اولیائے کرام گجرات، مالوہ، کاٹھیاواڑ، مدھیہ پردیش، برار، احمد آباد اور گجرات سے لے کر راس کماری تک چپے چپے پر بکھر گیے، خود دولت آباد اور خلد آباد کی سرزمین پر بے شمار معروف اور نامور درج ذیل بزرگوں کے مقبرے مرجع خلائق ہیں جنھوں نے جنوبی ہند میں دینِ حق کی تبلیغ واشاعت کا عظیم کارنامہ بغیر وسائل کے انجام دیا۔

(۱) حضرت مومن عارف صاحب باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ
(۲) حضرت جلال الدین گنج رواں رحمۃ اللہ علیہ
(۳) حضرت خاکسار صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۴) حضرت بہاء الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ
(۵) حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری بخش رحمۃ اللہ علیہ
(۶) حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ
(۷) حضرت زین الدین داؤد شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
(۸) حضرت راجو قتال حسینی (والد بزرگوار حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ)
(۹) حضرت مخدوم نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ
(۱۰) حضرت امیر حسن بن علا السنجری رحمۃ اللہ علیہ
(۱۱) حضرت نظام مقبول الٰہی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲) حضرت شاہ نور حموی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۳) حضرت مسافر شاہ پن چکی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۴) حضرت پلنگ پوش صاحب، پن چکی رحمۃ اللہ علیہ

ان کے علاوہ اور نہ جانے کتنے صاحبِ کرامت اور صاحب ولایت جو یہاں کی خاک میں مدفون ہیں۔(۷)

۱۳۴۲ء میں سلطان محمد بن تغلق دکن سے دہلی روانہ ہوا تو اس کی سلطنت میں زوال کے آثار نمایاں تھے چنانچہ دولت آباد میں علم بغاوت بلند ہوا اور ۱۳۴۷ء میں حسن گانگو بہمنی کی تاج پوشی کر کے بہمنی

سلطنت کی بنیاد رکھ دی گئی۔ حسن گانگو بہمنی صاحب تخت وتاج ہونے سے برسوں پہلے حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اتفاق سے کوئی شہزادہ حضرت سے شرف ملاقات کے بعد واپس جارہا تھا حضرت نظام الدین محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے فرمایا ''سلطانے رفت وسلطانے آمد'' ایک بادشاہ گیا اور ایک آیا۔ لوگ اس بشارت پر حیران رہ گیے۔ حسن گنگو جب اندر پہنچا تو آپ نے اس جو کی روٹی پر جو افطار کے لیے رکھی تھی انگلی رکھ کر دوبارہ ارشاد کیا کہ'' یہ تاج شاہی ہے جو دکن کی سرزمین پر تیرے خاندان کے مقدر میں رہے گا۔''

۱۴۸۲ء میں بہمنی سلطنت کا خاتمہ محمود گاواں جیسے علم پرور اور صوفی منش وزیر کے قتل پر ہوا۔ دکن میں پانچ ریاستیں (۱) عماد شاہی برار (۲) نظام شاہی، احمد نگر (۳) قطب شاہی، گولکنڈہ (۴) برید شاہی، بیدر (۵) عادل شاہی بیجاپور، ظہور میں آئیں۔ ۱۶۵۳ء اورنگ زیب عالمگیر نے کھڑکی کو فتح کرکے اس کا نام ''اورنگ آباد خجستہ بنیاد'' رکھا اور خود زین الدین داؤدی خلیفہ حضرت برہان الدین غریب علیہ الرحمہ کے قدموں میں ابدی نیند سو گیا۔ جب مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا تو اس وقت جنوبی ہند کے علاقہ دکن نے ایک بار پھر کروٹ لی اور نظام الملک آصف جاہ اوّل نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ ان کو حضرت برہان الدین غریب علیہ الرحمہ سے بے پناہ محبت تھی، حضرت نظام الدین مقبول الٰہی علیہ الرحمہ (جن کا روضہ اورنگ آباد میں ہے) کی دعاؤں سے دکن کی سلطنت ملی اس خاندان نے دکن پر سوا دو سو برس حکومت کی اور اپنی اسلامی ریاست کو حضرت نظام الدین مقبول الٰہی علیہ الرحمہ کے نام سے موسوم کیا اور یہ سورج بھی ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ (۸)

تبلیغ ودعوت بذریعہ حکمت وموعظت: جنوبی ہند میں صوفیہ کرام کا طریقۂ تبلیغ ورشد وہدایت انتہائی دلنشین موثر ترین اور منفرد ہوا کرتا تھا جس میں حکمت وموعظت کا پہلو غالب ہوا کرتا تھا۔ یہ ۷۵۶ء کا واقعہ ہے کہ جس وقت حضرت زین الدین علیہ الرحمہ نے حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت وعطائے خلافت کے وقت اپنے پیرومرشد حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ سنایا کہ جب انہوں نے مولانا حسام الدین کو شرف ارادت بخشا تو ایک نہایت عمدہ نصیحت کی اور وہی نصیحت آپ نے حضرت زین الدین علیہ الرحمہ کے سامنے دہرادی کہ

''تکمیل مرید کی کوشش کرو نہ کہ تکثیرِ مرید کی'' (۹)

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی علیہ الرحمہ کا یہ جملہ واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ہر سماج اور ہر دور میں اس کی افادیت یکساں ہے، دور حاضر کی تعلیم کو لیجئے ہم صرف طلبا کی تعداد اور فارغ التحصیل لوگوں کی اکثریت بڑھانے پر اپنا سرمایہ لگارہے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی بھی طلبہ کی شخصیت کی تکمیل یا کردار کی جلا پر زور نہیں دیتا یہ خانقاہی نظام اور مشائخ کی تعلیم تھی کہ وہ بہت کم لوگوں کو مرید بناتے تھے جب تک اس کے کردار اور ظرف کو ٹھونک بجا کر دیکھ نہ لیں خلافت نہیں دیتے تھے۔

حضرت برہان الدین غریب علیہ الرحمہ جنوبی ہند کے وہ صوفی ہیں جن کی ذاتِ بابرکات سے ہزاروں افراد مستفیض ہوئے اور جن کی مخلص دعوت سے ہزاروں راہ گم کردہ افراد کو ہدایت کا جام شیریں عطا ہوا۔

پرچمِ اسلام کس نے بلند کیا؟ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں اشاعتِ اسلام، سلاطین کی مرہونِ منت نہیں اس لیے کہ ان کو اشاعت اسلام سے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ چنانچہ جہاں جہاں ان کے دارالسلطنت رہے وہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونے کے بجائے کم رہی دوآبہ میں مسلمانوں کی حکومت سات سو برس رہی، بہار اور دکن میں بھی آٹھ سو برس تک حکمران رہے لیکن ان علاقوں میں ان کی آبادی ۱۵ ر فیصدی سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔'' (۱۰)

اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام کی کوششیں: اشاعت اسلام کے سلسلے میں علما کی خدمات کا سرسری تذکرہ ملتا ہے، البتہ عرب تاجروں اور صوفیوں نے جو کوششیں کیں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ عرب تاجر جنوبی ہند میں پہنچے تو بڑی خاموشی سے اسلام کا پیغام اس علاقے میں پہنچایا ملابار، گجرات، کچھ اور جزائر ہند میں اچھوتوں کو جب ذلیل سمجھا جاتا تھا ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ برہمن سے چوہتر قدم دور رہیں عرب تاجر ایسے لوگوں کو اپنی پناہ میں لیتے اور جب وہ مسلمان ہو جاتے تو عام مسلمان کے برابر حقوق حاصل کر لیتے۔ اس صورت حال کو دیکھ ملابار کا راجہ بطیّب خاطر مسلمان ہو گیا، ہندوستان کے مشرقی ساحل پر بھی عرب تاجر دسویں صدی میں پہنچ چکے تھے۔ ان کی معاشرتی

اور اخلاقی زندگی دیکھ کر مقامی باشندے اسلام قبول کرتے لیکن جہاں تک جنوبی ہند کی بات ہے اس سرزمین پر اشاعتِ اسلام میں صوفیوں کا بڑا حصہ رہا ہے۔ مدورائی اور ترچنا پلی میں حضرت نطھر شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۳۹ء/۴۳۰ھ) کی وجہ سے اسلام پھیلا۔ وہ ایک ترکی شہزادے تھے اور ریاست وامارت چھوڑ کر درویش ہوگیے تھے اور حجاز ایران اور شمالی ہند کی سیاحت کرکے ترچنا پلی پہنچے اور اپنے زہد، عبادت اور اخلاق سے وہاں کے لوگوں کو متاثر کیا کہ بہت سے ہندوان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کا مزار ترچنا پلی میں ہے۔ ان کے جانشین سید ابرہیم شہید (المتوفی ۵۲۴ھ/۱۱۶۸ء) بارہ برس تک اس علاقے کے حکمراں بھی رہے، ان کا مزار گوداوری میں ہے۔

حضرت نطھر شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت بابا فخرالدین علیہ الرحمہ (المتوفی ۵۶۴ھ/۱۱۶۸ء) نے پنو کونڈا کے راجہ کو مسلمان کیا۔

مدورا میں اشاعت اسلام حضرت علی یارشاہ علیہ الرحمہ کے ذریعہ ہوئی جو گیارہویں صدی عیسوی میں بغداد سے بابا ریحان کی ایک جماعت کے ساتھ بھڑوچ آئے اور وہاں کے راجہ کے لڑکے کو مسلمان کیا۔

نورالدین سنا گر علیہ الرحمہ نے گجرات کے کمپوں کوریوں اور کھارواؤں میں اشاعتِ اسلام کی اور سب کو مسلمان بنایا جو اسماعیلی عقائد رکھتے تھے، ۱۳۰۴ء میں عرب واعظین میں ایک مبلغ "پیر مہابیر کھنڈایت" کے نام سے مشہور ہوئے، بیجاپور آکر وہاں کے کاشتکاروں کو مسلمان کیا، چودہویں صدی میں حضرت خواجہ گیسودراز علیہ الرحمہ آئے، پونہ بے لگام کے ہندوؤں میں اسلام کی تبلیغ کی۔ کوکن میں حضرت عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی نسل کے ایک بزرگ بابا عجیب نے اسلام پھیلایا اور وہ دھانوں میں مدفون ہیں۔ مصنف مزید تحریر کرتے ہیں کہ دہوار کے اضلاع میں حضرت ہاشم پیر گجراتی علیہ الرحمہ کے ذریعہ اسلام پھیلا۔ ستارا کے علاقے میں ایک نو مسلم پیر شمبو ایا کوشی نے وہاں کے لوگوں کو مسلمان کیا (۱۱)

حیدرآباد دکن کا دعوتی منظر نامہ: جنوبی ہند کے شہروں میں حیدرآباد فرخندہ بنیاد شاہان قطب شاہی کی ۴۰۰ سالہ قدیم یادگار، فکروفن کا مرکز، علم وادب کا گہوارہ اور سرچشمہ تھا اور بعد میں سلاطین آصف جاہی کی ۲۰۰ سالہ (۱۷۲۴ء، ۱۹۴۸ء) بے پناہ دلچسپی اور علم وہنر سے والہانہ لگاؤ نے اس شہر کو علم وروحانیت کا ایسا آسمان بنادیا جس میں ارباب فضل وکمال کے پرنور ستارے چمکتے تھے اور تصوف کے سلاسل قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کے شیوخ نے جو شمعیں روشن کررکھی تھیں اہل علم ودانش کو کہیں جانے نہیں دیتی تھیں، اس عظیم شہر کی خاک نے اپنی جن داعیوں اور مبلغین اسلام کو اپنی آغوش میں چھپالیا ہے زمانہ انہیں صدیوں تک پیدا نہیں کرسکتا، جن میں قابل ذکر ہستیاں یہ ہیں۔

حضرت بابا شرف الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سید شاہ عماد الدین میر محمود اولیا رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سید شاہ یوسف راجو قتال حسینی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سید میراں حسینی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت خواجہ حسن برہنہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت حسین شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت یوسف شریف صاحبان رحمۃ اللہ علیہما
حضرت سید شاہ رضا رضوی المدنی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سید ناموسی قادری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سید یوسف معرف شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شیخ جی حالی ابوالعلائی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت میر شجاع الدین حسین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

ان صوفیائے کرام کی اسلامی تبلیغی وروحانی کاوشوں اور مراکز علم وعرفان دارالعلوم، جامعہ نظامیہ وجامعہ عثمانیہ میں ایسے ارباب علم وہنر اور صاحبان حال وقال کو جمع کردیا تھا کہ تاریخ کا طالب علم بغداد وقرطبہ، مصر وبخارا کی تہذیب وتمدن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ انہی خوبیوں کی بناپر حضرت شیخ الاسلام مولانا شاہ محمد انوار اللہ الفاروقی خلیفہ اجل حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حیدرآباد کو اپنا مسکن بنانا پسند فرمایا۔ (۱۲)

صوفیائے حیدرآباد کی دعوتی کوششیں: سرزمین گولکنڈہ میں تصوف کے کم وبیش تمام سلاسل کو رواج وقبولِ حسن نصیب ہوا۔ اس سرزمین کو سب سے پہلے حضرت بابا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۵ھ، ۶۸۷ھ) نے اپنے بابرکت قدموں سے تقدس ووقار عطا کیا۔ آپ

اپنے مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ کی ہدایت پر اعلائے کلمۃ الحق اور تبلیغِ دینِ متین کے لیے عراق سے ہندوستان تشریف لائے اور نو برس تک یہاں کے مختلف شہروں میں قیام کرنے کے بعد قطب شاہی سلطنت کے قیام سے پہلے ۶۴۰ھ میں دکن پہنچے۔ (۱۳)

حضرت بابا شرف الدین علیہ الرحمہ نے کم وبیش ۳۷ سال تک باشندگانِ دکن کو اپنے روحانی فیض سے مالا مال کیا۔ آپ کی حسن گفتگو وحسن جستجو سے ہزار ہا افراد اسلام کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے دو بھائی حضرت بابا شہاب الدین علیہ الرحمہ اور حضرت بابا فخر الدین علیہ الرحمہ کے علاوہ ستر مریدین بھی دکن پہنچے۔ آپ نے جس مقام کو اپنی سکونت گاہ منتخب فرمایا وہ آج بھی ''پہاڑی شریف'' کے نام سے موسوم ومشہور ہے۔ ۲۰ رشعبان آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ بابا شرف الدین علیہ الرحمہ کے بعد حضرت شاہ چراغ علیہ الرحمہ، حضرت سید نور الھدی علیہ الرحمہ، حضرت سید حسین شاہ ولی علیہ الرحمہ، حضرت میر مومن چپ علیہ الرحمہ نے بھی اپنے قدومِ میمنت لزوم سے رونق بخشی اور دعوت اسلامی کا عظیم الشان فریضہ انجام دیا۔ قطب شاہی عہد کے صوفیہ میں حضرت میراں حسینی حسنی خدانمائی (متوفی ۱۰۷۹ھ) جو حضرت امین الدین علی اعلی علیہ الرحمہ کے مرید اور حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ صاحب قلم اور کئی نثری وشعری تصانیف کے مصنف بھی تھے۔ آپ کے خلیفہ حضرت میراں یعقوب علیہ الرحمہ نے شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کی وضاحت میں تشبیہوں اور تمثیلوں سے اپنی تصنیفات کو آراستہ کیا۔ اس طریقہ تبلیغ واشاعت نے بھی ہزاروں بندگانِ خدا کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت شاہ راجو حسینی علیہ الرحمہ قطب شاہی عہد کے ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی خانقاہ میں ہر وقت کثیر تعداد میں فقرا مصروفِ ریاضت رہا کرتے تھے۔ حضرت شاہ راجو کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ سے ملتا ہے، آپ نے تصنیف و تالیف کا بھی کام انجام دیا۔ آپ نے اپنے قلمی شہ پاروں کو اصلاح وتبلیغ کا ذریعہ بنایا، ۱۰۹۲ھ میں آپ کا وصال ہوا گولکنڈہ کا بادشاہ ابو الحسن تانا شاہ آپ کا بے حد معتقد تھا۔ اس نے آپ کے مزار پر شاندار گنبد تعمیر کروایا جو آج بھی دیکھنے والوں کو متاثر کرتا ہے۔

حضرت شاہ راجو حسینی علیہ الرحمہ کی دینی دعوتی، فکری وعلمی خدمات کو اسی عہد کے ممتاز اور بلند پایہ شاعر اور مرید طبعی نے اپنی مثنوی ''بہرام وگل اندام'' میں یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

ولی تو ں بڑا ہے ککر شاہ راجو
چل آیا ہے شہ تیرے گھر شاہ راجو
خبر تیری معلوم نیں بے خبر کیوں
خبردار جانے خر شاہ راجو
تو مخدوم سید محمد کے کھن کا
بہت بے بدل ہے گہر شاہ راجو
دکن کا کیا بادشاہ بوالحسن کو
بڑا تخت دے کر چھتر شاہ راجو
خدا پاس اجابات کرتا ہے طبعی
دعا تجہ کوں شام وسحر شاہ راجو

سبعہ قادریہ کا عظیم کارنامہ: قادریہ سلسلے کے سات بزرگ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر دکن تشریف لائے اور سلسلۂ قادریہ کے توسط سے اسلام کی اشاعت کا خاموش کام کیا جو ''سبعہ قادریہ'' سے معروف ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت سید عبدالقادر یوسف علیہ الرحمہ (م ۹۱۰ھ) بیدر (۲) حضرت سید شاہ اسحٰق حموی علیہ الرحمہ (م ۹۱۱ھ) کرنول (۳) حضرت سید جلال الدین جمال البحر معشوق ربانی رحمہ اللہ (م ۹۹۹ھ) ورنگل (۴) حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری نیلوری علیہ الرحمہ (م ۱۰۰۰ھ) نیلور ضلع گلبرگہ (۵) حضرت سید شاہ رفیع الدین بغدادی علیہ الرحمہ (م ۱۰۱۹ھ) شیخ پیٹ حیدرآباد (۶) حضرت سید الابدال سید شاہ عبداللطیف لا اوبالی علیہ الرحمہ (م ۱۰۴۷ھ) کرنول (۷) حضرت سید الابدال سید میراں بغدادی علیہ الرحمہ (م ۱۰۴۹ھ) لنگر حوض، حیدرآباد۔

دعوتِ اسلام بذریعہ سماع: عطائے محبوب الٰہی حضرت سید شاہ رضا علی رضوی المدنی علیہ الرحمہ کو ان کے پیر ومرشد حضرت شاہ اسرار اللہ علیہ الرحمہ نے حیدرآباد دکن کی حفاظت وصیانت کا ذمہ دار بنایا تھا، آپ صوفی باصفا اہلِ دل واہلِ سلوک کے مرجع ومصدر بھی تھے۔ حضرت سید شاہ فاضل بیابانی علیہ الرحمہ کے بیان کے مطابق ''آپ محبتِ الٰہی میں

دیوانہ اورشمع نور محمدی کے پروانے تھے۔ فرشتہ سیرت پاکیزہ صورت اور صاحبِ خرق عادت تھے۔ ہدایت وارشاد کے گویا آفتاب ومہتاب تھے کہ جن کی نورانیت سے علاقۂ دکن مستفید ومستنیر تھا۔ دعوت اسلام یا اشاعت اسلام بھی گویا آپ کی کرامت سے ہے کہ جب کثرت سے غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر اسلام لانے لگے تو ان کے کسی پیشوا نے کہا کہ آپ ہمارے لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں ایسا کیا جادو تمہارے پاس ہے کہ جو بھی ہمارا آدمی آپ کے یہاں پہنچتا ہے وہ پھر ہمارے پاس واپس ہی نہیں آتا تو حضرت سید شاہ رضا علیہ الرحمہ نے ایک نسخۂ کیمیا اسے بتایا کہ مہاراج آپ ہماری مجلس سماع میں بیٹھ جایئے پھر دیکھیے کہ جادو کس طرح سر چڑھ کر بولتا ہے۔ چنانچہ اس نے رات بھر اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ سماع سنا اور صبح ہوتے ہی حضرت سیدی شاہ رضا علیہ الرحمہ کے قدموں میں گرا اور پھر معلوم نہیں کہ حضرت سید شاہ رضا علیہ الرحمہ کے قدوم نے اسے کن کن مراحل اور پر کیف نظاروں سے گزارا کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا''۔ (۱۵)

شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ الفاروقی: داعی کبیر، مصلح شہیر شیخ الاسلام حضرت شاہ محمد انوار اللہ فاروقی چشتی قادری نوراللہ مرقدہ (۱۲۶۴ھ/۱۳۲۶ھ) نے جنوبی ہند کی سرزمین پر ایک زبردست علمی اصلاحی دینی دعوتی انقلاب برپا کیا، پروفیسر حمید سہروردی کے بقول ''مولانا انوار اللہ فاروقی نے منشائے الٰہی اور تعلیمات رسول کو حیات کا رازداں سمجھا اور وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر جنوبی ہند میں بالخصوص اور شمالی ہند میں بالعموم ایک مذہبی تحریک برپا کردی۔ مولانا کا حاوی مزاج تحریری ہو کہ مجلسی، فطری ہو کہ علمی خالص مذہبی تھا، انہوں نے اپنے مقصد اعلیٰ کے لیے نہ صرف کتابوں اور مجلسوں تک اپنے آپ کو مختص ومحفوظ رکھا بلکہ ایک ناقابل فراموش مذہبی ادارہ جو جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے نام سے مشہور ومقبول ہے کی بنیاد بھی رکھی جو آج بھی اپنی مذہبی وعلمی شناخت کے ساتھ روز افزوں ترقی کے مراحل ومنازل طے کرتا جارہا ہے۔ جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل علما وفضلا اپنی منفرد آن بان اور سنجیدگی ومتانت کی پہچان کے ساتھ دنیا بھر میں سنت رسول کی پیروی کرتے ہوئے مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں''(۱۶)

خلیفہ شیخ العرب والعجم حضرت صوفی شاہ محمد انوار اللہ الفاروقی نے جنوبی ہند میں اسلامی معاشرے کا نمونہ بنانے کی جد وجہد میں مثالی اقدامات کیے اور تمام ریاستِ آصفیہ کو اسلامی طرز فکر ومذہبی دانش مندی سے وابستہ کرنے کی شعوری کوششیں کیں، آپ نے اپنے عہد میں دینی علمی، دعوتی، تبلیغی، سیاسی، سماجی، ادبی، لسانی، رفاہی کارنامے انجام دیے جو آپ سے پہلے نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان کے کسی حصہ میں بھی انجام نہیں پاسکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے خلوص واخلاق سے حیدرآباد کے پیروان مذاہب مختلفہ کے قلوب میں اپنی عزت ووقعت قائم کردی تھی، مملکت آصفیہ میں بحیثیت شیخ الاسلام وصدرالصدور آپ نے اہل خدمات شرعیہ کو تبلیغ ودینی خدمات پر عملاً مامور فرمایا۔ دکن میں آپ ہی کی دینی دعوتی کامیاب تحریک تھی آج تقریباً ہر گھر میں حافظِ قرآن عالم وفاضل کی موجودگی یا دین داری نظر آتی ہے۔ ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی اسلامی مزاج، اخلاق واحسان، اخلاص فی العمل جو علما ومشائخ میں پایا جاتا ہے وہ آپ ہی کی تجدید فکر ونظر کے اثرات ہیں۔

شاہ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ نے اپنے جانشینوں میں دعوتی شعور کو بیدار کیا اور اس کی اہمیت وافادیت کو اپنی شخصی کاوشوں سے اجاگر کیا چنانچہ آپ کے خلفائے طریقت، حضرت مفتی محمد رحیم الدین قادری، حضرت غلام محمد زعیم قادری، حضرت مفتی رکن الدین قادری، حضرت مفتی سید محمود قادری کان اللہ لہ اور ان کے وابستگان نے جنوبی ہند کے علاوہ دیگر علاقوں میں بھی دعوت وتبلیغ کی کامیاب تحریکیں چلائیں جن میں صوفی منش ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی داعیانہ زندگی: ترکی کے ڈاکٹر اکمل الدین اوغلو کے بقول ''ڈاکٹر حمید اللہ اس زمانے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں'' ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے آباواجداد کی اتباع میں خدمت دین کو اپنا نصب العین بنایا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اسلامی تاریخ کا اور بالیقین بیسویں صدی کا واحد عالم محقق بے نظیر اور داعی کبیر ہے جس کو ایشیا کی تقریباً ۱۵/زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ آپ کی لسانی عبقریت ایک کرشمے سے کم نہیں وہ نہ صرف ان زبانوں میں بلا تکلف بات کرسکتے تھے بلکہ ان زبانوں میں بے تکان لکھتے اور پڑھتے تھے ...... ان زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو

شبہات پیدا کیے گیے تھے ان کا بڑے محققانہ اور عالمانہ انداز میں رد کیا اور اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر ہزاروں یورپین مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں بڑے بڑے سائنس داں، چرچ کے ذمہ دار اصحاب، فوج کے سربراہ، یونیورسٹی کے دانش ور شامل ہیں۔(۱۷)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلق جنوبی ہند سے تھا، انہوں نے پیرس میں تقریباً اڑتالیس سال دین اسلام کے سفیر وترجمان اور ایک داعی ومبلغ کی حیثیت سے بسر کیے۔ مغرب میں دعوت وتبلیغ کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے صوفیانہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے حسب ذیل جہتیں اختیار کیں۔

۱) مستشرقین کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق۔
۲) مغربی زبانوں میں اسلامی ادب کی تیاری
۳) بین المذہبی مکالموں، علمی وتحقیقی مجالس ومذاکرات اور کانفرنسوں میں اسلام کی ترجمانی۔
۴) غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام
۵) مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت (۱۸)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مستشرقین ومسیحی مؤلفین کی کتابوں کا علمی محاسبہ کرتے ہوئے ان کی تلبیسات کو خوب بے نقاب کیا ہے انہوں نے اپنی لسانی مہارت واستعداد کو دعوتی وتبلیغی مقاصد کے لیے بھرپور استعمال کیا یہی وجہ ہے کہ جامعہ نظامیہ حیدآباد کے اس قابل فخر فرزند کو فرانس کے علمی وتحقیقی حلقوں میں اسلام کے ایک سربرآوردہ ترجمان وشارح کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے نہ وہ اس کے لیے تبلیغی جماعت کے ارکان کی طرح گشت کیا کرتے تھے۔ اس باب میں اہم چیز خود ان کا اپنا ذاتی اخلاقی کردار تھا۔ وہ غیر مسلموں سے نفرت کے بجائے ہمدردانہ اور خیرخواہانہ رویہ اختیار کرتے۔ علمی وتحقیقی کاموں میں ان کی رہنمائی کرتے۔ وہ فرانس میں اسلامی مراکز کی تعمیر وترقی میں بڑی سرگرمی اور جوش وجذبہ سے مشغول رہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ فن سیرت نگاری کے ساتھ میدان دعوت وتبلیغ دین کے بھی مجدد اور امام ہیں۔ تقابلی مطالعہ کا اسلوب جو نتیجہ خیزی کے اعتبار سے انتہائی کامیاب رہا ہے اپنے اندر غیر مسلم معاشروں میں سرگرم دعاۃ اور مبلغین کے لیے کافی رہنمائی کا سامان رکھتا ہے۔(۱۹)

خانوادہ خواجہ محبوب اللہ کی دعوتی تحریک: حیدرآباد کی سرزمین پر خانوادہ حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمہ اللہ (۱۲۶۳ھ م ۱۸۴۶ء۱۳۱۳ھ) نے دعوت وتبلیغ کے فریضے کو باحسن الوجوہ انجام دیا۔ حضرت خواجہ کی شخصیت کو اس خانوادے کی عظمت کا نقطۂ عروج قرار دیا جاتا ہے۔ اس خانوادے نے علم وادب کے ساتھ دین ومذہب کی بھی خدمت کے نقوش بنائے اس خانوادے کے مشاہیر داعیوں اور مبلغین میں حضرت سید احمد علی حسینی، حضرت سید محمد علی حسینی، حضرت سید عثمان حسینی، حضرت سید محمد یحیی حسینی، حضرت محمد باقر حسینی، حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ، حضرت عبدالمقتدر صدیقی فضلؔ، حضرت اعظم علی شائقؔ، حضرت سید محمد باشاہ حسینی، حضرت سید عثمان حسینی علیہم الرحمہ شامل ہیں۔ اس خانوادے نے ایک طویل عرصے (۱۲۳۶ھ تا ۱۳۹۱ھ) تک اپنے دینی دعوتی علمی تحقیقی دبدبے کو برقرار رکھا۔ اس خانوادہ نے مخالفین اسلام کے اعتراض کے جواب دینے کے علاوہ یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ہی تمام بنی نوع آدم کو اپنی قومیت میں داخل کرکے ایک کرسکتا ہے اور یہی حریت ومساوات، اتحاد واتفاق اور امن وامان سے دنیا کو بھر سکتا ہے کیونکہ یہی دینِ فطرت ہے۔(۲۰)

مئے علم وعرفان کا ساقی: جنوبی ہند میں کاروانِ دعوت وتبلیغ کے ایک رہبر کو دنیا نورالمشائخ حضرت سید نوری شاہ علیہ الرحمہ سے جانتی ہے آپ عالم وفاضل، ولی باکمال، داعی بے مثال، شیخ کامل، صوفی اکمل، صاحبِ کرامت اور دین کے مبلغ تھے۔ شریعت وطریقت کے آفتاب، حقیقت ومعرفت کے مہتاب تھے۔ سادات حسینی سے تھے، آپ کے دست مبارک پر بے شمار بندگانِ خدا نے کلمہ حق پڑھا۔ ہزاروں اشخاص نے بدعقیدگی سے توبہ کی۔ حلقہ ارادت میں جید علما وفضلا، ڈاکٹرس، انجینیرس اور وکلا داخل تھے، حیدرآباد کے علاوہ کرناٹک، رجستھان، کیرلا، تامل ناڈو اور آندھراپردیش کے بیشتر علاقوں میں آپ کے لاکھوں عقیدت منداور ارادت مند ہیں۔ آپ نے حیدرآباد میں تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت ودعوت وتبلیغ کے لیے جن اداروں کی داغ بیل ڈالی ان میں خانقاہ نوریہ، جامعہ الٰہیات نوریہ، نوری انڈسٹریز، نوریہ اورینٹل کالج، نوریہ ہائی اسکول، نوریہ جونیر کالج شامل ہے نیز تامل ناڈو، کیرلا، راجستھان، اجمیر

شریف ودیگر مقامات پر خانقاہیں تعمیر فرمائیں نیز ایک ماہنامہ رسالہ ”ترجمان جامعہ الہیات نوریہ“ بھی جاری کیا۔ آپ کے دینی ودعوتی مشن کو آپ کے جانشین جاری رکھے ہوئے ہیں۔(۲۱)

آندھرا میں اشاعت وتبلیغ کی تحریک: کرنول شہر حیدرآباد کے جنوب میں کوئی دوسو کلومیٹر کے فاصلہ پر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر کو عرف عام میں ”باون اولیا کا دیس“ کہا جاتا ہے، یہاں تین سو پینسٹھ سے زیادہ مساجد ہیں، جنوبی ہند میں اسلامی تعلیمات اور تہذیب وثقافت کے فروغ میں اس شہر کا ناقابلِ فراموش حصہ ہے۔ ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کی ترویج ۱۴۸۲ء میں اچھ سے شروع ہوئی۔ ۱۷ویں صدی میں اس کے سربراہ حضرت محمد میاں میر علیہ الرحمہ تھے جو دارشکوہ کے بھی پیر تھے۔

پیران پیر غوث اعظم کی اولاد میں سات صاحبزادے اشاعت اسلام کے لیے بغداد سے دکن پہنچے۔ ان کو ”سبعہ سیارہ“ کہا جاتا ہے۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری لا اُبالی علیہ الرحمہ پیران پیر کی ۱۵ویں پشت سے تعلق رکھتے تھے، تبلیغ دین کے عظیم مقصد کے ساتھ بیجاپور، حیدرآباد اور عالم پو رہوتے ہوئے کرنول تشریف فرما ہوئے۔ حضرت میراں حسینی بغدادی علیہ الرحمہ جو حضرت لا ابالی علیہ الرحمہ کے ہمراہ تھے۔ حیدرآباد میں سکونت اختیار کی جہاں ان کا مزار لنگر حوض میں واقع ہے۔

ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی رقم طراز ہیں کہ، وجے نگر خاندان (کرنول) کے آخری گورنر راجہ گوپال کی راج کماری سانپ ڈسنے سے فوت ہوگئی تھی۔ اس کو حضرت سید شاہ عبداللطیف لا اُبالی الحیدری علیہ الرحمہ نے زندہ فرمایا اور یہ کرامت دیکھ کر بے شمار لوگ مسلمان ہوگیے۔(۲۲)

گویا حضرت نے راج کماری کو ہی زندہ نہیں کیا بلکہ اسلام کو ایک نئی زندگی بخشی۔ کرنول کو آپ نے اپنا مستقل وطن بنالیا اور ساری زندگی اسلام کے لیے وقف کردی۔ رائل سیما جیسے سنگلاخ علاقے میں موسم، علاقہ زبان اور تہذیب کوئی چیز اسلام کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بن سکی اور آپ کے فیض سے شہر کرنول میں اشاعت اسلام ہوئی۔(۲۳)

اس کے علاوہ حضرت غوث اعظم کے ایک صاحبزادے حضرت شاہ اسحٰق ثناءاللہ قادری علیہ الرحمہ (میاں شاہ قادری) کا مزار تنگ بھدراندی کے کنارے مرجع خلائق ہے۔ یہ حضرت پہلے کنگن پور میں اشاعت اسلام کے لیے تشریف لائے اور یہیں رہ گیے۔(۲۴)

مذہب اور کلچر: جنوبی ہند کی دعوتی سرگرمیوں کے ضمن میں یہ نکتہ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اسلام ہندوستان میں اپنی ہمہ گیری، مساوات، توحید اور سادگی کی وجہ سے بہت جلد پھیلنے لگا، مبلغین اسلام دوسرے معنوں میں صوفیہ کرام نے یہاں کے کلچر کی ان تمام خصوصیات کو جو اسلام کے خلاف نہ تھیں قبول کیا۔ آگے چل کر اسی کلچر کو مذہب میں دخل اندازی سمجھتے ہوتے کئی اسلام پسند لوگوں نے اعتراض کیا حالاں کہ مذہب اور کلچر دونوں علاحدہ چیزیں ہیں۔ صوفیہ کے زیر اثر جاہل پیر اور جاہل مرید اسی کلچر ہی کو اصل مذہب قرار دینے لگے جس سے اسلام اور عقیدہ اسلام کو ٹھیس پہنچی۔ اس میں قصور صوفیہ کا نہیں بلکہ صوفیہ کے نام پر اپنی دکان چمکانے والے جاہل پیروں کا ہے۔

مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے جنوبی ہند کے مختلف تبلیغی دوروں کو تمام کرکے آستانہ لا ابالی میں تین دن چلہ کشی کی اور نمایاں کرامت وروحانی فیضان کا گہرا نقش ثبت ہونے کے بعد حسب ذیل چار مصرعے بطور عقیدت پیش کیے تھے جو روضہ لا ابالی کی مغربی دیوار میں نصب ہیں۔

حریم آں لطیفِ لا ابالی   بہ کرنول است لا یزالی
خوشا مہماں نوازِ ماغریباں   جزاک اللہ ربی ذوالجلالی

حضرت فی الحال شاہ قادری علیہ الرحمہ: دکن کے صوفیہ کرام میں حضرت فی الحال شاہ قادری علیہ الرحمہ صاحب قلم وحامل مسند رشد وہدایت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت کرنول میں ہوئی، آپ کو حضرت خواجہ نورالدین چشتی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت چشتیہ کی نعمت حاصل تھی۔ آپ نے اپنی فارسی مثنوی ”مرأۃ السالکین“ میں اپنے مقام ولادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ مولود من شہر کنول ہست
چہ باک از عدو را مقبول ہست

حضرت فی الحال شاہ قادری علیہ الرحمہ کا زمانہ ولادت ۱۷۳۰ء سے ۱۷۳۵ء قرار پاتا ہے۔ آپ عربی فارسی اردو، فقہ، حدیث تفسیر، منطق، کلام اور عروض میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ ۱۲۱۲ھ میں آپ کا وصال ہوا، اپنے والد حضرت سید قدرت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

کے علاوہ حضرت شاہ معصوم بادشاہ چشتی، حضرت سید اسمٰعیل قادری، حضرت مولا مسکن علیہ الرحمہ حضرت خواجہ نورالدین چشتی فاروقی علیہ الرحمہ اور حضرت سید شاہ ظہیرالدین قادری علیہ الرحمہ کی شخصیات نے آپ کی شخصیت کے جوہر کو چمکا دیا تھا۔ مذکورہ صوفی بزرگوں سے پیدا ہونے والے ماحول نے کرنول کو بحرِ معرفت بنادیا تھا۔(۲۷)

حضرت معشوق ربانی کی دعوتی خدمات: جنوبی ہند کے صوبہ آندھراپردیش کا ضلع ورنگل تاریخی اہمیت کا حامل ہے جو کاکتیہ دور کی تہذیب اور قطب شاہی دور کے آثار و اولیائے کرام کے نورانی نفوس کو اپنی آغوش میں لیا ہوا ہے۔ حضرت سیدالاولیا غوث الثقلین کے جگر گوشہ عارفِ ربانی، کاشفِ اسرارِ نہانی، وارثِ علوم حقانی، حضرت سیدنا شاہ جلال عبدالرزاق قادری جمال البحر معشوق ربانی علیہ الرحمہ ان مشائخ میں سے ہیں جنھوں نے تبلیغِ دین کی خاطر اپنے وطن بغداد شریف کو وداع کیا اور بہ حکمِ رسالت مآب دکن کا رخ کیا۔ ۸۹۶ھ مطابق ۱۵۲۷عیسوی آپ کی ولادت بغداد شریف میں ہوئی اور دربارِ رسالت سے نوازشِ خسروانہ کا پروانہ لے کر آپ نے سرزمین ورنگل تشریف لاکر اس ظلمت کدے کو نورِ اسلام سے منور کیا۔ قلعہ ورنگل کے قریب ''عرس جاگیر'' میں سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کے افراد خانوادہ ہندوستان کے علاوہ، پاکستان، مشرق وسطی، آسٹریلیا، امریکہ و دیگر ممالک میں مقیم ہیں آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں منکرانِ اسلام مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بہ حوالہ مشکواۃ النبوت مولفہ حضرت غلام علی سوی۔ ۲۲ رجب ۹۹۹ھ ۸۱ سال کی عمر شریف میں آپ اپنے اصل مرکز نور سے جاملے۔ عہد قطب شاہی میں آپ کے مزار پر عظیم الشان گنبد تعمیر کیا گیا آپ کا ۴۵۲واں عرس شریف منعقد ہوا۔(۲۸)

سرزمین ویلور سے اسلام کی دعوت: اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۸۶ء اور ۱۶۸۷ء میں بالترتیب سلطنت بیجاپور اور عادل شاہی سلطنت کو ختم کرکے دہلی کی سلطنت میں شامل کرلیا تو کرناٹک کا یہ علاقہ (ویلور) بھی مرکزی حکومت کا حصہ بن گیا اور ذوالفقار علی خان کو اس کا صوبے دار بنادیا۔ ویلور جنوبی ہند میں صوبہ تمل ناڈو کا ایک اہم شہر اور علم وعرفان کا مرکز ہے۔ یہی شہر حضرت قطب ویلور سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ کا مولد و مسکن ہے۔ حضرت ممدوح کے پوتے خلیفہ حضرت شاہ محمد ولی اللہ قادری کا بیان ہے کہ قطب الاقطاب کے آٹھ لاکھ مرید اور چار سو خلفا تھے۔(۲۹)

حضرت قطب ویلور نے تعلیم و تدریس اور اصلاح وتزکیہ کے ساتھ ساتھ اُمتِ دعوت (غیر مسلم اقوام) کو اسلام کی جانب مائل اور راغب کرنے کی مہم شروع کی اور سب سے پہلے اربابِ حکومت کو اسلام کی صداقت و حقانیت کی جانب متوجہ فرمایا کہ لوگ **الناس علی دین ملو کھم** (لوگ اپنے بادشاہوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں) کے مصداق لوگ خود بخود حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں گے۔ چنانچہ حضرت ممدوح نے بزبانِ انگریزی اس وقت کی ملکۂ برطانیہ کو دعوت اسلام پیش فرمائی۔ شاہ عبدالحی حسنی اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں تحریر کرتے ہیں۔

''**بعث رسالة فی تلک اللغة الی ملکة النطیزایة یدعوھا الی الاسلام.** (۳۰)

حضرت والا کی اس مخلصانہ دعوت کے جواب میں کوئن وکٹوریہ نے اپنے جوابی مکتوب میں یہ اعتراف کیا کہ مذہب اسلام دین برحق ہے لیکن وہ چند وجوہ کے باعث اسلام قبول کرنے سے قاصر ہے۔(۳۱)

جنوبی ہند کے ممتاز محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد بشیر الحق قریشی کا بیان ہے کہ ''حضرت قطب ویلور کا انگریزی زبان میں تحریر کردہ دعوت اسلام کا مکتوب جو ملکۂ انگلستان کی خدمت میں پیش ہوا تھا تلاشِ بسیار کے باوجود راقم الحروف کو دستیاب نہ ہوسکا۔ البتہ ملکہ، وزرا، حکام اور اہلِ کتاب کے نام عربی زبان میں تحریر کردہ دعوت اسلام کا مکتوب ''مقالاتِ طریقت'' میں ثبت ہے''۔(۳۲)

قطبِ ویلور نے انگریزوں سے محاذ آرائی اور مقابلے کے بجائے دعوت اسلام کے مکاتیب روانہ کیے اور اندرون ملک بھی مختلف راجاؤں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش فرمائی۔ چنانچہ ۱۲۸۰ھ ایبارنگر، صبح کونگرد، کالیترونکٹ، تروندرم، کوچین اور مالابار کے حکمرانوں کی خدمت میں اپنے خلیفہ مولانا مولوی سید حفیظ الدین اور مولانا مولوی سید علی کے ذریعہ دعوتِ اسلام دی۔ مولانا شاہ عبداللہ کے نام تحریر کردہ ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں۔

''دو قطعہ دعوت نامہ یکے براجایاں، دوم بسائر مشرکاں ملفوف

اند۔ درجائے خالی الی الامیر ابن الامیر راجہ صاحب فلاں موضع نوشتہ نقول آں بر چھاپہ یا بکتابت کنانیدہ بواسطہ مردان لائق دعوت نامہا روانہ فرمانید"(۳۳)

آج سے تقریباً دوصدی پیشتر دعوت اسلام کی اہمیت وافادیت کے ساتھ مدعو اقوام کی زبان میں کارِ تبلیغ کے پس منظر میں حضرت قطب ویلور کی دور اندیشی کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس دور میں بھی پریس ومیڈیا کی اہمیت سے بخوبی واقف وآگاہ تھے۔ چنانچہ دعوت اسلام کے مکتوبات انگریزی، تلنگی، تمل، مراٹھی، راجپوتی اور دیگر علاقائی زبانوں میں شائع کرنے سے حضرت ممدوح کا یہ منشا تھا کہ حکومت وقت ہی اسلام کے زیر سایہ آجائے تو برصغیر کا سیاسی مسئلہ خود بخود حل ہوجائے گا اور برٹش گورنمنٹ غاصب ہند کے بجائے راعی ہند بن جائے گی۔ اس کے علاوہ حضرت قطب ویلور نے براہ راست عیسائیوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور انہی سے تقریباً تین سو تناقض پیش کیے۔ اوراسی کے لگ بھگ اعتراضات اوراشکالات پیش کیے جسے دیکھ کر عیسائی علما حیران رہ گیے۔(۳۴)

جنوبی ہند میں دعوت وتبلیغ اسلام کے سلسلے میں لسانی مسائل بھی سامنے آئے لیکن حضرت قطب ویلور نے اس کا حل یوں نکالا کہ انہوں نے بنفس نفیس انگریزی زبان باوجود کبرسنی کے سیکھی اور دعوتِ اسلام کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ مولانا حکیم عبدالحی رقم طراز ہیں:

"وھو تلقی اللغة الانکلیزیة فی کبر سنه و بعث رسالة تلک اللغة الی الملکة انکلترا ید ھوعا الی الاسلام"(۳۵)

حضرت قطبِ ویلور نے دعوت وتبلیغ کے لیے جو مکاتیب روانہ فرمائے تھے ان میں سے عربی مکتوب کا ترجمہ قارئین کی معلومات میں اضافے کے لیے یہاں پیش کیا جاتا ہے:

ملکہ برطانیہ، وزرا اور عیسائی عوام کے نام دعوت اسلام کا مکتوب

ترجمہ مکتوب: تمام تعریفات اللہ تعالی کے لیے ہیں جس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر اس کے لیے اعضائے جوارح اور ایک روشن قلب عطا کیا اور دنیا میں جس شخص کو چاہا سلطنت وحکومت عطا کی اور انسان کے قلب اور جسم کی پرورش وتربیت کا نظام قائم کیا۔ اس کے جسم کی تربیت کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے لیے اور اس کے مویشیوں اور جانوروں کے لیے زمین سے غلہ، انگور، سبزیاں، زیتون، کھجور، گھنے باغ، میوہ اور چارہ اُگایا اور اس کی روح اور قلب کی تربیت کے لیے رسولوں کو مبعوث کیا تاکہ اس کے رب اور اس کے خالق کی جانب راستہ دکھلا سکے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالی کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے بندے اور رسول ہیں اللہ تعالی نے ان کی تائید اور توثیق معجزات کے ذریعہ کی تاکہ رسالت ونبوت کے دعوے میں جھوٹے اور سچے الگ الگ ہوجائیں اور جھوٹے مدعیان نبوت کی حقیت کھل سکے اور یہ حضراتِ پیغمبران معبود اور الٰہ نہیں ہیں۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی جانب سے معجزات لے کر آئے تھے اور آپ مٹی سے پرندے کی مورت بناتے اور اس میں پھونکتے تو وہ پرندہ اللہ تعالی کے حکم سے زندہ ہوجاتا تھا اور حضرت عیسی مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردیتے تھے لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالی کے حکم اور اس کی قدرت سے ہوتا تھا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی فعل اور تصرف نہ تھا۔ جس طرح حضرت موسی علیہ السلام نے دریا کو چیر دیا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کے دوٹکڑے کر لیے تھے اور یہ سارے انبیائے کرام دنیا میں معجزات اور کتابوں کے ساتھ تشریف لائے اور سب نے یہی کہا، بے شک اللہ تعالی ہمارا اور تمہارا رب ہے لہٰذا تم سب اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھی راہ ہے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے، پھر کیوں کر حضرت عیسی علیہ السلام رب اور معبود ہوسکتے ہیں؟

اے ملکہ! حضرت عیسی علیہ السلام ایک بندۂ مغلوب یہود تھے اور اللہ تعالی ہر چیز پر غالب ہے۔ لہٰذا ایک مغلوب انسان کیوں کر معبود اور الہ ہوسکتا ہے؟

اے ملکہ! آدمی اپنے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے ماخوذ ہوتا ہے دوسرے کے جرم میں گرفتار نہیں ہوسکتا اور کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا تو پھر اللہ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو ان کی اُمت کے عوض کیسے ماخوذ کیا اور ان کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کیا؟

اے ملکہ! کسی بے گناہ آدمی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلے میں گرفتار کرنا اور اسے سزا دینا یہ تو ایک کھلا ہوا ظلم ہے اور اللہ تعالی تو عدل وانصاف والا ہے پھر بھلا وہ کیسے ظالم ہوگا؟ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے پاک وصاف ہے اور بلندو بالا ہے جو کفار کہتے ہیں۔

اے ملکہ! حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک بزرگ نبی (بزرگ نبی سے مراد حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی جیسا کہ انجیل متی کے تیسرے باب میں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی موجودگی میں نبی بنا کر بھیجے گیے تھے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسی علیہ السلام کے لیے کیسے ہوسکتی ہے؟

اے ملکہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں جتنے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے اور کسی نے بھی خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو کس طرح زمانہ مدت دراز تک ناصح اور امین پیغمبر سے خالی رہے گا؟

ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ یقیناً اور تحقیقاً نبی ہیں اور سارے انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گیے ہیں، لہٰذا وہی خاتم الانبیا ہیں۔ کیوں کہ ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا لہٰذا آپ ہی نبی مبشر، پیغمبر موعود اور خاتم الانبیا کیوں کر نہیں ہوں گے؟

اے ملکہ! بے شک عاملوں اور سفیروں کا انکار کرنا بادشاہ کا انکار کرنا ہے اور اس سے بغاوت کی نشانی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار بھی کفر ہے اور اسی طرح اللہ کے نبی خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے محفوظ رکھے جو انکار کرتے ہیں۔

اے ملکہ! بے شک بغاوت آفتوں کے لیے سبب ہے، اسی طرح کفر بھی عذاب کے لیے سبب ہے اور یقیناً بادشاہوں اور ان کے عاملوں کی اطاعت میں امن وسلامتی ہے اور فرماں برداروں کے چین وسکون میں کوئی خلل نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے میں امن وسلامتی اور راحت ونجات ہے اور بادشاہ کی سلطنت میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔

اے ملکہ! مال ودولت اور حکومت وسلطنت زوال پذیر اور سم قاتل ہے۔ بادشاہت ڈھلنے والا ایک سایہ ہے اور حکومت کسی بھی وقت کسی بھی حادثے کی وجہ سے ختم ہوجاتی ہے یا وارث کی وجہ سے چلی جاتی ہے۔ لہٰذا تم حکومت کی حقیقت سے آگاہ ہوجاؤ اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ موت یقینی ہے، برزخ حق ہے، مرنے کے بعد زندگی حق ہے، حساب حق ہے اور جنت ودوزخ حق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالی تمام ظاہر وباطن کا جاننے والا ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالی سے خوف کرو، اسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہاری پرورش کی ہے اور اسی نے تم کو حکومت عطا کی ہے۔ اور اسی ذات وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اور حساب وکتاب اور عفوودرگزر اور عتاب وعقاب یہ سب اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بے شک وہی بخشنے والا ہے اور بلاشبہ اس کی گرفت بڑی سخت ہے اور یقیناً اس کا عذاب بڑا دردناک ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالی کے ساتھ کسی مخلوق کو معبود اور مسجود نہ ٹھہراؤ کیوں کہ وہ ملامت کیا ہوا اور راندہ کیا ہوا دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

اے ملکہ! اہلِ کتاب عقل وفہم رکھتے ہوئے بھی مخلوق کی پرستش کیوں کررہے ہیں اور خالق کو کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ اور کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا رہے ہیں؟ اور حق کو چھپا رہے ہیں؟ حالاں کہ یہ سب کچھ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔

اے ملکہ! میں اہل کتاب کی خدمت میں صرف یہی ایک بات عرض کروں گا کہ ایک ایسی حقیقت کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ تعالی کے سوا کسی کو بھی معبود نہ ٹھہرائیں اور اگر تم اس روشن حقیقت سے پھر جاؤ تو گواہ رہو کہ ہم موحد ہیں۔

اے ملکہ! میں تم کو اللہ تعالی اور اس کی توحید کی طرف بلا رہا ہوں، اگر تم اسلام قبول کرو تو سلامت رہوگی اور تم کو دوگنا اجر ملے گا۔ ایک تمہارے مسلمان ہونے کا اجر اور دوسرا تمہاری رعایا کے مسلمان ہونے کا اجر بھی تم کو ملے گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس کا گناہ اور تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہارے ہی سر رہے گا۔

اے ملکہ! بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس امر خیر میں تمہارے لیے فلاح ونجات اور اپنے لیے اجر وثواب کے علاوہ اور

کوئی مقصد نہیں رکھتا ہوں۔ ہدایت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اور میں اس معاملہ میں اسی کی ذات پر اعتماد کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

اے ملکہ! میں تمہیں اسلام کی دعوت دینے میں تمہاری ذات سے کوئی امید وآرزو اور کوئی دنیاوی منفعت کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ میری اس نیکی کا بدلہ رب العالمین پر ہے۔

اے ملکہ! میں کوئی نبی اور رسول نہیں ہوں، لیکن میں اپنے جدِامجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہوں اور اس عمل کے ذریعے میں اپنی آخرت سنوارنا چاہتا ہوں۔

دعوتِ اسلام کا یہ مکتوب محی الدین وارثِ خاتم النبیین کی طرف سے ملکہ انگلستان اور اس کے وزرا وحکام اور تمام عیسائیوں کی خدمت میں پیش ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام کو قبول اسلام کی ہدایت عطا فرمائے اور ان کو گمراہی وفساد سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین واله الطیبین واصحابه الطاهرین. (۳۶)

خلفائے قطب ویلور کی دعوتی کاوشیں: حضرت قطب ویلور کے تیار کردہ تعلیمی وتربیتی خاکے کے مطابق ان کے صاحبزادے شمس العلما مولانا رکن الدین قادری نے ۱۸۸۴ء میں ''دار العلوم لطیفیہ'' کی تشکیل جدید اور حضرت قطب ویلور کے خلیفہ رشید مولانا شاہ عبدالوہاب قادری نے اپنے مرشد کے ایما پر ۱۸۸۳ء میں ویلور میں مدرسہ'' باقیات الصالحات'' قائم کیا۔ اس کے بعد جنوب کی سرزمین پر متعدد مدارس وجود پذیر ہوئے، جو آج بھی افرادسازی کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

کرناٹک میں اعلائے کلمۃ الحق: ۱۸۵۷ء میں جب کہ اسلام دشمن طاقتوں نے مذہب اسلام کے خلاف پوری طاقت جھونک دی تھی ان سازشوں کے خلاف علمائے حقانی وصلحائے ربانی کا مورچہ ہر وقت ڈٹا رہا مجاہد ملت حضرت سیدنا شاہ محمد ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ کا تعلق جنوبی ہند کے ایسے ہی مخلص ودرمند داعیوں میں ہوتا ہے۔ یہ حضرت ملا محمد عرف ملا محمد شاہ قادری علیہ الرحمہ کے چشم وچراغ ہیں جو علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے شانہ بشانہ انگریزی سرکار کی بیخ کنی میں مصروف کار تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا نیز مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے شیخ طریقت تھے ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ ہو کر آپ جنوبی ہند کے صوبہ کرناٹک کے اکثر شہروں ہبلی، بیلگام، دھارواڑ بانگل میں فروغ اسلام وتبلیغ دین متین کے ساتھ انگریزی سامراج کے زیر سایہ فروغ پانے والے عقائد باطلہ کا بھی دندان شکن جواب اپنی تصانیف جواہر العرفان، راہِ سلوک، ثبوتِ سماع موتی، تفہیمات کلمہ کی کل کے ذریعہ دیا بالخصوص انگریزوں کی پیدا کردہ وپروردہ غلام احمد قادیانی کی تحریک احمدیہ کی جڑواں تحریک، تحریک صدیق چن بسوویشور، جس نے ہندوازم اور اسلام کے عقائد کے امتزاج کے ساتھ ایک انوکھے نظریہ کو پیش کیا، جس کو قبول کر کے نہ مسلمان، مسلمان رہے نہ ہندو ہندو رہے، اس تحریک کو نیست ونابود کرنے والوں میں آپ کا اسم گرامی سرفہرست ہے نیز شہر ہبلی میں انجمن اسلام، نامی ایک ادارہ کی داغ بیل ڈالی اور دھاڑواڑ کے صدر بازار میں ایک عظیم الشان ''مدنی مسجد''، تعمیر فرمائی۔ ۱۹۲۵ء میں آپ کا وصال ہوا۔ (۳۷)

رائچور میں اسلامی تحریک: فیروزنگر عرف رائچور صوبہ کرناٹک کا اہم شہر ہے اس سرزمین پر احیائے اسلام کی تحریکیں جاری رہیں اور صوفیہ کرام نے اس دیار کے باشندوں کو اسلام کے چشمہ صافی سے سیراب کیا چنانچہ حضرت غوث الافاق تاجدار بغدا درحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر دعوت اسلام کے لیے ہندوستان بالخصوص جنوبی ہند کی طرف تشریف لانے والے صوفیان باصفا میں حضرت السید محمد حسینی الملقب بہ نور دریا'' ولد حضرت سید پیارے حسینی علیہ الرحمہ شامل ہیں، حماہ ملک شام میں آپ کی پیدائش ۹۸۱ھ یا ۹۸۵ھ ہوئی۔ اپنے والد گرامی قدر سے سلسلہ قادریہ کی نعمت پائی اور حضرت امین الدین علی اعلیٰ شیر خدا رحمہ اللہ سے سلسلہ چشتیہ کا فیض حاصل کیا، حماہ سے ہندوستان میں آرکاٹ، بیجاپور سے ۱۵۲ اولیائے کرام کے ہمراہ آپ کا قافلہ رائچور روانہ ہوا۔ راستہ میں جادوگروں سے مقابلہ کر کے انہیں شکست دی اور کئی کفار ومشرکین کو زیر کیا۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے محمد شاہ حاکم نواب نے رائچور کے قلعے کو فتح کر لیا اور اس طرح آپ کی ذات بابرکات سے رائچور کی سرزمین پر دین اسلام کا دوبارہ احیا عمل میں آیا۔ ۱۱؍ذی قعدہ ۱۰۸۵ھ آپ کا وصال ہوا۔ آستانہ مرجع خلائق ہے۔ (۳۸)

آرکاٹ میں دعوت وتبلیغ کی ضیاباریاں: جنوبی ہند کا علاقہ آرکاٹ تاریخی ودینی اعتبار سے بڑا مردم خیز علاقہ ہے یہاں سینکڑوں صوفیہ کرام آرام فرما رہے ہیں جن کے فیضانِ ظاہری وباطنی نے تامل ناڈو،

مدراس کو بھی خوب خوب فیضیاب کیا۔ نیلور بھی اسی علاقہ سے تعلق رکھتا ہے، رحمت آباد اسی نیلور میں واقع ہے، رحمت آباد دعوت وتبلیغ کا ایک عظیم مرکز مانا جاتا ہے اسی سرزمین پر سرآمد اولیائے جنوبی ہند حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ قدس سرہٗ (ولادت مجمع الفضائل ۱۰۵۰ء) اور ۱۱۹۵ھ (فاجتبه ربه فجعله من الصلحين) بہ عمر ۹۵ سال جوار رحمت میں نزول کیا۔ آپ عہد آصف جاہی میں توران افغانستان سے والد کے ہمراہ تشریف لائے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد جو مسلسل سیاسی خلفشار برپا رہا، اس میں بزرگان دین اپنے وقتوں میں سیاست سے دور رہتے ہوئے امت کے اندر دین کو سنبھالا۔ انہیں میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ بھی شامل ہیں۔ ۱۷۴۸ء میں آپ نے رحمت آباد میں ایک خانقاہ اور ''مدینہ مسجد'' تعمیر فرمائی تاکہ دعوت وتبلیغ کے کام کو مستقل بنیادوں پر جاری رکھا جائے آپ کی سیرت وسوانح پر دو کتابیں بحر رحمت اور ''عقیدت الطالبین'' ملتی ہیں جن میں آپ کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ مغل بادشاہ روشن اختر کے صاحبزادے احمد شاہ کے دہلی آنے کی دعوت پر آپ نے لکھا کہ ''خود کو شریعت بیضا پر ثابت قدم رکھ کر اپنے ہر دینی اور دنیوی عمل کو حضرت محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے دین اسلام کے موافق بنالو تو گویا تم نے تمام بزرگوں اور فقرا کی زیارت کر لی۔ اس میں دونوں جہاں کی بھلائی ہے'' آپ نے عورتوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک منظوم رسالہ ''تنبیہ النساء'' دکنی زبان میں لکھا۔

حضرت خواجہ اپنے قول سے کم اور اپنے عمل سے زیادہ دعوت وتبلیغ باندازِ حکمت فرمایا کرتے تھے جو آپ کا خاص وصف تھا۔(۳۹)

شاہ رفیع الدین قندھاری کی دعوتی جدوجہد: جنوبی ہند کے علاقہ مہاراشٹرا کے ضلع قندھار کو قدرت نے باعتبار علم وفضل ودعوت الی اللہ بڑا زرخیز بنایا ہے یہاں قطب الاقطاب حضرت مولانا حاجی سعید الدین المعروف حاجی سیاح سرور مخدوم قدس اللہ تعالی سرہ العزیز، حضرت سانگڑے سلطان مشکل آسان رحمہ اللہ اور افضل المتاخرین، فخر المحدثین حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستیاں آسودہ ہیں حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کو علم ظاہر وعلم وباطن میں زبردست کمال حاصل تھا۔ آپ کو ''مولانا'' کا لقب اساتذہ سے ملا۔

علم ان کی نگاہوں کا محتاج توجہ ہے
سرکار جسے چاہیں مولانا بناتے ہیں

اور ''مولوی'' کا لقب آپ کے پیر روشن ضمیر حضرت سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملا۔ آپ کی ذات مجمع السلاسل ہی نہیں مجمع الکمالات بھی تھی۔ جید صوفی ہی نہیں بلکہ علامہ بھی محدث بھی تھے۔ شیخ طریقت ہی نہیں بلکہ شیخ شریعت بھی تھے۔ شیخ الشیوخ شیخ الکاملین اور استاذ المحدثین بھی تھے۔ مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران آپ نے اپنا درس حدیث جاری فرمایا۔ علامہ نبہانی مصنف ''الوسائل الوصول فی شمائل الرسول'' نے آپ ہی کے سلسلہ کی سند حدیث حاصل کی۔ علمائے فرنگی محل میں مولانا عبدالباقی مہاجر بھی اسی سند کے حامل رہے۔ آپ کا طریقہ دعوت وتبلیغ دین اس قدر متاثر کن اور قریب الفہم تھا کہ لاکھوں افراد دین وایمان اور شریعت وطریقت کی تعلیمات سے فیضیاب ہوئے۔ مملکتِ آصفیہ کے نامور امرا و وزرا جیسے شمس الامرا، رفعت جنگ، معظم الدولہ معظم الملک، اقتدار الملک، عمدۃ الملک سب آپ کے حلقۂ ارادت میں تھے۔ آپ نے اپنی تصانیف انوار القندہار، تذکرہ نوبہار، راحت الانفاس، رسالۂ اجازت نامہ جات وظائف الصالحین، رسالۂ چشتیہ، رسالۂ نقشبندیہ، تحفۃ البدیع کے ذریعے بھی اشاعت ودعوت کا کام انجام دیا آپ کے بعد آپ کی اولادِ امجاد اور خلفائے کرام نے آپ کے مشن کو فروغ دیا حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ نظامیہ آپ ہی کے پڑنواسے ہوتے ہیں۔(۳۶)

جنوبی ہند کے صوفیہ کرام کا یہ ایک نامکمل دعوتی منظر نامہ ہے یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

الغرض جنوبی ہند میں صوفیہ کرام نے جن خانقاہوں کی بنیادوں کو استوار کیا تھا یہ دراصل دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کے ایسے مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں جہاں بڑے بڑے گناہکار، عصیاں شعار، طغیاں سے ہم کنار اپنے رب کی بارگاہ سے راہِ فرار اختیار کیے انسان جب وہاں کے پاکیزہ ماحول، صالحین کی صحبت اور ان کے عمدہ اسلوب تذکیر کی کوششوں سے متاثر ہوکر رجوع الی اللہ ہوجایا کرتے تھے ان کا باطن شر سے خیر کی مائل ہوجاتا اور ان صوفیہ کے قلوب صافی کا ایسا انعکاس ہوتا کہ کوئی غیر مسلم ہوتا تو کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں پہنچ جاتا۔ عصیان ونافرمانی میں ڈوبا ہوا ہوتا تو صدق دل سے تائب ہوکر حق کی راہ پر گامزن ہوتا درحقیقت ان صلحائے امت نے ان الحسنات يذهبن السيئات (پ۱۲ سورۂ

ھود۔ ۱۱۴) سے یہی موعظت حاصل کی تھی کہ نیکی اور حسنِ سلوک کا طریقہ اختیار کر کے انسانوں کی برائیوں اور خرابیوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ اوران کے اندر نیکی کا حسن پیدا کیا جاسکتا ہے۔ زمانہ نبوت سے دوری اور قربِ قیامت کے اس دور میں صوفیہ کی تعلیمات اور طریقۂ دعوت وتبلیغ کی شدید ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ ان تعلیمات کو خوشنما الفاظ کا جامہ پہنا کر صرف ساعت کی تسکین کا سامان ہو، مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا قلم کی روشنائی سے الفاظ کے موتی قرطاس پر بکھیرے جائیں، دردمندی وخونِ جگر کا کچھ حصہ اس روشنائی میں شامل نہ ہو تو یہ الفاظ کے موتی بے قیمت ثابت ہوسکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) القرآن الحکیم، پ۱۴، سورۃ النمل، آیت ۔۱۲۵

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مرج البحرین، ص، ۵۲، طبع ثانی، لکھنو۔۱۸۹۷ء

(۳) ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، صوفیائے کرام اور قومی یکجہتی، ص، ۲۷، ناشر ادارہ روزنامہ سیاست، حیدرآباد ۱۹۹۷ء

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار

(۵) پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت

(۶) شاہانِ بے تاج، ص، ۲۰، محترمہ وحیدہ نسیم مکتبہ آصفیہ، کراچی ۱۹۸۸ء

(۷) شاہانِ بے تاج ص، ۱۸، وحیدہ نسیم، ناشر: مکتبہ آصفیہ، کراچی، ۱۹۸۸ء

(۸) شاہانِ بے تاج، ص۔۳۱۔ وحیدہ نسیم۔ ناشر، مکتبہ آصفیہ، کراچی، ۱۹۸۸ء

(۹) شاہانِ بے تاج، ص۲۰۲ وحیدہ نسیم، ناشر، مکتبہ آصفیہ کراچی ۱۹۸۸

(۱۰) ہندوستان کے سلاطین علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص، ۲۲۵۔ ۲۲۶، سید صباح الدین عبدالرحمٰن معارف پریس، اعظم گڈھ، ۱۹۷۰ء

(۱۱) ہندوستان کے سلاطین علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص۲۲۹۔ ۲۳۰ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے، معارف پریس اعظم گڈھ ۱۹۷۰

(۱۲) حیات شیخ الاسلام ص ۸، ۹ شاہ محمد فصیح الدین نظامی، ناشر مجلس محبان شیخ الاسلام، سکندرآباد بموقع ۹۰ سالہ جشن شیخ الاسلام ۲۰۰۸ء

(۱۳) سید محمد قطب شاہی عہد کے چند بزرگانِ دین۔ مشمولہ دبستان گولکنڈہ، مرتبہ، ڈاکٹر محمد علی اثر، صفحہ ۲۹۶

(۱۴) سالنامہ الانصار ص ۴۵۔۴۶۔ مدیر جناب اسد ثنائی ناشر الانصار اکیڈمی، حیدرآباد ۲۰۰۲ء

(۱۵) اشاعت اسلام میں دکن کے صوفیہ کرام کا حصہ، (مقالہ) پروفیسر عبدالحمید اکبر، خانقاہِ عالیہ رضویہ مغل پورہ حیدرآباد، جون ۲۰۰۸ء

(۱۶) حضرت مولانا محمد انوار اللہ فاروقی شخصیت علمی وادبی کارنامے، ص (ق) ڈاکٹر عبدالحمید اکبر: ناشر مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد ۲۰۰۰ء

(۱۷) مرقع انوار، ص، ۶۲۳، ۶۲۴، ۲۰۰۷ء ناشر: مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد)

(۱۸) فکر ونظر، ص، ۳۴۸ (خصوصی شمارہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ) ادارہ تحقیقات اسلام، بین المذہبی یونیورسٹی اسلام آباد اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء

(۱۹) فکر ونظر، ص، ۳۴۸ (خصوصی شمارہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ) ادارہ تحقیقات اسلام، بین المذہبی یونیورسٹی اسلام آباد اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء،

(۲۰) خانوادہ حضرت محبوب اللہ کی علمی وادبی خدمات (تحقیقی مقالہ) ڈاکٹر سید غوث علی سعید، عثمانیہ یونیورسٹی

(۲۱) ترجمان جامعۃ الہیات نوریہ (نور المشائخ نمبر) نومبر دسمبر، ۱۹۹۰ء مرتب، مولانا عرفان اللہ شاہ نوری

(۲۲) بحوالہ لطائف اللطیف، سید شاہ غلام علی قادری، بحوالہ عرفانِ لطیف، ڈاکٹر سلطان معین الدین حسینی، لا ابالی اکیڈمی کرنول۔

(۲۳) عرفانِ لطیف ص ۱۸۔ ۱۹ ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی، لا ابالی اکیڈمی، کرنول، آندھراپردیش ۱۹۹۹ء

(۲۴) عرفانِ لطیف ص ۴۵۔ ۴۶ ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی، لا ابالی اکیڈمی، کرنول آندھراپردیش ۱۹۹۹ء

(۲۵) عرفانِ لطیف ص ۴۴۔ ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی، لا ابالی اکیڈمی، کرنول آندھراپردیش ۱۹۹۹ء

(۲۶) دکنی کلیات حضرت شاہ فی الحال کی تنقیدی تدوین، ص، ۲۶، ڈاکٹر وحید کوثر، صفدر پبلی کیشنز ادونی آندھراپردیش ۲۰۰۶

(۲۷) دکنی کلیات حضرت شاہ فی الحال کی تنقیدی تدوین، ص، ۲۶، ڈاکٹر وحید کوثر، صفدر پبلی کیشنز ادونی آندھراپردیش ۲۰۰۶

(۲۸) روزنامہ رہنمائے دکن، ۲۵ جولائی ۲۰۰۸ء، ایڈیٹر، سید وقار الدین قادری، حیدرآباد دکن۔

(۲۹) (بحوالہ جواہر العرفان ص ا بحوالہ عرفان لطیف، ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی لا ابالی اکیڈمی کرنول، ۱۹۹۹ء

(۳۰) نزہۃ الخواطر ج ۷، ص، ۳۱۷، مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۰۹ء

(۳۱) بحوالہ سالنامہ اللطیف، ص، ۱۳۲، ۱۳۸۹

(۳۲) حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفا کے علمی وادبی کارنامے، ص ۱۵۳، ۱۵۴، ڈاکٹر محمد بشیر الحق قریشی، ناشر: اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، ویلور، مدراس

(۳۳) مکتوباتِ لطیفی (قلمی مخطوطہ) بحوالہ: حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفا کے علمی وادبی کارنامے صفحہ ۱۶۱۔ ڈاکٹر محمد بشیر الحق قریشی مطبوعہ ۲۰۰۴ء

(۳۴) مولانا عبدالحئی بنگلوری، مثنوی مطلع النور، اللطیف سلور جوبلی نمبر، ص ۸۹۔

(۳۵) نزہۃ الخواطر، ص۷ ۳۱۷۔ عبدالحئی حسنی، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد۔ ۱۹۵۹ء

(۳۶) حضرت قطب ویلور اوران کے خلفا کے علمی وادبی کارنامے ڈاکٹر محمد بشیر الحق قریشی اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن ویلور، ۲۰۰۴

(۳۷) تفہیمات کلمہ کی کل، ص، ۹۹۔ ۱۰۰، حضرت شاہ محمد ولی اللہ قادری، کرناٹک۔ ۲۰۰۷ء

(۳۸) انوار قادریہ تذکرہ اولیائے رائچور بحوالہ: انوار حرم، ڈاکٹر سید شاہ تاج الدین احمد قادری رصدرنگ پبلی کیشنز بنگلور، ۲۰۰۳ء

(۳۹) عقیدت الطالبین، شاہ نظام الدین قادری رمترجم خواجہ صفی اللہ قدیری، مطبوعہ مئی ۲۰۰۳ء

(۴۰) تلخیص، انوار الرفیع ص ۷۔ ۱۵، قاری شاہ محمد شجاع الدین فاروقی القادری، دائرہ پریس حیدرآباد، ۱۹۸۵ء

(۴۱) ترجمہ اردو ثمرات المکیۃ، ص ۳۔ مترجم: ڈاکٹر محمد عارف الدین شاہ قادری ملتانی۔ مئی ۲۰۰۵ء

☆☆☆☆

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا اندازِ دعوت و تبلیغ

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ★

مؤرخ ہندوستان مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

''برستا بادل جس کے چھینٹے عرب و عجم پر چھا گئے، چمکتا آفتاب، جس کی روشنی مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔ ظاہری اور باطنی علوم کا جامع، پوشیدہ اور چھپے خزانوں کے خازن''

برستا بادل، چمکتا آفتاب، علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور چھپے خزانوں کے خازن، یہ کون بزرگ ہیں، جی، تو یہ وہی بزرگ ہستی ہیں، جن کے بارے میں حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا تھا ؎

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں ہے سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے کیا جس کو بر وقت خبردار

جی ہاں! تو وہ کون سی بزرگ اولوالعزم آفاقی شخصیت ہے، جو برستا بادل ہے، چمکتا آفتاب ہے، علم شریعت وطریقت کا جامع ہے، پوشیدہ خزانوں کے خازن و امین ہے۔ وہ کون ہے جو زیر فلک مطلع انوار ہے، جس کی لحد کی خاک سے ستارے شرمسار ہیں۔ وہ کون ہے جس کی گردن جہاں گیر بادشاہ کے آگے سرنگوں نہ ہوئی۔ جس کی گرمیِ لہو سے حریت پسندوں کی رگ حمیت میں تپش اور سوزش ہے۔ وہ کون ہے؟ جو اسلامیانِ ہند کا نگہبان و پاسبان ہے اور ملت اسلامیہ کی کشتی ڈوبنے سے بال بال بچ گئی۔

جی! کشتیِ ملت کے وہ ناخدا تھے شیخ احمد سرہندی۔ وہ مجدد الفِ ثانی تھے، امامِ ربانی تھے، شیخ الاسلام والمسلمین تھے، امامِ اہلِ سُنّت تھے، مفکر اہلِ سنت تھے، شریعت وطریقت کا ملتقی البحرین تھے، مجمع الصفات والکمالات تھے، منبع الفضائل والبرکات تھے، وہ بے تاج تھا، تاجدار نہ تھا مگر تاجداروں کے تاجوں کے خم کو خمیدہ کر کے چھوڑ دیا، حکمرانِ وقت کے غرور کو توڑ کر رکھ دیا، نہ جلال الدین کے جلال کو خاطر میں لایا، نہ جہانگیر کی شوکت کو پاس پھٹکنے دیا، وہ صوفی تھا، حکمراں تو نہ تھا کہ لشکر وسپاہ ہوتا۔ مگر چشمِ فلک نے دیکھا کہ شاہی کروفر اور شاہی سپاہ کی ساری سطوت وشوکت تاش کے پتوں کی طرح کیسے بکھر کر رہ گئی اور ایک گلیم پوش مجدد وقت کی حکمت وتدبیر نے ملت اسلامیہ ہند کی آبرو قائم وبحال کر کے رکھ دی۔ حضرت امام ربانی کی سوانحی جھلک یہ ہے۔

امام ربانی سرہند ضلع پٹیالہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش ۱۴ر شوال ۹۷۱ھ/۱۶ر مئی ۱۵۶۴ء ہے۔ سرہند کا قدیم نام سہرند تھا۔ کثرت استعمال سے سرہند ہوگیا۔ اسے ۱۰۱۱ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے فتح کیا تھا۔ حضرت امام ربانی کا نسب ۳۱ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ حضرت امام ربانی کے اجداد کا اصل وطن مدینہ منورہ تھا پھر ان کا خاندان وہاں سے منتقل ہوکر شہر کابل افغانستان میں آکر سکونت پذیر ہوا۔ حضرت امام ربانی کے جدِّ سادس (چھٹے دادا) جن کا نام امام رفیع الدین تھا۔ یہی جد سادس کابل سے ہندوستان منتقل ہوئے۔ یہ آٹھویں صدی ہجری اور چودھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا اور فیروز شاہ کی حکومت تھی۔ شیخ رفیع الدین نے پہلے سنام میں قیام کیا، پھر سرہند میں سکونت اختیار کی۔

حضرت امام ربانی کی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد سے سرہند میں ہوئی بعد میں سیال کوٹ، کشمیر، جون پور اور آگرہ میں ہوئی۔

والد گرامی کے علاوہ مولانا کمال الدین کشمیری، شیخ یعقوب صرفی کشمیری، قاضی بیلول بدخشانی معروف اساتذہ ہیں۔ تکمیل تعلیم ۱۷برس کی عمر میں ہوئی۔ والد ماجد شیخ عبدالاحد سرہندی، سکندر شاہ کھیتلی قادری، شیخ یعقوب صرفی کبروی اور حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی نے تصوف وسلوک اور روحانیت ومعرفت کی راہ میں تربیت فرمائی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کا اصل وطن بھی افغانستان ہی ہے جنہوں نے دہلی آکر رشد وہدایت کی مسند بچھائی اور امام ربانی جیسے بطل جلیل کی شخصی وروحانی تشکیل وتعمیر میں زبردست حصہ لیا۔

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ ایک داعی تھے، مگر پرسوز، مبلغ تھے مگر مخلص اور مجدد وقت تھے، مگر دردمند۔ امام ربانی علیہ الرحمہ کا جوانداز دعوت وتبلیغ تھا، وہ انتہائی حکیمانہ، ہمدردانہ اور مصلحانہ تھا، جارحانہ مخالفانہ یا معاندانہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعوت کے مخاطب جہاں عام لوگ تھے وہیں حکمرانِ وقت بھی تھے، بلکہ ایسے ہیں، جوخیر خواہی اور بہی خواہی ان کی وضع میں ہی داخل اور شامل ہے، داعی اور مبلغ جب اپنی دعوت وتبلیغ کا نشانہ خود اپنی ذات کو بناتا ہے اور اس کے تمام لوازم ومقتضیات کو پوری کرتا ہے، تو یہی دعوت وتبلیغ سب سے زیادہ اثر انداز اور اثر پذیر ہوتی ہے۔ داعی کا دل اور زبان جب داعیانہ اوصاف سے متصف ہو تو اس کے اثرات ہمہ گیر ہوتے ہیں، اس اعتبار سے دیکھا جائے، تو حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات ہمیں علمی کمال دکھائی دیتی ہے۔ وہ دور جس میں آپ نے اپنی دعوت اور اصلاحی مشن کا آغاز فرمایا، مختلف النوع خرافات ورسومات کا مجموعہ تھا۔ دین خطرے میں تھا۔ دیندار افراد خطرے میں تھے۔ سب سے بڑھ کر خطرہ اس میں تھا جو اگر حق کی آواز بلند کرتا اس کے مال ہی نہیں اولاً جان کو ہی خطرہ تھا۔ ایسے پر خطر ماحول میں حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے وہ اسلوب اپنایا، وہ طریقہ اختیار فرمایا، جو مزاج دعوت واصلاح کے عین مطابق تھا، یہی اسلوب وانداز ایسا تیر بہ ہدف ثابت ہوا کہ پھر دنیا دیکھتی رہ گئی اور پھر امام ربانی علیہ الرحمہ کی ذات اور خدمات عالمی مبلغین کی صف میں اعلیٰ درجہ کی حق دار قرار پائیں اور عالمی مفکرین ومصلحین نے ان کے انداز دعوت سے روشنی حاصل کی۔

حضرت امام ربانی کے زمانے سے پہلے شریعت اور طریقت دو الگ الگ خاندانوں میں منقسم ہو چکی تھیں۔ جدا جدا راہیں اختیار کر چکی تھیں اور یہ نتیجہ تھا ان کچے صوفیوں کا یا متصوفین کا، جنہوں نے یہ اصلاح گڑھی تھی کہ شریعت نام ہے، صرف ظواہر کی پابندی کا اور تصوف وطریقت نام ہے، غیر اسلامی فلسفہ واحکام اور اوہام وخرافات کا۔ اس طرح دونوں میں بُعدِ مشرقین پیدا ہو گیا تھا۔ ایسی ناگفتہ بہ حالات میں حضرت مجدد الف ثانی کا کمال یہ تھا کہ اس قسم کے تمام طبع زاد نظریات کو مسترد کیا۔ اس مہم میں بھی آپ نے انتہائی حکیمانہ اور عالمانہ طریقۂ کار اپنایا۔ غیر اسلامی تصوف جو شاید ایرانی تصوف کا چربہ تھا نہایت تدبر اور بصیرت سے عام لوگوں کے ذہنوں سے دور کیا۔ شریعت مطہرہ اور تصوف پاکیزہ کے بارے میں فرمایا، دونوں دراصل ایک ہی منبع کے دو دھاریں ہیں، بظاہر دو نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں دونوں کی اصل اور سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی ہی کا جگر تھا، جو یہ کارنامہ انجام دیا۔

انقلاب دو طرح سے آتا ہے ایک تو وہی دنیاوی انقلاب یا مادّی انقلاب، جو انتہائی بے دردی، خوں ریزی، ظلم وبربریت اور قتل وگارت گیری سے آتا ہے، جس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہ مزاج حکومت وحکمرانی کے عین مطابق ہوتا ہے لیکن انقلاب وہ ہوتا ہے، جو خالص دینی اور روحانی ہوتا ہے۔ یہ انقلاب دینی بصیرت چاہتا ہے، مومنانہ فراست چاہتا ہے، ایثار نفس چاہتا ہے، تب جا کر اسلامی انقلاب برپا ہوتا ہے، خزاں رسیدہ ہو چکا شاداب ہوتا ہے۔ جلال الدین اکبر کی غیر اسلامی حرکتوں سے اسلام کا چمن خزاں رسیدہ ہو چکا تھا، مگر اس عالم میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے ایک بوند بہائے بغیر ایسا انقلاب لایا کہ چشم فلک نے اس دور میں ویسا دوسرا انقلاب نہیں دیکھا اور جہاں گیر کے دور میں وہ انقلاب کا آفتاب سوا نیزے پر تھا۔

یہ خاموش انقلاب یوں ہی رونما نہیں ہوا اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دینی پڑیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے یہ انقلاب نہایت

حکمت و دانائی سے برپا کیا اور بتدریج برپا کیا کہ پورا معاشرہ جو غیر اسلامی اور غیر شرعی افکار ونظریات کی آماجگاہ بن چکا تھا، وہ کیسے دھیرے دھیرے اسلام کے مرکز کی طرف پھر سے واپس آگیا۔ اس کے لئے حضرت مجدد الف ثانی کو بڑی مشقتیں جھیلنی پڑیں، تکالیف شاقہ اٹھائیں، گھر بار چھوڑا، وطن سے بے وطن ہوئے، جبراً لشکر شاہی میں زندگی گذاری، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، مگر ایک ظالم بادشاہ کے آگے سر نہ جھکایا۔ آپ تن تنہا تھے، نحیف ونزار تھے، بے سپاہ تھے، مگر اکبر اور جہانگیر کے پہلوان آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ بلکہ بادشاہ کا سر جو غرور سے چور تھا، وہ ضرور جھکتا نظر آیا۔

حکومت وقت کی کڑی نگرانی تھی، سازش تھی جاسوسی تھی، قید وبند کے مصائب تھے مگر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ایک لمحہ بھی اپنے فرض منصبی سے پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ جو کچھ بھی روڑا بن کر راستے میں آیا، اسے ہٹادیا۔ آپ کا دعوتی مشن ہی کچھ ایسا غیر محسوس تھا جس کی خوشبو پھیلتی چلی گئی اور یہ ظاہر ہے، کہ کوئی آج تک خوشبو مقید نہیں کرسکا ہے۔ آپ کی دعوت وتحریک جو خالص دینی واسلامی تھی، حکومتِ وقت کی ہزار کوششوں کے باوجود بڑھتی اور پھیلتی چلی گئی۔ یہ آپ کی داعیانہ شخصیت کی اثر آفرینی تھی اور آپ کے دعوتی خطوط ومکتوبات کی اثر پذیری تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے معاصر علماومشائخ رفتہ رفتہ آپ کی تحریک سے جڑتے چلے گئے، حکومت وقت کے وزرا واُمرا آپ کے گرد جمع ہوتے اور متوجہ ہوتے چلے گئے۔

آپ کا انداز دعوت یہ تھا کہ سب سے پہلے آپ نے تو صالحین ومصاحبین کی ایک جماعت تیار کی اور انہیں ملک کے اطراف واکناف میں پھیلا دیا، مگر انہیں اپنے خطوط ومراسلات سے ہدایت وتلقین کرتے رہے، انہیں اس بات کی تاکید وہدایت فرمائی کہ عوام کی اصلاح کی جائے۔ ان کے اندر دینی جذبہ اور دینی بیداری لائی جائے اور عوامی رائے عامہ ہموار کر کے حکمران وقت پر دباؤ بنادیا جائے، تاکہ یہی رائے عامہ اُمرا و وزرائے حکومت کو صراط مستقیم سے ہٹنے نہ دے اور راہِ راست پر گامزن کردے۔ غیر محسوس طریقے پر حکومت میں دخیل افراد کو اس بات پر ابھارا جائے کہ بادشاہ جیسے بھی ہو اسلامی تعلیمات پر چلے، چاہے وہ طوعاً ہو یا کرہاً ہو۔ بادشاہ اپنے آپ کو آزاد اور مطلق العنان نہ سمجھے بلکہ وہ شریعت اسلامیہ کا پابند ہو اور شرعی احکام کے نفاذ پر مجبور بھی ہو۔ یہ آپ کی دردمندانہ کوشش تھی، جس کے نتائج سامنے آئے اور جیسے جیسے حکومت بدلتی گئی۔ شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہوتا گیا۔

جلال الدین اکبر کے دور حکومت کا یہ حال تھا کہ اکبر نے ایک نیا دین ایجاد کیا جو 'دین الٰہی' کے نام سے موسم تھا۔ اکبر کے اس حد تک پہنچنے میں علمائے سوء ہی کی کارستانی اور چپقلش تھی، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، بہرکیف موٹی موٹی قباحتیں یہ تھیں۔

- ......کلمہ طیبہ میں 'محمد رسول اللہ' کی جگہ 'اکبر خلیفۃ اللہ' پڑھا جاتا تھا۔
- ......گائے کی قربانی پر پابندی لگادی گئی تھی۔
- ......شراب کی حرمت ختم کردی گئی اور شراب عام کردی گئی۔
- ......جلال الدین اکبر نے علماء کرام کو بالجبر شراب پلوائی۔
- ......پردے پر پابندی لگادی گئی اور مسلم عورتیں بے حجاب ہوگئیں۔
- ......زمین بوسی کے نام سے سجدے کو جائز قرار دیا گیا۔
- ......چاہے عالم ہو یا عالی انسان سب بادشاہ کے آگے سجدہ ریز ہونے لگے۔
- ......بہت سی مسجدیں ڈھادی گئیں اور مدارس اسلامیہ مسمار کردیئے گئے۔
- ......داڑھیوں پر پابندی لگادی گئی اور خواص وعوام داڑھیاں نکلوانے لگے۔
- ......اسلامی شعائر کا کھلے عام مذاق اڑایا جانے لگا۔

یہ اور اس طرح کی نہ جانے کتنی قباحتیں اور دین سوز حرکتیں عام ہوگئیں۔ مگر اس طوفانِ بدتمیزی کے آگے حضرت مجدد الف ثانی ہی تھے، جو سینہ سپر ہوکر اس طوفان کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی کا ہی عظیم کارنامہ تھا، جو دین کے چہرہ پر ایک غیر اسلامی دھبہ بھی رہنے نہ دیا اور دین کو خالص دین کی صورت میں اسلامیانِ ہند کے سامنے پیش کیا۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

شعیب الاولیا حضرت الشاہ محمد یار علی صاحب علیہ رحمۃ الباری

غلام عبد القادر رابع ⭑

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ جب شیطانی طاقتیں بھولے بھالے افرادانسانی کو گمراہ کرتی ہیں تو وہ علماوصوفیائے کرام کی جماعتوں کو پیدا فرماتا ہے جو اپنے براہین ودلائل اور اپنی روحانی طاقتوں سے ان شیاطین اوران کی ذریات کو مغلوب کر دیتی ہیں ان کے مکروفریب کے تارو پود کو بکھیر دیتی ہیں اس طرح بھٹکے ہوئے افرادانسانی راہ راست پر آجاتے ہیں اوران حضرات نے احیائے دین متین اور اشاعتِ اسلام میں بڑے بڑے مصائب برداشت کئے اور مخالف حالات کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا مگران کی ہمتیں پست نہیں ہوئیں بلکہ اپنی دُھن میں لگے رہے آخران کے مساعی جمیلہ کے نتائج اچھی صورت میں رونما ہوئے یہ انہیں حضرات کی کوششوں کے نتائج ہیں کہ اب تک دین اسلام کے جاننے اور ماننے والے موجود ہیں اوران مذاہب باطلہ کے دندان شکن جوابات دینے والے اور اپنی روحانی طاقتوں سے دین اسلام کی طرف گمراہوں کا رخ موڑنے والے علما، صلحاباقی ہیں ان حضرات کے ایمان اور علم وعمل کی قوت درجۂ کمال تک پہونچی ہوئی تھی اس لیےان کے تعلیم وتدریس اوران کے مواعظ میں کافی اثر تھا بلکہ ان کی ملاقات ان کی زیارت ان کے چہرۂ انور کا دیدار بھی ہدایت کا سبب بن جاتا تھا۔(ماہنامہ فیض الرسول جون ۷۶ء)

احکام شرعیہ سے ناواقفیت ایک مرض ہے اس کی مضرت جسمانی امراض سے کہیں زیادہ ہے۔کہا جاتا ہے جسمانی امراض کے اطبا خدمت خلق زیادہ کرتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے کہ ایمان کے ساتھ رضائے الٰہی مولیٰ کی نیت سے جو اطبا یہ خدمت انجام دیتے ہیں وہ آخرت میں بڑے ثواب کے مستحق ہیں اس اعتبار سے روحانی علاج کرنے والے روحانی اطبا (علمائے اہل سنت وصوفیائے کرام) نے بہت زبردست خدمت خلق انجام دی۔ لہٰذا یہ لوگ بڑے ثواب کے مستحق ہوں گےان کی تعلیمی خدمات نے کروروں قلوب کی ویران دنیا کو آباد کر دیا، بے شمار مردہ دلوں کو زندہ کر دیا، یہ آسمان تعلیم وتدریس کے تابندہ ستارے ہیں جن کی ضیا باریوں سے لاکھوں ظلمت کدے تاباں وددرخشاں ہو گئے، ان لوگوں نے اگر امرا واغنیا سے تعلقات استوار کئے تو دنیاوی جاہ وعزت حاصل کرنے کے لیےان سے سہولتیں مہیا کرائیں اور مدارس دینیہ اور خانقاہوں کو ترقی دینے کے لیے ان کو خادم اور معاون بنایا، اغنیا وغربا دونوں جماعتوں کے ساتھ ان کا تعلق محض رضائے مولیٰ کے لیے تھا۔(ماہنامہ فیض الرسول جون ۷۶ء)

صوفیائے کرام وعلمائے عظام کی دعوت اعلائے کلمۃ اللہ کا یہ کرشمہ ہے کہ ہندو پاک کے ہزار ہا باشندے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں کے اسلامی سلاطین نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ یہ لوگ دوسری اصلاحات میں لگے رہے اس کمی کو اولیائے کرام وعلمائے اسلام نے پورا کیا۔ ان حضرات میں مشائخین قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ ، نقشبندیہ، پیش پیش رہے، آخری عہد کے صوفیوں میں شیخ الاولیا شیخ المشائخ خواجہ صوفی شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی بھی نمایاں نظر آتی ہے آپ نے بوریہ نشینی کے باوجود عوام کو اصلاحات کی دینی تعلیم دلوائی، مسجدیں بنوائی۔ خانقاہ تعمیر کروائی، دارالعلوم فیض الرسول کی بنیاد ڈالی۔

زہے مسجد و مدرسہ خانقاہے
کہ دروے بود قیل وقال محمد (ﷺ) (ایضاً)

شیخ المشائخ حضرت صوفی شاہ الحاج محمد یار علی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کا شماران پاکباز نیک نفس اور تقویٰ شعار ہستیوں میں ہوتا ہے جن پر دنیائے سنیت کو بجا طور پر فخر و ناز ہے۔ شاہ صاحب نے زُہد وتقویٰ کی صبح وشام بسر کرنے کے لیے اپنی خواہشات نفس کو جس انداز میں قابو کر لیا تھا اس کی مثال اس دور میں نہایت ہی کم یاب ہے۔ محفل شریعت ہو یا منزل طریقت اپنے احتیاط وتقویٰ کا دامن کہیں بھی ہاتھوں سے نہیں جانے دیا اپنے نفس پر خدا کی عطا فرمودہ طاقتوں سے اس قدر اقتدار حاصل تھا کہ دیکھنے والے تصویر حیرت بن جاتے آپ کو اسلام کے احکام وفرائض کی ادائیگی اور معرفت وطریقت کے تقاضوں کا اس درجہ پاس واحترام تھا کہ اس مقابلہ میں دنیا کی عزیز سے عزیز ترین چیزوں کو بالکل ہی نظر انداز فرما دیتے تھے آپ نے اپنے روحانی بزرگوں اور حق پسند علمائے اہل سنت کی تربیت وتعلیم کی روشنی میں زندگی کی صبح وشام کا جو نظام الاوقات بنا لیا تھا اس پر حیات مستعار کی آخری گھڑیوں تک نہایت سختی کے ساتھ کاربند رہے۔ (فیضان اولیا مطبوعہ کانپور)

اسم شریف، القاب، سن پیدائش وتاریخ وفات، وشجرۂ نسب:

آپ کا اسم شریف ''محمد یار علی'' ہے اور آپ کا لقب شعیب الاولیاء وشیخ المشائخ'' تھا اہل علم کے طبقہ میں آپ انہیں القاب سے متعارف ہیں ۔آپ کی پیدائش کا سال ۱۳۰۷ھ ہے اور ۲۳ محرم ۱۳۸۷ھ مطابق ۴ رمئی ۱۹۶۷ء جمعرات کی شب میں ایک بج کر ۲۵ منٹ پر آپ کا انتقال ہوا اس حساب سے آپ کی عمر اسی ر ۸۰ سال ہوئی۔

آپ کا حلیہ مبارک: وجیہ وشکیل متوسط قد، چہرۂ مبارک گول، آفتابی رخسار، ابھری ہوئی پیشانی، فراخ روشن، بنی پرنور متوسط، سر مبارک متوسط، رنگ گورا، چشمان مبارک درمیانی، ریش مبارک مشروع گھنی اور گول جس کے اکثر بال سفید ہو چکے تھے کچھ سیاہ بال باقی رہ گئے تھے، دندان مبارک صاف وشفاف، دستہائے مبارک متوسط نرم ونازک، سینہ مبارک صاف اور فراخ، پائے اقدس متوسط نرم ونازک، جسم مبارک نرم وگداز قدرے فربہ، رفتار صوفیانہ، لباس ووضع میں سادگی، ہر بات میں بے ساختگی، خلوت وجلوت میں یکساں از سرتا بقدم ہر عضو موزوں، آواز شیریں، گفتگو متوسط آواز سے کرتے، آپ کا کلام مختصر مگر جامع، ہونٹوں پہ تبسم، چہرے پہ ترحم جب کسی سے خلاف شرع امر سرزد ہو جاتا تو اس کو آپ سرزنش فرماتے۔ الحب فی اللہ و البغض فی اللہ آپ کا شیوہ تھا۔

آپ کا لباس آپ کی وضع: سر پر سفید مخصوص صوفیائے کرام کی چار گوشوں والی ٹوپی۔ململ ادھی یا تنزیب کا سفید کرتا تقریباً نصف پنڈلی تک، لمبے کرتے پر کبھی صدری استعمال فرماتے کبھی بغیر صدری کے پیرہن ہی پہ اکتفا فرماتے۔ تہبند مخطط (دھاری دار) اور خانے بڑے بڑے، سفید لباس آپ کو مرغوب تھا، رومال مدراسی جوڑے دار یا سفید یا تنزیب کا پھولدار رومال استعمال فرماتے جب موسم سرما ہوتا تو آپ اونی جبہ پہن کر نماز کے لیے آتے پنج وقتہ فرائض نماز صافہ باندھ کر پڑھتے۔ صافہ عموماً سفید ہی استعمال فرماتے صرف ٹوپی پہن کر بغیر صافے کے فرض نہیں پڑھتے، نماز کے لیے کسی کو امام مقرر فرماتے تو آپ کی ہدایت کے سبب صافہ باندھ کر امامت کرتے۔ (ماہنامہ فیض الرسول ستمبر ۷۲ء)

استقامت وتصلب فی الدین: استقامت علی الدین وہ کٹھن منزل ہے کہ خود اسے حدیث میں فرمایا گیا کہ کا القابض علی الجمرۃ جیسے ہاتھوں میں چنگاری پکڑنے والا۔ خود اہل معاملہ عارفان خدا نے فرمایا: الاستقامۃ فوق الکرامۃ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے، استقامت وتصلب فی الدین حضرت شاہ محمد یار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر فضائل کا یہی سب سے درخشاں باب ہے۔ بستی اور گونڈہ دونوں اضلاع دیوبندیت اور غیر مقلدیت کے گڑھ ہیں لیکن مولیٰ عزوجل نے مذہب اہل سنت وجماعت کی حمایت وصیانت، نشر واشاعت کے لیے اسی خطہ کے ایک گمنام دیہات میں اس مرد حق آگاہ کو پیدا فرما دیا جس نے تنہا صرف اپنی روحانیت سے صرف اس علاقے میں سنیت کو وہ قوت عطا فرمائی کہ آج پورے ہندوستان میں

زائد اہل سنت کے دینی مدارس انہیں دو اضلاع میں ہیں حضرت شاہ صاحب قبلہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ انہوں نے ہمیشہ کھلم کھلا ردکو پسند فرمایا اور مہینوں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو لے کر اپنے مریدین میں بستی بستی وعظ وتقریر کے اجلاس مقرر کرائے یہ سلسلہ ایک دو دن ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ نہ رہا بلکہ برسوں قائم رہا۔ سخت سے سخت خطرناک موقع پر بھی ساتھ نہ چھوڑا جس زمانے میں حضرت شیر بیشۂ سنت پر بھدرسہ ضلع فیض آباد کے وہابیوں نے مقدمہ دائر کر رکھا تھا حضرت شاہ صاحب کو جب اس مقدمہ کی اطلاع ملی تو ایک خطیر رقم شیر بیشۂ سنت کو نذر کئے۔ آپ کے متصلب فی الدین ہونے کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب قبلہ پیلی بھیتی علیہ الرحمہ جو تصلب فی الدین اور استقامت کے پہاڑ شمار کئے جاتے ہیں برسوں آپ کی تعظیم واحترام فرماتے رہے اور حضرت شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی صاحب قبلہ شیخ الادب جو خود بھی بلند پایہ صاحب حال صوفی اور جلیل القدر سنی عالم دین تھے برسوں حاضر خدمت رہ کر حضرت موصوف الصدر کی قدم بوسی کرتے رہے اور مذکورہ دونوں بزرگوں سے خود میں نے (علامہ اعظمی علیہ الرحمہ) بلا واسطہ حضرت شیخ المشائخ کے فضائل ومناقب کا تذکرہ بار ہا سنا ہے اور آج بھی اس کے سینکڑوں مشاہد زندہ ہیں و کفیٰ باللہ شھیدا۔

اتباع شریعت: حضرت شاہ صاحب اتباع شریعت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے مجال نہیں کہ خلاف شرع کوئی امر سرزد ہو اور کسی کو خلاف شرع کوئی کام کرتے دیکھیں تو خاموش رہ جائیں نماز نہ صرف نماز بلکہ جماعت، نہ صرف جماعت بلکہ تکبیر اولیٰ کا اتنا اہتمام کہ پینتالیس برس تک کبھی سفر وحضر میں تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی بہت لمبے لمبے سفر حرمین طیبین کی حاضری بھی دی، بارہا بمبئی بھی گئے اور بیمار بھی رہے لیکن سفر ہو یا حضر، مسافرت ہو یا اقامت، ٹرین کا سفر ہے یا کسی اور سواری کا آپ کی کبھی نہ جماعت چھوٹی نہ تکبیر اولیٰ فوت ہوئی، سفر میں خصوصاً ٹرین اور بسوں کے لمبے سفروں میں صرف نماز پڑھنا دشوار ہوتا ہے چہ جائے کہ جماعت لیکن حضرت شاہ صاحب نے اپنے پینتالیس سالہ عمل سے ثابت کردیا کہ اگر انسان عزم محکم رکھے خود سستی اکاہلی نہ کرے تو جماعت وتکبیر اولیٰ کی پابندی متعذر نہیں حضرت شاہ صاحب کی یہ وہ خصوصیت ہے کہ اس میں وہ اس زمانہ میں وہ بلا شبہ منفرد ہیں اور یہ اتنا بڑا کمال ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہزار سالہ خلوت گزینی و چلہ کشی ہیچ ہے۔ حضور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاشف الاستار شریف میں فرمایا ہے کہ لوگ اشغال واذکار کے پیچھے رہتے ہیں سب سے بڑا ذکر ومجاہدہ نماز با جماعت ہے۔ اتباع شریعت ہی کا ثمرہ تھا کہ علمائے کرام آپ کے سامنے جھک گئے۔ موجودہ مشائخ اہلسنت میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے بعد جتنے علما شاہ صاحب سے مرید ہیں کسی اور کے نہیں۔

نماز با جماعت مع تکبیر اولیٰ کی پابندی کا پس منظر یوں ہے کہ حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ ایک بار حضرت (سیدنا شاہ عبد اللطیف علیہ الرحمہ مرشد اجازت) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رخصت ہوتے وقت حضرت نے آپ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا: میاں نماز تو نماز جماعت تو جماعت جب تکبیر اولیٰ نہ چھوٹے یہی نماز اللہ سے ملا دے گی۔

حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ کے لیے پتھر کی لکیر بن گئی۔ آپ کا تدین مثالی تھا حتی کہ جن حضرات کو آپ کا فیض محبت ملا ان کو بھی شعیب الاولیا کے خوانِ کرم سے دینداری کی مثالی دولت گراں مایہ نصیب ہوئی۔ علامہ بدر الدین احمد صاحب قبلہ رضوی علیہ الرحمہ کا اعتراف ہے کہ ''میں نے بفضلہ تعالیٰ گیارہ سال (۱۱) سال حضرت کی زندگی مبارکہ کا زمانہ پایا جس سے دین کی تربیت میں مجھے بہت کچھ مدد ملی۔''

آپ کا تواضع: آپ نرم خو، نرم دل منکسر المزاج تھے، متواضع صفت تھے، فروتنی تواضع آپ کے اندر جذبۂ کمال تک پہونچی ہوئی تھی کبھی مجمع عام میں فرماتے تھے کہ ''ہم گناہ گار سیاہ کار ہیں ہم

نے کچھ نہیں کیا آپ لوگ دعا کریں کہ آخرت میں نجات مل جائے ’’آپ اپنے گھر کے بچوں کو بھی تواضع کی تعلیم دیتے رہے اسی کا اثر ہے کہ آپ کے صاحبزادے مولوی صوفی محمد صدیق احمد صاحب بایں ہمہ عظیم الشان عہدۂ سجادہ نشیں کے عموماً سُنّی علما سے ملاقات کے وقت مصافحہ کے ساتھ ساتھ ان کی دست بوسی بھی کرتے اور آپ کے دوسرے صاحب زادے مولوی غلام عبدالقادر صاحب بھی بایں ہمہ علم وفضل سُنّی علما کی دست بوسی کرتے ہیں یہاں کے شہزادگان میں یہ تواضع حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمہ کی حسن تربیت کا اثر ہے۔

روحانی تصرف: شعیب الاولیا حضرت شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے روحانی تصرف کے واقعات وکرامات بے شمار ہیں جو آپ کے مقرب بارگاہ خدا ہونے پہ شاہد عدل ہیں مگر کسی بزرگ شخصیت میں کشف وکرامات دیکھنے سے پہلے اس میں اتباع شریعت، استقامت، تصلب فی الدین کی تلاش از بس ضروری ہے کیوں کہ در حقیقت وہی معیار بزرگی ہیں، اس معیار پہ حضرت شیخ المشائخ کی ذات والاصفات پوری طرح منطبق تھی اور وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ مرتاضان وخاصانِ خدا میں سے تھے لیکن جہاں تک کشف وکرامات کا تعلق ہے حضرت شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ میں اس کی بھی کمی نہیں حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی صاحب سربراہ شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور رقم طراز ہیں ’’خود میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ گزرا ہوا ہے کہ میں اسے سوائے کرامت وتصرف کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ابتدائے شوال ۸۵ھ میں مجھے بعض بے بنیاد خبریں ملیں تو میں نے یہ طے کرلیا کہ میں براؤں کبھی نہیں جاؤں گا اگر چہ تحقیق کے بعد یہ خبریں بالکل غلط ثابت ہوئیں اسی سال حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے بھی فیض الرسول کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی دعوت منظور فرمائی تھی جو کیم ذی قعدہ کو ہوا کرتا تھا حضرت کے کلمات سے ایسا ترشح ہوا کہ اس سفر میں کفش برداری کے لیے مجھی کو لے جانا چاہتے ہیں میں نے واقعہ عرض کر کے نہایت صفائی سے عرض کر دیا کہ میں براؤں نہیں جاؤں گا حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ سلطان وقت ہیں انہیں خدام کی کیا کمی؟ برادر محمد ناصر صاحب حضرت کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن عجب بات ہوئی کہ میں نے اپنی فطری تندمزاجی کی بنا پر یہ کہہ دیا تھا کہ براؤں نہیں جاؤں گا لیکن جب وہ وقت قریب آیا تو عجیب اضطراب پیدا ہو گیا اور دل کھچنے لگا مگر سنی ہوئی بات کا تقاضہ اور اپنی کہی ہوئی بات کا پاس کہ اب میں براؤں جانا بے غیرتی سمجھتا تھا لہٰذا ایک دفعہ منہ سے نکل گیا کہ میں تو نہ جاؤں گا شاہ صاحب، صاحب تصرف ہیں تو خود بلالیں۔ حضرت کی روانگی ۲۹؍شوال کی شب میں لکھنؤ ایکسپریس سے تھی جو تین بجے صبح بریلی سے چھوٹتی تھی۔ ناصر میاں تیار ہوگئے سامان لے کر عشا کے وقت ہی آ گئے اور اب میرے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں لیکن دو بجے روانگی کے وقت رکشہ آیا سامان زیادہ تھا اس لیے دو رکشے آئے ایک میں سامان کے ساتھ ناصر میاں بیٹھ گئے، دوسرے میں تنہا حضرت مفتی اعظم ہند بیٹھے میرا اسٹیشن بھی جانے کا ارادہ نہیں تھا لیکن حضرت کو رکشہ میں تنہا اسٹیشن جانا مجھے مناسب معلوم نہ ہوا میں حضرت کے ہمراہ رکشہ میں بیٹھ گیا اس نیت سے کہ گاڑی میں بیٹھا کر میں واپس چلا آؤں گا۔ ناصر میاں اچھے خاصے تندرست تھے جب ہم اسٹیشن پر پہونچے تو وہ کمر پکڑے ہوئے بے چین ہیں معلوم ہوا کہ درد گردہ ہو رہا ہے اب کیا کیا جائے وقت اب اتنا نہیں کہ کسی اور کو ساتھ کیا جائے مجھے خیال آیا کہ یہ اتفاقی بات نہیں بلکہ مجھے بلانے کا بہانہ ہے میں باوجود بے سروسامانی کے نہ بستر ہمراہ ہے اور نہ سوائے بدن کے اور کپڑے ہیں میں حضرت کے ہمراہ براؤں شریف آ گیا۔ ناصر میاں اسٹیشن ہی پر ایک صاحب کے حوالے کر دیئے گئے وہ انہیں صبح تک آرام سے رکھیں صبح کو گھر پہنچادیں صبح ہوتے ہی ناصر میاں کا درد کافور ہو گیا۔‘‘

بتایئے اسے میں سوائے کرامت کے اور کیا کہوں میرے محبّ ومخلص جناب مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم صاحب بھی گھر جاتے ہوئے ساتھ ہو گئے تھے۔ وہ ان سب باتوں کے چشم دید گواہ ہیں ان وجوہ کی بنا پر میں بلا جھجھک کہہ سکتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب کی ذات اس زمانے میں کبریت احمر سے بھی زیادہ قیمتی تھی آپ بلا شبہ مسند

ارشادوہدایت پر اسلاف کرام کے سچے جانشیں تھے۔

شیخ المشائخ کا عظیم کارنامہ دارالعلوم فیض الرسول کا قیام: علوم دینیہ کی نشرواشاعت سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی ۔ مدارس اسلامیہ کی ضرورت و اہمیت پر کافی زوردیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تعلیمی ادارے قائم کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اول اس لیے کہ شریعت کے بغیر طریقت نہیں حاصل ہوسکتی۔ دوسرے اس لیے کہ انبیاومرسلین صرف نماز روزے، اوراد وظائف ہی کے لیے دنیا میں نہیں تشریف لائے بلکہ عبادات واعمال کے ساتھ دینی تعلیمات کی اشاعت کے لیے بھی بھیجے گئے۔ نماز روزے اوراد ووظائف سے آدمی خود تو سنبھل سکتا ہے لیکن دوسروں کو سنبھالنے کے لیے علم دین کی ضرورت ہے۔''

اسی ضرورت کے تحت آپ نے اپنی خانقاہ میں دارالعلوم فیض الرسول کی بنیاد رکھی اور اپنی حیات ہی میں اسے پروان چڑھانے کی کامیاب جدوجہد کی۔ شیخ العلما علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ نے ایک بار عرض کیا کہ جس دارالعلوم کا افتتاح آپ نے کیا اس کا نام دارالعلوم فیض الرسول رکھا اس کا نام دارالعلوم یارعلویہ رکھا جاتا تو کیا حرج ؟ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''درس وتدریس کا یہ دینی ادارہ درحقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہی فیض ہے اس کا نام دارالعلوم فیض الرسول ہونا ہی مناسب ہے کہ اسم بامسمیٰ ہو جائے۔ اپنے نام ونمود کو دخل دینے سے اخلاص باقی نہیں رہتا اس سے حب جاہ، حب شہرت پیدا ہوتی ہے عجب وخود پسندی کا ظہور ہوتا ہے کبروغروراوررعونت کا تسلط ہوجاتا ہے یہ آفات وبلایا ہیں، تواضع نعمت ہے۔''

اوراسی جذبۂ اخلاص کی تاثیر تھی کہ جب شہزادۂ سرکاراعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان براؤں شریف تشریف لائے تو واپس ہوکر بریلی شریف سے اپنا درج ذیل تاثراتی مکتوب حضرت شیخ المشائخ کے نام ارسال فرمایا۔

''محبّ سنت مخلص مبلغ مذہب اہل سنت مسلک امام اہل سنت اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ جناب شاہ محمد یارعلی صاحب دام بالمواہب وحضرات مدرسین اساطین دین وجمیع اراکین وطلبا خدام ملت وطلبائے علوم شریعت وسلمهم وربهم وصانهم عن الشرور و الفتنة۔ وعليكم السلام ثم السلام عليكم رحمة الله وبركاته ۔''

طالب خیر بحمدہ تعالیٰ مع الخیر ۔ حضرت شاہ صاحب کی کرم فرمائیوں ان کے صاحبزادہ بلند اقبال کی عنایتوں اور مدرسین واراکین وطلبا وخدام مدرسہ فیض الرسول کی محبتوں کی یاد کو دل کی گہرائیوں میں لیے ہوئے وطن پہنچا فیض الرسول کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ یہ واقعی فیض الرسول ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم) مولائے کریم عزوجل اسے روز افزوں ترقیاں بخشے اوراس کے فیوض کو عام تر فرمائے، دل بہت مسرور ہوا، تعلیم اچھی، تربیت بہتر، سنیت کی تبلیغ، رضویت کی اشاعت، سنت کی ترویج کا جذبہ جو فیض الرسول میں پایا کہیں نہیں پایا۔ اس فقیر بے توقیر کا اعزاز واکرام نسبت اعلیٰ حضرت کے سبب فرمایا جو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا اور پھر یہ کہ بعض نے فرمایا کہ ہم کچھ خدمت نہ کر سکے طلبہ سے جو عہد لے کر داخل کیا جاتا ہے بعد فراغ وہ عہد سند میں لکھا ہوتا ہے جو طالب علم پڑھ کر اہل جلسہ کو سنا کر اس پر گواہ کر لیتا ہے یہ ایسی بے مثال چیز ہے جو اور سُنّی مدارس تو اور خود مرکز اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ کر سکا اس سے فقیر بہت زیادہ متأثر ہوا جگہ جگہ اس کا فقیر نے ذکر کیا، شاہ صاحب اور مدرسین کو ہر جگہ دعا کے ساتھ یاد کیا۔ والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا غفرلہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

(مکتوب بنام شیخ العلما، ماہنامہ فیض الرسول اگست ۱۹۶۶)

آپ نے دارالعلوم فیض الرسول کی بنیاد رکھی اوراس کی تعمیر

وترقی پر پوری توجہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی مدت میں یہ ادارہ اہل سنت کا مرکزی ادارہ بن گیا آج اس دارالعلوم اہل سنت کے وہ ممتاز علما خدمت درس پہ مامور ہیں جو علم وفضل ورع وتقویٰ وتصلب فی الدین میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں جس کی وجہ سے وہاں فارغ التحصیل علما کا ملک میں ایک خاص وقار ہے۔ یہ دینی درس گاہ حضرت کی حیات ظاہری میں آپ کی توجہ کامل سے اور اب آپ کی روحانی تصرفات سے ملک کے ان عظیم اداروں میں ایک ہے جن کی تعلیم وتربیت مثالی حیثیت رکھتی ہے بلکہ طلبہ کی پرورش وپرداخت اور مہمانوں کی ضیافت میں ''فیض الرسول'' کو اس خصوص میں بھی درجۂ امتیاز حاصل ہے۔ مجھے (مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی لکچرار طبیہ کالج دہلی اپنا واقعہ تحریر کرتے ہیں) اپنے دور طالب علمی کا ایک واقعہ ہمیشہ یاد رہے گا میں دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں متوسطات کا طالب علم تھا رمضان شریف کی تعطیل کلاس میں ایک طالب علم کسی ضرورت سے مبارکپور آئے اور مدرسہ میں قیام کیا اسی اثناء میں ایک قصباتی تہمد (تہ مند) پہنے ہوئے آ گیا جس کے بخیہ کی سلائی والا حصہ اوپر کو تھا مہمان طالب علم کی نظر پڑ گئی اور قصباتی کو شرعی مسئلہ سے آگاہ کرنے کو کہا قمیص تہمد وغیرہ کو الٹا پہننا مکروہ ہے اور استشہاداً کئی کتابوں کے نام گنا دئے، میں اس مسئلہ کو پوری کوشش کے بعد خالص تہذیبی نقطۂ نظر سے دیکھ رہا تھا اور حاصل وہی تھا جو مہمان طالب علم کا مقصود کلام تھا لیکن اس طرح مسائل کے جزئیات کی واقفیت کسی طالب علم کے اعلیٰ معیار کو ظاہر کرتی ہے یہ اسی درسگاہ کے طالب علم تھے جسے فیض الرسول کے نام سے ہر کہ ومہ جانتا ہے۔

اور فیض الرسول کے فیضان کی برکت ہے کہ بستی، گونڈہ، نیپال کے بارڈر سے لے کر اندرون نیپال تک علم کا اجالا ہی اجالا ہے، گاؤں گاؤں مدرسے مکاتب اور علمائے دین کی بہتات ہے۔ علاقائی وضلعی سطح سے بہت آگے دور، دور تک اندرون ملک فیض الرسول کا چشمۂ فیض جاری وساری ہے اور اب تو بیرون ملک بھی فیض الرسول کے فیض کا چشمۂ سیال لہریں لینے لگا ہے اللھم زد فزد۔ اس مرد خدامست کے اخلاص بے پایاں کا نتیجہ ہے کہ فیض الرسول آج اسلامی علوم کا شہر بن چکا ہے اپنی چند در چند امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہندوستان بھر میں وہ اپنی مثال آپ ہے، عوام تو دور رہے خواص کو بھی جانے دیجئے اخص المخصصین کا وہ طبقہ جن کی شخصیت آفاقی اور جن کے فکر ونظر پر سواد اعظم اہل سنت والجماعت کو اعتماد ہے ان کا اعتراف ورجوع اس بات کا غماز ہے کہ اس مرد خدا آگاہ کے اخلاص بے پایاں کی جڑیں بہت گہری ہیں اہل سنت کی یہ امتیازی شان رکھنے والی درسگاہ دینی، دعوتی خدمات کی ایک طویل دستاویز ہے یہ سچ کہ اس کا محل وقوع بعض معمولی دشواریوں اور پیچیدگیوں کا حامل ہے مگر اس سے بڑا سچ یہ ہے کہ شہر کی گہما گہمی اور نیرنگی تعلیم وتربیت میں سخت حارج ہوتی ہے جو قیام مدرسہ کا اولین مقصد ہے آپ نے اس خطہ دور افتادہ کو سارے ہندوستان کا مرجع ومرکز بنا دیا اور اس طرح علما کو خانقاہ سے اور عوام کو مدرسہ سے قریب ہونے اور فیض یاب ہونے کا موقع فراہم کیا۔

وصال: شعیب الاولیا شیخ المشائخ نے اپنی پوری زندگی خدمت دین اعلائے کلمۃ الحق اور روحانی فرائض کی بجا آوری میں بسر کرتے ہوئے ۲۲ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ مطابق ۴؍مئی ۱۹۶۷ء کا دن گزار کر شب میں ایک بج کر پندرہ منٹ پر نماز عشا باجماعت ادا کرنے کے بعد ایک بج کر پچیس منٹ پر مالک حقیقی سے وصال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ براؤں شریف میں آپ کا مزار پاک مرجع خلائق اور منبع فیوض وبرکات ہے اور ہر سال ۲۲ محرم کو آپ کا عرس نہایت اعلیٰ پیمانے پہ آپ کے فرزند خلیفہ وجانشین حضرت پیر طریقت علامہ غلام عبد القادر علوی صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ فیض الرسول وناظم اعلیٰ دارالعلوم کی نگرانی وانتظامیہ میں منایا جاتا ہے جس میں ملک وبیرون ملک کے ہزارہا ہزار لوگ شریک ہو کر اپنے رہنما کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اسی موقع پر آپ کی عظیم یادگار دارالعلوم فیض الرسول کے تاریخی اجلاس میں فارغ التحصیل علما وقرا وحفاظ کی رسم دستار بندی بھی ادا کی جاتی ہے۔

☆☆☆

باب پنجم

دعوت و تبلیغ میں علما کا کردار

اس باب میں وہ تحریریں شامل ہیں جو علمائے کرام کی دعوتی خدمات کے حوالے سے ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس باب کے ذیل میں رکھے گئے بعض علما، مشائخ کی صف میں شمار ہونے کے لائق ہیں، جی ہاں، آپ کا کہنا بجا ہے لیکن ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ دونوں باب کے دونوں پلڑے اوپر نیچے نہ ہوں بلکہ برابر ہوں۔ باتیں تو وہی ہیں جنہیں ہم مختلف کتابوں اور رسالوں میں پڑھ چکے ہیں، لیکن اس باب میں ان کو ایک جگہ کر دیا گیا ہے تا کہ الگ الگ جگہوں پر ہم کو مطالعے کے لیے دستک نہ دینا پڑے۔

تاج الفحول اور مسلکِ اہلسنّت کی حفاظت

محمد ہاشم اعظمی مصباحی ★

کہتے ہیں کہ علم اور دولت زیادہ عرصہ تک کسی ایک خاندان میں نہیں رہتی۔ ویسے تو یہ ایک مقولہ ہے لیکن ماضی کے جھرونکوں سے جھانک کر دیکھا جائے تو اس کی صداقت کے سیکڑوں مناظر نگاہوں کے سامنے آسکتے ہیں، کتنے شیخ الاسلام اور قاضی القضاۃ گزرے ہیں جن کی اولادیں آج نورِ علم وحکمت سے محرومی کے سبب جہالت کے قعر عمیق میں غرق ہو رہی ہیں، کتنے سلاطینِ زمانہ وسربراہانِ مملکت تھے جن کے جگر گوشے آج نان شبینہ کے لیے ترس رہے ہیں۔

ایسے سیکڑوں خاندانوں کے درمیان اگر کوئی ایسا خاندان نظر آئے جس میں کئی صدیوں سے علم وفضل، تقویٰ وطہارت، قضا وافتاء وراثت بن کر چلے آرہے ہوں تو بے ساختہ زبان پر چند خانوادوں میں ایک نمایاں نام خاندانِ عثمانیہ بدایوں شریف کا آئے گا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ قاضی القضاۃ حضرت قاضی دانیال قطری (قطر کے رہنے والے تھے م۶۳۰ھ) علیہ الرحمہ قطب الدین ایبک کی فوج کے ہمراہ قاضی عسکری بن کر ۵۹۹ھ میں ملک ہندوستان تشریف لائے اور بالآخر بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں آپ کو قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک قضاۃ وافتا علم وکمال حضرت قاضی دانیال علیہ الرحمہ کے خاندان کی میراث ہے۔ آپ کے خاندان کے بارے میں شرفِ ملت حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''یہ حقیقت حیرت انگیز ہے کہ قاضی دانیال قطری سے لے کر آج تک آٹھ سو سال کا طویل عرصہ اس طرح گزرا ہے کہ یہ عثمانی خانوادہ اربابِ علم وفضل اور اصحاب تقویٰ وطہارت ہستیوں سے کبھی خالی نہیں رہا۔ یہ وہ سرمایۂ صد افتخار ہے جس میں ہند وپاک کا کوئی خاندان اس خاندان کے مدمقابل دکھائی نہیں دیتا'' اسی عظیم خانوادہ کے چشم وچراغ علم وفضل کے عظیم تاجدار، درس وتدریس کے مشہور شہسوار، شریعت وطریقت کے روشن مینار، حضور تاج الفحول، محبّ رسول عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ ہیں۔ حضرت تاج الفحول دین کے پیشوا، علمائے عصر کے قائد ورہنما، اعلم علمائے زمانہ، غزالیِ دوراں، سُنّیت کی شناخت، تصلب واستقامت کے پیکر اور اپنے اسلاف کے سچے جانشین تھے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اے امام الہدیٰ محبّ رسول
دین کے مقتدا محبّ رسول
آج قائم ہے دم قدم سے تیرے
دین کی حق بنا محبّ رسول

اب ہم اپنی گفتگو کو کئی خانوں میں بانٹ دیتے ہیں:

(۱) ولادت باسعادت (۲) اسم گرامی (۳) سلسلۂ نسب (۴) تعلیم وتربیت (۵) درس وتدریس (۶) آپ کے تلامذہ (۷) بیعت وخلافت (۸) تاج الفحول امام احمد رضا کی نظر میں (۹) تحریکِ ندوہ اور اس کا سدّ باب (۱۰) رد روافض (۱۱) رد وہابیہ (۱۲) تصنیفاتِ تاج الفحول (۱۳) رحلت

(۱) **ولادت باسعادت:۔** حضرت تاج الفحول کی ولادت باسعادت ۱۷/رجب المرجب ۱۲۵۳ھ میں ہندوستان کے معروف ومقدس شہر مدینۃ الاولیا بدایوں، یوپی میں ہوئی۔ (۱) یہی وہ مقدس سرزمین ہے جس نے خلق خدا کو مستفیض ہونے کے لیے تاج الاصفیا حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا جیسا ولی کامل عطا کیا، یہی وہ شہر مقدس ہے جس کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں کہ ''اس شہر میں ایسے ایسے مقربین ایزدی اور مستجاب الدعوات محو استراحت ہیں کہ انسان

کیسی بھی مصیبت ودشوار گزار مرحلہ لے کران کی بارگاہوں میں اپنی جبین نیاز خم کرے تو اس کا شکستہ دل مسرور و بامراد ہو جائے گا‘‘۔

حضرت تاج الفحول کے ورودِ مسعود سے صرف اہل خانہ ہی کو مسرت نہ ہوئی بلکہ اولیا، صلحا، اقطاب، اوتاد اور تمام محبین ومتوسلین میں وجد وطرب کا ایک عظیم سماں رہا ہوگا، اس لیے کہ افضل العبید علامہ عبدالمجید کی آنکھوں کا نور دل کا سرور تھے، سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی کی روح کا سکون تھے، جو سراپا پیکر وفا، کرم کی گھٹا، دین کے مقتدیٰ تھے۔ ایسے پرمسرت موقع پرخوشی کے شادیانے بجانا اہلِ زمین کو اپنی فیروز بختی پر مسرور ہونا یقینی تھا۔ فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

سقم دل کی شفا محبّ رسول
چشم دیں کی صفا محبّ رسول
اے کرم کی گھٹا محبّ رسول
نور کا جبہ سا محبّ رسول

(۲)اسم گرامی:۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی عبدالقادر محبّ رسول تھا، تاریخی نام مظہر حق، تخلص فقیر قادری اور مشہور ومعروف لقب تاج الفحول، فقیر نواز ہے اور تاریخی لقب شیخ الاسلام فی الہند تھا۔(۲) جیسا کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عبدقادر نہ کیوں ہو نام کہ ہے　　ظل غوث الوریٰ محبّ رسول

(۳)سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلۂ نسب بتیس واسطوں سے منبع جود وسخا جامع القرآن، دامادِ رسول، خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔

آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ سیدنا ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس طرح سے آپ عثمانی کہلاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں ارشاد فرماتے ہیں:

شرم والے غنی کا بیٹا ہے　　کانِ جود وسخا محبّ رسول

(۴)تعلیم وتربیت: بچپن ہی سے آپ اربابِ علم وفن کی تربیت میں رہے، خصوصاً آپ کی تربیت ونشو نما فردِ کامل، قطب الوقت، افضل العبید حضرت علامہ عبدالمجید قدس سرہ العزیز کی آغوشِ محبت میں ہوئی حضرت جد اقدس نے زمانۂ تربیت ہی میں معرفت وطریقت، روحانیت وولایت کے اسرار ورموز ان کے سینے میں ودیعت فرما دیئے تھے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس کی تعلیم وتربیت ولی ابن ولی کی نگرانی میں ہو اس کی شخصیت کا کیا کہنا، لیکن اس کے باوجود آپ نے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ رسم بسم اللہ خانوادۂ عثمانیہ کے ایک بزرگ سید عین الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی اور ابتدا سے متوسطات تک کی کتابیں آپ کے عم محترم حضرت مولانا نور احمد صاحب نے پڑھائی اور تکمیل حضرت سیف اللہ المسلول کی خدمت اقدس میں رہ کر ہوئی، آپ نے چودہ سال کی عمر میں قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ، منطق وفلسفہ، نحو وصرف، بلاغت وفرائض، ادب وعروض، فتویٰ نویسی جیسے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ پر دسترس ومہارت حاصل کر لی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ کے دل میں علمی تشنگی باقی تھی جس کے لیے آپ نے تمام خاندانی وجاہت کو خیرآباد کہا اور مرکز علم وفن خیرآباد کی طرف کوچ کر گئے اور استاذ مطلق حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی درسگاہ علم میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور مختلف علوم وفنون کی تحصیل کی، علامہ فضل حق خیرآبادی آپ پر فخر کیا کرتے تھے۔

علامہ خیرآبادی اکثر فرمایا کرتے تھے ’’صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے وقتاً بعد وقت عصراً بعد عصر پیدا ہوتے ہیں اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ فرما کر فرماتے کہ یہ ہیں‘‘(۳)

درس وتدریس: علامہ فضل حق خیرآبادی کی خدمت سے واپس آنے کے بعد اہلِ سُنّت وجماعت کا قدیم ادارہ جو کہ آستانۂ عالیہ قادریہ بدایوں میں شمسی جامع مسجد عقب میں واقع ہے اسی مدرسہ قادریہ میں حضرت تاج الفحول نے درس وتدریس کے سلسلے کا آغاز فرمایا سیکڑوں تشنگان علوم نبویہ کو اپنے علوم ومعارف کے بحر بیکراں سے سیراب کیا طلبہ کا جم غفیر رہتا گروہ در گروہ متلاشیان علم وعمل کے کارواں وارد ہوتے رہتے۔ جیسا کہ مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری تحریر فرماتے ہیں:

مدرسہ قادریہ کی چہار دیواری کے اندر چاروں طرف سے متلاشیان حق آ کر شاہد مرام ہوتے اپنی نگاہوں نے دیکھے ہیں۔ کوئی ایسا ہی منحوس دن ہوتا ہوگا کہ دو چار علما وفضلا اور مشائخ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر علم وفضل اور برکات انوار سے مشرف نہ ہوتے ہوں۔(۴)

حضرت تاج الفحول دقیق لاینحل مسائل کو اپنے ناخن تدبیر سے لمحوں میں حل فرما دیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے علم وفضل، جودو طبع، افہام وتفہیم اور دلنشیں انداز کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا تھا اور ہر چہار دانگ عالم سے لوگ کشاں کشاں اس شہریار علم وکمال کی طرف چلے آرہے تھے تا کہ آپ کے انوار و معارف کے سمندر سے اکتساب فیض کرسکیں، ہندوستان کے علاوہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ سے بھی طالبان علوم نبویہ نے شدرحال کیا۔ آپ نے ایسی ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا کیں کہ زمانہ جن کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۶) **تلامذہ:**۔آپ کے تلامذہ کی فہرست تو بڑی طویل ہے لیکن مشاہیر تلامذہ کے اسما گرامی ''قیاس کن زگلستان من بہار مرا'' کے طور پر پیش کیے جارہے ہیں:

(۱)مولانا محبّ احمد بدایونی (۲)مولانا عبد الرزاق مکی (۳)مولانا فضل احمد بدایونی (۴)مولنا سید مصطفیٰ بغداد شریف (۵)مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی (۶)حافظ بخاری، حضرت مولنا سید شاہ عبدالصمد چشتی (۷)سرچشمۂ ہدایت حضرت مولانا سید حسین حیدر صاحب مارہروی (جدمکرم حضور احسن العلما) (۸)صاحب فیض ولایت حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب قندھاری (۹)صاحب رشدوہدایت حضرت مولنا عبد المقتدر بدایونی صاحب (۱۰)مولانا فضل مجید بدایونی (۱۱)مفتی حافظ بخش اللہ بدایونی (۱۲)مولانا سید ابوالقاسم حاجی اسمٰعیل حسن مارہروی علیہم الرحمہ۔(۵)

(۷) **بیعت وخلافت:** آپ کو اپنے والد گرامی حضور سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان سے بیعت وخلافت دونوں حاصل تھی۔ علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کے بعد حضرت سیف اللہ المسلول نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔ جمادی الآخری ۱۲۸۹ھ میں آپ کے والد بزرگوار کا وصال ہوا۔ ان کے بعد آپ نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ آپ کے دو صاحبزادے مطیع الرسول حضرت مولانا عبدالمقتدر اور حضرت مولانا عبدالقدیر رحمہما اللہ آپ کے بعد علی الترتیب مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔

(۸) **تاج الفحول امام احمد رضا کی نظر میں:** فاضل بریلوی اور فاضل بدایونی ہر ایک دوسرے کے علم وفضل، عظمت و بزرگی کے مداح ومعترف رہے ہیں۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں''جتنے اہل سُنّت ہیں سب اعلیٰ حضرت کے مداح بلکہ عاشق صادق، محبّ ومخلص ہیں اوران سب میں بالخصوص یہ چند حضرات، حضرت سیدنا سید شاہ ابو الحسن نوری میاں مارہروی، حضرت سیدنا شاہ اسمٰعیل حسن میاں مارہروی، حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی۔(۷) فاضل بریلوی بھی تاج الفحول سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے اس کا ثبوت ایک سو پانچ اشعار پر مشتمل اردو زبان میں قصیدۂ مبارکہ چراغ انس ہے۔ فاضل بریلوی کی عقیدت ومحبت تاج الفحول سے کئی وجھوں سے تھی۔

(۱) آپ نے امام احمد رضا کو مارہرہ مقدسہ لے جا کر حضرت سیدنا آل رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کروایا۔ اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے امام احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

اور تو اور شیخ تجھ سے ملا
اس سے بڑھ کر ہے کیا محبّ رسول
شیخ بھی کون حضرت آل رسول
خاتم الاولیا محبّ رسول

(۲) حضرت تاج الفحول کا صاحب علم وفضل اور صاحب النظر ہونا فاضل بریلوی فرماتے ہیں''ہندوستان میں میرے زمانۂ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول وفروع، عقائد وفقہ سب میں اعتماد کلی کی اجازت تھی اول اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد

قدس سرہ الماجد، دوم والاحضرت تاج الفحول محبّ رسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف، پچیس برس تک اس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی''۔(٦)

(٣) تیسری وجہ حضرت تاج الفحول صرف مسلک اہل سُنّت والجماعت پر پوری قوت سے کاربند ہی نہ تھے بلکہ خود معیار سُنّیت تھے۔امام احمد رضا فرماتے ہیں:

ٹھیک معیار سُنّیت ہے آج
تیری حب وولا محبّ رسول
سُنّیت سے پھرا ہدیٰ سے پھرا
اب جو تجھ سے پھرا محبّ رسول

چوتھی وجہ

شرم والے غنی کا بیٹا ہے
کان جود وحیا محبّ رسول

پانچویں وجہ: نسبت قادری بھی تھی۔وغیرہ

(٩) **تحریک ندوہ اوراس کا سد باب:** ١٣١١ھ/١٨٩٤ء میں کانپور میں مجلس ندوۃ العلما قائم کی گئی۔ اس مجلس کے بانیوں نے اہل سُنّت کے ساتھ شیعوں اور غیر مقلدوں کو بھی شامل کیا گیا۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ''اہلِ بدعت وفساد سے محبت اہم ترین فریضہ ہے اگر کوئی اس فریضے کو ترک کرے گا تو اس کا روزہ قبول نہ نماز بلکہ ایمان بھی قبول نہیں لہٰذا جنت بھی نہیں جائے گا۔ بالغ النظر علمائے اہل سُنّت نے بھانپ لیا کہ یہ اکبر کے دین الٰہی کی طرح ایمان کش تحریک ہے، متعلقین ندوہ سے جو سب سے بڑا خطرہ تھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنا ہر عمل اہل سُنّت کے نام پر ہی کر رہے تھے لہٰذا سُنّی سادہ لوح مسلمان کہیں ان کے فریب میں نہ آجائیں، امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ناظم ندوہ سید محمد علی مونگیری اور تحریک ندوہ کے صدر مولانا لطف اللہ علی گڑھی کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بات بنتے دکھائی نہ دی، اس لیے مجدد اعظم نے بھی اپنے ہم خیال علما کی ایک غیر رسمی جمعیت بنالی جس کی قیادت اس دور کے معروف فاضل حضرت تاج الفحول نے فرمائی خود امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:''ہندوستان کے اطراف سے علمائے اہل سُنّت نے تحریک ندوہ کا رد کیا جن کے مقتدا حضرت مصنف کے صاحبزادے محبّ رسول تاج الفحول خاتمۃ المحققین مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی تھے''۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ حضرت تاج الفحول کی شخصیت اس وقت کے متبحر علما ومشائخ زمانہ کے نزدیک مسلم تھی اسی وجہ سے حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن نوری میاں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ''ہمارے دور میں حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کی محبت سُنّیت کی شناخت ہے، ہرگز کوئی بدمذہب ان سے محبت نہ رکھے گا''۔(٨)

تاج الفحول نے مفاسدِ ندوہ کو سرد کرنے کے لیے تحریری وتقریری ہر محاذ سے بھرپور مردانہ وار کیا اور شرعی اعتبار سے فتاوے بھی صادر فرمائے جس پر دیگر معاصر علمائے اہل سُنّت اور مفتیان عظام نے تصدیق وتائید فرما کر بہت زور وشور سے نشر واشاعت کی''فتاویٰ القدوۃ لکشف الندوہ'' مطبوعہ بریلی جس پر ۵۵ علمائے کرام نے اور فتاوی بمبئی جس پر مزید ۴۴ دیگر علمائے کرام نے تصدیق کر کے تاج الفحول کے افکار ونظریات کی حمایت کی اور مکمل طور پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا جس کے نتیجہ میں آج بھی اہل سُنّت وجماعت کے لوگ ندوہ کی بدعقیدگی سے بیزار ہیں۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

پہلے بھی مکردار ندوہ کو
حق نے دی تھی سزا محبّ رسول
بعد تیرہ صدی کے پھر اُ چھلا
اب وہ تجھ سے دیا محبّ رسول
بزم اجزب ندوہ کا سہرا
تیرے ماتھے رہا محبّ رسول

ردروافض: حضرت تاج الفحول کے زمانے میں بنام اسلام متعدد تحریکیں اسلام کے خلاف زمین دوز کاروائیاں کررہی تھیں، اسلام پر شب خون مارنے کی ناپاک سعیِ پیہم میں لگی ہوئی تھیں، خصوصاً شیعیت وتفضیلیت کا فتنہ عروج پر تھا، لوگ شیعیت کی جانب راغب ہو رہے تھے۔ ان پرفتن حالات میں جن علمائے حق نے شیعی

عقائد باطلہ کی تردید کی اوراحیائے سُنّیت کے لیے زبان وقلم سے جہاد کیا، ان میں تاج الفحول کی ذات بابرکات نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ نے حق پرستوں کی قیادت فرمائی۔ ردروافض میں دو اہم کتابیں (۱)ہدایت اسلام (۲) تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ تصنیف فرمائی اورلوگوں کوشیعی نقطۂ نظر کی جانب مائل ہونے سے روکا اورمشاجرات صحابہ کے سلسلے میں حزم واحتیاط سے کام لیتے ہوئے قرآن وسُنّت کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا اوریوں تحریر فرمایا:

''جمہور محققین کے مذہب مختار میں جیسا کہ عقائد، احادیث اوراصول کی کتب معتبرہ ومعتمدہ سے ثابت ہے، خاتم الخلفا الراشدین حضرت امیر المومنین کے محاربین کے تین گروہ تھے جو اس فتنہ میں شامل تھے ان میں کسی گروہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال ان تین گروہوں میں فرق یہ ہے کہ جنگ جمل کے محاربین کے سر براہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محبوبہ سیدتنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں ان کی غرض وقتال وجدال نہ تھے بلکہ مسلمانوں کے حال کی اصلاح پیش نظر تھی لیکن اچانک جنگ چھڑگئی، ان تینوں حضرات کا رجوع کرنا معتمد روایات سے ثابت ہے۔ باوجود اس کے کہ خطائے اجتہادی ایک ثواب کے مستوجب ہے پھر بھی ان حضرات نے رجوع فرمایا تو جب ان حضرات نے رجوع کرلیا تو ان پر لفظ باغی کا اطلاق حقیقتاً درست نہیں ہے۔ (۹) اور آگے ارشاد فرماتے ہیں ''جمہور اہل سُنّت کے مذہب میں ان کی تعظیم وتکریم شرف صحابیت کی وجہ سے ضروری ولازمی ہے۔'' (۱۰)

علامہ عبد القادر بدایونی نے صحابۂ کرام کی تعظیم وتکریم کے سلسلے میں آیات قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اورسلف صالحین کے اقوال وآرا کا ذکر کرکے مشاجرات صحابہ کے ذکر سے پیدا کی جانے والی شیعی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے اورسلامت روی کا وہ مذہب مختار اختیار کرنے کی تعلیم دی، جو ارشادات نبوی سے ثابت ہوتا ہے ''**اذ ذکر اصحابی فامسکوا**'' جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو اپنی زبانوں کو قابو میں رکھو' **وایاکم وما شجر بین اصحابی فلوانفق احدکم مثل احد ذھبا مابلغ مد احدھم ولانصفہ** ''میرے صحاب کے آپس کے اختلافات کے بارے میں خاموش رہو تم میں کا اگر کوئی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کردے تو ان جیسا ثواب نہیں پاسکتا بلکہ ان کا نصف ثواب بھی نہیں حاصل کرسکتا'' **لاتسبوا اصحابی فمن سبھم فعلیہ لعنۃ اللہ** ''میرے صحابہ کو دشنام نہ دو جس نے میرے صحابہ کو دشنام دی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۱۱)

اہلِ تشیع اپنے باطل افکار وعقائد کے ساتھ مذہبی رسوم واعمال میں بھی اسلام کے نظریۂ عبادت واذکار سے کافی دور ہوگئے ہیں۔ انہوں نے تعزیہ داری اور ماتم حسین کو مذہب میں بنیادی عبادت کا درجہ دے دیا ہے انہوں نے اپنے دور اقتدار میں شہدائے کربلا کی داستان مظلومیت اور اہلِ بیت کرام کی محبت کے واسطے سے سادہ لوح سنیوں میں تعزیہ داری رائج کرنے کی کوشش کی اور یہ باور کرایا کہ تعزیہ داری اور ماتم حسین کار ثواب ہے۔ چنانچہ حضرت تاج الفحول نے اپنے ایک فتویٰ میں تعزیہ داری کی شرعی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''انہیں امورِ شر میں سے تعزیہ داری بھی ہے جسے بانس لکڑی کاغذ وغیرہ سے تیار کرکے امامِ عالی مقام کا روضہ قرار دیتے ہیں اور کوچہ وبازار میں گشت کراتے پھرتے ہیں پھر اسے نیچی زمین میں دفن کردیتے ہیں یہ تعزیہ داری کی حقیقت وماہیت ہے اور رہا اس کے اندر دوسرے امور مثلاً تصاویر وغیرہ تو یہ زائد وعوارض ہیں جن سے قطع نظر بذات خود تعزیہ داری اوراس کو باعث ثواب گمان کرنا اصول شرعیہ کے خلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کا بیجا خرچ کرنا گناہ کا باعث ہے''۔ (۱۲)

پھر آگے لکھتے ہیں: ''اوّل کسی ہیئت کذائیہ کا نقشۂ خاص درودیوار میں بنانا شریعت مطہرہ میں کسی طرح باعث برکت نہیں دوسرے اس نقشے کو بنانے میں جو مال خرچ ہوگا وہ فضول خرچی سے خالی نہیں ہے۔ تیسرے گزشتہ دونوں امور سے قطع نظر بغیر میت کے قبر بنانا جیسے کہ تعزیہ میں لکڑی وغیرہ سے کیا جاتا ہے شرعاً ممنوع ہے چوتھے اس تقدیر پر کہ تمام محذورات میں سے فرض محض کا اعتقاد کرنا

ہے اس لیے کہ فقہائے کرام اور محدثین عظام سے منقول نہ ہوا اور اسے فاسقوں اور جاہلوں نے دلائل شرعیہ کے بغیر گڑھا ہو وہ بدعت سیئہ ہے، لہٰذا وہ کام گناہ ہوگا اور اس کو جائز سمجھنے والا بدمذہب اور گنہ گار ہوگا۔ (۱۳)

رفض و تفضیل ونجدیت کا گلا

تیرے ہاتھوں کٹا محبّ رسول

(۱۱) ردوہابیہ: آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ، کتب عقائد، کتب تفسیر، اجماع صحابہ وتابعین، فقہاومحدثین سے یہ بات واضح ہے کہ ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ پر ہمیشہ ہمیش کے لیے نبوت ورسالت کا دروازہ بند ہوگیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "**ولکن الرسول الله و خاتم النبیین**" (۱۴) ہاں! اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے، اور حدیث متواتر "**لانبی بعدی الخ**" اس پر شاہد ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے "**اذا لم یعرف محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات**" یعنی جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ مانے وہ مسلمان نہیں کیوں کہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہے۔

۱۲۴۰ھ میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی کے ایک فرد مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنے آبا واجداد کے اعتقاد سے انحراف کرتے ہوئے جدید نبی کے امکانات کی راہ کھول دی اور اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں صاف لکھ دیا "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی وولی اور جن وفرشتے، جبرئیل اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر پیدا کرڈالے۔ (۱۵) مولوی اسماعیل دہلوی نے نئے نبی کے پیدا کرنے کو قدرت خداوندی میں داخل اور وجود کو ممکن مانتے تھے مگر بدایوں کے مولوی امیر حسن صاحب مذکورہ عقیدہ سے باقاعدہ اٹھاتے ہوئے ۱۲۷۹ھ میں باقائدہ سات اور بعد میں چھ نبیوں کے وجود کے قائل ہوگئے مگر تعیین میں ناکام رہے۔ مولانا فضل مجید صاحب فاروقی تحریر فرماتے ہیں:

"اہل اسلام پر واضح ہو کہ مولوی امیر حسن صاحب اس فتنہ کی اشاعت کے بانی ہوئے کہ سات شخص برابر اور مانند جناب سید المرسلین خاتم النبیین افضل الخلائق اجمعین کے آپ کے کمالات مشخصہ میں شریک ہیں۔ عالم میں موجود و متحقق ہیں پھر سات کی جگہ چھ کے قائل ہوئے (۱۶) اور مولوی قاسم نانوتوی ایک نئی راہ اپناتے ہوئے فرماتے ہیں "اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کوئی اور نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (۱۷) اور مرزا غلام احمد قادیانی نے اس عبارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی نبوت کا اعلان کردیا، خود قادیانی صاحب نے بھی اس کا اقرار واعتراف کیا ہے اور ان کے بہی خواہوں نے تو اپنے لیے بطور سہارا پیش کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے "مولوی قاسم نانوتوی تحذیر الناس، ص ۲۸ پر فرماتے ہیں کہ بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، پس آنحضرت کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کی شریعت کا کامل ہونا کسی طرح سے بھی ظلی نبوت کے دروازوں کو بند نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس پورے طور پر کھول دیتا ہے"۔ (۱۸)

حضور تاج الفحول علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان چاروں کی خوب خوب خبر لی ہے فرماتے ہیں: "**اما یجب علی معشر المسلمین فی الایمان بسید الانبیاء محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فمنعه انانعتقد ان الله قد ختم النبوة علی سید الانبیاء محمد صلی الله علیه وسلم فهو خاتم النبیین بمعنی انه آخر الانبیاء ومن انکرهذا المعنی فهو کافر بلا امتراء فلم یبعث نبی غیره فی ذلک الامر و کذلک لایمکن نبی بعد ختم النبوة الی آخر الدهر ونعتقد ان من قال لحصول النبوة لاحد بعد خاتم النبیین صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بل جوز حصولها وقال بالامکان فهو کافر خارج من دائرة الاسلام والایمان**". (۱۹)

ترجمہ:۔ سید الانبیا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا مسلمانوں پر اس طرح واجب ہے کہ ہم اس کا اعتقاد کریں کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم کردیا تو

ہمارے حضور اس معنیٰ میں خاتم النبیین ہیں کہ وہ تمام نبیوں کے آخر میں تشریف لائے ہیں اور جو اس معنی کا منکر ہے وہ بلا شبہ کافر ہے تو ہمارے آقا کے سوا کوئی نبی اس زمانے میں مبعوث نہ ہوا اسی طرح صبح قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا اور ہم اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو شخص خاتم النبیین کے بعد کسی شخص کے لیے نبوت کے حصول یا امکان کی بات کرے تو وہ کافر ہے اور دائرۂ اسلام و ایمان سے خارج ہے۔

(۱۲) **تصنیفات تاج الفحول:** آپ نے تحریر و تقریر دونوں کے ذریعے مسلکِ اہلِ سُنّت کی حفاظت وصیانت فرمائی۔ جب بھی فرقہائے باطلہ نے سر ابھارا تو تقریر کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی بروقت ان کو سرکوبی فرمائی۔ اس لیے آپ کی اکثر تصنیفات باطل فرقوں کے رد ہی میں ہیں۔ تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) حقیقۃ الشفاعۃ علی طریقۃ اہل السنۃ والجماعت (شفاعت کے اثبات میں)
(۲) رسالہ ردّ معیار الحق (مولوی نذیر حسین دہلوی کے رسالہ معیار الحق کے رد میں)
(۳) سیف الاسلام المسلول علی المنام لعمل المولود والقیام (مولوی بشیر الدین قنوجی کی کتاب کا جواب ہے)
(۴) رسالہ رد تقویۃ الایمان (تقویۃ الایمان کے گمراہ کن مسائل کا رد ہے)
(۵) تحفۃ الحرمین (فرقۂ وہابیہ و اسماعیل کا رد ہے)
(۶) الناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحہ (غیر مقلدین کے رد میں)
(۷) احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام (علم کلام کے مسائل پر مشتمل ہے)
(۸) رسالہ در تحقیق تحریف توریت وانجیل (فرقۂ نیچریہ کے رد میں)
(۹) ارشاد الانام (روافض کے رد میں)
(۱۰) شفاء السائل بتحقیق المسائل (مسائل فقہیہ واعتقادیہ کی تحقیق وتشریح)
(۱۱) ہدایت الاسلام (روافض کے رد میں)
(۱۲) تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ
(۱۳) حرز معظم (۱۴) دیوانِ نعت ومناقب عربی (۱۵) دیوان منقبت فارسی (۱۶) دیوانِ منقبت اردو ۲ حصہ

(۱۳) **رحلت:** اسلام وسُنّیت کا یہ بے لوث خادم عرصۂ دراز تک ماہ درخشاں بن کر افق سُنّیت پر جگمگا تا رہا بالآخر ۶۶ رسال کی عمر میں ۱۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ دوشنبہ کو رشد و ہدایت کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیش کے لیے ہماری نگاہوں سے روپوش ہوگیا۔ درگاہ قادری میں والد بزرگوار کے پہلو میں جسد اطہر کو سپرد خاک کیا گیا ''**للہ ما اعطی ولہ ما اخذ وکل شئی عندہ باجل مسمی**'' اللہ رب العزت نے تاج الفحول کے برکات سے ہمیں بھی حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

ماخذ ومراجع

(۱) اکمل التاریخ جلد اول، ص: ۲۰۶ مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری / تذکرہ علماے اہل سُنّت، ص: ۱۲۵ مولانا محمود احمد قادری
(۲) ایضاً
(۳) اکمل التاریخ جلد دوم صفحہ ۲۰۷
(۴) ایضاً صفحہ ۲۱۴
(۵) تذکرہ علماے اہل سُنّت، ص: ۱۲۷ / مقدمہ اختلاف علی ومعاویہ، ص: ۴
(۶) فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲، ص ۱۳۰، ۱۳۱ امام احمد رضا خاں بریلوی
(۷) حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل، ص ۶۳ مولانا ظفر الدین بہاری
(۸) المستند المعتمد، ص ۱۹۵ بحوالہ تذکرہ علمائے اہل سُنّت، ص ۱۲۷
(۹) تصحیح العقیدہ، ص ۱۱، ۱۲ مولانا عبد القادر بدایونی
(۱۰) ایضا، ص ۱۲ (۱۱) ایضا، ص ۱۸
(۱۲) مظہر حق اگست ۱۹۹۸ء ص ۳۷ (۱۳) ایضا
(۱۴) القرآن الکریم پ ۲۲ / آیت ۴۰
(۱۵) تقویۃ الایمان، ص ۲۵، مولوی اسماعیل دہلوی
(۱۶) تحقیقات محمدیہ اوہام نجدیہ، ص ۱، مولانا فضل مجید فاروقی
(۱۷) تحذیر الناس، ص ۲۸ مولوی قاسم نانوتوی
(۱۸) تبلیغ ٹرسٹ ختم نبوت مطبع قادیان، ص ۱۵
(۱۹) احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام، ص ۱۷، ۱۸ مولانا عبد القادر بدایونی

☆☆☆

شیخ الاسلام علامہ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ حیات وخدمات

محمد کاشف شاد مصباحی ★

جن علمائے کرام ومشائخ عظام کی آمد وموجودگی اوران کی شب وروز کی محنت ومصروفیت اور دینی تبلیغی سرگرمیوں نے دکن (خصوصاً حیدر آباد) کوعلم وعرفان کا مرکز بنایا ان میں ایک نمایاں روشن نام شیخ الاسلام عارف باللہ علامہ انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ کا ہے، آپ کی ولادت ۴؍ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ بمقام قندھار ضلع ناندیڑ مہاراشٹر ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب انتالیسویں پشت میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔

تحصیل علم: آپ نے پانچ سال کی عمر ہی میں ناظرۂ قرآن مجید مکمل کرلیا اور سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کا آغاز فرمایا اور گیارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل فرمالیا، تکمیل حفظ قرآن کے بعد ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد (آپ کے والد ماجد قاضی ابومحمد شجاع الدین فاروقی علیہ الرحمہ ۱۲۲۵ھ تا ۱۲۸۸ھ بڑے پایہ کے عالم تھے، مطلع الانوار، ص:۱۰،۱۱) سے بھی پائی اور فقہ کی کچھ کتابیں مولوی محمد فیاض الدین اورنگ آبادی سے بھی پڑھی۔ (حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ شخصیت، علمی وادبی کارنامے، ص:۱۶)

پھر آپ نے تعلیمی سفر جاری رکھنے کے لئے حیدر آباد کا رخ کیا جہاں پر آپ نے مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے فقہ اور معقول کی تکمیل فرمائی اور فن تفسیر عبداللہ یمنی سے حاصل کیا اور حدیث کی سند بھی ان ہی بزرگ سے لی۔ (مطلع الانوار، ص:۱۲،۱۳)

اکتساب فیض وفضل وکمال: آپ نے اپنے والد سے ہی اکتساب فیض اور سلوک کی تکمیل فرمائی اور جملہ سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ وغیرہ) میں بیعت کی اور اپنے پہلے سفر حج ۱۲۹۴ھ کے موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ (۱۲۳۳ھ تا ۱۳۱۷ھ) سے ملاقات کر کے منازل سلوک کی تکمیل فرمائی۔ (ایضاص:۱۹)

اسفار حجاز مقدس وزیارت حرمین شریفین:۔ حضرت مولانا مفتی رکن الدین علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۳۲۷ھ) نے "مطلع الانوار" کے ص:۴۵ پر تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے کل تین حج کئے اور کئی سال تک مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ (۱) آپ نے پہلی مرتبہ ۱۲۹۴ھ میں اعزہ واحباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر کیا اور متفق الخیال احباب کے ساتھ حرم شریف میں عہد کیا کہ ہر پانچ سال کے بعد یہاں حاضر آیا کروں گا۔ (۲) عہد کے مطابق دوسرا حج تو نہ فرماسکے لیکن سات سال بعد ۱۳۰۱ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ (۳) تیسرا سفر ۱۳۰۵ھ میں اس سفر میں آپ مدینہ شریف پہنچ کر بیت الرفاعی زقاق البذور جو حرم پاک سے متصل ہے سکونت اختیار کی اور تین سال مقیم رہے آپ نے اسی زمانے میں اپنی مقبول ترین کتاب "انوار احمدی" تالیف فرمائی اور نادر مخطوطات علمیہ سے کنز العمال ۹؍جلد اور جوہر نقی علی سنن البیہقی اور احادیث قدسیہ، جامع مسانید امام اعظم نقل کرائیں، اس سفر میں آپ نے حج فرمایا یا نہیں "مطلع الانوار" میں اس کی وضاحت نہیں ملتی "مرقع انوار" کے ابتدائی رنگیں صفحات پر اس سفر کو بھی تیسرا حج شمار کرایا گیا ہے۔ (۴) تین سال قیام فرمانے کے بعد ۱۳۰۷ھ میں حج فرما کر ۱۳۰۸ھ میں حیدر آباد لوٹے" (مرقع انوار)

مسلک: ڈاکٹر کے عبدالحمید اکبر صاحب صدر شعبۂ اردو فارسی گلبرگہ نے اپنے تحقیقی مقالہ کے صفحہ ۸۷ پر لکھا ہے کہ "مولانا (حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ) مسلکاً حنفی، حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے سچے پیرو، اہل سنت وجماعت سے تھے، اولیاء اللہ کے معتقد، بڑے سلسلے میں منسلک، صاحب خرقہ وخلافت تھے، بزرگان دین کے نقش قدم کو نشان راہ بنائے ہوئے تھے، بالکلیہ سنت نبوی پر عامل ایمان وایقان میں مومن کامل تھے۔

ازدواج واولاد: آپ نے ۱۲۸۲ھ میں حاجی محمد امیر الدین صاحب کی صاحبزادی انور بی سے عقد فرمایا، ۲۲ سالہ ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد

انور بی کا ۲۶، رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ میں انتقال ہوگیا اس کے بعد آپ نے کوئی شادی نہ فرمائی، انور بی کے بطن سے ۲، لڑکے پیدا ہوئے (۱) عبدالجلیل ۱۲۹۲ھ تا ۱۲۹۵ھ تین سال تین ماہ عمر پائی (۲) عبدالقدوس ۱۲۹۷ھ تا ۱۳۰۷ھ دس سال آٹھ ماہ عمر پائی۔ تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ (۱) وجیہ النساء بیگم ۱۲۸۵ھ تا ۱۳۴۲ھ (۲) فرید النساء بیگم تولد ۱۲۹۱ھ کمسنی میں وفات کر گئیں (۳) رحمت النساء بیگم ۱۳۰۱ھ تا ۱۳۳۲ھ۔

معیشت: ڈاکٹر سیدہ نفیس النسا لکھتی ہیں: ''آپ قناعت پسند تھے، آپ کو ہمیشہ تبلیغ دین متین اور تعلیم تدریس کی فکر رہتی جس کی وجہ سے معیشت کو بڑھانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی، محکمہ مال گزاری میں ۵۷، روپے پر خلاصی نویسی کی خدمت قبول فرمائی ڈیڑھ سال خدمت انجام دینے کے بعد ۱۲۷۸ھ میں سودی خلاصہ کی ایک مثل آپ کی خدمت اقدس میں پیش ہوئی آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا، افسر بالا نے کہا کہ آئندہ کبھی اس طرح کی کوئی مثل خدمت اقدس میں پیش نہیں کی جائے گی، لیکن آپ نے استعفیٰ واپس لینے سے انکار کر دیا، آپ کے برادر خورد بھی قلیل المعاش تھے تو آپ نے اپنا وظیفہ اپنے چھوٹے برادر کے نام منتقل کر دیا اور خود ہمیشہ توکل کرتے اور قناعت کی زندگی بسر کرتے تھے، معاشی مشکلات در پیش ہوئیں تو صبر و استقلال سے کام لیا اور آسمان علم و عرفان اور افق رشد و ہدایت کے آفتاب عالم تاب بن گئے''۔

(روزنامہ ''اعتماد'' حیدرآباد ۶ رجون ۲۰۰۸ء)

درس وتدریس: آپ کا خاص مشغلہ تھا یہی وجہ ہے کہ جب ۱۲۹۲ھ میں جامعہ نظامیہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ کو صدر مقرر کیا گیا اور درس وتدریس سے شغف کا ہی نتیجہ تھا کہ اپنی انتھک کوششوں سے اس ادارہ کو بے پناہ ترقی دی اور جید علما کی شکل میں اپنے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت یادگار چھوڑی جنہوں نے حکومت وسیاست، تفسیر وتاویل، حدیث واصول حدیث، فقہ وافتا، درس وتدریس، تنظیم وتشکیل، قانون ووکالت، طب وحکمت، وعظ وخطابت، شعر وادب، تصنیف وتالیف، تحقیق وتصحیح، رشد وہدایت ہر میدان میں کلیدی رول ادا کیا، حضرت رکن الدین علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ''آخر عمر تک آپ کا یہ معمول تھا کہ بعد نماز عشا فتوحات مکیہ درس دیا کرتے تھے جو کم بیش آدھی رات تک جاری رہتا تھا''۔ (مطلع الانوار، ص:۶۰)

آپ کو درس وتدریس سے کتنا لگاؤ تھا اور آپ کی نظر میں اس کی کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ آپ کے اس قول سے لگا سکتے ہیں بقول مفتی محمد خلیل احمد شیخ الجامعۃ جامعہ نظامیہ حیدرآباد:

''آپ ارشاد فرماتے کہ علما کے لئے علوم دینیہ اور درس وتدریس میں مشغول رہنا، اذکار و وظائف سے زیادہ احسن ہے کیوں کہ اذکار و وظائف کی وجہ سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور مقامات سر کا انکشاف ہوتا ہے بعض وقت ان انکشافات کی وجہ سے آدمی کے بے قابو ہونے کا احتمال رہتا ہے جبکہ علوم دینیہ کی درس وتدریس میں مصروف ہونے سے اجر وثواب ملتا ہے، درجات بلند ہوتے ہیں اور اس میں خلق خدا کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (روزنامہ ''اعتماد'' حیدرآباد ۶ رجون ۲۰۰۸ء)

آپ طلبہ کو بھی کثرت نوافل کی ادائیگی سے زیادہ کثرت مطالعہ کا حکم دیا کرتے تھے۔ (ایضا)

قیام وامداد مدارس ومساجد ومزارات وغیرہ: آپ دینی تعلیم کے فروغ کا قابل قدر جذبہ رکھتے تھے اس لئے کئی اداروں کی بنیاد آپ نے رکھی یا آپ کے حکم واشارے پر اس کا قیام عمل میں آیا اور ہندوستان بھر کے بے شمار اداروں کے نام امداد جاری کروائی، حضرت مفتی رکن الدین صاحب (المتوفی ۱۳۴۷ھ) نے ایسے اداروں کی تعداد ۱۵ ر تک شمار کرانے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ ''جن مدارس کے ساتھ رقمیں درج نہیں ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی''۔ (مطلع الانوار، ص:۴۸، ۴۹)

جن علما، ائمہ، مشائخ، متولیوں نے مختلف شعبۂ حیات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے آپ علیہ الرحمہ نے ان کے لئے بھی شاہی خزانوں سے ماہانہ امداد جاری فرمایا حضرت مفتی رکن الدین علیہ الرحمہ ایسوں کی منجملہ تعداد ۱۰ ر شمار کرانے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''اس کے ملک کے تقریبا چار سو علما ومشائخین وغیرہ کو شاہی خزانہ سے ماہواریں کرائیں، حرمین شریفین ودیگر ممالک کے لوگ اس کے سوا ہیں''۔ (ایضا، ص:۴۹، ۵۰)

جن مساجد، مقابر اور فلاحی امور کے لئے رقمی وغیرہ کی امداد پہنچائی ان کی تعداد مفتی صاحب نے منجملہ ۱۵ ر شمار کرائی ہے۔

(تفصیلات کے لئے مطلع الانوار ص:۸۷ تا ۹۲ دیکھا جا سکتا ہے)

تصنیف وتالیف: حضرت مفتی رکن الدین علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ''مولانا کی کل مولفات کم وبیش چالیس تک پہنچی ہیں جو زمانہ کے ضروریات کے مطابق تالیف کی گئیں''۔(مطلع الانوار،ص:۶۰)

ممتاز محقق ونقاد ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ''پچاس سے زیادہ کتابیں مختلف موضوعات پر لکھیں''۔(داستان ادب حیدرآباد،ماخوذ مرقع انوار،ص:۳۲۰)

آپ کی تصانیف اصلاح سماج ومعاشرہ،عقائد واعمال،علم ومعرفت اور حب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا ایک عظیم خزانہ ہے،حضرت مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری آپ علیہ الرحمہ تصانیف کی خصوصیات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام کی گراں بہا تصنیفات نے بھی تجدید واحیائے دین کے مقصد میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے،آپ نے کئی علوم وفنون پر اپنے قلمی شاہکار چھوڑے ہیں،آپ نے جس کسی علمی وفنی عنوان پر قلم اٹھایا تو ایسے گوہر آبدار بکھیر دئے کہ صاحبان ذوق اور ماہرین فن کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں،تفسیر وحدیث یا فقہ ہو کہ ان کے اصول،عقائد ہو کہ کلام وادب ہو کہ تاریخ،منطق ہو کہ فلسفہ غرض معقول ہو کہ منقول ہر علم فن پر آپ کی کتب اور حواشی ایسے درشہوار بن کر آج بھی جگمگا رہے ہیں کہ اہل علم ودانش اپنی آنکھوں اور کلیجے سے لگاتے ہیں۔(مرقع انوار،ص:۳۲۱)

آپ کے چند تصانیف: (۱) **مقاصد الاسلام (۱۱ رحصے):** آپ کی اس تصنیف کو کافی شہرت بھی ملی اور اس سے اصلاح کا بھی بڑا کام ہوا ان ۱۱ رحصوں کے متعلق ڈاکٹر کے عبدالحمید اکبر صاحب لکھتے ہیں کہ ''ان تمام گیارہ حصوں میں تمدن،ولایت،تخلیق انسانی،تصوف،جزاء وسزا،جنت ودوزخ،قیامت،جبر وقدر،معجزات اور ان کی ضرورت،صحابہ کرام کی اتباع جیسے موضوعات پر مولانا نے مفصل بحث فرمائی ہے۔

(حضرت انوار اللہ فاروقی شخصیت،علمی وادبی کارنامے،ص:۲۰۹)

(۲) **حقیقۃ الفقہ ۲ حصے:** یہ کتاب آپ نے فرقہ وہابیہ کی تردید،امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت ورفعت کو آشکارا کرنے اور تقلید کی اہمیت وافادیت وغیرہ کو اجاگر کرنے کے لئے لکھی،پہلا حصہ ۴۰۳ اور دوسرا حصہ ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳) **کتاب العقل:** حضرت مولانا محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں علم،عقل،دل،نفس،بصارت،قوت کشش زمین،ہوا کا دباؤ،سمندر کا مد وجزر،بارش اور بخارات،حرکت زمین وغیرہ جیسے عنوانات پر بحث کرتے ہوئے ہر جگہ عقل انسانی کو عاجز اور محتاج ثابت کیا ہے۔(ایضا)

(۴) **انوار احمدی:** ۱۳۰۵ھ میں مدینہ منورہ کے قیام کے دوران فضائل درود پاک اور مقام رسالت پر رقم فرمائی اس کتاب کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس کتاب کے ہر ہر مسئلہ کی تحقیق محققانہ حقانی ہے تائید ربانی پائی گئی کہ اس کتاب کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے''۔(تقریظ انوار احمدی)

''انوار احمدی کا مطالعہ کر کے میں حضرت فاضل مصنف کے تبحر علمی،وسعت مطالعہ،ذہنی استحضار،قوت تحقیق،ذہانت ونکتہ رسی اور بالخصوص ان کے جذبۂ حب رسول اور حمایت مذہب اہل سنت کی قابل قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا،جی چاہتا ہے کہ نوک قلم کو انکھوں سے لگالیں،ہونٹوں سے چومیں دل میں اتار لیں،حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمۂ کوثر کی لہراتی ہوئی موج بن گئی ہے علم وحکمت،عشق وعرفان کے ایسے قیمتی جواہرات بکھیرے ہیں کہ ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔(انوار احمد،تلخیص وتسہیل)

(۵) ردقادیانیت اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دوی نبوت اور اس کی اسلام دشمنی سے لوگوں کو آشنا کرانے اور اس کی تردید میں آپ نے ''افادۃ الافہام'' ۲ حصے اور ''انوار الحق'' اور ''مفاتیح الاعلام'' تحریر فرمائی افادۃ الافہام کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی خوب سراہا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

علاوہ ازیں آپ کی تصنیفات میں ''رسالہ مسئلہ ابوا'' ''رسالہ خلق افعال'' رسالہ انوار اللہ الودد فی مسئلہ وحدۃ الوجود ورسالہ بشر الکرام'

"کتاب التوحید" "خدا کی قدرت" (منظوم) شمیم الانوار (منظوم) "الکلام المرفوع یتعلق بالحدیث الموضوع" "انوار التمجید" قابل ذکر ہیں۔

اصلاحی کارنامے: آپ نے حیات انسانی کے جس گوشے میں بھی خرابی اور شریعت نبوی سے دوری محسوس فرمائی اس کی اصلاح کے لئے آپ کمر بستہ ہوگئے کاش کہ آج بھی وہ عمل جاری رکھا جاتا، آپ کے اصلاحی کارنامے بے شمار ہیں ہم یہاں چند اہم کارناموں کو تحریر کرتے ہیں تا کہ آپ کے تجدیدی کارنامے واہو سکیں، آپ کے اصلاحی کارناموں میں یہ بات جا بجا ملتی ہے کہ آپ نے کسی بھی دینی امور کو وراثتی سمجھنے سے لوگوں کو دور رکھا، آپ نے ہر شعبہ میں اہلیت کو ترجیح دی، آپ نے تجہیز و تکفین، ذبیحہ، موذنی، امانت وقضا کے نصاب تیار کر کے ان امور کی انجام دہی کے لئے نصاب کی تعلیم و امتحان کو لازمی قرار دیا۔

(۱) مسلخوں، موذنوں، اماموں کی حالت یہ تھی کہ وہ انکاموں کو وراثتی سمجھتے تھے جبکہ مسلخوں کا عالم یہ تھا کہ ذبح کے مسائل سے بالکل ناواقف ہوتے، موذنین کی حالت یہ تھی کو وہ اذان کے کلمات صحیح طور پر ادا نہیں کر پاتے تھے، ائمہ حضرات فرائض وواجبات وسنن ومکروہات نماز سے بالکل ناآشنا ہوتے باوجود اس کے ان مقدس خدمات پر قابض رہتے، آپ نے ان امور کے لئے ایک جامع نصاب تیار فرمایا اور امتحانات کے مراکز قائم فرما کر حکم فرمایا کہ جو کوئی ان امتحانات کا کامیاب کرے گا وہی ان مقدس خدمت پر مامور ہوگا۔

(۲) تنازعات زوجین کے سد کے باب کے لئے سیاہ نامہ مرتب فرمایا تا کہ سرکاری سطح پر نکاح کا اندراج اور تحفظ ہو سکے، حقوق زوجین کے معاملہ میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اس کو بھی آسانی کے ساتھ حل کرنے میں مدد مل جائے۔

(۳) دیہات کے باشندوں کو حالت یہ تھی کہ وہ اپنے امور سے بالکل نابلد ہوتے دینی معاملات سے دور رہتے لہذا آپ نے ان کی اصلاح کے لئے ماہانہ معاوضہ دے کر واعظین کا تقرر فرمایا بلکہ "انجمن اصلاح مسلمانان" بھی انہی امور کی انجام دہی کے لئے قائم فرمائی۔

(۴) بہت سی درسگاہیں ایسی تھی کہ ان کی آمدنی ان پر خرچ نہیں کی جاتی تھی بلکہ سرکار سے جو جاگیریں وغیرہ عطا ہوئی تھیں وہ قرضوں میں مکفول ہوگئی تھیں، آپ نے ان سب کی اصلاح فرمائی اور ادائیگی قرضہ جات کا معقول انتظام فرمایا۔

(۵) مزارات اولیاء اللہ پر طوائف مجرا دیا کرتی تھی جس سے بہت سے لغویات ہوتے تھے لہذا آپ نے حکم جاری فرمایا کہ آئندہ سے درسگاہوں پر طوائف کے مجرے نہ ہوا کریں۔

(۶) مسلمانوں کے مقابر غیر محصور تھے جس کی وجہ سے جانور وغیرہ نجاست کرتے اور لوگوں کی آمد ورفت سے ان کی بے حرمتی ہوتی تھی آپ نے محصور فرما کر اسے بے حرمتی سے بچالیا۔

(۷) ریاست حیدر آباد میں ناپ تول کے اوزان درست نہ تھے لہذا آپ نے تمام باٹ اور پیمانوں کی تنقیح فرما کے صحیح پیمانے رائج فرمائے۔

(۸) رمضان المبارک میں جو لوگ علانیہ کھاتے پیتے تھے ان کا انسداد فرمایا۔ (تلخیص وانتخاب از مطلع الانوار ص:۵۲ تا ۵۸)

المختصر یہ کہ آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں حکمت عملی کو ختیار فرماتے ہوئے زبردست اصلاحی کارنامے انجام دیئے آپ کے اصلاحی کارناموں کا پورا دکن احسان مند نظر آتا ہے اور سچائی یہ ہے کہ آج بھی جو اصلاحات یہاں پائے جاتے ہیں وہ سب بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ آپ ہی کی مرہون منت ہے، آپ نے قوم کی اصلاحات کے خدمات جس مشفقانہ، مخلصانہ انداز میں دیئے اسے بڑھ کر، سن کر، دیکھ کر، آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں لیکن لوگوں نے بے شعوری میں آپ کے ان اصلاحی خدمات کی قدر نہ کر کے مذہب ومسلک ومشرب کو اس قدر خسارے میں ڈال دیا کہ شاید اب کسی طور پر اس کی تلافی نہ ہو سکے اس بات کا شکوہ حضرت مفتی رکن الدین صاحب علیہ الرحمہ نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ "افسوس وصد ہزار افسوس کہ ایک طرف مولانا کی بے وقت وفات اور دوسری طرف قوم کی جاہلانہ غفلت سے کوئی خاطر خواہ فائدہ ملک وقوم کو نہیں پہنچ سکا۔ (مطلع الانوار، ص:۵۲)

امام احمد رضا قادری اور شاہ انوار اللہ قادری کا پیغام قوم کے نام

تم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو، بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکا دیں، تمہیں فتنہ میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں، ان سے بچو اور دور بھاگو، دیوبندی ہوئے، رافضی ہوئے، نیچری ہوئے، قادیانی ہوئے، چکڑالوی ہوئے، غرض کتنے ہی فرقے ہوئے..... یہ سب بھیڑیئے ہیں، تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں، ان کے حملو سے اپنا ایمان بچاؤ! اب ہم تم سے کہتے ہیں کہ یہ نور ہم سے لو، یہ نور یہ ہے اللہ ورسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے عداوت، جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو اس سے فوراً جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ و معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتا تا رہا اور اس وقت پھر عرض کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہمارے ایمان و عمل، عزت وآبرو اور جان مال کی حفاظت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (ایمان افروز وصایا، ص:۲۱)

ہم لکھ آئے ہیں کہ ہر زمانے میں اس قسم کے (بدعقیدہ گمراہ) لوگ بکثرت ہوا کئے.....قابل توجہ بات یہ ہے کہ جس کا اثر پڑتا ہے تو ہمارے سنی حضرات پر ہی پڑتا ہے، قادیانی نیچری وغیرہ الحاد کی عام دعوت دی اور تبلیغ کر رہے ہیں مگر نہ کوئی اہل یورپ نے ان کی بات مانی نہ ہندوؤں نے، نہ اور کسی اسلامی فرقہ نے، خدا ہماری جماعت کو سلامت رکھے، یہی حضرات سخی ہیں کہ ہر ایک کی مراد پوری کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کے شریک حال ہو کر ان کا ایک گروہ بنا دیتے ہیں۔

اگر کچھ خرچ کر کے ''ایمان'' خریدا ہوتا تو اس کے کھو جانے کا کچھ غم نہ ہوتا، وہ تو باپ دادا کی کمائی تھی، مال میراث لٹا دینا کوئی مشکل بات نہیں، اگر ایک روپیہ کوئی دھوکا دے کر لے جائے تو عمر بھر یاد رکھیں گے مگر کوئی پھسلا کر ''ایمان'' لے جائے تو اس کی کچھ پروا نہیں۔ اب کہئے ان کو ''ایمان'' سے کیا تعلق؟ پھر ایسوں کا اہل اسلام میں رہنے سے فائدہ ہی کیا؟ بلکہ ایسے لوگوں کو تو علیحدہ ہو جانا ہی چاہئے قرین مصلحت ہے، فس کم جہاں پاک۔ البتہ افسوس ہوگا کہ کوئی ''ایمان دار آدمی'' بے ایمان ہو جائے۔

خدائے تعالیٰ اہل ایمان کو استقامت عطا فرمائے کہ اخیر زمانے کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔ (مقاصد الاسلام حصہ۴، ص:۶۸، ۶۹)

حضرت شیخ الاسلام علامہ انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ علم و عمل، زہد و اتقا، اخلاص وللّٰہیت، خوف وخشیت، خدمت خلق وملت، کشف وکرامات کے جامع اور عبادت وریاضت کے پابند، حب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اور بزرگان دین کی عقیدت سرشار تھے، دکن خصوصاً حیدرآباد اور اس کے اطراف واکناف میں آپ نے جو اصلاحی اور تجدیدی کارنامے انجام دیئے وہ آپ کا ہی حصہ ہے، اہل دکن جس احسان کی قیمت ادا نہیں کر سکتے، عالم اسلام کا یہ مقدس ومنور چراغ ۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گیا آپ کا مزار پر انور جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے احاطہ میں زیارت گاہ خواص وعوام بنا ہوا ہے۔ ''مرقد انوار اللہ نور من نور اللہ'' میں آپ کی تاریخ وصال ہے۔

☆☆☆

علامہ عبدالعلیم میرٹھی اوران کی بین الاقوامی دعوتی خدمات

مولانا غلام معین الدین قادری (مغربی بنگال)★

بیسوی صدی عیسوی میں امام احمد رضا بریلوی اوران کے خلفا وتلامذہ نے دعوت وتبلیغ اوراحقاقِ حق وابطالِ باطل میں نمایاں کارنامہ انجام دیا، خلفائے اعلیٰ حضرت میں جس نے علمی سطح پر اسلام کا تعارف کرایا اور مخالفینِ اسلام کو دندان شکن جواب دیا وہ بیسوی صدی کے نصف اول پر محیط ایک باوقار شخصیت، سراپا تقویٰ وطہارت، کردار وعمل سے مزین، فکر وفن کا مخزن، اخلاص وللّٰہیت کا پیکر، دین کی قدروں کا محافظ، اسلام کی عظمتوں کا پاسبان مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم میرٹھی کی ذات ہے۔

آپ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ/۳۰ راپریل ۱۸۹۲ء کو محلّہ مشائخان، شہر میرٹھ، یوپی، انڈیا میں پیدا ہوئے، والد ماجد مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مشہور عالم دین، پاک باطن روحانی پیشوا اور بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کے اجداد میں حضرت مولانا حمید الدین صاحب شہنشاہ بابر کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ آپ نے صرف چار سال دس ماہ کی قلیل مدت میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، پھر میرٹھ کی دینی درسگاہ جامعہ قومیہ عربیہ میں اردو، فارسی میں دسترس حاصل کی۔ ابھی آپ بارہ سال ہی کے تھے کہ ۱۳۲۲ھ میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا اور والدہ محترمہ نے تعلیم وتربیت کی ذمّہ داری سنبھالی۔ ایامِ طفولیت ہی سے سعادت وفیروز مندی کا ستارہ آپ کی پیشانی سے ہویدا تھا۔ آپ کے اساتذۂ کرام کہا کرتے تھے ''ہمارا یہ شاگرد مستقبل قریب میں اپنے وقت کا ایک ایسا فاضل ہوگا جو علما اور آبا واجداد کا نام روشن کرے گا۔ (مقدمہ ذکر حبیب، تذکرۂ اکابر اہل سنت پاکستان)

۱۳۲۶ھ میں آپ نے علوم دینیہ سے فراغت پائی، اس کے بعد علوم جدیدہ کی طرف مائل ہوئے اور اٹاوہ ہائی اسکول میں داخلہ لے کر ۱۹۱۴ء میں میٹرک پاس کیا، اس کے بعد ۱۹۱۷ء میں ڈویژل کالج میرٹھ سے بی، اے، کا امتحان امتیازی پوزیشن سے پاس کیا، لیکن ابھی علم کی تشنگی باقی تھی اس لئے پنجاب یونیورسٹی سے علوم شرقیہ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۱۹ء میں زیارت حرمین شریفین کے لیے جادہ پیما ہوئے اور یہیں سے آپ کا تبلیغی سفر شروع ہوا جو ۱۹۵۴ء تک مسلسل ۳۵ سال تک جاری رہا۔

مولانا سلیمان ندوی علامہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھ کے ایک پرجوش مبلغ عالم تھے، بریلی میں عربی ومذہبی درسیات کی تکمیل کی ہے، ان کو تبلیغ کا شوق ہوا اور اپنے لیے ہندوچین کے جزیروں اور ساحلی شہروں کا میدان پسند کیا جو اسلامی ملکوں میں درحقیقت سب سے زیادہ قابل امداد اور عیسائیوں اور قادیانیوں کی زد میں ہیں، سنگاپور جاوا سے لے کر چین وجاپان کی سواحل بلکہ افریقہ کے بھی دور افتادہ مقامات میں ان کا سال بسال دورہ رہتا ہے، ادھر کے چند نومسلم یورپین کو دیکھا اور حیرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کی قسمت میں سعادت رکھتا ہے، موصوف کی یہ تبلیغی کوششیں علما کے لئے قابل تقلید ہیں۔ (معارف مارچ ۸۳ء ص ۱۶۲)

دعوت وتبلیغ کی خاردار وادیوں میں ایک داعی ومبلغ کو جن دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، انہیں صرف وہی شخص محسوس کرسکتا ہے جس نے اس لق ودق صحرا میں سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہوں، محض زبانی جمع خرچ اور گفتگو میں اپنے آپ کو حقیر وفقیر کہہ لینا بہت آسان ہے مگر دعوت وتبلیغ کے عملی میدان میں جدوجہد کرنا اور اپنے تن من دھن کی قربانی پیش کرنا، اچھے بروں کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر صبر وتحمل سے کام لینا یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ایک داعی ومبلغ علمِ وافر، فہم کامل، عفو ودرگزر، میانہ روی، صبر واستقامت، ایثار وقربانی، حکمت ودانائی، نرمی وشفقت، اخوت ومحبت، خود احتسابی اور جہد مسلسل جیسی داعیانہ صفات کا حامل ہو۔

★ جامع مسجد غوری پور، گریفہ، مغربی بنگال

سید المبلغین، افضل المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پرچم اسلام عطافرمایااور ارشادفرمایا"لان یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من ان تکون لک حمر النعم"(صحیح البخاری، کتاب المغازی) خداتمہارے ذریعہ ایک آدمی کو ہدایت یاب کردے تو یہ تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ تم سرخ اونٹوں کے مالک ہوجاؤ۔اس حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تیور اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ دعوت وتبلیغ اور احقاق حق کی راہیں بڑی ہی دشوار گزار ہیں، تواصی بالحق کی دشوارترین گھاٹیوں سے گزرنے کے لئے امام غزالی علیہ الرحمہ نے علم وتقویٰ وحسن اخلاق کو ناگریز قراردیا ہے،اس تناظر میں مبلغ اسلام کی نابغۂ روزگارہستی کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کی پرسوز زندگی کے جونقوش تاریخ میں ثبت ہیں وہ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آپ بیک وقت مختلف علوم وفنون کے ماہر،علم وعمل اور تقویٰ وطہارت کے حسین سنگم تھے،آپ کا عزم بلند اور جذبۂ تبلیغ ہفت اقلیم کی سیر کرتا تھا، ذہن تخلیق کا سرچشمہ تھا، دماغ تغیر کی آماجگاہ تھا، شعورانقلاب کامنبع تھااور دل لطیف احساسات کا بحر موجزن تھا،حقائق زندگی پر آپ کی نگاہ کڑی تھی، زمانۂ طالب علمی میں اکثر اپنے والد بزرگوار سے کہا کرتے تھے:"خدانے اگر مجھے موقع دیا تو ہندوستان سے نکل کر دنیا کے ہر حصے میں اشاعت دین کا کام کروں گا"۔بلاشبہ آپ کا جذبۂ صادق رنگ لایا اور آپ کے خون جگر سے اسلامی تہذیب کا چراغ یورپ، امریکہ اور افریقہ کے صحراؤں میں جگمگا اٹھا آپ نے خود کو مٹا کر اسلام کے دامن کو پھولوں سے بھر دیا اور رشد وہدایت کا سیل تندرو بن کر گلشن اسلام کو سرسبزوشاداب کردیا،آپ کی زندگی کے ہر گوشے پر تبلیغ دین کی مستی،کردار کا خوشگوار اور جنون طراز جذبہ ابرنوبہار کی طرح چھایا ہوا تھا۔

یوں تو آپ دین ودانش اور علم وتحقیق کے مختلف میدانوں میں نمایاں خصوصیات کے حامل تھے مگر آپ کی بیشتر صلاحیتیں اور کاوشیں تبلیغی اور اصلاحی کاموں میں صرف ہوتیں،آپ کا داعیانہ طرز تقریران سعادت مندروحوں کے لیے تریاق واکسیر تھا جو اپنے سینوں میں عشق وایقان کی شمع روشن کرنے کے لیے بے قرار تھے۔

ٹوکیو کے پروفیسر این، ایچ برلاس آپ کے اس طرز دعوت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:"ہر شخص مولانا صدیقی کو ہر پلیٹ فارم سے سن سکتا ہے اور اس سے محظوظ ہوسکتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ ایک جانب مولانا کی مقناطیسی شخصیت ہو دوسری جانب ان کی نغمہ بار آواز اور تیسری جانب ان کی ٹھوس اور مدلل تقریر ہو"۔(حیات علیم رضا،ص:۱۸)

انہیں دنوں سے جب آپ میرٹھ کالج کے طالب علم تھے آپ کے جذبہ تبلیغ کی تسکین کا سامنا مہیا ہونے لگا اور"برما مسلم ایجوکیشن کانفرنس" کی صدارت کے لیے آپ کا انتخاب ہوا،کانفرنس میں آپ کا خطبہ صدارت دعوتی زندگی کا سنگ میل ثابت ہوا جسے برما، ملایا،سیلون اور انڈونیشیا کے گوشے گوشے میں کمال وارفتگی سے سنا گیا اور اس موقع پر سرکردہ مسلم رہنماؤں سے دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں تبادلۂ خیال ہوا جس نے آگے چل کر آپ کے تبلیغی مشن کی بنیادوں کو تقویت بخشی۔

آپ نے زمانے کی نبض کو اچھی طرح ٹٹولا تھا اور آپ کی دوربین نگاہوں نے تاڑ لیا تھا کہ عصر حاضر میں دعوت وتبلیغ کی مشنری کو ازسرِنومنظّم کئے بغیر یورپ وامریکہ اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں شجراسلام کی آبیاری نہیں کی جاسکتی،اسی فکرفلک پیما اور شوق بے پروانے کتنی جاں گسل اور پرخطر منزلوں کو آپ کے لئے رشک صد جناں بنادیا،سارے عالم اسلام کے اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی دین محمدی کے تار سے کرنے کے لئے صوبہ مہاراشٹر، کرناٹک اور گجرات سے آپ نے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا اور ان مقامات پر تبلیغی جماعتیں قائم کرکے تعمیری قیادت کے خطوط کھینچے اور شدھی کے زخموں سے مجروح روحوں میں پھر سے توحید کا عرق گھول دیا،آپ کئی ایک زبان پر کامل قدرت رکھتے تھے۔

رب قدیر نے آپ کو انداز زور بیان، حلاوت گفتار اور شیریں مقالی خاص طور پر ودیعت کی تھی،جس کی وجہ سے مختلف ممالک سے آپ کے نام دعوتی پیغام آتے تھے،۱۹۲۳ء میں سیلون کے مسلمانوں نے آپ کو مدعو کیا،آپ ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے سیلون تشریف لے گئے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلام کی حقانیت کو روز روشن کی طرح واضح کیا،آپ کی مساعی جمیلہ سے ایک عیسائی وزیر"مسٹر ایف کنکس بیری" آغوش اسلام میں آگیا،اس

کے علاوہ بے شمار حق کے متلاشیوں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، آپ کے قوت استدلال نے اہل علم و دانش کے ایک بڑے طبقے کو متاثر کیا، آپ کے داعیانہ طرز سے متاثر ہو کر پھر سیلون سے پیہم پیغامات ملنے لگے، آپ دوبارہ تشریف لے گئے اور انگریزی داں طبقے کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کیا جس کے تحت ۱۹۲۸ء میں ''کولب اسلام'' کے نام سے انگریزی اخبار کا اجراعمل میں آیا، جس کی عنان ادارت مسٹر موس جے کے سپرد کی، جس نے متعدد ممالک میں لوگوں کو اسلام سے روشناس کرایا علاوہ ازیں گرین پمفلٹ کی تحریک بھی شروع کی، ۱۹۵۱ء میں آپ روئے زمین کے کنارے تک دین کو پھیلانے کا عزم مصمم کر کے لوٹے اور پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا اور وہاں اسلام کی جوت جگائی، فکر اسلامی کا یہ آفاقی سفیر جو حسن عمل کا ایک ہمہ گیر ادارہ تھا اور آٹھ اجنبی زبانوں پر قدرت رکھتا تھا جن اجنبی ممالک میں توحید کا نقش ثبت کرنے پہونچا ان میں پاکستان، برما، برطانیہ، بلجیم، فرانس، کناڈا، سیلون، ایستانڈیز، گھانا، کانگو، چین، مصر، مشرقی افریقہ، عراق، شام، افغانستان، ماریطانیہ، مدغاسکر، لیبیا، پرتگال، فلپائن، سنگاپور، سعودی عرب، جنوبی امریکہ، تھائی لینڈ، تنزانیہ، یوگانڈا، ویتنام، غرب الھند، نیوزی لینڈ، زنجبار، ماریشش، ای یونین، سائبیریا، رومانیہ، ترکی اور ارجنٹائنا کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ ممالک کے نام رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ الباری کے اس تاریخی خطاب سے ماخوذ ہیں جو آپ نے ۲۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ''ورلڈ اسلامک مشن'' کے زیر اہتمام ہالینڈ کے بین الاقوامی شہر ''امسٹر دم'' میں کیا تھا، ان ممالک کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

حضرات! جتنی آسانی کے ساتھ میں نے ان ملکوں کے نام گنائے، ذرا آپ سانس روک کر ان صعوبتوں کا اندازہ لگایئے جو ان ملکوں کے اسفار میں انہیں پیش آئی ہوں گی، پھر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ آج سے پچاس سال پیشتر وسائل سفر اور رابطے کی وہ سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں جو سائنس کی ترقی اور تمدن کے اس عہد جدید نے فراہم کر دی ہیں، لیکن اس راہ کی ساری تکلیفوں کو حضرت مبلغ اسلام نے صرف اس جذبے میں خوشی خوشی جھیل لیا کہ وہ زمین کے کناروں تک دین پھیلانے کا عزم لے کر اٹھے تھے''۔ (ماہنامہ کنزالایمان ستمبر ۱۹۹۹ء ص:۴۱)

اشاعت دین نہایت جگر کاوی اور پتاماری کا کام ہے کسی کے دین و مذہب کو بدلنے کا مطلب ہے اس کے سابقہ افکار و خیالات اور آبائی رسم و رواج کی بنیادوں کو یکسر گرا دینا اور اس کے دل و دماغ کو ایک نئی فکر اور نئے طرز کا پابند بنانا، کوئی چاہے کتنا بڑا جادو بیان، شیریں مقال اور عظیم کمالات کا مالک کیوں نہ ہو مگر صدیوں کے رشتوں کو منقطع کرنا اور اپنے افکار و خیالات سے کسی کو متاثر کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، مگر جن نفوس قدسیہ نے اپنی حیات مستعار کو مرضی مولیٰ کے تابع کر کے اپنی ذات کو قول و عمل کے تضاد سے دور رکھا اور ذاتی و انفرادی مفاد کو قوم و ملت کے فلاح و بہبود پر قربان کر دیا تو بڑے بڑے کج کلاہان زمانہ نے بھی ان کے در کی کاسہ لیسی کو اپنے لیے باعث صد افتخار اور زندگی کی معراج تصور کیا، مبلغ اسلام نے ستر ہزار سے زائد غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا اور ان کے صدیوں پرانے افکار پر اسلام کی مہر ثبت کی، یہ کارنامے بلاشبہ آپ کے علمی اور روحانی شخصیت کی غیر معمولی صلاحیت کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہے ہیں، فکر و نظر کا اختلاف، رسم و رواج کا اختلاف، دین و ملت کا اختلاف، کوئی یہودی ہے تو کوئی عیسائی، کوئی بدھشٹ ہے تو کوئی ہندو، کوئی قادیانیت سے وابستہ ہے تو کوئی کسی اور باطل نظریہ کا پیروکار مگر کہتے ہیں کہ ایک فرد کا خلوص نسلوں کو فیض پہنچاتا ہے، یہ آپ کے جذبۂ صادق اور خلوص بے لوث کی برکت ہی تھی کہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ حق کی صدائے دل نواز پر اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور دلوں کے صد ہا شبہات سے شفایاب ہوئے، جس طرح قطرۂ شبنم بحر بیکراں کے آغوش میں پناہ لیتا ہے، انڈونیشیا میں آپ کی تبلیغی کاوشوں کا تذکرہ مولانا نور احمد قادری نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''جن علمائے اسلام کو انڈونیشیا میں نصرانی پادریوں کے مقابلے میں اسلامی تبلیغ اور تحفظ دین کا کام کرنے کی ضرورت کا شدید احساس ہوا انہیں علمائے ربانیین میں حضرت علامہ عبدالعلیم قادری بھی تھے، حجاز سے واپسی کے بعد ۱۹۶۱ء میں انڈونیشیا پہنچ کر تبلیغ کا کام کرنے لگے ''حضرت مولانا'' اس صدی کی تاریخ میں عالم اسلام کی بہت بڑی شخصیت گزرے ہیں''۔ (ماہنامہ منارٹ، ص۲۵، انگریزی، کراچی اگست ۱۹۷۳ء)

جس دور میں جنوبی مشرقی ایشیائی ممالک میں عیسائیت کی

لہر چلی اور ہزار ہا مسلمان اسلام سے برگشتہ ہوکر عیسائیت کی گود میں چلے گئے تو آپ کی رگ ایمانی پھڑک اٹھی اور اپنا مشن لے کر ان ممالک کے دورے پر نکل پڑے، عیسائیت کی آندھی کے بیچ اسلام وایمان کی قندیلیں روشن کیں، بالآخر آپ کے عزم محکم اور جہد پیہم سے ان اٹھارہ ہزار مسلمانوں کو دوبارہ دولت اسلام نصیب ہوئی جو عیسائیت کے دام تزویر میں گرفتار ہوکر اس دولت بے بہا سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، اس کے علاوہ ''ویٹ واٹرس لینڈ یونیورسٹی'' میں کتنے روز تک اسلام کی حقانیت معلومات افزا لیکچرز دیئے، حلقۂ اہل دانش میں جن کے بڑے دوررس نتائج واثرات مرتب ہوئے۔

۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو اسلام کا یہ آفاقی سفیر ممباسا (جنوبی افریقہ) کی وسعتوں میں اسلام کا پیغام لے کر پہنچا اور باشندگان ممباسا کو اپنی علمی، عملی اور روحانی شخصیت سے متاثر کیا، اس سفر میں فرانسی گورنر ''مسٹر مروارٹ'' نے آپ کی دعوت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا اور یہیں پر آپ کی ملاقات مشہور عیسائی مفکر ''جارج برناڈشا'' سے ہوئی، اس سے آپ کا طویل مکالمہ ہوا، اس نے کہا ''آپ ایسے مذہب کے ترجمان ہیں جو تلوار کی زور سے پھیلا تھا، مجھے افسوس ہے کہ گونا گوں مصروفیات کے باعث آپ کا لیکچر نہ سن سکا، حالانکہ مجھے آپ کو سننے کا خاصہ اشتیاق تھا، آپ نے فلسفۂ امن پر تقریر کی، حالانکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ کے لیے زیادہ مناسب یہ تھا کہ آپ فلسفۂ جنگ پر روشنی ڈالتے کیوں کہ بلاشک وشبہ اسلام تلوار کی نوک سے پھیلا ہے۔

اس کذب وافترا کا جو جواب حضرت مبلغ اسلام نے دیا، وہ بہت سنجیدہ اور نپے تلے الفاظ میں تھا، وہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے ''جارج برناڈشا'' سے آپ نے جواباً فرمایا: ''یہ داستان جس کا جھوٹ اب بے نقاب ہو چکا ہے، آپ جیسے عالم کی زبان پر آتی ہے، تاہم مختصر میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کا لفظی معنی خود ''امن'' کے ہیں، اسلامی تعلیمات کا مصدقہ رکارڈ اپنی پوری صحت کے ساتھ قرآن وحدیث کی صورت میں موجود ہے، جو واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ اسلام میں تلوار کا استعمال اس صورت میں جائز ہے جب مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور انہیں اپنے دفاع میں تلوار اٹھانی پڑے، قرآن مجید صاف طور پر کہتا ہے اسلام میں زبردستی نہیں''۔ (حیات علیم رضا، ص ۲۹، ۳۰)

جب آپ نے اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ پیش کر کے اسلام کی حقانیت ثابت کی اور برناڈشا کے کئی ایک شبہات کا تسلی بخش جواب دیا تو برناڈشا جیسا عظیم فلسفی اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کے باوجود اسلام کی عظمتوں کا معترف ہوگیا، آپ کی تبلیغی صلاحیتوں کو پرزور انداز میں خراج تحسین پیش کیا، جارج برناڈشا کے الفاظ یہ ہیں ''آپ کی گفتگو اتنی دلچسپ اور معلوماتی ہے کہ میں سالوں تک آپ کے ساتھ رہنا پسند کروں گا، اس میں شک نہیں کہ آپ بڑے شاندار اور بہترین انداز میں اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہیں''۔ (ایضا، ص: ۴۵)

۱۹۳۶ء میں آپ نے ایک بار پھر جنوبی ایشیائی ممالک کا دورہ کیا، جہاں سینکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد کینٹن سنگھائی اور پیپنگ میں تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں اور اپنی نغمہ بار آواز سے لوگوں کے ساز دل میں ارتعاش پیدا کیا، پھر جاپان کا رخ کیا جاپان کی ''اورنٹیل کلچرل سوسائٹی ٹوکیو'' میں خاص طور پر آپ نے اسلامی تعلیمات پر پرمغز خطاب کیا جس سے لوگ بحر حیات کی بیکراں موجوں سے آشنا ہوئے، ''ملایا'' میں آپ نے اسلام پر قادیانی حملے کے اثر کو ضائع کیا اور مدلل تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں کی مذہبی زندگی کو حیات نوبخشی، بہت سے یورپی لوگوں نے اسلام قبول کیا ''بنکاک رائل لائبریری'' میں آپ نے بدھ مذہبوں کے مطابق تحقیق کی۔ (تاریخ مشائخ قادریہ، ص: ۴۲۱، ۴۲۲)

ماریشس میں بھی آپ نے قادیانی حملے کا خاتمہ کیا ''حزب اللہ'' کی بنیاد ڈالی، اس تبلیغی دورے میں بہت سے ہندو اور عیسائی مسلمان ہوئے، ماریشس کے وزیر اعظم نے جلسۂ عید میلاد النبی کے موقع پر آپ کی تبلیغی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: ''یہ خطہ پرسکون ہے اور اس کے سکون کا سہرا مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کے سر ہے جنہوں نے اپنی تعلیم اور تبلیغ سے یہاں کے باشندوں کو امن وسکون سے رہنے کا درس دیا''۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۷ فروری ۱۹۷۸ء بحوالہ عظمتوں کے پاسبان)

آپ نے احیائے اسلام اور اشاعت دین کے لیے چین میں بھی کام کیا، ہانگ کانگ میں یتیم خانے کا سنگ بنیاد رکھا، آپ کی اردو تصنیف ''ذکر حبیب'' کے مقدمے میں آپ کے امریکی دورے کا تذکرہ ان الفاظ میں رقم ہے:

''جب آپ انگلستان سے امریکہ پہنچے تو بے شمار امریکن مسلمان آپ کے حلقۂ معتقدین میں شامل ہوگئے، مشرقی یونائیٹڈ اسٹیس کے مفتی اعظم ''حضرت عبدالرحمٰن لٹر'' آپ کے شاگرد ہوئے، جس وقت شکاگو میں آپ کا قیام تھا تو تقریباً آٹھ سے زائد امریکی انگریز مسلمان ہوگئے، امریکہ کے دور قیام میں ایک بار کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک دن نیویارک کے سٹی ہال میں ایک عالمانہ اور پرزور تقریر کی اور جلسہ ختم ہوا، جلسہ برخواست ہوتے ہی ۹۲ امریکیوں نے اسلام قبول کیا، ان اسلام قبول کرنے والوں میں مشہور سائنسداں ''مسٹر جارج اینٹن بیوف'' اور ان کی بیگم شامل ہیں، جب آپ امریکہ کے دارالسلطنت واشنگٹن کے مختلف اداروں میں تقریریں کررہے تھے تو اس دوران ۳۶ انگریز جو کالجوں کے پروفیسر اور فضلا تھے مع اہل وعیال اسلام سے وابستہ ہوئے، ''میچی گن یونیورسٹی'' کا ہوشیار نوجوان ماہر تعلیم ''عبدالباسط نعیم'' آپ کا شاگرد خاص ہوا۔

فلپائن جہاں کبھی اسلام کی عظمتوں کا سورج نصف النہار پر تھا مگر گلچین کے ہاتھ کبھی پھولوں کو نکھرنے نہیں دیتا اور مرغزاروں کی اڑان شکاری کی ہوس بھڑکا دیتی ہے، چنانچہ جب کرسچن کی مسموم فضا طاعون کی طرح پھیلی اور افق فلپائن پر آفتاب اسلام گہن آلود ہوگیا، مسلمان جو کبھی وہاں اکثریت میں تھے صرف دس فیصد میں سمٹ آئے اور نوے فیصد آبادی ارتداد کا شکار ہوگئی مگر قربان جائیے اسلام کے اس پاسبان پر جس نے بغیر کسی شور وغوغا اور نمائش کے بنجر زمین میں شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا اور آنے والی نسلوں کے ایمان کے تحفظ کی خاطر اپنا خون جگر قربان کرڈالا، وہ شجر کتنا بارآور ہوا ہے اس کا اندازہ پاکستان کے معروف صحافی ''پیر علی محمد واشدی'' کے تاثرات سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے فلپائن کا دورہ کرنے کے بعد حیرت ورشک کے ملے جلے جذبات میں پیش کئے: ''میں جب ۱۹۵۷ء میں سفیر بن کر فلپائن پہنچا تو مجھے جاتے ہی یہ محسوس ہونے لگا کہ اس شخص (علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے وہاں کے مسلمانوں کو بیدار اور منظم کرنے میں اتنا بڑا کام کیا ہوا تھا جو ان سے پہلے کسی مسلم ریاست سے، نہ کسی باہر کے شیخ یا پیر سے ہوسکتا تھا، خود پاکستان کے سفیر کو وہاں کے مسلم عوام اس نسبت سے پہچانتے تھے کہ اس کا تعلق اس ملک سے ہے جہاں سے مولانا صاحب تشریف لائے تھے، بہر حال ان کی کوششوں کا نتیجہ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ مختصراً یہ ہے:

(۱) مسلمانوں کو اپنے مذہب پر فخر محسوس ہونے لگا تھا (۲) ان کے اندر اندرونی تنظیم آگئی تھی (۳) غیر مسلموں سے ہمسائیگی کی وجہ سے جو غیر اسلامی رسومات ان میں پھیلنے لگی تھیں وہ مسدود ہوگئی تھیں (۴) قرآن وحدیث سے ان کی وابستگی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی (۵) مساجد تعمیر ہونے لگی تھیں، مدرسے اور مکتب کھولے جارہے تھے، دینی تعلیم پڑھانے کے لیے استاذ اور کتابیں مصر سے منگائی جاتی تھیں، دارالحکومت منیلا کی مرکزی مسجد کا سنگ بنیاد خود میں نے اپنے ہاتھوں سے رکھا (۶) ارتداد اور شرک کے دروازے بند ہوگئے تھے، پادریوں کی ساری کوششیں بے کار ثابت ہورہی تھیں۔

(روز نامہ جنگ لاہور بروز جمعہ المبارک ۲۱ ستمبر ۱۹۸۴ء ص:۳ بحوالہ عظمتوں کے پاسبان)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے علامہ کو ذہنی رجحانات کی شناخت کا ملکہ عطا کیا تھا، علوم وفنون کے مختلف شعبوں پر حاوی آپ کے تلامذہ کی لمبی قطار اس بات کی بین دلیل ہے، روئے زمین کے دوتہائی حصوں میں آپ کے جواں سال عزم واستقلال کے نقوش ثبت ہیں، یورپ وامریکہ کی شوریدہ بنجر زمین آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کی جولان گاہ بنی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ آپ نے جس خوبی سے انجام دیا اس کا اندازہ آپ کے طرز دعوت اور اس کی کامیابیوں سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہزار ہا لوگوں کو آپ کے ہاتھوں پر اسلام نصیب ہوا، جن میں عمائدین، اعیان مملکت، اصحاب فکر وفن شامل تھے، ان کے علاوہ علوم جدیدہ کے ماہرین، کالجوں اور یونیورسیٹیوں کے فضلا اور سائنسدانوں کا بھی ایک معتد بہ طبقہ ہے، چند اہم نام یہ ہیں:

(۱) بیس سال تک نصرانیت کی تبلیغ میں زمانے بھر کی خاک چھاننے والا عیسائیت کا تجربہ کار سن رسیدہ مبلغ ''ریوٹڈ لنگ لبیری'' جو کولمبو یونیورسٹی کا پروفیسر اور حکومت سیلون کا وزیر رہ چکا تھا، مبلغ اسلام کے چند بولوں نے اس کی کایا پلٹ دی اور ۱۹۲۳ء میں اس نے آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرلیا۔ (مبلغ اسلام، ص:۲۶)

(۲) اسی طرح ماریشس کا فرانسی گورنر ''مسٹر مروات'' ۱۹۲۸ء میں آپ کی تبلیغی کاوشوں سے دامن اسلام سے وابستہ ہوگیا۔ (ایضاً ص:۳۲)

(۳) مسٹر سنجند رانا تھ دت ایم، اے، ایل، ایل، بی بیرسٹر ان لا سنگاپور علامہ سے چند ملاقاتوں میں دینی گفتگو اور چند تقریروں نے

انہیں اس درجہ متاثر کیا کہ ۱۳/مئی ۱۹۳۱ء یکشنبہ کی سہ پہر ساڑھے چار بجے مدرسہ الجنید کے صحن میں ہزاروں مسلموں اور غیر مسلموں کے سامنے بطیّب خاطر علامہ موصوف کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے، اسلامی نام سراج النوردت رکھا گیا۔ (ہفت روزہ ''الفقہ'' امرتسر ۲۸/مئی ۱۹۳۱ء ص:۱۰ بحوالہ علامہ عبدالعلیم میرٹھی حیات اور کارنامے)

ان کے علاوہ یونیورسٹی کی شہزادی ٹرینی داڑ کی ایک خاتون وزیر اور بے شمار سرآوردہ لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا، آپ کی زندگی کے بیشتر اوقات تبلیغی اسفار میں صرف ہوتے تھے، آپ کی ذات ایک ہمہ گیر ادارہ تھی جس نے مشینی انداز میں تبلیغی اسفار کر کے ہر ایک کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، مگر جب آپ نے ضرورت محسوس کی تو نیوزی لینڈ میں اپنے لائق شاگرد ''مسٹر عزیز ایچ عباسی'' کو دعوت وتبلیغ کا کام سپرد کر دیا اور آسٹریلیا میں مشہور فاضل ''محمد عالم کو تبلیغ واشاعت کا منتظم مقرر کیا، اسی طرح اپنے قابل شاگرد ''ڈاکٹر ایچ، ایس منشی'' کو سنگاپور میں مشہور انگریزی رسالے ''The Genuin Islam'' کی ادارت سپرد کی، جبکہ دوسرے لائق شاگرد ''سید ابراہیم اشگوف'' کو ''آل ملایا مشنری سوسائٹی'' کا صدر بنایا، ان کے علاوہ افریقہ میں آپ کے شاگرد ''آر، اے، اے محمد'' پورٹ لوئس کے میسٹر (میر شہر) تھے اور محمد اسحاق عبداللطیف تنظیم واشاعت کا کام کرتے تھے۔ (مقدمہ ذکر حبیب)

علامہ نے اپنے تبلیغی اسفار کے درمیان بے شمار تبلیغی ادارے، کالیجز، لائبریریاں، مدارس اور مساجد قائم کیں اور نسل نو کی ذہن سازی اور ان کے اسلامی جذبات کی تسکین کا سامان مہیا کرنے کے لیے مختلف جرائد، اخبارات اور رسائل جاری کیے۔

قابل ذکر مساجد میں حنفی جامع مسجد کولمبو (۱۹۲۳ء) سلطان مسجد سنگاپور (۱۹۳۱ء) عربی یونیورسٹی ملایا، غفوریہ عربی اسکول کولمبو (۱۹۳۳ء) مدارس میں خاص طور سے قابل ذکر دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی یوپی انڈیا آپ کی تبلیغی زندگی کی وہ عظیم شاہکار ہیں جنہیں صدیوں نہ بھلایا جاسکے گا، ایک زمانے تک لوگ انہیں رشک کی نگاہوں سے دیکھتے رہیں گے۔

اسلام کی شمع فروزاں کرنے کے لیے مختلف تنظیموں کا قیام بھی دعوتی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے، اس لیے آپ نے کئی ایک تنظیمیں بھی قائم کیں جن میں ''حزب اللہ موریشش'' (۱۹۲۸ء) تنظیم بین المذاہب الاسلامیہ مصر، انٹرنیشنل اسلامک سروس سینٹر ڈربن (۱۹۳۵ء) قابل ذکر ہیں۔

دی مسلم ڈائجسٹ ڈربن جنوبی افریقہ، اسٹار آف اسلام سیلون، پاکستان نیوز ڈائجسٹ، اسلامک ورلڈ اینڈ یو، ایس، اے امریکہ وغیرہ آپ کے جاری کردہ مذہبی جرائد اور رسائل سے دعوت واصلاح کا بہت بڑا کام ہوا۔

لٹریچرز، رسائل اور کتب کے ذریعہ فاسد نظریات کی پھیلی ہوئی وبا کی لگام کسنے اور رہتی دنیا تک حقانیت کی گونج صحرا بصحرا ہونچانے کے لیے آپ نے تصنیف وتالیف کی شکل میں کچھ علمی شہ پارے بھی عطا کیے، آپ کی گراں قدر تصانیف آج بھی آپ کے تبلیغی مشن کو تقویت پہونچا رہی ہیں، عربی میں مرأۃ القادیانیہ، اردو میں ذکر حبیب، بہار شباب، کتاب تصوف، ردقادیانیت، احکام رمضان اور صوت الحق، انگریزی میں ہائی وائی لا گی، وتھ برناڈ شاہ، ان پر پچول کلچر ان اسلام، مسلم رول ان سائنٹفک وسکوریز قابل ذکر شاہکار ہیں۔

مصر کی انقلابی تنظیم اِخوان المسلمین کے بانی حسن البناء نے مبلغ اسلام کی دعوتی خدمات کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا: ''**کما کان من فضل الله وتوفيقه ان التقينا منذعامين في الارض المقدسة وعند البيت العتيق بصاحب الفضيلة والداعية الاسلامي الشيخ محمد عبد العليم الصديقي، ونحن نسال الله تبارك وتعالىٰ ان يجزي الاستاذ المفضال الشيخ محمد عبد العليم الصديقي عن المسلمين عامة خيرا جزا**''

جنوبی مشرقی ایشیا ممالک کی سنگاپور میں منعقد ایک کانفرنس میں آپ کی گراں قدر تبلیغی خدمات کی وجہ سے آپ کو ''ہزا کزلیٹیڈ ایمی نینس'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان ص:۲۳۹)

اسلام کے اس عظیم مبلغ کی روح جس کے سوز وساز اور جستجو وآرزو نے نہ جانے کتنے قلوب واذہان کو جھنجھوڑا تھا، بالآخر ۲۳/ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ، ۲۲/اگست ۱۹۵۴ء کو مدینۃ الرسول کی بہاروں میں اپنے محبوب کے قدموں میں نثار ہوگئی۔

وقفہ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم

☆☆☆

صدرالشریعہ قدس سرہ اور دعوت دین

مفتی محمد ابوالحسن قادری ★

دعوتِ دین میں دین اور دین کے تمام تقاضوں کی دعوت شامل وداخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعوتِ ایمان ہو یا دعوتِ عمل، دعوتِ اصلاحِ عقائد ہو یا دعوتِ اصلاحِ اعمال، دعوتِ خوفِ الٰہی ہو یا دعوتِ عشقِ رسالت پناہی، دعوتِ خیر ہو یا دعوتِ اجتنابِ شر ہر ایک دعوتِ دین ہے۔ اس کے ہر شعبے میں حرکت وسرگرمی کی ضرورت مسلم ہے بلکہ قرآن واحادیث میں روشن نصوص موجود ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے "أدع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة" (سورۂ نحل:۱۲۵) اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔

اور ارشاد ہے "ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولٓئک هم المفلحون" (آل عمران:۱۰۴) اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے روکیں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

نیز فرمان پاک ہے "کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله" (آل عمران:۱۱۰) تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

آیات بالا میں دعوت الی اللہ، دعوتِ خیر، امر بالمعروف، منع شر کا حکم جلی ہے بلکہ اسی کارنامے کو اس امت کی برتری کا سبب اور سرنامہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ دعوتِ دین لازمی فریضہ ہے اس سے چشم پوشی، کوتاہی، غیر قابل عفو جرم ہے۔

احادیث کریمہ بھی اس پر شاہد ہیں:

چناں چہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، (اے لوگو!) یا تو اچھی بات کا حکم کروگے یا بری بات سے منع کروگے یا اللہ تم پر جلد عذاب بھیجے گا پھر دعا کروگے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔ (کنز العمال للمتقی ۱۸/۲، مشکوٰۃ ص:۴۳۶)

یوں ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں جو شخص بری بات دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے بدل دے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے یعنی دل سے برا جانے اور یہ کمزور ایمان والا ہے۔

(کنز العمال ۱۶/۲ و مشکوٰۃ ص:۴۳۶)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں گناہ ہوتے ہوں اور وہ لوگ بدلنے پر قادر ہوں پھر بھی نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب بھیجے۔ (کنز العمال ۱۹/۲ و امجد الاحادیث ۱۱۵۱/۲)

واضح ہوا کہ مسلمان سے جس طرح ممکن ہو دعوت خیر ومنع شر کا فریضہ انجام دے، ورنہ نزولِ عذاب ممکن اور اجابتِ دعا کی صورت مسدود ومفقود ہے۔

یہی وہ فریضہ ہے کہ جس کی ادائیگی کے لیے غزوات اسلامی، خوں ریز معرکے وجود میں آئے۔ آقائے عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، پائے ناز لہولہان ہوئے، شجاعان اسلام زندہ جاوید ہوئے، اوطان ودیار ویران ہوئے، پیر پیراں شیخ جیلاں نے اپنا آبائی وطن چھوڑا، خواجۂ خواجگاں نے ہندوستان کا صبر آزما جاں گسل سفر کیا، حضرت مسعود غازی نے عیش وعشرت کی جگہ

تلواروں کی دھار تلے سونا پسند کیا، حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی نے دس سالہ سلطنت ٹھکرا کر فقر کو گلے لگایا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بد عقیدگی کی آندھیوں کو ایمانِ عشق ورسالت کی خوشگوار ہواؤں میں بدلنے کے لیے اپنا آرام وچین قربان کردیا۔مگر یہ یادرہے کہ یہ دعوتِ دین وہ پر پیچ اور خاردار وادی ہے جس میں قدم رکھنے کے لیے علم وحکمت کی دانائی چاہیے۔افکار کی رعنائی بھی، ہواؤں کے دوش پر چراغِ ہدایت جلانے کا حوصلہ بھی چاہیے، تلاطم خیز سمندر کی لہروں پر آشیانہ بنانے کا ولولہ بھی، خشک رگوں میں ایمانی لہو دوڑانے کا ہنر چاہیے، مردہ قوموں کو حیات آشنا کرانے کا فن بھی، لب و لہجے کی حلاوت اور شیرینی چاہیے، شخصی وجاہت وکمال بھی، اخلاص ودانش کی دولت چاہیے، صاف وشفاف بھی، تحمل وبردباری اور صبر کا مادہ چاہیے، مشقت خیزی کی ہمت بھی، حق گوئی ورد باطل کی جرأت مرادانہ چاہیے، اظہار مافی الضمیر پر قدرت کاملہ بھی، نبوی حکیمانہ اسلوب چاہیے، مسلسل جدو جہد وعمل پیہم بھی، پوشیدہ نہ رہے کہ ہر زمانے میں اوصاف مسطورہ کے جامع داعیانِ حق پائے جاتے رہے۔ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو انبیائے کرام نہایت نمایاں اور ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ان کے بعد صحابہ وتابعین کرام پھر اولیا وصوفیائے عظام وعلما ومشائخین ذوی الاحترام بے مثال داعی ومبلغ نظر آرہے ہیں۔

چودہویں صدی ہجری میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، شیخ المشائخ حضرت ابو الحسن نوری میاں برکاتی مارہروی، شیخ المحد ثین علامہ وصی احمد محدث سورتی ثم پیلی بھیتی، قدوۃ المشائخ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی، صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، فقیہ اسلام حضرت علامہ مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری، فاضل ربانی حضرت علامہ عبد القادر برکاتی بدایونی، قطب مدینہ حضرت علامہ سید ضیاء الدین مدنی قدست اسرارھم کی جہاں دینی خدمات اور دعوتی سرگرمیاں زندۂ جاوید حقیقت ہیں وہیں ایک اور ذات گرامی ہے جس کی دعوتی وتبلیغی خدمات ہمیشہ یاد کی جاتی رہیں گی، وہ ہے صدر الشریعہ بدر الطریقہ فقیہ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ۔(ولادت ۱۲۹۹ھ/۱۳۶۷ھ)

صدر الشریعہ قدس سرہ اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجل خلفا، ان کے تلمیذ رشید نیز ان کے علم فقہ وافتا کے وارث رئیس المحد ثین علامہ وصی احمد محدث سورتی کے علم کے امین، حضرت شیخ المعقولات علامہ ہدایت اللہ رامپوری کے معقولات کے جامع تھے۔

ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ، نفس نفس اشاعت دین، ترویج مسلک، دعوت خیر، دفع شر، قمع بدعت، نشر سُنّت، اِحیائے ملت، احقاق حق، امحائے باطل اور حمایت دین میں گزرا۔

دین کی دعوت کے حوالے سے ان کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کے لیے اپنی پوری زندگی وقف رکھی تھی، قدماً، قلماً، لساناً، رقماً ہر طرح سے دینی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا، نومسلموں میں تبلیغ دین وایمان فرما کر مذہب اسلام سے آشنا کرانے کی سعی بلیغ کی ہے، تو مسلمانوں کو قرآن سیکھنے اور سکھانے کی تاکید بھی فرمائی، بہار شریعت لکھ کر ایمان وعقائد کی اصلاح کا سامان کیا ہے تو اعمال کی اصلاح کی دعوت بھی دی، نماز کی پابندی برتنے کا حکم دیا ہے تو خرافات ولغویات سے بچنے کی مناسب تدبیر بھی کی۔قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

اجمیر کے راجپوتوں نے اسلام تو قبول کرلیا تھا مگر ان میں مشرکانہ رسمیں بکثرت موجود تھیں، فرائض وواجبات سے وہ غافل وجاہل تھے، انہیں اسلام سے کما حقہ روشناس اور فرائض وواجبات سے واقف کرانا نہایت ضروری تھا۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے دار العلوم معینیہ اجمیر شریف میں تدریس کے وقت ان میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ اپنے تلامذہ کو بھی اس میں شریک کیا، پروگرام کے مطابق حضرت صدر الشریعہ اپنے تلامذہ کو لے کر ان راجپوتوں کے پاس جاتے انہیں دینی مسائل واحکام بتاتے، تبلیغی جلسے کرتے، اس کا نہایت حوصلہ افزا نتیجہ ہاتھ آیا، چنانچہ علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:”ان تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا اور ان لوگوں

میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا ہوگیا"۔ (ماہنامہ پاسبان امام احمد رضا نمبر الہ آباد، ص:۶۱)

اس حوالے سے مشہور مورخ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں: "اجمیر کے زمانۂ قیام میں نومسلم راجپوتوں میں مولانا امجد علی نے خوب تبلیغ کی اور اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے۔ (یادگار بریلی، ص۶۱ کراچی ۱۹۷۰ء)

پھر اجمیر کے آس پاس بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں بھی حضور صدرالشریعہ نے تبلیغی مشن جاری رکھا، اپنی عملی، فکری، انقلابی تقریر و وعظ کے ذریعے دین اور اہمیتِ دین سے ہزاروں لوگوں کو روشناس کرایا۔

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"اس (اجمیر شریف) کے علاوہ ارد گرد کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات مثلاً نصیر آباد، ببادر، لاڈ، جے پور، جودھپور، پالی ماڑو، چتوڑ وغیرہ میں بھی خود آپ اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمی جاری رکھتے، مذہب اہل سُنّت کی اشاعت اور وہابیہ، قادیانیہ کا رد کرتے تھے، آپ کی تقریر خالص علمی مضامین اور قرآن وحدیث کی تفسیر وتفصیل پر مشتمل ہوا کرتی، مسلکِ اہل سُنّت کو ٹھوس دلائل سے اس طرح بیان فرماتے کہ مخالفین کو تسلیم کے علاوہ چارۂ کار نہ رہتا۔

واضح رہے کہ حضرت صدرالشریعہ کی دینی دعوت وتبلیغ محض اجمیر اور اس کے قرب وجوار تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان کی خدماتِ دعوت ملکی پیمانے پر بسیط تھیں۔ کیوں کہ آپ اپنے عہد میں ان ممتاز خطبا ومناظرین، دعاۃ ومتکلمین میں سے تھے جنہیں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اجازتِ دعوت وخطاب حاصل تھی بلکہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قلم سے جن داعیان اسلام، مقررین ذوی الاحترام کا نام شائع فرمایا تھا اور عوام اہلِ سُنّت کو دعوت وتقریر کے لیے جن علما کو مدعو کرنے کا حکم دیا تھا ان میں حضرت حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں قادری اور مفتی اعظم علامہ مصطفےٰ رضا خاں قادری علیہما الرحمہ کے بعد سب سے نمایاں آپ ہی کا نام تھا،۔ تحریر کی کیفیت کچھ اس طرح ہے۔

"جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب ساکن اعظم گڑھ وارد حال محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فقیہ، مصنف، واعظ، مناظر، حامی سُنّت ومجاز طریقت۔ (ماہنامہ الرضا بریلی، ص:۱۰ بابت جمادی الاولی ۱۳۳۸ھ)

علاوہ ازیں جب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں تقریر و وعظ کے لیے مدعو ہوتے تو صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو بھیجتے اور جس اسٹیج پر اعلیٰ حضرت جلوہ افروز ہوتے اس پر صدرالشریعہ، صدرالافاضل، حجۃ الاسلام تقریر فرماتے، ہرکسی کو جرأتِ خطاب نہ ہوتا۔ (ملاحظہ ہو صدر الشریعہ نمبر ۱۹۹۵ء، مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا مضمون)

تعلیم قرآن کی دعوت: ایک مسلمان کے لیے قرآن کریم نہایت باعظمت کتاب ہے، اس کا سیکھنا اور سکھانا خیر وسعادت بلکہ عظیم عبادت ہے، حدیث پاک ہے "**خیرکم من تعلم القرآن و علمہ**" لہٰذا اس کی تعلیم وتعلم کی دعوت ایک دینی دعوت ہے۔ حضور صدرالشریعہ قدس سرہ تاحیات اس کی دعوت دیتے رہے۔ اپنی کتاب "بہار شریعت" میں اس کے پڑھانے اور دیگر ضروری باتیں سکھانے کی دعوت دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور دین کی ضروری باتیں سکھائی جائیں، روزہ ونماز وطہارت اور بیع واجارہ ودیگر معاملات کے مسائل جن کی روزمرہ حاجت پڑتی ہے اور ناواقفی سے خلاف شرع عمل کرنے کے جرم میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی تعلیم ہو اگر دیکھیں کہ بچہ کو علم کی طرف رجحان ہے اور سمجھ دار ہے تو علم دین کی خدمت سے بڑھ کر کیا کام ہے اور اگر استطاعت نہ ہو تو تصحیح وتعلیم عقائد اور ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد جس جائز کام میں لگائیں اختیار ہے۔ (بہار شریعت ۱۴۴/۸)

اس اقتباس میں صدرالشریعہ تعلیمِ قرآن کی دعوت دے رہے ہیں عبادات ومعاملات کے مسائل کے سیکھنے کی بھی اور خدمت دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ عقائد کی تصحیح اور مسائلِ ضروریہ سیکھنے کی بھی، اندازہ لگائیں کہ مسلمانوں کے تئیں صدرالشریعہ کتنے ہمدرد اور مخلص

رہنما تھے۔

داعیانِ دین تیار کرنے اور مدارس قائم کرنے کی دعوت:
تقسیمِ ہند کے وقت ۱۹۴۷ء کے عالم رستاخیز میں جب ہندوستانی مسلمان رختِ سفر باندھ کر پاکستان جارہے تھے، صدرالشریعہ اس وقت مسلمانانِ ہند کو اپنے وطن میں رہنے اور اسلامی شعائر کو قائم رکھنے کی دعوت دیتے رہے۔ مصلحین، مفکرین، مبلغین پیدا کرنے اور مدارس وجامعات، معاہد واصلاحی کارخانے قائم کرنے کی ہدایت دیتے رہے۔ انہیں دنوں میں آپ نے شیخ محمد امین صاحب محلّہ پورہ صوفی کے دروازے پر ایک تاریخی خطاب کیا تھا، اس کا ایک حصہ یہ ہے......

''ہمیں اسی ملک میں رہنا ہے، اس عزم وحوصلے کے ساتھ کہ ہمارے اسلامی شعائر کے تمام گوشے حسبِ سابق قائم ودائم رہیں گے اور مستقبل میں دینِ حنیف اور اس کے ارکان پر کسی بھی حلقہ کا مقابلہ ہمیں یہیں رہ کر کرنا ہے۔ ہندوستان ہمارا وطن ہے، اس کے اندر ہونے والی ہر بدعنوانی کو ہمیں خود اپنی کمزوری تصور کرنا ہوگا۔ وطن کا سچا شیدائی وہ ہے جو اس کے ہر غلط اقدام کو اپنی غلطی سمجھ کر اصلاح کی کوشش کرے تاکہ غیر ممالک کی نگاہ میں ملک ووطن کا وقار مجروح نہ ہو۔ اسلام اور قوم وملت کے لیے ضروری ہے کہ متین وسنجیدہ، ماحول شناس، مصلح اور مفکر زیادہ سے زیادہ پیدا کئے جائیں تاکہ ملک ووطن، قوم وملت کی سچی خدمات اور معاشرے کی اصلاح کا فریضہ کماحقہٗ انجام پا سکے۔ ان کاموں کی راہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اصلاحِ امت کے کارخانے، دانش گاہیں اور مدارس زیادہ سے زیادہ قائم کئے جائیں۔ (اشرفیہ کا ماضی اور حال ص ۲۱، ۲۲، از علامہ بدرالقادری)

علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کو دعوتِ تدریس: قرآن و حدیث، فقہ وتفسیر، اصول وعقائد کا درس بلا ریب دینی کام ہے۔ کسی کو اس کارِ سعید میں لگانا، نہایت عظمت بخش، نتیجہ خیز عمل ہے۔ حضرتِ صدرالشریعہ نے ہمیشہ درس وتدریس کا کام انجام دیا اور درس وتدریس کے تاجور تیار فرمائے، نیز اس عمل سے روٹھے ہوئے کو سمجھا کر دوبارہ اس میں لگایا۔ چنانچہ آپ کا یہ یادگاری واقعہ تاریخ اشرفیہ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا جس کو مولانا غلام مصطفےٰ کوثر امجدی لکھتے ہیں:

''حضور حافظ ملت کے شاگرد رشید اور جامعہ اشرفیہ کے نائب شیخ الحدیث جامع معقول ومنقول حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک مرتبہ کسی بات پر ناراض ہو کر مبارک پور سے اپنے گھر چلے آئے اور کپڑے کی تجارت شروع کردی۔ مبارک پور میں ان کی جگہ خالی رہی۔ کچھ دنوں بعد حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ مبارک پور تشریف لائے، نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ کے متعلق حال معلوم کر کے بے حد افسوس فرمایا۔ حضرت صدرالشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ اگر چاہتے تو ہندوستان کے کسی بھی بڑے جید عالم کو لاکر نائبِ شیخ الحدیث کی جگہ پر بیٹھا دیتے مگر جلالۃ العلم شیخ المشائخ استاذ الفقہا حضرت صدرالشریعہ میرے وہاں قصبہ رتسڑ، ضلع بلیا میں بذاتِ خود تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب نائبِ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کو آج ہی شام تک اپنے ساتھ لے کر آجائیں، یہ حکم سنتے ہی میں نے سائیکل اٹھائی اور آدھے گھنٹے میں حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کے مکان پر بھوجپور (ضلع بلیا) پہونچ گیا۔ حضرت کا فرمان سنایا، وہ کپڑے کی دکان پر مصروف تھے مگر فوراً تیار ہو گئے اور ہم دونوں آدمی شام سے پہلے خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت بے حد مسرور ہوئے، مجھے بڑی دعائیں دیں اور حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب نائبِ شیخ الحدیث علیہ الرحمہ سے بعد نمازِ عشا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ حافظ جی! میں نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ اگر کپڑے کی تجارت ہی کرنی تھی تو آپ نے اپنا قیمتی وقت حصولِ علم میں صرف کیا اور مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور ماشاء اللہ آپ نے حق ادا کردیا، اب آخری وقت میں کیا تجارت شروع کردی۔ جامعہ اشرفیہ کے در ودیوار آپ کو آواز دے رہے ہیں۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی جگہ پر مبارک پور تشریف لے جائیں، آپ کی موجودگی میں اس جگہ کو کوئی دوسرا شخص پر نہیں کرسکتا اور میں آپ کو یقین دلاتا

ہوں کہ اب آپ کو کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ اتنا سننا تھا کہ حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب حضرت کا حکم ہے تو میں بہر حال جاؤں گا اور تعمیلِ حکم میں کوئی کمی نہ ہونے دوں گا۔ صبح کو دست بوسی وقدم بوسی کے بعد اپنے مکان بھوجپور گئے پھر دوسرے ہی دن مبارکپور کے لیے روانہ ہو گئے۔ کپڑے کی تجارت چھوڑ دی اور اس شان سے گئے کہ مبارکپور ہی کے ہو کر رہ گئے۔ (ملخصاً (ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء ص ۱۴۵)

اس واقعے سے جہاں جامعہ اشرفیہ سے آپ کی سچی محبت کا پتہ چلتا ہے، وہیں تدریسِ دین کی دعوت کا اہم کارنامہ بھی اجاگر ہو رہا ہے۔

بدمذہبوں کی نقاب کشائی کرنے کی دعوت: ۔ اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان بدعقیدوں اور بدمذہبوں سے ہو رہا ہے۔ یہ اپنے عقائدِ خبیثہ چھپا کر اہلِ ایمان کے افکارِ صحیحہ پر شب خون مار رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نقاب کشائی نہایت ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بدمذہبوں کا ردّ اہم فرض ہے۔

اسی لیے صدر الشریعہ نہایت سختی کے ساتھ ان کا رد و ابطال، ان کے عقائدِ باطلہ کا اظہار ضروری گردانتے ہیں۔ چنانچہ فاسق و فاجر کا فسق بغرضِ اصلاح قاضی کے یہاں ظاہر کرنے کا حکم بیان فرما کر لکھتے ہیں ''یہ حکم فاسق و فاجر کا ہے جس کے شر سے بچانے کے لیے لوگوں پر اس کی برائی کھول دینا جائز ہے اور غیبت نہیں، اب سمجھنا چاہیے کہ بدعقیدہ لوگوں کا ضرر فاسق کے ضرر سے بہت زائد ہے، فاسق سے جو ضرر پہنچے گا وہ اس سے بہت کم ہے جو بدعقیدہ لوگوں سے پہنچتا ہے، فاسق سے اکثر دنیا کا ضرر ہوتا ہے اور بدمذہب سے تو دین و ایمان کی بربادی کا ضرر ہے اور بدمذہب اپنی بدمذہبی پھیلانے کے لیے نماز و روزہ کی بظاہر خوب پابندی کرتے ہیں تاکہ ان کا وقار لوگوں میں قائم ہو پھر جو گمراہی کی باتیں کریں گے ان کا پورا اثر ہوگا، لہٰذا ایسوں کی بدمذہبی کا اظہار فاسق کے فسق کے اظہار سے زیادہ اہم ہے، اس کے بیان کرنے میں ہرگز دریغ نہ کریں۔ (بہارِ شریعت ۱۶/۱۵۰)

غور فرمائیں کس پیارے انداز میں بدعقیدوں کی چالیں واضح کرتے، اُن کے ضرر سے اہلِ ایمان کو آگاہ فرماتے اور ان کی بدمذہبی ظاہر کرنے کی تاکید شدید فرماتے ہیں۔

ارکانِ نماز کی رعایت کرنے کی تاکید: بہت سے لوگ بخار یا تھوڑی تکلیف پر نماز کو اس کے جمیع ارکان کے ساتھ ادا نہیں کرتے مثلاً بیٹھ کر پڑھنے لگتے ہیں جب کہ کھڑے کھڑے پڑھنے پر قادر ہوتے ہیں۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ایسے لوگوں کی حالت ذکر فرما کر انہیں تنبیہ و تاکید فرمائی کہ غیر معذور ہو کر معذور کی طرح نماز پڑھنا بے سود و بے ثمر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کر دی حالانکہ وہی لوگ اسی حالت میں دس، دس پندرہ، پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر کی بات کر لیا کرتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ ان مسائل سے متنبہ ہوں اور جتنی نمازیں باوجود قدرت قیام بیٹھ کر پڑھی ہوں ان کا اعادہ فرض ہے''۔ (بہارِ شریعت ۴/۱۱)

اعتکاف مستحب میں نیت کرنے کی تاکید: ۔ مسجد میں نماز کے علاوہ کچھ ٹھہرنا ہے تو اعتکاف کی نیت باعثِ ثواب ہے۔ یہ اعتکاف مستحب ہے، حضرت صدر الشریعہ اس اعتکاف کی نیت کے ساتھ ٹھہرنے کی ترغیب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ (اعتکاف مستحب کرنے میں) بغیر محنت ثواب مل رہا ہے کہ فقط نیت کر لینے سے اعتکاف کا ثواب ملتا ہے اسے تو نہ کھونا چاہیے۔ مسجد میں اگر دروازے پر یہ عبارت لکھی جائے کہ اعتکاف کی نیت کر لو اعتکاف کا ثواب پاؤ گے تو بہتر ہے کہ جو اس سے ناواقف ہیں انہیں معلوم ہو جائے اور جو جانتے ہیں ان کے لیے یاد دہانی ہو۔ (بہارِ شریعت ۵/۱۴۸)

تحفظ دین کی تاکید مشرکوں سے اجتناب کا حکم: دین کی حفاظت وصیانت عظیم عبادت ہے۔ ہر مسلمان پر حسب وسعت لازم ہے اس کے ذرائع میں اہم یہ ہے کہ اعدائے دین، کفار و مشرکین سے اختلاط نہ کیا جائے، ان سے اجتناب تام رکھا جائے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مسلمانوں پر اپنے دین و مذہب کا

تحفظ لازم ہے دینی حمیت اور دینی غیرت سے کام لینا چاہیے۔ کافروں کے کفری کاموں سے دور رہیں، مگر افسوس کہ مشرکین تو مسلمانوں سے اجتناب کریں اور مسلمان ہیں کہ ان سے اختلاط رکھتے ہیں، اس میں سراسر مسلمانوں کا نقصان ہے۔ (بہارشریعت ۹/۱۷۳)

اسلام کے احترام وقدر کی تاکید: اسلام عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرو اور جس بات میں ایمان کا نقصان ہے اس سے دور بھاگو ورنہ شیطان گمراہ کردے گا اور یہ دولت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ (بہارشریعت ۹/۱۷۳)

علم بالشرع کی تاکید: اربابِ علم واقف ہیں کہ شرعاً خرید وفروخت میں مبیع کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اس کی قیمت کا بھی، ورنہ بیع فاسد ہوگی، عاقدین گنہگار ہوں گے، کیوں کہ یہ باعث نزاع ہے۔ حضرت صدرالشریعہ اس شرعی مسئلے پر پابندی سے عامل تھے اور دوسروں کو بھی عامل دیکھنا چاہتے تھے ایک بار کچھ طلبہ قیمت پوچھے بغیر سامان آپ کے لیے لے آئے۔ آپ نے انہیں اس حکم شرع پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور سامان واپس کردیا۔ چنانچہ حضرت علامہ مفتی ظفر علی صاحب پاکستان بیان فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ استاذ گرامی حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ نے غلہ خرید کر لانے کو فرمایا۔ ہم چند طلبہ گئے اور بغیر بھاؤ طے کئے راشن دکان سے سامان خریدا اور پیٹھ پر لاد کر حضرت کی بارگاہ میں پہنچے حضرت نے فرمایا کیسے دیا، قیمت معلوم کی؟ ہم لوگوں نے عرض کیا نہیں، حضرت نے ہم لوگوں کو واپس کردیا اور فرمایا ہمیشہ بھاؤ طے کرکے اور قیمت معلوم کرکے سامان لینا چاہیے''۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا صدرالشریعہ نمبر اکتوبر نومبر ۱۹۹۵ء ص:۱۸۳)

بطور ''مشتے نمونہ ازخروارے'' چند نظائر پیش کئے گئے۔ اگر آپ فتاوے اور تصانیف بالخصوص بہار شریعت سے دعواتِ دینی، او امر بالمعروف ونواہی عن المنکر جمع کئے جائیں تو کتاب تیار ہوجائے۔ آپ کے سارے مناظرے اُسی عنوان کی زمرے میں آئیں گے۔ غرض آپ نے پوری زندگی دعوتِ خیر کا کام کیا ہے۔ مذہب ومسلک کی نشر واشاعت کا کارنامہ انجام دیا۔ اس کے علاوہ اپنی ساری اولاد کو دین کا داعی اور مبلغ بنایا جو آج خدمات دین ونشر مسلک اعلیٰ حضرت میں سرگرم عمل ہیں، نیز ایسے نمایاں شاگرد بنائے جنھوں نے دین کی دعوت وتبلیغ میں اہم رول ادا کیا، پوری دنیا میں اسلام وسُنّیت کا بول بالا کردیا۔ چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) استاذ العلما، جلالۃ العلم علامہ عبد العزیز محدث مبارکپوری معروف حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ قدس سرہ۔

(۲) محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد گورداسپوری قدس سرہ۔

(۳) مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی قدس سرہ۔

(۴) وقار العلما حضرت علامہ مفتی وقار الدین صاحب مفتی دارالعلوم امجدیہ پاکستان۔

(۵) شیر بیشہ اہل سُنّت حضرت علامہ حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی قدس سرہ۔

(۶) صدرالعلما، امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ۔

(۷) شمس العلما علامہ مفتی شمس الدین جونپوری مصنف قانون شریعت قدس سرہ۔

(۸) شیخ الخطبا حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی قدس سرہ۔

(۹) شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی قدس سرہ۔

(۱۰) خیرالاذکیا حضرت علامہ غلام یزدانی اعظمی قدس سرہ۔

(۱۱) حضرت علامہ سید ظہیر زیدی علی گڑھ، قدس سرہ۔

(۱۲) نائب مفتی اعظم علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اعظمی قدس سرہ

صدرالشریعہ اور ان کے خدام کی دینی خدمات سے متاثر ہوکر شفیق جون پوری نے کہا ہے ؎

سلامی جابجا ارض وسما دیں
مہ وخورشید پیشانی جھکادیں
تیرے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر بچھادیں

❀❀❀

سرکار محدّثؒ کی دعوتی خدمات ایک جائزہ

صابر رضا رہبر مصباحی

محبّ اعلیٰ حضرت ابوالولی حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدّیٰؒ علیہ الرحمہ اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین اور بلند پایہ مبلغ ومناظر تھے۔آپ نے میدان دعوت وتبلیغ میں جونمایاں کارنامہ انجام دیا ہے وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ جس وقت ملک عزیز ہندوستان آزادی کی جدوجہد سے گزر رہا تھا اس وقت ہر چہار جانب سے اسلام مخالف فتنے سر اٹھا رہے تھے اور دشمنان دین لباس بدل کر بنام اسلام وہابی و دیوبندی تحریک کی شکل میں مسلمانوں کے ایمان وعقیدے پر شب خون مار رہے تھے۔ ایسے پرفتن دور میں امام اہل سُنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے تبلیغی مشن کو شمالی بہار میں فروغ واستحکام بخشنے میں آپ نے جو قائدانہ کردار ادا کیا وہ تاریخ کا اٹوٹ حصہ ہے، آج شمالی بہار میں دین وسُنّیت کی جو کچھ درخشانی دیکھنے کو مل رہی ہے وہ سرکار محدّیٰؒ کی دعوتی وتبلیغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

سرکار محدّیٰؒ کی دعوتی وتبلیغی خدمات پر کچھ روشنی بکھیرنے سے قبل ان کا مختصر سوانحی خاکہ دیکھتے چلیں:

آپ کا اسم گرامی محمد عبدالرحمٰن ہے اور محدّیٰ آپ کا تخلص اور ابوالولی کنیت ہے۔ ممدوحِ اعلیٰ حضرت، شمس العلما، قمر الاذکیا، مناظر طلیق اللسان، تاجدار ترہت، شیخ زماں اور مفتی دوراں آپ کے القاب ہیں جو اس وقت کے اکابر علما وصوفیہ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔ شمالی بہار کے ضلع سیتامڑھی کے ایک مردم خیز قصبہ پوکھریرا میں بوقت صبح چھ بجے بروز جمعرات ماہ صفر المظفر ۱۲۷۲ھ/مطابق مارچ ۱۸۵۶ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ولادت کے ساتویں روز سُنّت کے مطابق آپ کا عقیقہ ہوا اور محمد عبدالرحمٰن نام رکھا گیا۔

خوش قسمتی آپ نے جس گھر میں آنکھیں کھولیں وہ گھرانہ علم وفضل کی خوشبو سے معمور تھا۔ آپ کے والد ماجد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا منیر الدین صدیقی علیہ الرحمہ کا شمار اس وقت کے مقتدر علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ آپ کی پرورش و پرداخت خالص دینی و مذہبی فضا میں ہوئی۔ ساڑھے تین سال کی عمر میں رسم بسم اللہ خوانی ادا کی گئی سات سال کی عمر میں حفظ قرآن پاک مکمل کیا پھر درسیات کی اکثر کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں، اس کے علاوہ کچھ کتابیں اس وقت کے بعض ماہر علما سے بھی پڑھیں۔

سیتامڑھی کے مشہور شہر سیّد پور سے متصل موضع ٹیکولی کے جناب طالب کریم صاحب کی دختر نیک اختر سے بائیس ۲۲ سال کی عمر ۱۸۷۷ء میں آپ کی شادی ہوئی اور اُن سے آٹھ اولادیں پیدا ہوئیں چار صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں۔ آپ کے چاروں صاحب زادے اپنے وقت میں علم وفضل کے ماہتاب بن کر چمکے اور انہوں نے آپ کے تبلیغی مشن کو آگے بڑھانے میں کلیدی رول ادا کیا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت علامہ ولی الرحمٰن ولیؔ علیہ الرحمہ خلیفہ حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلی شریف (۲) سرکار عبدالعلیم آسی غازی پوری

(۳) حضرت علامہ حکیم عطاء الرحمٰن عطا علیہ الرحمہ

(۴) حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن حبیب علیہ الرحمہ

(۵) حضرت مولانا حافظ محمد شریف الرحمٰن شریف علیہ الرحمہ

حضرت محدّیٰ کو ولی کامل شہزادہ غوث اعظم سیدنا شاہ داتا نور الحلیم کاشغری علیہ الرحمہ (مدفن ومزار موضع نستہ ضلع دربھنگہ) سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ جیسا کہ اپنے ایک شعر میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کی آپ نے جو کچھ عطا ہے بس اسی کا آسرا
میں آپ ہی کا ہوں گدا داتا مرے نور الحلیم

علم وفضل کا یہ کوکب درخشاں مورخہ ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۱ء بروز پیر بوقت صبح آٹھ بجکر کچھ منٹ پر ہمیشہ کے لیے پردۂ عدم میں روپوش ہوگیا۔ حضرت کا عرس بنام ''سرکار محدّیٰ کانفرنس'' ۱/۲/۳ جمادی الاوّل کو عام طور پر منایا جاتا ہے۔

سرکار محدّثِ کی علمی وملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جنہیں تفہیم کے لیے بنیادی طور پر چار خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اب اختصار کے ساتھ یہاں اس کی تھوڑی توضیح پیش کی جارہی ہے۔

(۱) درس وتدریس اور قیامِ مدارس ومکاتب (۲) کانفرنس وجلسے کا انعقاد (۳) مناظرہ (۴) تصنیف وتالیف۔

درس وتدریس اور قیامِ مدارس ومکاتب: حضرت سرکار محدّثِ علیہ الرحمہ نے جب فکر وشعور کی عصا سنبھالی تو ہر چہار جانب فتنوں کا بسیرا پایا۔ دشمنِ دیں دوستوں کے لبادے میں ملت اسلامیہ کے نونہالوں کے ذہن ودماغ میں اسلام مخالف مواد بھر رہے تھے اور طرح طرح سے کفر وشرک کے نام پر ان کے ایمان وعقیدے کا سودا کر رہے تھے آپ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے سب سے پہلے مدارس کے قیام کو اہم جانا کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ کے ذریعے دعوت وتبلیغ کا کام جس طرح آسانی اور پائیداری کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اس سے حضرت بخوبی آگاہ تھے۔ بے سروسامانی کے عالم میں آپ نے اولاً اپنے ہی گھر کے برآمدے میں درس وتدریس کا آغاز کیا۔ طالبانِ علومِ نبویہ پروانے کی طرح آپ کے ارد گرد منڈلانے لگے پھر آپ نے برآمدے والے درس وتدریس کے سلسلے کو ایک مستقل مدرسے کی شکل دینا چاہی محلے کے چند باشعور افراد سے مشورہ کیا انہوں نے آپ کی باتوں پر لبیک کہا ان لوگوں کی مدد سے آپ نے محلے میں ہی زمین حاصل کرلی اور اس پر ۱۳۱۰ھ میں ''مدرسہ نور الہدیٰ'' کی داغ بیل ڈال دی۔ اس ادارے نے دین وسُنّیت کی جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ کے صفحات میں انمٹ نقوش کی طرح درخشاں ہے۔ واضح رہے سرکار محدّثِ نے مدرسہ نور الہدیٰ پوکھریرا کا قیام مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف سے تقریباً دس برس قبل فرمایا تھا وہ ادارہ آج بھی موجود ہے، اس کی عمارتیں بھی اب پختہ ہوچکی ہیں مگر افسوس کہ کچھ اپنوں کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ملک وملت کا وہ عظیم ادارہ اپنی علمی شناخت کھوچکا ہے۔

کانفرنس وجلسے کا انعقاد: تاریخ سے شغف رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ بڑے بڑے فتنے کی سرکوبی کے لیے کانفرنس وجلسے نے ماضی میں کتنے اہم نقوش چھوڑے ہیں، سرکار محدّث نے بھی اس مؤثر ذریعے کو اپنایا اور مختلف مقامات پر متعدد کانفرنس وجلسے منعقد کیے۔ ان میں تین کانفرنسوں کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ ذیل میں اس کی تھوڑی وضاحت ملاحظہ کریں:

(۱) پہلی تین روزہ کانفرنس ۱۳۱۸ھ میں ''اہل سُنّت کانفرنس'' کے نام سے پوکھریرا میں منعقد ہوئی جس میں اس وقت کے تمام جید علمائے کرام شریک ہوئے۔ اسی کانفرنس میں میر جماعت کی حیثیت سے امام اہل سُنّت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی بھی شرکت ہونی تھی مگر افسوس دینی مصروفیات کے سبب آپ اس میں تشریف نہ لاسکے مگر اپنے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کو اپنا نائب بنا کر روانہ کیا اور اپنی جانب سے ایک معذرت کا خط اور ساتھ ہی اپنا ایک بیش قیمت جبہ سرکار محدّثِ کی نذر فرمایا۔ خط کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

''اگرچہ میں اپنی مصروفیات کی بنا پر حاضری سے محروم ہوں، مگر حامد رضا کو بھیج رہا ہوں۔ یہ میرے قائم مقام ہیں، ان کو حامد رضا نہیں احمد رضا ہی کہا جائے۔'' (تذکرہ اکابر اہل سُنّت، ص، ۱۲۶)

(۲) دوسری پانچ روزہ کانفرنس ۱۳۲۴ھ پوکھریرا ہی میں منعقد کی۔ اس کانفرنس کا پس منظر جاننے کے لیے حضرت علامہ ابو المساکین ضیاء الدین مدیر ''تحفۂ حنفیہ'' پٹنہ کی کتاب ''توضیح ملل'' بہت مفید ہے جو اس وقت کے شمالی بہار کے حالات اور اس پانچ روزہ کانفرنس کی روداد کے ساتھ ساتھ سرکار محدّثِ کی خدمات کے تابناک گوشے پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب پروفیسر بہار یونیورسیٹی مظفر پور نے اس تاریخی جلسے کی روداد کو بڑے خوشنما انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ میں یہاں پر اُن ہی کے مقالہ کا اقتباس نقل کرنا مناسب ہی نہیں بلکہ خوب تر سمجھتا ہوں، ملاحظہ ہو۔

محدّثِ نے ہر عالم دیں کو لکھا
کہ پوکھریرے میں دین حق کا جلسہ
اواخر میں وہ ماہِ صفر کے ہوگا
یہاں کا سفر آپ کیجئے گوارا
یہ ہے کارِ دینی ضرور آیئے گا
ہدایت شریعت کی فرمایئے گا

غرض یہ کہ تشریف لائے وہ فاضل
نہیں جس کا ہندوستاں میں مماثل
ٹھہرتا نہیں جس کے سائے سے باطل
زیارت سے جن کے ہوں آثام زائل
سنو! ان کے لکھتا ہوں اسمائے سامی
جو تشریف لاکر ہوئے دیں کے حامی

وہ علمائے کرام یہ تھے: حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی، بہار میں مسلک اعلیٰ حضرت کے سب سے بڑے علمبردار حضرت مولانا قاضی عبدالوحید عظیم آبادی، اعلیحضرت کے معتمد علیہ عالم وخلیفہ حضرت مولانا عبد السلام جبل پوری، حضرت مولانا سید دیدار علی اَلْوَری، حضرت مولانا ہدایت رسول رامپوری، حضرت مولانا عبدالعزیز موضع بھونسا ہی مظفر پور، حضرت مولانا عبدا لاحد ابن حضرت محدث سورتی، حضرت مولانا عین الحق موضع دات پور علی گنج، سیوان، حضرت مولانا فیروزآبادی، حضرت مولانا عبدالصمد آداپور اور خود حضرت مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی۔ وہ اپنی شرکت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

شرف ایسے جلسے کی شرکت کا حاصل
کیا ہے ضیاء نے بر وجہ کامل
نہیں تاب لکھنے کی اس کے فضائل
نظیر اس کی دنیا میں ملنا ہے مشکل
وہ رحمت برستی تھی رحمٰن کی اس پر
بیاں اس کا ہے طاقت سے باہر

جلسے کی کامیابی کے تعلق سے مجھے کچھ کہنا نہیں ہے، بس مندرجہ بالا وارثانِ علم نبوت کے مقدس اسمائے گرامی جلسے کی شاندار کامیابی کی ضمانت ہیں۔ اہل سُنّت کی نژادنو یہ ریکارڈ محفوظ کر لے کہ یہ جلسہ پنج روزہ تھا اور ماہ صفر ۱۳۲۴ ہجری کے اواخر میں ہوا تھا یعنی آج سے تقریباً ایک سو دو سال پہلے، ان نفوس قدسیہ کے ناموں پر ایک بار پھر غور کیجیے اور حضرت محدّثِ محّی رحمۃ اللہ علیہ کے حسن انتخاب کی داد دیجیے اور ان کی ہمت مردانہ کو آفریں کہیے کہ ان کے حسن تدبر، عمل پیہم اور جذبۂ اخلاص نے کس طرح ویرانے کو زندگی بخش دی اور صحرا کو گلزار بنا دیا۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنا دے صحرا کو

حضرت محّی گلشن سُنّیت کے ایک ایسے ہی شگفتہ پھول تھے جس کی خوشبو وخوش رنگی نے دلوں کو مسخر کر رکھا تھا، معتقدین بُعدِ مسافت طے کر کے ان کی صحبت بابرکت میں آکر بیٹھتے اور جب وہاں سے لوٹتے تو اپنی زندگی میں واضح طور پر ایک صالح انقلاب محسوس کرتے۔ اقبال نے ایسے ہی مردانِ حق آگاہ کے بارے میں کہا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(بشکریہ سہ ماہی سُنّی دعوت اسلامی جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء)

(۳) تیسری تین روزہ کانفرنس ۱۳۴۵ھ میں ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کے نام سے پوکھریرا میں منعقد ہوئی۔ مفسر قرآن حضرت صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی نے ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کے نام سے اس کی بنیاد ڈالی تھی ملک بھر میں اس کے پرچم تلے جلسے ہو رہے تھے جس سے حکومتِ وقت بھی لرزاں وترساں تھی۔ شمالی بہار میں اس وقت پوکھریرا کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی جس کا تذکرہ حضرت صدرالافاضل نے اپنے رسالہ 'السواد الاعظم' میں بڑے حسین انداز میں فرمایا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل حضرت مولینا مولوی ابوالولی محمد عبدالرحمٰن صاحب کی ذاتِ گرامی ہے، جو ایک ولی خصائل بزرگ ہیں اور دین کی حمایت میں رات دن مشغول ومصروف، اللہ کا ان پر فضل عام ہے کہ ان کا گھر علما سے بھرا ہوا ہے اور ان کے صاحبزادے، ان کے بھتیجے، ان کے داماد سب کے سب عالم ہیں اور خدمات اسلام میں سرگرم۔ اسی خصوصیات کی بنا پر بہار کی کانفرنس پوکھریرا میں رکھی گئی ہے'' (السواد الاعظم ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ)

جس کی صدارت میں حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی، حضور محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھہ شریف، ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین رضوی قابل ذکر ہیں اس تاریخ

ساز کانفرنس کے جو مقاصد تھے تاریخی اہمیت کے پیش نظر یہاں اسے پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) اہل سُنّت کے اتحاد اور انہیں ایک مرکز خیال پر لانے کی تدابیر

(۲) مدعی اسلام اعدا کے حربوں سے مسلمانوں کو بچانے کی صورتیں

(۳) ہند کے مسلم آزار سورماؤں کے جور وستم سے اہل اسلام اور ان کے معابد کے استحقاق کی شکلیں۔

(۴) شدھی اور سنگھٹن سے پیدا ہونے والے فتنوں کا سد باب۔

(۵) ارتداد کے اسباب وعلاج۔

(۶) مسلمانوں کی معاشرت تجارت طریق زندگی پر غور خوض۔

(۷) اشاعتِ اسلام اور تبلیغ کی تدابیر۔

(۸) مناظروں سے متعلق کار آمد روش۔

(۹) اعانت نو مسلمین کے طریقے۔

(۱۰) مصیبت زدہ اور پامال جفا مسلمانوں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور ظالموں کے خلاف صدائے احتجاج۔

(۱۱) ابن سعود کے مظالم اور ہندی وہابیوں کی شرارتوں سے مسلمانوں کو باخبر کرنا اور نجدی کے تباہ کن جور وستم کے دفع کی تدابیر اور حرمین کے سخت ترین خطرے کے انسداد کے مشورے۔

(سرکار محدّثؒ کا گوشۂ حیات، مولانا ریحان رضا انجم ص ۳۴،۳۳)

مناظرہ: سرکار محدّثؒ نے وہابیوں اور دیوبندیوں سے متعدد مناظرے بھی کیے اور ردّ میں کتابیں بھی لکھیں مگر افسوس آج ہمارے پاس روداد مناظرہ کے نام سے کچھ مواد نہیں فقط رسالوں اور اخباروں کے بوسیدہ اوراق بکھرے پڑے ہیں جس کو مولانا محمد ریحان رضا انجم نے بڑی عرق ریزی کے بعد محفوظ کر دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس دور کی ایک دھندلی سی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے مگر یہاں یہ بات لکھنا ناگزیر معلوم ہوتی ہے کہ جب سرکار محدّثؒ اعلیٰ حضرت کے عہد کے سرفروش مجاہد ہیں تو کیا وجہ ہے کہ تاریخ کے صفحات میں جہاں امام اہل سُنّت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی تحریک کو آگے بڑھانے والے ہر جیالے کا تذکرہ ملتا ہے وہاں سرکار محدّثؒ کا ذکر کیوں نہیں آتا اور آج بھی جب کوئی مؤرخ رضویات پر قلم اٹھاتا ہے تو وہ سرکار محدّثؒ کی خدمات سے کیوں کر چشم پوشی کر جاتا ہے۔ بہر حال ہم یہاں سرکار محدّثؒ اور وہابیوں و دیوبندیوں کے مابین ہونے والے چند اہم مناظروں میں سے ایک کی ہلکی جھلک پیش کرتے ہیں۔

ضلع دربھنگہ کے موضع بھروارہ میں مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ کے صدر مدرس سے علم غیب مصطفیٰ کے موضوع پر مناظرہ واقع ہوا۔ وقت متعینہ پر طرفین کے سارے حضرات جمع ہو گئے۔ موضوع کے مطابق حضرت محدّثؒ نے دیوبندی مناظر سے علم غیب کی تعریف طلب فرمائی۔ اس پر دیوبندی مناظر نے جواب دیا کہ: علمِ غیب کہتے ہیں دل کی چھپی بات کا بتا دینا۔

حضرت محدّثؒ نے پورے اطمینان کے ساتھ جواب کے بعد ان کا محاسبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: الحمدللہ! پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے ان کے غلاموں کے غلاموں کے ادنی غلام عبد الرحمٰن محدّثؒ کو بھی ایسا علم غیب حاصل ہے اور تم کہو تو بتا دوں کہ تمہارے دل میں ابھی اور اس وقت کیا ہے۔ دیوبندی خیمہ میں ایک دبی سی خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کے دل میں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ وہ میرے دل کی جس بات کا اظہار کریں گے ہم اس کا انکار کرتے جائیں گے اس طرح وہ بھرے مجمع میں شرمندہ اور شکست خوردہ ہو جائیں گے، پھر کیا تھا دیوبندی مناظر نے بڑے طمطراق سے کہا کہ ٹھیک ہے آپ بتا دیں کہ اس وقت میرے دل میں کیا ہے؟

ان لوگوں کی خوشی کے باوجود حضرت محدّثؒ کا اطمینان ڈاکٹر علامہ اقبال کے اس شعر کی ترجمانی کر رہا تھا؎

مچھلی نے ڈھیل پائی لقمے پر شاد ہے
ادھر صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

پھر کیا تھا حضرت محدّثؒ نے ارشاد فرمایا کہ: کیا اس وقت اور ابھی تمہارے دل میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں ہے؟

اس کو سننے کے بعد دیوبندیوں کے خیمہ میں سناٹا چھا گیا کیوں کہ ہاں اور نہ دونوں صورت میں وہ پھنس چکے تھے۔ اس لیے کہ ہاں کی صورت میں حضرت محدّثؒ کا علم غیب ثابت ہو رہا تھا اور نہ کی صورت میں وہ خود بھرے مجمع میں کافر ہو رہے تھے۔

اس واقعے کو پروفیسر انجم کمالی نے اس طرح ایک شعر میں پیش کیا ہے؎

در بھنگی ہوا بھنگی مرقد میں بھی ہے تنگی
الجھا تھا وہ نالائق بے کار محّی سے

اس طرح بہت سے واقعات تاریخ کی آغوش میں آج بھی موجود ہیں جسے نئے طرز تحریر وترتیب کے ساتھ شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ کافی تاخیر سے مگر بڑے محتاط انداز میں مولانا ریحان انجم صاحب اس کام کا آغاز کر چکے ہیں۔

تصنیف وتالیف: سرکار محّیٰ علیہ الرحمہ نے بہت سی قیمتی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں رسائل وجرائد میں بھی وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر مضامین قلم بند فرماتے تھے آپ کی تصانیف کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی کئی کتابوں پر سرکار مجدد دین ملت اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی علیہ الرحمہ نے تقریظ رقم فرمائی ہے اور کئی کتابیں حضور مفسر قرآن علامہ ابراہیم رضا خاں علیہ الرحمہ اور حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت کے زیر اہتمام زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ مولانا ریحان رضا انجم مصباحی نے تقریباً (۴۰) چالیس کتابوں کی ایک تعارفی فہرست شائع کی ہے ہم یہاں پر سرکار محّیٰ کی چند اہم تصانیف کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱) ترجمہ قرآن بزبانِ فارسی مکمل:۔ یہ قلمی نسخہ مولانا ریحان انجم کی تحویل میں آج بھی محفوظ ہے۔

۲) تعلیم تفسیر محّیٰ (۱۳۱۹ھ): یہ قرآن حکیم کی وہ تفسیر ہے جو آپ طلبہ کو پڑھاتے اُسے تحریر کی شکل دے دی جاتی، اس کی جامعیت کے پیش نظر رسالہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں قسط وار شائع کیا جاتا۔ اس کی بھی تکمیل ہوئی کہ نہیں خبر نہیں البتہ چند قسطیں انجم مصباحی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔

۳) شرح نسائی المعروف ترجمہ مجتبیٰ:۔ یہ حدیث پاک کی مشہور ومعروف کتاب نسائی شریف کا نامکمل ترجمہ ہے، اے کاش مکمل ہوگیا ہوتا تو دنیائے اسلام کے لیے ایک نایاب دولت ثابت ہوتی۔ یہ خیال رہے کہ سرکار محّیٰ اپنے پندرہ روزہ رسالہ میں اس شرح نسائی شریف کو قسط وار شائع بھی کرتے تھے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر شائقین نے توجہ کامل فرمائی تو بہت جلد اس ترجمہ مجتبی یعنی نسائی شریف کی تکمیل ہوجائے گی۔''

(مولانا ریحان انجم، سرکار محّیٰ کا گوشۂ حیات ص ۴۵)

۴) نور الطلاب فی علم الانساب (حصہ اوّل، دوم) یہ کتاب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج وبنات اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نسب ناموں کے ذکر میں ہے اور دوسرے حصہ میں انہیں حضرات کے مشرح حالات مستند ومعتبر حوالوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر حضور صدرالشریعہ مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ نے اپنے خاص اہتمام میں بریلی شریف سے شائع فرمایا تھا۔

۵) الحبل القوی لہدایۃ الغوی (۱۳۲۰ھ) المعروف اثبات تقلید شرعی:۔ اس میں تقلید اور اس کے متعلقات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور غیر مقلدین کا سخت محاسبہ کیا گیا ہے۔ تقلید کے حوالے سے یہ کتاب انتہائی مفید اور کارآمد ہے۔ مولانا ریحان رضا انجم صاحب نے ۲۰۰۱ء میں نئی ترتیب کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب پر امام اہل سُنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ، خاتم المحدثین حضرت وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ کے علاوہ ایک درجن کے قریب اس وقت کے جید علما کی تقریظات وتصدیقات شامل ہیں۔

۶) الجوب المستحسن فی رد ہفوات مرتضیٰ حسن (۱۹۱۱ء):۔ ۲۱؍ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ کو مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگوی کا ایک مضمون ''اخبار انجم''، لکھنؤ سے شائع ہوا جس میں امام احمد رضا قادری کی عظمتوں سے کھیلنے کی ناپاک کوشش کی گئی تھی اس کے رد میں سرکار محّیٰ نے ایسی معرکۃ الآرا کتاب تحریر فرمائی کہ در بھنگی کا ناطقہ بند فرما دیا اس کتاب میں سرکار محّیٰ کے تیور کو ملاحظہ فرمائیں:

''میں مولانا احمد رضا خاں صاحب لازالت افاضاتہ طالعہ کا شاگرد نہیں، مرید نہیں البتہ میں انہیں بحر ذخار علوم دینیہ اور رسمیہ متعارفہ جانتا ہوں اور اس وقت ہندوستان میں اُن کا ثانی نظر نہیں آتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں جمیل بنایا ہے۔ ان الجمیل جمیل العلم والادب سے میں ان کا ایک محبّ ہوں۔

احب الصالحین لست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

اور میرا کام ہے کہ تابمقدور ہر جادۂ اعتدال سے گرے ہوئے کی رہنمائی کروں اور آپ حد اعتدال کے اعتدال سے بڑھ کر گرے ہوئے ہیں لہٰذا آپ کی تحریر پرتزویر پر تازیانہ اصلاح رسید کرتا ہوں کہ اس سے چھٹی کا دودھ نکل جائے تو عجب نہیں۔ اگر آپ اس پر سنبھلے تو خیر میں بھی اپنے سیف قلم کو در نیام کرلوں گا ورنہ ضربت ضرباً بالقلم کا وہ سبق پڑھاؤں گا کہ قیامت تک یادرہے گا۔'' (الجواب المستحسن ص ۳)

صحافتی خدمات: تصنیفی خدمات کے ساتھ میدان صحافت میں بھی آپ کا ایک امتیازی مقام ہے کیوں کہ اپنے محدود وسائل کے باوجود پندرہ روزہ رسالہ بنام ''نورالہدیٰ'' پوکھریرا سے جاری فرمایا اور خود ہی اس کی ادارت فرمائی۔ اس پندرہ روزہ رسالے نے اپنے دور میں قوم وملت کی ذہنی وفکری، تعمیری تربیت اور اسلامی وملی دعوت وتبلیغ میں اہم رول ادا کیا ان کے وصال کے فوراً بعد یا کچھ عرصہ بعد وہ رسالہ گردشِ ایام کی نذر ہو گیا اور اب تو اس کی کاپیاں بھی نایاب ہوگئیں ہیں۔ رسالہ کے صفحہ اول پر جو عبارتیں تحریر ہیں ذیل میں ملاحظہ کریں:

> ''الحمدللہ کہ اُفق ترہت سے آفتابِ ہدایت نے طلوع فرما کر اپنے دینی نور سے عالم کو منور کیا، شب جہل ضلالت کافور، ظلمت وبطالت دور ہوئی، اہل طغیاں کی آنکھیں مثل موشِ کور بے نور وکور ہوئیں، اہل بطلاں کی اس کے مطالعہ سے آنکھیں کھل گئیں، عوام اہل سُنّت کے لیے کحل بصیرت افزا، خواص حق کی آنکھوں کا تارا مسمّٰی بہ ''نورالہدیٰ فی ترجمۃ المجتبیٰ'' جو تالیف سے حامی سُنّت ماحی بدعت جناب مولانا مولوی محمد عبدالرحمٰن محّیٰ پوکھریروی کے ماہ بماہ دو دو جز پوکھریرا، ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور سے شائع ہوتا ہے اور تین روپیہ سالانہ پر ہر شائق کی خدمت میں پہونچتا ہے''
>
> (مولانا ریحان رضا انجم، سرکار محّیٰ کا گوشۂ حیات ص ۴۴)

انجمن نور اسلام: سرکار محّیٰ علیہ الرحمہ نے اپنی دینی ملی سرگرمیوں کے لیے ایک انجمن بنام ''نوراسلام'' قائم فرمائی۔ اس کے متعلق کچھ کہنے سے بہتر اور مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے اغراض ومقاصد کو پیش کردوں تاکہ دانشوروں کو سرکار محّیٰ کی دعوتی وتبلیغی اور ملی خدمات کا پورا احساس ہو جائے کہ وہ اس کے لیے کس طرح لمحہ لمحہ بے چین رہتے تھے:

(۱) بد مذہبوں کے بے جا اعتراضات کا دنداں شکن جواب دینا اور رسالہ جات ان کے رد میں شائع کرنا اس کا پہلا کام ہے۔
(۲) علمائے دور ونزدیک کو تشریف آوری کی تکلیف دے کر مسلمانانِ موجودہ کو ان کے درر اور پند ونصائح سے مالا مال کرانا۔
(۳) نامی واعظین اور خود ناظم انجمن کا گشت کر کے ہدایت کرنا۔
(۴) نادار یتیموں کی تعلیم کا بارِ کفالت اپنے سر لینا۔
(۵) عندالضرورت حسب وسعت تیاری مسجدوں میں مدد دینا۔
(۶) نومسلموں کی پرورش وپرداخت کی طرف توجہ رکھنا۔
(۷) ایک مدرسہ قائم رکھنا جس میں غربا اور یتیم لڑکے تعلیم پائیں بالخصوص اور اُمرا بالعموم۔
(۸) ہر استفتا کا جواب برطبق مذہب حقہ حنفیہ، بالتحقیقات علمائے ربانین اور حسب رواج مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ دینا۔
(۹) نادار غربا بیماروں کا علاج کرنا۔

اس انجمن کے متعلق سرکار محّیٰ اہل اسلام سے کس پر درد انداز میں اِعانت کی درخواست کرتے ہیں:

> ''حضرات اپنے جانباز انجمن کے امداد میں سرگرمی دکھلانا عین حمایت دین اور ملت منصور ہے، اس دریا دل انجمن نے تو ایک سر اور ہزار سودا کا اپنے کو مصداق کر رکھا ہے''۔ (سرکار محّیٰ کا گوشۂ حیات ص ۵۰/۵۱ مولانا ریحان رضا انجم)

سرکار محّیٰ علیہ الرحمہ کے مندرجہ ذیل جملے کے ساتھ اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہیں جس سے ان کی دعوتی وتبلیغی دلچسپی اور اس میدان میں ان کی بیش بہا قربانیوں کا پتہ چلتا ہے ''جو سانس دینی درد سے خالی ہو وہ حرام ہے''۔ (سرکار محّیٰ کا گوشۂ حیات ص ۵۷۔ محمد ریحان رضا انجم)

☆☆☆

حضور مفتی اعظم ہند اور ان کی دعوتی و تبلیغی خدمات

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری★

تیری معصوم نگاہوں کے تقدس کی قسم
دل نے کیا روح نے بھی تجھ سے محبت کی ہے

''اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے''
(دعائے رضا)

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا'' (بشارت نوری)

جس نے دعا مانگی وہ ہیں قطب الارشاد اور جس نے بشارت دی وہ ہیں قطب الاقطاب، ان دونوں قطبوں کی دعا و بشارت نے اس نومولود بچے کو بچپنے کی پگڈنڈی سے لے کر جوانی کی شاہ راہ تک اور جوانی کی شاہ راہ سے لے کر حیات کی منزل مقصود تک، زاویہ ہائے فکر ونظر کو اس طرح نور وسرور سے معمور رکھا کہ اس بچے کا ستارۂ اقبال مفتی اعظم بن کر چمکا تو چمکتا ہی چلا گیا......ابر کرم چھایا تو چھاتا ہی چلا گیا......سحاب دعوت و تبلیغ بن کر برسا تو برستا ہی چلا گیا......کشت زار حیات بن کر اُن کی خدمات کی نوری پھوار نے ایسا نم کر دیا کہ کردار کی دنیا میں بہاروں کے قافلے اتر گئے......وہ چاہے عام آدمی کا عمومی کردار ہو یا علما وصوفیا کے علم و تصوف کا رنگین گلزار......وہ چاہے دیہات وقریہ کی سنسان فضا ہو یا شہر کی چیختی، چلاتی، بل کھاتی، اِٹھلاتی چنچل ہوا......وہ چاہے کسی غریب کی غربت کا مرثیہ پڑھتی جھوپڑی ہو یا امیر کی امارت کا خطبہ دیتا امارت محل......وہ چاہے کسی فقیر کی فقیری کا نوحہ کرتی کٹیا ہو یا رئیس کی ریاست کا عشرت کدہ......وہ چاہے کسی کسان کا کھلیان ہو یا تاجر کی ہن برساتی دوکان......وہ چاہے کسی جاہل وگنوار کا مکان ہو یا شہر یار علم وفن کی مسند ذی شان......حضور مفتی اعظم کا اخلاق واخلاص......محبت وایثار......مروت وپیار......چاہت والفت......اپنائیت وفدائیت......داد ودہش......کرم ونوازش سب کے لیے یکساں تھی، یہی ایک دریا تھا جہاں من وتو کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہی ایک بندہ نواز تھا جس کا جلوہ ہر جا فیض لٹاتا نظر آتا تھا۔ جہاں سے کوئی مایوس نہیں لوٹتا تھا۔ بلکہ ٹوٹی آسیں جہاں بندھائی جاتی تھیں، چھوٹی نبضیں جہاں چلائی جاتی تھیں، وہ آستانہ تھا مفتی اعظم کا آستانہ......کچھ شخصیتیں وہ ہوتی ہیں جو رُوپوش ہو کر بھی تذکرۂ بدوش ہی نہیں نغمہ بگوش بنی رہتی ہیں......نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد بھی ان کے کارناموں کی ہلچل رہتی ہے، امتداد زمانہ کی کوئی گرد اُن کی یادوں کے سورج کو گہن آلود نہیں کر پاتی، وہ خیابانِ ملت میں گلابِ خلوص بن کر مہکتے اور عندلیبِ وفا بن کر چہکتے رہتے ہیں، ان کے خدمات کی دل آویز خوشبو فضا در فضا مشکبار رہتی ہے اور ان کے معاملات کی رنگینیِ آفاق حیات کو نو بہار رکھتی ہے، وہ چلے جاتے ہیں مگر اُن کے وجود کی نغمگی ان کی موجودگی کا احساس تازہ رکھتی ہے۔ ایسی ایک البیلی شخصیت تھی ہمارے ممدوح شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، مرشدی الکریم، سیدی العظیم، شبیہ غوث اعظم حضور مفتی اعظم کی شخصیت......آپ اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، نازش انسان وانسانیت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے چھوٹے شہزادے ہیں۔ دنیا جانتی ہے امام احمد رضا نے بیک وقت کئی محاذوں کو تنہا سنبھالا تھا، وہ بحیثیت محدث علم کو شعور اور شعور کو علم کے انوار سے نوازتے نظر آرہے ہیں......وہ بحیثیت مجدد تجدید واِحیا کی مسند پر بھی رونق بخش دکھائی دے رہے ہیں......وہ بحیثیت داعی ومبلغ محفل دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ وہ بحیثیت متکلم ومناظر ریاض دین میں بدعقیدگی کے خودرو پودوں سے خوش عقیدگی کے لالہ وگل کی حفاظت میں ڈٹے بھی دکھائی پڑتے ہیں۔ وہ بحیثیت مصلح وہادی کردار وعمل سے انگریزیت ودہریت کا زنگ چھڑا کر سیرتِ مصطفیٰ کا رنگ چڑھاتے نظر آرہے ہیں......وہ

بحیثیت ادیب وشاعر شعر وادب کی پیشانی کو افکارِ نو کے جھومر سے سجاتے بھی مل رہے ہیں۔ المختصر ایک کثیر الجہات اور وسیع السمت شخصیت ہے امام احمد رضا کی ......اعلیٰ حضرت کوخوب احساس تھا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور ہمیں کہاں کہاں کیا کیا کرنا ہے، انہیں تناظر میں انہیں یہ بھی فکر تھی کہ میرے بعد کام رکے نہیں بلکہ برق رفتاری سے کام منزل بہ منزل ہوتا رہے اور آگے بڑھتا رہے......علم وفکر......دعوت وتبلیغ......احیاوتجدید......تنظیم وتحریک......شعر وسخن......اخلاق وخلاص ......فقر وتصوف ......افتا وارشاد ......ادب وتواضع ......تصنیف وتالیف......اصلاح وہدایت......کی جو بزم ہم نے سجائی ہے اس کی رونق ماند نہ پڑنے پائے، اسی لیے آپ نے بڑے دردمند دل اور پرسوز انداز میں خدائے قدیر وکریم کی بارگاہ میں دعا کے لیے اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا، ایسے میں قلب کی گہرائی سے سوز وگداز میں لبریز جو آواز نکلی وہ یہ تھی۔

''اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے''(۱)

سچے دل سے نکلی ہوئی دعا تھی، رضا کی زبان سے نکلی اور قبولیت کے آسمان تک پہنچی......بچے کی ولادت کا جب موقع آیا تو اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ چلے گئے، عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں ایسا موقع آتا ہے تو آدمی گھر پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے، مگر امام احمد رضا کے گھر نیا مہمان آنے کو ہے اور وہ اپنے مرشد زادے کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آج وہ اس لیے حاضر تھے کہ اس در سے ایک ایسے فرزند کی خوش خبری لے کر جائیں، جو بڑا ہو کر تاجدار اہل سنت، محافظ شریعت وطریقت اور صاحب عشق ومحبت بنے۔(۲)

فقیہ العصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''۲۲رذی الحجہ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذاکرات رہے، پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے، اسی شب میں دونوں بزرگوں کو بچے کی ولادت کی بشارت دی گئی''۔(۳)

امام احمد رضا نے خواب میں دیکھا۔

''چاند نے زمین کی طرف اترنا شروع کیا تو وہ زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا تھا، جیسے جیسے وہ زمین پر آرہا تھا، اس کا حجم گھٹ رہا تھا، اور روشنی بڑھ رہی تھی، یہاں تک کہ اتنا مختصر ہو گیا کہ وہ آسانی سے امام احمد رضا کی آغوش محبت میں آ گیا''(۴)

خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقت ملاقات مبارک باد پیش کروں گا۔ فجر کی نماز کے لیے جب دونوں بزرگ مسجد پر پہونچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ایک نے دوسرے کو مبارک باد پیش کی، فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ سید شاہ ابوالحسن نوری قدس سرہ نے امام احمد رضا قدس سرہ سے ارشاد فرمایا۔''مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں، اجازت دیں تو میں نومولود کو داخلِ سلسلہ کروں۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے عرض کی، حضور وہ غلام زادہ ہے، اسے داخل سلسلہ فرما لیا جائے۔''(۵)

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ نے مصلیٰ ہی پر بیٹھے بیٹھے امام احمد رضا کے نور نظر اور مستقبل کے مفتی اعظم کو غائبانہ داخل سلسلہ فرما لیا، حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو اسے دے دیں، مجھے خواب میں اس کا نام آل الرحمٰن بتایا گیا ہے، لہٰذا نومولود کا نام آل الرحمٰن رکھیے، مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے، وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے، میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہو کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا۔(۶)

حضور مفتی اعظم قدس سرہ ۲۲رذی الحجہ ۱۳۱۱ھ ۷ جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق دنیا میں تشریف لائے۔''والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی'' سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔۱۳۱۰۔ دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ مطہرہ پہونچی تو سید المشائخ سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ نے نومولود کا نام ابوالبرکات، محی الدین جیلانی منتخب فرمایا۔ آپ کا غیبی نام آل الرحمٰن، عقیقہ کا نام محمد، پیر ومرشد کا عطیہ ابوالبرکات، محی الدین جیلانی ہے، والد ماجد نے عرفی نام مصطفیٰ رضا تجویز فرمایا، اپنا تخلص شاعری اپنے مرشد کی نسبت سے نوری پسند فرمایا، مفتیِ اعظمِ ہند سے دنیا میں مشہور ہوئے۔(۷)

شہزادۂ حضور سید العلما حضور نظمی میاں صاحب رقم طراز ہیں:

''چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں بریلی شریف تشریف لائے ، نومولود کو نیا لچہ پر سرکار کی خدمت میں پیش کیا گیا ، نوری میاں نے بڑی شفقت سے گود میں لیا اور کلمہ کی انگلی بچہ کے منہ میں ڈال دی، یہ نوری گھرانے کے نوری فرد، نوری میاں کی انگلی ہے، بچہ بڑے چاؤ سے انگلی چوس رہا ہے اور نوری میاں بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اپنے خاندانِ عالی کا نور بچے کے سینے میں انڈیل رہے ہیں، نوری میاں کی ساری دعائیں بچے کے حق میں صحیح ثابت ہوئیں''۔(۸)

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسن نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور مفتی اعظم کو اس چھ ماہ کی ننھی سی عمر میں بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا:

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا''۔

حلقۂ بیعت میں لینے اور قادری نسبت کا دریائے فیض بنانے کے بعد یہ کہتے ہوئے حضرت نوری میاں نے امام احمد رضا کی گود میں اس نومولود کو دے دیا کہ......

''مبارک ہو آپ کو یہ قرآنی آیت ''واجعل لی وزیرا من اھلی'' کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آ گئی ہے''(۹)

تربیت وفراغت: عظیم مورخ، مصنف تذکرۂ علمائے اہل سنت حضور مفتی محمود احمد قادری مظفر پوری، اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''حضرت والدی سیدی الکریم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عرض کیا، کچھ اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں؟ فرمایا: قرآن شریف اعلیٰ حضرت سے بھی پڑھا، منجھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ مولانا (حامد رضا) سے بھی پڑھا، اس کے بعد فارسی عربی بھی انہیں حضرات سے پڑھی، جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا، تو اس کے اساتذہ مولانا سید بشیر علی گڈھی، مولانا ظہیر الحسن فاروقی رام پوری سے بھی پڑھا، جب مولانا رحم الٰہی مظفر نگری مدرس دوم ہو کر آئے تو ان سے خاص طور پر پڑھا۔

''یہ میرے خاص استاذ تھے، جب متوسطات پڑھ چکا، تو زیادہ تر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضوری حاصل رہتی، جب سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے، ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں بعمر اٹھارہ سال مرکز اہل سنت دار العلوم منظر الاسلام سے فراغت پائی''۔(۱۰)

اعلیٰ حضرت کو آپ کی ذات سے جو بے شمار توقعات تھیں ان میں سب سے اہم آپ کے بعد آپ کے مشن کو زندہ رکھنا اور چلانا تھا، اسی لیے امکانات کے تمام پہلو وہ آپ میں ڈھونڈ رہے، اس مشن کے اِحیا وارتقا کے لیے آپ بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہوتے تھے، بنابریں قدم قدم، نفس نفس اور روش روش خصوصی توجہ وتربیت سے نواز رہے تھے، تربیت کوئی بھی کرے اور کسی کی بھی کرے تربیت ہمیشہ ظاہر کی ہوتی ہے اور یہ بات ضرور ہے کہ اس کی برکات سے باطن کی دنیا بھی سیراب ہو جاتی ہے، عمر کے کتنے قافلے منزل آشنا ہوتے ہیں تب یہ جوہر نکھرتا ہے......تب آدمی دیدہ ور بنتا ہے......تب یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ شاہد وغائب ......ظاہر وباطن ......نہاں وعیاں ......جسم وجاں سب یکساں نظر آنے لگتے ہیں، کتاب ہستی کھلی ہو یا بند، جہاں سے چاہے جو باب چاہے فرفر پڑھ دے...... یہ گوہر مقصود سب کو حاصل ہو جائے یہ بھی کوئی ضروری نہیں ,بہت سوں کی تو ریاضت ومجاہدے میں عمر گزر جاتی ہے مگر وہ جہاں تھے وہیں نظر آتے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت کی تربیت کا کمال دیکھئے کہ دوران تربیت ہی وہ تمام جمالیاتی قدریں ، ارتقائی اوصاف آپ میں اجاگر ہو گئی تھیں جہان سے قرب و بعد، بستہ وکشادہ ، بے حجابی وحجاب کے امتیازات اٹھ جاتے ہیں، اندر اور باہر کی تفریق مٹ جاتی ہے، مثلاً دوران تعلیم ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک بند کتاب رکھی ہوئی تھی، اس بند کتاب کی طرف آپ بغور دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں آپ کے استاذ مولانا بشیر احمد علی گڈھی وہاں آ گئے اور بند کتاب کی طرف غایت درجہ انہماک دیکھ کر فرمانے لگے کہ بند کتاب کی طرف اس قدر انہماک سے دیکھنے سے کیا حاصل؟ تو آپ نے فرمایا:''میں اس اِمکان کا جائزہ لے رہا ہوں کہ بند کتاب پڑھی جا سکتی ہے، یا نہیں؟ مفتی اعظم کا یہ جملہ سن کر مولانا بشیر احمد علی گڈھی نے فرمایا: تو پھر آپ کس نتیجے پر پہونچے؟ تو آپ نے فرمایا: بند کتاب بھی کھلی کتاب کی طرح پڑھی جا سکتی ہے۔ پھر استاذ گرامی مولانا بشیر احمد علی گڑھی نے جواباً فرمایا کہ آپ میں یہ صلاحیت ضرور ہونی چاہیے، کیوں کہ آپ پر غوث اعظم کا سایۂ رحمت ہے''(۱۱)

کل جسے ملت کی کتاب ہستی کا بندورق سیرت رسول عربی سے گلنار کرنا تھا آج ہی اسے وہ عقابی نگاہ بخش دی گئی تا کہ جب وہ وقت آئے تو کوئی دشواری نہ ہو، بلا جھجک قوم کی چاک تقدیر کی رفو گری ہو سکے۔ دورانِ تربیت مفتی اعظم کی نگاہیں امکانات کی حدوں کو پار کر رہی ہیں تو بعد تربیت کا عالم کیا پوچھنا، مولانا یٰسین اختر مصباحی گہر ریز ہیں:

''ہزاروں بدعقیدہ آپ کی صورتِ زیبا دیکھ کر، آپ کے تبلیغی جذبے سے متاثر ہو کر بدعقیدگی سے تائب ہوئے'' ۔(۱۲)

حضور مفتی اعظم کے گلشن طفولیت کی سیر زیادہ دیر تک ہم اس لیے کرتے اور کراتے رہے تا کہ ان کی صبح زندگی کی تجلیات سے عمل کے نصف النہار کا اندازہ لگانا آسان ہو جائے اور اس طرح ان کی شامِ حیات کے رنگا رنگ فیوض و برکات کو تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی تأمل نہ ہو، ظاہر ہے جس کی تعمیر سیرت اور تشکیل شخصیت اتنے اہتمام سے ہوئی ہوا سے اپنے زمانے کا امام برحق ہونا ہی چاہیے، ایک طرف اعلیٰ حضرت کی تمنا ان کے کردار کا گیسو سنوار رہی تھی تو دوسری طرف حضرت نوری میاں کی نوری دعا ان کی روش ورفتار کو گل و گلزار بنا رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا تھا کہ امام اہل سنت کی نیابت کا بار اٹھانا اور مجدد دین وملت کی گوناگوں ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ ان کے لیے فکر ونظر کے شجر طوبیٰ کی نازک شاخوں تک رسائی کے ساتھ علم وعمل کے ہمالہ کی چوٹی سر کرنا ضروری تھا۔ بعد کے حالات نے مفتی اعظم کو جیسا دیکھا اور جیسا پایا، دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ تاجدار اہلِ سنت صرف مفتی اعظم کی ذات ہے، ان کے متنوع جلوؤں سے صرفِ نظر کر کے اس نشست میں ہمیں صرف ان کا دعوتی اور تبلیغی جلوہ دیکھنا ہے۔ آج سنیت جس شان، بان، آن کے ساتھ نظر آ رہی ہے اور جہاں جایئے سُنّی چہرہ جو جگمگاتا مسکراتا نظر آ رہا ہے وہ مفتی اعظم کی شبانہ یومیہ انتھک محنت کا خوبصورت ثمرہ ہے، شجر سنیت کی ڈالی ڈالی، پتی پتی پر حضور مفتی اعظم کا خلوص مرتسم ہے......اللہ کے بندوں کو سچا بندہ......اور رسولِ پاک کے امتی کو وفادار اُمتی دیکھنا اور بنانا مفتی اعظم کی اولین ترجیحات میں تھا ......وہ ایسے داعی دین اور مبلغ مذہب تھے کہ دعوت وتبلیغ کے لیے ان کے یہاں کوئی وقت متعین نہیں تھا......ان کی دعوتِ دینی کا دروازہ چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا......وہ جہاں بیٹھ جاتے دعوت کے ابرِ باراں اور تبلیغ کے موسمِ بہاراں سے پوری فضا جل تھل اور نہال ہو اٹھتی......وہ جدھر چل دیتے ہدایت کا قافلہ ساتھ ہو جاتا......وہ جدھر رخ کر دیتے بدکرداری کی بنجر زمین پر خوش کرداری کے پھول کھل اٹھتے......اگر کچھ بول دیتے تو قال اللہ وقال الرسول کی خوشبو سے گردوپیش معطر ہو جاتا......وہ چلے آتے تو گاؤں کا نصیبہ چمک اٹھتا......شہر کا مقدر سنور جاتا......صرف ان کی تعویذی دعوت سے جنتوں کی دنیا بدل لی اور بھلا ہوا ہے اوروں کی برسوں کی جانکاہی بھی اتنا نہیں کر پاتی، لوگ گھنٹوں چیخ وپکار کر بھی دعوت وتبلیغ کا وہ حق نہیں ادا کر پاتے جو ان کی خاموشی کر دکھائی تھی۔ حضور مفتی اعظم اسلام کے لیے پیدا ہوئے، اسلام کی تبلیغ میں زندگی بسر کی، تبلیغ اسلام کو پیشہ نہیں فریضہ ہی سمجھا اور اس فریضے کو اس طرح ادا کیا جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین اسلام کی سربلندی وسرفرازی قرار دیا تھا جس کو حاصل کرنے کے لیے ہمہ اقسام کی قربانیاں دیں اور جادۂ ابتلا وآزمائش میں کبھی بھی مالی منفعت کو پسند نہیں کیا۔

ڈاکٹر علاؤالدین خاں بریلی کالج بریلی تحریر فرماتے ہیں:

''حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی حیات ظاہری میں جو عظیم کارنامے اسلام اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لیے انجام دیے ہیں ان کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اپنی طویل عمر اطاعت اللہ عزوجل اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کی، عملاً یہ ثابت کر دیا کہ اسلام آج کے سائنسی دور میں بھی قابل عمل ہے ......حضور مفتی اعظم ہند کی پاکیزہ ومطہرہ، تقویٰ وورع میں رچی بسی حیات مقدسہ جدید تہذیب کے ہفوات کے بطلان کے لیے بہت کافی ہے، کیوں کہ مفتی اعظم ہند جدید تہذیب کے جدید مسلمہ معیار سے مستغنی تھے۔(۱۳)

حضور مفتی اعظم ہند کی نظر میں معیار بس ایک ہی تھا اور وہ ہے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت کا معیار، اس معیار سے محبت اور اس پر ہر ہر سانس عمل آوری نے آپ کی ہر حرکت کو قوم مسلم کے لیے معیار بنا دیا۔ ان کی ادائیں دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے تھے کہ فرمانِ رسول اس بابت یہی ہے، پھر کسی کتاب کو کھولنے اور ماخذ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت کو جیسا کرتے، یا کہتے،

دیکھے، یا سن لیا، یقین بولتا تھا کہ کتاب وسنت میں ایسا ہی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ محمد مدنی میاں صاحب رقم طراز ہیں:

''بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین واذعان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنے اسی یقین واذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی تصویر دیکھی ہے''۔(۱۴)

حضور مفتی اعظم معرکۂ دعوت و تبلیغ میں: دعوت و تبلیغ کا کام جان جوکھم کام ہے، یہ راہ صبر وتحمل کی راہ ہے، اس راہ میں سب سے پہلے خود کو آئینہ بنانا پڑتا ہے، تب دعوت وہدایت کی برکت سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ بھی شگفتہ اور درخشاں ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ انبیا علیہم السلام کی خدمات کا ورثہ بلکہ تتمہ ہے، مگر قدم بڑھانے سے پہلے اپنے آپ کو تولنا پڑتا ہے، کہ یہ راہ پھولوں کی سیج سے نہیں کانٹوں کی باڑھ سے گزرتی ہے، اسی لیے ہمارے اسلاف نے ان پانچ چیزوں کو اس کی لازمی شرط قرار دیا ہے (۱) علم نافع، (۲) عمل صالح، (۳) اخلاص فکر، (۴) عشق مصطفیٰ، (۵) اور خوف خدا۔ یہ تمام سنگ میل بھی ہیں، یہ راستے کے نشیب وفراز سے بھی آگہی بخشتی ہیں، یہ کامیابی وسرفرازی کا یقین بھی دلاتی ہیں، یہ نشانِ منزل بھی بنتی ہیں اور داعی ومبلغ ان سب کے خمار سے سرشار ہو جاتا ہے تو منزل مقصود بن کر ہم آغوش ہو جاتی ہیں۔ امیر سُنّی دعوتِ اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری اپنے تلخ وشیریں تجربات کا نچوڑ یوں بیان کرتے ہیں:

''ایک کامیاب مبلغ بننے کے لیے ضروری ہے کہ جہاں وہ ایک طرف ذاتی طور پر سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند، باکردار، اور نیک ہو، وہیں دوسری طرف اس کے اندر وہ صفات بھی موجود ہوں جو اسے اس قابل بنائیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ رہ کر ان نیک صفات کو اپنے کردار کے ذریعے دوسروں میں منتقل کر سکے، دعوت کے راستے میں یہ بہت اہم ضرورت ہے، اس لیے کہ وہ شخص دعوت وتبلیغ کے میدان میں، صحیح معنوں میں قدم نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جو خود اپنے کردار میں اچھا نہ ہو۔(۱۵)

حضور مفتی اعظم ہند جب محاذ آرائے دعوت وتبلیغ ہوئے ہیں تو پہلے انہوں نے بڑی باریک بینی سے سماجی منظر نامے کا جائزہ لیا اور جزئیات اکٹھا کی ہیں، قومی مسائل معاشرتی مصائب، ملی نقائص اور عملی غفلت وتساہل کا تحلیل وتجزیہ کیا ہے، اسبابِ خواری وذلت کا محاسبہ کیا ہے، پھر اتنی تحقیق وتنقید کے بعد آپ جس نتیجے پر پہنچے ہیں اس کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں:

''میں مدتوں سرگرداں رہا اور اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ مسلمان باوجود اسلام کے پستی وتنزل اور قعر مذلت وتزلزل میں کیوں ہیں، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جو کچھ ہے اپنا ہی کرتوت ہے، جو بویا وہ کاٹ رہے ہیں، جو مصیبت ہم پر آئی یا آئے گی، وہ سب اپنے ہی ہاتھوں لائی ہوئی ہے یا ہوگی، ہاں، ہاں، اوامر الٰہی سے غفلت کا پھل اور احکام شریعت حضرت رسالت پناہی سے بے پروائی کا ثمرہ ہے...... سچ کہو آج کل مسلمانوں کی یہ حالت نہیں کہ اعمال تو اعمال عقائد سے بھی خبردار نہیں، جیسے انہیں اُن سے کچھ سروکار نہیں اور امر کی بجا آوری سے اجتناب ونفرت، نواہی کا ارتکاب بہ رغبت ...... آج مساجد نمازیوں کی کثرت کی بجائے قلت سے تنگ، رمضان مبارک روزہ داروں کی تلاش میں دنگ...... آپس میں وداد وخلوص ورشک واتفاق کی جگہ بغض وحسد وشقاق ونفاق کی گرم بازاری، غیروں سے میل جول پیار ومحبت ویاری، کافروں مشرکوں سے ریت ہے، ملحدوں سے پیت''(۱۶)

یہ حضور مفتی اعظم کا کمال ہے کہ دعوت وتبلیغ کے صحرا کو بھی آپ نے قدم رنجہ فرما کر گلِ گلزار کر دیا اور کام نہیں کارنامہ انجام دیا ہے۔ سطورِ بالا کی سطر سطر ایک سچے داعی اور مخلص مبلغ کا پیغام نشر کر رہی ہے، ان سطور میں مرض کی تشخیص بھی ہے، دوا کا انتخاب بھی اور پرہیز وہدایت بھی، اگر مسلمانوں نے حضور مفتی اعظم ہند کی دعوت وتبلیغ پر دھیان دیا ہوتا، تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے جو ٹالے نہیں ٹل رہے ہیں، پھر تو سربلندی ہی ہمارا مقدر ہوتی۔ حضور مفتی اعظم وہ تھے جن کا دل ملت کے درد میں دھڑکتا تھا، انہوں نے ملی فیروزمندی اور قومی سرخروی کے لیے اپنے آپ کو تج دیا تھا، بعض مواقع ایسے بھی آئے جہاں قوم کا وقار داؤ پر لگا تھا، صاحبانِ ہمت کی ہمت جواب دے گئی تھی مگر مفتی اعظم کی ہمت مومنہ نے معرکہ سر کر کے ہی دم لیا، دعوت وتبلیغ کے حوالے سے ان عظیم کارناموں میں دو عظیم تر کارنامے جس کا

خوب چرچا کرنے کی ضرورت ہے، ایک ہے لاکھوں مرتدوں کو مسلمان بنانے کا رنامہ اور دوسرا ایمرجنسی کے بھیانک ماحول میں دعوتِ حق کا کارنامہ۔مگر آیئے پہلے روزمرہ کی زندگی میں، چلتے پھرتے حالات میں، اٹھتے بیٹھتے ماحول میں ان کی دعوت وتبلیغ کے چند شاہکار سے اپنے ذوق جستجو کی تسکین کرلیں۔ان چھوٹے موٹے واقعات میں مبلغ کی دردبھری پکار بھی ملے گی اور مجاہد کی مجاہدانہ للکار بھی......داعی کا سوز بھی ملے گا......اور ہادی کا گداز بھی......محقق کی رفوگری بھی ملے گی......اور نقاد کی بخیہ دری بھی......ان میں صوفی کا اضطراب بھی ملے گا......اور مولوی کا اطمینان بھی......بغیر کسی کے تبصرے وتجزیے کے اصل گنج گراں مایہ ہم ناظرین کی نذر کرتے ہیں:

☆ ''ایک بار رام پور سے بریلی شریف کار سے تشریف لے جارہے تھے، کسی نے دوران گفتگو کسی پنجابی کو سردار جی کہہ دیا تو حضرت نے سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، سردار تو بس ایک ہی ہیں، سکھ کہو پنجابی کہو''۔

☆ ''کوٹہ کے ایک صاحب بڑے گھن گرج کے ساتھ تقریر کر رہے تھے، دوران تقریر انڈیا گورمنٹ کی تعریف میں کہنے لگے، ہماری سرکار، حضرت مفتی اعظم قبلہ اسٹیج پر موجود تھے، فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا: گورمنٹ کہو، سرکار تو بس ایک ہی ہے مدینے کی سرکار''۔

☆ ''الہ آباد میں ایک صاحب تعویذ لینے کے لیے حضرت کی خدمت میں آئے، حضرت نے جب ان کی طرف تعویذ بڑھا دیا، تو انہوں نے لینے کے لیے اپنا بایاں ہاتھ بڑھایا، یہ دیکھ کر حضرت سخت برہم ہوئے اور فرمانے لگے، کیا آفت آگئی کیسے لوگ گلا کھلا رکھتے ہیں، ٹوپی سر پر نہیں رکھتے، بایاں ہاتھ بڑھاتے ہیں، صبح وشام داڑھی منڈانا، بس صبح وشام داڑھی صاف کرانا ان کا معمول بن گیا ہے اور اپنے گھروں میں برکت تلاش کرتے ہیں، بے برکتی کی شکایت کرتے ہیں۔اس کے بعد تعویذ دیکھ کر فرمایا، ہر نماز کے بعد یہ پڑھو اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔اس تنبیہ کا اتنا اثر ہوا کہ ان صاحب نے داڑھی رکھ لی اور نماز بھی پڑھنے لگے''۔

☆ ''ایک مرتبہ بہار میں حضرت کی موجودگی میں ایک مولانا صاحب تقریر فرمارہے تھے، دورانِ تقریر''گیا'' کے مسلمانوں کو مخاطب کرکے کسی بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے گیا کے بدنصیب مسلمانو! حضرت نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا مسلمان بد نصیب نہیں ہوتا، یوں کہوا ے مسلمانو! مولانا صاحب نے کچھ تاویل کرنی چاہی کہ میری یہ مراد تھی، وہ تھی، اس پر فرمایا: کچھ نہیں مسلمان بد نصیب نہیں ہوتا، پھر مولانا صاحب نے وہ لفظ چھوڑ دیا''۔

☆ ''بریلی میں ایک جگہ حضرت دعوت کے لیے تشریف لے گئے، جیسے ہی حضرت بیٹھے ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے ہوئے، سامنے آئے، جن کی داڑھی صاف تھی، حضرت نے مصافحہ فرمایا، اس کے ساتھ ہی معلوم کیا نام کیا ہے؟ انہیں نے عرض کیا حبیب احمد۔ حضرت نے برجستہ فرمایا: نام حبیب احمد اور شکل یہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

☆ ''ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرمارہے تھے، ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، آپ نے فرمایا! میاں کھانا داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، اس نے جواب دیا، بابا میں مسلمان نہیں ہوں، حضرت نے فرمایا، ارے مسلمان نہیں ہو، انسان تو ہو''(۱۷)

☆ ''ایک دفعہ دواپٹوڈیٹ، بے پردہ مسلمان عورتیں ساڑی میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لیے آئیں۔ آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی، تو نگاہ ان پر پڑگئی، فوراً رخ پھیر لیا اور سر نیچا کئے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے، انداز کچھ نرم اور بے حد تحسُّر آمیز تھا، گویا انہیں دلی تکلیف پہونچی ہو، جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا، نہ اللہ ورسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرز معاشرت کی پروا، نہ انجام کا خیال، اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں، اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس مسلمانوں کا نہیں ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں، ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثے میں مر جائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں، خیال فرمائے نہ مٹی نہ جنازہ، یونہی پھونک دی جائیں گی، یہ سب وبال ہے اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی کا، وہ عورتیں اپنی حالت پر اس دعوت حق سے بے حد شرمسار ہوئیں''۔

☆ بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں: گیا کے جلسے میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا، رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ

تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا، واپسی پر راستہ میں آپ نے فرمایا، رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا، اگر کہیں قرآن وحدیث میں یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے آیا ہوگا تو اس کا بولنا صحیح ہوگا، ورنہ نہیں، اس امر کی تحقیق کر لیجئے گا، آج پندرہ بیس سال ہوگئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں، مجھے تو ایسا کوئی محل استعمال نہ ملا'۔(۱۸)

☆ ''۱۹۷۲ء حیدرآباد کن کی مشہور خانقاہ یحییٰ مسکن، قاضی ٹولہ میں حضرت مولانا سید محمد قادری کے کمرے میں حضور مفتی اعظم ہند تشریف فرما تھے۔ حیدرآبادی علما ومشائخ بھی زینت محفل تھے۔ مختلف علمی موضوعات پر تبادلۂ خیال ہورہا تھا، اچانک حضور مفتی اعظم ہند کی نگاہ سامنے کی دیوار کی طرف اٹھی اور آپ نے استغفر اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے سر نیچے جھکایا۔ حاضرین دم بخود تھے کہ آخر ایسا بار بار کیوں ہورہا ہے، اسی عالم میں حضور مفتی اعظم ہند کی آواز گونجتی ہے، کس نے اس کو لگایا ہے، اتارو پھینکو، اب جو دیکھا گیا تو اوپر طغریٰ آویزاں ہے، جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے:

اچھے تو بخشے جائیں گے گنہگار منہ تکے

اے رحمت خدا تجھے ایسا نہ چاہیے

آپ نے ارشاد فرمایا: رحمت خدا کے ساتھ ایسے نازیبا کلمات کا استعمال جائز نہیں، اس لیے صاحب خانہ مولانا سید محمد قادری اس سے توبہ کرلیں، چاروناچار صاحب خانہ نے طغریٰ کو نیچے اتارا، پھر اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت وپشیمانی کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں توبہ بھی کی، اس کے بعد حضور مفتی اعظم ہند نے التماساً کہا آپ لوگ گواہ رہیں میں بھی توبہ کرتا ہوں، حاضرین محو حیرت ہیں!!! آپ نے ازالۂ وسوسہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تحریر کا ادب چاہیے، اس شعر میں چوں کہ رحمت خدا کا لفظ بھی شامل ہے جس کا ادب ہر لحاظ سے ضروری ہے اور اس کے لیے میری زبان سے اتارو پھینکو کا جملہ نکل گیا ہے جو خلاف ادب ہے، اس لیے آپ حضرات کو گواہ بنا کر میں بھی توبہ کرتا ہوں، پھر فرمایا ''لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)(۱۹)۔

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ، اپنی آپ بیتی بیان فرماتے ہیں:

''کلکتہ کے سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ ''فوجی'' آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کردی جو یہودی اور قادیانی کرتے اور بکتے ہیں۔ حضرت نے سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے، یہ جھوٹ ہے، اِفترا ہے، وہ بھونچکارہ گیا، کہنے لگا میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں، پھر آپ کیوں خفا ہورہے ہیں؟ فرمایا: ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں تو ڈرا کہ یہ وحشی درندے ہیں کہیں بد تمیزی کا برتاؤ نہ کریں، مگر ایک مرد حق آگاہ کی ڈانٹ نے انہیں سہما دیا اور مرعوب ہوگئے، یہی نہیں، اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔(۲۰)

حضور مفتیِ اعظم، حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے عرس میں شرکت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تھے۔ کوچۂ چیلاں میں قیام کیا وہاں ایک بدعقیدہ ملا، آپ سے علم غیب کے مسئلہ پر الجھ پڑا، صاحب خانہ اشفاق احمد نے آپ سے مؤدبانہ گزارش کی، ''حضور یہ کج بحث ہیں، ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا'' حضور مفتی اعظم نے اپنے میزبان سے کہا، یہ اس وقت تمہارے گھر پر تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کے متعلق تمہیں کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہیے، مولوی صاحب نے آج تک کسی کی بات سنی ہی نہیں، اس لیے اثر بھی قبول نہیں کیا، یہ تو صرف اپنی بات سناتے رہتے ہیں اور وہ بھی ان سنی کردی جاتی ہے، آج میں ان کی بات توجہ سے سنوں گا، حاضرین بھی خاموشی سے سنیں، مولوی سعدالدین انبالوی نے سوا گھنٹے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، جب تھک کر خاموش ہوگئے، تو آپ نے فرمایا اگر کوئی دلیل تم اپنے موقف کی تائید میں بیان کرنا بھول گئے ہو تو یاد کرلو، مولوی صاحب پھر جوش تقریر میں آگئے اور پھر آدھا گھنٹے تک بولنے کے بعد کہا، پس یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، آپ نے فرمایا ''آپ اپنے باطل عقیدے سے فوراً توبہ کرلو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ علم غیب عطا فرمایا تھا، آپ اس کے رد میں سب کچھ کہہ چکے ہیں جو کہہ

سکتے تھے، اب اگر زحمت نہ ہو تو میرے دلائل بھی سن لیں، مولوی صاحب نے برہم ہو کر کہا، میں نے تم جیسے لوگوں کی ساری دلیلیں سن رکھی ہیں، مجھے سب معلوم ہے کہ تم کیا کہو گے، آپ نے بڑے تحمل سے کہا، ''مولوی صاحب! بیوہ ماں کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں؟ میں غیر متعلق سوال کا جواب نہیں دوں گا، مولوی صاحب نے تیز آواز میں کہا، حضور مفتی اعظم نے کہا، اچھا تم میرے کسی سوال کا جواب نہ دینا، میرے چند سوالات تو سن لو...آپ کی بات سن کر مولوی صاحب بادل نخواستہ خاموش ہو گئے، تو آپ نے دوسرا سوال کیا، کیا کسی سے قرض لے کر روپوش ہو جانا جائز ہے؟ کیا اپنے معذور بیٹے کی کفالت سے دست کش ہو کر اسے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے؟ کیا حج بدل کے اخراجات کسی سے لے کر حج............ابھی آپ نے سوال مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر قدم پکڑتے ہوئے کہا، بس کیجیے حضرت! مسئلہ حل ہو گیا، آج میری سمجھ میں بات آگئی کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم غیب حاصل تھا اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس علم غیب ہونا ہی چاہیے، ورنہ منافقین مسلمانوں کی تنظیم کو برباد کر دیتے، اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو میرے متعلق ایسی باتیں بتا دی ہیں جو یہاں کوئی نہیں جانتا، تو بارگاہ علیم سے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیا کیا انکشافات نہ ہوتے ہوں گے، مولوی صاحب اسی وقت تائب ہو کر مفتی اعظم کے مرید ہو گئے۔(۲۱)

یہ حضور مفتی اعظم کے سفر وحضر میں، نجی مجلس میں، دینی جلسہ میں، کسی کے گھر دعوت میں اچانک ملاقات میں، برسے ہوئے دعوت وتبلیغ کے آبگینوں کے چند نمونے ہیں۔ مطالعہ سیرت سے ایسے نوادرات کا ذخیرہ جمع ہو سکتا ہے، ان چند اقتباسات کی پہلی ملاقات میں جو چیز دل میں اتر جاتی ہے وہ ہے حضور مفتی اعظم کا دینی اخلاص، ملی درد۔ کسی کے گفتار و کردار سے اسلام کا کوئی قانون ٹوٹے، یا کسی کی زندگی میں اسلام کا کوئی اصول چھوٹ جائے، یہ مفتی اعظم کو گوارہ نہیں تھا، پیش آمدہ شخص چاہے کوئی بھی ہو، عامی ہو کہ عالم، امیر ہو کہ فقیر، دوست ہو کہ دشمن، سنی ہو کہ وہابی، شناسا ہو کہ اجنبی، خلاف شرع دیکھنے سننے پر برملا مفتی اعظم ٹوکتے، اصلاح فرماتے، موافق شرع کرنے، بولنے، زندگی گزارنے کی دعوت دیتے، ان کی دعوت میں خلوص سے مملو ایسی ہدایت اور ان کی تبلیغ میں اپنائیت کی ایسی تائید ہوتی کہ آدمی گردن جھکا دیتا، نہ کوئی قیل وقال، نہ کوئی دلیل، حجت، ان کے ایک ہاں یا نا پر پوری تھیوری بدل جاتی تھی، نظام عمل کا نقشہ تبدیل ہو جاتا تھا، انہیں چوں کہ مفتی اعظم کا لقب مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے دیا تھا۔(۲۲)

اس لیے وہ علی الاطلاق اپنے دور کے مفتی اعظم تھے، اور اسی لقب سے عالم آشکار ہیں، علاوہ ازیں خود ان کی تخلیق بھی افتا کی فطرت پر ہوئی تھی، جیسا کہ فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمان صاحب، حضور مفتی اعظم کی شان فقاہت کا جامع تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم کے نفس کے اندر فقاہت ودیعت کر دی تھی، قدرت نے ان کو مقصد شرع کے ادراک کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ الفاظ کے ذریعے معانی تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے، بلکہ ان کے دل پر معانی کا اِلقا ہوتا تھا، جس کی تفسیر کے لیے وہ الفاظ کا استعمال میں لاتے تھے۔''(۲۳)

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ مصطفویہ) سے دعوت وتبلیغ کے چند نگینے پیش ہوں تا کہ قارئین ان جلووں سے بھی آنکھیں ٹھنڈی، جگر تازے، جانیں سیراب کر سکیں۔ نہایت ایجاز واختصار کے ساتھ چند نظیریں نذر ہیں:

سوال: اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اللہ عزوجل پر ہی خدا کا اطلاق ہو سکتا ہے اور سلف سے لے کر خلف تک ہر قرن میں، تمام مسلمانوں میں بلا نکیر اطلاق ہوتا رہا ہے اور وہ اصل میں ''خود آ'' ہے جس کا معنی ہے وہ جو خود موجود ہو، کسی اور کے موجود کیے موجود نہ ہوا ہو اور نہیں مگر اللہ عزوجل ہمارا سچا خدا۔(۲۴)

سوال: اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ، اللہ عزوجل، اللہ جلالہ، اللہ سبحانہ، اللہ عز شانہ، وغیرہ کہنا چاہیے، میاں نہ کہنا چاہیے، عوام میں یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس سے انہیں احتراز کرنا چاہیے، تفصیل کے لیے احکام شریعت دیکھیں، اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفصل تحریر فرمایا ہے، گناہ نہیں مگر یہ لفظ اس کی جناب میں بولنا برا ہے، اس کی شان وعزت کے لائق

نہیں ۔(۲۵)

سوال: ''ایک جلوس راج گدی کا اہل ہنود نکالنا چاہتے ہیں جس میں ہندو اوتاروں کی صورت میں انسان بٹھائے جاتے ہیں اور مجمع عام اہل ہنود کا اس کے ساتھ ہوتا ہے، مسلمانوں سے اصرار کیا جاتا ہے کہ وہ بحالیِ امن اور رشتۂ اتحاد مضبوط کرنے کے لیے اس جلوس کے جلو میں چلیں، کیا اس حالت میں مسلمان بلا ارتکاب گناہ کئے ہوئے اس جلوس کی معیت میں چل سکتے ہیں؟

جواب: اس کے حرام، حرام، حرام، اشد حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں، کفار کے ایسے کاموں کے محض تماشہ کے لیے وہاں چلنا تو حرام ہے، نہ کہ رشتۂ اتحاد قائم کرنے کے لیے، کفار سے رشتۂ اتحاد کفار ہی کا ہے، مسلمان کا کسی کافر سے رشتۂ اتحاد قائم نہیں ہوسکتا۔........جو لوگ اس نیت سے شریک ہوئے وہ ضرور کفار سے متحد ہوگئے، اسلام سے جدا، ایسے اُمور کفار کے جلوس میں شرکت ہی نہیں، ان کے جلوس میں چلنا ان کی تعظیم ہے اور اُن کے ایسے امور کی تعظیم سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم، چاہے یہ تعظیم خود کی ہو یا حکماً، آج اگر کسی حاکم کا حکم اس کے لیے مان لیا گیا اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھ لیا ہے، تو کل بتوں کو سجدے کا بھی حکم ہوگا اور ایسے بے خرد لوگ جب بھی تعمیل حکم کریں گے اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھیں گے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ، یہی لوگ ہیں جنھوں نے ایسی ایسی کمزوریاں نمایاں کرکے اسلام کو نظر کفار میں معاذ اللہ ذلیل کیا ہے''۔(۲۶)

تحریک شدھی سنگھٹن اور مفتی اعظم کا دعوتی جہاد

ایک وقت ہندستان کے مذہبی فلک پر سیاسی کالی گھٹا ایسی بھی چھائی تھی، جب اسلام کفر کے نرغے میں گھر رہا تھا، سو دو سو نہیں یا ہزار دو ہزار نہیں لاکھوں لاکھ مسلمان اسلام کا قلادہ اُتار پھینکنے کے لیے تیار تھے، وہ اپنا کلمہ بھول چکے تھے، وہ اپنا نام بدل رہے تھے۔ظاہر ہے اتنی بڑی تعداد کا اسلام سے برگشتہ ہو جانا حادثاتی طور پر اچانک نہیں ہوا ہوگا، منصوبہ بند طریقہ پر، برسوں منظّم محنت کی گئی ہوگی تب مطلوبہ اَہداف حاصل ہوئے ہوں گے، حالاں کہ مسلمان جس کی اپنے نبی سے اتھاہ محبت ضرب المثل ہے، جو دور اِدبار اور گری سے گری حالت میں بھی اپنے اسلام اور اپنے اسلاف سے ٹوٹ کر الفت کرتے رہے ہیں۔ ایسی جانباز قوم کا اپنے مذہب سے پھر جانا نا قابل یقین حد تک حیرت ناک ہے، مگر یہ زمینی حقائق ہیں، تاریخی شواہد بول رہے ہیں کہ ایسا ہوا ہے، جب ہم تاریخ کے رخ سے پردہ سرکاتے ہیں، تو بس یہ کہہ کر دل تھام لینا پڑتا ہے کہ

''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''

اکبر بادشاہ نے اپنے دورِ اقتدار میں مختلف مذاہب کا آمیزہ تیار کرکے دین الٰہی کا ملغوبہ ہندستانیوں کو دیا تھا، اس کا نچوڑ صرف دو جملوں میں یہ تھا۔''سارے ادیان برابر ہیں سب کا یکساں احترام کرنا ہوگا''۔ ، خوشی وغمی کی حالت میں، ہر ہندستانی کو ایک دوسرے کے شریک حال ہوکر متحدہ قومیت کا ثبوت دینا ہوگا''۔

گرچہ حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما الرحمہ کی مساعی جمیلہ نے اس مفروضہ دین الٰہی کی کمر توڑ دی، مگر سسکیاں لے لے کر ہی سہی کہیں نہ کہیں اس کی روح زندہ رہی۔اسی لیے بعض حلقے میں اس کی اچھی پذیرائی اور اس کے اچھے اثرات تھے، اسی لیے اسلام کش کوئی نظریہ جب کبھی انگڑائی لیتا تو اس کا رشتہ صاف اکبری تحریک سے ملتا تھا، پھر وہی آواز، پھر وہی پیغام کہ کامیابی سب کو ساتھ لے کر چلنے میں ہے، متحدہ قومیت ہی فلاح و بہبود کی کلید ہے، اکبر کے اس نعرے کی گونج، انگریزی دور اقتدار میں کچھ صاحبانِ جبہ و دستار، سیاسی بساط کے کچھ ٹھکیدار کی حمایت سے پھر سنائی دینے لگی۔فرق صرف اتنا تھا جلال الدین اکبر کی جگہ ''گاندھی'' کو بٹھا لیا گیا، اور ابوفضل وفیضی کی جگہ شیخ الہند، شیخ الاسلام اور امام الہند نے پر کر دی، اس وقت وہابی علما کا موقف یہ تھا کہ انگریزوں سے کسی طرح آزادی تو حاصل کی جائے لیکن ہندو لیڈروں کی سرکردگی میں ہندو لیڈروں کی اندھی تقلید واقتدا میں وہ اتنے کھو گئے تھے کہ کہاں کہاں ان سے اسلامی قدریں پامال ہو رہی تھیں اس کا کچھ بھی پاس وخیال نہ تھا۔وہ صرف آقا بدلنا چاہتے تھے، گورے آقاؤں کی جگہ کالے آقا۔ اپنے اس انداز فدا کاری پر وہ اتنے مُصِر تھے کہ پورے ہندوستان میں بھونچال سا پیدا کر دیا گیا۔ یہاں پر یہ بھی یاد رہے کہ اکبر کے دین الٰہی کے لیے شیخ عبدالحق شرر و برق اور حضرت امام ربانی قہر آسمانی ثابت ہوئے، اور انگریزی دور کے اس متحدہ قومیت کے فتنے کے لیے امام احمد رضا سدِّ سکندری بن کر کھڑے ہوگئے۔ امام احمد رضا نے اس شدت سے اس دین بیزار طوفان کا مقابلہ کیا کہ زور ٹوٹ

کر رہ گیا۔ (دیکھئے رسائل رضویہ جلد دوم)

اپنے ان آقاؤں کی خوشنودی لوٹنے کے لیے ان حضرات نے وہ کچھ کیا کہ آج تک غیرتِ اسلامی سکتے میں ہے۔ گائے کی قربانی بند کروانے لگے ......گاندھی کی جے کے نعرے لگانے لگے......پیشانی پر قشقے کھنچوانے لگے......ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا......نجس مشرکوں کو خدا کی پاک مسجدوں میں بٹھایا گیا...... تلقین کی گئی کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے.....خود گاندھی کو اپنا امام مان کر اس کے احکام کی تعمیل کر رہے تھے، مسلمانوں کو بھی کھلم کھلا ترغیب دینے لگے، برملا کہتے پھرتے تھے ہم کعبہ اور پریاگ کا فرق مٹانا چاہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ(۲۷) اعلان کرتے پھرتے کہ ملتیں اوطان سے بنتی ہیں، تبھی شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کو کہنا پڑا

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
زدیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ دین از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است(۲۸)

مولوی حسین احمد کے علاوہ مسٹر ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر روزنامہ ''زمیندار'' لاہور جیسے ذمہ دار لوگ گاندھی کی آندھی میں بہہ کر، بڑھ بڑھ کر اہلِ حرم کو سومنات کا راستہ دکھا رہے تھے، اخبار زمیندار نے یہاں تک لکھ ڈالا

''یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو
مگر ہم بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں
وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا، تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے(۲۹)

یہ سیاسی پس منظر وہ دردناک سانحہ ہے جس نے مذہب اسلام پر کاری ضرب لگائی، شوکت اسلام ہندستانیوں کی نظر میں گھٹائی، مسلمانوں کے اذہان سے عظمتِ دین نکالی، اور کافروں، بدمذہبوں، ملحدوں سے انس و لگاؤ کو قلوب میں جگہ دی۔ لوگوں نے دیکھا جب بڑے صاحبانِ جبہ و دستار ....سخنور و مضمون نگار......ادیب و خطیب شعلہ بار، یہی کہہ رہے ہیں، یہی کر رہے ہیں، تو ہم کس گنتی میں ہیں۔

''چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی''

دوسری طرف شدھی تحریک کے ذمہ داروں نے دیکھا تو اگرم ہے روٹی سینک لینی چاہیے......ماحول سازگار ہے سکہ اچھال دینا چاہیے۔ انہوں نے فوراً اپنی تحریک کو دوآتشہ کر دیا، نتیجہ یہ کہ گاؤں کا گاؤں ظلمتِ کفر میں ڈوب گیا۔ یہ حالات کیوں پیدا ہوئے، حضور مفتی اعظم ہند جو ان سارے حالات کے چشم دید گواہ ہیں، نے بھی روشنی ڈالی ہے اور خوب ڈالی ہے:

''آج یہ فتنۂ خبیثہ ارتداد، تمہارے اس نامراد اتحاد اور محبت، داد غلامی وانقیاد کا نتیجہ ہے۔ سچ کہو کیا پہلے بھی کسی نام کے مسلمان کو بھی ہندو ہوتے دیکھا ہے، اللہ اکبر! دھونی پرشاد اور یہ ہمت، گھاس کے کھانے والوں میں یہ جرأت، مدعیان اسلام! تم نے انہیں جری کیا، تم نے انہیں ہمت دلائی، تم نے انہیں دلیر بنایا، ہاں، ہاں، تم نے انہیں دلیر بنایا، ہاں ہاں تم نے انہیں اُبھارا، نہ تم ان پر ایسے ہوش کھوکر فدا و نثار ہوتے، نہ وہ غافل پا کر تمہارے شکار کو تیار ہوتے۔(۳۰)

یہ بھید صاف کھل گیا کہ گندم نما جو فروش، دوست نما دشمنوں کی عاقبت نا اندیشانہ حرکتوں نے جذبۂ اسلامی اور ولولۂ مسلمانی کو کمزور کیا، جس سے شدھی سنگٹھن تحریک کو بڑھاوا ملا اور کام کر گزرنے کا موقع ہاتھ آیا۔

شدھی تحریک کا مختصر سا تاریخی تعارف یہ ہے کہ سوامی دیانند نے ۱۰/اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی، ۱۹۱۱ء میں اسی آریہ سماج کے بطن سے شدھی تحریک کا جنم ہوا۔ اس ذیلی شاخ کا مقصد تھا مسلمانوں کو زک پہنچانا اور سیکڑوں برس پہلے مسلمان ہونے والے راجپوتوں کو دوبارہ ہندو دھرم میں شامل کرنا۔ اس تحریک کے وجود میں آتے ہی اس کی غرض و غایت کی تکمیل اور مطلوبہ مقاصد کی تحصیل کے لیے ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے، پھر کیا تھا شدھی تحریک پورے کروفر کے ساتھ میدانِ عمل میں کود پڑی، قسم ہا قسم کے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے عازم سفر ہوگئی، قوت قہری کے ساتھ، عمدہ عمدہ باجے، اچھے اچھے گانے والی پری پیکر لڑکیوں کے ساتھ مسلم علاقوں کا دورہ شروع کر دیا، نرمی سے اگر بات بن گئی تو ٹھیک ہے، ورنہ مظالم کے پہاڑ بھی توڑے

جانے لگے، مذکورۃ الصدر سیاسی بازیگروں اور دینی سوداگروں کو مثال میں پیش کر کے ان کی حرکات وسکنات کو شواہد بنا کر اسلام سے پھر جانے کا حکم دینے لگے۔

علامہ شرف الدین جائسی حقائق نگار ہیں:

''آج میدانِ ارتداد میں منشی رام شردھانند کا فوٹو جو جامع مسجد دہلی میں، اس کے منبر پر بیٹھے ہوئے اور لکچر دینے کا لیا گیا ہے، ملکانوں (راجپوتوں) کو دکھا دکھا کر مرتد کیا جا رہا ہے، شرم، شرم، شرم (۳۱)

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں کہیں کوئی آواز نہیں، کہیں کوئی احتجاج نہیں، کہیں کوئی ان مسلمانوں کا ہمدم و دم ساز نہیں، مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں، تمام خانقاہوں میں جمود طاری تھا، سارے مسلمانوں کا مقتدا بننے والے چپ سادھے بیٹھے تھے۔ مگر جیسے ہی حضور مفتی اعظم کو آریوں کی کارروائیوں کا علم ہوا اور ملک میں یہ خبر گونجی کہ ساڑھے چار لاکھ مسلمان راجپوت، جو آگرہ، میرٹھ اور دہلی کے اضلاع میں رہتے ہیں، اس بات پر تیار ہیں کہ پھر سے ہندو دھرم اختیار کر لیں۔ یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی حضور مفتی اعظم بے چین ہو گئے اور فوراً ہی اس فتنے کی سرکوبی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اولاً ۷ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء کو رام پور ''دبدبۂ سکندری'' اخبار کے دفتر پہنچے اور اخبار کے ذریعے ذمہ دار مسلمانوں کو اس فتنے کے تعلق سے متنبہ کرایا۔ بعدہٗ بریلی شریف میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کی میٹنگ لی اور کیسے کیا کرنا ہے، سب کچھ طے کرنے کے بعد دس افراد کے قافلے کے ساتھ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے، میرٹھ سے اپنے دورے کا آغاز فرمایا، آگرہ کو جماعت رضائے مصطفیٰ کا مرکز بنایا اور تحریک کے زد میں جتنے بھی علاقے آئے تھے مثلاً آگرہ، متھرا، میرٹھ، بلند شہر، بھرت پور، علی گڑھ، ایٹہ، گوڑ گاؤں، اٹاوہ، اودے پور، میواڑ، جے پور، وغیرہ سب میں اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ و دیگر مبلغین نے آریہ سماجیوں کا بھرپور مقابلہ کیا۔ اور اپنے مسلم بھائیوں کے ایمان بچانے کی دینی اخلاقی خدمت میں ڈوب گئے، یہ کام پتھر کا چنا چبانے سے زیادہ سخت تھا، فرداً فرداً لوگوں سے ملنا اور ان کی آپ بیتی سننا، ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں رکھنا اور اسلام کی طرف مائل کرنا، پھر اسلام پیش کرنا اگر مان گئے تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کی سخت وسست سننے کے لیے تیار رہنا، اس میں بات بڑھنے اور بگڑنے کے خطرات سے دو چار رہنا اور پھر یہ شخص واحد کا معاملہ نہیں تھا، (جیسا کہ پیچھے گزرا) اس کے پیچھے پوری تنظیم لگی ہوئی تھی، پورا نیٹ ورک تھا جو حالات کی کڑی نگرانی کر رہا تھا، گویا کہ اس راہ میں قدم رکھنا اس جمعیت کو چیلنج کرنے کے مترادف تھا، پھر ان نابجاروں کی طرف سے کچھ بھی ہو سکتا تھا، اتنے سامان ستم تھے اور یک جان عندلیب، حضور مفتی اعظم ہند نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ خود آگرہ میں آرام فرماتے اور مبلغین کو دوسرے مقامات پر بھیجتے رہتے، بلکہ آپ بھی کسی وفد کے ہمراہ رہتے، اللہ اکبر! مفتی اعظم کی جفاکشی، دور دراز کے مقامات کا سفر کرتے، شہر سے دور مواضعات میں جہاں نہ پختہ سڑکیں تھیں نہ سواری کا انتظام، وہاں پا پیادہ تشریف لے جاتے، یہی وجہ ہے کہ پاؤں میں چھالے پڑے، بیمار ہوئے، مگر واہ رے دینی شغف! فکر ہے تو مسلم بھائیوں کے ایمان کی، ساری پریشانیاں برداشت کرتے رہے اور دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہے، اس وقت تک گھر کا رخ نہیں کیا جب تک کہ فتنۂ ارتداد کو کچل نہ دیا، بلکہ پلٹ کر وار بھی کیا، ہندوؤں میں تبلیغ کر کے بہت سارے ہندوؤں کو داخلِ اسلام فرمایا۔ (۳۲)

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ سے حضور مفتی اعظم نے اس سفر کی کچھ روداد بیان فرمائی تھی، تفصیل مفتی صاحب کے زرنگار قلم سے:

''صرف ایک واقعہ سن لیں جو مجھ سے خود حضور مفتی اعظم نے بیان فرمایا تھا۔ اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلے پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ایک رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے، جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے، اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی، یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے، جا کر دیکھا ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے، متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لیے بیٹھے ہیں، ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان مسلمانوں کا ہے جو

مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انہیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے، یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کیئے بے غیر، مجمع کو چیرتے پھاڑتے، اس فتنہ پرور کے پاس پہونچے، اس سے کہا آؤ مناظرہ کرلو۔ اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں، اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر شیر بیشۂ اہل سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا، حضرت مفتی اعظم کی غیرتِ ملی کو جوش آیا۔ شیر بیشۂ اہل سنت سے فرمایا کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں، تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے، تو تم لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اس اپنی جلائی ہوئی آگ میں کود و، جو آگ سے زندہ بچ نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے، اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کود یں، ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا، مبہوت و دم بخود رہ گیا۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے جوش میں آکر گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا ٹس سے مس نہ ہوا، کچھ دیر یہی ہوتا رہا، گانے والے گانا بھول گئے، حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں، سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا، مولوی جی اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل، ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا، اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہوگئے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔

بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی
اہلِ چین چین میں ایران میں ایرانی بھی
پر تیرے نام پر تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے (۳۳)

صرف اس ایک واقعہ سے اس سفر کی جو صعوبت، بلاکشی، عزم و ہمت، اخلاص و استقلال، جوش جنوں، ولولہ صداقت، مؤمنانہ شان، کیف استغنا کا منظر سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر مفتی اعظم کے جذبۂ استقامت کو سلام کرنا پڑتا ہے۔ ان پانچ سال سے زیادہ کی مدت میں اس طرح کے بلکہ اس سے بھی بڑے بڑے واقعات سامنے آئے ہوں گے، کتنی ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں سے گزرنا پڑا ہوگا، مگر واہ رے مفتی اعظم کی قومی جاں نثاری، کسی سانحہ نے ان کے عزم جواں کو متزلزل نہ کیا،...... حضور مفتی اعظم کی انتھک کوشش، اخلاص و ایثار کا یہ اثر ہوا کہ شدھی تحریک کمزور اور بے اثر ہونے لگی اور لوگ اسلام کے قریب آنے لگے۔ حضور مفتی اعظم ہند نے اپنے ہاتھوں سے سروں کی چوٹیاں کاٹیں اور اسلامی نام رکھے، تقریباً پانچ لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر داخل اسلام کیا۔ ۱۹۲۳ء میں شروع ہونے والی اس تحریک نے کامیابی کا تاج زیب سر کئے، ۱۹۸۲ء میں اس وقت اپنے اختتام کو پہنچی، جب شدھی تحریک نیست و نابود ہوگئی۔ (۳۴)

اب مفتی اعظم کے سامنے یہ مسئلہ سب سے اہم تھا کہ ان نو مسلموں میں جذبہ دینی کیسے پائدار کیا جائے اور غیرت اسلامی کیسے برقرار رکھا جائے اس کے لیے آپ نے شدھی تحریک زدہ آبادیوں میں، مکاتب و مدارس کا قیام اور مفت دینی کتب کی فراہمی اور اسلامی درد رکھنے والے مبلغین کا مستقل انتظام کیا، تاکہ پھر کسی باطل پرست قوت کو نقب زنی کا موقع نہ ملے۔

مولانا محمد شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں:

''اس بات کو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے محسوس کیا کہ مسلم راجپوتوں کے ذہن سے نسل پرستی کے چراغ کا خاتمہ، جذبہ اخوت اسلامی پیدا کرنے ہی سے کیا جاسکتا ہے، چنانچہ حضور مفتی اعظم ہند نے، گاؤں، گاؤں میں مدارس قائم کیے اور ان مدارس میں مستقل اساتذہ رکھے، جو ان مسلم راجپوتوں کو اسلامی تعلیم دیتے رہے، جماعت رضائے مصطفٰی اپنے بجٹ سے یہ سارا خرچ پورا کرتی تھی''۔ (۳۵)

حضور مفتی اعظم کے وہ اکابر و معاصر و اصاغر جن کی چاہت و نیک خواہشات، رفاقت و والہانہ جذبات، محبت و فدائی احساسات قدم قدم پر مفتی اعظم کے ساتھ رہے، بڑی ناانصافی ہوگی اگر ہم ان کا ذکر نہ کریں، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں ......امیر ملت حضرت مولانا پیر سید جماعت علی صاحب علی پوری،

صدرالافاضل حضرت مولانا سیدنعیم الدین مراد آبادی، ....مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی......حضرت مولانا محمد قطب الدین اشرفی ......اشرف المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی، کچھوچھوی.........استاذ العلما حضرت مولانا حسنین رضا خانصاحب ''ایڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی''......ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری......ادیب شہیر مولانا ابرار حسن حامدی، تلہری ایڈیٹر ماہنامہ یادگار رضا بریلی.........مفتی پاکستان حضرت مولانا سید احمد رضوی الوری ......حضرت مولانا سید دیدار علی الوری......شیخ العلما حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوری......برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق صدیقی جبل پوری........شیر بیشۂ اہل ست حضرت مولانا حشمت علی خان پیلی بھیتی ......حضرت مولانا احمد مختار صدیقی، میرٹھی.......حضرت مولانا عرفان علی، رضوی بیسلپوری، محقق دوراں، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بھاگلپوری.........چودھری عبدالمجید ......رئیس اعظم شیروانی سہلور، وغیرہم۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنۂ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ رفیع مینارۂ نور ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ اس عظیم کارنامہ کو لوح سیمیں پر آب زر سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے لوگ اپنے اسلاف کے نا قابل ذکر واقعات کو بھی ذکر وتذکرے کی میز پر لاکر قابل ذکر بنانے کی نامسعود کوشش کرتے ہیں، بلکہ اگر بعض کارناموں کی فہرست ان کے بڑوں کے ذکر سے خالی ہوتو مفروضات سے کام چلانے میں بھی وہ لوگ دریغ نہیں کرتے اور ہم ہیں کہ اپنے بزرگوں کے حقیقی واقعات، تاریخی کارناموں کو بھی کماحقہ پیش نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے بڑے سے بڑا کارنامہ پردۂ خفا میں چلا جاتا ہے اور لوگ تنقید کرتے ہیں کہ سماجی خدمت کے حوالے سے اس جماعت نے کیا کیا ؟ ایک حضور مفتی اعظم کا تحریک انسداد ارتداد کا کارنامہ اتنا عظیم الشان کارنامہ ہے کہ اگر باضابطہ اس کی پیش کش ہو اور بار بار ہو تو یہ وہ سورج ہے جس کے ظہور اجلال کے ساتھ ہی تمام چراغ گل ہو جائیں گے، اجالا ہوگا تو صرف مفتی اعظم کے کارنامے کا اوروں کے ہزاروں نہیں، لاکھوں کارناموں پر مفتی اعظم کا یہ کارنامہ تنہا بھاری ہے اور حق یہ ہے کہ سدا بھاری رہے گا۔

ایمرجنسی کا زمانہ اور مفتی اعظم کا تاریخی، تبلیغی کارنامہ

۷۷-۱۹۷۶ء کا دور جسے ایمرجنسی کا دور کہا جاتا ہے۔ جس دورِ سراپا جور میں اِندرا حکومت نے نس بندی کا جبری قانون نافذ کیا۔ خاندان کا خاندان اور گھر کا گھر اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر، زبردستی ان کی نسبندی کی جانے لگی، حکومتی کارندے شہر، شہر، گاؤں، گاؤں، محلّہ، محلّہ اور گھر، گھر دستک دے رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں آپ کے کتنے بچے ہیں اگر دو یا تین ہیں تو نس بندی کرا لیجیے، کہیں لالچ دے کر، کہیں ڈرا دھمکا کر آئندہ کا سلسلہ بند کیا جا رہا ہے، گورنمنٹ کے ملازمین کو سخت تاکید کی گئی کہ خود نس بندی کراؤ اور پانچ، دس آدمیوں کو پکڑ کرلاؤ، ورنہ تنخواہ روک دی جائے گی، یا ملازمت سے نکال دیئے جاؤ گے۔ حکومت کا یہ ظلم وزیادتی اتنی بڑھی کہ نئے، نویلے دولہے کی بھی نس بندی کر دی گئی، پورے ملک میں کھلبلی مچ گئی، کانگریسی مفتی جو پہلے انگریز اور اب کانگریس کے اشارۂ ابرو پر کام کرتے رہے، انہوں نے حکومتِ وقت سے سودا کرلیا اور نس بندی کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا۔ آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے ایک آواز بلند ہوتی ہے، اب تک منفی پہلو پر غور کیا گیا، اب مثبت پہلو پر غور کرنا چاہیے۔ یہ آواز تھی حضرت جی کی آواز جس غیور کان سے ٹکرائی سنسنی پھیلاتی چلی گئی۔

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی تحریر فرماتے ہیں:

''ایمرجنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم وجور کی انتہا کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لیے وہ ستم ڈھائے کہ الامان والحفیظ! اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی زبانیں گنگ ہوگئیں، ابن الوقت، حکومتِ وقت کی حمایت میں اتر آئے، کرائے کے مفتی دارالافتا کی مٹی پلید کرنے لگے۔''(۳۶)

حکومت نے اس فتویٰ کو ذریعے بنا کر نس بندی میں اور شدت پیدا کر دی، گاؤں اور دیہات میں گھوم گھوم کر نس بندی کی جانے لگی، جب نس بندی ٹیم کی گاڑی گاؤں میں پہونچ جاتی تو لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ جاتے اور کھیتوں، جنگلوں میں چھپ جاتے۔ علمائے حق نے جب اس پر احتجاج کیا تو حکومت سخت برہم ہوگئی اور ان میں سے بعض کو جیل میں ڈال دیا اور دوسرے علمائے حق کی سخت نگرانی کی جانے لگی۔ حالات نے بہت ہی خطرناک رخ اختیار کرلیا تھا، حکومت کے خلاف آواز نکالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا،

ایسے میں ایک طرف مسلمانان ہند امید بھری نظروں سے مفتی اعظم کا منہ تک رہے تھے، تو دوسری طرف حکومت کی نگاہ بھی صرف مفتی اعظم پر ٹک کر رہ گئی تھی، اس لیے صرف دربار تھا جس کا سودا کرنے میں حکومت اب تک ناکام تھی، مفتی اعظم پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ آپ نسبندی کی حمایت میں ایک بیان جاری فرماں دیں، تا کہ مسلمانوں کے لیے راستہ ہموار ہو جائے، مسلمان کھلے دل سے اس کی ضرورت کے معترف ہو جائیں، مگر ایسے نازک حالات اور اتنے حکومتی دباؤ، نیز ایمرجنسی کے قہر کے باوجود مفتی اعظم نے وہی جواب دیا جس کی اس ذات بابرکات سے امید تھی، حضرت مفتی اعظم، حکومت کے مقابل کلمہ حق کہنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور بڑی بے باکی سے کام لیتے ہوئے تبلیغ حق کا فریضہ ادا کر دیا، فتویٰ لکھ دیا کہ

''ضبطِ تولید کے لیے مرد کی نس بندی یا عورت کا آپریشن متعدد وُجوہ سے شرعاً نا جائز وحرام ہے۔ اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور یہ قرآن وحدیث کی نص سے نا جائز وحرام ہے۔ قرآن عظیم میں ہے ''ولآمرنھم فلیغیرن خلق اللّٰہ'' یعنی شیطان بولا میں ان کو بہکاؤں گا، تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلیں گے، تفسیر صاوی میں ہے ''من ذالک تغییر الجسم'' اور اس میں سے ہے جسم کی تغییر اور تفسیر کبیر میں ہے ''ان معنی تغییر خلق اللہ ھھنا ھو الاخصاء، الخ. یعنی اس آیت میں تغییر خلق کا معنیٰ خصی کرنا وغیرہ ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے ''لعن اللہ المغیرات خلق اللہ'' ''ملخصاً'' یعنی اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز (جسم کے قدرتی بناوٹ) کو بدلنے والی ہیں۔......الحاصل نس بندی یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں، لہٰذا اس سے نفرت لازم ہے''۔(۳۷)

فتویٰ تو لکھ دیا اب اسے پھیلائیں کیسے، پریس پر پابندی، چھاپہ خانے پر پابندی، حمل ونقل پر پابندی، اِبلاغ وترسیل پر پابندی، مگر مفتی اعظم نے ان پابندیوں کی جکڑ بندیوں کے بیچ اس فتویٰ کو سائیکلو اسٹائل کرایا اور ملک کے گوشے گوشے میں جیسے بھی ہو سکا روانہ کر کے سچے مبلغ اسلام اور مخلص داعی دین کا فریضہ ادا کر دیا۔ مسلمانانِ ہند جو اس کس مپرسی کے عالم میں بریلی کی راہ دیکھ رہے تھے، جونہی مفتی اعظم کے فتویٰ کی خبر ملی خوشیوں کا سیلاب آ گیا، مفتی اعظم ہند زندہ باد! مفتی اعظم ہند زندہ باد! کے نعروں سے فضائے ہند دہل گئی، حق وصداقت کی ترجمانی جو بریلی کا طرۂ امتیاز رہی ہے، ایک بار پھر مفتی اعظم نے خوف وہراس کے بیچ احقاقِ حق کر کے جریدۂ عالم پر بریلی کی حق گوئی کا نقش ثبت کر دیا، جب حکومت کو مفتی اعظم کے اس تاریخی فتویٰ کا علم ہوا تو حکومت بے چین ہو گئی اور مفتی اعظم کے باز پرس کی سرگوشیاں ہونے لگیں، مگر چوں کہ مفتی اعظم پورے عالم اسلام میں مرکزی شخصیت تھے، آپ کی ذات شریف قطعی غیر متنازعہ تھی، آپ کا فرمودہ ایک ایک حرف، مسلمانان عالم کے لیے حرز جاں تھا، اس وقت کی صوبائی حکومت بھی اچانک کوئی اقدام کر کے بلائے ناگہانی کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ ضلع کلکٹر کے ذریعے مسلح فورس کے ساتھ حق گوئی کے اس سالارِ اعظم کی گرفتاری کی ہدایتیں جاری کیں، لیکن ایک صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر، یو پی نے مرکزی حکومت کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر مفتی اعظم کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑ گئی تو پورا ہندستان خون میں نہا جائے گا۔ حکومت کے کارندے آئے، حضور مفتی اعظم کا سامنا ہوا، ہیبت حق کے جلال سے قہری طاقت پر ناز کرنے والے مرعوب ہو گئے، پوچھا، کیا یہ فتویٰ آپ نے لکھا ہے؟ حکومت کی آنکھ میں آنکھ ڈال فرمایا: ہاں ہم نے لکھا ہے. سوال ہوا، ایمرجنسی کے دور، حکومت کے فرمان اور قانون کے آہنی پنجے کا آپ نے لحاظ نہ کیا؟ ارشاد فرمایا: ہمارے نزدیک اصل چیز نظام مصطفٰے کی حفاظت ہے، ہم قانون کے بھی وہیں تک پابند ہیں جہاں تک قانون نظامِ مصطفٰے کا پابند ہے، حکومت کی کوئی قوت اور ایمرجنسی کی کوئی پابندی قانون مصطفٰے کے اجرا میں ہمیں پابند نہیں کر سکتی، ہمارا تن، من، دھن، اس الٰہی قانون کے تحفظ پر نثار ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم خدا کی زمین پر، مصطفائی حکومت میں جی رہے ہیں، یہ دنیاوی حکومت آنی، جانی اور فانی ہے، مگر وہ حکومت باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی اور زمانے نے دیکھ لیا کہ جس حکومت کو مفتی اعظم نے فانی کہہ دیا تھا تھوڑے ہی دنوں میں فنا ہو گئی، جو لوگ گرفتار کرنے آئے تھے وہ گرفتار حق وصداقت ہو کر نامراد واپس ہو گئے، اس طرح حضرت کی گرفتاری کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا اور مفتی اعظم نے وہ کام کر دیا کہ تاریخ ہند کے سینے پر ان کی جرأت وبے باکی کی داستان درج ہو گئی۔

اس زندگی کے حسن کی تابندگی نہ پوچھ
جو حادثوں کی دھوپ میں تپ کر نکھر گئی

حضرت شیخ الاسلام نے پوری اسلامی تاریخ کے سمندر کو چند جملوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ:

"جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر سے پیغام رسول کی حفاظت فرمائی، قیصر و کسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی فاروق اعظم کے ذریعے، یونہی جب خوارج نے قرآنی آیات کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی، تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی مولائے کائنات کے ذریعے، جب یزید نے سرکشی کا سر اٹھایا، تو خدا نے اپنا دین بچایا حسین ابن علی کے ذریعے، جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل کو بچایا، امام احمد بن حنبل کے ذریعے، جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا مجدد الف ثانی کے ذریعے، جب وہابیت و قادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا امام احمد رضا کے ذریعے، جب ایمرجنسی کے دور میں خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریے کو منوانے کے لیے حکومت نے جور و ستم ڈھائے تو ایسے خوف و ہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعے"۔(۳۸)

حضور مفتی اعظم کے اس تاریخ ساز فتویٰ سے دیگر بے شمار فوائد کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس فتویٰ نے لاکھوں ہی نہیں، ان گنت بچوں کو پیدائش سے پہلے قتل ہونے سے بچا لیا، اس لیے ہم نے اس فتویٰ کے منظر، پس منظر کو سامنے رکھ کر اپنے تحقیقی مقالہ "امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ" میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

"۱۹۷۷ء کے بعد سے جو مسلم نسل کی فصل نظر آرہی ہے، جو بچے وجود میں آرہے ہیں، مفتی اعظم کے اسی تاریخی فتویٰ کی چلتی پھرتی نشانیاں ہیں، قوم مسلم کو حضور مفتی اعظم کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ انہوں نے ان کی گود کو سونی ہونے سے بچا کر ہمیشہ کے لیے ہری بھری کر دیا ہے۔(۳۹)

حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افق حیات سے دعوت و تبلیغ کے چند چمکتے آفتاب ہم نے پیش کیے ہیں، ضرورت ہے کہ ان دعوتی، تبلیغی لعل و گوہر سے ہم اپنے دستار عمل کو سنواریں، طرۂ علم کو سجائیں، آج دین سے دوری کا المناک ماحول پوری شدت سے حضور مفتی اعظم کو آئیڈیل بنا کر دعوت و تبلیغ کا علم تھام لینے کا تقاضہ کر رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ علما کے منصب کا اٹوٹ حصہ ہے، کہیں نہ کہیں ضرور اس منصب سے نا انصافی ہو رہی ہے کہ جہل علم کو چیلنج کر رہا ہے، حالاں کہ روشنی کی ہلکی سی کرن، پورے میدان کی ظلمت کا کلیجہ چیر دیتی ہے، تو پھر جب علم بڑھ رہا ہے تو جہالت گھٹ کیوں نہیں رہی ہے، دعوت و تبلیغ کی راہ میں ضرور کہیں ہم سے بھول ہو رہی ہے، اس کے محاکے کی ضرورت ہے۔ علما کا منصب ہی حق گوئی، حق کوشی اور حق بیانی کا منصب ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "وہ عالم جو حق بات کہنے کے موقع پر چپ رہے وہ گونگا شیطان ہے" ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین تحریر فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز جس طرح اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے، اور علمائے کرام ورثۃ الانبیا ہیں، اسی طرح اس پر بھی یقین کامل رکھتے تھے کہ علما کے ذمے دو فرض ہیں، ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا، دوسرا فرض مسلمانوں کو ان کی دینی باتوں سے واقف بنانا، ان پر مطلع کرنا"(۴۰)

معلوم ہوا دعوت و تبلیغ بھی اعلیٰ حضرت کی نظر میں علما پر فرض ہے، اس فرض کو ہم کتنا نبھا رہے ہیں، اس کے ساتھ کتنا انصاف کر رہے ہیں اپنا اپنا جائزہ لینے، محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

آیئے! حضور مفتی اعظم کی کتاب زندگی کو رہنما اصول مانتے ہوئے، انہیں اپنا آئیڈیل تسلیم کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ کے فریضے کی ادائیگی میں جٹ جائیں۔ مفتی اعظم کا فیضانِ کرم ہمارے انتظار میں ہے۔ حضور مفتی اعظم نے تقریباً ۷۵ سال (پون صدی) تک دعوت و تبلیغ فرمائی، دین و ملت کی خدمت کی، اہل علم میں علم کا گوہر لٹا کر......عام لوگوں کو کردار کا سنگھار بخش کر......فقہا کو فقہ کا رمز سمجھا کر......صوفیا میں اصل تصوف کی روح جگا کر......ادبا کو ادب کی مانگ سجا کر......شعرا کو شعریت و شریعت کا ہم آہنگ بنا کر......غرضیکہ ہر طبقے کو اپنے محاسن و اوصاف کی چاندی سے مالا مال کیا......ایک مفتی اعظم اور پورے برصغیر کی خصوصاً عالم اسلام کی خصوصاً دینی روحانی قیادت، عقل حیران ہے کہ مفتی اعظم تنہا ان

سارے محاذات سے کیسے نبرد آزمار ہے اور جب بھی رہے سر خرو ہی رہے، ....عزت ان پر نچھاور ہوتی تھی ......عظمت ان کی بلائیں لیتی تھی .....طوفان ان قدموں پر سر پٹک کر پلٹ جاتا تھا.......اگر کبھی بے سروسامان عقل حیران ہو جائے کہ یہ سب کیسے ہوا.....اور کیسے ہوتا تھا...تو اسے مفتی اعظم کے فوز وفلاح کے ساز وسامان، قطب الارشاد کی، امام احمد رضا کی دعا اور قطب الاقطاب حضرت سید ابوالحسین احمد نوری کی بشارت سنادی جائے۔''اے رب کریم! مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے''۔(دعائے رضا)

''یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔''(بشارت نوری)

مضطرب عقل پر یقین کا کیف چھا جائے گا اور وہ بھی پکار اٹھے گی، کاش کہ میں بھی عشق کے کنبے میں پیدا ہوئی ہوتی۔

حوالے

(۱) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی ،ص، ۳۹
(۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، حضرت سید آل رسول حسنین میاں، ص ۳۲
(۳) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت....مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی ،ص ۴۰، ۴۱
(۴) حیات مفتی اعظم، مصنف، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۴۵
(۵) مفتی اعظم اوران کے خلفا مقدمہ، حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری، ص ۲۳
(۶) جہان مفتی اعظم، مضمون حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۳
(۷) جہان مفتی اعظم، مضمون حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۲
۸ پیغام رضا، مضمون، حضرت سید آل رسول حسنین میاں، ص ۲۳
(۹) جہان مفتی اعظم، مضمون، حضرت سید شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۴
(۱۰) جہان مفتی اعظم، حضرت سید شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۴
(۱۱) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر. مضمون ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، ص. ۲۵۲
(۱۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر. مضمون ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، ص ۲۵۲
۱۳ تین برگزیدہ شخصیتیں، مضمون، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ص ۱۳
۱۴) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، ڈاکٹر علاؤالدین خاں، ص ۱۷۵..۱۷۶
(۱۵) برکات شریعت، مصنف، مولانا شاکر علی نوری ص: ۶۷۲..۶۷۳
(۱۶) رسائل نوری، ص، ۴، ۷، پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شمشاد حسین، ۱۲۶..۱۲۷
(۱۷) استقامت کانپور، مفتی اعظم نمبر..مدیر، مولانا ظہیرالدین خان ۱۷۵..۱۷۶
(۱۸) تاجدار اہلسنت، ناشر، رضا اکیڈمی، ۶۷، تا، ۷۷
(۱۹) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت...مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ۱۷۸..۱۷۹
(۲۰) انوار مفتی اعظم، مضمون، مفتی محمد شریف الحق امجدی، ص: ۲۶۲
(۲۱) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ص ۲۰۱..۲۰۲
(۲۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مفتی محمد مطیع الرحمان، ص: ۱۷
(۲۳) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، محمد مطیع الرحمان، ص: ۸۸
(۲۴) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۳۱
(۲۵) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۳۲
(۲۶) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۱۰۳
(۲۷) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۱۵، ۱۶
(۲۸) رسائل رضویہ، ج، دوم، مقدمہ، مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری، ص ۹
(۲۹) کلیات اقبال، مصنف، ڈاکٹر اقبال، ص: ۳۵۲
(۳۰) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۹۷
(۳۱) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۶۹
(۳۲) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۶۱
(۳۳) جہان مفتی اعظم، مضمون، مولانا توفیق احمد نعیمی، ص: ۸۹۷
(۳۴) انوار مفتی اعظم، مصنف، مفتی شریف الحق امجدی، ص: ۲۸۰، ۲۸۱
(۳۵) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص: ۱۷۲
(۳۶) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص: ۱۷۲
(۳۷) امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ، مصنف، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ص: ۴۰۷
(۳۸) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۳۱
(۳۹) تاجدار اہل سنت، ناشر، رضا اکیڈمی، ص: ۱۷۵
(۴۰) امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ، مصنف، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ۴۰۶
(۴۱) حیات اعلیٰ حضرت، مصنف، ملک العلما، مولانا سید ظفرالدین، ص: ۲۱۷

منابع ومراجع

۱۔رسائل رضویہ، ج، دوم، مصنف، امام احمد رضا، ناشر مکتبہ حامدیہ، لاہور ۱۹۷۶ء
۲۔ فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ناشر، رضا اکیڈمی ممبئ ۲۰۰۰ء
۳۔حیات اعلیٰ حضرت، مصنف، ملک العلما، مولانا سید محمد ظفرالدین، ناشر، قادری کتاب گھر، بریلی۔
۴۔مفتی اعظم اوران کے خلفا، مصنف، مولانا محمد شہاب الدین، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۲ء
۵۔امام احمد رضا اور عشق رسول، مصنف، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ناشر، رضا فاؤنڈیشن بنگلور، ۲۰۰۳ء
۶۔ پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مدیر، مولانا رحمت اللہ صدیقی، ناشر، رضا دارالمطالعہ، پوکھریرا، ۱۹۹۷ء
۷۔ جہان مفتی اعظم، مرتب، مولانا مقبول احمد سالک مصباحی، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۲۰۰۷ء
۸۔حیات مفتی اعظم، مؤلف، مرزا عبدالوحید بیگ، ناشر، رضا دارالاشاعت، بریلی، ۱۹۹۰ء
۹۔انوار مفتی اعظم، مرتب، مولانا محمد احمد مصباحی، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۲ء
۱۰۔استقامت، مفتی اعظم نمبر، مدیر، مولانا ظہیرالدین قادری ناشر، ادارۂ استقامت، کانپور، ۱۹۸۳ء
۱۱۔ برکات شریعت، مصنف، مولانا شاکر علی نوری، ناشر، مکتبہ طیبہ، ممبئ، ۲۰۰۷ء
۱۲۔تاجدار اہلسنت، مدیر، الحاج محمد سعید نوری، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۴۲۷ھ
۱۳۔تین برگزیدہ شخصیتیں، مصنف، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ناشر، رضوی کتاب گھر، دہلی، ۱۹۹۳ء
۱۴۔مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مولانا عابد حسین مصباحی، ناشر، مکتبہ جام نور، دہلی، ۲۰۰۳ء
۱۵۔کلیات اقبال مصنف، ڈاکٹر اقبال، ناشر، ادبی دنیا، دہلی، ۱۹۷۵ء

☆☆☆

حافظِ ملت اور دعوت وتبلیغ

محمد شہاب الدین مصباحی ★

پروردگارِ عالم اپنے دین کی حفاظت وصیانت اور اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے انبیائے کرام کی ایک لمبی جماعت بھیجتا رہا خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس عظیم کام کی ذمّے داری اس امت کے علما پر عائد کی گئی اس کارِ عظیم کی وجہ سے علما کو انبیا کا وارث قرار دیا گیا یہی وہ اہم ذمّے داری ہے جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے پیغمبرانہ کام ہے۔ ہر دور میں یہ ذمّے داری علمائے امت نے سنبھالی ہے، چودھویں صدی کی ایک عبقری اور انقلاب آفریں شخصیت ''حافظِ ملت'' علیہ الرحمہ کا شمار بھی انہیں علمائے ربانین میں ہوتا ہے۔

آپ کا نام عبد العزیز بن حافظ غلام نور ہے، مراد آباد کے قصبہ بھوج پور میں ۱۳۱۲ھ میں ہوش کی آنکھیں کھولیں۔ یوں تو آپ کے اساتذہ بہت ہیں لیکن آپ کے اصل استاذ صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ (مصنف بہارِ شریعت) ہیں آپ ہی کے حکم سے مبارک پور تشریف لا کر حافظِ ملت نے ایک دینی انقلاب برپا کیا۔ بچپن ہی سے آپ کے اندر دینی حمیت اور ملی غیرت وافر مقدار میں تھی۔ آپ جس وقت دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں زیر درس تھے اس وقت اپنے ہم درس طلبہ کے ہمراہ اشاعت دین اور تبلیغ مسلک اہلِ سُنّت کے لیے اجمیر مقدس شریف کے اطراف میں جایا کرتے تھے، صدر الشریعہ کے زمانۂ تدریس میں جامعہ معینیہ عثمانیہ کے طلبہ نے اپنی ایک انجمن بنائی تھی جس کا نام انجمن معینیہ حسینیہ تھا۔ اس انجمن کے زیرِ اہتمام فرصت کے دنوں میں طلبہ اجمیر کی مساجد اور نواحی دیہات میں تبلیغ کے لیے بھیجے جاتے تھے۔[1]

حافظِ ملت پوری زندگی ایک ذمّے دار عالم کی حیثیت سے عوام کو راہ حق دکھاتے رہے۔ ضعف ونقاہت کے باوجود اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے، آخری وقت میں جب آپ بیمار ہوئے تھے تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کچھ دنوں مکمل آرام فرمالیں اور تبلیغی دوروں کو بند کر دیں اگر صحت رہی تو پھر یونیورسٹی کا کام ہو جائے گا، اس شدید نقاہت کے عالم میں اس جد وجہد کا اثر جسم پر اچھا نہیں پڑے گا۔ ارشاد فرمایا میاں! اونچ نیچ ہوش وحواس والے کو سمجھایا جاتا ہے اور میں تو الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے عقل وہوش کی دنیا سے نکل کر جنون کی سرحد میں داخل ہو چکا ہوں اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔[2]

اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں آپ کی جو مساعی ہیں وہ داعیانِ اسلام کی تاریخ میں قابلِ ذکر ہیں۔ مبارک پور تشریف آوری کے وقت آپ نے جو کردار اپنے استاذ گرامی کے سامنے پیش کیا وہ بھی آج کے علمائے کرام کے لیے نمونہ عمل ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور میں تدریس کے لیے بھیجا اور فرمایا: میں باہر رہا اور میرا ضلع اعظم گڑھ خراب ہو گیا آپ کو دین کی خدمت کے لیے مبارک پور بھیجتا ہوں، جائیے۔ آپ نے عرض کیا میں ملازمت نہیں کروں گا۔ اس پر صدر الشریعہ نے فرمایا: میں نے ملازمت کے لیے کب کہا؟ میں تو آپ کو دین کی خدمت کے لیے بھیج رہا ہوں اور یہ بھی فرمایا: حافظ صاحب! میں آپ کو اکھاڑے میں بھیج رہا ہوں آپ نے عرض کیا داؤں پیچ بھی بتا دیں، فرمایا: اللہ حافظ ہے۔[3]

دین کی خدمت اور اس کی ترویج واشاعت ہی آپ کا ہدف اصلی تھا اور اسی میں آپ نے پوری عمر صرف کر دی، تنظیم وتحریک، تقریر وتحریر ہر زاویے سے آپ نے دین کی اشاعت کی۔ جہاں ضرورت پڑتی تقریروں میں آپ معاندین کے چیلنج کا دندان شکن جواب دیتے اور جب تحریر وقلم کے ذریعے یلغار کی جاتی تو تصنیف وتالیف کے جوہر بھی دکھاتے، الجامعۃ الاشرفیہ کی داغ بیل آپ کی داعیانہ کوششوں ہی کا نتیجہ ہے، آپ خود فرماتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے فارغین سنی علما ہوں وہ ہندی، انگریزی، عربی میں صاحب قلم، صاحب لسان ہوں جو اپنے ملک ہندوستان اور دوسرے ممالک میں مذہبِ حق اہلِ سُنّت

 ★ المجمع الاسلامی، مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی)

وجماعت کی کما حقہ اشاعت وخدمت کرسکیں، میں الجامعۃ الاشرفیہ کو اسی منزل پر دیکھنا چاہتا ہوں''۔ ۴

دعوتِ دین کے لیے آپ نے تعلیمی تحریک کو اولین حیثیت دی جو یقیناً بہت موثر ذریعے ہے۔ اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں اور ہورہے ہیں آپ نے اپنی تدریسی صلاحیتوں کی بنا پر علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت تیار کی جو آج دنیا کے گوشے گوشے میں خدمتِ دین کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

حافظِ ملت تدریس سے پورے طور پر منسلک تھے لیکن تقریر وخطابت میں بھی ملکہ رکھتے تھے۔ تقریر حکمت اور موعظت حسنہ سے پر ہوا کرتی تھی۔ ان کی تقریر کی تمام خوبیوں میں یہ بات منفرد ہوتی تھی کہ وہ ذہن ودماغ کو بے حد متاثر کرتی تھی، سننے والا ان کی تقریر سے ضرور متاثر ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریروں کا اثر ضرور ظاہر ہوا، چاہے تردید باطل میں ہو یا اصلاحِ معاشرہ میں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کی بات دل سے نکلتی تھی نہ کہ صرف زبان سے، آپ دور دور کے اجلاس میں شرکت فرماتے تھے، مگر نذرانہ اینٹھنے کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ دینی مقصد آپ کے پیش نظر ہوتا تھا، آپ کی تقریری اثر انگیزی کا ایک واقعہ ہدیہ قارئین ہے۔

۱۹۷۳ء میں آپ رائے پور (چھتیس گڑھ) میں عید میلاد النبی کے جلسے میں تشریف لے گئے، آپ کا قیام مدرسہ اصلاح المسلمین دار الیتامیٰ میں تھا۔ جلسے میں پڑھے لکھے لوگوں کا مجمع بھی تھا، اس میں غیر مسلم اسکالرز بھی تھے۔ آپ نے ''اسلام کی صداقت، قرآن کی حقانیت اور قدیم وجدید علوم کے نفع ونقصان پر بہت پر مغز خطاب فرمایا۔ تقریر کے بعد سارا مجمع آپ کی دست بوسی اور مصافحہ کے لیے ٹوٹ پڑا۔ اس وقت کچھ غیر مسلم بھی کنارے کھڑے حضرت کا دیدار کر رہے تھے، اس میں ایک شری واستو صاحب بھی تھے وہ غالباً کسی کالج کے پروفیسر تھے انہوں نے الگ جاکر مجھ سے پوچھا یہ جو آپ کے گروجی ہیں ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں یہ تو مجھے ''ودیا ساگر'' دکھائی دیتے ہیں کیا ہم کو ان سے ملنے کے لیے وقت مل سکتا ہے؟ میں نے وقت اور پورا پتا بتا دیا، دوسرے دن وہ وقت پر مدرسہ اصلاح المسلمین دار الیتامیٰ پہنچ گئے، کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ تھے اس وقت حضرت نے عزت واکرام سے ان کو بٹھایا، شری واستو صاحب نے بہت سے سوالات کیے۔ آپ نے بڑی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ ان کے جوابات عنایت فرمائے۔ ان کے ساتھ ایک ڈاکٹر صاحب بھی تھے، انہوں نے بھی اس طرح کے کچھ سوالات پوچھے، آپ مسکرا کر ان کے جوابات دے رہے تھے۔ شری واستو جی بہت متاثر ہوئے اور فوراً آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ایک گنیش نامی شخص بھی تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کیا اور ان کے گھر کے کئی افراد بھی مسلمان ہوئے۔ ۵

آپ کی پوری زندگی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے وقف تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے بتائے ہوئے رہنما خطوط پر آپ نے اپنا تبلیغی مشن جاری رکھا۔ فکر رضا کی اشاعت اور اس کے دفاع میں ہمہ تن مصروف رہے، آپ کا ہر فعل فکر رضا کی ترویج کے لیے تھا۔ آپ تقریروں میں امام احمد رضا کا تذکرہ خوب کرتے تھے، ان کے اشعار کے حوالے دیتے اور ان کی خوب نفیس شرح بھی کرتے۔ آپ بہ ظاہر نحیف وناتواں ضرور تھے مگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ ایک عالمانہ شان وعظمت کے ساتھ حق باتیں کہہ ڈالتے اور لوگوں تک حق بات ضرور پہنچاتے ایسا ہی کچھ اس وقت پیش آیا جب مبارک پور میں پہلا سنیما گھر بننے والا تھا۔ کچھ ناعاقبت اندیشوں نے سنیما گھر بنوانے کا ارادہ کیا۔ اس کی خبر آپ تک پہنچی تو آپ نے لوگوں کو سنبھالنا شروع کیا اسی دوران جمعہ کے خطبہ میں جامع مسجد راجہ مبارک شاہ (مبارک پور) میں نہایت موثر خطبہ دیا جس کا کچھ حصہ اس طرح ہے: ''یاد رکھو! یہ منحوس چیز اگر مبارک پور میں شروع ہوگئی تو مبارک پور کی ترقی کا آخری اور تنزلی کا پہلا دن ہوگا، جو لوگ اس میں جائیں گے وہ بے حیائی کے کاموں میں مددگار کی حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول کے مجرم ہوں گے۔ مسلمانو! یہ ایک نہایت دوررس نحوست ہے جس نے مبارک پور میں قدم جمانے کی کوشش کی ہے تم اس کا عملاً بائیکاٹ کرو اور ثابت کر دو کہ ہم مبارک پور کے مبارک باشندے ہیں۔ ۶

آپ نے قولی وعملی طور پر لوگوں کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی دعوت وارشاد کا موثر طریقہ تقریر وخطابت کے متعلق آپ کے نظریات یہ تھے کہ وعظ اور تقریر بھی چوں کہ تبلیغ واصلاح کا ایک موثر ذریعے ہے لہٰذا موثر تقریر سے عوام کے دل ودماغ پر اثر ہوتا

ہے اور وہ حق قبول کر کے اپنے عقائد و اعمال پختہ و درست کرتے ہیں لہٰذا مقرر کو چاہیے کہ تقریر کا ایسا انداز اختیار کرے جسے عوام و خواص سبھی پسند کریں اور جو ہر ایک کو متاثر کر سکے۔ ۷

حافظِ ملت نہ صرف تقریر و تدریس میں مہارت رکھتے تھے بلکہ تصنیف و تالیف سے بھی خاصا شغف تھا۔ ایک مرتبہ بڑے افسوس اور قلق کے ساتھ ارشاد فرمایا ''لوگوں نے مجھے کسی کام کا نہیں رکھا۔ غیر اہم اور غیر ضروری کاموں میں مجھ کو ایسا الجھا دیا کہ لکھنے کا کام خاطر خواہ نہ ہو سکا جس کا مجھے افسوس ہے۔ حالاں کہ اوائل عمری میں میرا قلم نہایت برق رفتار تھا اور اب نہ وہ قوتِ دماغ رہی نہ ہی فرصت اس لیے اب میرا مطمحِ نظر اور میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل ہے۔ ۸

حضور حافظِ ملت دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس میدان میں اگر چہ کچھ کم ہی اصلاحی اور دعوتی خدمات انجام دے سکے لیکن وہی کیفیت کے لحاظ سے بڑی گراں قدر ہیں۔ نیز عصر حاضر میں ادبا مصنفین اور اشاعتی و تصنیفی اداروں کے بانیان زیادہ تر حضور حافظِ ملت کے تلامذہ میں پائے جاتے ہیں۔حضور حافظِ ملت نے کل آٹھ کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کو حسب مواقع شائع کر کے بہت سے افراد کو بھٹکنے سے بچالیا۔

(۱) **ارشادالقرآن:** آپ نے یہ رسالہ اس وقت لکھا جب تقسیم ہند کے بعد مسلمان بلا سوچے سمجھے ترک وطن کر کے پاکستان کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ حضور حافظِ ملت اپنی دور بین نگاہوں سے ان کے تاریک مستقبل کو دیکھ رہے تھے۔ یہ رسالہ بر وقت شائع کر کے آپ نے مناسب رہنمائی فرمائی اور اس کے بہتر اثرات مرتب ہوئے۔

(۲) **معارف حدیث:** اس میں بھی احادیث کی روشنی میں عقائد واعمال کی تصحیح کی تلقین کی ہے۔ یہ اصلاً سلسلہ وار مضامین حدیث کا مجموعہ ہے، ماہ بہ ماہ ماہ نامہ ''پاسبان'' الہ آباد میں چھپتے رہے پھر کتابی شکل میں انہیں شائع کر دیا۔ اس لیے انداز بالکل عام فہم ہے اور طرزِ بیان دل نشیں۔

(۳) **انباء الغیب:** اہلِ سُنّت اور بعض فرقۂ ضالہ کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب دیا گیا یا نہیں؟ اہل سُنّت اثبات کے قائل ہیں۔ اس رسالے میں اسی بحث کو دلائل سے پیش کیا گیا ہے۔

(۴) **فرقۂ ناجیہ:** اہل سُنّت و جماعت کا صحیح تعارف۔

(۵) **المصباح الجدید:** علمائے دیوبند کے گمراہ کن عقائد کا بیان ہے۔

(۶) **العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید:۔** المصباح الجدید کے جواب میں لکھی گئی کتاب مقامع الحدید کا منہ توڑ جواب ہے۔ اسے اب ''الدیوبندیہ'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔

(۷) **الارشاد:** تقسیم ہند کے وقت مسلم لیگ کی فکری و عملی کج روی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا لیگ کی حمایت کا بھی محاسبہ کیا ہے۔

(۸) **فتاویٰ عزیزیہ:** آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ۔

اس دور میں بلکہ ہر دور میں تحریر و قلم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حافظِ ملت بھی تبلیغ و ترویج کے اس موثر ذریعے کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''ہر مسلمان مذہب و ملت کا ذمّے دار ہے، علمائے کرام زیادہ ذمّے دار ہیں۔ عوام یہ محسوس کرتے ہیں کہ پریس کی طاقت بھی حفاظتِ مذہب کے لیے ضروری ہے تو علمائے اہل سُنّت کا تعاون کریں۔ علمائے اہل سُنّت ان شاء اللہ قلمی خدمات بھی کریں گے اور حتی الامکان کرتے بھی ہیں، یہ کھلی ہوئی اور ظاہر حقیقت ہے کہ سنیوں میں جذبہ تعاون نہیں۔ سنیوں کے کتنے جرائد و رسائل شائع ہوئے اور اسی بیماری کی نظر ہو گئے، جماعتیں قائم ہوئیں اور اسی مرض کی شکار ہو گئیں۔ ۹

حافظِ ملت علوم و معارف کا سر چشمہ ہونے کے ساتھ ایک صاحب طریقت بزرگ بھی تھے، آپ کے عادات و اطوار سے سُنّت نبوی کی جھلک آتی تھی۔ اسی وجہ سے لوگ آپ کی بیعت کے متمنی رہتے تھے مگر آپ مرید کرنے کے حرص سے بالکل پاک وصاف رہے یہاں تک کہ اگر کسی جلسے میں آپ سے مرید ہونے کا علان کیا جاتا تو آپ ناراض ہوتے اور خفگی کا اظہار فرماتے۔ آپ اپنے مریدین کو شریعت کی پابندی کی سختی سے تاکید کرتے تھے اور کبھی کبھار موقع ملتا تو مریدین کا حلقہ بنا کر ذکر کی تلقین کرتے۔ آپ کے شجرہ مبارکہ میں جو ضروری ہدایات ہیں کچھ اس طرح ہیں۔

(۱) **مذہب** اہلِ سُنّت و جماعت پر قائم رہیں۔ وہابی، دیوبندی، رافضی، تبلیغی، مودودی، ندوی، نیچری، غیر مقلد، قادیانی وغیرہم سب سے جدا رہیں۔

(۲) نماز پنج گانہ کی پابندی نہایت ضروری ہے، مردوں کو مسجد وجماعت کا التزام بھی واجب ہے۔
(۳) جتنی نمازیں قضا ہوگئی ہوں سب کا ایسا حساب کہ تخمینے میں باقی نہ رہ جائیں، زیادہ ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں اور سب بقدر طاقت رفتہ رفتہ جلد ادا کریں۔
(۴) جتنے روزے بھی قضا ہوں دوسرا رمضان آنے سے پہلے ادا کرلیے جائیں۔
(۵) جو صاحب مال ہوں زکوٰۃ بھی دیں۔ ہر سال کی زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے ادا کر دیا کریں۔
(۶) صاحب استطاعت پر حج بھی فرض ہے۔
(۷) کذب، فحش، چغلی، غیبت، زنا، لواطت، ظلم، خیانت، ریا، تکبر، داڑھی منڈوانا، کترانا، فاسقوں جیسی وضع اور بری خصلتوں سے بچیں۔[۱۰]

سب سے بڑا مبلغ خود انسان کا اخلاق وکردار ہوتا ہے اگر یہ درست ہوں تو لوگ خود بخود اس کے گرویدہ ہو جائیں گے، اسلام کی اشاعت اسی ہتھیار سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حافظِ ملت کو اس وصف سے خوب نوازا تھا، ان کے اخلاق کی بلندی دیکھ کر ہی لوگ متاثر ہو جاتے تھے کیوں کہ اخلاق وکردار ہی وہ صاف وشفاف آئینہ ہے جس میں ایک انسان کا صحیح خط وحال دیکھا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص علم کا پہاڑ ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اخلاق وکردار کا دھنی بھی ہو، حافظِ ملت ان اوصاف کے جامع بھی تھے۔ اس کے ساتھ ایک داعی دین کے لیے قوم وملت کا درد بھی ہونا ضروری ہے۔ حافظِ ملت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دل عطا کیا تھا جو قوم کے درد میں ہمیشہ دھڑکتا رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر میدان میں آپ پوری توانائی صرف کرنے کی کوشش کرتے۔ مسند تدریس پر جلوہ فرما ہوتے تو علم وفن کے جوہر لٹاتے اور اجلاس میں قوم وملت کی فلاح وبہبود کی بھرپور کوشش کرتے۔

ایک مرتبہ گورکھپور کے کسی جلسے میں مدعو تھے مگر عین تاریخ پر طبیعت اتنی علیل ہوگئی کہ سفر مشکل ہوگیا، لیکن جذبۂ صادق القولی کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب کہ آپ بخار سے تپتے ہوئے بدن کے ساتھ شریکِ اجلاس ہوئے۔ حالاں کہ لوگوں نے منع کیا لیکن حافظِ ملت پھر بھی نہ مانے یہ حافظِ ملت کی قومی ہمدردی تھی آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں رک جانا چاہیے مگر میں نے وعدہ کرلیا ہے نہیں پہونچوں گا تو غریبوں کا دل ٹوٹ جائے گا، مذہب کا نقصان ہوگا۔[۱۱]

اس طرح کے سیکڑوں واقعات آپ کی حیات مبارکہ میں رونما ہوئے۔

سچی لگن کے ساتھ آپ نے ہر نہج سے مصلحانہ اور داعیانہ خدمات انجام دیں۔ تعلیمی، تحریری، تقریری، سیاسی، اشاعتی لیکن تعلیمی نہج کو آپ نے مرکزی حیثیت دی جو بہت موثر اور کارآمد ثابت ہوا۔ ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کی بنیاد سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں شب وروز کوشاں رہے اور داعیانِ اسلام کی داخت وپرداخت کے لیے خون فراہم کرکے ان کے تعلیمی سفر کو آگے بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ ایک فوج تیار ہوگئی جو خدمت دین کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ تعلیمی تحریک کی بنیاد ڈال کر آپ نے مذہب حق اہل سُنّت وجماعت کے لیے ایک نئی شمع روشن کی جو آپ کی حیات مبارکہ میں تو روشن ہی رہی آپ کے بعد بھی لوگوں کو راستہ دکھارہی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے نقوشِ قدم کو مشعل راہ بنائیں اور ان کے چھوڑے ہوئے خطوط پر چل کر اسلام کی خدمت کریں۔

حوالے

(۱) حیات حافظِ ملت ص:۶۳ از مولانا بدر القادری مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور
(۲) 〃 〃 〃 ص:۸۸۷ 〃
(۳) ماہنامہ اشرفیہ کا حافظِ ملت نمبر ص:۷۱
(۴) 〃 〃 〃 ص:۷۷
(۵) حافظِ ملت کا فیضان نظر، مرتب مولانا محمد امام الدین مصباحی مضمون مولانا محمد علی فاروقی ص:۳۷، ۳۸ ملخصا
(۶) حیات حافظِ ملت ص:۵۱۵
(۷) 〃 〃 ص:۳۰۴
(۸) ماہنامہ اشرفیہ کا حافظِ ملت نمبر ص:۴۱۲، ۴۱۳
(۹) حیات حافظِ ملت ص:۸۷۲
(۱۰) 〃 〃 ص:۵۶۲، ۵۶۳
(۱۱) حافظِ ملت افکار وکارنامے ص:۱۰۱

☆☆☆
☆☆

حضور مجاہد ملت اور دعوت وارشاد

علامہ مدثر حسین حبیبی ★

رہنمائے اہلِ سنت امام التارکین، سلطان المناظرین، رئیس اعظم اڑیسہ حضور مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی ہاشمی قدس سرہ العزیز کی ولادت ۸ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ بمطابق ۲۶/مارچ ۱۹۰۴ء روز شنبہ بوقت صبح صادق ہوئی اور وصال ۶/ جمادی الاوّل ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۳/ مارچ ۱۹۸۱ء بروز جمعہ بعد نماز عصر ہوا۔ آپ ایامِ جوانی ہی سے قوم کی اصلاح کے لیے متفکر اور کوشاں رہے۔ علومِ دینیہ سے فراغت کے بعد درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ وارشاد میں تن من دھن سے لگ گئے۔ وہ دور مسلمانوں کے لیے بڑا پرآشوب تھا۔ انگریزی سامراج تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے شدت پسندی سے کام لے رہا تھا چونکہ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے تحریک آزادی میں مسلمان نسبتاً زیادہ پیش پیش تھے۔ انگریزوں نے اپنی عیاری اور مکاری کے ذریعے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیا۔ نتیجتاً ملک کی تقسیم عمل میں آئی۔ (جس کی تفصیل ایک الگ موضوع ہے) لیکن مسلمانوں کی قوت تقسیم ہند کی وجہ سے تین تیرہ اور منتشر ہوگئی۔ حکومت کے انتظامیہ میں جو مسلم افسران اور بڑے تاجر نیز پڑھے لکھے خوش حال مسلمان تھے انہیں ترک وطن میں عافیت نظر آئی اور اسی پر انہوں نے عمل کیا۔ یہاں بسنے والے مسلمان سیاسی نکتۂ نگاہ سے بے یار و مددگار ہوگئے۔ ایسے وقت میں حضرت نے ترک وطن کے سیلاب کو روکنے کے لیے حتیٰ الامکان کوشش کی جس کے نتیجے میں بہت سارے خاندانوں نے ترکِ وطن کا ارادہ ترک کر دیا اور یہیں رہ گئے۔

اس وقت ہندو فرقہ پرستوں کو موقع ملا کہ وہ مسلمانوں سے اپنی ازلی دشمنی اور منافرت کا کھل کر اظہار کریں اور مسلمانوں کی قوت مدافعت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ شدھی تحریک چلی دور دراز میں بسنے والے مسلمانوں کو تبدیلیٔ مذہب کے لیے مجبور کیا جانے لگا۔ (اس کا سلسلہ آزادی سے پہلے ہی شروع ہوگیا تھا) ایسے موقع پر حضور مجاہد ملت نے جان ہتھیلی پر لے کر ہم راہیوں سمیت ذاتی اخراجات سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور بھٹکے ہوئے مسلمانوں کی اکثریت کو پھر سے مسلمان کرنے میں کامیابی حاصل فرمائی۔ گندم نما جو فروش علما جو دراصل انگریزوں کے پروردہ تھے جن کے اعمال بظاہر تو اچھے تھے مگر ان کے دلوں میں اسلامی روح نہیں تھی، جو نام نہاد موحد تھے اور ہیں مگر وہ رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و کمالات کے منکر ہیں وہ شیطانِ لعین اور ملک الموت کے ہر جگہ پہنچ کو مانتے ہیں اور لکھتے اور کہتے ہیں کہ ان کی پہنچ نص قطعی سے ثابت ہے مگر وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (سورۂ انبیاء) انا ارسلنک شٰھدا و مبشرا وّ نذیرا (سورۂ احزاب) النبی اولیٰ بالمومنین (سورہ احزاب) سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳، سورۃ النساء آیت ۴۱، سورۂ مزمل آیت ۱۵ وغیرہ انہیں نہیں دکھائی دیتی ہیں۔ متوجہ کرنے پر بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ غلط سلط تاویل کرتے ہیں۔ پچاس کی دہائی میں ان کی تبلیغی سرگرمیاں زور و شور سے جاری تھی لہٰذا حضرت نے ان کا رد بلیغ فرمایا۔ ان سے مناظرے کئے۔ انہیں ان کے عقائد فاسدہ سے تائب ہونے کا مطالبہ کیا مگر نام نہاد موحدین نے اپنے آقاؤں کے مفاد کو ترجیح دی اور بدعقیدگی کی اشاعت میں مبتلا رہے۔

حضرت بجائے خود بہت بڑے عالم دین بلکہ عالم گر تھے۔ انہوں نے نامساعد حالات اور خطرات کے باوجود سرزمین الہ آباد میں مسجد اعظم کی واگزاری کے لیے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تحریک چلائی اور کامیابی حاصل کی۔ پھر حاصل شدہ مسجد کی زمین پر بغیر گارے

کی اینٹ کی دیوار پر پھوس کی چھپر ڈال کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مدرسے کا نام مدینۃ العلوم رکھا جو بعد میں جامعہ حبیبیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اب تک اسی نام سے باقی ہے۔

آپ کی خواہش تھی کہ ملک کی تمام ریاستوں کی دارالحکومت میں ہمارا شاندار اور عالی شان دارالعلوم ہو جہاں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ جدید عصری علوم کا بھی نظم ہوتا کہ ہمارے فارغین تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ مختلف قوموں کو ان کی زبان میں دعوت دے سکیں اور ان کے اعتراضات اور اختلاف کا ازالہ کرنے کی بھرپور صلاحیت ان میں موجود ہوں۔ غیروں کی تہذیب وتمدن اور ان کے طریقۂ عبادت پر گہری نگاہ ہوتا کہ ان قوموں کے سامنے اسلامی نظریات کی اہمیت وافادیت اور حقیقت کو ثابت کرسکیں۔

اس اہم مقصد کو انجام دینے کی غرض سے آپ نے اپنے ایک خاص شاگرد کو ملک کی راجدھانی دہلی میں قیام کے لیے نہ صرف آمادہ کیا بلکہ اپنی جیب خاص سے ان کی مکمل کفالت فرماتے رہے۔ اسی طرح ملک کی سب سے بڑی ریاست یوپی کی دارالحکومت میں خاصا وقت صرف فرمایا۔ کافی تاخیر سے وہاں کچھ کامیابی ہوئی اور دارالعلوم وارثیہ کا قیام پہلے پچھلی محال مسجد گومتی نگر کی آبادی میں عمل میں آیا۔ اپنی ریاست اڑیسہ میں انجمن اسلامیہ اہل سنت و جماعت مقامی احباب کے تعاون سے قائم فرمایا۔ آج مدرسہ مدینۃ العلوم واسلامیہ یتیم خانہ دیوان بازار کٹک میں شاندار دینی خدمات انجام دے رہا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

کلکتہ سے بھی حضرت کا خاص تعلق رہا اس زمانے میں الہ آباد سے اپنے وطن دھام نگر کے لیے کلکتہ سے گزرنا پڑتا تھا عموماً دوپہر کو کلکتہ پہنچتے اور رات کی گاڑی سے بھدرک کے لیے سفر فرماتے۔ چند گھنٹے جو ملتے اس میں آرام نہ کرتے متمول حضرات اور ائمہ مساجد سے ملاقات کرتے اور انہیں تعلیمی ادارے کے قیام کی کوشش اور مسلمانوں کے دیگر مسائل کے حصول کے لیے آمادہ کرنے کی جدوجہد فرماتے ان کی توجہ سے تبلیغ سیرت کلکتہ کی شاخ نوجوانوں کی قیادت میں ترقی کی راہ پر گامزن ہوئی اور مدرسہ قائم ہوا۔ خاصی زمین کی خریداری عمل میں آئی۔ ضروری تعمیر بھی ہوئی، مسجد کا بھی قیام عمل میں آیا۔ نامساعد حالات میں سست رفتاری سے ہی سہی مدرسہ ترقی کے منازل طے کررہا تھا۔ مدرسہ کے علاوہ طبی شعبہ وغیرہ بھی قائم ہوگیا تھا مگر اب غلط ہاتھوں میں پڑکر تباہی کے دہانے پر ہے۔

اُڑیسہ کے صنعتی شہر راوڑکیلا میں حضرت نے بجائے خود مدرسہ قائم کرنے اور بچانے کی غرض سے قیام فرما ہوکر قاعدہ بغدادی وغیرہ پڑھایا۔ غرض تعلیم وتعلم کی اہمیت وضرورت کو حضرت نے ہر حال میں پیش نظر رکھا اور لگاتار اس کے لیے کوشش فرماتے رہے۔ یہ تو محض ایک اجمال ہے ان کی خدمات کی تفصیل کے لیے ایک دفتر چاہئے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ پھر عام انسانوں کی داخلی و خارجی مسائل (جس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے) ہندستان کا دستور جمہوری بنیاد پر مبنی ہے۔ حکمراں ٹولہ اس کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے کہ ہمارے یہاں سبھوں کو یکساں جمہوری حقوق حاصل ہیں۔ ذات پات کی بنیاد پر کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔ لیکن سیاسی وسماجی کارکنان کو اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ انتظامیہ کو براہ راست تحریری طور پر مسلمانوں کے مسائل سے آگاہ کرکے ان کے جمہوری حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کریں۔ حضرت نے تادم حیات تبلیغ سیرت کے اجلاس میں مسلمانوں کے خلاف ناانصافیوں پر آواز بلند فرمائی۔ تجاویز پاس کرکے حکومت کو بھیجیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے دوست نما دشمن کی نشاندہی میں مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیا، بلاخوف وخطر نشاندہی فرمائی اور مسلمانوں کو ان کے دھوکے سے ہوشیار فرمایا نتیجتاً آٹھ مرتبہ گرفتار ہوئے مگر پرواہ نہ کی۔

آج اصلاح عقائد واعمال پر ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے اس کی ضرورت بھی ہے لیکن مسلمانوں کی فلاح وبہبود صرف اسی پر منحصر نہیں دیگر میدانوں میں بھی سنیوں کی نمائندگی ہونی چاہیے۔ رہنمائے اہلِ سُنّت حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ ضروریات اور خطرات کا مسلمانوں کو مکمل ادراک واحساس ہونا چاہیے تاکہ مسائل

کے حل کے لیے سمت کے تعین کے بعد عملی اقدامات کئے جائیں ۔ مسلمان اپنی شناخت کے ساتھ باوقار زندگی گزارنے کے قابل ہوسکیں۔ وہ فرماتے تھے کہ خطرات جہاں جہاں ہوں ہر جگہ دفاعی و تقابلی اقدامات ناگزیر ہیں ورنہ جدھر غفلت ہوگی ادھر سے مار پڑے گی اور نقصانات ہوں گے۔

اصلاحِ حال کے لیے حضرت تقریروں اور نصیحتوں کو کافی نہیں سمجھتے تھے ۔ بلکہ عملی اقدامات کی نشاندہی فرما کر اقدامات کو ضروری خیال فرماتے تھے۔ مثلاً مسلمانوں کے کسی علاقے میں جوئے کے اڈے ہوں یا شراب خانے ہوں تو محض تقریر کے ذریعے ان پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ نہ ہی اس طرح کے کاروبار سے منسلک افراد تقریر سننے آتے ہیں کہ عبرت آموز واقعات سن کر تائب ہوں اور نہ یہ مقررین کے لیے ممکن ہے کہ وہ ان مقامات پر جا کر پابندی کی کوشش کرسکیں۔ حضرت چاہتے تھے کہ ان اقدامات کے لیے ہر علاقے میں مسلمانوں کے بااثر اور نوجوانوں پر مشتمل ٹیم ہو جو ایسے مقامات کا جائزہ لے کر مناسب اقدامات کے ذریعے مذکورہ برائیوں کے خاتمہ کی کوشش کرسکے پھر نیک نیتی سے ایسے اقدامات کو تائید غیبی بھی حاصل ہوتی ہے اور کام آسان ہو جاتا ہے۔ دوسرے علاقے والوں کو ترغیب ملتی ہے کہ وہ بھی ایسی جماعت بنا کر اپنے علاقے کو برائیوں سے پاک صاف کرسکیں۔ البتہ ایسی جماعت کی تشکیل، انہیں منظّم رکھنا اور ضروری ہدایات دینا علاقائی علمائے کرام و مشائخ عظام اور ائمہ مساجد کی ذمہ داری ہے۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے پانچ اغراض و مقاصد پر مشتمل تحریک آل انڈیا تبلیغ سیرت ۱۶؍ دسمبر ۱۹۴۹ء کو قائم فرمائی۔ اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

۱- مسلمانوں کے عقائد و اعمال اور تنظیم اتحاد کی اصلاح۔

۲- ہر زبان جس میں اسلامیات کا عظیم الشان ذخیرہ ہے، کی بقا کی تدابیر کرنا۔

۳- ترقی مدارس اور تمام مدارسِ اسلامیہ کو منظّم کرنا اور ان کے نصاب میں یکسانیت پیدا کرنا۔

۴- مساجد و مقابر، خانقاہوں اور قبرستانوں کا ہر طرح تحفظ کرنا اور ان کی ترقی کے لیے جدوجہد کرنا۔

۵- اشاعت و تبلیغ کے مقاصد کا پرچار کرنا اور مسلمانوں کے تمام علاقوں میں تنظیم کی شاخیں قائم کرنا وغیرہ

اس زمانے سے لے کر ۱۹۵۶ء تک تبلیغ سیرت کا بہت زریں دور رہا۔ ملک کے تمام بڑے شہروں بشمول کلکتہ میں تبلیغ سیرت کے عظیم الشان جلسوں کا انعقاد ہوا جن میں مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے ساتھ ملک بھر میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف تجاویز پاس کی گئیں اور حکومت وقت کو بھجوائی۔ اس زمانے میں ملک بھر کے اکثر و بیشتر اکابر علمائے کرام و مشائخ عظام نیز دانشورانِ قوم تبلیغ سیرت کے پلیٹ فارم پر متحد و مجتمع ہوئے۔ پھر ۱۹۵۶ء میں مسلمانوں کی تئیں گاندھی کی منافقانہ پالیسیوں کا پردہ چاک کرنے کی بنیاد پر حضور مجاہد ملت کو گرفتار کیا گیا۔ غازی پور وسلطان پور میں متعدد مقدمات دائر ہوئے جن کا سلسلہ دو سال تک جاری رہا اس وقت تنظیم منتشر ہوگئی۔ اس کے بعد پھر کسی تنظیم کو اتنی حمایت حاصل نہیں ہوسکی۔ رہائی کے بعد تنظیم کے منتشر ہو جانے پر حضرت ہراساں نہیں ہوئے بلکہ اپنے مخصوص مگر محدود جانثاروں کے ساتھ اپنی تبلیغی سرگرمیوں اور مسلمانوں کے خلاف منظّم مظالم کی مخالفت پر آواز اٹھانا جاری رکھا۔

حضرت، علما اور خصوصاً ائمہ مساجد کو تاکید فرماتے تھے کہ وہ ہر دن کم از کم گیارہ منٹ اصلاح عقائد و اعمال پر صرف کریں تاکہ ان کے مقتدی استفادہ کرسکیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر شہر میں تمام مساجد کے ائمہ مہینے میں ایک دن معینہ مقام پر جمع ہوں اور اپنے علاقائی مسائل پر گفتگو کریں صلاح و مشورہ کے ذریعے ان کے تصفیہ کے لیے طریقہ کار متعین کر کے اقدامات کریں، اور اب تک کی کارروائی سے ایک دوسرے کو باخبر کریں کہ کہاں کس حد تک کامیابی ہوئی اور اگر کہیں خدانخواستہ کامیابی نہیں ہوئی تو ممکنہ وجوہات کا جائزہ لے کر از سرنو

اقدامات کئے جائیں۔اس سلسلے میں بعض علاقوں میں ائمہ مساجد کے یکجا ہونے پر ہونے والے اخراجات اور زادراہ وغیرہ کو حضرت نے اپنے ذمے لیا اورجنہیں ذمے داری سونپی انہیں پہلے مہینے کے اخراجات کی رقم ادا کردی۔ ان کے زمانے میں سنی دعوت اسلامی یا دعوتِ اسلامی اور رضا اکیڈمی وغیرہ تنظیموں کا وجود نہیں تھا۔حضرت کے خاص شاگرد خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے سنی تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالی تھی مگر اس کا دائرہ کار محدود تھا۔

حضرت کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو صرف عقائد واعمال کا ہی مسئلہ درپیش نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سارے اہم اور بنیادی مسائل ہیں جنہیں مسلمان صرف اپنے طور پر حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ مثلاً رہائش کا مسئلہ تعلیم وروزگار کی سہولیات، فسادات کی روک تھام وغیرہ کیوں کہ فسادات میں متاثر تو مسلمان ہوتے ہیں مگر اپنے طور پر ان مسائل کو حل کرلینا مسلمانوں کے بس سے باہر کی بات ہے۔ لہٰذا ہمارا تعلیم یافتہ اور سفید پوش طبقہ اذہان کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور حکومت وقت کو ان مسائل کی سنگینی سے آگاہ کرکے حکومتی سطح پر تدارک کی کوشش کرے۔

جدید فلسفیوں کے نزدیک انسان حیوانِ ناطق بولنے والا جانور ہے لیکن قرآن کریم نے انسانوں کے متعلق لَقَدْ خَلَقْنَا الِانْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم . اورفِی الارضِ خَلِیْفَۃ اوراشرف المخلوقات فرمایا۔ جہاں تک کھانے پینے اور رہنے سہنے کا تعلق ہے، جانور بھی ان کا اہتمام کرتے ہیں مگر آدمی اشرف المخلوقات اس لیے ہے کہ اُسے اپنے گرد وپیش کی خبر ہونی چاہئے۔ حلال وحرام جائز و ناجائز کی تمیز ہونی چاہئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت پر عامل ہو ان کے تحفظ کے لیے کوشاں اور اپنے اختیار کے مطابق اپنے گرد وپیش میں اسے جاری وساری کرنے کے لیے مطلوبہ علم حاصل کرے اور شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لیے جہد مسلسل کرتا رہے۔ اگر آدمی اپنے خول میں مقید ہوجائے اور صرف ذاتی یا خاندانی مفادات کی نگرانی کرے تو واقعی وہ محض بولنے والا جانور رہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات جو مخبر صادق علیہ السلام نے اور ان کے بعد ان کے وارثین نے قوم تک پہنچائے ہیں مسلمان اس سے باخبر ہوں، اسے سیکھیں اور سکھائیں اور انہیں جاری وساری کرنے کے لیے تدابیر کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ہم گنہ گار مسلمانوں کو اپنے محبوب کے امتی ہونے کے ناطے تمام قوموں میں ممتاز فرمایا مگر اس شرط کے ساتھ کہ تم اچھائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ اچھائیوں کا حکم نافذ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اعمال اچھے ہوں کہ ہمارا مذہب پڑھ کر سنایا ہوا یا کہہ کے بتایا ہوا نہیں بلکہ کرکے دکھایا ہوا ہے۔ لہٰذا مبلغین کے پاس اتنا علم ہونا چاہئے کہ وہ مخاطب کو اچھائیوں کے فوائد سے آگاہ کرسکیں اور اس سلسلے میں ہونے والے اعتراضات کا مدلل ومعقول جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اچھائیوں کے نفاذ کی ان کے اندر طاقت وقوت بھی ہو اس لیے کہ جب بروں کے سامنے اچھائیوں کا ذکر ہوگا تو وہ مخالفت پر آمادہ ہوں گے لہٰذا اچھائیوں کا نفاذ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی مخالفت کا جواب دینے کی قدرت رکھتے ہوں۔اسی طرح برائیوں سے روکنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کا دامن برائیوں سے پاک ہو۔اس سلسلے میں آپ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم اور تقابلی علوم کے حصول کو بھی ضروری خیال فرماتے تھے آپ نے عملی اقدامات بھی فرمائے۔ متعدد اسکول، کالج، اسپتال وغیرہ کے قیام میں حضرت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دھام نگر ہائی اسکول اور کالج نیز اسپتال وغیرہ کے قیام کے لیے حضرت نے فراخدلی کے ساتھ زمین عنایت فرمائی۔

مسلمانوں کو باعزت زندگی گزارنے اور فسادات وغیرہ کی روک تھام کے لیے نیم عسکری جماعت کل ہند خاکساران حق قائم فرمائی اور تاحیات سرگرم قیادت فرمائی اور امارت کا بار اٹھایا۔ چوں

کہ فسادات کا شکار ہونے والے یا تعلیم و رہائش نیز معاشی نکتہ نگاہ سے (منصوبہ بند طریقہ پر) نظرانداز کئے جانے والے کسی مخصوص فرقہ یا مسلک سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ بلاامتیاز مسلمان کہلانے والے سبھی متاثر ہوتے ہیں اس لیے کل ہند تحریک خاکسارانِ حق کا دروازہ ہر مسلک والوں کے لیے کھلا رکھا تاکہ تحریک مضبوط اور بااثر ہو۔ تھوڑے ہی عرصے میں تحریک نے اپنی موجودگی اور اہمیت کو غیروں سے بھی منوانے میں کامیابی حاصل کر لی اور ملک کی خاتونِ آہن (اس زمانے کی وزیراعظم) تک کو چوکنا کر دیا۔ تحریک میں امیر کی اطاعت شرط اول تھی اور نماز لازمی۔ لہٰذا ایسے میں غیر مقلد خاکسار بھی حضرت کی اقتدا میں فقہ حنفی کے مطابق نماز ادا کرتے تھے اور بالواسطہ عقائد کی اصلاح بھی ہوتی تھی۔ تحریک کے رضا کار روزانہ پریڈ کی وجہ سے جسمانی اعتبار سے تندرست چاق و چوبند اور بہت حد تک نڈر بھی ہوجاتے تھے۔ بزدلی ان سے کوسوں دور بھاگتی تھی۔ اوران کے معمولات میں بلااجرت خدمت خلق بھی شامل تھا۔ افسوس کہ ان کے بعد تحریک کو کوئی مخلص رہنما نہیں مل سکا۔

مطالبۂ جہیز: یہ بیماری برادرانِ وطن سے ہماری قوم میں بھی در آئی ہے اور ناسور بن گئی ہے جس کے نتیجے میں بہت سی لڑکیاں جو حسن صورت و سیرت میں کم نہیں۔ مگر ان کے والدین مطالبہ جہیز کو پورا کرنے سے قاصر تھے لہٰذا وہ کنواری رہ گئی ہیں۔ حضور مجاہد ملت اس سلسلے میں بہت فکرمند رہتے تھے کہ لڑکیوں کا کنواری رہ جانا کس قدر تباہی و بربادی نیز بےحیائی اور گناہ کا باعث ہے۔ اس کا سدّ باب ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں تقریر بھی فرماتے اور انفرادی حیثیت سے بااثر لوگوں سے ملاقات کے دوران تاکید بھی فرماتے کہ بااثر مسلمان اپنے اپنے علاقے اور اپنے خاندان میں جہیز کی روک تھام کریں اور بن بیاہی لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کا اہتمام کریں۔ اسی طرح دیہاتوں سے ملازمت یا تجارت کی غرض سے شہر کا رخ کرنے والے بعض افراد جو شہر کی رنگینیوں میں گم ہو کر گھر والوں کی خبر گیری سے بے نیاز ہوجاتے ہیں ان کا پتہ لگا کر انہیں ان کے گھر والوں کی خبر گیری و کفالت پر آمادہ کرنا بھی حضرت کے اغراض و مقاصد میں شامل تھا۔

اسی طرح زبان تہذیب وتمدن کی بقا، مقبوضہ مساجد، خانقاہیں، اوقاف اور املاک کی واگزاری کے لیے بھی حضرت کوشاں اور فکرمند رہتے تھے اور مسلمانوں کے سفید پوش طبقہ کو اپنے اثرات کا استعمال کر کے ان مسائل کے حل کے لیے متوجہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ منتظر نہیں رہتے کہ کوئی بااثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا تب اس سے گفتگو کریں گے بلکہ جہاں پہنچتے اور جتنا وقت ہوتا اس کے مطابق خود بااثر افراد سے ملنے کے لیے بلاتکلف پہنچ جاتے اور مذکورہ مسائل کا تذکرہ کر کے ان کے حصول کے لیے عملی اقدام کی تاکید فرماتے۔ غرض اصلاح عقائد و اعمال ہی نہیں بلکہ ہر محاذ پر تمام ظاہری مسائل کے حصول کی جدوجہد کو حضرت نے تادم آخر اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔

حضرت کے چاہنے والوں نے انہیں کامیاب اور عظیم مناظر اور بادشاہِ وقت کے روبرو کلمہ حق ادا کرنے والے کی حیثیت سے متعارف کرایا جب کہ یہ روز مرہ کے مسائل نہیں ہیں۔ وہ ایک رہبر اور رہنمائے قوم تھے جنہیں مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں آنے والے مسائل کا مکمل ادراک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں آنے والے مسائل سے بے مثال غفلت ولاپرواہی انہیں بے چین رکھتی تھی۔ انہوں نے حالات سے مایوس ہو کر گوشہ تنہائی نہیں اختیار فرمایا بلکہ اپنی ذمہ داری کو عدم توجہ کے باوجود بھی جاری رکھا۔ آپ چوں کہ عوامی ہدایت پر معمور تھے لہٰذا بہت سادگی پسند تھے معمولی لباس زیب تن فرماتے تھے۔ انہیں دیکھ کر ایسا نہیں لگتا کہ آپ اتنے بڑے عالم دین اور رئیس اعظم ہیں۔ غریب آدمی بھی ان میں اپنائیت محسوس کرتا اور نزدیک ہو کر ان کی بات سنتا تھا۔

خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

☆☆☆

علامہ شاہ احمد نورانی

دیانت و سیاست کے پیکر جمیل

علامہ عبداللہ خان عزیزی★

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسلامی تاریخ میں سلف سے خلف تک فقہا، محدثین، متکلمین ومفکرین، مجددین وائمہ مجتہدین کا مقدس گروہ اپنے علم وعمل سے اولادِ آدم کی بھاری اکثریت کے ذہن وفکر کو متاثر کرنے میں نہایت کامیاب رہا۔ بجا طور پر مسلمان ان گروہ اصفیا پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان میں سیاست داں اور حکمراں بھی پیدا ہوئے جن کی سیاست اور حکمرانی کا دبدبہ دنیا کی ایک بڑی آبادی پر عرصۂ دراز تک قائم رہا اور یہ گنتی کے چند افراد نہیں تھے بلکہ ان کی فہرست بھی اچھی خاصی لمبی ہے، لیکن ایسی شخصیت نایاب نہ سہی عہد اسلامی میں کم یاب ضرور ہے، جو اعلیٰ درجہ کا مفکر، عظیم سیاست داں، خلوت کا عابد وزاہد اور جلوت کا سپاہی ومجاہد ہو۔ ایسی جامع الاوصاف شخصیت جو جہاں بانی کے اسرار ورموز سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا مومن کامل ہو جو فروغ اسلام کا درد اپنے سینے میں پنہاں رکھتا ہو، سلف صالحین، ائمۂ مجتہدین کے علاوہ بہت کم لوگ پائے جاتے ہیں جو تقویٰ اور پرہیز گاری میں اونچے مقام پر فائز ہونے کے ساتھ دنیوی معاملات سے بھی گہرا ربط وتعلق رکھتے ہوں، لیکن یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے عظیم قائد تھے جو نہ صرف دین ودنیا کے اسرار ورموز کے واقف تھے بلکہ حکمرانی کے اصول پر مکمل طور سے حاوی تھے، ان کی مخلصانہ ومجاہدانہ سرگرمیوں پر جب نظر پڑتی ہے تو بلا مبالغہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ عبقری شخصیت کے حامل تھے۔ اتنے بڑے دین دار تھے کہ بر صغیر میں ان کے معاصرین میں تلاش وجستجو کے بعد ان کے ہم رتبہ کی تعداد نہایت مختصر نظر آتی ہے، لاریب وہ بہت بڑے سیاست داں تھے، تاہم ان کی سیاست کذب وافترا، مکاری وعیاری، بے وفائی ودغا بازی اور جھوٹے وعدوں سے یکسر پاک وصاف تھی۔

عصر حاضر میں بہت بڑا سیاست داں وہ شخص ہے جو روحانی اور اخلاقی قدروں سے بالکل عاری ہو، مکر وفریب کا بدترین پیکر ہو، لیکن میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ برصغیر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بڑھ کر مسلمانوں میں ایسا عالم دین پیدا نہ ہوا جو حکمرانی کے اصول سے مکمل طور پر واقف ہوتے ہوئے دین وسیاست کا پیکر جمیل ہو، وہ اتنا بڑا دین دار ہو کہ اس کی دین داری پر فخر کیا جاسکے، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاک نفس انسان تھے، جن کی روحانی واخلاقی قدریں بہت بلند وبالا تھیں، وہ عابد وزاہد بھی تھے۔

فروغِ اسلام کے لیے حضرت شاہ صاحب کی بے قراری

حضرت مولانا قمر الزماں خاں صاحب اعظمی (جنھوں نے حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کی قیادت میں ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی ادا کیے) ان کا بیان ہے کہ ہم دونوں کا قیام لندن یا کسی مشہور شہر کے ایک عظیم الشان ہوٹل میں تھا۔ ہمارے قیام کے لیے الگ الگ آرام دہ کمرے گیسٹ ہاؤس میں بک کرائے گئے تھے، جن میں ہر قسم کی سہولتیں موجود تھیں۔ رات کے تین بجے جب کہ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، کسی متنفس کی آواز نہیں آرہی تھی، ہو کا عالم تھا، میری قیام گاہ کے فون کی گھنٹی اچانک بجتی ہے میں بیدار ہو جاتا ہوں کچھ دیر کے بعد ریسیور اٹھا کر ہلو کہا تو دوسری جانب سے جواب میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کی صدائے دلنواز کانوں میں گونجتی ہے۔ میں نے پہچان لیا کہ حضرت شاہ احمد نورانی صاحب مدظلہ العالی ہم سے مخاطب ہیں۔ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ کیا پریشانی لاحق ہے کہ جناب شاہ صاحب نے اس وقت مجھ کو بیدار کیا، میں نے عرض کیا کہ حضور خیریت ہے؟ رات کے سناٹے میں آپ نے کیسے اس حقیر کو یاد کیا؟ ارشاد ہوا کہ آپ بہت دیر تک سو چکے ہیں، یہ

وقت قبولیت کا وقت ہے، بارگاہِ خداوندی میں عجز و نیازمندی کے ساتھ ہم کو اور آپ کو سر بہ سجود ہونا چاہیے، تہجد ادا کرنا چاہیے اور خدائے قدوس کی بارگاہ میں رقت قلبی کے ساتھ اپنے مقصد بلند (فروغِ اسلام) کے لیے دعا کرنی چاہیے، اگر ہم اس پر عمل پیرا رہے تو ضرور بارگاہِ ایزدی میں ہم لوگوں کی دعائیں مقبول ہوں گی۔

علامہ اعظمی صاحب کے اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گو کہ سیاسی امور میں بھی اپنے کافی اوقات صرف کرتے تھے، استراحت کا موقع کم مل پاتا تھا، اپنے ناخنِ تدبر سے ملکی و سیاسی مسائل حل کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ تاہم وہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے نماز تہجد کے پابند تھے۔ جب لوگ خواب غفلت کی نیند سو جاتے تھے تو وہ یادِ الٰہی میں اپنے عیش و آرام کو تج دیتے تھے۔ عام طور سے سیاست کار ملکی مسائل میں اپنے اوقات عزیز صرف کرتا ہے اور چند منٹ بھی خدا کی یاد میں اپنے کو مستعد و چوکس نہیں کر پاتا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معمول نہ صرف اس کے برعکس تھا بلکہ نرالا تھا۔ ان کے یہاں سیاست و دین داری میں کوئی بعد نہیں تھا، یہ دونوں پہلو بہ پہلو پائی جاتی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اتنے دین دار اور پاکباز فطرت کے انسان تھے کہ وہ تمام امورِ سیاست پر اسلامی احکام و شرائع کی پابندی کو ترجیح دینے کے عادی تھے اور دینی امور میں ان کے پائے ثبات کی لغزش کی مثال ان کا کوئی بڑے سے بڑا معاند پیش کرنے سے عاجز رہے گا۔

جمدا شاہی میں حضرت شاہ کی آمد آمد: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ورودِ مسعود و قدوم میمنت لزوم تین مرتبہ جمدا شاہی کی چھوٹی آبادی میں ہوا، وہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو جو قصبہ بھی نہیں ہے ہمیشہ یاد رکھتے تھے، کیوں کہ اس آبادی کے لوگ ان کے اوپر اپنی جان و مال قربان کر دینے میں اپنی سعادت تصور کرتے تھے۔ بہت خلوص و عقیدت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک چھوٹی سی آبادی میں اپنے نیاز مندوں و عقیدت کیشوں کو سرفراز فرمانے کے لیے تین مرتبہ تشریف لائے، پہلی بار ۱۹۶۱ء اور دوسری مرتبہ ۱۹۸۹ء اور تیسری مرتبہ ۱۹۹۲ء میں تشریف آوری ہوئی۔ ان کی مجلس میں جمدا شاہی کے نیاز مندوں کے علاوہ علمائے دین کثیر تعداد میں شریک رہتے، وہ اپنے متعلقین اور مریدین سے بڑے شگفتہ انداز میں نہایت خلوص کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ ان کی گفتگو سے لوگ بے حد متاثر ہوتے تھے، دین کے ساتھ گہری وابستگی کی وہ تلقین فرماتے تھے، ان کے کلام کا محور یہ ہوتا تھا کہ اگر مسلمانوں کو دنیا میں اپنی شناخت قائم و برقرار رکھنا ہے، اپنی قوت و سطوت کا لوہا منوانا ہے تو ان پر لازم ہے کہ پہلے اپنے عمل و کردار کو سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں، وہ قرآن شریف کے بہت عمدہ حافظ تھے۔ جس وقت وہ قرآن حکیم کی تلاوت اپنی خوش آوازی کے ساتھ فرماتے تھے تو ہر طبقے کے لوگوں پر محویت طاری ہو جاتی تھی، احبار یہود سے متعلق جو آیتیں اتری تھیں وہ ان کو پڑھ کر سناتے اور ان کے معانی مفاہیم کی ایسی تفسیر بیان فرماتے کہ ہر عالم و عامی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ وہ ایسے خوش آواز، شیریں کلام تھے کہ سامعین کے قلوب میں ان کی ایک ایک بات پیوست ہو جاتی تھی، ان کی گفتگو میں قوت تاثیر اتنی زیادہ تھی کہ ان کے پرکشش نورانی چہرے کو دیکھ کر اور ان کے کلام کو سن کر چھوٹا بڑا ہر شخص وجد میں آجاتا تھا۔ اُن کی مجلس میں شرکت کا موقع اس حقیر کو بھی ملا ہے میں پہلی ہی ملاقات میں ان کا نیاز مند ہو گیا تھا، وہ جب پند و وعظ فرماتے تھے تو نماز با جماعت کی بھی بڑے حسین انداز میں سامعین کو ہدایت فرماتے تھے۔ وہ خود نماز با جماعت کے اتنے پابند تھے کہ سفر وحضر میں ان کی نماز با جماعت بالعموم کبھی بھی متروک نہ ہوتی کیونکہ جدھر وہ رخ کرتے تھے ایک جم غفیر ان کے پاس آجاتا تھا اور وہ سب یہی کہتے تھے کہ نماز جیسی عبادت الٰہی سے بندے کو وہ سعادت کبریٰ ملتی ہے کہ دوسری عبادت میں ویسی نہیں مل پاتی ہے، کیونکہ بندہ خدا کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ وہ خدا کو تو نہیں دیکھ سکتا تاہم اس عبادت الٰہی سے اس کو تقرب حاصل ہو جاتا ہے، چنانچہ جب تیسری اور آخری مرتبہ ۱۹۹۲ء میں آپ کا قدوم میمنت لزوم جمدا شاہی میں ہوا تو آپ کی قیام گاہ مسجد رضا سے قدرے فاصلے پر تھی، تین چار بجے کے درمیانی شب میں بیدار ہو کر تہجد کی ادائیگی کے بعد بڑی نیازمندی و عاجزی کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں دعا فرماتے، پھر جب صبح صادق کی روشن کرنیں اُفق مشرق میں نمودار ہو جاتیں تو مسجد رضا کے لیے روانہ ہو جاتے۔ نگاہیں نیچی کیے ہوئے بڑے وقار و تمکنت کے ساتھ چلا کرتے تھے۔ اگر کوئی بندۂ خدا راستے میں ملتا تو اپنی پرکشش نگاہوں کو اس کے اوپر ڈال کر ارشاد فرماتے کہ کاش نماز کی قدر و قیمت کا لوگوں میں احساس پیدا ہوتا تو ان کے اندر نیک کاموں کا بڑا جذبہ اُبھرتا۔ کیوں کہ نماز ہی وہ عمل

صالح ہے جو بندوں کو نیک کام کرنے کے لیے ابھارتی ہے، نماز ہی وہ عبادت ہے جو ابن آدم کے دلوں میں خدا کے انوار وتجلیات کے سمیٹ لینے کا ذریعے بنتی ہے۔ وہ مسجد جاتے ہوئے بھی نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ جو ملتا اس کو نماز کی تلقین فرماتے تھے، یہ سب باتیں اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ آپ کا دل پاک یاد الٰہی سے کسی حالت میں غافل نہیں رہتا تھا خواہ وہ کتنے ہی معاملات میں الجھے ہوئے ہوں، یا سیاست کے اتار چڑھاؤ میں پڑے ہوئے ہوں، یا سفر میں ہوں یا حضر میں، وعظ وتقریر کی محفل ہو یا نجی نشست گاہ ہر حالت میں ان کی دین داری ان کو آمادہ رکھتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے دل کو منور و تاباں رکھیں۔ صاف لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ ظاہری اعضا وجوارح کسی طرف مائل رہتے ہوں لیکن ان کا باطن خدا کی طرف میلان رکھتا تھا جو اللہ والوں کی صحیح پہچان ہے۔ میں ان کی مادی کرامتوں کو تو نہیں بیان کرسکتا کیوں کہ یہ وہی بیان کرسکتے ہیں جن کا تعلق ان کے ساتھ بہت گہرا رہا ہو اور جن کو ان کی مصاحبت کا موقع ملا ہو، مجھ کو تو چند گھنٹوں کے لیے ان کے دیدار کا موقع ملا، البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ان کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ ان کی طبیعت کا رجحان ومیلان ہر حالت میں خدائے قدوس کی طرف رہتا تھا۔

جمعیت علمائے پاکستان کی صدارت: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بریلوی مکتب فکر کے ایک عالم دین تھے جن کے یہاں اغیار کے ساتھ اکل وشرب بھی جائز نہیں، جن کے یہاں دوسرے دعوے داران اسلام سے مصافحہ ومعانقہ جائز نہیں بلکہ اُن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ممنوع ہے، پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ کیسے گوارہ کرلیا، کیا وہ صلح کلی قسم کے سیاستداں تھے؟ کیا ان کے نزدیک تمام فرقہائے باطلہ سے ربط وتعلق اتنی گہرائی کے ساتھ رکھنے میں کوئی قباحت شرعیہ نہیں تھی؟ کیا ان کی روشن خیالی کے روبرو یہ سب باتیں روپوش ہوچکی تھیں؟ اور کیا سیاست کے زعم میں حقیقت کا دامن ان کے دست اقدس سے چھوٹ گیا تھا؟ یہ سب کچھ نہیں تھا، درحقیقت انہوں نے حکمت ودانائی کی باتیں قرآن حکیم سے سیکھی تھیں، ان کے ذہن مبارک میں یہ بات تھی کہ بڑے سے بڑا معاندا پنے مقاصد بلند میں کسی لچک کے بغیر مدد ومعاون ثابت ہوتا ہو تو اس سے سیاسی مفاہمت پیدا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ان کے ذہن ثاقب میں یہ بات تھی کہ ہمارا بلند مقصد پاکستان میں نظام مصطفےٰ قائم کرنا ہے، اس کے قیام میں اگر کوئی ہمارا دست بازو بنے تو مصلحت وقت کے تقاضے کے مطابق اس کو ساتھ لے کر چلنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مزید یہ کہ یہودیت ونصرانیت کی دسیسہ کاریوں اور اس کی تفریق بین المذاہب کی چال بازیوں سے خوب واقف تھے اس لیے وہ سوچتے تھے کہ امت مسلمہ ایسے بحرانی دور سے گزر رہی ہے کہ دنیا کے ہر حصے کی اسلام دشمن طاقتیں اسلام ومسلمان کا صفایا کرنا چاہتی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نکتہ چینی کرنے والے حضرات ایسے مواقع پر جو ایسی باتیں اٹھاتے ہیں ان کی نگاہوں کے سامنے محدود علاقہ ہوتا ہے یا ان کے روبرو ایک شہر یا ایک قصبہ ہوتا ہے وہ اسی کو سمجھ لیتے ہیں کہ ساری دنیا اسی میں سمٹ کر آ گئی ہے، وہ بھول جاتے ہیں کہ کرۂ ارض کے ہر حصے پر جہاں جہاں مسلمان پائے جاتے ہیں نگاہ ڈال کر ہم کو ایک لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے۔ میں کہہ سکتا ہوں یہ ضعیف البصر لوگ انتہا پسند ہوتے ہیں۔

میری یہ طویل وضاحت ان نکتہ آفرینوں کے لیے ہے جن کے ذہن وفکر میں وسعت نہیں پائی جاتی اور وہ ہر معاملے کو انتہا پسندی کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں، وہ نہیں سمجھ پاتے کہ اسی ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش میں ایک تنظیم قائم ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ الحاقی مدرسوں کے جتنے مدرسین وملازمین ہیں ان کے حقوق کے لیے آواز بلند کی جائے، اس میں وہابی، دیوبندی، غیر مقلد، شیعہ، سنی سب شامل ہیں، کیا جتنے مدرسے والے اس تنظیم میں شامل ہیں ان کے اوپر صلح کلی ہونے کا لیبل چسپاں کیا جاسکتا ہے؟ کیا اہل سنت وجماعت کے علما ومدرسین اس تنظیم کے رشتے میں منسلک نہیں ہیں؟ ان سب کے متعلق کوئی ناعاقبت اندیش مفتی یا انتہا پسند عالم یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ جتنے سنی علما شامل ہے وہ سب صلح کلیت کے دائرے میں محصور ہوگئے۔ عرصۂ دراز سے یہ تنظیم قائم ہے اس کی پچاسوں نشستیں ہوچکی ہوں گی جس میں اپنی جماعت کے علما بھی شریک ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ مل بیٹھ کر مشترک مقصد کے حصول کے لیے اپنی صدا بلند کرتے ہیں، ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے الحاقی مدرسے سے محدود دائرہ میں رہ کر اپنا ایک پلیٹ فارم بنائے ہوئے ہیں مگر آج تک کسی مفتی یا فاضل نے جرأت نہیں کی کہ ان کے اوپر صلح کلیت جیسے نظریے کے حامل ہونے کا فتویٰ صادر کرے، یہ ایسا اس لیے ہوا کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں جتنے مدارس کے لوگ شامل ہیں سب کے

سب اپنے موقف اپنے اپنے نظریے، اپنے اپنے بنیادی عقائد پر قائم ہیں، اس لیے ان کے اوپر صلح کلیت کے لیبل کو چسپاں نہیں کیا جا سکتا، صلح کل وہ شخص ہے جو تمام مذاہب وملل کو یکساں تصور کرے اور اپنے مخصوص عقائد پر جما نہ رہے بلکہ اس سے منحرف ہوجائے یا اس میں تصلب نہ رہے، رہ گیا وہ شخص جو دوسرے فرقے والوں سے تعلق محض مشترکہ مفاد کے لیے رکھے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے عقائد پر جمارہے اور اپنے دین ودیانت پر آنچ نہ آنے دے تو بلا شبہ ایسا شخص صلح کلی نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی وسعت فکر: اس لیے میں کہتا ہوں کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق جو کم نظر اس قسم کے اعتراض کا اظہار برملا کرتے ہیں وہ محدود دائرے کے لوگ ہیں۔ان کی فکر ونظر میں وسعت نہیں پائی جاتی ہے، اس موقع پر کہا جا سکتا ہے کہ اپنی جماعت کے بعض سر برآوردہ بھی اس معاملے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اختلاف رکھتے ہیں، میں ایسے معظمین کی بارگاہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں ایک ہی جماعت کے یا ایک ہی مسلک کے ماننے والوں کے اہل فکر کی رائے میں اختلاف نہ رہا ہو۔ میں ایسے سر برآوردہ حضرات کے اختلاف رائے کو ان کی نیک نیتی پر محمول کرتے ہوئے ان کے اجتہاد کی قدر کرتا ہوں مگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات والا صفات بہت بلند وبالا ہے۔ انہوں نے تمام جماعتوں کی سربراہی قبول فرما کر اپنے مسلک کو بلند وبالا رکھنے کی جدوجہد کی۔ بھارت میں جمعیۃ علمائے ہند پائی جارہی ہے اگر تمام دیوبندی وہابی، غیر مقلد، شیعہ وغیرہ اس جمعیۃ کا رکن ہوتے ہوئے مشترکہ مقصد کے لیے جدوجہد کریں اور اس کی صدارت وقیادت کی ذمہ داری کسی سنی عالم دین کے کندھوں پر رکھ دی جائے اور وہ سنی عالم دین اس بار گراں کو برداشت کرنے کی نہ صرف صلاحیت رکھتا ہو بلکہ اپنی حکمت عملی سے سنی جماعت کو سرخرو رکھنے کی کوشش کرتا ہو تو اس کی قدر کریں گے، میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت علمائے پاکستان کے صدر کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ اپنی جماعت کو بلند وبالا رکھا بلکہ عالمی پیمانے پر دعوت اسلام کا پروگرام مرتب کیا اس لیے ان کی ذات والا صفات کے بارے میں صلح کلیت وغیرہ جیسے نازیبا الفاظ موزوں نہیں ہیں بلکہ لائق اعتنا نہیں ہیں۔ اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت اپنی جماعت کو پیش کرنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ وہ ایسے اپنے مسلک وموقف پر جمے رہے اس قدر متصلب وٹھوس رہے کہ اس سے ان کی ذات والا صفات میں کبھی بھی کوئی نرمی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ روایت بالکل صحیح ہے کہ اگر وہ کسی جلسے میں شریک رہتے اور وہ جلسہ ان کی صدارت میں ہوتا تو بحیثیت صدر نہایت والہانہ انداز میں صلاۃ وسلام کھڑے ہوکر پڑھتے۔ ان کے اس عمل سے اس جلسے میں جتنے شرکا رہے خواہ وہ وہابی ہوں یا دیوبندی سنی ہوں یا شیعہ کسی بھی گروہ سے تعلق رکھنے والے ہوں سب نے بارگاہ رسالت میں کھڑے ہوکر سلام پڑھا۔ یہ ان کے متصلب ہونے کی دلیل بین ہونے کے علاوہ اس بات کے لیے بھی برہانِ قاطع ہے کہ اپنی جماعت کو ہر معاملے میں وہ سرخرو رکھنا چاہتے تھے۔ اور ان کے رعب ودبدبے کے سامنے سب کو جھکنا پڑتا تھا۔ گوکہ یہ ظاہری جھکاؤ کیوں نہ رہا ہو۔ اس ظاہری جھکاؤ سے بھی یہ پیغام جارہا تھا کہ سب کو اس صلوٰۃ وسلام والے مسلک کی پیروی کرنا چاہیے۔

ایک عظیم سیاست داں: اب تک جو میں نے طویل بحث کی ہے ان کی عالمانہ حیثیت، ان کا تقوی وطہارت، ان کی دیانت ودین داری، اُن کے اخلاصِ نیت اور اسلامی فکر کی برتری بارے کے میں ہے۔ اب ایک نگاہ ان کی سیاسی قیادت پر ڈالتے چلیے کہ وہ کتنے بڑے سیاست داں تھے اور کاروبارِ سیاست میں وہ کتنے بےلوث تھے، وہ دنیا پرستوں کی طرح سیاست داں نہیں تھے، وہ اتنے عظیم سیاست داں تھے کہ پاکستان کے بڑے بڑے سیاسی قائدین ان کی بارگاہ بلند میں اپنی نیازمندانہ پیشانی کو خم رکھتے تھے۔ بلکہ ملک کے مہمات مسائل میں مشورہ لینا باعث فخر تصور کرتے تھے اور جن سیاست دانوں نے ان کی رائے سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کی اور ان کے فرمان پر عمل نہیں کیا تو انہوں نے پاکستانی قوم کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ اس کو ذلت وخواری تک پہنچادیا۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا، مسلمانوں کے بعض بڑے بڑے سیاستداں تقسیم ہند کی مخالفت کررہے تھے، جن میں کانگریسی لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد پیش پیش تھے، اس بحث سے قطع نظر کہ تقسیم ہند کا نتیجہ بڑا ہولناک نکلا، مولانا آزاد نے کتاب ''ہماری آزادی'' میں پیشین گوئی کی تھی کہ پاکستان کے دونوں بازو مغربی ومشرقی متحد نہیں رہ سکتے، کیوں کہ مشرقی ومغربی پاکستان کی زبان ان کا تمدن ومعاشرتی نظام دونوں اقتصادی ومعاشی حالات میں نمایاں فرق تھا، پھر ان میں اس قدر

فاصلہ تھا کہ اس وسیع وعریض بعد کو کسی قدرِ مشترک کے ذریعے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے دین اسلام کے کہ اس میں کوئی قدر مشترک نہیں پائی جارہی تھی اور سیاسی رہنما کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر چہ زبان سے دین اسلام کا نعرہ بلند کرتے ہیں لیکن اپنے مفاد اپنی حکمرانی وناموری کے مقابلے میں اسلام کو کوئی حیثیت نہیں دیتے ہیں۔ یہ رہنما اسلام کو تو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں لیکن فروغ دین اسلام کے لیے کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتے ہیں، اپنی نفس پرستی اور بوالہوسی کے لیے صوبائی عصبیت کا جذبہ ابھارنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ تقسیم ہند کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مشرقی پاکستان میں ''جے بنگلہ'' کا نعرہ لگنا شروع ہوگیا اور صوبائی عصبیت کی ایسی لہریں اٹھیں کہ ان کے مقابل میں اسلام اور مسلمان کی کوئی حیثیت نہیں تھی، بنگلہ دیش جو اس زمانے میں مشرقی پاکستان کہلاتا تھا اس میں مغربی پاکستان والوں سے مفاد پرستوں نے منافرت وعناد کا جذبہ ابھارنے میں زبردست کامیابی حاصل کرلی۔ کیوں کہ ان سیاسی قائدین کے نزدیک اقتدار حاصل کرنا خواہ وہ کسی طریقے سے ہو قتل وخوں ریزی کے ذریعے ہو یا آپس میں لڑانے کے سبب ہو بڑی کامیابی کی دلیل تھی۔ ہزاروں انسان کٹ مرجائیں ان کو اس کی کوئی فکر نہیں تھی کیوں کہ ایسے سیاسی رہنما دین ودیانت سے عاری ہوتے ہیں، دنیا پرست ومفاد پرست ہوتے ہیں، ان میں انسانیت کا درد وخلوص وللّٰہیت کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ لیکن مملکت پاکستان میں تنہا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ وہ بلند پایا سیاست داں تھے جو اسلام کے قدر مشترک کو پاکستان کے مختلف صوبوں میں فروغ دینے کی انتھک کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ ان کے نزدیک اِقتدار کی کرسی، حکومت کا تخت شاہی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اُن کی خواہش وتمنا تھی کہ جب پاکستان کے تمام صوبوں میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے جو توحید وخدا پرستی کے قائل ہیں، نیز نظام مصطفیٰ سے وابستہ رہنے میں اپنی سعادت تصور کرتے ہیں تو کسی طرح سے حبل اللہ المتین کے رشتے میں منسلک کرکے ان کو متحد کیا جاسکتا ہے۔ زبانیں مختلف تھیں، صوبے مختلف تھے، لیکن اسلام ایک تھا اس کی مضبوط رسی تھامے رہنے کی برابر وہ ہدایت فرماتے رہے، لیکن سیاسی مفکرین نے (جن کے نزدیک حکومت واقتدار ہی سب سے بڑی کامیابی تھی) ان کی ایک بات بھی نہیں چلنے دی چنانچہ جب مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو نے انتخاب میں زبردست کامیابی حاصل کرلی اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کرلی تو اصولی طور پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ زمام حکومت شیخ مجیب الرحمٰن کے حوالے کردی جاتی لیکن اس وقت کے فوجی حکمراں جنرل یحیٰی خاں نے محض اپنے اقتدار کی کرسی بچانے کے لیے قومی اسمبلی میں اکثریت کے باوجود شیخ مجیب الرحمن کو حکومت بنانے کی دعوت نہ دی تو اس کے بعد شیخ کے رفقا نے خوب خوب صوبائی عصبیت ولسانی عصبیت بنگالی مسلمانوں میں اُبھاری۔ اس سے وہ اتنے بپھر گئے کہ اسلام کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا حالاں کہ وہ بھی ایک اچھے مسلمان کہلاتے تھے۔ ایسے بحرانی دور میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو کارنامہ انجام دینے کی کوشش کی وہ تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذاکرات کے ذریعے تمام متنازعہ مسائل کے حل کرنے کی بڑی اچھی صلاحیت رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کرکے ان کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا کہ موجودہ نازک صورت حال میں ملک کی نیّا پار لگانے میں آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ان کے سمجھانے بجھانے سے وہ ملک کو متحد رکھنے کے لیے آمادہ ہوگئے تھے لیکن جنرل یحیٰی خاں نے جو اقتدار وشراب دونوں کے نشے میں ہمیشہ مخمور رہتے تھے، حضرت شاہ صاحب کے مشورے پر عمل کرنے سے صاف انکار کردیا، بالآخر اتنی بڑی تباہی آئی جس کے تصور ہی سے انسان کانپ اٹھتا ہے۔ مشرقی پاکستان بعنوان بنگلہ دیش الگ ہوگیا، ہزاروں مسلمان ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوگئے، یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کوئی قوی دلیل نہیں مل رہی ہے جس کی بنیاد پر دعویٰ کیا جاسکے کہ اگر حضرت شاہ صاحب کے مشورے کو مان لیا جاتا تو بنگلہ دیش کبھی بھی وجود میں نہیں آتا، تاہم یہ عین ممکن تھا کہ اگر ان کی صائب رائے پر عمل کیا جاتا تو اتنی جلد بنگلہ دیش نہ بنتا، البتہ ان کی حیاتِ طیبہ کے بعد بنگلہ دیش کا وجود میں آنا قرین قیاس تھا۔

یہ ہے حضرت شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت جس کا جائزہ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عالم دین کے لیے لازم ہے کہ جب وہ سیاست کی خارزار وادی میں قدم رکھے تو اقتدار کی کرسی اس کا مطمح نظر نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کو فروغ

دین اسلام کے لیے کام کرنا چاہیے، مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تگ ودو ہونی چاہیے، ان کی زندگی کو اسلام کے دستور حیات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے ملک پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے قیام کے لیے اپنی ساری توانائی صرف کر ڈالی، انہوں نے سیاست کو ایک واسطہ تصور کیا تھا، وہ اقتدار کو اس لیے نہیں حاصل کرنا چاہتے تھے کہ بندگان خدا کی گردنوں پر مسلط ہو جائیں اور اپنے جھوٹے وعدوں سے ان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیں، وہ سیاست کو ایک ایسا ذریعے تصور کرتے تھے جو ان کے مقصد بلند کے لیے مدد ومعاون ثابت ہو۔

لہٰذا ان کے تبصرہ نگار کا یہ دعویٰ درست معلوم ہوتا ہے کہ ''مولانا شاہ احمد نورانی کو کچھ لوگ محض ایک سیاست داں خیال کرتے ہیں جب کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ صرف ایک مولوی ہیں، لیکن ان کی زندگی کے شب و روز کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت اجاگر ہو کر نگاہوں کے سامنے آتی ہے کہ وہ سچے عاشق رسول ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ سیرت نبوی کا آئینہ دار ہے، وہ آج بھی جمعرات و پیر کو باقاعدگی کے ساتھ روزہ رکھتے ہیں، ۷۳ برس کی پیرانہ سالی کے باوجود ۶۴ برس سے تراویح پڑھاتے ہیں، وہ شب زندہ دار عابد ہیں، ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص عشق نبی کے رنگ میں رنگ جائے، وہ تہجد میں ڈھائی پارے قرآن حکیم پڑھتے ہیں۔'' (ایک عالم ایک سیاستداں ص ر ۳۷)

دین اور سیاست میں بالعموم یک گونہ تضاد پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی اعلیٰ درجے کا سیاستداں ہے تو دیانت وتقویٰ اس کا شعار زندگی نہیں ہوتا اور اگر کوئی شخص تقویٰ وطہارت نفسی میں اونچے مقام پر فائز ہوتا ہے تو وہ سیاست کے پیچ وخم سے آگاہ نہیں ہوتا لیکن میں انشراح صدر کے ساتھ یہ کہنے میں کوئی جھجھک نہیں محسوس کرتا کہ ایشیائی ممالک میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ واحد عبقری شخصیت ہیں کہ سیاست ان کے قدم ناز کو بوسہ دیتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ان کی دین داری اتنی بلند ہے کہ سیرت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی ان کا شعار زندگی تھا، مصر کے سرکردہ رہنماؤں کے متعلق بڑے زور وشور سے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ سیاسی رہنما ہوتے ہوئے بھی دیندار تھے، لیکن میری تحقیق یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقابل میں اخوان المسلمین کے قائدین ایک ذرۂ ناچیز کی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیاست و دیانت کے جمع کرنے اور اس کے تضاد کے دور کرنے میں جو زبردست کامیابی حاصل کی شاید ہی وہ کسی کو میسر ہوئی ہو کہ اس نے عاشق رسول ہوتے ہوئے میدان سیاست میں قدم رکھا تو اس کے جذبہ عشق رسول میں کسی قسم کا کوئی انحطاط وتنزل پیدا ہوا ہو۔ یہ صرف واحد شخصیت برصغیر کے اسی واحد عالم دین کے حصہ میں آئی۔

دعوت وتبلیغ کے قرآنی اصول پر شاہ صاحب کا عمل اپنی جماعت کے خطباو مقررین کے درمیان وعظ وتقریر دعوت وتبلیغ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کی شعلہ بار تقریریں دلوں کو گرماتی ہیں لیکن چوں کہ دعوت وتبلیغ کے قرآنی اصول پر عام طور سے عمل نہیں کیا جاتا ہے، اس لیے ان کے پند و وعظ نہ صرف یہ کہ بے سود ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات خسارے کا باعث ہوتے ہیں اور بجائے اس کے کہ جماعت کا دائرہ وسیع ہو تنگ ہوتا نظر آ رہا ہے۔ کتنا افسوس ناک المیہ ہے کہ جس عقیدہ ونظریہ کے ہم قائل ہیں اس کے ماننے والے روز بروز گھٹتے جا رہے ہیں اور ہم مگن ہیں کہ عظیم الشان کارنامہ انجام دے رہے ہیں اور ہماری تقریروں سے بڑا فائدہ پہنچ رہا ہے، اگر ان کے وجود کا جائزہ لیا جائے تو سب سے بڑی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن حکیم نے دعوت وتبلیغ کے جو اصول بیان کیے ہیں جب جب اس کی خلاف ورزی کی گئی تو زبردست خسارہ ہوا ہے، دعوت وتبلیغ کے تین بنیادی اصول ہیں:۔

(۱) داعیِ حق کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن حکیم کی حکمت عملی پر اپنے مشن کو جاری رکھے، ارشاد ربانی ہے:

''اُدْعُ اِلٰـی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِـالْحِـکْـمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَـنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِـیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُـوَاَعْـلَـمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ o'' (النحل آیت:۱۲۵)	اے حبیب اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلایئے اور بحث ونزاع ایسے طریقہ پر کیجئے جو اچھا ہو تمہارا پروردگار خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا اور ان لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں۔

قرآن حکیم نے جس حکمت عملی اور پند وموعظت کی ہدایت فرمائی انہیں پر عمل پیرا ہو کر حضرت مبلغ اسلام کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت وتبلیغ کا ایسا فریضہ انجام دیا جو اپنی ذات میں کائنات تھا۔

آپ کی وفاتِ حسرت آیات پر انتہائی صدمے کا اظہار

کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''آہ! ایک دور تھا جو گزر گیا، ایک باب تھا جو بند ہوگیا، یقیناً وہ راستے آپ کو یاد کرتے ہوں گے جہاں سے آپ کا رزق آتا ہے اور آپ کے اعمالِ صالحہ اللہ کی راہ میں پیش کیے جاتے تھے، تمام عمر عظمت ناموس رسالت کا جھنڈا ہاتھ میں تھامے رکھا اور گرنے نہیں دیا''۔ (تجدید و احیائے دین کا جہان ص ۱۱۷)

مشہور عالم دین غزالی دوراں حضرت علامہ و مولانا سید سعید احمد کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہزاروں کے اجتماع میں فرمایا تھا کہ ''مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی عالم اسلام کے قائد ہیں، ان کا وجود اللہ کی رحمت ہے، وہ متقی پرہیزگار اور جید عالم دین ہیں، ان کی قیادت ہی میں اہل سنت کا فائدہ ہے۔ میں احمد سعید کاظمی مولانا کے تمام فیصلوں کا پابند ہوں، میں ان کو اللہ تعالیٰ کا ولی سمجھتا ہوں، وہ میرے قائد ہیں، میں ان کا ایک رکن ہوں، ان کی مخالفت گناہ اور ان کی قیادت اللہ کی رحمت ہے''۔ (تجدید و احیائے دین کا جہان ص ۱۲۶)

اور یہ نکتہ بھی واضح ہے کہ آپ نے کبھی بھی ایسا مجادلہ نہیں کیا جو باعث نفرت و بیزاری ہو بلکہ اپنی شیریں کلامی، اپنی نصیحت آمیز گفتگو سے عوام پڑھے لکھے لوگوں کے قلوب کو بھی خوب خوب متاثر کیا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جماعت اہل سنت کے سرکردہ افراد ہی آپ کی شخصیت سے متاثر ہوئے ہوں بلکہ سچائی یہ ہے کہ آپ کی حکمت عملی و وعظ و پند سے اغیار بھی آپ کی بارگاہ میں سرنگوں نظر آتے ہیں، اگر آپ نے قرآن حکیم کی حکمت عملی پر عمل نہ فرمایا ہوتا تو ایسے لوگ جو نظری طور سے آپ کے مخالف تھے وہ قطعاً آپ کو اپنا پیشوا اور رہبر تسلیم نہ کرتے۔ اس سچائی سے کون انکار کرسکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایسی پر اثر شخصیت تھی کہ وہ لوگ جو دیوبند و ندوہ کی فضیلت کی ڈگری لیے پھرتے تھے اور جن کو اپنی ہمہ دانی کا زعم باطل تھا وہ بھی آپ کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کیے نظر آتے تھے، کیا وہ مجادلہ آرائی کرنے اور غیر مناسب طریقہ سے مجلس مناظرہ کے منعقد کرنے یا اشتعال سے لبریز تقریروں سے وہ متاثر ہوئے تھے؟ ایسے وعظ و پند تو قلوب انسانی کو متاثر کرنے کی بجائے ان میں عناد و نفرت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور یہ جذبہ وہ چیز ہے جو تبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے اس کو دور کرنا اور اچھی نصیحت سے لوگوں کو مائل کرنا ہر داعیِ حق کے لیے ضروری ہے، اس پر مکمل طور سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمل کیا تھا، انہوں نے بغض اور عناد کی ساری دیواریں مسمار کردی تھیں، نفرت و بیزاری کے طریقے پر عمل کرنے کے بجائے حکمت و موعظت سے قلوب انسانی کو مسخر کیا تھا۔ اپنی قیادت کا وہ جوہر قوم و ملت کے سامنے پیش کیا تھا، جس کی نظیر دور دور تک نہیں ملتی ہے۔ اسی وجہ سے بجا طور سے آپ کو ''قائد اہل سنت'' کے لقب سے یاد کیا گیا اس لیے کہ قائد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنوں اور غیروں سب پر گہری نظر ڈالے، اپنی جوہر بلاغت کا مظاہرہ کرنے کے لیے مقتضائے حال و مقتضائے زمانہ کے مطابق اپنا مشن جاری رکھے ورنہ ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

(۲) دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر قائد اپنی جد و جہد، اپنی جگر کاوی و جگر سوزی، اپنی محنت و جاں فشانی کے ذریعے کسی مادی منفعت کا خواستگار نہ ہو۔ وہ دنیا کی تمام آلائشوں و خواہشوں سے بے نیاز ہوکر رضائے حق کے لیے اور خدمت خلق کی خاطر فروغ اسلام کا کام کرے، قرآن حکیم نے انبیائے کرام کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے کلمات کی حکایت کی ہے۔ ''**ان اجری الا علی اللہ امرت ان اکون من المسلمین**'' (یونس، آیت: ۷۲) میرا اجر صرف اللہ کے ذمۂ کرم ہے اور مجھے حکم دیا گیا کہ اس کے اطاعت گزاروں میں سے رہوں۔

سورۂ ہود میں فرمایا گیا ہے:۔ ''**ان اجری الا علی الذی فطرنی افلا تعقلون**'' (ھود، آیت: ۵۱) میرا اجر صرف اس ذات کے ذمۂ کرم پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

اس آیت کریمہ میں حضرت ہود علیہ السلام کی زبان مبارک سے جو اعلان کیا گیا اس کی بلاغت لائق توجہ ہے فرمایا گیا جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو زندگی اور معیشت کا انتظام اس کے ذمہ کرم ہے، اس لیے دعوتِ حق کے صلے میں بندگان خدا سے اجر و مزدوری کا طلب گار رہنا عقل کے خلاف ہے۔ سورہ شعرا میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''**وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین**'' (الشعراء، آیت: ۱۰۹) میں تم سے اس دعوت پر کسی اجر کا طلبگار نہیں ہوں، میرا اجر تو جہانوں کے پروردگار کے ذمہ کرم ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول پر مکمل طور پر عمل کیا وہ بڑے زبردست عالم و فاضل تھے، دنیا والوں کے مادی فائدے سے بالکل بے نیاز رہ کر زندگی گزاری اور تاحیات اسلام کی خدمت کا نمایاں فریضہ انجام دیا۔ وہ حرص و طمع سے بالکل بے نیاز رہے اگر وہ اپنے پاس اس دار فانی کے مال و دولت کے جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو وہ کروڑوں کے مالک ہوتے، کراچی جیسے بڑے شہر میں ان

کا قیام تھا لیکن کسی عظیم الشان بلڈنگ میں نہیں رہتے تھے بلکہ مولانا معین الحق علیمی کا بیان ہے کہ ایک چھوٹے سے کرایے کے مکان میں رہتے تھے۔ یہی وہ بات ہے جوان کی بے لوثی و بے نفسی کی وجہ سے تمام معاصر مبلغین وقائدین سے ان کو ممتاز کرتی ہے، برصغیر کے مقررین وخطبا کو اگر آپ غور سے دیکھیں یا ان کے رہن سہن کا جائزہ لیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کے اندر شان استغنا نہیں پائی جاتی، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کا اگر مطالعہ کریں تو آپ ان کے بارے میں یہ یقین کامل ہوگا کہ ان کی ذات بابرکات میں شانِ استغنا ان کا وصف خصوصی ہے۔ میں طوالت کے خوف سے ایسے نظائر وشواہد سے صرف نظر کرتا ہوں جن سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ حرص دنیا سے بالکل بیزار تھے اس بنا پر کوئی عقل مند آدمی ان کو مورد الزام نہیں قرار دے سکتا کہ ان کی ساری تگ ودوان کا جہد مسلسل دنیا کے لیے تھا۔

(۳) تیسرا اصول یہ ہے کہ کوئی داعی حق اپنی دعوت وتبلیغ میں کامیابی وکامرانی کی منزل طے نہیں کرسکتا جب تک کے اس کے دل میں خلق خدا کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ موجزن نہ ہواور اس کی غلط کاریوں اور گمراہیوں سے قلق واضطراب میں مبتلا نہ ہو جاتا ہو، آپ اگر قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہدایت ورہبری کے معاملے میں انسانیت کے سچے بہی خواہ و ہمدرد تھے۔ رات رات بھر اسی غم میں ڈوبے رہتے تھے۔ خدائے قدوس کی بارگاہ میں اپنی پیشانی جھکا کر دعا کرتے تھے کہ گمراہ انسان کو ہدایت پر لگا دے۔ اس غم میں اتنا گھل گئے تھے کہ قرآن حکیم نے آپ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ ''فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا '' (الکہف، آیت:۶) تو ممکن ہے آپ ان کے پیچھے غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرڈالیں گے اگر وہ قرآن مقدس پر ایمان نہ لائیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عاشقِ رسول ونائبِ رسول تھے، وہ سیرتِ نبوی کی پیروی کو اپنا سرمایۂ افتخار تصور کرتے تھے، تہجد کی نماز ان کے اوپر فرض نہیں تھی لیکن وہ اسے پابندی سے ادا کرتے تھے۔ وہ رات کی تنہائی وسناٹے میں بڑے درد وکرب کے ساتھ دعا کرتے تھے، ان کی دعا اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتی کہ دنیا میں ان کو ترقی عطا فرمائے، ان کی دعا کا خاص محور قوم وملت کی فلاح وبہبود تھی۔ ان کی آنکھیں اس وقت نم ہوجاتی تھیں یعنی انتہائی رقیق القلب ہوجاتے تھے جب ملت اسلامیہ کے عروج وارتقا کے لیے دعا کیا کرتے تھے، وہ اس فکر میں ڈوبے رہتے تھے کہ جس قوم نے دنیا کو جہاں بانی کا درس دیا تھا وہی قوم آج ذلت وخواری کے عمیق غار میں پڑگئی ہے، وہ دعا فرماتے تھے کہ اے رب ذوالجلال! اس قوم کو سربلندی عطا فرما، اس کو عقل ودانش سے سرفراز فرما، وہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ'' آج احقر بڑے ادب واحترام و بصد عجز ونیاز چند گزارشات پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے، ہمارے لوگوں کی ایسی حالت ہے کہ اس نے میرے جیسے کتنے حساس لوگوں کو تڑپا رکھا ہے'' یہ چند جملے جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اس سے محسوس کیا جاسکتا ہے کہ جس ذات اقدس کے وہ عاشق وشیدا تھے، جس پر اپنی جان کو نثار کرنا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی، اسی کے آئینۂ سیرت میں دیکھ رہے تھے کہ اس وقت تک کوئی کارنامہ نہیں انجام دیا جاسکتا جب تک کہ قوم وملت کی خیر خواہی، اپنے پرائے سے ہمدردی کا جذبہ خانۂ قلب میں مستتر نہ ہو۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انسانیت کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار ہوکر دعوت حق کا پیغام تمام انسانوں کو پہنچاتے تھے۔ یہی ان کا خلوص ہے، یہی ان کا جذبۂ دروں ہے جو ہمیشہ ان کو بے قرار رکھتا تھا، کبھی بھی ان کے دلِ بیقرار کو قرار نہیں آیا، یہ باریک نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے خلوص سے انہوں نے ایک بڑی جمعیت کو راہ راست پر لگانے کی کوشش کی تھی اور اسی خیال میں ہمیشہ سرگرداں وپریشان رہتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کے متعلق راقم نے الفاظ کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ان کی عظیم شخصیت کا جائزہ لینے میں کسی جانب داری کا پہلو میرے سامنے نہیں تھا۔ صرف یہ دیکھ رہا تھا کہ اس دنیا میں خصوصاً برصغیر میں ہندوپاک میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ابھری جس کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہو کہ اپنے پرائے سب کو اپنی قوت تاثیر سے صحیح راستہ پر گامزن کرنا اپنا دینی واخلاقی فریضہ تصور کرتی ہو، صرف ان کی ذات تنہا تھی جو اپنی جماعت اوراغیار دونوں کے لیے لائحہ عمل بن سکتی تھی، خدائے تعالیٰ ہم سب کو ایسا ذوقِ سلیم عطا فرمائے کہ جب ہم قوم وملت کی اصلاح کا بیڑا اٹھائیں تو ہمارے سامنے قرآن حکیم کے اصول وسیرت نبوی کا دستور ہو اور ہم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دین اسلام کی خدمت کے لیے تڑپتے رہیں، آمین ثم آمین۔

کاش! قوم مسلم ان کے نقش پا کو سینے سے لگاتی تو وہ کامیابی وکامرانی کے بہت سے منازل طے کرلیتی۔

☆☆☆

علامہ ارشد القادری کا جذبۂ دعوت وتبلیغ

مشتاق احمد چمپارنی ⭑

یوں تو اس دارِ فانی میں نہ جانے کیسے، کیسے افراد آئے اور رختِ سفر باندھ کر چلے گئے، اس زمین نے نہ جانے کیسے، کیسے افراد کو جنم دیا اور چند سالوں کے بعد انہیں اپنی آغوش میں لے لیا، کتنے تو ایسے آئے کہ نہ تو اُن کی آمد کی خبر ہوئی اور نہ ہی ان کی رحلت سے کسی کو صدمہ پہنچا، کچھ افراد ایسے بھی آئے جو یہاں کی رنگینیوں میں گم ہو گئے اور وہ بھی اوروں کی طرح چل بسے، جنھوں نے نہ تو اپنے لیے کوئی ایسا کام کیا جو اُن کے لیے کارِ خیر ثابت ہو، اور نہ ہی اپنے بعد کے لوگوں کے لیے کوئی ایسی یادگار چھوڑی جو اُن کے لیے نقوش فکر اور مشعل راہ بن سکے۔ یقیناً وعدۂ الٰہی کے مطابق اس کائنات کے ذرے ذرے کو ایک نہ ایک روز ضرور فنا ہونا ہے۔ گرچہ یہ فنا ایک آن اور ایک لمحہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو مگر اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس فرش نما، زمین پر ایسی بھی برگزیدہ ہستیاں نمودار ہوئیں جو اس آن کے بعد بھی ان کے نصیبے میں حیات ابدی مقرر ہوئی یا یہ کہ وہ اپنے کردار وعمل کی بنیاد پر ہمیشہ کے لیے زندہ وجاوید ہو گئیں۔ ان بزرگ اور ستودہ صفات ہستیوں میں ایک ذات ایسی بھی جسے دنیائے سنیت رئیس القلم، مبلغ اسلام، فاتح یورپ وایشیا، بانیٔ مساجد ومدارس کثیرہ، مصنف زلزلہ اور زیروزبر اور مناظر اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام سے جانتی ہے جو عوام وخواص میں محتاج تعارف نہیں۔ یہ پیدا تو ہوئے ''بلیا، یوپی'' میں لیکن ان کے علم اور دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کی شہرت وسطوت شرق وغرب، شمال وجنوب بلکہ ہر سو، افق کی روشنی کی طرح پھیل گئی۔

قائدِ اہل سنت کے کارنامے کسی ذی شعور، عدل پسند، منصف مزاج کی نگاہ سے مخفی نہیں، بلکہ ان کی ذات ان کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ وہ اپنے تصنیفی، تعمیری، تنظیمی، تحریری، تقریری، دعوتی، تبلیغی، ملی اور جماعتی کاموں کی بنا پر معاشرہ، مساجد ومدارس، خانقاہوں اور اداروں میں ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کو ربِّ قدیر نے جہاں بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا وہیں آپ کے قلب وجگر میں جذبۂ دعوت وتبلیغ اس طرح موجزن فرما دیا تھا کہ آپ اس میدان کے یکتائے روزگار نظر آتے تھے۔ آپ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے نہ جانے کتنے انسانوں نے راہِ حق پائی اور ان کے قلوب واذہان روشن اور تابناک ہوئے۔ آپ دعوت وتبلیغ کے لیے کتنا زیادہ پریشان اور سرگرداں رہتے اور اس کے لیے اطراف عالم میں اسفار کرتے اس کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے جس کو آپ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''زیروزبر'' کے منظر عام پر تاخیر سے آنے کے سلسلے میں تحریر فرمایا ہے۔

''اعلان کے مطابق اس کتاب کو کئی سال پیشتر آ جانا چاہیے تھا لیکن غیر معمولی تاخیر کی وجہ کچھ تو میری کاہلی اور گوناگوں قسم کی مصروفیات اور سب سے بڑی وجہ ملک کے طول وعرض میں وہ مسلسل اسفار ہیں جو تبلیغی، تنظیمی اور جماعتی مسائل کے سلسلے مجھے پیش آتے رہے'' (زیروزبر از علامہ ارشد القادری)

اس مردِ مجاہد کی دوررس نگاہ نے جب دیکھا کہ اہل سنت وجماعت کے مابین انتشار وافتراق نے جنم لے لیا ہے اور کوئی ایسی تنظیم نہیں جو مسلمانوں کی آواز کو ایوانِ بالا تک پہنچا سکے اور ان کی دعوت وتبلیغ میں دامے دِرمے قدمے سخنے مدد کرے اور ان کا ہاتھ بٹا سکے تو آپ پریشان ہو جاتے ہیں، کس درد وکرب سے بے چین

ہو جاتے ہیں اس کو خود ان کی زبانی ملاحظہ کریں:

''اہلِ سنت کے درمیان لامرکزیت اور دستوری قیادت کے فقدان کا ماتم ایک عرصۂ دراز سے کیا جا رہا ہے یہاں تک کہ اب ہماری سنجیدہ محفلوں کا موضوعِ سخن ہی یہ بن گیا ہے۔ جہاں تک جماعتی شیرازہ بندی کے لیے کوشش کا تعلق ہے، ہمارے علما نے متعدد بار اس کے لیے کوشش فرمائی، ملک کے طول وعرض سے جماعت کے ذمّے داران علما بھی جمع ہوئے، پُر جوش امنگوں کے سایہ میں کل ہند سطح پر جماعتوں کے تنظیمی ڈھانچے بھی تیار کیے گئے لیکن ساری جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ یکے بعد دیگرے کل ہند سطح پر کئی تنظیمیں ہمارے یہاں وجود میں آ گئیں اور تماشا یہ ہوا کہ کوئی تنظیم اپنے لیٹر پیڈ یا اپنے سائن بورڈ اور اپنے مخصوص حلقہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔''

(ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد، ستمبر ۱۹۷۹ء)

قائدِ اہل سنت نے دیکھا کہ دیگر فرقہ ہائے باطلہ اپنے افکار ونظریات کی ترویج واشاعت کے لیے ملکی سطح پر تنظیمیں قائم کر رہے ہیں، دعوتی سرگرمی کو عام کرنے کے لیے ادارے قائم کر رہے ہیں اور ان کے دام فریب میں ہمارے ناخواندہ مسلم حضرات گرفتار ہوتے جا رہے ہیں تو ایسے حالات میں علامہ ہی کی ذات ہے جس نے سوچا کہ اگر فوری طور پر باطل عقیدے کا قلع قمع کرنے کے لیے اقدام نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ عوام اپنے ایمان وعقیدے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی اور ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کے مصداق بن جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے شدت سے محسوس کیا کہ بیرونِ ملک کسی ایسی تنظیم کا ہونا ضروری ہے جس کے تحت عوام کے مسائل حل کیے جائیں۔ اس لیے آپ نے علمائے کرام سے رابطہ کیا اور ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم امجدیہ کراچی میں علامہ شاہ احمد نورانی، حضرت مفتی وقار الدین رضوی اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہم الرحمہ کے مشورے اور ان کی تعاون سے ''دعوت اسلامی'' کی بنیاد ڈالی اور مولانا الیاس عطار قادری کا انتخاب اس کے امیر کے طور پر عمل میں آیا۔

اس طرح قائد اہل سنت نے دیگر متعدد ممالک کا دورہ کر کے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا، علما ومشائخ کو جمع کر کے ان سے تبادلۂ خیال کیا کہ ملکی سطح پر دعوت وتبلیغ کے لیے ہماری بھی کسی ایسی تنظیم کا ہونا ضروری ہے جس کے پرچم تلے مسلمانوں کے مسائل حل کیے جا سکیں چنانچہ آپ کی مساعی جمیلہ اور علامہ نوشاہی اور علامہ شاہ احمد نورانی کی مشاورت کے نتیجے میں مکہ مکرمہ جیسی مقدس سرزمین پر ایک عالمی تنظیم بنام ''الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ'' ۱۹۷۲ء میں منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہوئی جو ورلڈ اسلامک مشن کے نام سے کئی ملکوں میں نمائندہ تحریک کی حیثیت سے مصروف عمل ہے۔

الحمدللہ! دیکھتے دیکھتے یہ تحریک عالم گیر سطح پر ایک نمائندہ بن کر ابھری اور امت مسلمہ کے بہت سارے مسائل کو حل کیا۔ ہنوز قوم مسلم کی فلاح وبہبود کے لیے کوشاں ہے۔ اس مشن کے وفود نے کئی ممالک کا دورہ بھی کیا، چنانچہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۳ء میں سرزمین ایران پر بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس تنظیم کے سرکردہ علما نے شرکت کی مثلاً علامہ قمرالزماں اعظمی، مولانا شاہد رضا، مولانا قاری اسماعیل اور قائد اہل سنت بھی بنفس نفیس حاضر ہوئے۔ آپ نے ایرانی مسلمانوں کی ابتر صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے، مذکورہ مشن کے حوالے سے عالم اسلام کو یہ پیغام دیا:

''اس وقت ایران میں مذہبِ اہلِ سنت جس نزع کے عالم میں ہے اگر فوری طور پر اس کے رگوں میں خون نہیں فراہم کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ دس پندرہ سال میں سنی مذہب ایران سے ختم ہو جائے گا اس لیے ہم عالم اسلام کے سارے سنی عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ تہران کے پتے پر خمینی صاحب ایران کو اس مضمون کا ٹیلی گرام دیں کہ ''جمہوریۂ ایران'' کے مطابق سنی مسلمان کے مذہبی اور شہری حقوق بحال کیجئے۔'' (سالانہ مجلّہ کاروان رئیس القلم ص ۴۶ر، ۲۰۰۸ء)

اسی دوران قائد اہل سنت نے ایران کے جابر وظالم حکمراں سے ملاقات کی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے ہوئے ایران کے سُنّی مسلمانوں کے حقوق کے تعلق سے بے خوف کلام فرمایا، گفتگو کے بعض حصے کچھ اس طرح ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

(۱) ''تہران جہاں پانچ لاکھ سُنّی مسلمان آباد ہیں انھیں آج تک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ملی، جب کہ عیسائیوں کے بارہ گرجے،

ہندوؤں کے دو مندر، سکھوں کے تین گرودوارے، یہودیوں کے دو عبادت خانے اور مجوسیوں کے دو آتش کدے موجود ہیں لیکن سنی مسلمانوں کی ایک مسجد بھی نہیں۔

(۲) بادشاہ کے زمانے میں عیدین کی نماز سنی پارک میں پڑھتے تھے لیکن جب سے مذہبی حکومت قائم ہوئی، عید کے دن اس پارک پر مسلح افواج کا پہرہ بٹھادیا گیا اور انھیں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔

(۳) نماز جمعہ کے لیے مذہبی حکومت مجبور کرتی ہے کہ وہ تہران کی یونیورسٹی کے میدان میں شیعہ امام کی اقتدا میں جمعہ کی نماز پڑھیں، لیکن اس کے باوجود سُنّی حضرات وہاں نماز نہیں پڑھتے، بلکہ پاکستانی سفارت خانے میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، واضح رہے کہ تہران یونیورسٹی کے میدان میں جمعہ کی نماز ایران کے ایک اعلیٰ افسر پڑھاتے ہیں جو شیعہ فرقہ کے ایک مذہبی رہنما ہیں۔

(۴) ایران کے سنی مسلمانوں نے اپنی مذہبی تبلیغ واشاعت اور اپنی اجتماعی فلاح و بہبود کے نام سے ایک تنظیم بھی قائم کی تھی تو مذہبی حکومت نے اسے خلاف قانون قرار دیا۔

(۵) سرکاری اسکولوں کا نصاب بدلا جارہا ہے اور نئے نصاب میں شیعہ مذہب کے عنصر شامل کیے جارہے ہیں، تاکہ سنیوں کے بچے غیر شعوری طور پر شیعہ مذہب کے پیرو بن جائیں۔

(۶) ایران میں اہل سنت کی تعداد ۳۵ رفیصد ہے۔ شاہ کی سامراجی نظام کے خلاف لڑی جانے والی جنگ آزادی میں شیعوں کے دوش بدوش ہزاروں سنیوں نے بھی جان ومال کی قربانیاں دی ہیں، اسلامی جمہوری حکومت کہلانے والی جمہوری حکومت میں انھیں جو حصہ ملا ہے وہ ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے بالکل نہیں کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ۲۷۰ رممبران پارلیمنٹ میں اہل سنت کی تعداد صرف نو ہے جبکہ تناسب آبادی کے اعتبار سے ایک تہائی سے زیادہ کے حقدار تھے اُن کی تعداد کم سے کم ۸۰ رفیصد ہونی چاہیے۔

(۷) ایران کے سُنّی مسلمانوں میں تعلیم یافتہ افراد کا تناسب صرف ۲ رفیصد ہے۔ اس کے معنی یہ ہے کہ وہ اعلیٰ صلاحیتوں کی بنیاد پر کبھی بھی اس قابل نہ ہوسکیں گے کہ جمہوری حکومت میں وہ اپنا واجبی حصہ پاسکیں اور حکومت کی موجودہ پالیسی کے پیش نظر امید بھی نہیں ہے کہ آئندہ اہل سنت کا تعلیمی تناسب بڑھ سکے گا، اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھتے ہوئے ان کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ (رئیس القلم نمبر ص ۲۰۶، ۲۰۰۲ء)

اسی طرح دینی، دعوتی اور تبلیغی مرکز بنام ''جامعہ مدینۃ الاسلام'' ہالینڈ میں قائم کیا جو آج ورلڈ اسلامک مشن کے تحت چل رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ مرکز بہت زیادہ سرگرم عمل ہے جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں علما مختلف زبانوں پر عبور حاصل کر کے دعوت وتبلیغ کے مبارک ومسعود عمل بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

غرض کہ اس مرد مجاہد کے دل میں جذبۂ دعوت وتبلیغ اس طرح پیوست تھا کہ انھوں نے درون ملک کے علاوہ بیرون ملک تک کا دورہ کیا، وہاں کے حالات کا جائزہ لیا جہاں جیسی کمی محسوس کی، ازالہ کے لیے حتی المقدور کوشش فرمائی۔ ادارے قائم کیے۔ مساجد کی بناڈالی۔ دعوت وتبلیغ کے مراکز قائم کیے۔ بلا شبہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان ایک ذات ہی نہیں بلکہ مکمل ایک تحریک کی حیثیت رکھتے تھے۔ جدھر کا بھی رخ کیا باطل کا قلع قمع کر کے اہل سنت وجماعت کا پرچم نصب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی ان کی خوبیوں کو اعتراف کیا اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ علامہ اپنے دین ومذہب کی ترویج واشاعت اور دعوت تبلیغ میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کے تاریخی، دعوتی، تبلیغی، ملی اور جماعتی کارناموں کو تا قیامت دنیا یاد رکھے گی۔ آپ کا تحریری سرمایہ جب تک باقی رہے گا اہل علم پڑھ کر نیا عزم وحوصلہ پائیں گے اور اسلام کی نشر واشاعت کا جذبۂ بے کراں ان کے سینوں میں موجزن ہوتا رہے گا۔

شاعر کہتا ہے:

فوجِ حق کا دلیر سویا ہے
کرکے باطل کو زیر سویا ہے
ڈال کر رخ پہ خاک کی چادر
اعلی حضرت کا شیر سویا ہے

☆☆☆

علامہ مشتاق احمد نظامی اور سنی تبلیغی جماعت

مفتی ولی محمد رضوی ⭑

تبلیغ وہدایت ایک اہم امر دینی ہے۔ اس کے لیے خدائے قدیر نے حضرت آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک انبیا ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کی عزت مآب جماعت کو مبعوث فرمایا، اس مقدس جماعت کے آخر میں امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اس مبارک سلسلے کی تکمیل ہوئی، آپ کا دین قیامت تک باقی رہے گا، حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائبین و وارثین ہر دور میں ہوئے اور سب نے رضائے الٰہی کی طلب میں یہ خدمت مخلصانہ طور پر انجام دیں، چودھویں صدی اس ملت کے لیے بڑی آزمائش وامتحان میں گزری مگر خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے علمائے دین وحکمائے اسلام نے کار تبلیغ وہدایت میں کبھی کوتاہی نہیں کی، اصلاح معاشرہ اور عوام کی ہدایت کے لیے ہر میدان میں مجاہدانہ سرگرمیاں دکھائیں، جہاں کہیں باطل نے گمرہی پھیلائی تو اس کے سامنے سد سکندری بن کر ڈٹ گئے، مباحثہ ومناظرہ کرکے احقاقِ حق وابطالِ باطل کا فریضہ انجام دے کر سُنتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے جلوے دِکھا کر سرخرو ہوئے۔

بے دینوں اور بد مذہبوں نے کتب ورسائل کے ذریعے عوام کو مکر وفریب میں مبتلا کرکے راہِ ہدایت سے ہٹانے کی کوششیں کیں تو مردانگی کا ثبوت دیتے ہوئے علمائے اہل سنت نے اہل سنت وجماعت کے نظریات کا تحفظ کیا۔ اس سلسلے میں کئی ایک نام پیش کیے جاسکتے ہیں، مگر ہم اس وقت ایک محبوب ومقبول مناظر افتخار ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کا نام پیش کرتے ہیں جو میدان کے مجاہد وغازی تھے، علم وفضل میں بے مثال تھے۔ آپ نے تاحیات زریں خدماتِ دین انجام دیں۔ فاضلانہ وعالمانہ طور پر آپ کی قلمی خدمات لائق تحسین ہیں۔ اہل علم نے ان سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔ آپ کی مناظرانہ صلاحیت ایک عرصے تک اپنا رنگ ڈھنگ دکھاتی رہی۔

جب بے دین وگمراہ لوگوں نے سر اٹھایا خدائے قدیر نے فتح ونصرت کی دولت سے آپ کو فتح یاب فرمایا اور اہلِ سنت کے دل باغ باغ ہوگئے، بھٹکے ہوئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد راہِ ہدایت پر آگئی اور اہل حق میں شامل ہوکر انہوں نے کامیابی کی معراج حاصل کی۔ جب گمراہ ٹولہ میدانِ مناظرہ سے فرار ہونے لگا تو اس ٹولے نے تبلیغی جماعت کے ذریعے اہلِ سنت کی مساجد میں فتنہ وفساد کے بیج بونا شروع کیے۔ تبلیغی جماعت نے اپنی ظاہری پالیسی نماز، کلمہ کے نام پر بھولی بھالی عوام کو گمراہ کرنا اور ان کے ایمان پر رہزنی کرنا شروع کی تو سادہ لوح حضرات اُن کے فریب میں آگئے، چالیس دن کا چلہ کیا اور پھر پکے وہابی بن گئے، خود تبلیغی جماعت کے لوگوں نے کہا ہے کہ کلمہ، نماز تو اُن کے الف باء تاء ہیں حقیقت میں ان کا مقصد ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے۔

وہ نئی قوم کون سی ہے جو ہر جگہ دکھائی دیتی ہے، جہاں

⭑ سربراہ سنی تبلیغی جماعت، باسنی ناگور، راجستھان

اولیائے کرام کے آستانوں سے دوری ضروری ہے، رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میلاد سے دوری ضروری ہے، یارسول اللہ کہنے پر مجرم قرار دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ماں باپ سُنّی ہیں تو بیٹا بیٹی وہابی ہیں، فتنہ وفساد کی آگ گھر گھر میں پھیل گئی اور اختلاف وانتشار کی نحوست سے قوم مسلم تباہ ہونے لگی۔

اس قسم کے حالات کو دیکھ کر ہمدردان ملت متفکر تھے۔ بلند حوصلہ وہمت کے حامل علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ ۱۹۷۸ء سے برابر مجالسِ علما واہلِ فضل کے مابین یہ مسئلہ بڑی دلسوزی سے پیش کرتے رہے اور جب کسی طرف سے کوئی پیش قدمی عملی طور پر نظر نہیں آئی تو پرسوز عزائم کے ساتھ خدائے قدیر کے بھروسے پر آپ نے بارگاہِ غریب نواز میں حاضری دی اور اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے آپ کے وسیلے سے دعا کی پھر اس میدان پرخار میں قدم رکھا، عنایتِ خدا ورسول اور فیضانِ غوث و خواجہ کے سائے میں آپ نے اپنا کام آگے بڑھایا، راجستھان بھر کا دورہ کیا، علما کی میٹنگیں لیں اور درد بھرے جذبات سے مقصد جماعت پیش کیا کہ تبلیغی جماعت کی گمراہیت اور فریب کاری کے لیے اس وقت مجھے سُنّی تبلیغی جماعت کی ضرورت محسوس ہورہی ہے تاکہ ائمہ مساجد بیدار ہوں اور کسی باجماعت نماز کے بعد درسِ قرآن وحدیث کا سلسلہ جاری کریں، نمازیوں کو نماز وطہارت وغیرہ کے مسائل سکھائیں، اس سلسلے کے ہوتے ہوئے کوئی جماعت آجائے تو ان سے الجھے بغیر ان کو دعوت دی جائے کہ آپ جو کام کرنا چاہتے ہیں یہ وہی کام ہورہا ہے آپ بھی بیٹھیں اور سنیں۔ اس طرح وہ مجبور ہوکر بیٹھ جائیں گے پھر اہل سنت کے طریقے کے مطابق کھڑے ہوکر یا نبی سلام علیک کا نورانی ترانہ پڑھیے، اب یہ لوگ بادلِ نخواستہ کھڑے ہوکر پڑھیں گے، پھر اپنا سا منھ لے کر بھاگ جائیں گے، اگر حوصلہ مندی سے اپنا کام جاری رکھا تو چند بار آنے کے بعد خود ہی توبہ کرلیں گے کہ یہاں کے سُنّی بیدار ہوگئے ہیں، یہاں ہمیں ان کے معمولات پر عمل کرنا پڑتا ہے اس لیے نہ آیا جائے۔

سبحان اللہ! کتنا آسان اور اچھا نسخہ ہے نجدیت کی گمراہی سے بچنے کا۔ اگرچہ پاسبانِ ملت نے کئی علاقوں میں کام شروع کیا اور آپ نے مدبر قوم کی حیثیت سے سنیت کے جذبات میں بیداری پیدا کئے، حوصلہ افزائیاں کیں، اصاغر نوازی فرمائی۔ بیج ڈالنا آپ کا کام تھا اور اس کی آب یاری کرنا علمائے اہلِ سنت واحباب کی ذمّے داری تھی، کام کی ابتدا پوسٹر اور کتابچوں سے ہوئی۔ آپ نے خود قلمی واشاعتی تعاون فرمایا اور اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانے کی سعی جمیل فرمائی۔

مگر قربان رحمتِ رب کے اور اس کی خصوصی عنایات پر کہ اس سلسلے میں اہلِ باسنی نے اچھے جذبات کا مظاہرہ کیا اور آپ کے لگائے ہوئے پودے کو سیراب کرنے لگے۔ بحمدہٖ تعالیٰ آج تیس سال سے سنی تبلیغی جماعت شب وروز تبلیغ دین کا کام کررہی ہے۔ ابتدا میں بلا دعوت ہر جمعرات کو تبلیغی دورے کیے گئے، راجستھان کے دیہاتوں اور قصبوں میں عوام کو بیدار کیا گیا، دینی تڑپ پیدا کی گئی، مگر عرصۂ دراز سے جہالت وبدعات میں زندگی گزارنے والے ایک ایک رات میں کہاں تبدیلی لانے والے تھے، جو پیاس سے تڑپ رہے ہوں دو بوند سے کب وہ سیراب ہوسکتے تھے ان کو تو آبِ شیریں سے بار بار سیراب کرانے کی ضرورت تھی، اس ضرورت کے پیش نظر اراکین جماعت نے قوم وملت کے غیور اور سخی حضرات کو قوم مسلم کی جہالت سے آگاہ کیا۔ ان کی آخرت کی بیداری کے اسباب کا

نقشہ پیش کیا اور اُن سے تعاون و امداد کے طالب ہوئے۔ الحمدللہ ! ناگوری قوم اس سلسلے میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ سخیوں نے تعاون کیا جس کے نتیجے میں قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، دین کی شمع روشن ہونے لگی، مدارس ومساجد قائم کیے گئے اور بحمدہ تعالیٰ دس بیس مدارس ہوتے ہوئے اب سیکڑوں کی تعداد میں ہو چکے ہیں اور ۲۵ ہزار طلبہ وطالبات علومِ دینِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہو رہے ہیں۔

یہ فکر وشعورِ دینی دینے والی عظیم شخصیت علامہ نظامی کی ہے آپ مجالس میں فرماتے کہ ہم کو وہابیہ دیابنہ کے مقابلے میں جوابی جلسہ کرنا پڑتا ہے، آپ لوگ اصلاحِ معاشرہ کی کوشش میں لگے رہیں اور عوام کو درس دیا کریں، سُنتِ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی ہدایت کریں، سیرتِ مصطفیٰ علیہ الصلوۃ و السلام کے اہم گوشے احباب کو سنایا کریں، اس طرح گمراہ فرقوں سے نجات بھی مل جائے گی اور قوم کی دینی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی، ائمہ وعلما کی قدر بھی عوام کے دلوں میں پیدا ہو گی اور اُن کو اپنے علما کا ادب کرنے کا سلیقہ بھی آجائے گا، آپ سے عوام قریب رہے گی تو گمراہ لوگ ان کو فریب نہیں دے سکیں گے۔ علامہ کا یہ کارنامہ یادگار ہے ایسے رہنما وقائد حقیقت میں قومِ مسلم کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔

علامہ نے جس خلوص وجذبۂ مومنانہ سے یہ قدم اُٹھایا تھا وہ واقعی ایک مِلّی تقاضا تھا اور اس کے ثمرات آپ کی حیات میں بھی نظر آئے۔ شہر ناگور شریف، شیرانی آباد، گھاٹو اور گوٹن وغیرہ میں جماعت کی قابل تقلید شاخیں قائم ہوئیں، بالوزہ، جیسلیمر وغیرہ میں بھی ایسے ہی منظّم طریقے سے دین وسنیت کا کام ہو رہا ہے، قومِ مسلم کو دین وسنیت کے لیے نیک جذبات پیدا کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، ضرورت ہے کہ علامہ کے مشن کو فروغ دیا جائے اور اس کام کو آگے بڑھایا جائے، سنی دعوت اسلامی وغیرہ تحریکیں جو اہل سنت نے قائم کیں وہ اسلاف کرام کے مقاصد حسنہ کی تکمیل کے لیے ہی قائم ہوئی ہیں، جو مسلک و مذہب کا کام بحسن وخوبی انجام دے رہی ہیں اور کئی شہروں میں ان کی تبلیغ و ہدایت کے نقوش نظر آرہے ہیں۔ اگر چہ نام بظاہر مختلف ہیں مگر کام ومقصد ایک ہی ہے۔ ہاں ہمارے لیے ضروری ہے کہ کسی طرف سے بھی اسلاف کے افکار ونظریات میں کمزوری نہ آنے دیں، ان کی قربانیوں کو فراموش نہ ہونے دیں اور جلد بازی میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے اکابرین کی روحیں بے قرار ہوں۔ یہ بڑا پرفتن دور ہے، امتحان کا وقت ہے، قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ باطل اپنے فاسد نظریات پھیلانے میں لگا ہے تو ہمیں اپنے مفید اور صحیح اسلامی نظریات پھیلانے کی ضرورت ہے۔ علما وقائدین کی ذمے داری ہے کہ باہم مشوروں سے اچھے کام کو انجام دیں تاکہ حق کا بول بالا ہو اور باطل اپنی موت مر جائے۔

مولیٰ تعالیٰ ہم سب سے خلوص کے ساتھ دین وسُنّیت کا کام لے، تمام سنی تحریکوں کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، ہمیں اسلام کے روحانی فیوض وبرکات سے مالامال فرمائے اور علامہ نظامی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے مشن کو اور زیادہ فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تحریک کے اراکین ومعاونین کے عزم وحوصلے میں مزید توانائی عطا فرمائے اور اس راہ میں پیش آنے والی تکالیف کو دور فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین

☆☆☆

باب ششم

دعوت وتبلیغ میں خواتین کا کردار

اسلام نے جب آنکھیں کھولیں تو دنیا نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں میں جہاں مردوں کی خدمات وجاں فشانیوں کی تصاویر نظر آ رہی ہیں وہیں خواتین کے خدمات کی چمک بھی موجود ہے۔ ابتدائے اسلام میں انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کو نظر انداز کرنا بہت بڑی بھول ہوگی۔ ابتدائی دور کے بعد بھی ایسی خواتین پیدا ہوئیں جن کی خدمات سے ایک عالم متاثر ہوا۔ ان تمام خواتین کو تو ہم اس باب میں شامل نہیں کر سکے اور یہ کرنا بھی ممکن نہیں تاہم حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سمیت متعدد صحابیات کی خدمات شامل ہیں اور خواتین کی ذمہ داریوں اور طریقۂ کار پر بھی مضمون نگاروں نے سنجیدہ گفتگو فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعوتی خدمات

مفتیہ رضوانہ بیگم زرین ★

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام میں عظیم خواتین پیدا ہوئیں ان کے عظیم الشان کارنامے تاریخ کے صفحات پر لکھے ہوئے ہیں جن کی فہرست طویل ہے۔ مؤرخین نے ان کے درخشاں حالات زندگی قلمبند کیے ہیں جو تاریخ اسلام کا عظیم سرمایہ ہیں اور تاریخ کی یہ امانت خواتین اسلام کے لیے بیش بہا خزانہ ہے۔ رجال وسیر کا کوئی باب خواتین اسلام کے ذکر جمیل کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ انہیں میں سے جگر گوشۂ خلیفۃ المسلمین، شمع کاشانۂ نبوت، آفتاب رسالت کی کرن، مہر ووفا اور صدق وصفا کی دلکش تصویر جس کی شان میں قرآنی آیات نازل ہوئیں، جس کو حرم نبوی میں لانے کا اہتمام آسمان پر کیا گیا، جسے دین ودانش کے اعتبار سے پوری اُمت میں ممتاز مقام حاصل تھا، جسے دینی مسائل کے حوالے سے مرجع خلائق کا درجہ حاصل رہا، جسے اپنی زندگی میں لسانِ رسالت سے جنت کی بشارت حاصل ہوئی۔ جس کی گود میں سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ جنھیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

عام حالات: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبوت کے پانچویں سال ماہ شوال میں مطابق جولائی ۶۱۴ء میں پیدا ہوئیں، ہجرت سے تین سال پہلے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شادی ہوئی، ۹ برس کی عمر میں رخصتی ہوئی اور ۱۸ ربرس کی عمر میں بیوہ ہوئیں اور اسی بیوگی کے عالم میں ۴۸ سال بسر کیے۔ اس عرصے میں وہ تمام عالم اسلام کے لیے رُشد وہدایت اور علم وفضل کا مرکز بنی رہیں۔

دینی خدمات: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاق وعادات، جود وسخا، حلم وکرم، علم وعمل، آپ کا جنگوں میں شرکت کرنا، آپ کی فیاضی وبے باکی، یہ ایسے امور ہیں جو دین اسلام کے پروان چڑھنے میں معاون ہیں۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ فرمان ''تم قرآن وسُنّت کو مضبوطی سے تھامو'' (خطبہ حجۃ الوداع) اس حکم کے تحت فقہا نے سُنّت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک عبادی، دوسرا عادی۔ عبادی وہ افعال ہیں جو ثواب کی نیت سے بطور عبادت انجام پائیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: **مؤکدہ** جس کو آپ نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی ترک نہ کیا ہو۔ **غیر مؤکدہ:** جس کو آپ نے کبھی ترک کر دیا ہو۔ ''عادی'' وہ افعال ہیں جس کو آپ نے ثواب کے لیے عبادت کے طور پر نہیں بلکہ بطور عادت کیا کرتے تھے، یا کسی ذاتی یا وقتی ضرورت سے آپ نے کیا ہو۔

سُنّت پر عمل آوری کے لیے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال کو من وعن بیان کیا جائے اور یہ خدمت وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو سرکار سے زیادہ قریب ہو۔

چنانچہ یہ امر مسلّم ہے کہ محرم اسرار سے دوست واحباب، عزیز واقارب کی بنسبت بیوی بہت زیادہ دکھ جان سکتی ہے، چوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر فعل ایک قانون تھا، تو اسی بنا پر آپ کی بیویوں کو اس کے متعلق جس قدر ذاتی واقفیت کے ذرائع حاصل تھے، دوسروں کے لیے ناممکن تھے۔ کئی مسائل ایسے ہیں جنھیں صحابۂ کرام نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بنا پر کوئی مسئلہ بیان کیا وہ تو فوراً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اس کو ردّ فرما کر قیامت تک آنے والی نسل کے لیے محفوظ فرمایا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دینی خدمات دو حصوں میں منقسم تھی، ایک علمی، دوسری عملی۔

علمی خدمات: علمی حیثیت سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ صرف عورتوں بلکہ دوسری امہات المومنین پر اور چند صحابہ کرام کو چھوڑ کر تمام صحابۂ کرام پر فوقیت حاصل تھی۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کبھی کوئی ایسی مشکل پیش آئی جس کو ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں۔ (بخاری)

امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالمہ تھیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ قرآن، فرائض، حلال وحرام، حدیث وفقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر اور کسی کو نہیں دیکھا۔

خدمت حدیث: علمِ حدیث کا موضوع ہی سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سرکار کی خدمت گزاری کا موقع آٹھ دن میں دو مرتبہ حاصل ہوتا تھا، اس لیے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی تھی اور آپ کا حجرۂ مبارکہ درس گاہِ نبوی سے متصل تھا۔ اسی بنا پر ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی احادیث کی واقفیت اور اطلاع میں آپ کا حریف نہ تھا۔

آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ ہے، جن میں صحیحین میں ۱۲۸۶ احادیث مذکور ہیں۔ (سیرت عائشہ)

آپ کے تلامذہ کی تعداد دو سو تک بیان کی جاتی ہے، جن میں متعدد اکابر صحابہ کے علاوہ تابعین کی بھی بڑی تعداد شامل ہے۔

آپ کے روایت کرنے کا طرز یہ تھا کہ جب تک کسی واقعہ کو اچھی طرح نہ سمجھ لیتیں اسے روایت نہ کرتیں اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو آپ سے بار بار پوچھ کر تسکین کر لیتی تھیں۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم)

جن روایتوں کو آپ بالواسطہ سماعت کرتیں تو ان میں بہت احتیاط فرماتی تھیں اور آپ کے روایت کرنے کی خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتیں ان کی علتوں اور اسباب بھی بیان فرماتیں۔ جیسا کہ جمعہ کے غسل کے بارے میں تین احادیث بخاری میں یکے بعد دیگرے موجود ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو جمعہ میں آئے وہ غسل کرے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے۔

اسی مسئلے کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں ''لوگ اپنے اپنے گھروں سے اور مدینہ کے باہر کی آبادیوں سے آتے تھے اور گرد وغبار اور پسینے میں شرابور ہوتے جس کے سبب پسینے کی بو آتی تھی۔ ایک دفعہ ایک صاحب ان میں سے آپ کے پاس آئے اور آپ میرے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا: بہتر ہوتا اگر تم اس دن غسل کر لیا کرتے''۔

فقہی خدمات: عہد نبوت تک سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہی علم وعمل کا مرکز تھی۔ اس مقدس عہد کے بعد اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے اکابر صحابہ کے بعد مدینہ طیبہ میں چار لوگ فقہ وفتاویٰ کی مجلس کے مسند نشین تھے، جس میں ایک خاتون تھیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ غیر منصوص احکام کے فیصلوں میں ان چاروں کا طرز مختلف تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر کرتی تھیں اگر اس میں ناکامی ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں، پھر قیاس عقلی کا درجہ تھا۔ آپ سے مسائل کا استفسار کرنے کے لیے دور دراز سے لوگ آتے اور آپ کے علم سے فیض یاب ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا معمول تھا کہ ہر سال حج کو جاتیں، کوہ حرا کے پاس آپ کا خیمہ نصب ہوتا، تشنگانِ علم جوق در جوق آ کر حلقۂ تدریس میں شریک ہوتے، آپ سے مسائل دریافت کرتے، اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے بعض لوگ مسائل پوچھنے میں شرماتے تو آپ فرمایا کرتیں جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے وہ مجھ سے پوچھ سکتے ہو اور حقیقتاً وہ اپنے شاگردوں کو ماں ہی بن کر تعلیم دیتی تھیں۔ بہر حال آپ اسلام کی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے منصب اِفتا کو سنبھالا۔

طریقۂ تدریس: سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں علم کی اشاعت کے لیے صحابۂ کرام پھیل گئے تھے، مکہ، طائف، یمن، دمشق، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ لیکن درس گاہ اعظم مسجد نبوی کا وہ گوشہ جو حجرۂ نبوی کے قریب اور زوجۂ رسول کے مسکن کے پاس تھی۔

آپ کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ خاندان کے لڑکے لڑکیوں کو اور شہر کے یتیم بچوں کو اپنے آغوشِ تربیت میں لیتی تھی اور ان کی تعلیم وتربیت

کیا کرتی تھیں، تا کہ وہ سب دینی خدمات بحسن وخوبی انجام دیں۔

جن حضرات کو اندر جانے کا موقع نہ ملتا وہ افسوس کیا کرتے۔ بہر حال لڑکے عورتیں جن مردوں کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پردہ نہ تھا، وہ حجرے کے اندر آ کر مجلس میں بیٹھتے تھے اور بعض لوگ حجرے کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھتے، دروازے پر پردہ پڑا رہتا۔ پردے کے پیچھے وہ خود بیٹھ جاتیں لوگ سوالات کرتے اور آپ جوابات دیتیں۔ کبھی کوئی مسئلہ چھڑ جاتا تو استاد شاگرد اس خاص موضوع پر گفتگو کرتے۔ کبھی آپ خود کسی مسئلے کو چھیڑ کر بیان کرتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سُنتے۔ آپ اپنے شاگردوں کی زبان طرز ادا اور صحت تلفظ کی بھی سخت نگرانی کرتی تھیں، ۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ''بلغوا عنی ولو آیۃ'' آپ اپنے اس فریضہ کو نمایاں انداز سے ادا فرماتیں جس کے سبب تزکیہ نفس اور اصلاحِ اُمت کا کام بہتر طریقے سے ہوتا۔

بہر حال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ ہم کو قرآن کی ترتیب نزول کے اعتبار سے آپ ہی سے معلوم ہوئی۔ حدیث رسول کا علم دیگر رواۃ جہاں چند سطروں میں بیان فرماتے ہیں تو وہیں اس کی تفصیل آپ سے معلوم ہوئی۔ نماز کی کیا صورت پیدا ہوئی اور بالخصوص خواتین کے مسائل خواہ وہ طہارت کے لحاظ سے ہوں یا دیگر عبادات کے لحاظ سے وہ سب آپ ہی سے معلوم ہوئے۔ بعض تاریخی واقعات، ہجرت کے واقعات، جنگوں کے واقعات آپ ہی سے معلوم ہوئے۔ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روزانہ معمولات، ملبوسات، ماکولات، مشروبات کا علم آپ ہی سے ہوا یہاں تک کہ آپ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے اس کی اطلاع بھی آپ ہی سے ہوئی۔

عملی زندگی: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اوامر ونواہی کا خاص خیال رکھا کرتیں۔ آپ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری اور آپ کی مسرت ورضا کے حصول میں شب وروز کوشاں رہتیں۔ اگر آپ کے چہرۂ مبارکہ پر حزن وملال کا اثر نظر آتا تو بے قرار ہو جاتیں، تو آپ کا یہ فعل کل امت کی عورتوں کے لیے شوہر کی اطاعت کے باب میں بہترین اسوہ ہے۔

آپ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں۔ عورت اور قناعت یہ دونوں متضاد مفہوم ہیں لیکن آپ اس مفہوم سے مستثنیٰ تھیں، آپ کی ذات میں دونوں چیزیں جمع تھیں۔ آپ نے اپنی اِزدواجی زندگی انتہائی فقر وفاقہ کے عالم میں گزار دی، لیکن کبھی شکایت کا کوئی حرف زبان پر نہیں لائیں۔ آپ کسی کا احسان کم قبول کرتی تھیں اور کرتیں بھی تو اس کا معاوضہ ضرور ادا کرتی تھیں۔ فتوحات عراق کے مال غنیمت میں موتیوں کی ایک ڈبیہ آئی، عام مسلمانوں کی اجازت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نذر بھیجی حضرت عائشہ نے ڈبیہ کھول کر فرمایا ''خدایا! مجھے ابن خطاب کا احسان اٹھانے کے لیے اب زندہ نہ رکھ۔ اطراف ملک سے ان کے پاس ہدیئے اور تحفے آیا کرتے تھے، حکم تھا کہ ہر تحفے کا معاوضہ ضرور بھیجا جائے۔ (صحیح البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاق کا سب سے ممتاز جوہر آپ کی فیاضی اور کشادہ دستی تھا۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں دے دی اور دوپٹے کا گوشہ جھاڑ دیا۔ (طبقات ابن سعد)

دل میں خوف اور خشیت الٰہی تھی، رقیق القلب بھی بہت تھیں بہت جلد رونے لگتی تھیں۔ عبادتِ الٰہی میں اکثر مصروف رہتیں۔ چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے اور مجھ کو منع کرے تو میں باز نہ آؤں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتی تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے آنکھ لگ جاتی اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں تو سویرے اٹھ کر نمازِ فجر سے پہلے تہجد ادا کر لیتیں۔ (سیرت عائشہ)

آپ پردے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہو گیا تھا۔ آپ کو کبھی دن کو طواف کا موقع میسر آتا، تو خانۂ کعبہ مردوں سے خالی کرا لیا جاتا تھا، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی وہ چہرے پر نقاب ڈالتی تھیں۔ الغرض حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم وعمل نے دین اسلام کو ضیا بخشی جس سے سارا عالم روشن ومنور ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمات پڑھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

حیات سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

دعوت وتبلیغ کے حوالے سے

متین صدیقہ رضوی ٭

خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ مایہ ناز خاتون ہیں، جن کی تعریف وتعارف کے لیے دنیا کی مختلف زبانوں کے کثیر الجہات الفاظ ناکافی ہیں۔ آپ جگر گوشۂ رسول اعظم ہیں، اولیائے کرام کی سرتاج ہیں، روحانیت کا سرچشمہ ہیں۔ آپ کی اولاد میں ایسے عظیم ائمہ اور اولیائے کرام ہوئے جن کا اسلامی تاریخ اور مذہبی خدمات کے باب میں ایک خاص مقام ہے۔ ائمہ اہل بیت کے علاوہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ ہی کی اولاد میں ہیں۔ پیغمبر اسلام کی صاحبزادیوں میں سیدہ فاطمہ کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ آپ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسل باقی ہے۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

اگر ہم سیدہ فاطمہ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کریں تو یہ بات معلوم ہوگی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لیے کتنی قربانیاں دیں اور کیسی تاریخ لکھی۔ آپ اپنے گھر کا کام کاج خود انجام دیتیں، کئی روز فقر وفاقہ سے گزر جاتے، مگر صبر کا دامن کبھی نہ چھوٹتا یہاں تک کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ یہ میرا بیٹا حسین شہید کردیا جائے گا تب بھی سیدہ فاطمہ نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا اور کبھی یہ دعا نہیں کی کہ ''یا اللہ! وہ وقت نہ آئے میرے بیٹے پر'' بلکہ صبر واستقلال سے خانگی اور ذاتی زندگی کے تمام معاملات کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ خاص بات یہ ہے کہ ایسے بے شمار مصائب وآلام سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بھی آپ کی زبان پر کبھی شکوہ وشکایت کے الفاظ نہیں آئے، کبھی عبادت میں سستی وکمی نہ ہوتی، حتیٰ کہ موسمِ سرما کی ٹھنڈی راتوں میں جب ساری دنیا محوخواب ہوجاتی، اس وقت شہزادیِ اسلام اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر گریہ وزاری فرماتی تھیں۔ اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ کی رضا خدا کی رضا ہے، آپ سے محبت خدا سے محبت ہے اور آپ کی منزل تسلیم ورضا اور صبر کی منزل ہے۔ صبر ورضا کا مرتبہ جس کو ملا، اہلِ بیت اطہار کے گھر سے ملا، صبر ورضا اور ایثار وقربانی سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات مبارکہ کا خاص حصہ ہے۔ تسلیم ورضا آل بیت اطہار کے گھر کی باندی ہے، فقر اُن کے گھر کا غلام ہے۔ سیدہ فاطمہ نے تسلیم ورضا اور ایثار وقربانی کا جذبہ ومرتبہ اپنے بابا جان سے پایا۔ سیدہ فاطمہ علم وعمل کی پیکر تھیں۔ آپ نے جو جو مصائب جھیلے، قربانیاں دیں اور ایثار کئے ہیں، ان کی مثال نہیں ملتی۔ ہاتھ کی کمائی سے صدقہ کیا، بھوک وپیاس پر صبر کیا، ذکر الٰہی میں مشغول رہیں، یوں حضرت خاتونِ جنت کی زندگی ہمارے لیے خاص طور سے خواتینِ اسلام کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ بلکہ اس مقدس خاتون جنت کی اِتباع کو اپنے اوپر لازم کرنے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جنگ اُحد کے ہنگامے کے وقت مدینے میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہوگئے، سیدہ فاطمہ میدان جنگ میں پہنچیں۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار سے باہر تشریف لائے تو سیدہ نے اپنے بابا جان کے زخموں کو دھویا۔ پیشانی کا خون تھمتا نہ تھا، آپ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں پر چھڑکا اور پٹیاں باندھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی سلیم میں سے ایک شخص نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر یوں گستاخی کی ''اے محمد! کیا تو وہ جادوگر ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے وجود کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا ہاں! خدا کی قسم یہ

خیال نہ ہوتا کہ میری قوم کے لوگ مجھ سے ناراض ہوجائیں گے تو میں اسی تلوار سے تیرا سر اُڑا دیتا۔" گستاخی کا یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھنا چاہا کہ اس گستاخ کو سبق سکھائیں، مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا کہ تو آخرت کے عذاب سے ڈر اور دوزخ سے خوف کھا، بتوں کی پوجا چھوڑ دے اور خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کر، میں جادوگر نہیں ہوں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، آپ کے حسن اخلاق اور مؤثر کلام سے متأثر ہوکر قاتلانہ جذبات رکھنے والا وہ بت پرست اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ اب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے پاس کس قدر مال ہے؟ اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خدا کی قسم قبیلۂ بنوسلیم میں چار ہزار آدمی ہیں لیکن مجھ سے زیادہ اس قبیلے میں کوئی غریب و مسکین نہیں۔ آپ نے صحابہ کی طرف دیکھ کر فرمایہ کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کو ایک اونٹ خرید کردے دے؟ اللہ تعالیٰ اس کا بہتر بدلہ دے گا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے پاس ایک اونٹنی ہے میں اس کو دے دیتا ہوں، پھر فرمایا کہ کون ہے جو اس کا سر ڈھانپ دے اور اللہ عزوجل کو راضی کرلے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دستار مبارک اتار کر اس کے سر پر رکھ دی، پھر فرمایا کون ہے جو اس کے کھانے کا اس وقت انتظام کردے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور چند مکانوں پر گئے، لیکن اتفاق سے کچھ نہ ملا، پھر سیدہ فاطمہ کے دولت خانہ پر حاضر ہوکر دستک دی، سیدہ نے فرمایا کون؟ عرض کیا میں سلمان ہوں، فرمایا کیسے آئے ہو؟ حضرت سلمان نے سارا ماجرا سنا دیا، سیدہ سن کر آبدیدہ ہوگئیں اور فرمایا اے سلمان! اس خدا کی قسم جس نے میرے باپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ آج تیسرا دن ہے سب فاقہ سے ہیں، مگر تم دروازے پر آگئے ہو خالی کیسے واپس کروں؟ جاؤ! یہ چادر لے جاؤ اور شمعون یہودی کے پاس جاکر کہو کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چادر رکھ لو اور تھوڑے سے جو قرض دے دو۔ حضرت سلمان فارسی اس چادر کو لے کر اس کے پاس گئے اور سارا ماجرا بیان کیا، شمعون کچھ دیر اس ردائے مبارک کو دیکھتا رہا معاً اس پر کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگا کہ اے سلمان! واللہ یہی وہ مقدس لوگ ہیں جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت میں دی ہے۔ میں صدق دل سے حضرت فاطمہ کے باپ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے حضرت سلمان کو جَو دیئے اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ ردائے مبارک واپس کردی۔ سیدہ خاتون جنت نے شمعون کو دعائے خیر دی اور جو پیس کر کھانا تیار کرکے حضرت سلمان فارسی کو دے دیا۔ حضرت سلمان نے عرض کیا، اس میں سے کچھ گھر کے لیے رکھ لیجئے۔ فرمایا کہ بس خدا کی راہ میں دینے کی نیت سے منگوایا تھا اور پکایا ہے۔ اب اس میں سے لینا درست نہیں، حضرت سلمان کھانا لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوگئے اور تمام قصہ سنا دیا۔ آپ نے وہ روٹی اس نومسلم کو عطا فرمادیا اور اپنی نور نظر، لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ بھوک سے اُن کا چہرہ زرد ہورہا ہے اور ضعف کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ کو اپنے پاس بٹھا کر تسکین دی اور آسمان کی طرف رخ انور کرکے فرمایا، اے اللہ! فاطمہ تیری باندی ہے تو اس سے راضی رہنا۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ سیدہ خاتون جنت نے دین اسلام کی خاطر کس قدر مصیبتیں برداشت کیں کہ گھر میں فاقہ کشی ہورہی ہے لیکن مہمان رسول کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹانا ان کی طبیعت کو ناگوار گزرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی کے مشورے پر سیدہ خاتون جنت نے اپنے بابا جان سے لونڈی مانگا، تو پیارے آقا نے اپنی لخت جگر کو تسبیحات (سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر) پڑھنے کے لیے کہا اور فرمایا کہ یہ تمہارے لیے باندی سے بہتر ہے۔ سیدہ چاہتیں تو خوب اصرار کرکے مانگ سکتی تھیں، لیکن سیدہ کے ادب پر قربان جائیے کہ آپ نے کیا ہی خوب عرض کیا۔ فرماتی ہیں "میں اللہ اور اس کے رسول سے راضی ہوں" سیدہ خاتون جنت دن بھر شوہر اور بچوں کی خدمت کرتی تھیں، ہانڈی پکانا، چکی پیسنا، جھاڑو دینا، آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، بستر بچھانا، پانی بھرنا، یہ سارے کام سیدہ خود انجام دیتی تھیں، دن بھر تھکی رہتی تھیں مگر جب رات آتی تھی تو اپنا مصلیٰ جو چٹائی کا تھا بچھا کر نماز کی نیت باندھتی تھیں اور ایسے ذوق وشوق کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں کہ کبھی کبھی ایک ہی سجدہ میں صبح ہوجاتی تھی، ایک دفعہ فاطمہ علیل تھی لیکن

علالت میں بھی رات بھر عبادت میں مصروف رہیں جب سیدنا علی نے واپس آکر ان کو چکی پیستے دیکھا تو فرمایا: اے رسول خدا کی بیٹی! اتنی مشقت نہ اٹھایا کرو، تھوڑی دیر آرام کرلیا کرو، کہیں زیادہ بیمار نہ ہوجاؤ۔ فرمانے لگیں: اللہ کی عبادت اور آپ کی اطاعت مرض کا بہترین علاج ہے، اگر ان میں سے کوئی موت کا سبب بن جائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی کیا ہوگی۔

ایک دفعہ کسی نے سیدہ خاتونِ جنت سے دریافت کیا کہ چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ کیا ہوگی؟ تمہارے لیے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوتو سارے ہی راہ خدا میں دے دوں گی۔ سیدہ خاتون جنت کے یہ ایثار وقربانیاں قیامت تک کی عورتوں کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہیں، آپ نہ صرف صدقہ وخیرات میں مقدم تھیں بلکہ دعوت وتبلیغ دین متین کے لیے بعض یہودی عورتوں کی شادی میں بھی شرکت فرماتی تھیں۔

چنانچہ ایک یہودن کی شادی ہوئی جو بہت مالدار تھی، اس نے اپنی شادی میں عورتوں کو بلایا۔ وہ نہایت فاخرہ لباس پہن کر آئیں پھر وہ سب کہنے لگیں کہ ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو اور ان کی حالت فقر کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سیدہ فاطمہ کو بلاوا بھیجا۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام جنت سے ایک جوڑا لے کر حاضر ہوئے، سیدہ فاطمہ نے اس کو پہنا اور ان یہودیوں کے درمیان جابیٹھیں۔ جب یہودی عورتوں نے لباس دیکھا تو ششدر رہ گئیں اور پوچھنے لگیں ''**من این لک ھذا یا فاطمۃ؟**'' اے فاطمہ! یہ آپ کو کہاں سے ملا؟ ''**فقالت من ابی**'' اپنے ابا جان سے۔ کہنے لگیں ''**من این لابیک**'' آپ کے والد ماجد نے کہاں سے لیا؟ ''**قالت من جبرئیل**'' فرمایا: جبرئیل سے، جبرئیل کہاں سے لائے؟ ''**قالت من الجنۃ**'' کہنے لگیں جنت سے، ''**فقلن نشھد ان لاالہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ**'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو ان سب عورتوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

سیدہ خاتون جنت کے ذاتی اخلاق وکردار، فقر وفاقہ اور قابل تقلید ایثار وقربانیوں کی بدولت بے شمار یہودی عورتوں اور مردوں نے اسلام قبول کیا۔ جب کہ اس دور میں دور حاضر کی طرح دینی اجتماعات منعقد کرنے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، دین اسلام کی اشاعت اخلاق وکردار سے ہی ہوتی تھی اور علمی خدمات اور ذاتی ایثار وقربانیوں کے ذریعے اسلام کو عام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سیدہ خاتون جنت نے راہ خدا میں شادی کا کرتہ بھی قربان کردیا جیسا کہ علامہ صفوری نے علامہ ابن جوزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کے لیے جس شب ان کی شادی ہوئی تھی، ایک کرتا بنایا اور سیدہ کے پاس ایک پیوند لگا ہوا کرتا بھی تھا، اتنے میں ایک سائل نے دروازہ پر کھڑے ہوکر سوال کیا ''**اطلب من بیت النبوۃ قمیصا خلقا**'' کہ میں نبوت کے گھرانے سے ایک کرتا مانگتا ہوں، سیدہ فاطمہ نے چاہا کہ اسے پرانا کرتا دے دوں، لیکن آپ کو فوراً خدائے تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آیا: ''**لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون**''

یعنی تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ پھر آپ نے سائل کو اپنا نیا کرتا عطا فرمادیا۔ بوقتِ رخصت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کو سلام کروں اور ان کے لیے جنتی لباسوں میں سے ''سندس اخضر'' کا ایک خاص لباس ہدیۃً بھیجا ہے، حضور نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کو حضرت جبرئیل کا سلام پہنچایا اور وہ لباس جو جبرئیل لائے تھے پہنچایا۔ سیدہ اس بہشتی لباس کو پہن کر جب کافر عورتوں کے درمیان بیٹھیں تو اس کا نور مشرق ومغرب میں چھا گیا: ''**فلما وقع النور علی ابصار الکافرات خرج الکفر من قلوبھن واظھرن الشھادتین**'' جب وہ نور ان کافر عورتوں کی آنکھوں پر پڑا تو اُن کے دل سے کفر نکل گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدت اور حضور کی رسالت کی شہادت دینے لگیں۔ (یعنی وہ کلمہ پڑھ کر اسلام لے آئیں)

سیدہ فاطمہ کی بے مثال ایثار کی بدولت کافر عورتوں کے باایمان ہونے سے معلوم ہوا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے نام پر دی جائے اس کا بدلہ اس سے بہتر عطا کیا جاتا ہے۔ سیدہ بتول نے اپنا کرتا سائل کو دے دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے لطیف ونظیف جنتی لباس عطا فرمادیا۔

علم وفضل: سیدہ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبادت

وریاضت، راست گوئی جیسے مکارمِ اخلاق کے علاوہ علم وفضل کی دولت سے بھی مالا مال تھیں۔ ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا، بیٹی! ذرا بتاؤ کہ عورت کی سب سے اچھی صفت کونسی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا، ابا جان! عورت کی سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کو دیکھے۔

سیدہ فاطمہ سے کتبِ احادیث میں اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں اور ان کے رواۃ میں جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔

سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ صرف مال سے امت محمدیہ کا تعاون کیا بلکہ اس عاصی امت کی بخشش کے لیے بے شمار دعائیں بھی کی ہیں اور خدا سے اُن کی مغفرت طلب کرتی رہی ہیں۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول پر یہ آیت مبارکہ ''**وان منکم الا واردھا**'' تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر پل صراط سے ہوگا۔ نازل ہوئی تو پیارے آقا فکر اُمت میں بہت روئے کہ میری اُمت کے لوگ پل صراط سے کیسے گزریں گے؟ آپ اسی حالت میں اٹھے۔ مدینہ طیبہ کے قریب ایک پہاڑ ہے جس کا نام ''جبل تلا'' ہے اس پہاڑ میں ایک غار تھا۔ اس میں آپ تشریف لے گئے اور سجدہ میں سر رکھ کر زار و قطار رونے لگے اور بخششِ اُمت کی دعا فرمارہے تھے۔ ادھر یہ کیفیت ہے کہ صحابۂ کرام بڑے پریشان ہیں کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے؟ بہر کیف جب صحابہ کو آپ کا پتہ معلوم ہوگیا تو صحابۂ کرام کا اس مقام پر ہجوم ہوگیا۔ سب نے یکے بعد دیگرے آپ کو واپس تشریف لے چلنے کے لیے عرض کیا۔ لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ اسی وقت سجدے سے سر اٹھاؤں گا جب اللہ رب العزت مہربانی فرما دے گا۔ جب سیدہ خاتون جنت کو باباجان کی یہ حالت معلوم ہوئی تو آپ بھی وہاں تشریف لے گئیں اور عرض کیا، باباجان! آپ یہاں تشریف فرما ہیں، تین روز سے ہم آپ کی جدائی میں پریشان ہیں کہ آپ کدھر چلے گئے؟ تین دن سے آپ نے نہ کچھ کھایا، پیا اور نہ ہی پل بھر کے لیے آرام کیا، کیا بات ہے؟ پیارے آقا نے فرمایا: بیٹی! مجھ پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ''**وان منکم الا واردھا**'' فرمایا بیٹی! میری امت کے لوگ پل صراط سے کیسے گزریں گے؟ میں اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہوکر دعا کررہا ہوں کہ اے اللہ! میری اُمت کے لیے آسانی فرما۔ سیدہ کو بھی فکر ہوئی تو آپ نے بھی سجدہ میں سر رکھ دیا۔ عرض کی باباجان! اگر یہ بات ہے تو پھر میں بھی سجدے میں سر رکھتی ہوں اور سجدے سے سر اُس وقت اٹھاؤں گی جب اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کو بخش دے گا۔ پھر سیدہ نے حضرت ابوبکر، حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور فرمایا کہ اے ابوبکر صدیق! کیا آپ اپنی جان حضور کی امتوں کے بوڑھوں پر قربان کرتے ہیں؟ حضرت صدیق نے عرض کیا ہاں، حضرت علی نے کہا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوانوں پر اپنی جان قربان کرتا ہوں۔ باباجان کی اُمت کی عورتوں پر میں جان قربان کرتی ہوں اور باباجان کی اُمت کے بچوں پر میں اپنے فرزند حسن وحسین کو قربان کرتی ہوں، ''یا اللہ! وہ سارا عذاب ہمیں دے دے اور ابا جان کی اُمت کو بخش دے'' صدیق اکبر نے کہا یا اللہ! اس اُمت کے بوڑھوں کو تجھے جتنا عذاب دینا ہے وہ مجھے دے دے۔ حضرت علی نے کہا جوانوں کا عذاب مجھے دے دے اور ان کو بخش دے۔ سیدہ نے کہا عورتوں کو جتنا عذاب ہونا ہے، یا اللہ! وہ مجھے دے دے مگر میرے باباجان کی اُمت کو بخش دے، جب سب نے سجدہ میں سر رکھ کر گڑگڑا کر رو رو کر دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا ''**فنزل جبرئیل فقال یا محمد ان اللہ یقرءک السلام**'' جبرئیل علیہ السلام نے کہا یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ پر سلام فرماتا ہے، ''**ویا محمد قل لفاطمۃ لاتحزنی فانی افعل بامتک وماتحب فاطمۃ**'' میرے حبیب! اپنی بیٹی فاطمہ سے کہو کہ وہ غم نہ کھائے، فکر نہ کرے، اے میرے حبیب! میں تیری اُمت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا جیسا کہ فاطمہ چاہے گی۔ [9]

اللہ تعالیٰ ہم سب خواتینِ اسلام کو سیدہ خاتونِ جنت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خون خیر الرسول سے ہے جن کا خمیر
ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

❁❁❁

دینی دعوت اور صحابیات

مولانا محمد یونس مصباحی

دعوتِ دین کا مفہوم اتنا ہی وسیع ہے جتنا کہ دین کا مفہوم، دعوت دین وہ عظیم کارنامہ ہے جس کے لیے اللہ نے پہلے نبیوں کا انتخاب فرمایا اور ان کی تعلیمات کو ان کی حیات میں یا ان کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد دوسروں تک پہنچانے کا ذمہ امت پر رکھا گیا۔ دعوت کا سلسلہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ سرور عالم ہادیٔ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اپنے دین کو کامل و مکمل فرما دیا اور نبوت کا آپ پر اختتام فرما دیا۔ اب کوئی نبی آپ کے بعد آنے والا نہیں۔ آپ کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد دعوتِ دین کا ذمہ خالص اُمتیوں کو عطا کیا گیا اور اُمتِ اجابت ہی کو امتِ دعوت تک اس دین کو پہنچانے کا ذمہ عائد کر دیا گیا۔

اس امت میں دعوتِ دین کو آگے بڑھانے کا پہلا ذمہ امتی ہونے کے اعتبار سے صحابۂ کرام پر عائد ہوا اور صحابیات بھی ان میں برابر کی شریک رہیں۔ مثلاً مردوں نے تعلیم حاصل کی تو عورتوں نے بھی حاصل کی۔ تعلیم کو عام کرنے کا کام مردوں نے کیا تو عورتوں نے بھی اس میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ مردوں نے صعوبتیں برداشت کیں تو عورتیں تماشائی نہ رہیں انہوں نے بھی قربانیاں پیش کیں۔ اسلام کی تاریخ میں اسلام کی دولت سے شرف یاب ہونے والی، دعوت دین میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قدم قدم پر تسلی دینے والی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنا تمام تر سرمایہ صرف کر دینے والی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ دین کی خاطر جان کی قربانی دینے والی پہلی عورت حضرت سمیہ بنت خباط رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، جیسا کہ اسد الغابہ میں ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں کی تاریخ میں جس نے شہادت سے سرفرازی حاصل کی وہ حضرت سمیہ بنت خباط ہیں۔

(اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۱)

دین کی دعوت میں پہلی مسلمان عورت کا کارنامہ

حضرت خدیجہ کا تسلی دینا: لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِىْ الضَّيْفَ وَ تُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا: آپ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں، مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۲ر۳ کتاب بدء الوحی)

مشرکین کے انکار پر تسلی: فَكَانَ لَا يَسْمَعُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شَيْئًا يَكْرَهُهُ مِنْ رَدٍّ عَلَيْهِ وَ تَكْذِيْبٍ لَّهٗ اِلَّافَوَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمَا تُثَبِّتُهٗ وَتُصَدِّقُهٗ وَ تُخَفِّفُ عَنْهُ وَ تُهَوِّنُ عَلَيْهِ مَا يَلْقٰى مِنْ قَوْمِهٖ، ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشرکین کی تردید و تکذیب سے صدمہ پہنچتا تو حضرت خدیجہ کی تثبیت و تصدیق سے وہ کافور ہو جاتا، مشرکین کے معاملہ کو آپ ہلکا اور معمولی بنا دیتی تھیں۔ (طبقات ج ۲ ص ۴۷)

پہلے ایمان لانے والی: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر تعریف سے کرتے، میں نے عرض کی آپ اُن کا ذکر کیے جاتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نعم البدل آپ کو عطا فرمایا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر نہیں دی جب لوگوں نے تکذیب کی انہوں نے میری تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے اپنے

مال سے میری خیر خواہی کی، ان کے علاوہ کسی اور سے اللہ نے مجھے اولاد نہ دی۔(مسند امام احمد ج۶ص ۱۱۷)

مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ: قریش نے نبی کے تبلیغی کام کو روکنے کے لیے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کیا۔ شعب ابو طالب میں محصور کر دیا۔ یہ محاصرہ تین سال تک رہا۔ حصار سخت جان لیوا اور تکلیف دہ تھا۔ اس میں حضرت خدیجہ نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کو تسلی دی اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں تھیں۔(سیرت ابن ہشام ج۱ص ۱۹۲)

مال کی قربانی: وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغْنٰی (والضحیٰ) اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا فَاَغْنَاکَ بِمَالِ خَدِیْجَۃ (نسفی ج۴ص ۳۶۴) اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدیجہ کے مال سے غنی کر دیا، فَاَغْنَاکَ بِخَدِیْجَۃ (قرطبی ج۱۰ص ۹) اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدیجہ سے غنی کر دیا، فَاَعْطَتْنِیْ مَالَھَا فَاَنْفَقْتُہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (طبقات ابن سعد ج۱ص ۱۰۱) انہوں نے مجھے اپنا مال دیا تو میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

دعوتِ دین کی رکاوٹیں ختم کرنے کے لیے جہاد میں شرکت

دعوتِ دین میں جہاد کی بڑی اہمیت ہے، صحابہ کے ساتھ صحابیات کا جذبۂ جہاد کم نہ تھا۔ انہوں نے جس جوش، خلوص، عزم و استقلال سے اس خدمت کو انجام دیا ہے اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ یہاں چند نمونے ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۱) غزوۂ اُحد میں جب کافروں نے عام حملہ کر دیا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صرف چند جانثار رہ گئے تھے، حضرت اُم عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں، کافروں کا بڑھتا ہوا سیلاب تیر اور تلوار سے روکتیں اس میں آپ کو زخم بھی آیا۔(سیرت ابن ہشام ص۸۴)

(۲) حضرت ہشام اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ اُحد میں آئیں اور لوگوں کو شکست ہو چکی تھی ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا یہ مشرکین کے چہرے پر اسے مار رہی تھیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زبیر! عورت ہے عورت۔(الاصابہ ج۴ص ۴۳۹)

غزوۂ خندق میں حضرت صفیہ بنت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک یہودی کو قتل کیا اور ان کا حملہ روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے۔(زرقانی ج۲ص ۱۲۹)

(۳) غزوۂ حنین میں حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا خنجر لے کر نکلیں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم حنین میں ابوطلحہ حضور کی خدمت میں ہنستے ہوئے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ ام سلیم کو نہیں دیکھ رہے ہیں؟ ان کے پاس خنجر ہے، آپ نے ام سلیم سے کہا اے ام سلیم! تمہارا خنجر اٹھانے سے کیا ارادہ ہے؟ ام سلیم نے عرض کیا اگر کوئی بھی ان مشرکین میں سے میرے قریب آئے گا تو اس سے میں اس کو قتل کر دوں گی (کنز العمال ج۵ص ۳۰۷)

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب غزوۂ اُحد ہوا۔ لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ بنتِ ابوبکر اور ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ اپنے پائینچے چڑھائے ہوئے ہیں ان کی پنڈلی کی جھانجن نظر آرہی ہے۔ پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ دوسرے راوی کہتے ہیں کہ پانی کا مشکیزہ اپنے کندھے پر لادے ہوئے لے جارہی ہیں اور اس سے زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں پھر لوٹ کر آتی تھیں اور اس کو بھرتی تھیں اور پھر لوگوں کے منہ میں پانی ڈالنے جاتی تھیں۔(بیہقی ج۹ص ۳۰)

جنگِ یرموک میں حضرت اسما بنت ابوبکر، حضرت ام ابان، ام حکیم، خولہ، ہند اور ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خیمے کی چوب سے نو رومیوں کو قتل کیا تھا۔(اصابہ ج۸ص ۱۳)

(۴) بحری لڑائیوں میں بھی عورتوں نے شرکت کی تھی۔ جزیرۂ قبرص پر حملہ ہوا تو حضرت اُم حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں شامل تھیں۔(بخاری ج۲ص ۹۲۹)

(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بنت

ملحان نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کرلیا۔ اس کے بعد بنت قرضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بحری سفر درپیش آیا جب جہاد سے واپس آئیں اپنی سواری پر سوار ہونے لگیں سواری انہیں لے کر بدکی یہ گر پڑیں اور ان کا انتقال ہوگیا۔ (بخاری) میدانِ جنگ میں خدمت بھی انجام دیتی تھیں مثلاً پانی پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لے جانا، چرخہ کاتنا، تیر اُٹھا کر دینا، خورد ونوش کا انتظام کرنا، پکانا، قبر کھودنا، فوج کو ہمت دلانا۔ چنانچہ حضرت عائشہ، ام سلیم اور اُم سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنھن نے غزوۂ اُحد میں مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۲۹)

اُم سلیم اور انصار کی چند عورتیں رضی اللہ تعالیٰ عنھن زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور اسی مقصد سے وہ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ (ابوداود ج ا ص ۲۵۲)

ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ہمراہ ہوتیں۔ ہم پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں اور مقتولین کو واپس لاتی تھیں انہیں سے دوسری روایت میں ہے ہم حضور کے ساتھ غزوہ کرتی تھیں ہم قوم کو پانی پلاتیں اور ان کی خدمت کرتیں اور مقتولین اور زخمیوں کو مدینہ کی طرف واپس لاتی تھیں۔ (بخاری کتاب الطب)

ام زیاد اور دوسری پانچ عورتوں رضی اللہ تعالیٰ عنھن نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی وہ تیر اٹھا کر لاتیں اور ستو پلاتیں (ابوداود ج ا ص ۲۰۷)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ سات غزووں میں شرکت کی میں مجاہدین کے کجاووں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہتی اور ان کے لیے کھانا پکاتی اور زخمیوں کا علاج کرتی اور مصیبت زدہ کی نگہداشت کرتی تھی۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۵)

لیلیٰ غفاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور کے ہمراہ غزوے میں جاتی اور زخمیوں کا علاج کرتی تھی۔ (رواہ الہیثمی ج ۵ ص ۳۲۴)

غزوۂ حنین میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ عورتیں بھی گئی تھیں اسی روایت میں ہے کہ حضور نے کچھ پوچھا تھا تو ان عورتوں نے کہا تھا کہ ہم نے اُون کات کات کر نکلنے کی تیاری کی ہے ہم اللہ کے راستے میں مدد کرنے کے لیے نکلی ہیں زخمیوں کا علاج کریں گی اور تیر پکڑائیں گی اور ستو گھول کر پلائیں گی۔ (ابوداود ج ا ص ۲۰۷)

امام زہری فرماتے ہیں کہ عورتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوا کرتی تھیں لڑنے والوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱)

اعواث اور امارث وغیرہ کی جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھیں بچوں اور عورتوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی۔ (طبری ج ۶)

جنگ یرموک میں جب مسلمانوں کا میمنہ ہٹتے ہٹتے حرم کی خیمہ گاہ تک آ گیا تو ہند اور خولہ وغیرہ نے پر جوش اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھی۔ (اسد الغابۃ ج ۵ ص ۵۶۳)

اشاعت اسلام میں عورتوں کی خدمات

مذہبی خدمات میں اسلام کی اشاعت سب سے اہم خدمت ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیات کی مساعیِ جمیلہ شامل رہیں اور عورتوں میں اسلام کی دولت پہنچانے میں مسلمان ہو جانے والی عورتوں کا بڑا ہاتھ رہا۔ اور جو عورتیں اپنے شوہروں سے قبل مسلمان ہو چکی تھیں انہوں نے اپنی تبلیغ سے شوہروں کو بھی مشرف باسلام کر دیا جس کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا اور ابھی تک وہ اسلام نہ لائے تھے، ام سلیم نے کہا اے ابوطلحہ! تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو وہ زمین کی پیداوار ہیں، ابوطلحہ نے کہا بیشک یہی بات ہے، ام سلیم نے کہا تمہیں درختوں کی پوجا سے شرم نہیں آتی، میں تو اسلام لا چکی ہوں، میں تم سے کسی مہر کی طالب نہیں ہوں بجز اس کے کہ تم اسلام لے آؤ، ابوطلحہ نے کہا اچھا میں ذرا غور کرلوں آپ گئے اور فوراً واپس آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے اور کوئی عبادت کے قابل نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ کے رسول ہیں، ام سلیم نے حضرت انس کو نکاح پڑھانے کا حکم دیا چنانچہ حضرت انس نے نکاح پڑھا دیا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۶۱)

حضرت حکیم بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی عکرمہ بن ابوجہل سے ہوئی تھی وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے۔ حضرت ام حکیم نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ (مؤطا امام مالک کتاب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ)

ایک غزوہ میں مسلمان پیاس سے بے تاب ہو کر نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ صحابہ اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی استعمال کیا۔ معجزہ سے پانی جتنا تھا اس سے بڑھ چکا تھا۔ اس کے باوجود بھی آپ نے قیمت بھی اسے دلا دی۔ تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے، اس پر صحابۂ کرام کی اس منت پزیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ (بخاری الصعید الطیب وضوء المسلم)

حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا آغازِ اسلام میں خفیہ طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں قریش کو ان کی خفیہ سرگرمیاں معلوم ہوئیں تو انہیں مکہ سے نکال دیا۔ (اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریک)

دعوتِ دین میں صحابیات کا علمی فیضان

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ابتدائے احوال میں انتقال ہو چکا تھا اس لیے ان سے حدیث کی روایت نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۱۷۴ پر شیخین کا اتفاق ہے۔ ۵۸ میں امام بخاری اور ۶۸ میں امام مسلم منفرد ہیں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۳۷۸، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۱۱، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں۔ باقی ازواج کی روایتوں کا اجمالی ذکر آیا ہے بہر حال دعوتِ دین میں اصل تعلیمات نبی کی اشاعت ہے اور اس کا بڑا حصہ اُمہات المؤمنین کی طرف سے اُمتیوں کو پہنچا ہے۔

محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ''کَانَ اَزْوَاجُ النَّبِیِّ ﷺ یَحْفَظْنَ مِنْ حَدِیْثِ النَّبِیِّ ﷺ کَثِیْرًا وَلاَ مِثْلاً لِعَائِشَۃَ وَ اُمِّ سَلْمَۃَ'' یعنی ازواج مطہرات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں بہت یاد رکھتی تھیں مگر حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان میں بے مثال تھیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۷۵)

حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۱۸ روایتیں کی گئیں۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۳۰ روایتیں کی گئیں۔ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲۱ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۵۶ حدیثیں مروی ہیں۔

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اجمالی طور سے ۶۴ صحابہ کے نام درج کیے ہیں جن سے صحاح احادیث مروی ہیں اس میں درج ذیل چودہ صحابیات کے اسما بھی درج ہیں (۱) حضرت اسماء بنت ابوبکر (۲) ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ (۳) ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب عدویہ (۴) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان امویہ (۵) ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش اسدیہ (۶) حضرت زینب بنت ابوسلمہ مخزومیہ (۷) حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ہاشمیہ (۸) حضرت ام الفضل لبابہ بنت حارث ہلالیہ (۹) ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ (۱۰) حضرت ام عطیہ انصاریہ (۱۱) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ ہند مخزومیہ (۱۲) حضرت ام حرام بنت ملحان انصاریہ (۱۳) ام سلیم بنت ملحان انصاریہ (۱۴) حضرت ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ

تعالیٰ عنہن۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۲۵)

صحابیات میں فقیہاتِ اسلام

اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احادیث رسول اور ان کی فقہی آرا و فتاویٰ کی روایت کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں ان کے رشتہ دار اور اہل خاندان اور صحابہ تابعین کے نام یہ ہیں بہن ام کلثوم، رضائی بھائی عوف بن حارث بن طفیل، دونوں بھتیجے قاسم بن محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن محمد، دونوں بھتیجیاں حفصہ بنت عبدالرحمٰن و اسماء بنت عبدالرحمٰن، دونوں بھانجے عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر بھانجی عائشہ بنت طلحہ، محمد بن عبدالرحمٰن، عباد بن حبیب، عباد بن حمزہ، غلام ابو یونس، ذکوان، ابوعمرو ابن فروخ اور صحابہ میں سے عمرو بن عاص ابوموسیٰ اشعری، زید بن خالد، ابوھریرہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، ربیعہ بن عمرو جرشی، سائب بن یزید، حارث بن عبداللہ نوفل اور اکابر تابعین سے سعید بن مسیّب، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، صفیہ بنت شیبہ، علقمہ بن قیس، عمرو بن میمون، مطرف بن عبداللہ بن شخیر، ہمام بن حارث، ابوعطیہ وادعی، ابوعبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود، مسروق بن اجدع، عبداللہ بن حکیم، عبداللہ بن شداد بن ہاد، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام ان کے دونوں صاحبزادے ابوبکر اور محمد، اسود بن یزید نخعی، ایمن مکی، ثمامہ بن حزن قشیری، حمزہ بن عبداللہ بن عمر، سالم بن سبلان، سعد بن ہشام بن عامر، سلیمان بن یسار، ابو وائل، شریح بن ھانی، زر بن حبیش، عابس بن ربیعہ عامر بن سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبداللہ بن عثمان، طاؤس ابوالولید، عبداللہ بن سقیق، عبداللہ بن شھاب خولانی، ابن ابی ملیکہ، عبداللہ البھی، عبدالرحمٰن بن شماسہ، عبید اللہ بن عمیر لیثی، عراک بن مالک، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عطاء بن ابی رباح، عطاء بن یسار، عکرمہ، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین بن علی، عمران بن حطان، جماھد بن جبر، مالک ابوعامر اصبحی، فروہ بن نوفل اشجعی، محمد بن قیس، محمد بن منتشر، نافع بن جبیر بن مطعم، یحییٰ بن یعمر، نافع مولیٰ ابن عمر، ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری، ابوالجوزاء ربعی، ابوالزبیر مکی، خیرہ والدہ حسب بصری، صفیہ بنت ابوعبید، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، معاذہ عدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنہن (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۳۳تا۴۳۵)

حافظ ابن حجر نے ان ناموں کو ذکر کرنے کے بعد خلق کثیر لکھا ہے جنہوں حضرت عائشہ سے علمی استفادہ کیا۔ علم کا بڑا سرمایہ آپ کا ہی پہنچایا ہوا ہے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرنے والوں کے نام یہ ہیں: صاحبزادہ عمر بن ابوسلمہ، صاحبزادی زینب بنت ابوسلمہ، بھائی عامر بن امیہ، بھتیجے مصعب بن عبداللہ بن ابو امیہ، موالی نبہان، عبداللہ بن رافع، نافع، سفینہ، ابوکثیر، ابن سفینہ، خیرہ، سلیمان بن یسار، اسامہ بن زید بن حارثہ، حاسث فراسیہ صفیہ بنت شیبہ، ابواسامہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن مسیّب ابووائل، صفیہ بنت محصن، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، ان کے دونوں بیٹے عکرمہ بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، قبیصہ بن ذویب، نافع مولیٰ ابن عمر، لیلیٰ بن مملک اور دوسرے علما اور فقہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنھن نے ان سے روایت کی اور علمی استفادہ کیا۔ (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۵۶)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے روایت کرنے والوں میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں، بھائی عبداللہ بن عمر، بھتیجے حمزہ بن عبداللہ بن عمر، صفیہ بنت ابوعبید، ام بشر انصاریہ، مطلب بن ابووداعہ، حارث بن وہب، شتیر بن شکل، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، سعراع خزاعی، عبدالرحمٰن بن حارث، مسیّب بن رافع، ابومجلز ان کے علاوہ ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنھن نے ان سے روایت کی ہے اور علمی استفادہ کیا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ ص۵۹، تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۱۰)

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرنے والے یہ حضرات ہیں صاحب زادی حبیبہ بنت عبیداللہ، دونوں بھائی معاویہ بن ابوسفیان اور عتبہ بن ابوسفیان، بھتیجے عبداللہ بن عتبہ بن ابو سفیان، بھانجے ابوسفیان بن سعد بن مغیرہ، دونوں غلام سالم بن سوار اور ابوالجراح، ابوصالح سمان، عروہ بن زبیر، زینب بنت ام سلمہ، صفیہ بنت شیبہ، شہر بن حوشب وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنھن نے روایتیں لیں اور علمی استفادہ کیا۔ (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۱۹)

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان حضرات

نے روایتیں لیں چاروں بھانجے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن شداد بن ہاد عبدالرحمٰن بن سائب، یزید بن اصم، ربیب بن عبداللہ خولانی، باندی ندبہ، غلام عطاء بن یسار، ابراھیم بن عتبہ، عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب مولیٰ ابن عباس، عبیدہ بن ساق، عبیداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن نے روایتیں لیں اور ان سے اکتساب علم کیا۔ (طبقات ابن سعد ص۱۳۹)

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی اور ان سے حضرت عبداللہ بن عباس، عبید بن سباق ابوایوب مراغی، مجاہد بن جبر، کریب مولیٰ ابن عباس، کلثوم بن مصطلق۔ عبداللہ بن شداد بن ہاد رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعنھن نے روایتیں لیں اور ان سے اکتساب کیا۔

(تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۰۷)

مذکورہ بالا امہات المؤمنین فقہ وفتویٰ میں خصوصی شہرت اور بصیرت رکھتی تھیں دیگر امہات المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت ریحانہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنھن اہل بیت رسول کی افراد اور کاشانۂ نبوت کی رہنے والی تھیں اور وہ دینی علوم سے وافر حصہ رکھتی تھیں ان سے بھی احادیث مروی ہیں حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات اور واقعات موجود ہیں۔

یہ تھا اُمہات المؤمنین کا دین کی دعوت میں علمی فیضان جس سے آج تک فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور قیامت تک اٹھایا جاتا رہے گا۔

خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت کی اور ان سے ان کے دو صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین نے اور پوتی حضرت فاطمہ بنت حسین نے مرسلا روایت کی نیز حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت سلمیٰ رافع رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعنھن نے روایت کی اور علمی اکتساب کیا۔ (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۴۱)

حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان حضرات نے روایت کی: دونوں صاحبزادے عبداللہ بن زبیر اور عروہ بن زبیر، بھتیجے عبداللہ بن عروہ بن زبیر، بھتیجی فاطمہ بن عبداللہ بن زبیر، غلام عبداللہ بن کیسان، صفیہ بنت شیبہ، عبداللہ بن عباس، مسلم مصری، ابونوفل بن ابوعقرب، عبداللہ بن ابوملیکہ، وہب بن کیسان وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعنھن۔ (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۳۹۷)

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمر سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت انس بن مالک، محمد بن سرین، حفصہ بنت سرین، عبدالملک بن عمیر، اسماعیل بن عبدالرحمان بن عطیہ، علی بن اقمر اور ام شراحیل رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعنھن نے روایت کی اور اکتسابِ علم کیا۔

(الاستیعاب ج۲ص۸۰۰)

حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی اور ان سے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، ابوبکر بن ابوجہم بن ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر بن عوام، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبید بن مسعود، اسود بن یزید، سلیمان بن یسار، عبداللہ البہی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، عامر شعبی، عبدالرحمٰن بن عاصم بن ثابت اور ان کے مولیٰ تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعنھن نے روایت کی اور اکتساب علوم کیا۔ (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۴۴)

حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی اور ان سے حضرت انس بن مالک، حنس بن عبداللہ صنعانی، ابویزید مدنی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے اکتساب علم کیا۔ (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۵۹)

حضرت ام الدرداء الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہوں نے اپنے شوہر حضرت ابودرداء اور حضرت سلمان فارسی اور حضرت عائشہ سے بہت سی احادیث روایت کی اور ان سے مکحول شامی، سالم بن ابوجعد، زید بن اسلم، اسماعیل بن عبید اللہ، ابوحازم مدینی اور کئی دیگر حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعنھن نے روایت کی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۵۰)

زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم اورامہات المؤمنین حضرت ام سلمہ حضرت عائشہ حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیبہ سے روایت کی اوران سے ان کے صاحبزادے ابوعبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ،محمد بن عمرو بن عطاء،حمید بن نافع مدنی،عراک بن مالک،عروہ بن زبیر،ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ،کلیب بن وائل،علی بن حسین بن علی زین العابدین،ابوقلابہ جرمی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنھن نے روایت کی (تہذیب التہذیب ج۱۲ص۴۲۲)

دعوتِ دین میں علم نبوت دوسروں تک پہنچانے میں یہ تھا فقیہات صحابیہ کاعظیم قابلِ قدر کارنامہ۔ گویا علم نبوت کے ذخیرہ کا ایک بڑا حصہ صحابیات سے ہم تک پہنچا اور قیامت تک اُن سے استفادہ کیا جاتا رہے گا۔

دعوت دین میں حضرت عائشہ کے چند کارنامے

آخرکار ہم اپنے موضوع کو دین کی عظیم مبلغہ ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب ترین زوجہ پوری امت کی ماں حضرت عائشہ کی دینی اورتبلیغی کارناموں کے تذکرہ پرختم کرتے ہیں۔

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلُّهُمْ وَ عِلْمُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَتْ عَائِشَةُ اَوْسَعَهُمْ عِلْمًا، ، اگرتمام مردوں کااور امہات المؤمنین کاعلم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ کاعلم ان میں سب سے وسیع ہوتا۔(مستدرک حاکم)

”خُذُوْا شَطْرَ دِيْنِكُمْ عَنْ حُمَيْرَاءَ، ، اپنے دین کاایک حصہ حضرت عائشہ سے لو۔(مقاصد حسنہ ص۹۴)

كَانَتْ عَائِشَةُ قَدِ اسْتَقَلَّتْ بِالْفَتْوٰى فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ هَلُمَّ جَرًّا اِلٰى اَنْ مَاتَتْ رَحِمَهَا اللّٰهُ، ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکرصدیق، حضرت عمر،حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد خلافت ہی میں مستقل طور سے افتاء کامنصب حاصل کرچکی تھیں اوران کے بعدآخری زندگی تک آپ برابرفتویٰ دیتی رہیں۔(ابن سعد ج۲ص۱۲۶)

كَانَتْ عَائِشَةُ تُفْتِيْ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ بَعْدَهٗ يُرْسِلَانِ اِلَيْهَا فَيُسْئِلَانِهَا عَنِ السُّنَنِ، ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اوران کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور حضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان سے حدیثیں پوچھواتے تھے۔(ابن سعد ج۲ص۱۲۶)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق میں حکومت کرتے تھے وقت ضرورت قاصد شام سے چل کر باب عائشہ کے سامنے کھڑے ہوکرسلطان وقت کے لیے مسائل دریافت کرتا۔(مسند امام احمد ج۶ص۸۷)

اجلۂ صحابۂ کرام میں بہت سارے صحابہ فقیہ تھےاورعورت کی حیثیت سے ان میں نمایاں مقام حضرت عائشہ کا تھا اس لیے ان کے ہوتے ہوئے بہت سارے مسائل براہ راست آپ سے معلوم کیے جاتے تھے، بڑے بڑے صحابہ کبار معضلات امور میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔(جامع ترمذی مناقب عائشہ)

مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْقُرْآنِ وَلَا بِفَرِيْضَةٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَ لَا بِفِقْهٍ وَلَا بِشِعْرٍ وَّلَا بِطِبٍّ وَلَا بِحَدِيْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسَبٍ مِّنْ عَائِشَةَ، ، قرآن،فرائض،حلال وحرام،فقہ،شاعری، طب،عرب کی تاریخ اورنسب کا حضرت عائشہ سے بڑھ کر عالم کسی کونہیں دیکھا۔(زرقانی ج۳ص۲۲۷)

مَا اَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَئَلْنَا، ، ہم اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوکوئی بھی مشکل مسئلہ پیش آیا تو ہم نے اُن سے معلوم کیا۔(باب ماجاء فی حفظ اللسان)

يَسْئَلُهَا الْاَكَابِرُ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، ، ان سے بڑے بڑے صحابہ آکرمسائل دریافت کرتے تھے۔(ابن سعد ج۲ص۱۲۶)

مسروق تابعی قسم کھاکرلکھتے ہیں:لَقَدْ رَاَيْتُ مَشِيْخَةَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَيَسْئَلُوْنَهَا عَنِ الْفَرَائِضِ، ، ہم نے شیوخ صحابہ کو ان سے فرائض کے مسائل پوچھتے ہوئے دیکھا ہے۔(ابن سعد ج۲ص۱۲۶)

حضرت عائشہ، حفصہ، ام سلمہ اور ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ (فتح الباری ج۹ ص۴۷)

مکثرین کثیر الروایہ صحابہ جن کی روایتوں کی تعداد ہزروں تک پہنچی ہے سات اشخاص ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی شمار ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مرویات ۵۳۶۴ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مرویات ۲۶۶۰ (۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: مرویات ۲۶۳۰ (۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مرویات ۲۵۴۰ (۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مرویات ۲۶۸۶ (۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: مرویات ۲۲۱۰ (۷) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مرویات ۲۲۷۰، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کثرت روایات میں حضرت عائشہ کا چھٹا نمبر ہے اوران سات میں حضرت عائشہ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ تفقہ، اجتہاد، فکر اور قوت استنباط میں ممتاز تھیں۔ اس فضیلت میں آپ کے ساتھ صرف حضرت ابن عباس شریک تھے۔

فقہ میں حضرت عائشہ کے فتاوے اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ (اعلام الموقعین ابن قیم ج۱ ص۱۳)

حضرت عائشہ کی درس گاہ

لوگ مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں داخل ہوتے تو زوجۂ رسول ہماری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آستانے پر حاضری دیتے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے عزت وتعظیم سے پیش آتیں۔ بیچ میں پردہ حائل رہتا۔ لوگ مختلف مسائل اور شکوک وشبہات پیش کرتے جوابات سن کر تسلی پاتے کسی سوال میں سائل کو شرم حائل ہوتی تو فرماتیں میں تمہاری ماں ہوں ماؤں سے کیا پردہ۔ (مسند امام احمد ج۶ ص۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالانہ حج کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا موسم حج میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیمہ کوہ ثبیر کے دامن میں نصب ہوتا تھا جہاں سائلوں کا ہجوم ہوتا تھا (مسند امام احمد ج۶ ص۲۲۵) کبھی خانۂ کعبہ میں زمزم کی چھت کے نیچے بیٹھ جاتیں لوگ ہر طرح کا سوال کرتے اور آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیتیں۔ (مسند امام احمد ج۶ ص۹۵)

جن مسائل میں صحابہ میں اختلاف ہوتا لوگ فیصلہ کے لیے انہیں کی عدالت میں رجوع کرتے۔ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی مجھے ایک مسئلہ میں اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اختلاف بہت شاق گزرا، آپ کی رائے کیا ہے؟ حضرت عائشہ نے اس کا جواب دیا حضرت ابوموسیٰ کو اس جواب سے تسلی ہوگئی اور کہا کہ آپ کے بعد اب کسی سے اس مسئلہ کو نہ پوچھوں گا۔ (مؤطا امام مالک باب الغسل)

كَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَهَا مِنْ كُلِّ مِصْرٍ فَكَانَ الشُّيُوْخُ يَنْتَابُوْنِيْ لِمَكَانِيْ مِنْهَا وَكَانَ الشَّبَابُ يَتَاَخُّوْنِيْ فَيُهْدُوْنَ اِلَيَّ وَيَكْتُبُوْنَ اِلَيَّ مِنَ الْاَمْصَارِ فَاَقُوْلُ لِعَائِشَةَ يَا خَالَةُ هٰذَا كِتَابُ فُلَانٍ وَهَدِيَّتُهُ فَتَقُوْلُ لِيْ عَائِشَةُ اَيْ بُنَيَّةُ فَاَجِيْبِيْهِ وَاَثِيْبِيْهِ،، لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہر شہر سے آتے تھے۔ معمر آدمی میرے ان کے تعلقات کی بنا پر مجھ سے ملنے آتے تھے۔ جوان آدمی مجھ سے برادرانہ وخواہرانہ رشتے قائم کرلیتے تھے۔ مجھ کو لوگ تحفے بھیجا کرتے تھے اور شہر شہر سے خط لکھتے تھے۔ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کرتی خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور تحفہ آیا ہے۔ فرماتیں اس کا جواب لکھ دو اور معاوضہ میں تم بھی کچھ بھیجو۔ (ادب المفرد باب الکتابۃ الی النساء)

درج بالا سطور سے یہ عیاں ہوگیا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحابیات کی دعوت دین میں مساعی جمیلہ رہی ہیں اور ان کی قربانیوں اور کاوشوں کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کے طفیل میں ہم سب کو دعوت دین کے لائق بنائے اور ہماری کوششوں کو بارآور بنائے اور تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی کو عالمی تحریک بنائے اور اسے نظر بد سے محفوظ فرمائے اور ہمارے امیرِ دعوت مولانا شاکر علی نوری صاحب کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ کی مساعی جمیلہ کو بارآور بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم

☆☆☆

دعوت وتبلیغ اور خواتین کی ذمّے داریاں

ناظمہ عزیز مؤمناتی ★

زندگی نام ہے آزمائش کا، دنیا وآخرت میں کامیابی کا اور دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس راستے کو اختیار کرلے جس کو اس کے رب جلیل نے مقرر فرمایا کہ انسان اپنی جانب سے کوشش کرے، اللہ عزوجل اس کو کامیابی عطا فرمائے گا، جیسا کہ پارہ ۲۷ سورہ نجم رکوع ۷ میں اللہ رب جلیل ارشاد فرماتا ہے "ان لیس للانسان الا ما سعی" اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش (کنزالایمان) اس لیے کہ ناکامی پر بددل یا ناامید ہونا مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، کیوں کہ رب جلیل نے مومنین سے وعدہ کیا کہ وہ جلد یا دیر سے کامیابی ضرور عطا کرے گا جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ارشادِ خداوندی ہے" وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔(کنزالایمان)

اس مقصد کے لیے ربِّ جلیل نے ابتدا سے ہی اپنے پیغمبروں کو مبعوث کیا تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کے راستے پر چلائیں، دین کی دعوت دیں، حق کی جانب بلائیں، باطل سے اعراض کروائیں۔ چنانچہ انبیا علیہم الصلوۃ والتسلیم نے اپنی دعوت اور تبلیغ کے سلسلے میں ہمیشہ یہی اعلان فرمایا جو پارہ ۱۹ سورۂ شعرا میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علیٰ رب العالمین" اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا میرا اجر تو اس پر ہے جو ساری دنیا کا پروردگار ہے۔

تاریخ کے اوراق پر آج بھی مختلف روایتوں کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں تحریر ہے کہ آپ نے ساڑھے نوسو سال تک دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور پارہ ۱۲، سورہ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ" ویقوم لااسئلکم علیه مالا ان اجری الا علی الله" اور اے میری قوم میں تم سے اس پر دولت کا خواہاں نہیں میری جزا تو خدا پر ہے۔

دعوت وتبلیغ میں اہم مقصد خالص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کا حاصل کرنا ہے اور اس کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں، جیسا کہ سورۂ احزاب پارہ ۲۱ میں رب جلیل کا ارشاد ہے" لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنة" یعنی تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ تو اس سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مردوں کے لیے نمونہ ہیں وہیں عورتوں کے لیے بھی نمونہ ہیں اور ان کی دنیا وآخرت کی کامیابی حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے۔ سورۂ توبہ پارہ ۱۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر" یعنی اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔(کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مرد اور عورت دونوں ہر طرح کے اجتماعی، انفرادی، جنگی اور خانگی تبلیغی امور میں ایک دوسرے کا تعاون کریں، گویا بھلائی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہر دور میں بلا تفریق مرد وعورت ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تبلیغ کا معنیٰ: تبلیغ باب تفعیل کا اسم مصدر ہے جس کے لغوی معنی پہنچانا ہے۔ لیکن شرعاً تبلیغ کا معنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغام کو بندوں تک پہنچانا ہے اور یہ پیغام پہنچانے والا "مبلغ" کہلاتا ہے۔

تبلیغ کی غرض: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض کفایہ ہے، اگر

چندلوگ یہ کام کرتے ہیں تو باقی لوگوں کے سر پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جیسا کہ پارہ۴ سورۂ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے''ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون ''یعنی اورتم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائیں اوراچھی بات کاحکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترغیب دلائی گئی ہے جیسا کہ پارہ۴ سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے''کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تو منون باللہ ''تم بہتر ہوان سب امتوں میں جوتم لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہواور برائی سے منع کرتے ہواور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اورایک مقام پرارشاد ربانی ہے''ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا قال اننی من المسلمین '' یعنی اوراُس سے زیادہ کس کی بات اچھی جواللہ کی طرف بلائے اورنیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں۔ (کنزالایمان پ۲۴ ع۸، سجدہ)

چنانچہ ان ارشادات سے اس بات کی تائید واضح ہورہی ہے کہ نیک کام کرواورلوگوں کونیکی کی دعوت دو، ان کو برائی سے روکواور اس کی ذمّے داری تمام کونہیں بلکہ ایک مخصوص جماعت کو دی جارہی ہے جوزندگی بھرتبلیغ اوردعوت خیر کرے، اس طرح کہ کافروں کوایمان کی، فاسقوں کوتقویٰ کی، غافلوں کو بیداری کی، جاہلوں کوعلم ومعرفت کی، خشک مزاجوں کوعشق رسول کی، سونے والوں کو بیداری کی اور اچھی باتوں، اچھے عقیدوں، اچھے عملوں کا زبانی، قلمی، قوت سے، نرمی سے، گرمی سے حکم دے اور باتوں، برے عقیدوں، برے کاموں، برے خیالات سے لوگوں کوزبان، دل، عمل، تلوار سے روکے کیوں کہ جس وقت تاجدارمدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبلیغ کا آغازفرمایااس وقت پوری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، ہرطرف کفر وشرک کی آندھیاں چل رہی تھیں، انگلستان میں وحشی قومیں آبادتھیں، اس کے اضلاع میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی، فرانس میں جنگ وغارت گری کا بازارگرم تھا، یہی حالت جرمنی، روس، ہائی لینڈ وغیرہ کی تھی، ایران میں آتش پرستی کا دوردورہ چل رہا تھا جنھوں نے عورتوں تک کو مال بنا کر اخلاقی پستیوں کو بری طرح نمایاں کردیا تھا، چین میں بارش، امن اولاد ہرچند کے جدا جدا بت تھے، مصر میں عیسائیت تھی، صابئیت اور بت پرستی سب کچھ تھی مگر سب خود کو بھولے ہوئے تھے، قریش مکہ کے تو سر سے پانی گزر گیا تھا، تمام عرب میں شبانہ روزقتل ہوتے رہتے تھے، قبائل کی جنگوں کا غیر متناہی سلسلہ قائم تھا کہ کسی ایک گوشے میں بھی امن وامان کی خشکی موجود نہ تھی، کعبہ مکرمہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے، کسی کی جان لینا، کسی کولوٹ لینا، عورت کی عصمت ریزی کرنا یہ سب ادنیٰ اُمور تھےاورایسی فضااورایسے حالات میں تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ صرف کفر وشرک کی تاریکی مٹائی بلکہ عرب کی کایاپلٹ دی ویرانہ گلزاربن گیا، کھنڈرات محل ہوگئے۔

جب حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وحی کے نزول کے بعد پہلا سبق توحید کا بیان فرمایا تو آپ نے یہ کام اپنے گھر سے شروع فرمایا اورسب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ (بیوی)، حضرت علی المرتضٰی (چچازادبھائی)، حضرت ابوبکرصدیق (دوست) اورزید بن حارث (غلام) رضی اللہ تعالیٰ عنھم ایمان لائے اوران کی کوشش سے حضرت عثمان بن عفان، زبیراورعبدالرحمٰن، سعد بن ابی وقاص، سائب بن عثمان، ارقم، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنھم وغیرہ تو چندہی روز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک پرایمان لے آئے، حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین برس تک چھپکے چھپکے تبلیغ کرتے رہے اورعبادت بھی سب مسلمان ایک پہاڑی کی گھاٹی میں جا کر کرتے، اس کے بعد حکم ربانی ہوا''وانذر عشیرتک الاقربین ''(سورۂ شعراء) اورآپ نے اسی کے مطابق بنوہاشم کی دعوت کرکے اسلام کی دعوت دی لیکن سب نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کا مذاق اڑایا۔حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوطرح تبلیغ فرمائی، ایک تبلیغ خاص اوردوسری تبلیغ عام۔ تبلیغ خاص ان لوگوں کے لیے تھی جن تک آپ کی بات پہنچ سکتی اورپہنچائی جاسکتی

تھی، اس ذمّے داری کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھرپور طریقہ سے بذاتِ خود ادا فرمایا اور تبلیغ عام بعد میں آنے والوں کے لیے بعد کی نسلوں اور دنیا کے گوشہ گوشہ کے انسانوں کے لیے تھی، اس ذِمّے داری کی کوئی ایسی شکل ہونی چاہیے تھی کہ جس سے بعد میں آنے والی نسلوں تک دین اسلام کی تعلیم صحیح طریقے پر پہنچتی رہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لیے موثر طریقہ اختیار فرمایا کہ اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعے صحابہ کے ذہن وفکر، دل ودماغ اور رگ وپے میں یہ بات بٹھا دی کہ میری باتیں دوسروں تک پہنچاتے رہو جیسا کہ تفسیر نعیمی میں یہ حدیث شریف مروی ہے "**بلغوا عنی ولو آیة**" یعنی میری طرف سے پہنچادو اگر چہ ایک آیت کیوں نہ ہو، اسی میں تمہاری بھلائی اور اسلامی زندگی کی ضمانت ہے۔ اس تعلیم وتربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تبلیغ ودعوت ذوق سے بڑھ کر ایک ضرورت بن گئی۔ اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے ایک مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے کہ دینی باتوں کو عوام الناس تک پہنچائے اس فریضے کی تکمیل کے لیے ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے مبلغ، تبلیغ، طریقہ تبلیغ۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ امر بالمعروف کے پانچ ضروری آداب ہیں **اوّل** علم کہ جسے علم نہ ہو اس کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ **دوم** اس سے مقصود رضائے الٰہی اور دین کی سربلندی ہو۔ **سوم** جس کو حکم دیتا ہے اس کے ساتھ شفقت ومہربانی کرے نرمی کے ساتھ کہے۔ **چہارم** امر کرنے والا صابر اور بردبار ہو۔ **پنجم** یہ شخص خود اس بات پر عمل کرنے والا ہو۔

ان امور کے علاوہ اسلامی فکر، ایثار، اچھی صحبت، استقامت، محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے حد ضروری ہے۔ مذکورہ آداب میں علم کا ذکر کیا گیا۔ مشکوٰۃ المصابیح جلد اوّل میں یہ حدیث شریف مکتوب ہے "**من سئل عن علم یعلمه ثم کتمه الجم یوم القیمة بلجام من النار**" یعنی جس سے کوئی دینی بات پوچھی گئی اور اُس نے اُسے چھپایا تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی، یعنی علم کا چھپانا گناہ ہے جبکہ دوسری روایت میں مذکور ہے "**من تعلم علما مما یبتغی به وجه الله لایتعلمه الالیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیمة**" یعنی جو کوئی وہ علم سیکھے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اس لیے کہ اس سے دنیوی سامان حاصل کرے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**" کے تحت علم دین حاصل کرنے والوں اور اس کی اشاعت کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں بے شمار ہیں۔

اس لیے ہر مبلغ کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ وہ ایسا کام کرے جس سے رضائے الٰہی اور رضائے مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاصل ہو جائے۔ اسلاف کے طریقوں پر اگر ہم نظر ڈالیں تو تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ کبھی کسی مرد مومن نے نام ونمود کے لیے کام نہیں کیا بقول شاعر

کام کرتے جاتے تھے نام چھپاتے رہتے تھے
اخلاص پیدا ہوتا تھا اخلاق سنورتے رہتے تھے

مبلغ کے لیے تبلیغ کے وقت نرم گفتگو کرنا ضروری ہے جس کی ہدایت سورۂ طٰہٰ پارہ ۱۶ میں "**فقولا له قولا لینا**" یعنی تم دونوں (موسیٰ وہارون) فرعون سے نرم گفتگو کرنا۔

دین کی باتوں کو ناقابل برداشت بنا کر پیش کرنے کے بجائے آسان طریقے سے بیان کرنا جیسا کہ قرآن مجید میں خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "**یرید الله بکم الیسر و لایریدبکم العسر**" (سورۂ بقرہ ۱۸۵) یعنی اللہ تمہارے ساتھ نرمی اور آسانی چاہتا ہے تمہارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا اور ایک حدیث مبارکہ میں مذکور ہے "**فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین**" یعنی تم تو آسانی بہم پہنچانے کے لیے بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔

نرمی کے ساتھ ساتھ نیکی کی دعوت دینے والے کا صابر اور متحمل مزاج ہونا نہایت ہی ضروری ہے جیسا کہ سورۂ لقمان میں ارشاد ربانی ہے "**وأمر بالمعروف وانه عن المنکر واصبر علی ما اصابک**" یعنی اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو اُفتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر (کنزالایمان) یقیناً راہِ تبلیغ میں بہت

ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لوگ گالی گلوچ بھی کرتے ہیں اور مبلغ کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ مار پیٹ بھی کی جاتی ہے لیکن مبلغ کو یہ بات بہ خوبی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور سنتوں کا پیغام پہنچانے میں خواہ کتنی ہی مصیبت کیوں نہ آئے، صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور سوچ لے کہ اس کے ساتھ جو برائی کی جارہی ہے جس پر وہ صابر ہے تو یہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ادا ہورہی ہے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں میں تبلیغ کی تو لوگ ''نعوذ باللہ'' آپ کو پاگل کہتے تھے، آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، شریر لڑکوں کو پیچھے لگایا کرتے جس کو شاعر نے اس طرح بیان کیا۔

تمسخر کرتا تھا کوئی، کوئی پتھر اٹھاتا تھا
کوئی توحید پر ہنستا تھا کوئی منہ چڑاتا تھا
مگر وہ منبع حلم وحیا خاموش رہتا تھا
دعائے خیر کرتا تھا جفا وظلم سہتا تھا

مبلغ کو جذبۂ ایثار وقربانی رکھنا ضروری ہے، صحابۂ کرام کے مصائب پر صبر کرنے والے واقعات پر تاریخ کے مطالعے سے آگاہی کے بعد دل کانپ اٹھتا ہے اور اس کے بعد اگر اپنے مصائب کا تقابل کریں تو یقیناً ہمارے مصائب ہیچ نظر آتے ہیں، مبلغ کا اہم فرض بنتا ہے کہ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کرے ''یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون'' (سورۂ آل عمران) یعنی اے ایمان والو! صبر کرو اور (دشمن کے مقابلے میں) قدم مضبوط رکھو اور مقابلہ کے لیے مستعد ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو جاؤ اور اسی کے ساتھ صابرین کے لیے یہ خوش خبری سنائی کہ ''ان اللہ مع الصابرین''

مبلغ کا ایک اہم فرض یہ ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہو اس پر خود بھی عمل کرے ورنہ وہ ربِ جلیل کی اس آیت کریمہ کا مصداق ہو جائے گا ''یاایھا الذین امنوا لم تقولون مالاتفعلون'' (پ ۲۸ سورۂ صف) یعنی اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو تم نہیں کرتے ہو۔

تبلیغ کا طریقہ: تبلیغ کرنے والے کو مسلسل محنت جاری رکھنا ہوگی اس لیے کہ جو انسان مسلسل محنت کرتا ہے وہ ایک دن کامیابی کی منزل پالیتا ہے جیسے ایک طالب علم حصولِ علم میں سرگرداں ہو کر منزل مقصود پر پہنچتا ہے ٹھیک اسی طرح جو پابندی سے اپنے انداز بیان میں نکھار پیدا کرتا ہے اور توجہ دیتا ہے تو وہ ایک دن لوگوں میں بہترین مبلغ ومقرر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے جب وہ لوگوں میں تبلیغ کرے تو وہ ان چیزوں کو خاص خیال رکھے (۱) توحید (۲) عقیدہ (۳) عقیدے کی پختگی اور تبلیغ کے طریقے میں مخاطب کی فہم وذکاوت اور اس کا رہن سہن، انداز گفتگو، اٹھنے بیٹھنے، آنے جانے کی کیفیات کی رعایت ضروری ہے اور مخاطب کی دلچسپی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ہر قوم اور ہر معاشرے میں ہر ایک ایک علیحدہ مزاج ہوتا ہے، تبلیغی کام قوم وملت کے مزاج کے مطابق نہ ہوگا تو اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔

مبلغ کو بیان میں یعنی تبلیغ میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ (۱) سلام کرنا (۲) حمد وثنا کرنا (۳) تعوذ وتسمیہ کا پڑھنا (۴) کسی آیت کریمہ کو منتخب کرکے اس کی تفسیر کا مطالعہ کرکے اس میں مزید مواد کا اضافہ کرکے پہلے آیت کریمہ کی تلاوت پر اس کا ترجمہ پھر تفسیر بیان کرے (۵) کسی حدیث مبارکہ کو بیان کرے پھر اس کی تشریح کرے اور مواد میں اضافہ کرے۔ اس طرح کا کوئی واقعہ یا کسی بزرگ کے قول کو اس میں شامل کرے۔ (۶) اپنی طرف سے چند افتتاحی کلمات بیان کرے یعنی بیان شروع کرنے سے قبل تمام سامعین کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے چند کلمات سے آغاز کرے۔

یہاں تک تو چند ایسی چیزوں کا ذکر کیا گیا جو دعوت وتبلیغ اور مبلغ کے آداب وغیرہ کو واضح کرتے تھے، اس کا دوسرا رخ مسلم خواتین کی ذمّے داریاں یعنی دعوت وتبلیغ میں مسلمان خواتین کی کیا کیا ذمّے داری ہے اگرچہ چھوٹی بات یہ ہے کہ تبلیغ کے ہر طریقے اور مبلغ کے ہر اوصاف میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں مگر عورت (مبلغہ) کے لیے حسب ذیل باتوں کے ساتھ تبلیغ کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے۔

(۱) پہلے اپنے شوہر کی رضامندی حاصل کرے (۲) پردے

کے ساتھ تبلیغ کرے (۳) اپنی گھریلو ذمّے داری کے مکمل کرنے کے بعد تبلیغ اسلام کرے چوں کہ جتنی ذمّے داری تبلیغ کی مرد کی ہے اس سے زیادہ عورت پر بھی ہے وہ اس طرح کہ وہ بحیثیت ماں، بیوی، بہن، بیٹی، معلّمہ، ملازمہ، طالبہ تبلیغ کر سکتی ہے اور اس کے یہ روپ اس کے مذکورہ شرائط کے ساتھ ہی ملحوظ رہیں گے کہ بیٹی ہے تو والد کی رضامندی، بہن ہے تو بھائی کی رضامندی، بیوی ہے تو شوہر کی رضامندی، طالبہ ہے تو استاذ کی رضامندی اور پردہ ہر حال میں اس کے لیے لازم ہے، ذیل میں ماں کی مفصل ذمّے داریاں تحریر کی جاتی ہیں کہ کس طرح وہ تبلیغ و اشاعت میں معاون ہوں گی، ماں کی تربیت کی اچھائی لڑکی کو دیندار بناتی ہے، جب وہ دین دار بن جائے تو مسائل خود آسان بن جاتے ہیں۔

ماں: والدین کی ذمّے داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی اور صالح نہج پر پرورش کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی تاکید کریں، اطاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں زندگی گزارنے کا ہنر سکھلائیں، چوں کہ ماں کی آغوش بچے کے لیے پہلی درس گاہ کا درجہ رکھتی ہے وہاں جو نقش ابھرتا ہے وہ تا حیات قائم رہتا ہے خواہ بچہ اعلیٰ سے اعلیٰ اسکول یا کالج یا دینی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرے یا متوسط کیوں کہ اچھے اخلاق و کردار نسل انسانی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں'' اور اخلاق کو سنوارنے کا سب سے سنہرا دور بچپن کا دور ہے اور اخلاق کو سنوارنے، بگاڑنے کی ذمّے داری ماں پر ہے تو ماں کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے افراد خاندان بالخصوص بچوں کے دینی جذبات کو ابھارے اور اسے عبادت کی طرف راغب کرے، تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کروائے، صحابہ و صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسلامی تبلیغی واقعات کو سنائے، لیکن اس سے قبل اپنے بچوں کے مزاج اور ان کی صلاحیتوں کو پرکھنے کے لیے ان کا مطالعہ کرے، بچوں کی خوبیوں اور خامیوں کو ذہن میں رکھے، حکمت و دانائی سے ایک ایک خوبی کو پروان چڑھائے اور خامیوں کو ایک ایک کرکے دور کرنے کی کوشش کرے اور جب وہ حد شعور کو پہنچیں تو ان کو حرام و حلال، نیکی و بدی، اچھائی اور برائی کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کرے جیسے سچ بولنا، ایمانداری، بھلائی کرنا، دوسروں کے دکھ و تکلیف میں ان کی مدد کرنا وغیرہ کہ یہ نیکی ہے اور کسی کا مال بغیر اجازت لینا، جھوٹ بولنا، دوسروں کا مزاق اڑانا یہ بری بات ہے اور عملاً بچوں سے ایسے کام بھی کرائے جس میں دو بچوں کے درمیان جھگڑا ہو تو وہ ان کے درمیان صلح کرائے اور ٹھیک اسی طرح بچوں کو برے کاموں سے آگاہ کرے چوں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا کی ان کو گویا امتحان کا پرچہ دے دیا جن پر اگر وہ کامیابی کے نمبر نہ لے سکے تو پھر دوسرا کوئی پرچہ بھی ان کے اس نقصان کی تلافی نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ تحریم میں ارشاد فرماتا ہے ''**یاایھاالذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ علیھا ملٰئکۃ غلاظ شداد لایعصون اللہ ماامرھم ویفعلون مایومرون**'' یعنی اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر سخت کرّے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (کنزالایمان پ ۲۸)

دین اور دینی اخلاق کی تربیت دینا ان کی ذمّے داری ہے، اسلامی خاندان میں عورت کو گھر کی ملکہ کہا جاتا ہے کیوں کہ شوہر پر کسب مال کی ذمّے داری ہے اور اس مال سے گھر کا صحیح نظم کرنا عورت کا کام ہے جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ''**المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھی مسؤلۃ**'' عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرے میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔ اسی لیے اس کو ایسے تمام امور و فرائض سے سبکدوش کر دیا گیا ہے جو بیرون خانہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ماؤں کی ذمّے داری ہے کہ وہ تبلیغ جو گھر بیٹھے ہی کی جا سکتی ہے اس کا خیال رکھیں، گھر کے ماحول میں جو پرانی جاہلیت کی رسمیں چلی آرہی ہیں ان کو بھی نکال کر باہر کریں اور نئے زمانے کی جاہلیت کے جو اثرات انگریزی دور میں داخل ہو گئے ہیں انہیں بھی خانہ بدر کریں۔ اس وقت ہمارے گھروں میں غیر اسلامی رواج آرہے ہیں جن کا اثر بچوں پر ضرور پڑتا ہے جیسا کہ مشہور ہے ''**العلم فی الصغر کالنقش فی**

الحجر ''یعنی بچے کا علم پتھر کی لکیر کی طرح ہوتا ہے۔جب ماں اپنے اخلاق کی مضبوطی پر قائم رہے تو وہ جس چیز کو صحیح سمجھے گی اس پر سارے گھر اور سارے خاندان کی مخالفت کے باوجود اولاد اس کو صحیح تصور کرے گی اور اس کی فرماں برداری کرے گی۔ کیوں کہ تبلیغ واصلاح اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے اپنے بھائی بہنوں اور اپنے قریبی رشتے داروں کی طرف توجہ کریں اور ہر ماں کو لازم ہے کہ وہ تعلیم وتربیت کے دوران محبت وشفقت کا برتاؤ کرے، رحم دلی ومہربانی سے پیش آئے، بچوں کو بار بار نصیحت کرے اور اگر ایسا کرنا بچے میں ضد پیدا کرتا ہے تو اس کو مناسب وقت دیکھ کر کسی کہانی کے ذریعے یا واقعے کے ذریعے سمجھائے۔ ماں پر یہ ذمّے داری ہے کہ وہ بچوں کو ایسے کھیلوں کی طرف رغبت دلائے جن سے ان کی جسمانی طاقت میں اضافہ ہو جیسے رسہ کشی وغیرہ عام طور پر بچہ چھ یا سات سال کی عمر تک کھیلتا ہے اس عمر کے بعد کھیلے جانے والے کھیلوں پر بھی توجہ رکھیں کہ کہیں بچے شطرنج وجوا وغیرہ کے عادی نہ بنیں، جب وہ سن بلوغ کو پہنچیں تو ماں پر ضروری ہے کہ اس کے دوستوں، ساتھیوں اور صحبتوں پر گہری نظر رکھے کیوں کہ اس وقت کی صحیح نگہداشت بچے کے مستقبل کو درخشاں بناتی ہے۔ اگر اس وقت اس کی نگہداشت اسلامی طریقے اور سنتِ رسول پر نہ ہو تو گھر کا ماحول تباہ کن ہو جاتا ہے اور اس کی ذمّے دار صرف ماں ہوتی ہے کہ یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے منہ موڑنے کا نتیجہ ہے۔

تبلیغ کی ذمّے داری جتنی مردوں پر ہے اتنی ہی عورتوں پر ہے مگر اس کے بعد اگر گھر میں والد بیٹی کو یا شوہر بیوی کو اجازت نہ دے تو وہ گھر کی دہلیز کے باہر قدم نہ رکھے۔ اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے باہر جا کر محلوں میں تبلیغ کرنا چاہتی ہے تو وہ اپنے قدم کو گناہ کی طرف اُٹھا رہی ہے۔ اس سے زیادہ اچھا ہے کہ بیوی اپنے گھر میں رہ کر شوہر کو راضی رکھے چوں کہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت اسما بنت یزید انصاریہ صحابیہ حضور تاجدار مدینہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں یعنی مرد وعورت کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے اس لیے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر اور اللہ پر ایمان لائیں مگر ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہیں، مردوں کے گھروں کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کی خواہش پوری کرتی ہیں اور ان کی اولاد کو لادے پھرتی ہیں۔ ان سب کے باوجود بہت سے ثواب کے کاموں میں مرد ہم سے بڑھے رہتے ہیں، جمعہ میں شریک رہتے ہیں، جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شریک ہوتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر جہاد کرتے ہیں اور جب وہ حج کے لیے عمرہ کے لیے اور جہاد کے لیے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، ان کے لیے کپڑا بنتی ہے اور ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہیں کیا ہم ثواب میں ان کی شریک نہیں؟ تو حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر کوئی سوال کرنے والی نہیں سنی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ! ہم کو بھی یقین نہیں تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''اسماء'' کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سن اور سمجھ اور جن عورتوں نے تمہیں بھیجا ہے ان کو بتادے کہ ''عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے جو مرد انجام دیتے ہیں''۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ وہ اجر وثواب جس کا مرد محنت ومشقت کے بعد مستحق ہوتا ہے تو عورت صرف مرد کو راضی رکھ کر مستحق ہو جاتی ہے۔

الغرض دعوت وتبلیغ کے باب میں عورتوں کی ذمّے داریاں نہایت اہم ہیں اور اکثریت کے ساتھ اس کی تلافی ماں کر سکتی ہے چوں کہ جب ماں علم دین کے زیور سے آراستہ ہو تو وہ اپنے نونہالوں کی پرورش عین سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کرے گی، ان کو حلال وحرام، صحیح وغلط، اچھے، برے کی تمیز کروائے گی، ان کے چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، سننے بولنے، لباس پہننے، کھانے

پہنے، یہاں تک کہ چپل پہننے میں تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کروائے گی تو ان کی لڑکیاں اچھی بیٹی، بہو، بہن، پھوپھی، بیوی اور ماں ثابت ہوں گی اور اس طرح کئی نسلوں کو دین کا داعی بنانے کی مجاز ہوں گی جب وہ خود اپنی اولاد کی پرورش کرے۔ تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ان کے دلوں میں بھر دے تو وہ محبت رسول کے جذبے سے سرشار ہو کر دین کی تبلیغ کے لیے آگے آئیں گے چونکہ ان کو ان ماؤں، بہنوں وغیرہ سے اس چیز کا سبق ملے گا اسی وجہ سے اسی کار تبلیغ کی پابندی کے لیے تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان** ''یعنی کوئی شخص اگر کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے اور اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے روک دے اور اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو اس کو دل میں برا سمجھے یعنی اس کو روکنے کے لیے فکر مند ہو اور یہ ایمان کا کم درجہ ہے۔ (مسلم شریف)

گزشتہ قوموں میں تبلیغ کے مخاطب صرف مرد تھے تو اسلامی معاشرے میں اس کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دعوت اسلامی میں مسابقت کرو اور اپنی ذمّے داریوں کو محسوس کرو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ تبلیغ خواتین کے لیے عظیم تمغہ ہے جو اسلام نے عورت کے سینے پر لٹکا دیا۔ عورت کی دعوتی و تبلیغی ذمّے داریاں مرد کی طرح ہیں لیکن ہر عورت کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے گھر کے کاروبار کو چھوڑ کر مبلغہ بن جائے لیکن عورت کا اس کے گھر کی ذمّے داریوں کو بخوشی نبھانا اور اپنے گھرانے کو اسلامی گھرانا بنانا، اپنے بچوں کو بری صحبتوں، عادتوں اور ناپسندیدہ حرکات سے روکنا بھی تبلیغ ہے۔ چنانچہ عورت یہ سب کام اپنے گھر سے انجام دے سکتی ہے۔ اپنے گھر میں محبت رسول کا درس دے کیوں کہ خود تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''**لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین** ''یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کے اس کے ماں باپ اس کی اولاد اور بقیہ تمام لوگوں کے مقابلے میں اس کے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)

صحابۂ کرام کی مقدس زندگیاں جو تبلیغ میں صرف ہوئیں اس کی وجہ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کا عظیم جذبہ تھا، خواتین کو چاہیے کہ وہ نمازوں کو وقت پر ادا کریں اور گھر کے مرد حضرات کو جماعت سے نماز ادا کرنے کی تلقین کریں، روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کریں، اس کے مفہوم کو سمجھیں، خود کو برائی سے روکے، جھوٹ، چغلی، غیبت، بے حیائی سے بچیں، عفو و درگزر کی صفت اختیار کریں، چھوٹوں پر شفقت، مہربانی، رحم دلی، ہمدردی کے جذبے سے پیش آئیں، بڑوں کی تعظیم کریں، حلال کھائیں اور حلال پیشوں کو اختیار کرنے کی تلقین کریں، خود میں صبر واستقلال واستقامت پیدا کریں، حقوق العباد کی ادائیگی میں بہت احتیاط برتیں، والدین، اہل وعیال، اہلِ خاندان، دوست، احباب سب کے حقوق ادا کریں اور اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ اپنے لبوں پر درود و ذکر کی تسبیح جاری رکھیں، توبہ استغفار کثرت سے کریں کہ ان کا اثر اہل خاندان پر ہوگا اور جب مبلغہ کی حیثیت سے آپ اپنے لب کھولیں تو وہ ضرور اس پر عمل کریں گے۔ چوں کہ آپ ان کے سامنے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے نظر آئیں گی کہ خود عامل بن کر وعظ و نصیحت کرنے پر جلد عمل ہوتا ہے۔

موضوع کی طوالت کو اس اختصار کے ساتھ ختم کرتی ہوں کہ معاشرے کے سدھار اور بگاڑ میں خواتین کا بڑا اہم رول ہے۔ وہ اپنے منصب اور ذمّے داریاں اور دعوت و تبلیغ کو محسوس کر کے اس کا حق ادا کرنے کی سعی کریں، یقیناً اس سے معاشرہ، خاندان اور ہماری اور سب کی اصلاح ہوگی۔ اس تحریر میں اصلاح سے تنقید مراد نہ لیں بلکہ اصلاح برائے اصلاح مراد لیں تو اس سے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی و کامرانی و سرخ روئی عطا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم میں جسے دعوت و تبلیغ کی استطاعت رکھتا ہے اس کو ہدایت دے کہ وہ حق اور سچ پہنچا سکے اور حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم ''**بلغوا عنی ولو آیۃ**'' کی تکمیل کر سکے۔

☆☆☆

دعوت وتبلیغ اور خواتین کا طریقۂ کار

غلام مصطفےٰ قادری رضوی ★

دعوت وتبلیغِ دین سے متعلق جس طرح مردوں کی قربانیاں تاریخ اِسلام میں روشن وتابناک ہیں، اسی طرح عورتوں کی خدمات بھی درخشاں ومنور ہیں بلاشبہ میدانِ کارزار میں مجاہدین اسلام کے ساتھ حسب استطاعت مخلصانہ طور پر خواتینِ اسلام نے بھی تعاون پیش فرمایا اور اجرِ عظیم کی حق دار ہوئیں۔

میدانِ دعوت وتبلیغ میں اصحابِ رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح صحابیات وازواجِ مطہرات کے کارنامے بھی ناقابل فراموش ہیں چوں کہ اسلامی تعلیمات سے عورتوں اور بچوں کو واقف وآشنا کرانا، عورتوں کی بھی ذمّے داری ہے۔ لہٰذا اس ذمّے داری کو ان پاک باز عورتوں نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ تاریخ وسیر کی کتب ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دعوت وتبلیغ نے تو خوب گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ تو ہادیٔ دوعالم معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ تربیت وصحبت میں رہی ہیں۔ ایک ایک ادائے مصطفےٰ پر عمل پیرا ہونے میں کوشاں رہتیں تو یقیناً آپ کی تبلیغی صلاحیتوں کا اثر ان پر بھی پڑتا رہا۔

چنانچہ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں، انہوں نے ایک باریک دوپٹہ اوڑھا تھا، سیدہ عائشہ نے اسے پھاڑ دیا اور انہیں موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا۔ (موطا امام مالک)

یہاں سیدہ عائشہ رضی المولیٰ عنہا نے اس حدیث پاک پر عمل فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی بات خلافِ شرع دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے بھی منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ (انوار الحدیث، ص:۴۴)

آج مسلم معاشرے کے حالات دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ مال اور دولت کی محبت نے قومِ مسلم کو دین سے دور کرنے میں خاص رول ادا کیا ہے۔ مغربی تہذیب وتمدن پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمان مردوں اور عورتوں کو برے افعال واعمال میں کامیابی نظر آنے لگی ہے جبکہ خردمند انسان جانتا ہے کہ اسلام کی روشن ہدایات وتعلیمات میں ہی دونوں جہاں کی سرخروئی اور کامرانی مضمر ہے۔

آج مسلمان گھرانوں میں بے پردگی اور بے حیائی عام ہوتی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں خواتین کی ذمّے داریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ ایک عورت جو گھر کی رونق وزینت ہونے کے ساتھ ساتھ گھر کے انتظام وانصرام اور بچوں کی تعلیم وتربیت کی بھی ذمّے دار ہوتی ہے، اگر شروع سے اپنی بچیوں کو پردہ جیسے اسلامی شعار کی خوبیاں بتاتی رہے تو عمدہ اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ ایک عورت اپنی بیٹی کو اگر اس طرح نصیحت کرے:

میری بیٹی! اسلام نے ہمیں جو تعلیمات عطا فرمائی ہیں وہ بڑی پیاری اور ہماری کامیابی کی ضامن ہیں۔ دیکھو! پردہ اور شرم وحیا سے زندگی گزارنے والی خواتینِ اسلام کا آج دنیا بھر میں محبت بھرا تذکرہ ہورہا ہے ازواجِ مطہرات نبی کریم اور دیگر صحابیات و بناتِ مصطفیٰ رضی اللہ عنہن کے کتنے والہانہ انداز میں گیت گائے جارہے

★ رحمت عالم گلی، باسنی ناگور، راجستھان

ہیں۔ ان مقدس عورتوں نے قرآنی آیات اور کلمات مصطفویہ پر خوب خوب عمل کیا تھا۔

اس لیے میری بیٹی سدا باپردہ رہنا اور اپنی عصمت وعزت کی حفاظت کرتی رہنا۔ یادرکھنا! یہ جو نقاب اور اسکارف ہے اس سے ہماری عزت بڑھتی ہے۔ بری اور بھوکی نظروں سے حفاظت ہوتی ہے تم جانتی ہو کہ جب ہم ضروریاتِ زندگی کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہیں تو باپردہ برقعہ کے ساتھ نکلتی ہیں اس لیے غیرمحرم لوگوں کو اپنا بدن بھی نہیں دکھاتیں۔ اگر تم نے بھی اسی طرح بااصول زندگی گزاری اور اپنی ناموس کا پاس ولحاظ رکھا، مدرسہ واسکول جاتے وقت اگر پردے کی پابندی کی تو ایک طرف تم عملی میدان میں سرخروئی حاصل کروگی اور دوسری طرف پاکباز رہوگی''۔

اس طرح کی پندونصیحت اولاد پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ والدین کا تو اپنی اولاد کے لیے قیمتی تحفہ حسنِ ادب وتربیت ہی ہے اور یہ بھی تبلیغ کا موثر ذریعہ ہے اور یادرکھیں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا: ''**کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته** ''تم میں کا ہر ایک نگہبان ہے اور سب سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو بھی ان تمام باتوں پر عمل پیرا ہونے کی تاکیدوتلقین کی جائے جن کا اسلام نے حکم دیا اور ان تمام منکرات ومنہیات سے دور رکھا جائے جو دنیا وآخرت کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوں۔

دعوت وتبلیغ سے متعلق خواتین کی ذمّے داریاں بہت ہوتی ہیں ماں کی حیثیت سے بھی وہ اچھی تبلیغ کرسکتی ہیں اور بہن کی حیثیت سے بھی وہ مصلحانہ کردار ادا کرسکتی ہیں، جہاں بیوی کی حیثیت سے وہ شوہر کی اصلاح کا سامان تیار کرسکتی ہیں۔ وہیں سہیلی ہونے کے ناطے اپنی اسلامی بہن کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرسکتی ہیں، بس توجہ کی ضرورت ہے نتائج خود برآمد ہوں گے۔ کیا ایک باوفا بیٹی اپنی ماں کی بات ٹال سکتی ہے؟ جب وہ اسے بری بات سے منع کرے اور بھلائی کی بات بتائے۔ کیا ایک بہن اپنی بہن کی اچھی بات اور اچھے مشورے کو ٹھکرا سکتی ہے؟ کیا اپنی جگری دوست (سہیلی) اپنی سہیلی کی اصلاحی باتوں کو رد کردے گی؟ نہیں وفادار بیٹی، بہن اور سہیلی سے ایسی امید نہیں کی جاسکتی تو پھر کیوں اس جانب توجہ نہیں دی جاتی؟۔

قرآن کریم فرماتا ہے: ''**تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** ''نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ وزیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اس آیت کریمہ پر ہر ایک عورت اور مرد بھی بخوبی عمل کرسکتے ہیں۔ ہر میاں اور بیوی بحسن وخوبی عمل پیرا ہوسکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ بیوی اپنے شوہر کو برائی کرتے دیکھے تو اسے منع کرے اور نیکیوں کی طرف رغبت دلائے، اسی طرح ایک شوہر ایک افسر اپنی بیوی کو غلط کاموں سے بچا سکتا ہے اور نیک کاموں کی طرف مائل کرسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت حبیب عجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ ''عمرہ'' کا یہ معمول تھا کہ رات کے وقت اپنے شوہر کو بیدار کرتی تھیں اور کہتیں: ''اٹھ جایئے رات گزرگئی، راستہ طویل ہے اور ہمارے پاس زادِ سفر بہت کم ہے، نیک بندوں کے قافلے ہم لوگوں سے بہت آگے جاچکے ہیں اب پیچھے صرف ہم لوگ رہ گئے ہیں۔ (روض الریاحین اردو، ص: ۳۲۹)

دیکھا آپ نے! ایک بیوی اگر خود پابندِ صوم وصلوٰۃ ہے تو وہ خود صبح بیدار ہوکر اپنے شوہر اور بچوں کو بھی بیدار کرکے نماز کی تاکید کرسکتی ہے اور یہ تبلیغ کا بڑا عمدہ طریقہ ہے مگر افسوس ہماری قوم کی بچیوں اور ماں بہنوں پر، نہ وہ خود آج تبلیغ شریعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں اور نہ اپنے متعلقین کو اس طرف متوجہ کرتی ہیں۔ آخر یہ حالات کیسے ہوگئے۔ خدائے کریم ہم پر اپنا خصوصی فضل فرمائے۔آمین

یہ حقیقت آپ سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ماں کا اولاد کی تربیت میں باپ سے زیادہ رول ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ گھر میں

باپ سے زیادہ ماں ہی کے ساتھ بچے اور بچیاں زندگی گزارتے ہیں اور یہی آداب وتعلیمات کا ذریعے ہوتا ہے۔ ماں کی اچھی اور بری باتوں کو اپنی زندگی میں ڈالتے ہیں اور ان کا بچوں کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ تو اگر ماں اپنی بچیوں اور بیٹیوں کو حقوقِ بزرگاں اور شادی کے بعد کی زندگی کے آداب اور طریقے سکھائے۔ اسلام کی عظیم المرتبت خواتین کی ازدواجی زندگی کے واقعات سنائے، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیاری اور سادگی والی شادی کی برکتیں بتائے تو یہ بھی بہترین نتائج چھوڑیں گی اور دیکھئے نا! بیٹیوں کی اچھی تربیت اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر احادیث کریمہ میں کتنی پیاری بشارتیں دی گئی ہیں، رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیٰمۃ انا وھو ھکذا وضم اصابعہ ''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح کھڑے ہوں گے (یہ فرمایا) اور اپنی انگلیوں کو باہم پیوست کر دیا۔ (مسلم شریف ۲/۳۳۰)

اس سلسلے میں حضرت اسامہ بنت خارجہ غزاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اپنی بیٹی کو بوقت نکاح کی گئی نصیحت دلچسپی کا باعث ہوگی۔ انہوں نے فرمایا تھا: ''بیٹی تو ایک گھونسلے میں تھی، اب یہاں سے نکل کر ایسے بستر پر جارہی ہے جسے تو خوب نہیں پہچانتی، ایسے ساتھی کے پاس جارہی ہے جس سے مانوس نہیں، اس لیے زمین بن جا، وہ تیرے لیے آسمان ہوگا، اس کے لیے بستر بن جا وہ تمہارے لیے باعثِ تقویت ستون ثابت ہوگا، اس کے لیے لونڈی بن جا وہ تیرے لیے غلام ہوگا، اس سے کسی معاملے میں چمٹ نہ جا کہ وہ تمہیں پرے (دور) ہٹادے، اس سے دور نہ ہو ورنہ وہ تجھے بھلا دے گا۔

اگر وہ تجھ سے قریب ہو تو تو اس سے مزید قریب ہوجا اور اگر وہ تجھ سے ہٹے تو تو اس سے دور ہوجا، اس کے ناک، کان، اور آنکھ (یعنی ہر طرح کے راز) کی حفاظت کر کہ وہ تجھ سے صرف تیری خوشبو سونگھے (یعنی راز کی حفاظت اور وفاداری پائے)، وہ تجھ سے صرف اچھی باتیں سنے وہ تجھ سے صرف اچھا کام ہی دیکھے۔ (قابل رشک خواتین، ص ۱۷۴)

مذکورہ بالا نصیحتیں ایک بیٹی کی ازدواجی زندگی کے سفر کو پرسکون اور راحت افزا بنا سکتی ہیں اور یہ دعوتِ عمل کی تبلیغ دین کا بہترین ذریعے بھی ثابت ہوگی، کاش! دور جدید کی عورتیں ان گلہائے رنگا رنگ سے خوشبو حاصل کریں اور اپنے گھروں کو معطر ومعنبر کر دیں۔

مسلم گھرانوں میں شادی بیاہ کے موقع پر جو غیر شرعی حرکتیں کی جاتی ہیں وہ بھی قابلِ افسوس ہیں۔ ناچ گانے، گیت، پٹاخے اور آتش بازی، مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور بے حیائی کی چیزوں کا استعمال یہ سب فضول کام ہونے کے ساتھ تباہی کا سبب بھی بنتے جارہے ہیں۔ اس موقع پر خواتین کی ذمّے داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ اگر ایک عورت اس بات پر اٹل ہوجائے کہ میرے گھر میں شادی کے موقع پر ناجائز افعال نہیں ہوسکتے تو شوہر کی ہمت وجرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ گھر کو ایسے کاموں سے بے سکون کردے۔ اسی طرح اگر عورت اس طرح کے خوشی کے موقع پر اسلامی مجالس (محفل میلاد وجلسۂ سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں شوہر سے مشورہ کرے تو یہ نیک مقصد ومشورت بھی اچھے اثرات مرتب کرے گا۔

الغرض! خواتین مختلف انداز میں دعوت وتبلیغ دین کے فرائض انجام دے سکتی ہیں بس اس جانب دھیان دینے کی ضرورت ہے اچھے کام کی نیت پر جب اجر وصلہ کی بشارت ہے تو پھر کام کر لینے پر کتنا ثواب ملے گا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اللہ کریم ہم سب کو دینی دعوت وتبلیغ اپنی استطاعت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اخلاص واثر کی دولت سے نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

☆☆☆

باب ہفتم

دورِ جدید میں دعوت وتبلیغ کے امکانات اوراس کے تقاضے

عصرِ حاضر میں تبلیغ ودعوت کے جدید تقاضے ،طریقۂ کار اور اسالیبِ بیان کیا ہیں؟ اس پر پچھلے کئی برسوں سے قرطاس وقلم کی نبرد آزمائی چلی آرہی ہے،لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ خیز گفتگو ہمارے سامنےنہیں آئی۔اس سلسلے میں دو طبقے ہیں۔ایک جدید تقاضوں کی حمایت کرتا ہےاور دوسرااس کی مخالفت کرتا ہےلیکن بے چاری عوام چکی کے دو پاٹوں کی طرح ان دونوں کے درمیان پس کررہ گئی ہے۔وہ جائے تو کہاں جائے؟اس باب میں حضرت علامہ یسین اختر مصباحی صاحب قبلہ پہلے طبقہ کے نمایندہ ترجمان ہیں اوردوسرے قلم کاروں نے بھی اپنے اپنے طور پر مختلف زاویوں سے گفتگو کی ہے اُمید ہے کہ ہمارے ان مقالہ نگاروں کی تحریریں خضرراہ ثابت ہوں گی۔

دعوت وتبلیغِ اسلام کے جدید امکانات ووسائل

علامہ یٰسین اختر مصباحی★

اسلام نظام فطرت اور دین دعوت ہے جس کے عناصر و اجزا ہر انسان کے خمیر اور اس کی تخلیق میں شامل ہیں۔ اس زندۂ جاوید حقیقت کا بیان اور اس کی تعبیر یوں بھی ہوسکتی ہے کہ یہ انسان اپنی اصل کے اعتبار سے آئینۂ جمالِ فطرت اور اپنی صفات کے لحاظ سے مظہرِ صفاتِ الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نگار خانۂ قدرت کا ایسا شہکار ہے جو ساری مخلوقات وموجودات کے درمیان سب سے زیادہ حاملِ شرف وفضیلت اور سب سے زیادہ صاحبِ عزت وکرامت قرار دیا گیا ہے۔

بندوں کی ہدایت کے لئے صحیفۂ فطرت قرآن حکیم کا ارشادِ گرامی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِى فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ روم، آیت:۳۰)

تو اپنا منہ سیدھا کر اللہ کی اطاعت کے لئے ایک اکیلے اسی کے ہوکر اللہ کی ڈالی ہوئی بنا پر جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی چیز نہ بدلنا۔ یہی سیدھا دین ہے۔ مگر بہت لوگ نہیں جانتے۔

اِنِّى وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفاً وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (سورۂ انعام، آیت:۷۹)

میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ایک اسی کا ہوکر اور میں مشرکوں میں نہیں۔

اللہ نے اپنے منتخب اور پسندیدہ دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اس کی آخری کڑی اور اسلام کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا ظہور اور جن کی بعثت کائنات کی سب سے بڑی نعمت اور اپنے بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔

قرآن حکیم کا آفاقی پیغام اور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے دعوتِ ہدایت اور ان کے سارے شعبہائے زندگی کے لئے نمونۂ کامل بھی ہے۔ کیوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین کے ہر خطے، ہر رنگ ونسل اور ہر عہد وعصر کے ایسے نبی ہیں جن پر سلسلۂ نبوت و رسالت تمام ہوگیا اور اس خاتمیت پر ہمیشہ کے لئے مہر لگ چکی ہے۔

دعوت وتبلیغ کا قرآن وحدیث میں جا بجا حکم دیا گیا ہے اور اس کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے۔ اہل ایمان اور امت محمدیہ کا اسے امتیازی وصف بیان کرتے ہوئے اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے پر اسے بہترین اجر وثواب کا مستحق بھی قرار دیا گیا ہے۔

دعوت واسالیبِ دعوت اور اوصافِ داعی ہر ایک کی علمی و

عملی توضیح وتفصیل کتب و رسائل میں منتشر طور پر بھی اور کہیں کہیں یک جا مسطور و مذکور ہے جن کا مطالعہ کر کے ہر داعی کو اپنی عملی زندگی میں انھیں برتنا اور مدعو افراد واقوام کے سامنے انھیں پیش کرنا ضروری ہے۔

یہاں بطور نمونہ صرف ایک آیتِ کریمہ اور ایک حدیث نبوی نذر قارئین ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ (سورۂ نحل، آیت:۱۲۵)

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے، اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے انھیں جو ہدایت پر ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:یَسِّرُوا وَ لَاتُعَسِّرُوْا وَ بَشِّرُوا وَ لَاتُنَفِّرُوْا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

سہولت وآسانی کرو اور دِقت ومشقت میں نہ ڈالو، اور بشارت وخوش خبری دو اور نفرت ووحشت میں نہ ڈالو۔

زمانۂ انبیاے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم وعہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نیز دورصحابہ وتابعین وتبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں دعوت وتبلیغِ اسلام کی راہ میں جو مادی وعملی مشکلات حائل تھیں آج ان کا صحیح اندازہ کرنا بھی نہایت مشکل کام ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ نے بے پناہ مصائب وآلام کے باوجود اپنا دینی فریضہ اس حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا کہ تاریخِ دعوت و عزیمت وصبر واستقامت میں ان کے اسماے گرامی جلی حروف میں لکھے جاتے ہیں اور اہلِ اسلام کے دلوں میں آفتاب و ماہتاب اور روشن ستاروں کی طرح ان کی یادوں کے نقوش جگمگا رہے ہیں۔

سیکڑوں علوم وفنون اور ترقی یافتہ سائنس وٹیکنالوجی کے عہد جدید میں بے شمار ایسی سہولتیں اور آسانیاں عام ہوچکی ہیں جن کا صدی دوصدی پیشتر تصور کرنا بھی ایک خواب وخیال تھا۔ روحانیت و اخلاق کی توانائیاں اگرچہ ماند پڑی ہیں مگر مادّی وسائل وامکانات میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ اور جدید ذرائع و مواقع کا دنیا بھر میں سیلاب آچکا ہے۔

سمینار، سمپوزیم، کانفرنس، جدید مواصلاتی نظام، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا وغیرہ نے دعوت وتبلیغ کا کام بے حد آسان بنادیا ہے۔ سفر اور روابط وتعلقات قائم کرنے نیز دوسروں تک اپنا پیغام اور مشرق سے مغرب تک آناً فاناً اپنی آواز پہنچانے کے جدید وسائل و ذرائع کے ایسے ابواب کھول دیے ہیں کہ ہر باب بلکہ ہرخانہ اور ہر شخص تک اسلام کا ابدی پیغام پہنچانا اب کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ گیا ہے۔ یہ وسائل و ذرائع ممکن اور مناسب حد تک اپنانا اور ان سے استفادہ کرکے آج کی پیاسی ہوئی انسانیت کی روح کو سرچشمۂ اسلام سے سیراب کرنا دُعاۃ ومبلغین اسلام کا اولین فریضہ بن چکا ہے۔

گذشتہ ایک صدی کے اندر کمیونزم، سوشلزم، کیپٹل ازم کے وجود اور ان نظریات کی شکست وریخت نے دنیا کے سامنے اسلام کے فروغ کی راہیں کشادہ کردی ہیں۔ موجودہ عالمی کساد بازاری نے تجارت اور شیئر مارکیٹ کو اس وقت بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اس نے امریکی ماہرین معاشیات نیز ان کے حواریوں کی راتوں کی نیند اڑا دی ہے۔ ایسے عالم رستاخیز میں اسلام کے اصول تجارت کی بڑے پیمانے پر تفہیم وتشریح دنیا کو آسانی کے ساتھ اسلامی اصول تجارت اور اس کے ذریعہ خود

اسلام کی طرف مائل کرسکتی ہے۔

۹ ستمبر ۲۰۰۱ء (۹/۱۱) کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر امریکہ پر ایک خوفناک اور طویل المیعاد یہودی سازش کے نتیجے میں ہونے والا حملہ بڑی دور رس فکری و نظریاتی کشمکش اور تبدیلی کا مظہر بن کے ابھرا ہے۔ افغانستان و عراق کو تہ و بالا کرنے اور عالمی اسلامی دہشت گردی کا بے تحاشہ پروپگنڈہ کرنے کے باوجود یورپ و امریکہ میں مطالعۂ اسلام کی ایک ایسی لہر چل پڑی ہے جس سے یہودی و عیسائی دانشور حواس باختہ ہو چکے ہیں۔ دنیا بھر میں اس وقت قرآن حکیم کا سب سے زیادہ مطالعہ کیا جارہا ہے اور یورپ و امریکہ میں سال بہ سال ہزاروں افراد مشرف باسلام ہورہے ہیں۔

ہمارے ہندوستان کے اندر بھی مطالعۂ اسلام کے خواہاں اور تلاش حق کے لئے سرگرداں افراد کی کمی نہیں۔ تعصب اور فرقہ پرستی کی ایک خاص ذہنیت اور ایک انتہا پسند طبقے کی شر پسندی کی وجہ سے یہاں قبول اسلام کی رفتار نہایت سست ہے مگر یہاں کی مٹی بڑی زرخیز اور نمو پذیر ہے۔ حکیمانہ تدبیریں اور مخلصانہ کوششیں جاری رہیں تو پیش آنے والی روکاٹیں بڑی حد تک دور ہوسکتی ہیں اور مستقبل میں خاطر خواہ نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت و نظریۂ آخرت اور اس کے ارکان و فرائض کو علمی اور سائنٹفک انداز میں بین الاقوامی سطح پر پیش کرنے کے لئے جہاں انگلش و فرنچ و جرمن و دیگر عالمی زبانوں میں تعارفِ اسلام کا معیاری لٹریچر اور سی ڈی وغیرہ تیار کرنے کی ضرورت ہے وہیں ملکی سطح پر ہندی و بنگالی، وتلگو، وکنڑو ملیالم وغیرہ کو بھی اپنے لٹریچر سے مالا مال کرنا ضروری ہے۔

اس کے ساتھ ہی عملی طور پر اسلام کی واضح اور دل کش و دل پذیر تصویر پیش کرنی ہوگی۔ اخلاق و کردار کو مثالی بنانا ہوگا۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر مسلم معاشرہ کو بھی ان صفات و محاسن سے آراستہ کرنا ہوگا جن کا منبع و سرچشمہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور صحابہ و تابعین و اسلاف کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات مبارکہ ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہم ہندوستان کے اندر زندگی گذارتے ہوئے یہاں کے کروڑوں افراد تک دعوت اسلام پہنچانے کے عظیم دینی فریضہ سے غافل ہیں۔ جب ہمیں اپنے اس فرض کی ادائیگی کا ہی صحیح احساس نہیں تو پھر اس کے لئے تگ ودو کیا کریں گے؟ اور جب ایسا کچھ نہیں کرسکیں گے تو پھر بارگاہِ الٰہی میں اپنی اس مجرمانہ بے حسی و غفلت شعاری کا ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟ اور جب اس سوال و احتساب کی شدت کا بھی ہمیں شعور و ادراک نہیں تو پھر سنجیدگی کے ساتھ ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ آخر ہم اپنے دین اسلام کے کیسے عالم و داعی و مبلغ ہیں؟ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے قلب وضمیر سے ہمیں یہ سوال کرنا پڑے گا کہ آخر ہم کیسے اور کتنے ذمہ دار مسلمان ہیں؟

اسلام نے ہمیں ''خیر امت'' بنا کر دعوت الی اللہ، امر بالمعروف ونھی عن المنکر کی عظیم ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر ڈالی ہے جس سے عہدہ برآ ہوکر ہی ہم صحیح معنی میں ''خیرِ امت'' بن سکتے ہیں۔ دانائی و اخلاصِ نیت و عزیمت و استقامت وقولِ بلیغ اور نرمی و خیر خواہی ہمارا شعار اور حکمت بطریقِ برہان و موعظت و نصیحت بطریق خطاب اور مکالمہ و مباحثہ بطریقِ احسن ہمارا وطیرہ ہونا چاہیے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہر لمحہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ

تمہاری کوشش سے ایک شخص کا بھی دینِ حق قبول کرلینا دنیا جہان کی ہر دولت سے افضل و بہتر ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور علما کی ذمّے داریاں

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری ★

بلا شبہ دین حق ''اسلام'' کی تبلیغ ودعوت اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے، قرآن مقدس نے جگہ جگہ اس کی تاکید فرمائی ہے اور مسلمانوں کی ذمّے داری کے طور پر بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ فریضہ بقدر استطاعت وعزیمت ہر مسلمان پر عائد ہے، لیکن اس کی سب سے زیادہ ذمّے داری علمائے کرام پر ہی عائد ہوتی ہے، کیوں کہ سچی چیز کی دعوت بغیر علم کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ علما کے علاوہ اگر کوئی فرد یا جماعت یہ فریضہ انجام دینا چاہے تو اس کو پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ فریضہ اس کے اوپر سرے سے عائد ہی نہیں تو انجام دینے کا کیا مطلب؟ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہر مسلمان چاہے وہ عالم ہو یا نہ ہو اس حد تک دین کی بات دوسروں تک پہنچا سکتا ہے جو اس کے اپنے علم میں یقین کے طور پر موجود ہے، مثلاً یہ کہ نماز پنج وقتہ کی تاکید، یوں ہی روزے، زکوٰۃ اور حج کی تبلیغ کہ یہ اسلام کے اہم فرائض سے ہیں ان کو ادا کرنا چاہیے اس سے خدا راضی ہوتا ہے اور ان سے غفلت کرنے سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ محرمات مثلاً، تاڑی شراب، جوا، چوری، ڈکیتی، جھوٹ، غیبت، ظلم، بدعہدی، وعدہ خلافی، ماں باپ کی نافرمانی ڈرانا، بچنے کی تلقین کرنا وغیرہ یہ وہ امور ہیں جن کی تبلیغ عام مسلمان بھی کرسکتا ہے، ہاں تفصیلی مسائل کے لیے غیر عالم کو احتیاط برتنی ضروری ہے اور اگر کوئی مسئلہ بیان کرے تو کسی عالم دین سے رجوع کرلے اس کے بارے میں اطمینان کرلے یا کسی مستند عالم دین کی لکھی ہوئی کتابیں دیکھ کر بیان کرے تو کرسکتا ہے، البتہ اپنی طرف سے اس میں کچھ ملانے اور تشریح کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کی استطاعت ہر کوئی نہیں رکھتا، اس میں غلطیوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

ایک مشہور حدیث جو عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **بلغوا عنی ولو اٰیۃ**'' (بخاری، بحوالہ مشکوٰۃ، ص،۳۲، کتاب العلم)

''مجھ سے ایک آیت (یا ایک بات) بھی معلوم ہو تو اس کی تبلیغ کرو'' کے تحت حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یعنی جسے کوئی مسئلہ یا حدیث یا قرآن شریف کی آیت یاد ہو وہ دوسروں کو پہنچا دے، تبلیغ صرف علما پر فرض نہیں، ہر مسلمان بقدر علم مبلغ ہے۔ (مرأت شرح مشکوٰۃ: ج،۱،ص،۱۶۵، ادبی دنیا،دہلی)

اب ذیل میں چند آیات قرآنیہ ملاحظہ ہوں جن میں تبلیغ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکیدیں بیان کی گئی ہیں۔

ولتکن منکم امّۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون. ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء ھم البیّنٰت و اولٰئک لھم عذاب عظیم. (آل عمران:۳/۱۰۴،۱۰۵)

''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔ اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انھیں آ چکی تھیں۔ (کنزالایمان)

حضرت صدرالافاضل مراد آبادی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

''اس آیت سے امرِ معروف ونہیِ منکر (یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) کی فرضیت اور اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نیکیوں کا حکم کرنا اور بدیوں (برائیوں) سے روکنا بہترین جہاد ہے۔'' (خزائن)

دوسری آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم اس طرح آپس میں نہ بکھر جانا جیسے یہود ونصاریٰ بکھر گئے، یا دورِ جاہلیت میں جس طرح کفار ومشرکین آپس میں مختلف تھے، ان میں طرح طرح کی لڑائیاں تھیں پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم دولت سے سرفراز کیا اور تم کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ اب تمہاری کامیابی کا راز اسی

★ المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

میں ہے کہ تم اختلاف وانتشار کا شکار نہ ہونا، اگر نہ مانے آپس میں اختلاف کرتے رہے تو کہیں تم بھی عذاب کے مستحق نہ ہو جاؤ۔

آج مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہو گئے کچھ گمراہ ہیں اور بعض بنیادی عقائد میں اختلاف کر کے ارتداد کا شکار ہو گئے ہیں، ان سے اتحاد کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا مگر ہم اہل سنت و جماعت کو آپس میں اتحاد واتفاق کی فضا بنائے رکھنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے دعوت وتبلیغ کا کارواں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آج ہماری کوششیں شاید اسی لیے رائیگاں جارہی ہیں کہ ہم آپس ہی میں دست وگریباں ہیں جب کہ باطل فرقے آپس میں ہزار اختلافات کے باوجود ہمارے مقابلے میں متحد ہو جاتے ہیں بلکہ ہمارے آدمیوں کو بھی پھوڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، یہ صورت حال ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

اور ایک جگہ اللہ عز وجل مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے کہ ایک جماعت علم وتبلیغ کے لیے خاص ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

(۲) ''**وما كان المؤمنون لينفروا كافة، فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون**''. (التوبۃ،۹/۱۲۲)

''اور مسلمان سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں، اس امید پر کہ وہ بچیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) تمام مسلمانوں کا یکبارگی کسی بستی کو چھوڑ کر علم کے لیے نکل جانا ضروری نہیں، بلکہ کچھ لوگ ایک جماعت بنا کر نکلیں پھر وہ علم حاصل کر کے آئیں اور اپنی قوم کو اسلامی احکام بتائیں اور نافرمانی پر جہنم سے ڈرائیں۔

(۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پوری قوم کو دین کا علم حاصل ضروری ہے۔ یکبارگی ہو سکے فبھا، ورنہ پہلے کچھ لوگ دین سیکھ کر دوسروں کو سکھائیں۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو دین کے احکام سیکھیں ان پر ضروری ہے کہ دوسروں تک ان احکام کی تبلیغ کریں۔ علم سیکھ کر گھر نہ بیٹھ رہیں یا اپنی قوم کے جاہل چھوڑ کر باہر کمانے نکل جائیں جیسا کہ آج کل بہت سے عالموں کے بارے میں سننے میں آتا ہے کہ وہ خود تو بہت بڑے عالم ہیں لیکن پوری قوم اور بستی ان کے فیضانِ علم سے یکسر محروم ہے، وہ انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ قوم میرے پاس آئے اور مجھ سے کچھ پوچھے تب بتاؤں، ان کے اندر اس کی کوئی تڑپ اور کوئی فکر نہیں ہوتی کہ قوم جہالت کے گڑھے میں گری ہوئی ہے تو اس کو گڑھے سے نکالیں، اسے بھی علم کی روشنی سے سرفراز کریں۔

(۴) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تبلیغ سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ بغیر علم کے تبلیغ نہیں کی جا سکتی۔

(۵) علم دین سیکھنا اور سکھانا یہ تو فرضِ کفایہ ہے لیکن دین کی ضروری باتیں معلوم کرنا اور ان پر عمل کرنا یہ فرضِ عین ہے۔ ورنہ سیکھنے والوں کو یہ حکم نہ ہوتا کہ وہ سیکھ آئیں تو اپنی قوم کو ڈرائیں، یہ حکم نہ ہوا کہ علم سیکھ کر گھر آکر بیٹھیں اور خود عمل کریں، دوسروں سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔

(۶) اس آیت میں اس بات کی بھی تاکید ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے لیے فکر مند رہنا چاہیے، یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ فلاں عمل نہیں کرتا، فلاں علم حاصل نہیں کرتا تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں اسے سکھاؤں، بتاؤں، یہ تصور خود غرضانہ اور غیر اسلامی ہے۔

(۷) آیت کا یہ حصہ (''لعلهم يحذرون'' اس امید پر کہ وہ بچیں یعنی خدا کے عذاب سے) اس پر دلالت کرتا ہے کہ تبلیغ کا کام محض امید پر مبنی ہونا چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ مبلغ کی ہر بات کا اثر ہو ہی جائے یا لوگ ہدایت پا ہی جائیں، اپنا کام محنت کرنا ہے، ہدایت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، اس میں ان لوگوں کو تنبیہ بھی ہے جو اثر نہ ہونے پر اپنا کام ترک کر دیتے ہیں، انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ زندگی کی آخری سانس تک امید کا دامن تھامے رہنا چاہیے۔

(۸) اس آیت سے عالموں کی اتباع کا بھی حکم ملتا ہے کہ جب عالم سیکھ کر آئے اور دین سکھائے تو اس کی بات ماننا ضروری ہے۔ ''**طائفة**'' کا لفظ یہ بھی بتا رہا ہے کہ ہر قبیلے یا بستی سے صرف ایک آدمی نہ نکلے بلکہ چند افراد پر مشتمل ایک جماعت نکلے تا کہ ایک انتقال کر جائے تو دوسرے اس کی جگہ پر کام کریں یا ایک کوئی مسئلہ بھول جائے تو دوسرا یاد دلا دے، ایک سفر پر چلا جائے تو دوسرے اس کی جگہ اپنے بھائیوں کی دینی ضرورت پوری کریں۔ دینی قیادت کے ساتھ نمازوں کی امامت

میں بھی چند افراد اہل علم کا ہونا ضروری ہے کہ سلسلہ ٹوٹے نہیں۔

اب اس آیت کے تحت حضرت صدر الا فاضل علیہ الرحمہ کے تفسیری افادات بھی ملاحظہ کرتے ہیں تا کہ ذہن کے کچھ اور دریچے وا ہوسکیں، آپ فرماتے ہیں:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قبائل عرب میں سے ہر ہر قبیلے سے جماعتیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتیں اور وہ حضور سے دین کے دلائل سیکھتے اور تفقہ (دین کی سمجھ) حاصل کرتے اور اپنے لیے احکام دریافت کرتے اور اپنی قوم کے لیے بھی، حضور انہیں اللہ اور رسول کی فرماں برداری کا حکم دیتے اور نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی تعلیم کے لیے انھیں ان کی قوم پر مامور کرتے، جب وہ لوگ اپنی قوم میں پہنچتے تو اعلان کر دیتے کہ جو اسلام لائے وہ ہم میں سے ہے اور لوگوں کو خدا کا خوف دلاتے اور دین حق کی مخالفت سے ڈراتے یہاں تک کہ لوگ اپنے والدین کو چھوڑ دیتے (اور حضور کی بارگاہ میں آجاتے) اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دین کے تمام ضروری علوم تعلیم فرمادیتے۔(خازن)

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ عظیمہ ہے کہ بالکل بے پڑھے لوگوں کو بہت تھوڑی دیر میں دین کے احکام کا عالم اور قوم کا ہادی بنادیتے تھے۔

اس آیت سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) علم دین حاصل کرنا فرض ہے، جو چیزیں بندے پر فرض و واجب ہیں اور جو اس کے لیے ممنوع و حرام ہیں اس کا سیکھنا فرض عین ہے اور اس سے زائد علم حاصل کرنا فرض کفایہ (کہ کچھ لوگ بھی حاصل کرلیں تو باقی لوگوں سے ساقط) حدیث شریف میں ہے علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علم سیکھنا نفل نماز سے افضل ہے۔

(۲) طلب علم کے لیے سفر کا حکم حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو شخص طلب علم کے لیے راہ چلے اللہ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کرتا ہے۔(ترمذی)

اور طالب علم کی خوشنودی میں فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔

(۳) فقہ افضل ترین علم ہے، حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے لیے بہتری چاہتا ہے اس کو دین میں فقیہ بناتا ہے، میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا۔(بخاری،مسلم)

حدیث میں ہے ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔(تفسیر خزائن العرفان:ص،۳۳۳،مجلس برکات مبارک پور)

مذکورہ آیات میں تو اس بات کی تاکید تھی کہ مسلمانوں میں اہلِ حق کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو علم وعمل کے زیور سے آراستہ ہوکر اسلام کے پیغام کو عام کرنے میں لگ جائے۔اب چند ایسی آیات کی سیر کرتے چلیں جن میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں کی شان ہی یہ بیان فرمائی کہ یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کمر بستہ رہتے ہیں اور یہی ان کی خصوصیت ان کے خیر الامم ہونے کی بھی دلیل ہے، گویا جملہ اہلِ ایمان کو اس طرف اپنی اپنی بساط بھر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

(۳)"کنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تومنون بالله."(آل عمران:۳/۱۱۰)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ خبر دی ہے کہ وہ اس وقت تمام امتوں سے افضل و برتر ہیں اور جب تک یہ امت نیکی کا حکم دیتی رہے گی اور برائیوں سے روکتی رہے گی، لیکن جب یہ امت اپنا یہ فریضہ ترک کردے گی تو پھر اس کو دوسروں کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا جیسا کہ آج ہو رہا ہے، کہ بجائے اس کے ہم دوسری قوموں کو دین اسلام اور توحید کی دعوت دیتے خود ہی دوسروں کی معاشرت اختیار کر بیٹھے ہیں اور ہمہ وقت ان کی خوش آمد میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنی معاشرت اپنی تہذیب کو چھوڑ کر اور روزہ ونماز اور زکوٰۃ کو اپنے اوپر بوجھ سمجھ کر اپنے عمل و کردار سے یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ دوسری قومیں اور ان کا کردار بلند ہے تو پھر مسلمانوں کو کہاں عزت ملے گی۔ آج پوری دنیا میں کوئی بھی مسلم حکومت ایسی نہیں ہے جو اسلام کی تبلیغ ودعوت کا کوئی پروگرام بنا رہی ہو، ہتھیاروں اور بموں کے انتظام اور دوسری قوموں سے بھیک مانگنے میں سب لگی ہوئی ہیں

حالاں کہ ہمارے پاس اسلام سے بڑھ کر کیا دولت ہوگی کاش اسی پر ہم اکتفا کرتے اور دوسروں میں یہ دولت بانٹتے تو آج دنیا میں اس قدر ذلیل وخوار نہیں ہوتے جتنا کہ ہور ہے ہیں۔

مسلم حکومتوں کے یہ بھیک منگے حکمراں ذرا بھی نہیں سوچتے کہ دشمن سے اسلحہ خرید کر کیا ہم کبھی ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں ان سے قرض لے کر کبھی ان سے آنکھیں چار کر سکتے ہیں۔ اصل دولت وقار کی دولت ہے، جب ہم نے اپنے وقار کا سودا کر لیا تو پھر کسی کے سامنے کھڑے ہونے کے لائق ہی کہاں رہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو قرآن کا یہ پیغام اپنے دلوں میں بیٹھا لینا چاہیے کہ ہم کامیاب وکامران اور سرخرو اسی وقت ہوں گے جب ہمارا ایمان کامل ہوگا، ہماری معاشرت اسلامی معاشرت ہوگی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی اسلام کی دعوت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں گے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا چھوڑ دیں گے، کیا یہ حدیث ہمیں یاد نہیں کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”الید العلیا خیر من الید السفلیٰ“ ”اوپر والا (دینے والا) ہاتھ بہتر ہے نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے“

مسلمان دنیا میں دینے کے لیے آیا ہے لینے کے لیے نہیں آیا ہے۔ آج ہم نے دینا چھوڑ کر لینا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہم افضل واعلیٰ ہوتے ہوئے اسفل ہوگئے ہیں ہمیں اپنی روش بدلنی ہوگی، خدا اعتمادی اور خود اعتمادی کو شیوہ بنانا ہوگا، غیروں کی دریوزہ گری سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوگی، دنیا میں ہمیں توحید کی روشنی بکھیرنی ہوگی اور اخلاق کا اجالا پھیلانا ہوگا، تمام باطل ادیان ومذاہب اور غلط عقائد ونظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا کیوں کہ ہم ہی صحیح ایمان وعقیدے کے حامل ہیں اور دین برحق کے محافظ وامین بھی ہم ہی ہیں۔

آیت کا آخری حصہ ” وتومنون باللہ “ بتا رہا ہے کہ ایمان وعقیدے کی درستگی اولین مطالبہ ہے اس کے بعد ہی امر معروف ونہی منکر پر عمل پیرا ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ بھلا جو رسول گرامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گستاخ ہوگا، جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کو مشرک گردانتا ہوگا، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مرکر مٹی میں ملنے والا کہتا بولتا اور چھاپتا، مانتا ہوگا وہ بھلا کیسے امر معروف کا فریضہ انجام دے سکے گا۔ یہ فریضہ خالص صحیح العقیدہ مسلمانوں کے سر عائد ہوتا ہے اور انہیں کو اس کی ادائیگی پر بھرپور توجہ دینی ہوگی۔

سورۂ توبہ شریف میں ایک الگ انداز سے مسلمانوں کی اس ذمّے داری پر روشنی ڈالی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

”**والمؤمون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض، يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة ويطيعون الله و رسوله اولٰئك سير حمهم الله ان الله عزيز حكيم.** “(التوبہ:۷۱/۹)

”اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں اور اللہ ورسول کا حکم مانیں، یہ ہیں جس پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

اس سے پہلے ۶۷ تا ۷۰ کی آیتوں میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے ان کی صفاتِ مذمومہ کا بیان ہے جس میں خاص طور سے بیان کیا گیا ہے کہ منافقین برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے میں بخیل ہیں، یہ لوگ گھاٹے میں ہیں۔ پھر اس کے بعد ایمان والوں کی شان بیان کی گئی اور اس میں مومن مرد کے ساتھ مومن عورتوں کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار وخیر خواں ہوتے ہیں، ان کا خاص مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، ساتھ ہی نماز وزکوۃ کے بھی بڑے پابند ہوتے ہیں اور یہی نہیں دیگر معاملات میں بھی خدا ورسول کے اطاعت شعار اور وفادار ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اُن پر اپنے رحم وکرم کی بارش فرماتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مومن اسی وقت اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا جب وہ اپنے فریضۂ دعوت وتبلیغ کو انجام دے گا اور اس سے دست کش یا غافل رہے گا تو گویا وہ منافقین کے عمل سے قریب ہو جائے گا، جس کا انجام عذاب الٰہی ہے۔

اسی سورۂ توبہ ہی میں ایک جگہ خاص طور سے جنتی مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”**التائبون العابدون الحامدون السائحون الراكعون الساجدون الأمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله و بشّر المؤ منين.** (التوبہ:۱۱۲/۹)

''توبہ والے، عبادت والے، حمد بجالانے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو۔(کنزالایمان)

یعنی جو ایمان والے ان صفاتِ مذکورہ کے حامل ہیں انھیں جنّت کی بشارت ہے۔ ان صفات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کا خاص طور سے تذکرہ کیا گیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ذکر و عبادت اور تسبیح و تہلیل کے ساتھ نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے منع کرنا بھی بڑا اہم فریضہ ہے کیوں کہ ذکر و عبادت میں زندگی گزارنا تو آسان ہے اور اس سے بہت جلد تقویٰ کا تمغہ بھی مل جاتا ہے، لوگ کہنے لگتے ہیں فلاں بڑا متقی بڑا پرہیز گار ہے، لیکن جہاں نیکیوں کی تبلیغ شروع کی، گناہوں کے خلاف تحریک چلائی، غلط رسم و رواج پر قدغن لگائی پورا ماحول اور معاشرہ دشمن ہو جاتا ہے، اس لیے یہ کام دیگر تمام عبادات کے مقابلے میں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ فرائض و واجبات کو تو بہر حال ادا کرنا ضروری ہے لیکن نفل عبادات اور ذکر اذکار سے بڑھ کر یہ ہے کہ آدمی معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کے لیے جدوجہد کرے اور اسلامی احکام کی تبلیغ و اشاعت میں دلچسپی لے کہ یہ بڑے ہمت کے کام ہیں اور ان کا نجام بھی بہت بہتر ہے اور اس سے بڑھ کر اس کا انجام اور کیا ہوگا کہ قرآن نے ایسوں کو جنّت کی بشارت دی ہے۔

سورۂ لقمان میں حضرت لقمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی نصیحتیں ہیں جو انہوں نے اپنے فرزند کو کیں، ان میں دیگر نصائح کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بھی ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے:"یٰبنیّ اقم الصلوۃ وأمر با لمعروف وانه عن المنكر واصبر علی ما اصابك ان ذلك من عزم الامور "(لقمان:۳۱/۱۷)

''اے میرے بیٹے! نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو اُفتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں'' (کنزالایمان)

اس آیت میں نماز کے بعد جو اہم العبادات ہے امر معروف و نہی منکر کا حکم دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ جیسے نماز اہم العبادات ہے ویسے ہی دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی دین کے اہم الامور میں ہے کہ اس کے بغیر دینی معاشرہ باقی ہی نہیں رہ سکتا اور اس مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس راہ میں جو مصائب آئیں خندہ پیشانی کے ساتھ ان کو برداشت بھی ضروری ہے کیوں کہ یہ بڑا اہم اور ہمت کا کام ہے، اور خود نماز بھی کم صبر آزما عبادت نہیں اس پر کاربند رہنا اور شیطان و نفس کا مقابلہ کرنا بھی آسان کام نہیں، نماز سے آدمی کی اپنی اصلاح ہوتی ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے معاشرے میں سدھار پیدا ہوتا ہے، یوں ہی نماز میں حق اللہ کی ادائیگی ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے بندوں کے حقوق کی۔

اب اس باب میں دو ایک احادیث بھی ملاحظہ کرتے چلیں تا کہ دعوتِ دین اور اظہارِ حق کی اہمیت پر مزید روشنی پڑ سکے۔

(۱) امام ترمذی اپنی سنن میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یا تو تم اچھی بات کا حکم کرو گے اور بری بات سے روکو گے یا اللہ تعالیٰ جلد تم پر اپنا عذاب بھیجے گا پھر دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔(مشکوۃ المصابیح:ص،۴۳۶)

(۲) ابوداؤد و ابن ماجہ کی جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس قوم میں گناہ ہوتے ہوں اور اس میں کوئی بدلنے پر قادر ہو پھر بھی نہ بدلے تو قریب ہے کہ اللہ تعالی اپنی طرف سے سب پر (یعنی نیک و بد سب پر) عذاب بھیجے ان کے مرنے سے پہلے ہی۔(مشکوۃ:ص،۴۳۷)

(۳) ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا ایک حدیث میں فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم تباہ ہو جائیں گے جب کہ ہم میں نیک لوگ ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! جب فسق و فجور زیادہ ہوگا۔(ریاض الصالحین للنووی:ص،۱۰۳،مطبوعہ دمشق)

ان احادیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ امر معروف و نہی منکر سے غفلت کی وجہ سے نیک لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

۲۔ دعوتِ دین کے اس اہم کام سے غفلت کی ایک سزا دنیا میں یہ ملتی ہے کہ نیک لوگوں کی دعائیں بھی رد ہو جاتی ہیں۔

۳۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ تم

امر معروف ونہی منکر کرو، جس سے اس فریضے کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے اور اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل نے جب گناہ کیے اُن کے علما نے انہیں منع کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ پھر وہ علما ان کی مجلسوں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے خدا نے علما کے دل بھی انہیں جیسے کر دیے اور داؤد وعیسیٰ (علیہما السلام) کی زبان سے ان پر لعنت کی (اس کے بعد حضور نے یہ آیت پڑھی) "**ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون**" یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اس کے بعد حضور ٹیک لگائے تھے تو اٹھ بیٹھے اور فرمایا: خدا کی قسم یا تو تم اچھی بات کا حکم کرو گے اور بری بات سے روکو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑو گے اور ان کو حق پر ٹھہراؤ گے یا اللہ تعالیٰ تم سب کے دل ایک طرح کے کر دیگا پھر تم سب پر لعنت کر دے گا جس طرح ان سب پر لعنت کی، یعنی بنی اسرائیل۔

(ترمذی، ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ: ص، ۴۳۸ مجلس برکات مبارک پور)

(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج چند لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے جبرئیل امین سے پوچھا، اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ آپ کی امت کے واعظ ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے تھے اور خود کو بھول جاتے تھے یعنی عمل نہیں کرتے تھے۔ (شرح السنہ)

اور بیہقی کی شعب الایمان میں اتنا اور ہے کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطبا ہیں جو وہ کہتے تھے جو کرتے نہیں تھے اور اللہ کی کتاب پڑھتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ: ص، ۴۳۸، باب الامر بالمعروف)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے علم کی وہ بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہے پھر اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ (مشکوٰۃ: ص، ۳۴، کتاب العلم)

(۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایسا علم حاصل کیا جس سے خدا کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہو یہ اس کو محض دنیا کمانے کے لیے حاصل کرتا ہے تو یہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص، ۳۴، ۳۵)

(۱) مذکورہ حدیثیں یہ سبق دیتی ہیں کہ عالم کو اپنے کو چھپانا نہیں چاہیے

(۲) اور یہ کہ علم دین خدا کی رضا کے لیے حاصل کرے دنیا کمانے کے لیے نہیں تو جب عالم علم چھپائے گا نہیں اور خدا کی رضا کے لیے علم حاصل کرے گا تو ضرور اس کو پھیلائے گا اس سے بندگانِ خدا کو نفع پہنچے گا اور یہی دین کی تبلیغ ودعوت ہے جو علما کی اصل ذمے داری ہے۔

اور اوپر کی ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علما کو اولاً تو امر بالمعروف کرنا ہے لیکن جو لوگ اس کے بعد بھی گناہ کرنے سے باز نہ آئیں اور نیکیوں سے نہ لگیں ان سے میل جول رکھنا منع ہے ایسے بہت سے علما کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ محض سیٹھوں اور غنڈوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں کہ ان کو دولت ملے گی اور وقار و دبدبہ حاصل ہوگا، یہ پرلے درجہ کی حماقت ہے اور یہی علما دین کی باتیں بتانے سے کتراتے ہیں صرف اپنی جیب بھرنے کی چکر میں پڑے رہتے ہیں، اہل ثروت حضرات سے تعاون لینا برا نہیں لیکن ان کو بالکل آزاد چھوڑ دینا کہ وہ جو چاہیں کریں محض پیسہ دیتے رہیں۔ یہ اچھا نہیں، علما کی اس سلسلے میں سخت گرفت ہوگی، کیوں کہ علما پر خدا کی طرف سے یہ ذمّے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال کریں اور دین کی تبلیغ واشاعت میں مداہنت نہ کریں۔

علما کی بد عملی بھی دین کے فروغ میں رکاوٹ ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ جب یہ خود عالم رہ کر نماز نہیں پڑھتے یا جماعت کا خیال نہیں کرتے یا نماز قضا کر دینے میں بھی تکلف نہیں کرتے تو ہم لوگوں کو کیا، ہم لوگ تو جاہل ہیں۔ جب یہ علما بخش دیئے جائیں گے تو ہم بھی بخش دیئے جائیں گے۔ عوام کا یہ سوچنا بھی اگرچہ غلط ہے کہ جن احکام کا انہیں قطعی علم ہے ان کے بارے میں بھی علما کی بد عملی عذر نہیں ہوگی، لیکن اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ علما کی بد عملی عوام کو گمراہ اور بد عمل بناتی ہے۔ جب عوام الناس میں ایک کی بد عملی دوسرے کے لیے داعی نہیں ہوتی بلکہ ایسے موقع پر عام آدمی یہ سوچتا ہے کہ فلاں برا ہے تو کیا ہم بریں نہ بنیں۔

بعض علما کی یہ روش بھی قوم کو برائی کی طرف لے جا رہی ہے کہ عالم صاحب خود تو اسٹیج پر دھواں دار تقریر کرتے ہیں، قوم کو

دین دار اور دین پسند بنانے کی باتیں کرتے ہیں لیکن خود ان کا یہ حال ہے، کہ ان کے گھر والے ہی نہیں خاص ان کی اولاد اسلامی دولت سے بے بہرہ بے نمازی، نہ لباس اسلامی نہ چہرہ سنت کے مطابق اور نہ تعلیم ہی اسلامی، جب کہ عالم کا حال یہ ہے کہ جو کچھ کمائی ہے سب دین اور علم دین کی خدمت ہی کی بدولت ہے لیکن اپنی اولاد کو عالم دین نہیں بنا سکے تو کم از کم دین دار تو بناتے لیکن اس کی طرف بھی توجہ نہیں۔ یہ فساد اور غفلت آج کل بہت عام ہے اور عوام پر اس کا بہت غلط اثر پڑ رہا ہے۔

یہی حال بعض بلکہ اکثر پیر صاحبان کا ہے کہ خود تو جبہ و دستار سجائے چکتا مقطع لیکن پیرزادے صاحب داڑھی مونچھ صاف، پینٹ شرٹ زیب تن کیے جنٹل مین بنے ہوئے، جیسے کسی انگریز کے بھائی ہیں اور اوپر سے نماز بھی غائب، یہی صاحب کل پیر بنیں گے خلافت ابھی سے اس حالت میں دے دی گئی ہے کہ داشتہ بکار آید اور بعض پکے مرید صاحبان ہاتھ پاؤں بھی چوم رہے ہیں کہ ہیں تو پیر زادے۔

علما اور پیروں کو اتنا ضرور چاہیے کہ اپنے صاحبزادوں اور شاہزادوں کو عالم یا مفتی نہ بنا سکیں نہ سہی لیکن اُن کو دیکھنے میں مسلمان تو بناتے رہیں اور ان کو دین وعقائد کے ضروری مسائل تو پڑھا دیں پھر دنیا کمانے کے لیے جو چاہیں پڑھائیں یا کاروبار سکھائیں شریعت اس سے تو روکتی بھی نہیں۔

اب بہار شریعت کے چند اقتباسات کی روشنی میں بعض اہم مسائل اور نکات پر بھی غور کر لیں:

حضرت صدر الشریعہ علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں: امر بالمعروف یہ ہے کہ کسی کو اچھی بات کا حکم دینا مثلاً کسی سے نماز پڑھنے کو کہنا اور نہی عن المنکر کا مطلب یہ ہے کہ بری باتوں سے منع کرنا، یہ دونوں چیزیں فرض ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **کنتم خیر امت اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر** (تم بہترین ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے منع کرتے ہوئے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے) احادیث میں ان کی بہت تاکید آئی ہے اور اس کے خلاف کرنے کی مذمت فرمائی۔

(بہار شریعت ۲۲۲/۱۶۔ قادری کتاب گھر بریلی)

مسئلہ: کسی کو گناہ کرتے دیکھے تو نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اسے منع کرے اور اسے اچھی طرح سمجھائے، پھر اگر اس طریقے سے کام نہ چلا وہ شخص باز نہ آیا تو اب سختی سے پیش آئے اس کو سخت الفاظ کہے، مگر گالی نہ دے نہ فحش لفظ زبان سے نکالے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو جو شخص ہاتھ سے کچھ کر سکتا ہے تو کرے مثلاً وہ شراب پیتا ہے بہا دے، برتن توڑ پھوڑ ڈالے، گانا بجاتا ہے تو باجا توڑ ڈالے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: امر بالمعروف کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) اگر غالب گمان یہ ہے کہ یہ ان سے کہے گا تو اس کی بات مان لیں گے اور بری بات سے باز آجائیں گے تو امر بالمعروف واجب ہے اس کو باز رہنا جائز نہیں،

(۲) اور اگر گمان غالب یہ کہ وہ طرح طرح کی تہمت باندھیں گے اور گالیاں دیں گے تو ترک کرنا افضل ہے۔

(۳) اور اگر یہ معلوم ہے کہ وہ اسے ماریں گے اور صبر نہ کر سکے گا یا اس کی وجہ سے فتنہ وفساد پیدا ہوگا، آپس میں لڑائی ٹھن جائے گی جب بھی چھوڑنا افضل ہے۔

(۴) اور معلوم یہ ہے کہ وہ اگر اسے ماریں گے تو صبر کر لے گا تو ان لوگوں کو برے کام سے منع کرے اور یہ شخص مجاہد ہے۔

(۵) اور اگر معلوم ہے کہ وہ مانیں گے نہیں مگر نہ ماریں گے اور نہ گالیاں دیں گے تو اسے اختیار رہے اور افضل یہ ہے کہ وہ امر کرے

(۶) اور اگر اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو امر بالمعروف کرے گا تو قتل کر ڈالیں گے اور یہ جانتے ہوئے اس نے کیا اور ان لوگوں نے قتل کر ڈالا تو یہ شہید ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: امرا (حکام) کے ذمے امر بالمعروف ہاتھ سے ہے کہ اپنی قوت وسطوت (دبدبہ) سے اس گناہ کے کام کو روک دیں۔ اور علما کے ذمے زبان سے ہے کہ اچھی بات کرنے کو اور بری بات سے باز رہنے کو زبان سے کہہ دیں۔

اور عوام کے ذمے دل سے برا جاننا ہے۔ (عالمگیری)

اس کا مقصد وہی ہے جو حدیث میں فرمایا: کہ جو بری بات دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ہاتھ سے بدلنے

پر قادر نہ ہو تو زبان سے بدل دے، یعنی زبان سے اس کا برا ہونا ظاہر کردے اور منع کردے۔ اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور مرتبہ ہے۔ (مسلم شریف)

یہاں عوام سے مراد وہ لوگ ہیں کہ نہ ان میں ہاتھ سے روکنے کی ہمت ہے اور نہ زبان سے منع کرنے کی جرأت۔

قوم کے چودھری (سردار) اور زمین دار وغیرہ بہت سے عوام ایسی حیثیت رکھتے ہیں کہ ہاتھ سے روک سکتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ روکیں، ایسوں کے لیے فقط دل سے برا جاننا کافی نہیں۔

(صدر الشریعہ علیہ الرحمہ)

مسئلہ: امر بالمعروف کے لیے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے:

اول: علم، کہ جسے علم نہ ہو اس کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا

دوم: اس سے مقصود رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔

سوم: جس کو حکم دیتا ہو اس کے ساتھ شفقت و مہربانی کرے، نرمی کے ساتھ کہے۔

چہارم: امر کرنے والا صابر اور بردبار ہو، اگر مشکل آئے تو برداشت کرلے۔

پنجم: یہ شخص خود اس بات پر عامل ہو ورنہ قرآن حکیم کے اس حکم کا مصداق بن جائے گا: **یاایھا الذین آمنوا لما تقولون مالا تفعلون . کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون .** (الصف:۶۱/۲-۳)

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے، کتنی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔ (کنز الایمان)

اور یہ بھی قرآن مجید میں فرمایا: **اتامرون الناس باالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون .** (البقرہ:۲/۴۴)

کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھول تے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں، (کنز الایمان)

(عالمگیری، بہار شریعت ۱۶/۲۲۳)

حضرت صدر الشریعہ علم کی تعریف میں فرماتے ہیں: علم سے مراد یہ نہیں کہ وہ پورا عالم ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اتنا جانتا ہو کہ یہ چیز گناہ ہے دوسروں کو بری بھلی بات سمجھانے کا طریقہ معلوم ہو کہ مؤثر پیرائے سے اسے کہہ سکے۔ (ایضاً)

مسئلہ: جس نے کسی کو برا کام کرتے دیکھا اور خود یہ بھی اس برے کام کو کرتا ہے تو بھی اس برے کام سے منع کردے کیوں کہ اس کے ذمہ دو چیزیں واجب ہیں برے کام کو چھوڑنا اور دوسرے کو برے کام سے منع کرنا اگر ایک واجب کا ترک ہے تو دوسرے کا کیوں تارک بنے۔

(عالمگیری)

ایسے موقع پر بہت سے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں، تم پہلے اپنا دیکھو، تو یہ کہنے کا حق مجرم کو نہیں، کہ روکنے والا خود تو روک کر صحیح کام کر رہا ہے اور دوسرے بھلائی ہی چاہتا ہے، خود بھی اس میں ملوث ہے یہ اس کا اپنا گناہ ہے اس کی سزا وہ خود بھگتے گا۔

حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہ الرحمہ کے مذکورہ قول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو دین کی دعوت دیتا ہے یا کسی غیر شرعی امر سے روکتا ہے تو اس کا پورا عالم ہونا لازم نہیں، بس اس خاص فعل کے بارے میں اس کا علم صحیح ہونا چاہیے کہ یہ برائی ہے اور یہ نیکی ہے، جس سے روک رہا ہے یا جس کا حکم دے رہا ہے اور جہاں مبلغ کے لیے عالم کی شرط لگائی جاتی ہے تو اس سے محض سندی عالم ہونا ضروری نہیں بلکہ باضابطہ تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں: سند کوئی چیز نہیں کہ بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ (بے علم) ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم/صفحہ ۲۳۱)

اور دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: سند حاصل کرنا تو کچھ ضروری نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضروری ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی (خواہ مدرسہ میں رہ کر) وہ جاہل محض سے بدتر، نیم ملا خطرۂ ایماں ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج/دہم)

اور ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: جاہل اردو خواں اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ عالم کی تصنیف پڑھ کر سنائے تو اس میں حرج نہیں، جب کہ وہ جاہل، فاسق، مثلاً داڑھی منڈا وغیرہ نہ ہو کہ اس وقت وہ جاہل سفیر محض ہے اور حقیقۃً وعظ اس عالم کا ہے جس کی کتاب پڑھی جائے اور اگر ایسا نہیں بلکہ جاہل خود کچھ بیان کرنے بیٹھے تو اسے وعظ کہنا حرام ہے اور اس کا وعظ سننا حرام ہے اور مسلمانوں کو حق ہے بلکہ مسلمانوں پر حق ہے کہ اسے منبر سے اتار دیں کہ اس میں نہی منکر ہے اور نہی منکر واجب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ دہم/۳۰۶)

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت

عطاءالرحمٰن نوری (مالیگاؤں)

یہ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ جہاں پر ہر مذہب کے ماننے والوں کو پہچانا جا رہا ہے، جہاں عیسائیت (Christianity) کی شناخت موجود ہے، جہاں یہودیت کا تشخص برقرار ہے، جہاں مجوسیوں، برادرانِ وطن اور بالخصوص سکھوں کی پہچان موجود ہے وہیں قومِ مسلم کی شناخت دشوار سے دشوار تر ہوتی جا رہی ہے۔قومِ مسلم کے افراد کی زبانوں پر اقوالِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہیں، کردار میں افعالِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود نہیں ہیں، زبان پر اقوالِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جگہ گانے (Songs)، غزلیں اور ہزلیں ہیں، نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جگہ گالی گلوچ اور فواحشات ہیں، تلاوتِ قرآن کی جگہ گندے کلام اور فلمی ڈائیلاگ (Dialogue) ہیں۔ ہمارا معاشرہ مغربی تہذیب (Western Culture) کا اندھا مقلد بنتا جا رہا ہے، ہماری زندگی کا اُٹھنے والا ہر قدم دین وسنیت کی دھجیاں اڑا رہا ہے، ہر زاویے سے مسلمانوں کی پہچان مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ یہ اُس قوم کا حال ہے جو سچے دین و مذہب کو ماننے والی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کو ماننے والی ہے، قرآن مقدس اور احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماننے والی ہے، یہ اس قوم کا حال ہے جس قوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے متقی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے انصاف پسند، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سخی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شجاع، حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عاشق، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شہیدِ اعظم، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مفسر، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عالم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے راوی، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مجتہد، حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ولی اللہ اور امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مجدد موجود ہیں۔

قومِ مسلم کی زبوں حالی کی بنیادی وجہ علم دین سے ناآشنائی ہے۔ قومِ مسلم کی کامیابی مغربی تہذیب میں نہیں، ویسٹرن کلچر کو اختیار کرنے میں نہیں بلکہ خود کو علمِ دین کی دولت سے معمور کرنے اور قدمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہونے میں ہے۔

آج جتنا فیشن، جدید طرزِ عمل اور طرزِ حیات کو اختیار کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے اگر اتنا اہتمام علمِ دین سیکھنے میں کیا جاتا تو آج نوجوانوں کی دین سے دوری نہ ہوتی، خدا کی مسجدیں ویران نہ ہوتیں، ناچ گانوں کے اڈے آباد نہ ہوتے، دنیا کے تمام رغائب اور لذتیں اُمتِ مسلمہ کو آواز نہ دیتیں، شراب خانے بھرے نہ ہوتے، برائیوں کے گھر آباد نہ ہوتے، جھوٹے لبوں کی ریزہ کاری نہ پکارتی، صدائے نسواں کا بے جا استعمال نہ ہوتا، تحفظ نسواں کے نام پر نسواں فروشی عام نہ ہوتی، بازاروں کی رونقوں اور حب دنیا سے اذہان و قلوب مبرّا ہوتے۔

ہمارے گھر کا ماحول ہمارے بچوں کے لیے عظیم سرمایہ ہے، کیوں کہ گھر کی چار دیواری میں والدین اپنی اولاد کو جو تبلیغ کر سکتے ہیں زندگی کی آخری سانس تک ایسی دعوت اور ایسی تبلیغ کوئی اور نہیں کر سکتا ہے۔

عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق آج دعوتِ دین، تبلیغ، تذکیر، تبشیر، اِنذار اور تواصی بالحق کی بے پناہ ضرورت ہے، مگر آج کے فکری تقاضے ذہن انسانی پر ایسے اثر انداز ہیں کہ دورِ جدید کا انسان ان روایتوں سے انحراف کر رہا ہے جو ماضی میں ہمارے لیے نہایت نافع اور قابل تھیں، جیسے ذہن انسانی کے سوالات ،تبلیغ و دعوت کے معانی کیا؟ تذکیر اور تبشیر کے کیا معنی؟ انذار اور تواصی بالحق کا انسانی حیات سے کیا تعلق؟ ان تمام کاموں کی اہمیت و افادیت کیا

ہے؟ آیئے ہم مختصراً ان عناوین کے معنی ومفہوم کو پڑھیں اور کردار میں سجانے کی کوشش کریں۔

دعوت: دعوت کا لفظی مطلب ہے بلانا یا پکارنا۔ (فیروز اللغات ص، ۳۳) ۔لیکن اصطلاح میں دعوت سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور حق قبول کرنے کے لیے آمادہ کرنا ہے۔ (دعوت وتنظیم)

خدائے وحدہ لاشریک کا فرمان عالیشان ہے: "ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین" اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (سورۂ حٰم آیت ۳۳، کنز الایمان)

تبلیغ: تبلیغ کا لفظی معنی پہنچانا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۹۲) مگر اصطلاح میں تبلیغ سے مراد اذہان وقلوب پر اثر انداز ہوتے ہوئے دعوتِ حق کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ فرمان الٰہی تبلیغ وتنظیم کے متعلق موجود ہے "ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون" اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (پ۴، ع۲، آیت ۱۰۴ سورۂ آل عمران)

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب تک تنظیم کے پلیٹ فارم سے تبلیغ کا کام ہوتا رہا، گلشنِ اسلام میں فصلِ بہار رہی، جب تک مدارسِ اسلامیہ میں غزالی، رازی، سعدی اور بیضاوی اور خانقاہوں میں رومی، ہجویری، اجمیری، زکریا ملتانی، شیخ سرہندی جیسی فخر گزار ہستیاں موجود رہیں، کفر کے ظلمت کدے نورِ اسلام سے منور وروشن ہوتے رہے، حق، باطل کے قلعوں کو مسخر کرتا رہا اور قربان جایئے فرمانِ رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے ہر مؤمن کو مبلغ بنادیا، تبلیغ کا فریضہ عطا کردیا یہ کہہ کر "بلغوا عنی ولو آیة" پہنچادو میری طرف سے اگرچہ ایک آیت ہو۔ (بخاری شریف)

جہاں دینی کام کرنے پر رحیم وکریم مولا کعبۂ معظّمہ کے اندر چالیس سال ۴۰/ عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے، وہی تارکین دعوتِ دین کو ممدوح جماعت (جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے) سے خارج کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف کو چھوڑنے والی قوموں کی مذمت قرآن میں بیان فرمائی ہے، مگر یہ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ انسان دینی مشاغل سے ناآشنا ہے، جب کہ فرمان نبوی ہے "نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا نہیں تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسے حاکم مقرر کردے گا جو تمہارے بزرگوں کا احترام نہیں کریں گے، تمہارے بچوں پر رحم نہیں کریں گے، تمہارے بڑے بلائیں گے مگر اُن کی بات نہیں مانی جائے گی، وہ مدد طلب کریں گے مگر اُن کی مدد نہیں کی جائے گی اور وہ بخشش طلب کریں گے اور انہیں بخشا نہیں جائے گا۔ (مکاشفۃ القلوب، ص ۱۱۸)

اگر ہم دنیا کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس دنیا میں صرف دو قسم کے انسان اپنے شب وروز گزار رہے ہیں، اوّل داعی اور دوم مدعو۔ اس دنیا میں انسان یا تو داعی ہوگا یا پھر مدعو، ایک تو ہم دعوت دیں گے یا پھر کوئی ہمیں دعوت دے گا، اگر ہم نے دعوت وتبلیغ سے کنارہ کشی اختیار کرلی تو قصداً یا سہواً ہمیں مدعو بننا ہی ہوگا اور عہد رواں میں دعوت قوم مسلم کو بلا کر نہیں دی جارہی ہے بلکہ دکھا کر دی جارہی ہے اور قوم مسلم مغربی تہذیب کی مقلد بنتی جارہی ہے۔ یہ تو صدقہ ہے صوفیائے کرام، علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور مبلغین کی جد وجہد، سعی پیہم اور کاوشوں کا جو اسلام کی ترویج واشاعت جاری وساری ہے، مذہب اسلام انہی افراد کی بے پناہ محنتوں سے آفاق کے کنارے چڑھتے ہوئے سورج کی طرح مسلسل پروان چڑھتا جارہا ہے، ورنہ چند بادشاہ تو عیاشیوں کے حرم آباد کررہے تھے، عوام الناس اپنا وقار اور عظمت کھو چکی تھی، فتاوے فروخت ہورہے تھے، ہم آپسی چپقلش کا شکار تھے، مجھے بتاؤ! فرقۂ معتزلہ سے ٹکر لینے والے صوفی تھے یا ہم تھے؟ مجھے بتاؤ! فتنۂ خلق قرآن کا جواب دینے والے صوفیا تھے یا ہم تھے؟ جہانگیر کے سجدۂ خدا کو فنا کرنے والے صوفیائے کرام تھے یا ہم تھے؟ اکبر کے باطل دین (دین الٰہی) کی بساط الٹنے والے صوفی تھے یا ہم تھے؟ وادئ اجمیر میں مسلمانوں کی شکست کے بعد غلبے کا سامان فراہم کرنے والے معین الدین اجمیری صوفی تھے یا ہم تھے؟ دہلی کے کئی بادشاہوں اور شہنشاہوں کے دربار کو اسلامی خطوط پر چلانے والے کوئی صوفی نظام الدین تھے یا ہم تھے؟ اسلامی نظام کی تشکیل اور تربیت کے لیے اورنگ زیب کا ہاتھ بٹانے والے صوفیائے کرام تھے یا

ہم تھے؟ دشمنانِ اسلام اور گستاخانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بزور قلم برق خاطف گرانے والے اور چمن اسلام کو لہلہانے والے اور اس کی کلیوں کو تبسم فراہم کرنے والے کوئی صوفی امام احمد رضا تھے یا ہم تھے؟

تاریخ کے ہر دور میں صوفیائے کرام نے اولو العزم انسانوں کا رول ادا کیا ہے، مگر یاد رہے کہ ہر مبلغ صوفی نہیں ہوتا مگر ہر صوفی مبلغ ہوتا ہے، اور وہ راہِ اسلام میں اشاعت دین کرتے ہیں جو ہر مومن کی ذمے داری ہے بلکہ یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اسی میں ایمان کی بقا اور تحفظ ہے، اگر قوتِ بازو اور قوتِ گویائی سے برائی نہیں روک سکتے تو فرمایا گیا کہ کم سے کم برائی کو دل سے برا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ (مسلم شریف جلد اوّل، ص ۵۱)

ایک حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جس نے کسی خلاف سنت بات پیدا کرنے والے کو جھڑک دیا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان و اطمینان سے بھردے گا اور جو ایسے شخص کی توہین کرتا ہے (یعنی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرے یا توہین کرنے والوں کے پیرو ہو) اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بے خوف کردے گا اور جس نے نیکی کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا وہ زمین پر اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے۔ (مکاشفۃ القلوب، ص ۱۱۶)

کیا ہم اپنے پڑوسی ملک چین، انڈونیشیا اور ملیشیا کو نہیں دیکھتے کہ وہاں اسلام کیسا پھیلا؟ اور آج وہاں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان کیسے پیدا ہوگئے؟ کیا ان ملکوں میں عرب، ایران اور افغانستان کے فاتح بشکل بابر، غوری، غزنوی قوم بر بر سے طارق بن زیاد، قبیلۂ ثقیف سے محمد بن قاسم، امیر افریقہ موسیٰ بن نصیر حملہ آور ہوئے تھے؟ نہیں نہیں بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ان ملکوں میں اسلام کی انسانیت نواز روشن تعلیمات اور مسلم مبلغین و مصلحین کے اخلاق و کردار اور اسلامی تعلیمات کی کشش نے لاکھوں انسانوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور پھر وہ قطار در قطار مشرف باسلام ہوئے تھے۔

درحقیقت تعمیری فکر، صحیح خیال، پاکیزہ کردار، اعلیٰ اخلاق، وسعت ظرفی، دوراندیشی، بلند نگاہی، رحم و مروت، انسانیت، تہذیب و تمدن، شرافت اور علم و عمل کی جامعیت سے ہی کوئی قوم عظیم بنتی ہے۔
(بحوالہ آیاتِ جہاد کا قرآنی مفہوم، ص ۷)

مذکورہ تمام تر خصائص مذہب اسلام میں روزِ اوّل سے موجود ہیں یہ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اسلام کی مشعل ان علاقوں میں لے جائیں جو برکاتِ اسلام کی نعمت سے محروم ہیں کیوں کہ ہم اُمتِ اجابت ہیں اور اُمتِ دعوت تک دین کی دعوت پہنچانا ہم پر فرض ہے۔

راقم الحروف قارئین کرام سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا ہے کہ تبلیغی کام میں بہت سی دشواریاں ہیں لیکن ہماری ناقابلِ تسخیر حمیت ایمانی اور حرارتِ اسلامی خدا کے فضل و کرم سے تمام مشکلات پر غالب آئے گی۔

مولانا بدرالقادری مصباحی اپنی تصنیف ''یورپ اور اسلام'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کتنا جاں گسل، دردناک اور کرب ناک ہے، اس میں کتنی دشواریاں ہیں اس کا احساس کیے بغیر اس راہ میں اتر آنے کا حوصلہ خاطر خواہ کامیابی سے ہمکنار نہیں کرسکتا۔

اے مذہب اسلام کے پاسبانو! راہِ دعوت و تبلیغ میں آپ کو بے شمار پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، کبھی اندازِ دعوت کا تمسخر اڑایا جائے گا تو کبھی دعوت کے مطابق عمل میں کمی وغیرہ سے طعنہ سننے کی نوبت بھی آئے گی مگر قربان جایئے! شیرِ خدا دامادِ رسول مولائے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہے کہ تبلیغ بہترین جہاد ہے۔ (تفسیر کبیر، بحوالہ برکاتِ شریعت ۶۶۴)

بلکہ راقم یہ کہے تو بے جا نہ ہوگا کہ عالم اسلام کے ہر فرد کو عہد رواں میں جہاد کرنا چاہئے، یہ جہاد جہاد بالسیف نہیں بلکہ جہاد باللسان، جہاد بالعلم، جہاد بالقلم، جہاد بالمال اور جہاد بالقلب اور جہاد بالنفس ہے مذکورہ تمام اقسامِ جہاد اشاعت اسلام میں موجود ہیں، جس کے متعلق حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ''**افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جابر** ''یعنی جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق بہترین جہاد ہے۔ (ترمذی شریف جلد دوم، ص ۴۰ بحوالہ برکاتِ شریعت ۶۶۸)

ان قرآنی آیات اور احادیث مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے اور اگر ہم نے ضرورتِ تبلیغ کو پس پشت ڈال دیا تو عوام و خواص سب کو عذاب ہوگا۔
(مشکوٰۃ شریف، ص ۴۳۸، برکاتِ شریعت، ص ۶۶۹)

مگر یہ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہم نے اسلام کو اپنی ذات سے ایسا متعارف کرایا جو فرمانِ خدا، فرمانِ رسول اور احکامِ قرآن کے مخالف ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دورِ حاضر میں دعوت وتبلیغ کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اگر ہم نے دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت کو محسوس نہ کیا تو ہم بھی قوم یوشع بن نون علیہ السلام کے مصداق ہوجائیں گے۔ خدائے قدیر وجبار نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں تمہاری اُمت کے چالیس ہزار نیکوں اور ساٹھ ہزار بروں کو ہلاک کرنے والا ہوں، اس لیے کہ نیکوں نے میرے دشمنوں کو دشمن نہیں سمجھا اور یہ باہم میل ملاپ سے رہتے رہیں۔ (مکاشفۃ القلوب، ص۱۲۰)

آئیے اب تذکیر کے معنی کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

تذکیر: تذکیر کے معنی نصیحت کرنے اور یاد دلانے کے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۱۹۹) انسان دنیاوی آسائشوں میں اس قدر محو ہوکر رہ گیا ہے کہ اپنے مقصد تخلیق کو فراموش کرگیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ یاددہانی کرائی جائے اور نصیحت کے ذریعے سمجھایا جائے تاکہ وہ معصیت سے بچنے کی کوشش کرے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے ''**وذکر فان الذکری تنفع المومنین**'' سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔ (سورۃ الذاریٰت، پارہ ۲۷، آیت ۵۵)

دوسرے مقام پر فرمانِ الٰہی ہے: ''**فذکر انما انت مذکر**'' تو تم نصیحت سناؤ تو تم ہی نصیحت سنانے والے ہو۔ (پ۳۰، سورۃ الغاشیہ، آیت ۲۱ کنزالایمان)

تبشیر: اسلام کی تعلیمات اور احکامات کو اکنافِ عالم میں پھیلانے اور اس کی حفاظت وصیانت کا واحد ذریعہ ''دعوت وتبلیغ'' اور ''ارشاد وہدایت'' ہے۔ تبلیغِ دین اور دعوتِ مبین کے جو اصول قرآن مجید اور احادیثِ نبوی نے وضع کیے ہیں انہیں روبہ عمل لاکر کامیاب دعوتِ عام کی جاسکتی ہے اور ایسی ہی تبلیغ بامقصد نظر آئے گی جو قرآن وحدیث میں بتائے گئے قوانین کے تحت کی جائے، بلاتمثیل وبلاتمہید تبشیر کے معنی خوشخبری اور بشارت دینا ہے۔ خالق کائنات اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس خاک دانِ گیتی پر بشیر ونذیر یعنی خوشخبری دینے والا، ڈرسنانے والا بناکر مبعوث فرمایا ''**انا ارسلناک بالحق بشیرا ونذیرا**'' بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ (پ اوّل، سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۹)

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے ''**وبشر الذین آمنوا وعلموا الصالحات ان لھم جنت تجری من تحتھا الانھٰر**'' اور خوشخبری دے انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں (پ اول، سورۂ بقرہ، آیت ۲۵) مزید ایک اور مقام پر فرمان رب ذوالجلال ہے ''**رسلا مبشرین و منذرین**'' رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے (پ۶، سورۃ النساء، آیت ۱۶۵)

معلوم ہوا کہ برادران اسلام کو راہِ حق کی منازل پر ثبات قدمی عطا کرنے کے لیے رضائے الٰہی، جنت اور اجر وثواب کی بشارت دینا بھی دعوت دین کا اہم وصف ہے، اس لیے کہ فطرتِ انسانی میں لالچ کا اہم رول ہوتا ہے۔

وعدہ معاوضے کا نہ کرتا خدا اگر
خیرات بھی سخی سے نہ ملتی فقیر کو

اِنذار: انذار کا معنی خبردار کرنے، ڈر سنانے، طریقہ، وضع، نمونہ اور پیمانہ کے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۸۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**یایھا المدثر o قم فانذر o وربک فکبر o**'' اے بالاپوش اوڑھنے والے، کھڑے ہوجاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو۔ (پ۲۹، سورۃ المدثر، آیت ۱تا۳)

ایک اور مقام پر خدائے قدیر وجبار کا فرمان ہے: ''**واوحی الی ھذا القران لانذرکم بہ ومن بلغ.... الخ**'' (فرمادو) میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔ (پ۷، سورۃ الانعام، آیت ۱۹)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی فرماتے ہیں: ''معنی یہ ہے کہ اس قرآن سے میں تم کو ڈراؤں اور وہ ڈرائیں جن کو یہ قرآن پہنچے۔ (خزائن العرفان، بحوالہ:۔ دعوت وتنظیم)

ارشاد ربانی ہے کہ ''**فلا تخشوا الناس واخشون o**'' لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو۔ (پ۶، سورۂ مائدہ، آیت ۴۴)

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''**ولقد وصینا**

الـذيـن اوتـوا الكتب من قبلكم وایاکم ان اتقوا الله ''اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جوتم سے پہلے کتاب دیئے گئےاور تم کو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (پ۵سورۂ النساء، آیت۱۳۱)

اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے: یاایھاالـذین آمنوا اتـقـوا الـلّٰـه وقولوا قولا سدیدا o یصـلـح لـکـم اعمالکم ویـغـفـرلـکـم ذنـوبکم و من یطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عـظـیـمـا o اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔ (پ۲۲، سورۂ احزاب، آیت ۷۱،۷۰)

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''واما من خاف مـقـام ربـه ونهى الـنفس عن الهوىٰ o فـان الـجنة هي الـمـاوىٰ ''اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔ (پ۳۰، سورۂ النازعت، آیت ۴۱،۴۰)

قرآن مقدس میں بے شمار مقامات پر خشیت الٰہی کا تذکرہ ہوا ہے، دعوت وتبلیغ کی راہ میں اذہان وقلوب میں خوفِ خدا اور اللہ عزوجل کے سمیع وبصیر ہونے کا زندہ تصور بڑا ہی مؤثر ہے۔

تواصی بالحق: تواصی بالحق کا مفہوم کسی کو خیر خواہی کے جذبے سے کسی کام کی طرف راغب کرنا یا مسلسل کسی کام کی تاکید کرتے رہنا۔ المفردات میں اس کا ایک مفہوم وعظ ونصیحت سے کوئی کام کرنے پر ابھارنا بھی بیان ہوا ہے۔ (دعوت وتنظیم)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے مبلغ کو مذکورہ چھ اوصاف کا جامع ہونا چاہیے، آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے''۔ (بخاری ومسلم شریف)

دعوت وتبلیغ ہی وہ کام ہے جو امت محمدیہ کو تمام امم سابقہ سے ممتاز کرتا ہے، ہم امت اجابت ہیں اور امت دعوت تک اللہ کی وحدانیت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور دینی احکام پہنچانا ہم پر لازم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ومـن احسـن قـولا مـمـن دعـا الـى الـلـه و عـمـل صـالحا وقال اننی من المسلمین o ''اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں۔ (پ۲۴، سورۂ حٰم السجدہ، آیت۳۳)

گویا کہ اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی ذمّے داریاں سابقہ امتوں سے زیادہ ہیں کیوں کہ خاتم النبیین اس خاک دان گیتی پر نسخۂ کیمیا ساتھ لے کر جلوہ افروز ہو چکے ہیں، یہ فضلِ ربی ہے کہ انبیائے کرام اور رسولانِ عظام کی ذمّے داریاں خیر اُمت کے سپرد کی گئیں، قرآنی دعوتوں کا مقصدِ عظیم بنی نوع انسانی کو کفر وشرک، عصیان وطغیان کے اندھیروں سے نکالنا اور خالق حقیقی کے پسندیدہ نور ہدایت سے روشناس کرانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''الـرٰ کتـب انزلناه اليک لتخرج الناس من الـظـلـمٰـت الى النور ...الخ ''ہم نے کتاب لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لانے کے لیے نازل کی ہے۔

(پ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت۱)

اسی طرح سے مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ ذی شان ہے ''کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش اس دین کے ماتحت نہ ہوجائے جسے میں لے کر آیا ہوں''۔ (بخاری شریف)

یہ فضلِ ربی ہے کہ انبیا ورُسلِ عظام کی عظیم ذمّے داریوں سے اُمت محمد یہ کو سرفراز کیا گیا اور دینی مشن (Mission) ہر مسلمان کی زندگی کا نصب العین بھی ہونا چاہئے، اس لیے کہ یہی وہ فعل ہے جس نے اکنافِ عالم کو شمع اسلام سے روشناس کرایا، جس کا اعتراف صرف عالمیان اسلام نے نہیں بلکہ برطانوی فرماں رواؤں نے بھی کیا ہے، پروفیسر ٹی، ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب The Preaching of Islam (دی پریچنگ آف اسلام) کے پہلے باب میں لکھتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں دو مواقع پر وحشی کفاروں نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا، اول سلجوقی ترکوں نے گیارہویں صدی میں اور تاتاریوں نے تیرہویں صدی میں مگر دونوں موقعوں پر فاتحین نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے، جس میں مسلمان مبلغین کا اہم کردار رہا ہے، جب کہ ان کو کسی دنیوی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی۔ (یورپ اور اسلام، ص۲۷)

☆☆☆☆

مدارسِ اسلامیہ کے کارنامے اور جدید دعوتی تقاضے

محمد اسحاق رضوی مصباحی ★

الحمد لله الذی دعا الناس الی الهدی فارسل الیهم رسوله الذین اصطفیٰ وختم بمن کشف الدجی وبلغ العلے وصلی الله علی حبیبه المرتضی واصحابه الذین عنهم ارتضی، امابعد!

اس عالمِ فانی میں سب سے بڑا کام خیر کی طرف دعوت اور برائیوں سے روکنا ہے، جب کہ یہ دونوں کام خلوص نیت اور صفائے باطن کے ساتھ ہوں۔ انسانوں کو بھلائی کی طرف بلانا اور وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے جس میں کوئی اپنی ذاتی خواہش اور فائدہ شامل نہ ہو نفس امارہ پر اس سے زیادہ شاق کوئی دوسرا عمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس راہ میں کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے، آرام وراحت کو تج دینا ہوتا ہے، لذتوں اور آسائشوں کو ٹھوکر مارنا ہوتا ہے۔ اس راہ میں عظیم صبر پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط دل، ستاروں سے بلند ارادوں اور کائنات کو اپنا لینے والی حکمت کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اس منصب جلیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے جن نفوسِ قدسیہ کا انتخاب فرمایا اس جماعت کے برابر کوئی اُمتی ہو ہی نہیں سکتا ہے، اس بارِ گراں کو اٹھانے کے لیے دنیا میں خاص ہی افراد ہوتے ہیں۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے صحابۂ کرام نے آپ سے حاصل کیے گئے اخلاص اور حکمت سے اس ذمّے داری کو مکمل انجام دیا، ان کے بعد تابعین، علمائے مخلصین اور اولیائے کرام اس ذمّے داری کو نبھاتے آئے ہیں اور ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمت میں ایسے مخلص بندے پیدا فرمائے ہیں جو اُمت کی کشتی کے پتوار کو سنبھالتے ہیں اور حوادث کے سمندر میں ہجوم امواج سے ناخدا بنتے رہے ہیں۔

کتاب وسُنّت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنے ہر دور میں مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے اور ہر آنے والا فتنہ پہلے فتنے سے بڑا ہوگا۔ ان فتنوں کے سامنے مسلمان غالب بھی آجائیں گے اور بعض مورچوں پر بظاہر پسپا بھی ہوں گے مگر ان کو ہر حال میں حق پر قائم رہنا ہے، فتنوں سے مقابلہ کرنا اور فتنوں سے لوگوں کو نکالنے کی کوشش دعوت وتبلیغ کا اہم جز ہے۔ یہ فتنے عقائد پر ضرب لگانے کے لیے بھی ہوں گے اور اُمت مسلمہ کی مقدس زمین چھیننے کے لیے بھی اور اس اُمت کے تشخص کو مٹانے کے لیے بھی۔ اس لیے جس طرح دعوت وتبلیغ کے لیے اخلاص اور طلب رضا کے جذبے کی ضرورت ہے اسی طرح عقائد کا مفصل علم، کتاب وسُنّت اور فقہ کی تعلیم ومہارت کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ کسی شے کو کتاب اللہ اور سُنّت مبارکہ نے کیا درجہ دیا ہے یہ جاننا سب سے پہلے ضروری ہے۔ کون سا کام حرام ہے، کیا مکروہ تحریمی ہے، کیا مستحب ہے، کیا فرض ہے، کیا واجب ہے، نت نئے مسائل کا جواب تلاش کرنے اور شریعت کی روح کو سمجھنے کی صلاحیت تامہ لازم ہے اور یہ سب کچھ تفسیر، حدیث شریف کی تعلیم اور ان کی تعلیم کے لیے ضروری علوم جیسے علوم عربیہ کے حصول کے بعد ہی ممکن ہے۔ مبلغ کے لیے شریعت کا علم اور بزرگوں کے اخلاص کی تعلیم فرض اہم ہے۔ اگر یہ علم درست اور مکمل حاصل ہے تو کسی بھی زبان میں آپ کی تعلیم پہنچ جائے گی، بات حقیقت میں ہونا ضروری ہے، آج مثنوی مولانا روم کیمیائے سعادت اور کشف المحجوب جیسی کتابوں کے ترجمے غیر مسلموں کے لیے بھی بیشتر زبانوں میں موجود ہیں تو ان کے مصنفین کے اخلاص اور علم تام کی بات ہے۔ آج مدارس میں طرح طرح کے علوم داخل کر کے اصل علم سے لاپرواہی برتی جاتی

ہے، یہ طریقۂ کار مقصد سے ہٹ جانے کے مترادف ہے۔

تو دعوت وتبلیغ کے لیے مدارسِ اسلامیہ گہوارۂ مادر کی حیثیت رکھتے ہیں اور بزرگوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ صفائے نفس کی تعلیم بھی جاری رکھی ہے۔ علم اخلاق واخلاص اور علومِ شریعت کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دعوت اور تبلیغ کے اصل مرکز مدارس ہی ہیں۔ مدارس سے مراد موجودہ دور کا تصور نہیں ہے کہ جہاں لائبریریاں ہوں، تنخواہوں پر اساتذہ مقرر ہوں، رسید اور چندہ ہو، مہتمم اور ناظم ہوں۔ مدارس سے مراد ہے حصول علم کی جگہ وہ بزرگ جنھوں نے اپنے شاگردوں کو اپنے ساتھ رکھ کر تعلیم دی اور تمام بڑے اولیائے کرام اور علمائے ذوی الاحترام نے اسی طریقے سے علم حاصل کیا ہے، مبلغ حضرات عموماً پیشہ وارانہ مدارس سے بچتے رہے ہیں۔ آج کے دور میں سب سے زیادہ کمی اسی خصوصی سلسلۂ تعلیم کی ہے، تمام تر پیشہ وارانہ مدارس ہیں جن میں طلبہ کا مقصد ڈگری حاصل کرنا اور اساتذہ کا مقصد تنخواہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگر چہ تمام طلبہ اور اساتذہ کو اس نیت سے موصوف نہیں کر سکتے کچھ نہ کچھ لوگ اس امر میں مخلص ضرور ہیں مگر ہیں تو بہر حال بہت ہی کم۔

اُمت کے گزرے ہوئے وقت سے اب تک دعوت وتبلیغ کا زرّیں سلسلۂ تعلیم وتربیت بزرگوں کی انفرادی کوشش سے زیادہ بار آور ہورہا ہے۔ مدارس اسلامیہ کے قیام سے اصل مقصد دین کی حفاظت وتبلیغ، قومِ مسلم کی قیادت اور اقوامِ عالم کو دعوت حق بھیجنا ہے تو مدارس میں وہ تمام چیزیں ہونی چاہیے جو اس مقصد کو حاصل کرائیں، موجودہ دور میں مدارس کو جدید درس گاہوں کے اصول پر لایا جارہا ہے خصوصا ہندوستان میں یہاں دوسرے علم داخل کئے جارہے ہیں، انگلش زبان خصوصیت سے پڑھائی جانے لگی یہ چیزیں بھی اچھی ہیں مگر یہ سب وسائل اور آلات ہیں اگر ہم ان وسائل میں الجھ کر رہ گئے اور مقصد تک نہ آسکے تو تعلیم کا اصل فائدہ ہی کیا ہوا؟ اصل مقصد ہے کتاب وسُنّت کا علم اور اس کے قریبی وسائل کا علم یعنی علوم عربیہ اور پھر سماجی علوم میں دانشوری پھر دعوت وتبلیغ کی زبان، مدارس میں جو نصاب فی الوقت نافذ کیا گیا ہے اور جو انداز تعلیم اختیار کیا گیا ہے ہم اس کو فائدہ مند نہیں پارہے ہیں۔ ان مدارس سے فارغین بنیادی عقائد تک سے واقف نہیں، تحریر وتقریر میں خلاف اسلام کام کرتے نظر آرہے ہیں، آپ کو شاید یہ بات عجیب سی لگے مگر میرے پاس صدہا مثالیں ہیں جن کو آج کل کے فارغین کی تحریروں سے جمع کیا گیا ہے اور ان میں دین کے خلاف اچھا خاصا مواد موجود ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں کی تعلیم تو ہوتی ہے مگر یہ لوگ آلات و وسائل میں ہی لگے رہے اور کتاب وسُنّت، عقائد وفقہ اور سماجی علوم سے کما حقہ واقف نہ ہو سکے۔ حالاں کہ گزشتہ صدیوں میں بغداد کی خلافت ہو یا ہندوستان کی اسلامی حکومت ہو، اندلس کا جزیرۂ سرسبز ہو یا افریقہ کے صحراؤں کی حکومت ہو، بیت الحکمت کا قیام ہو یا فلسفہ وحکمت کا ترجمہ اور ترقی ہو، باطل فرقوں کا جواب ہو یا مسائل نایاب کی دریافت ہو، سائنس ہو یا طب ہو، دعوت وتبلیغ کا میدان ہو یا تعلیم وتربیت کی گزرگاہ ہو ہر جگہ انہی مدارس اسلامیہ کے آثار ہویدا ہیں اور ان کے در وبام کا نور جھلکتا، چھنتا، دمکتا نظر آرہا ہے، دعوت و تبلیغ کے تمام تر کارنامے حقیقت میں انہی مدارس سے اٹھنے والے قافلہ کی رہ گزر رہے ہیں اور دین کی نشر واشاعت کرنے اور مخالفین کو خاموش کرنے کا کام مدارس کے ہی فارغین نے انجام دیا ہے۔ لہٰذا دعوت وتبلیغ کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے ہم کو مدارس اور درس گاہوں میں انقلاب لانا ہوگا اور سب سے پہلے وہاں پر دین کی حقیقی تصویر بنانی ہوگی اور ان میں پڑھنے والے ہر ایک فرد کو سراپا سُنّتوں کا مظہر بنانا ہوگا اور اس کے لیے ہم کو ان تمام کتابوں کو مدارس میں زیر تعلیم لانا ضروری ہے جن میں علم کے ساتھ ساتھ فیض بھی ہے اور ان بزرگوں کی تصانیف کو جن پر اُمت نے مکمل اعتماد کیا ہے۔

دعوت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے مبلغ کے پاس تفسیر کا مکمل ادارک ہو کہ جدید ذہن کو مطمئن کر سکے، سُنّت کا ایسا علم ہو کہ انسانیت کے بنائے ہوئے گمراہ کن قواعد پر ہر سُنّت کی برتری ثابت کر سکے، فقہ میں ایسی بصیرت ہو کہ نت نئے مسائل اور حوادث کو آسانی سے سمجھا

سکے، انسانی علوم پر ایسی گرفت ہو کہ جب بھی دنیا کسی مسئلہ اور بحران میں مبتلا ہو اور نجات کی راہ تلاش رہی ہو تو فوراً ہمارا مبلغ اس کے سامنے اسلام کا روشن راستہ لا سکے۔

موجودہ دور میں سائنس کے چیلنج ہیں، قانون وحکمت اور عدلیہ چیلنج ہیں، دوسری تہذیبوں اور ادیان کی طرف سے دعوے ہیں سماجیات کے مسائل ہیں، دنیا میں علم اور دلائل کا انبار ہے۔

آج ہر کام جو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اس کی بہتری پر بے حد وسیع لٹریچر تیار کیا جا رہا ہے اور ان چیزوں سے تجارت وحرفت جڑ چکی ہے۔ حرام کاموں کو انسانی ضرورت میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں مدارس سے ڈرے سہمے لوگوں کو فارغ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے کم علم اور کوتاہ نظروں سے کوئی فائدہ نہیں جو نہ خود عمل کریں اور نہ ہی دلائل سے شریعت اسلامیہ کی برتری ثابت کرسکیں آج ان مبلغین اور علما کی ضرورت ہے جو دنیا کے انقلابات اور اس کی ضروریات اور انسانی مہلکات سے بخوبی واقف ہوں اور ہر اس شخص کو جو اسلام کے خلاف جری ہو خاموش کرسکیں۔ آج ان دعوتی تقاضوں کو حاصل کرنے کے لیے مدارس میں ایک تبدیلی کی ضرورت ہے جو ہماری موجودہ نسل کو حرکت وانقلاب عطا کرسکے، ہمت اور جذبہ عطا کرسکے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

مدارس میں جمود ہے، خوف ہے، دنیا پرستی اور تملق ہے۔ جمود اس لیے کہ ہم اپنی بحثوں کا وار ان پر کر رہے ہیں جو موجود نہیں ہیں۔ جو فرقہ صدیوں پہلے مر کھپ گیا، اس کے خلاف تحریر ہم یاد کر رہے ہیں اور ہمارا موجودہ دشمن ہم پر وار پر وار کئے جا رہا ہے۔ ہم کو اس کی پروا نہیں۔ طلاق ونکاح، حدود وقصاص کو وہ ردّ کر رہا ہے اور ہم باب فدک اور خلافت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے مسائل پر بحث کر رہے ہیں۔ دشمن اذان پر پابندی لگانے کی تیاری کر رہا ہے اور ہم اذان قبر پر دست بگریباں ہیں۔ خوف اس لیے کہ اگر کوئی جج اور نام نہاد مفکر یا کوئی صحافی کسی مسئلے کو رد کرتا ہے تو ہم اس کے خلاف لب نہیں کھولتے۔ دنیا پرستی اس لیے کہ کسی بھی مدرسے میں جائیے، اہل علم کی قدر نہیں ہوگی ہر جگہ سیٹھ صاحب کا استقبالیہ دیا جائے گا اور کوئی اہل علم میں سے سو چکر لگائے تو کوئی سلام علیک کرنے کو تیار نہیں۔ تملق اس لیے کہ ہمارا تجربہ ہے، مشاہدہ ہے اکثر جگہ پوری درس گاہ کسی نہ کسی طاقت ور شخصیت کے ارد گرد گھومتی ہے اور باقی اسٹاف اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے تگ ودو میں لگا رہتا ہے۔ جو درس گاہیں ان اوصاف قبیحہ کی حامل ہوں وہاں بے باک اور صاحب نظر مبلغ پیدا ہونا مشکل ہے۔ مدارس صرف علم کی جگہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ وہ صفائے نفس اور باطنی انوار کے انکشاف کا منبع ہونا چاہیے۔ علم وحکمت اس وقت تک بے کار ہیں جب تک کہ وہ حقیر جذبوں سے آزاد نہ ہوں اور درد وشوق کے لطیف جذبوں سے معمور نہ ہوں۔

عطّار ہو رومؔی ہو رازؔی ہو غزؔالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

کچھ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ کام مدارس میں صوفیائے کرام کی اصطلاحی کتابیں داخل کرنے سے مکمل ہو جائے گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تصوف بھی دو طرح کا ہے، ایک حقیقی اور ایک الفاظ و اصطلاح میں، یہاں پر تصوف کی اصطلاحوں کی ضرورت نہیں ہے وہ کچھ انقلاب لانے والی نہیں بلکہ یہاں اس حقیقی تصوف کی ضرورت ہے جو اصطلاحوں سے پہلے تھا یعنی وہ جذبہ وشوق اور قربانی دینے کی تیاری اور کتاب وسُنّت سے محبت، جس کا نمونہ صحابہ کرام تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصطلاحی تصوف سے پہلے ان صحابہ کرام کی سیرت کو سچے دل اور جذبے سے نافذ کرنا ضروری ہے یعنی مدارس میں جو علوم حاصل ہوں ان کے ساتھ صحابہ کرام کے ایمان کی خصوصیات طلبہ کے دلوں پر نقش ہوتی رہیں، علم وحکمت، زمانے کی رفتار کی سمجھ، سماجیات سے واقفیت، اخلاص واستغنا کی جو مثالیں ہمیں صحابۂ کرام کی زندگی سے ملتی ہیں وہ تاریخ انسانی میں نایاب ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور گردن جھکانا جس انداز سے

انہوں نے نبھایا کسی دوسری اُمت میں موجود نہیں ہے، آج کل خانقاہوں اور مدارس میں اس چیز کا فقدان ہے اور اُمت کا کارواں منزل تک بغیر اس سوغات کو سینے سے لگائے نہیں پہنچ سکتا ہے۔

مکتبوں میں کہیں رعنائیِ افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے
منزل رہرواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلے میں قافلۂ سالار بھی ہے
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے
علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

دوستو! مدارس کی تجدید کا یہ ایک پہلو ہے جس پر کام کم ہو رہا ہے اور یہی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہاں پر دو باتیں الگ الگ ہیں اور دونوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ قومِ مسلم کی تعلیم اور دینی اور شرعی تعلیم۔ دنیوی علوم بھی کافی ہیں اور دینی علوم بھی۔ کوئی طالب علم دونوں کا ماسٹر نہیں بن سکتا، جدید علوم کے لیے درسگاہیں بھی ضروری ہیں اور ان کو اسلامی تربیت سے روشن کرنا بھی ضروری ہے۔

دوسرے مدارس جو علمائے کرام اور مبلغین کی قافلہ سازی کے لیے قائم ہیں ان پر دنیوی علوم کا اتنا بوجھ کہ وہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ جائیں مناسب نہیں ہیں۔ آج کل مدارس سے دونوں کام لیے جانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو مدارس حکومت کے شرائط پر ہیں وہ تقریباً دنیوی اداروں میں تبدیل ہو چکے ہیں ان سے انقلابی مبلغین کے پیدا ہونے کی امید فضول ہے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے اس قسم کے مدارس کی ضرورت ہے جن کا خاکہ اور خصوصیات گزشتہ صفحات سے ظاہر ہو چکی ہیں اور جن کو اختصار سے یوں ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حکومتِ وقت کے دباؤ اور شرائط سے آزاد ہوں۔

(۲) کتاب وسنّت، فقہ و تاریخ اور علوم عربیہ کی وہ تمام کتابیں پڑھائی جائیں جو اساطین اُمت کی تحریریں ہیں۔

(۳) سیرت صحابۂ کرام اور میدان تبلیغ کے شہسواروں کے کارناموں سے ان مدارس کے طلبہ مکمل روشناس ہوں۔

(۴) دعوت و تبلیغ کی خاص تربیت ہو۔

(۵) اتنی مقدار میں ادیان و مذاہب اور افکار تازہ کی جانکاری ہو کہ وہ ان کا ردّ کر سکیں۔

(۶) قوموں کی ذہنیت اور سماجی علوم پر ان کی گرفت مضبوط ہو۔

(۷) شریعت کی مخالفت پر کسی قسم کی رعایت ان مدارس کے طلبہ اور ذمّے داران اور اساتذہ کی نہ کی جائے اور وہ نہ کریں۔

دوستو! اس زمانے میں ایسی درس گاہیں موجود ہو جائیں ظاہر میں آسان نہیں لگتا، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے کچھ ایسے روشن دلوں کو جمع کر دے جو یہ کارنامہ انجام دے سکیں۔

خدائے تعالیٰ ہم اور آپ کو صرف کہنے والوں میں سے نہ بنائے بلکہ حق کہنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ
یا سنجر و طغرل کا آئین جہاں گیری
یا مردِ قلندر کا اندازِ ملوکانہ
یا حیرت فارابی یا تاب وتب رومی
یا فکر حکیمانہ یا جذب کلیمانہ
یا عقل کی روباہی یا عشق ید اللّٰہی
یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ
یا شرع مسلمانی یا دیر کی دربانی
یا نعرۂ مستانہ کعبہ ہو کہ بت خانہ
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأت رندانہ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

☆☆☆☆

قلم وقرطاس اور اس کی دعوتی اہمیت وضرورت

محمد علی قاضی مصباحی ★

آدمی کو خریدنا آسان ہے مگر اسے اپنا ہم خیال بنانا بڑا ہی کٹھن ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ جسم کو قید وبند سے گزارنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ کسی ذہن وفکر کی آزادی پر پہرہ بٹھانا مشکل کام ہے۔ ہاں! قلم وتحریر ایک ایسی توانائی ہے کہ اگر تشددِ طبع کے ذریعے سے کسی کے جسم کو غلام بنایا جاسکتا ہے تو قلم کی طاقت کے ذریعے اس کے ذہن وقلب کو رام بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے تو دنیا کی چالاک قومیں آج پریس پر کروڑوں کی لاگت خرچ کررہی ہیں اور اپنے نظریات وافکار کی ترویج وتشہیر کرنے والے انشاپرداز ومقالہ نویس اور اصحاب قلم کو ہر طرح کی سہولت فراہم کرکے ان کی خوب سے خوب تر پرورش کررہی ہیں تاکہ ان کی تحریر کی جادوگری اور ان کے قلم کی فنکاری سے عام ذہنوں کو ہموار کرکے اپنے نظریات وافکار کو دنیا پر مسلط کیا جائے، آپ دیکھ لیجئے چاہے وہ سوشلزم وکمیونزم کے افکار ہوں یا وہابی ازم کے نظریات ہوں یا مودودی ازم کی اسلام میں جدّت پسندی ہو آج ان افکار باطلہ کی ترویج واشاعت کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا جارہا ہے، کیوں؟ صرف اس لئے کہ ذہن وفکر کو ہم خیال کیا جائے اور لوگوں کے قلب وضمیر کو اپنا ہم نوا بنایا جائے اور اس طرح کی جماعتوں نے پریس کا سہارا لے کر اب دنیا کی ہر زبان میں چاہے وہ قومی ہو یا بین الاقوامی، اپنی رسائی حاصل کرلی ہے اور اپنے نظریات وافکار کو بین الاقوامی منڈی میں پہنچادیا ہے۔ یہ سب کچھ پریس کی کرشمہ سازی، قلم وتحریر کی طاقت وتوانائی اور تصنیف وتالیف کی نیرنگی وبوقلمونی ہی تو ہے۔

مگر افسوس کہ پانی سر سے آگے بڑھ گیا پھر بھی ہم بیدار نہ ہوئے۔ ہماری تنظیمیں، ہمارے مراکزِ اسلامی اور ہمارے مدارس وجامعات نے اس طرف قطعی کوئی رخ نہیں کیا ہے۔ ہاں چند کتابیں مارکیٹ میں.......نہیں بلکہ بعض غیر معروف دوکانوں میں سُنّی لٹریچر کے نام سے گاہے بگاہے دستیاب ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح چند سنی رسائل دہلی، مبارکپور، پٹنہ اور بریلی شریف وغیرہ سے باصرہ نواز ہوتے رہتے ہیں مگر وہ بعض اصحاب قلم کی انفرادی کاوشوں کا نتیجہ ہے ورنہ نہ انہیں کوئی جماعتی تعاون حاصل ہے اور نہ ہی کسی سرمایہ دار کی پونجی کا سہارا بلکہ صرف اور صرف۔ ع "اللہ پہ بھروسہ ہے محمد پہ نظر ہے" والی بات ہے۔ سردست قرآن وسنت سے قلم وتحریر اور تصنیف وتالیف کی اہمیت پر روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس پہلو پر ہماری عدم توجہی کا احساس دلانا منشائے کلام ہے ورنہ کون نہیں جانتا لوح وقلم کو؟ کسے نہیں معلوم کہ قرآن مجید کی پوری ایک سورت قلم سے موسوم ہے؟ کس نے نہیں پڑھا کہ قرآن نے قلم اور نوشتے کی قسم کھائی؟ کیا ہمیں نہیں معلوم کہ "**ربک الاکرم الذی علم بالقلم**" کہہ کر خالق ارض وسماوات نے اپنا تعارف کرایا؟ اور کیا غزوۂ بدر کے موقع پر گرفتار شدگان میں جو لکھنا جانتے تھے "تعلیم کتابت" پر متعین نہیں کئے گئے؟ کیا تاریخ کی اوراق گردانی کرنے والا نہیں جانتا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارے پر ہی قرآن کو ضبط تحریر میں لایا گیا تھا؟ الغرض اسلامیات کا سارا اثاثہ جو آج محفوظ شکل میں ہمارے سامنے ہے تو یہ سب کچھ قلم ہی کی بدولت ہے ورنہ اسلام کے سنہرے ماضی سے ہمیشہ کے لئے ہم کٹ کر رہ جاتے۔ لہٰذا اسلام وسنیت کی بقاملحوظِ خاطر ہو، دین ودنیا کے نام پر اُٹھنے والے ہر باطل نظریہ کا ابطال مقصود نظر ہو، تعلیم یافتہ طبقہ کو اغیار کے گمراہ کن لٹریچرز سے مستغنی کرنا ہو اور باطل وگمراہ گر

★ چیف قاضی، دھارواڑ کرناٹک

جماعتوں کا اسلام اور تبلیغ قرآن وحدیث جیسے خوبصورت الفاظ کے لبادے میں بکنے والے اسلام وسنیت شکن پریس کی نقاب کشائی کرنا ہو تو قلم کو ہاتھ میں لو اور شمشیر قلم کی توانائیوں سے باطل نظریات کے سر قلم کردو، ورنہ سعود ویہود کی آغوش کی پروردہ ان نومولود جماعتوں نے ہمارے تعارف میں یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ 'یہ سنی نہیں بلکہ صرف بریلوی ہیں جو ہند میں صوبہ اتر پردیش کے شہر بریلی سے جنم لینے والی ایک تحریک ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں' تاکہ اسلامی دنیا کو دھوکا دیا جاسکے کہ اس جماعت کا اسلام سے اور نہ ہی اسلام کے ماضی سے کوئی رشتہ ناطہ ہے اور اکثر یہ جملے بھی خراش سمع ہوتے رہتے ہیں کہ ''یہ تو صرف عرس وفاتحہ کے نام پر جینے والی ایک جماعت ہے جن کی معلومات کی ساری پونجی فقط عرس وفاتحہ تک محدود ہے'' لہٰذا ہم اپنے مشائخ واکابرین سے، مفتیانِ کرام وذی علم مدرسین سے اور علمائے کرام ومقررین سے ادب کے ساتھ گزارش کریں گے کہ خدارا اب تو قلم کو جنبش دو اور آپ کی نگرانی میں چلنے والے تعلیمی اداروں، قومی تحریکوں اور دینی مدارس کے اغراض ومقاصد میں وقت کی اہم ضرورت یعنی تصنیف وتالیف کو سرفہرست جگہ دو۔

مذکورہ مقصد کی تکمیل کے لئے راقم کی ادنیٰ رائے ہدیۂ ناظرین ہے اگر اسے علمی جامہ پہنایا جائے تو بہت ممکن ہے کہ ان شاء اللہ عوام وخواص میں کتب بینی کا ذوق پیدا ہو اور ہم بہت جلد اغیار کی تصنیفات سے مستغنی ہوجائیں۔

تصنیف وتالیف کی طرف علمی قدم بڑھانے کے لئے

ذیل میں اسلامی مدارس اور عوامی تنظیموں کے لئے علیحدہ علیحدہ چند تدابیر حاضر خدمت کی جارہی ہیں، گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

مدارس اسلامی کی لئے: (۱) ہر طالب علم پر مضمون نگاری لازمی قرار دی جائے۔ (۲) جس کے لئے ہفتہ وار یا پندرہ روزہ اونچی جماعتوں میں پڑھنے والے طلبہ کا ایک اجتماع کیا جائے جس میں اہل ذوق اساتذہ کی رہنمائی کے ذریعے سے طلبہ کو موضوعات دے کر مطالعہ کے لئے متعلقہ کتابوں کی نشان دہی کی جائے اور مضامین کی تیاری کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کی مہلت دے کر ان کی اصلاح کی جائے (۳) کامیاب ترین مقالہ نگار طلبہ کے لئے اسکالرشپ کا ایک شعبہ کھولا جائے نیز ان کی تحریر کی پختگی اور ان کے مضامین کے معیار کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ لکھنے والے طلبہ کے لئے سالانہ انعام رکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ (۴) سیاسی وسماجی اور قومی وملی مسائل پر بھی مقالہ نگاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس طرح سے طلبہ میں تدریجاً انشاپردازی کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاسکتا ہے اور نتیجۃً مدرسے کی چہار دیواری سے نکلنے سے پہلے پہلے وہ ایک اچھا مدرس ایک اچھا مقرر بننے کے ساتھ ہی ساتھ ایک اچھا مقالہ نویس اور ایک بہترین صحافی بن کر نکل سکتا ہے۔

عوامی تنظیموں کے لئے: (۱) اپنے اپنے حلقوں میں لائبریریوں کا قیام عمل میں لایا جائے جن میں ہر موضوع پر کتاب فراہم کی جائے نیز تمام مکاتب فکر کے لٹریچر اور اخبار ورسائل کے ساتھ ساتھ سنی تصنیفات کو خصوصی ترجیح دی جائے۔ (۲) غیر اردو داں طبقہ کے لئے تعلیم بالغان کا آغاز کیا جائے جس میں ان کی عمر اور ان کے اوقات کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں اردو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے۔ (۳) سنی عوام میں جو تعلیم یافتہ ہیں علما کے جلسوں، علمی مذاکرات، نجی محفلوں یا انفرادی ملاقات کے ذریعے ان پر سنی لٹریچر کو بالخصوص سنی رسائل ماہنامہ اشرفیہ، جام شہود، جام نور، کنز الایمان اور اعلیٰ حضرت وغیرہ خریدنے اور پڑھنے پر زور دیا جائے۔ (۴) اپنے اپنے علاقے میں اہل ثروت حضرات کو ترغیب دلائیں کہ وہ مدارس اسلامیہ کی لائبریریوں اور طلبہ کے نام سنی لٹریچر زخرید کر وقف کریں۔

اسلوب نگارش میں تبدیلی: اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہم علمائے اہلِ سُنت کو ایمان وعقیدے کی پختگی کے ساتھ ساتھ علم وفن کی دولتوں سے نوازا، فکر وشعور کی نعمتوں سے مالا مال کیا، اعلیٰ تحریری صلاحیتوں سے لبریز فرمایا، تقریری میدان میں تو لاجواب وبے نظیر کیا اور فصاحت زبان وبلاغت بیان میں ید طولیٰ عنایت کیا مگر افسوس کہ بایں ہمہ وجوہ واوصاف ہماری تقریر وخطابت کا محور صرف چند مخصوص موضوعات ہیں اور ہمارا طرزِ تصنیف واسلوبِ نگارش فکر ونظر کے ایک مخصوص دائرے کا غماز ہے۔

ایک حقیقت پسند و مخلص قاری ہونے کے ناطے اپنے علما کے مکتوبات و تصانیف کے مطالعے کے بعد میں جن نتائج تک پہنچا ہوں ان نتائج کو نمبروار اپنی رائے کے ساتھ پیش خدمت کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ بارہا آپ نے بھی انہیں محسوس کیا ہو مگر کسی وجہ سے ان کا اظہار نہ کر سکے ہوں۔ میری گزارش کا صرف یہ مقصد ہے کہ کیا آج کی مارکیٹ میں بھی حقائق اشیا کی پیشکش کا یہ طرز کہن ہنوز جاری رکھنے کے لائق ہے یا قابل نسخ ہے؟ اگر یہی طرز تبلیغ مشروع و ممدوح اور مرغوب و محبوب ہے تو سبحان اللہ ماشاءاللہ، چشم ما روشن دل ماشاد، ہم بھی تابع امام کے اللہ اکبر، اور نہیں تو پھر کچھ ہونا چاہیے اور کچھ کرنا چاہیے، بزرگوں کی خدمت میں زبان درازی کے لئے طلب اصلاح کے ساتھ معذرت خواہ ہوں۔

(۱) تقریر یقیناً حال کو گرماتی ہے مگر تحریر نہ صرف ماضی میں روپوش باطن کی یاد دلاتی ہے بلکہ حال کو روشن کرتی ہے اور مستقبل پر گامزن کرتی ہے۔ تقریر سے اگر سوئے کو جگایا جاسکتا ہے تو تحریر سے مردے میں روحِ حیات پھونکی جاسکتی ہے۔ تقریر خواب استراحت سے اٹھاتی ہے مگر تحریر خواب غفلت سے بچاتی ہے اور چوکنا رکھتی ہے۔

الغرض! تحریر و تصنیف کی جو مستقل و دائمی اہمیت وافادیت ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں، اس لئے اکثر دیکھنے میں آیا کہ تقریر سے مقرر زیادہ فائدہ میں رہا جبکہ تحریر سے قاری کو زیادہ فائدہ پہونچا، شاید یہی وجہ ہے کہ ہم میں اور اغیار میں ایک اہم فرق یہ بھی نمایاں ہوتا جارہا ہے کہ وہ اپنی تحریر سے پھیلتے جارہے ہیں اور ہم اپنی تقریروں سے سمٹتے جارہے ہیں کیوں کہ جو ہماری تقریر سن کر واہ واہ کرتا ہے دیکھا گیا ہے کہ اکثر وہی ان کے لٹریچر کو پڑھ کر گمراہ ہورہا ہے۔ مذکورہ حقیقتوں سے ہم اچھی طرح آگاہ و باخبر ہیں، اس کے باوجود بھی ہماری پوری توجہ تقریر ہی کی جانب مبذول ہے تصنیف و تالیف کی طرف بالکل معمولی۔ وجہ یہ ہے کہ ہم میدان تبلیغ میں حد سے زیادہ سہل پسندی و آرام طلبی کے عادی ہوتے جارہے ہیں اور صاف بات یہ ہے کہ عام طور پر مقرروں کو صرف بول کر گزر جانا پڑتا ہے اور یہ کام بہت آسانی سے ہم کر لیتے ہیں جبکہ میدان تصنیف و تالیف میں کچھ لکھ کر بچ نکلنا بہت دشوار ہے کیوں کہ کسی مضمون یا مقالے کو لکھنے سے پہلے اگر کتب بینی، عرق ریزی و جگر سوزی درکار ہے تو اس کی طباعت و اشاعت کے بعد قارئین کی علمی و فنی گرفت اور ان کے احتساب کا خوف و خطرہ سر پر لٹکی تلوار کے مانند قائم رہتا ہے۔

تحریر معقول و معتدل اور مستند و مدلل ہے تو صاحب تحریر کی موت بھی زندہ جاوید ہے اور اگر وہ غیر معقول و غیر مناسب اور سطحی و غیر معیاری ہے تو پھر قلمکار جیتے جی بھی قلمی موت کا شکار ہو جاتا ہے شاید اس لئے ہم میں یہ رجحان عام ہورہا ہے کہ اس دلدل میں اپنا پاؤں کیوں پھنسے؟ تقریر سے دال روٹی کا بندوبست ہوگیا چلو اب اپنا راستہ ناپو۔

(۲) عموماً دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے چھوٹے بڑے سبھی مصنفین چند مخصوص موضوعات پر یا کہہ لیجئے کہ جن پر ہمارے بڑوں نے یا اکثر نے بہت کچھ لکھ چھوڑا ہے، اسی پر ہاتھ صاف کرتے رہتے ہیں جبکہ نسبتاً ان کی ضرورت کم ہے یا پھر نتیجہ خیزی کے لئے ان کی پیش کش کو قدرے بدلنے کی ضرورت ہے۔

رہنے دے جام جم مجھے انجام جم سنا
کھل جائے جس سے آنکھ وہ افسانہ چاہیے

(۳) ہر قوم کے علما و شعرا، مبلغین و مصنفین اپنی اپنی قوم کے مزاج اور ان کی اُفتاد طبع پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں اور زمانے کے بدلتے حالات اور اس کے تقاضے بھی اُن کے محور نگاہ ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اپنی قوم کے عقائد و نظریات پر حملہ آور تحریکوں سے وہ ہمیشہ آگاہ و چوکنا رہتے ہیں تا کہ اپنا قومی تشخص اور ملی امتیاز غیروں کی فتنہ سامانیوں سے بچایا جاسکے اور اپنی عوام کو آنے والے خطرات سے قبل از وقت باخبر رکھا جاسکے۔ مذکورہ مقصد کے حصول کے لئے اہل علم اپنے علم و فن کو بروئے کار لاتے ہیں تو شعر و سخن کے مالک اپنی شیریں بیانی سے قوم کی رہبری کرتے ہیں اسی طرح دینی مبلغین اپنی تبلیغی ڈھال سے مسلح ہو کر میدان میں نکلتے ہیں تو اصحاب قلم شمشیر قلم صیقل کر لیتے ہیں.........مگر کیا بات ہے کہ ہماری جماعت میں چند کو چھوڑ کر اکثر پر جمود و تعطل طاری ہے، آپ خود سوچئے، میزائلوں سے

لیس حملہ آور دشمن کو کیا تیغ وتلوار سے زیر کیا جاسکتا ہے؟ اور آواز سے بھی تیز رفتار سواری پر سوار کا مقابلہ کیا سائیکل سوار کرسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، تو پھر ہم کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں؟ آپ برا نہ مانیں تو ایک تلخ حقیقت کی طرف توجہ دلاؤں کہ ہمارے درمیان ایسے خطیبوں کی فہرست لمبی ہے جو اکثر موقع محل، حالات اور سامعین کے مزاج سے بے خبر ہو کر تقریر کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً بے عمل و بدعمل مخاطبین کو عمل واخلاق کا درس دینے کے بجائے رسوماتِ اہلِ سُنّت سے روشناس کراتے ہیں تو راسخ العقیدہ سنیوں کے سامنے عقائد وایمانیات پر خطاب کرتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ توحید ورسالت کی بنیادیں ہلائی جارہی ہیں اور ہم ہیں کہ فاتحہ وسلام پر دھڑا دھڑ کتابیں شائع کررہے ہیں۔ پوری ملت اسلامیہ مسیحی مشنریوں کا نشانہ بن رہی ہے اور ہم ہیں کہ فقط اپنا جماعتی تشخص برقرار رکھنے کے چکر میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہے ہیں اور مغربی طاقتیں اسلام ہی کا نام ونشان مٹا دینا چاہتی ہیں اور ہم ہیں کہ رسومات اہل سنت کی ترویج واشاعت پر قمطرازی کررہے ہیں، جہاد، تجارت، اصلاح معاشرہ، مسیحی جارحیت، اسلام ومسیحیت، مذاہب عالم واسلام، جدید فقہی مسائل، سیکولر ملک میں مسلمانوں کی سیاسی راہ اور مسلمانوں میں موجود بنیادی خرابیوں کا علاج وغیرہ وغیرہ مسائل وموضوعات سے ہمیں دور کا بھی واسطہ نہیں، آخر کیا وجہ ہے؟

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو!

(۴) کون نہیں جانتا کہ وقت پر علاج، آنے والی بڑی سے بڑی بیماریوں کی روک تھام کردیتا ہے۔ مرض کنٹرول سے باہر ہوجانے کے بعد سارے علاج دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ بتائیے کہ دنیا میں کون ایسا شخص ہے کہ جو ٹرین چھوٹ جانے کے بعد ٹکٹ لیتا ہو؟ ارے ٹرین آجانے پر یا اسے آتے دیکھ کر ٹکٹ خریدنے کی جلد بازی بھی غیر دانشمندانہ ہے۔ ہوشیار آدمی پہلے ہی بندوبست میں رہتا ہے، مگر عام طور پر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جیسے ہی کوئی نیا مسئلہ ملت کے سامنے آکھڑا ہوا دھڑ سے رقیبوں نے اس کا حل کسی اشتہار یا کتابچہ یا کتاب کی صورت میں پیش کردیا۔ مزید برآں درپیش مسئلہ کے حل میں یا اس کی تردید میں یا پھر اس سے مصالحت کی کسی صورت میں اردو صحافت کو یکے بعد دیگرے اتنے مضامین دینا شروع کردیا کہ جس سے نہ صرف یہ کہ عوام وخواص پر ان کی علمی، ملی اور سیاست کی چھاپ بیٹھ جاتی ہے بلکہ ملک کی اقتدار اعلیٰ بھی انہیں کو ملت کا ترجمان سمجھ کر گاہے بگاہے گفت وشنید کی خصوصی دعوت دیتی نظر آتی ہے۔

ذرا ادھر آپ توجہ دے کر دیکھیں کہ مسلم پرسنل لا کی بات آئی کتنے رسالے اور کتابیں مارکیٹ میں آئیں، بابری مسجد کا مسئلہ آیا اچھی خاصی ضخیم کتابیں منظر عام پر آئیں، قرآن پاک پر ناپاک ورکیک حملے ہوئے کئی مقالات ومضامین زیور اشاعت سے آراستہ ہوئے، بین الاقوامی سطح پر کیمونزم کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا اور عراق امریکہ جنگ کے دوران سعودی کی تائید، صدام حسین کی مذمت اور امریکہ کی نمک حلالی میں دفتر کے دفتر سیاہ ہوئے لیکن کیا ہم نے بھی لکھا؟ ہاں لکھا، چھاپا اور آواز لگائی مگر کب جب کہ پانی سر سے اونچا ہوگیا اور سیلاب کی زد میں ہم بھی آگئے۔ افسوس صد افسوس!

ع ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا

(۵) (الف) سائنس کے روز افزوں انکشافات نے اب اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے میں یقیناً ہمارا بوجھ ہلکا کردیا ہے کل تک انبیائے کرام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات بیان کرنے میں ہمیں دقت محسوس ہوتی تھی اور غیر شعوری طور پر خوف ہوتا تھا کہ کہیں یہ مغرب زدہ ہمیں اساطیر الاولین کا راگ الاپنے والے نہ کہیں یا ہمارے طرز فکر اور اسلوب تخاطب پر جمود وتعطل اور دقیانوسیت کا الزام نہ لگادیں مگر اب دنیا اتنا آگے نکل چکی ہے کہ قدیم سے قدیم تر ماضی کی تصدیق میں ہچکچاہٹ ہورہی ہے اور نہ ہی مستقبل بعید کے اعتراف میں دقت محسوس ہورہی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ حقیقی اور سائنٹفک بات تو یہ ہے کہ دنیا کو اب نہ اسلام کے ماضی سے مجالِ انکار ہے اور نہ ہی اسلام کی بتائی ہوئی آخرت سے جرأت انحراف، اور کمال تو یہ ہے کہ دعویٰ اسلام کررہا ہے اور دلیل خود سائنس فراہم کررہی ہے۔

پتہ چلا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

(ب) سائنس کی ترقی کا ایک باریک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں اقدارِ گزشتہ واطوارِ جدیدہ آپس میں ٹکرائے جن سے بے شمار نت نئے مسائل سامنے آئے۔ (مثلاً فون، مائک، فوٹو ویڈیو وغیرہ)

اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان میں تال میل پیدا کریں ورنہ کوئی قرآن وسنت کی آفاقیت اوران کی روح فطرت کے بارے میں مشتبہ ومشکوک ہو جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ انکشافات سائنس نے بذاتِ خود چند نئے مسائل کو جنم دیا ہے۔ جن کے حل کے لئے اسلام سے ذہن وقلب کا مطالبہ اور شدید ہو گیا اور نئے نئے سوالات سامنے آنے لگے۔ ایسے موقع پر آپ لائبریریوں میں چھان بین کیجئے تو بھولے سے بھی آپ کو کوئی کتاب تو کیا کوئی صحیفہ بھی اپنا نظر نہیں آتا، لامحالہ ''الا من اکرہ'' کی رخصت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسروں کی کتابوں سے دیدہ ونظر کی تشنگی دور کرنی پڑتی ہے۔ اے کاش ہمارے اصحاب قلم ذرا سوچتے۔

کس طرح ہوا کند تیرا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

(۶) سائنس نے دنیا کو کافی عقلمند اور بے انتہا چالاک بنا دیا ہے اس لئے خالی دیکھی دکھائی یا سنی سنائی باتوں کو یہاں بتا کر گزر جانے سے خلاصی نہ ملے گی۔ سطحی وغیر معیاری تحریر وتقریر سے بات نہ بنے گی اور نہ ہی طفل تسلی ولطیفہ گوئی سے کام چلے گا، بال کی کھال نکالنا یہاں کا عام دستور ہے، ہر شے کو تولنا اور پرکھنا یہاں کا عام چلن ہے اور یہاں ہر بات کو نقد ونظر کی دوربین سے دیکھ کر ہی اپنایا جاتا ہے مگر ہم اس روش کے عادی نہیں ہیں۔ عام ڈگر پر چلنے کا مزاج رکھتے ہیں تنقید تو گویا ہمارے یہاں توہین کا درجہ رکھتی ہے بلکہ بعض اوقات تو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جن اُمور میں علمائے اعلام نے ہمیں کف لسان یا سکوت کا حکم دیا ہے ہم ان پر لب کشائی کریں بلکہ ایسے مخصوص ومنصوص مقامات ومسائل سے ہٹ کر بھی تنقید ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ ایسا کیوں؟ جب کہ تنقید سے حسن وقبح کے اقدار واضح ہوتے ہیں اور تنقید سے صحیح وغلط کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔

ارے بن دیکھے عقائد پر ایمان لایا جا سکتا ہے مگر آنکھ کھول کر اسلام کو سمجھا جاتا ہے ورنہ قرآن میں فکر وشعور، عقل وآگہی اور تدبر وادراک کی دی گئی دعوت لایعنی وبے سود ہو جائے گی، **فاعتبروا یا اولی الالباب**.

میرا خیال ہے کہ ہم اپنی تقریروں اور تحریروں پر اہل دین ودیانت اور ارباب فکر وفن کو قرآن وسنت کی روشنی میں کھل کر لکھنے بولنے کا اس طرح موقع دیں کہ وہ جماعت سے یا اہل سنت وجماعت سے یا اسلام سے فتویٰ اخراجی کا خوف نہ محسوس کریں تا کہ حق کا عرفان ہو، علم کی پہچان ہو اور ہمیں اپنی خطا کا احساس اور ہمارے لئے اصلاح کا سامان ہو اور پھر ہم کیوں گھبرائیں کہ تنقید سے اپنے یا اپنے اسلاف کا دامن داغدار ہو جائے گا، یا ان کی شان والا تبار میں کچھ تنقیص وتوہین ہو جائے گی۔ جب کہ الحمد للہ! ہم قرآن وسنت واجماع امت سے ہٹ کر نہ کوئی عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ ہی ان سے ہٹ کر ہم کسی عمل کو روا جانتے ہیں۔

نیز ہمارے امام امام اعظم علیہ الرحمہ نے خود فرمایا تھا کہ میرا کوئی عمل اور کوئی رائے یا کوئی بات خلاف حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو تو وہ میرا مذہب نہیں ہے۔ میرا مذہب تو حدیث صحیح کی روشنی میں ہے ''**اذا صح الحدیث فھو مذھبی**'' لہٰذا تمہیں میری حیات وخدمات کے احتساب کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ میں نے جو کچھ کیا اسلام کے لیے، جو کچھ لکھا اسلام کے لئے، جو کچھ بتایا اسلام کے لئے اور خود میری پوری زندگی اسلام کے لئے وقف تھی اور امام اہل سنت امام احمد رضا علیہ الرحمہ تو اپنی حیات وخدمات کے اجالے میں سراپا قرآن وسنت کے مروج اعظم اور اسلام وسنیت پر مکمل عمل پیرا تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ''نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے'' نیز ہم میں جو کوئی تدوین حدیث کی تھوڑی سی بھی تاریخ سے آگاہ ہے وہ ہرگز تنقید کی افادیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ صفحات تاریخ شاہد ہیں کہ جرح وتعدیل اور رواۃ پر تنقید کی زد میں تابعین کرام تک

آ گئے ہیں کیوں کہ اس دور میں بعض وضاعین حدیث پیدا ہو گئے تھے، تنقید اور جرح وتعدیل کی وجہ سے فن اسماء الرجال وجود میں آیا کہ جس کی وجہ سے ہمیں تقریبا ۵ لاکھ علما کا تذکرہ ہاتھ آیا، تنقید کی وجہ سے مقبول ومردود راویوں میں فرق معلوم ہوا اور تنقید کی وجہ سے محدثین کرام نے گڑھی ہوئی حدیثوں کی چھان بین کی۔

(۷) ہم اکثر اپنے علما وخطبا اور اکابرین جماعت کے تعارف میں علم وتقویٰ اور فکر وشعور سے ان کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے بجائے زبردستی دلوں میں ان کے لیے عقیدت ومحبت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ۔ پھر خال خال ان کی ایک دوایسی خصوصیات ذکر کرتے ہیں کہ جن سے صرف غیر علمی طبقے کی واہ واہی دستیاب ہوسکے۔ ہمیں اپنے اس غیر سائنٹفک اسلوب تحریر اور غیر سنجیدہ طرز تقریر سے باز آنے کی ضرورت ہے، اس ضمن میں اس عادت جاریہ سے بھی عام طور پر اجتناب کی ضرورت ہے کہ جہاں ہم شخصیات پر لکھتے بولتے ہیں تو اکثر وبیشتر ان کی کرامات ہی سے قارئین وسامعین کا دل جیتنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں جب کہ کرامات سے غیر نسبتاً کم ہی متاثر ومطمئن رہتے ہیں تو کیوں نہ ہم حتی المقدور اپنے اسلاف کے علمی کارناموں اور اسلام وملتِ اسلامیہ کے لئے ان کی مساعیٔ جمیلہ کو اپنی تحریروں اور تقریروں کا موضوع سخن بنائیں، چاہے ظاہر بین نگاہ کے لئے وہ کتنے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں الحمدللہ! اسلام میں تو مومن کو چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بنیاد پر بھی بڑے بڑے درجے مل جاتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے ’’**اَدْنَـاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰیٰ عَنِ الطَّرِیْقِ**‘ راستے سے کانٹا ہٹا دینا بھی عنایت الٰہی کا موجب ہے۔

(۸) یہ ہمارے اہلِ قلم حضرات کی عدم توجہی ہوسکتی ہے یا بدلتے زمانے کے رنگ ڈھنگ سے اُن کی ناآشنائی یا پھر ان کی بے بضاعتی علم کا شاخسانہ کہ وہ اسلام کے ان بنیادی واساسی متعقدات ونظریات کو موضوع سخن بنانے سے گریز کرتے نظر آتے ہیں کہ جن پر کم وبیش ساری مسلم دنیا کا ایمان واعتقاد ہو یا جن کے مطالعے سے اپنوں کی معلومات میں اضافہ ہو اور ان کی علمی پیاس بجھے تو غیروں میں ہمارے متعلق پیدا شدہ الزام محدود الخیالی رفع ہو اور اس کی جگہ ہمارے آفاقی طرز فِکر اور ہماری وسیع النظری کی چھاپ بیٹھے۔

لوگ چن لیں جن کی تحریریں حوالوں کے لئے
زندگی کی وہ کتاب معتبر ہوجایئے

(۹) امام اہل سنت امام احمد رضا کی کم وبیش ساری تصنیفات بلکہ حواشی وتشریحات اور فتاویٰ ومقالات کچھ اتنے علمی وفنی اور اصطلاحی ہیں کہ ان کو پڑھنا اور سمجھنا اور ان کی کنہ تک پہنچنا عوام وخواص تو کیا اچھے اچھے سنی مولوی اور دیوبندی شیوخ کبار کے بس سے باہر ہے ۔شکر ہے ادھر چند سالوں سے آپ کی تصنیفات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جارہی ہے اور کئی بڑی چھوٹی تنظیموں اور اداروں کی طرف سے ان کی طباعت واشاعت کا کام ہورہا ہے ۔ یہ ایک اچھا اقدام ہے مگر افسوس کہ جس مقصد کے تحت مذکورہ کوشش ہورہی ہے وہ مقصد حاصل ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ طبع ہونے والی کتابوں کو بلاکم وکاست یوں ہی شائع کر دیا جاتا ہے یا پھر بالکل اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر مطبوعہ کتابوں کے چند مخصوص الفاظ کے مختصر ترین مفہوم کو ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے امام کی شخصیت سے متاثر ہو کر کتاب خریدی اور پڑھنا چاہا مگر مفہوم ومعنی تک پہونچنے سے پہلے ہی زبان وبیان کی ثقالت میں الجھ کر رہ گئے اور بالآخر کتاب کو ایک بھاری بوجھ سمجھ کر بند کر کے کہیں رکھ دیا۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر اعلیٰ حضرت یا دیگر اکابر علما کی کتابوں کو جو مکمل علمی ،فنی واصطلاحی ہوں یا جن کا سمجھنا عام قاری کے لئے ثقیل ہو، انہیں ضروری حواشی وتشریحات کے ساتھ شائع کیا جاتا تاکہ ہر عام وخاص ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ جدید تقاضے، نئی راہیں، نئے امکانات ہمیں جھنجھوڑ رہے ہیں ، کچوکے لگا رہے ہیں کہ ہم قلم وقرطاس کی دعوتی اہمیت وضرورت کو سمجھیں ،کی بورڈ کی طاقت کا اِدراک کریں اور دوسرے ایسے تمام ذرائع دعوت کی اثر انگیزی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں جو قلم وقرطاس کی جگہ لے رہے ہیں ۔عصری تقاضوں کے مطابق اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کریں ۔مولیٰ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے اور پھر ساری دنیا میں سنی دعوت کا بول بالا ہوگا۔

☆☆☆

دعوت دین اور ائمہ مساجد

مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی ★

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے مسلمانوں کے عروج اور ارتقا کے زمانے میں دعوت دین و مذہب، تعلیم وتعلم، وعظ ونصیحت، عدالت ومشاورت، تزکیہ نفس وتربیت فکر ہر طرح کے امور مسجد کے ذریعے انجام دیے ہیں۔اسی وجہ سے مسجد کو ابتدائے اسلام سے ماضی قریب تک معاشرہ میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مسلمان ہمیشہ سے مسجد ہی کی طرف رجوع کرتے آئے ہیں۔ گویا مسجد کو تمام گوشہائے زندگی سے جوڑا گیا اور اسے مسلم معاشرہ میں مرکزیت دی گئی مگر آج حالات دِگرگوں ہیں۔ نماز پنج گانہ کے علاوہ مساجد مقفل رہتی ہیں۔ نہ تعلیم وتدریس کا اہتمام ہے نہ وعظ ونصیحت کا غلغلہ نہ مشاورت وعدالت کی محفلیں الا ماشاءاللہ۔

ع رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی

ایک سوال: آخر مسجدوں کی مرکزیت مسلم معاشرہ سے کیوں ختم ہوئیں؟ کیوں مسلمان نماز کے علاوہ تمام معاملات زندگی میں مسجد سے دور ہوئے؟ سبب کیا ہے؟

جواب: ان سوالوں کے کئی ایک جواب ہو سکتے ہیں لیکن میرے نزدیک ائمہ مساجد ہی اس کے سب سے بڑے ذمے دار ہیں۔ جو اپنے فرض منصبی سے نہ صرف مجرمانہ حد تک غافل ہیں بلکہ امامت کو حصول زر اور دنیا طلبی کا ذریعہ بنا چکے ہیں۔ نماز پنجگانہ کی امامت کے علاوہ ان کے پاس کوئی کام نہیں۔ اور اگر کچھ ہے بھی تو وہ لے دے کر قرآن خوانی، فاتحہ نذر و نیاز اور تعویذ نویسی بس۔قوم کے تئیں ان امور کی انجام دہی کے بعد بزعم خویش وہ فارغ ہیں۔ ہر طرح کی بے حیائی و برائی اور لادینیت ان کی نظروں کے سامنے قوم میں سرایت کر رہی ہیں۔مگر ان کی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ،،ع

ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم

اس بے حسی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر ائمہ مساجد غیر پڑھے لکھے ہیں۔ بعض تو محض اس بنیاد پر امامت سے وابستہ ہیں کہ ان کے آبا واجداد اس منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔اس میں ان کی اپنی ذاتی قابلیت وصلاحیت کو کوئی دخل نہیں۔ظاہر ہے کہ جب امام غیر تعلیم یافتہ ہوگا تو اس کی امامت وقیادت میں مقتدیوں سے کس بات کی امید کی جاسکتی ہے۔انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا؂

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں بے چارے دو رکعت کے امام

تنبیہ: نااہل اور غیر پڑھے لکھے شخص کو منصب امامت پر فائز کرنے میں اراکین مسجد کا بھی بڑا قصور ہوتا ہے۔ حالاں کہ انہیں سوچنا چاہیے کہ ہم بلاتحقیق وتفتیش کسی کو کیسے امام مقرر کر سکتے ہیں جب کہ وہ ہمارا امام بن کر ہماری نمازوں کا رہنما اور اللہ کے حضور ہمارا ترجمان بن رہا ہے۔ دوسری طرف ہم چھوٹے بڑے معاملات روحانی، تعلیمی، فکری، تربیتی مسائل ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور آخرت میں نجات وسرخروئی کے لیے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنا امام مقرر کرتے وقت خوب غور وفکر کرنا چاہیے۔منصب امامت سے وابستہ ہونے والے شخص کو بھی دیانت داری سے سوچنا چاہیے کہ میں اہل محلّہ کی جانب سے اللہ کی بارگاہ میں ان کی ترجمانی کی بڑی بھاری ذمہ داری اپنے سر لے رہا ہوں کیا میرے اندر اتنی طاقت وہمت ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو کیا میں اس کے لیے خود کو تیار کرلوں گا۔اچھی طرح یہ باتیں سوچ کر ذمے داری قبول کرنی چاہیے۔

معیار: ویسے کم از کم امام ایسے آدمی کو مقرر کرنا چاہیے جو لوگوں کی دینی، تہذیبی اور اخلاقی اصلاح کر سکے۔ معاشرے کی اسلامی خطوط کے مطابق شیرازہ بندی کر سکے۔ امامت در حقیقت ایک

★ رکن آل انڈیا تبلیغ سیرت ۶ -تالتلہ لین، کولکاتا

بڑی ذمہ داری ہے کیوں کہ یہ وراثت نبوت ہے اس لیے یہ ذمہ داری تحقیق و تفتیش کے بعد انہیں لوگوں کو سونپی جانی چاہیے جو اس کے اہل ہوں۔ عالم و فاضل ہوں یا حافظ و قاری ہوں بہر حال وہ کسی مستند ادارے کے فارغ التحصیل ہوں۔ اور انہیں معقول تنخواہ بھی دی جائے تا کہ یکسوئی کے ساتھ فرائض منصبی ادا کر سکیں۔

اگر ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر امام کی بحالی عمل میں لائی جاتی ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ مسجدوں میں پھر سے وہی رونقیں لوٹ سکتی ہیں۔ مسجدیں پھر سے آباد ہو سکتی ہیں پھر سے انہیں مرکزیت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایسا ہونا اُمت مسلمہ کے لیے ناگزیر بھی ہے کہ قوم میں اتحاد و اتفاق کی راہ ہموار ہو اور اجتماعیت و یگانیت پیدا ہو۔ اس کے لیے ائمہ مساجد کلیدی رول ادا کر سکتے ہیں۔ انہیں اپنے ذہن و فکر کو بدلنا ہوگا۔ انہیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ہم صرف نماز ہی کے امام نہیں بلکہ معاشرے کے امام و لیڈر ہیں اور پورے معاشرے کو انہیں حضور آقا علیہ السلام کے راستے پر چلانا ہے۔ مسجد کو امت کی اجتماعی زندگی کی تعلیم گاہ بنانا ہے اس کے لیے اپنے اندر صلاحیت پیدا کرنا ہے تا کہ مسجد میں بیٹھ کر امت کی رہبری و رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اور اچھی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک پیش نظر رہے،، كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالاِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (مشکوۃ شریف) ترجمہ: تم میں کا ہر ایک ذمّے دار ہے اور اس سے اس کی ذمے داری کے بارے میں سوال ہوگا اور امام بھی ذمہ دار ہے اس سے مواخذہ ہوگا۔ اس لیے امام صاحبان کو اپنی ذمہ داری کے سلسلے میں کوتاہی نہیں برتنی چاہیے ورنہ اللہ کے حضور گرفت ہوگی۔

حالِ زار: آج اُمتِ مسلمہ تاریخ کے انتہائی نازک موڑ پر کھڑی ہے اور اسے سنگین نوعیت کے خطرات لاحق ہیں۔ عالمی معاملات ہوں یا ملکی مسلمان ذلت و رسوائی کے گہرے غار میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں دنیا بھر میں دہشت و بربریت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ گویا تمام قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ ایسے میں ائمہ مساجد کو وہی رول ادا کرنا ہوگا جو حضور آقا علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام نے مسجد نبوی شریف سے ادا فرمایا تھا۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

فرائض منصبی: امام کے فرائض امامت نماز ہی پر ختم نہیں ہوتے۔ بلکہ اسے اپنے مقتدیوں اور پاس پڑوس کے لوگوں کے لیے اسلامی رہبر و رہنما کی حیثیت سے رہنا چاہیے۔ لوگوں کے سامنے احکام اسلام کی برکتیں بیان کرے ان میں اسلامی اقدار پیدا کرنے کا جذبہ بیدار کرے۔ ان کے سوالات کا معقول جواب دے۔ جو افراد گناہوں میں سرتاپا ڈوبے ہوئے ہوں ان سے شفقت و محبت سے ملے اور مسلسل غور و فکر کرتا رہے کہ کس طرح اس شخص کو صراط مستقیم پر لایا جا سکتا ہے۔ اگر دو مسلمان میں نزاع ہو جائے تو حکمت و دانائی، خوش اسلوبی، خلوص و محبت اور اچھی تدبیر سے ان کے درمیان صلح کرائے۔ ہر شرارت کی چنگاری کو آگ کا شعلہ بننے سے پہلے بجھا دے۔ کوئی شخص بیمار یا مصیبت زدہ ہو تو اس کی دل جوئی کرے۔ گھر جا کر اس کی تسلی و تشفی کرے اس کے لیے دعا کرے۔ مسجد سے ملحق مدرسہ میں بچوں کی اسلامی تعلیم کا اہتمام کرے اور اگر مدرسہ نہ ہو تو مسجد ہی میں بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرے۔ علاقے میں رفاہ عامہ کی کمیٹیاں بنائے۔ اگر پہلے سے بنی ہوئی ہیں تو ان میں شریک ہو کر رفاہی کام کرے۔ حفظانِ صحت اور حالات حاضرہ سے متعلق بھی گفتگو کرے اور ان پر توجہ دے۔ غرض یہ کہ لوگوں کی دینی، دنیاوی، معاشرتی اور معاشی مسائل میں اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق رہنمائی کرے۔

امام کے لیے ضروری اوصاف: ائمہ مساجد یہ تمام ذمّے داریاں اس وقت بحسن و خوبی انجام دے سکیں گے جب وہ درج ذیل خصائل و اوصاف کو اپنائیں گے:

(۱) انہیں اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو کہ مجھے امامت کے علاوہ لوگوں کی دینی معاملات میں رہنمائی بھی کرنی ہے۔

(۲) فروعی اور اختلافی مسائل کو عوام میں ہوا دینے کی جگہ سیدھے سیدھے مسائل بیان کرے اور وہ مسائل جن کی فی زمانہ ضرورت نہیں ان سے گریز کرے۔

(۳) تقریر نیز وعظ و نصیحت اور گفتگو کا انداز مثبت رکھے تا کہ صالح فکر پروان چڑھے۔

(۴) خدمتِ خلق کا جذبہ رکھے۔ جہاں لوگوں کو مدد اور خدمت کی ضرورت ہو وہاں پیش پیش رہے۔

(۵) اپنے آپ کو تہمت کی جگہ سے بچائے۔ کیونکہ امام کا مقام لوگوں کی نگاہ میں بہت ہی اونچا ہوتا ہے۔ امام کی چھوٹی سی بھی غلطی لوگوں کو بڑی محسوس ہوتی ہے۔

(٦) دین کو آسان اور خوشنما بنا کر پیش کرے۔ اعمالِ حسنہ کی طرف لوگوں کو بتدریج لائے۔ اور ہر وقت حضور آقا علیہ السلام کا وہ پیغام پیش نظر رکھے جو آپ نے دعوت اسلام کے لیے بھیجتے وقت مبلغوں کو ارشاد فرمایا ہے۔ بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا . ترجمہ: لوگوں کو بشارت دینا متنفر نہ کرنا اور دین کو آسان بنا کر پیش کرنا ان پر سختی نہ کرنا۔

(۷) شرعی علوم کے ساتھ ساتھ جدید معلومات بھی حاصل کرے تاکہ اپنے مقتدیوں کی تمام دینی دنیوی معاملات میں رہنمائی کر سکے۔ اخبارات ورسائل کا مطالعہ کرے اور ملک کے موجودہ حالات سے واقفیت رکھے۔

(۸) لوگوں سے عدل وانصاف کا برتاؤ کرے۔ کسی پر زیادتی یا کسی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ کرے۔ سب کو ایک نظر سے دیکھے۔ لب ولہجہ شیریں ہو تلخ گفتگو بالکل نہ کرے۔ خوش اخلاق و ملنسار ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامیابی کا راز یہی ہے کہ آپ سراپا رحمت ومحبت اور شفقت کے پیکر تھے۔ قرآن گواہ ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ o وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۳:۱۵۹) یہ اللہ کی جانب سے بڑی رحمت ہے کہ اے محبوب آپ لوگوں کے حق میں بے پناہ نرم واقع ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ مذکورہ آیت کریمہ سے اندازہ لگائیں کہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں نرم خوئی اور خوش اخلاقی کس قدر ضروری ہے۔ یہ اوصاف اگر آپ میں نہ ہوں تو چاہے آپ علم وعمل کے بحر بیکراں ہی کیوں نہ ہوں لوگ ہرگز ہرگز آپ کے قریب نہیں پھٹکیں گے۔

(۹) علم صرف احکام ومسائل جاننے کا نام نہیں بلکہ احکام ومسائل کے ساتھ ساتھ حکمت ومصلحت کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن عظیم کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ حکمت وہ چیز ہے جسے قرآن نے خیر کثیر کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (بقرہ ۲:۲٦۹) اور جسے حکمت ملی اسے بڑی دولت مل گئی۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، ترجمہ: اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ۔

اگر آدمی حکمت سے بے بہرہ ہو تو خود اس کے لیے دین پر چلنا دوسروں کو دین کی دعوت دینا اور دین کو تقویت پہنچانا بہت ہی دشوار ہو جائے گا۔ لہٰذا دعوت دین کی راہ اسی وقت ہموار ہوسکتی ہے جب لوگوں کو حکمت کے ساتھ دین کی راہ پر لایا جائے۔

(۱۰) دعوتِ دین کا فریضہ انجام دینے والوں کو یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہر کام تدریج کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ پورا دین ایک ہی دفعہ نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے سلف کا یہی طریقہ کار تھا۔ وہ تدریج کا اہتمام کرتے تھے۔ دین کے سارے مطالبات یک بارگی کسی کے سامنے نہیں رکھ دیتے تھے۔ اس لیے تدریج کا اہتمام بہت ہی ضروری ہے۔

(۱۱) دعوتِ دین کی راہ میں ائمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت والفت کا جذبہ پیدا کریں۔ کہ وہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کریں کہ یہی روح ایمان ہے۔ حدیث رسول ہے "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" (بخاری شریف) ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل میں میری محبت اس کے والدین سے آل واولاد سے اور دیگر لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

۱۲- اگر مسجد کو مرکز بنانا ہے اور اس کے ذریعے دعوت وارشاد اور قیادت کا کام انجام دینا ہے تو ہمارے سامنے روشنی کا ایک ہی مینارہ ہے اور وہ ہے مسجد نبوی شریف اور اس کے امام، امام الائمہ سید الانس والجان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس لیے ائمہ کے لیے ضروری ہے وہ کہ آپ کے اخلاق، کردار، اخلاص، دلسوزی، خیر خواہی کے جذبے کو اپنائیں۔ ان اوصاف کے بغیر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام نہیں پاسکتا۔ ارشاد خداوندی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. ترجمہ: بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی

زندگی بہترین نمونہ حیات ہے۔ اس لیے ہر حال میں حضور ہی کی پیروی کرنی ہے۔ کہ یہی عمل دنیا وآخرت میں ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔

تجاویز: اس مادہ پرست ماحول میں جہاں ہر شخص دنیا کمانے کی دھن میں صبح وشام مصروف ہے دین سیکھنے اور سمجھنے کی نہ فرصت ہے اور نہ لگن ایسے میں ان تک دین کی باتیں پہنچانے کے لیے چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔

۱- کسی ایسی کتاب کا روزانہ عصر یا مغرب کے بعد بالتزام درس ہو جو معتبر ومستند ہو جس میں اعمالِ حسنہ کے فضائل کے ساتھ ساتھ بکثرت مسائل کا بھی ذکر ہو۔ اس طرح رفتہ رفتہ عوام الناس میں مذہبی بیداری آئے گی اور ان شاء اللہ ائمہ مساجد کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔

۲- ہر جمعہ وقت اور حالات کے تقاضے کے تحت گہرے مطالعہ اور معیاری مواد کے ساتھ تقریر کا اہتمام بھی ہو تاکہ بآسانی لوگوں کے ذہن میں باتیں اتاری جاسکیں۔

۳- ہر ماہ دو ماہ میں چھوٹی چھوٹی محفلیں اور مجلسیں منعقد کی جائیں اور سیدھے سادے الفاظ میں اپنے مذہب ومسلک اور نظریات کی باتیں کی جائیں۔

۴- مقتدیوں کی مدد سے ہر طرح کی دینی و مذہبی کتابیں جمع کی جائیں بلکہ لائبریری قائم کی جائے۔ کتابوں سے امام مسجد خود فائدہ اٹھائیں نیز مصلیوں میں جو پڑھنے لکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں انہیں کتاب کی ضخامت اور ان کی فرصت کو دیکھتے ہوئے مقررہ وقت کے لیے کتاب پڑھنے کے لیے دی جائے۔ پڑھی لکھی عورتوں کو بھی کتابیں بھیجی جائیں۔ اس طرح عورتوں میں بھی دینی بیداری آئے گی۔ جو مسلم معاشرے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

۵- مسجد میں بچوں کے لیے ابتدائی دینی تعلیم کا نظم کیا جائے اور پابندی کے ساتھ تعلیم دی جائے۔ جن بچوں کے والدین باحیثیت ہوں اُن سے رقم لی جائے اور غریب ونادار بچوں کو مفت تعلیم دی جائے تاکہ لڑکپن ہی سے بچے مذہب سے وابستہ رہیں۔

۶- روزانہ یا کم سے کم ہفتے میں ایک روز ضرور امام صاحب مقتدیوں میں سے چند پرہیزگار لوگوں کو لے کر اپنی بستی اور حلقہ اثر کا دورہ کریں۔ گھر گھر دکان دکان جا کر دینی دعوت پیش کریں۔ انشاء اللہ اس کے دوررس نتائج ظاہر ہوں گے۔

۷- اپنے اوقات میں سے تھوڑا سا وقت روزانہ قلم وقرطاس کے لیے بھی نکالیں مسلم معاشرے میں پنپنے والی برائیوں کے سدباب کے لیے جن عنوانات پر لکھنا ضروری ہو، کتابیں۔ ہینڈبل۔ پمفلٹ پوسٹر وغیرہ شائع کریں پھر انہیں قیمتاً یا ہدیتاً تقسیم کریں۔ حسب ضرورت مسائل لکھا کریں۔ حوالہ بھی درج کریں تاکہ لوگ مکمل طور پر بھروسہ کرسکیں۔

۸- ائمہ مساجد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عربی اور اردو کے ساتھ ساتھ صوبائی اور بین الاقوامی زبانوں سے بھی آشنا ہوں تاکہ سماج کے ہر فرد تک بآسانی اپنا پیغام پہنچا سکیں۔

۹- جدید ذرائع ابلاغ اور ٹکنالوجی سے واقفیت حاصل کریں تاکہ اپنی بات مؤثر انداز میں تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام تک پہنچائی جاسکے۔

۱۰- مذہبی اور دینی پروگراموں کی کیسٹ اور سی ڈی کا ذخیرہ جمع کریں اور عاریتاً لوگوں کو دیں تاکہ اُن کی مدد سے لوگ اپنے اندر دینی شعور بیدار کرسکیں۔ مگر اس بات کا خاص لحاظ رہے کہ یہ ذخیرہ ایسے مقررین کے خطاب کا ہو جو سلجھے ہوئے انداز میں اصلاحی گفتگو کرتے ہوں۔

۱۱- مہینے میں ایک بار اس قسم کی بھی محفل منعقد کریں جس میں حاضرین کو سوال کرنے کی عام اجازت ہو۔ اس طرح لوگ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق سوال کے ذریعے دینی معلومات حاصل کریں گے۔

مذکورہ معروضات وتجاویز کو پیش نظر رکھ کر ائمہ حضرات دعوت وتبلیغ کی راہ میں اگر قدم بڑھاتے ہیں تو ان شاء اللہ ضرور انہیں ان کے مشن میں کامیابی ملے گی اور معاشرہ میں ایک صالح انقلاب برپا ہوگا۔ بشرطیکہ مستقل مزاجی اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ وہ اپنا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ اللہ رب العزت کا وعدہ ہے **وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا** (ترجمہ: اور وہ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں تو ہم انہیں اپنی راہ پر چلنے کی توفیق دے دیتے ہیں) وماعلینا الا البلاغ۔

☆☆☆

دعوت و تبلیغ کے جدید تقاضے

ڈاکٹر سمیہ بانو (جدہ)

دعوتِ دین اُمتِ مسلمہ کا فرض منصبی ہے۔ (آل عمران ۳:۱۱۰)
اس منصب کے کچھ بنیادی تقاضے ہیں۔ داعی حق کو دینی علوم، قرآن، تفسیر وحدیث، فقہ، عربی، ادب، لغت اور تاریخ اسلام پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر داعی کی نظر موجودہ دنیا کے حالات پر نہ ہو تو وہ ہرگز ایک کامیاب داعی کی حیثیت سے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا۔ داعی کو اس بات کا بھی پتا ہونا چاہیے کہ آج دنیا پر کن افکار کی حکمرانی ہے، کون سے رجحانات کارفرما ہیں، کن متضاد قوتوں کی باہمی آویزش ہے، کون سی تحریکات ہیں جو دنیا کے اندر کام کر رہی ہیں۔

اس کے لیے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں کے کیا مسائل ہیں، وہ کن مصائب ومشکلات میں مبتلا ہیں، خاص طور سے عالم اسلام جس کا دائرہ مراکش سے انڈونیشیا تک وسیع ہے، اس کے کیا مسائل ہیں، وہ کیا سرچشمے ہیں جو ہمارے لیے قوت کا سامان فراہم کرسکتے ہیں اور وہ کون سے راستے ہیں جہاں سے کمزوریوں کو در آنے کا موقع ملتا ہے امید افزا پہلوؤں پر بھی نظر رہے، یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ لوگ کن رجحانات اور نقطۂ نظر کے حامل ہیں، تاکہ وہ یہ فیصلہ کرسکے کہ کس انداز سے ان کے سامنے اپنی بات رکھنی ہے۔ دعوت میں تدریج کی حکمت بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

عالم اسلام کے مسائل سے آگہی:۔ ایک داعی کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ عالم اسلامیہ کے جغرافیائی، اقتصادی اور سیاسی حالات کیا ہیں؟ عالم اسلام کی آبادی کن مختلف ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے اور کن تدبیروں کو اپنا کر اس کی صفوں میں اتحاد پیدا ہوسکتا ہے۔ فلپائن، قبرص، اریٹیا، حبشہ، سوویت یونین، مشرقی یورپ، البانیہ، یوگوسلاویہ، چین اور ہندوستان جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، انہیں کیا مسائل درپیش ہیں اور وہ کس طرح نبرد آزما ہوسکتے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کو عالمی سطح پر اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے مصائب کی چکی میں پیسا جارہا ہے اور ظلم وستم کے پہاڑ ان پر توڑے جارہے ہیں اور انہیں دہشت گرد بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔

اسلام دشمن طاقتوں پر نظر: عالمی سطح پر خطرناک اسلام دشمن طاقتیں عالمی یہودیت، عالمی صلیبیت اور بین الاقوامی اشتراکیت ہیں۔ اگرچہ ان کے درمیان کچھ بھی اختلاف ہوں لیکن مسلمانوں اور عالمِ اسلام کے مقابلے میں وہ سب یک زبان ہیں اور صبح وشام اسی کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ کس طرح انہیں چرکے لگائیں اور زخموں سے نڈھال کردیں۔

اسلام دشمن طاقتیں دراصل بغض وحسد کی آگ میں جل رہی ہیں، عالم اسلام اور اس کے وسائل پر ان کی للچائی ہوئی نظریں ہیں۔ اسلام کی قوت سے وہ خوف محسوس کرتی ہیں۔ وہ بے چین ہیں کہ کس طرح عالم اسلام پر اپنے پنجے گاڑیں۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ عالم اسلام کے خلاف ان کی اس جنگ میں ان کے کیا وسائل ہیں، یعنی سیاسی، حربی، اقتصادی اور سب سے بڑھ کر فکری یلغار۔ نیز عالمِ اسلام پر عیسائیت کی یلغار۔ افریقہ کے اندر اسلام اور عیسائیت کی کش مکش جاری ہے، سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا کو عیسائی مملکت میں تبدیل کرنے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں، اسی طرح عالم عرب کے مختلف خطوں کو عیسائی اکثریت میں تبدیل کرنے کی بھی سازش کی جارہی ہے۔ ان مقاصد کے حصول کی خاطر مشنریوں اور استعماری طاقتوں کا باہمی تعاون جہاں ہوتا ہے وہیں اسلام اور مختلف اسلامی علوم سے متعلق مستشرقین کا جارحانہ تصنیفی کام بھی ہے جن کا شیوہ ہی اسلام اور عالم اسلام پر حملے کرنا ہے خفیہ اور زیرزمین کام کرنے والی تنظیمیں، ماسونیت اور اس کی مختلف شاخیں بھی اسلام کے خلاف برابر کام کررہی ہیں۔

داخلی خطرات:۔ داعی کو داخلی خطرات پر بھی نظر رکھنا چاہیے۔ دائرۂ اسلام سے خارج اور اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والی جماعتیں بہائیت اور قادیانیت وغیرہ جنہیں بسااوقات دشمنان اسلام حکمرانوں کی تائید وحمایت بھی حاصل رہتی ہے، ان کی حمایت سے اسلام کو بدنام کرنے کی سعی ناکام بھی ہوتی رہتی ہے۔ ان تمام ریشہ دوانیوں

اور خطرات سے نپٹنے کے لیے دو باتوں کو پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے، اوّل یہ کہ ان اسلام دشمن طاقتوں اور ان کے منصوبوں کو نہ تو بالکل نظر انداز کیا جائے اور نہ گھبرا کر میدان سے فرار اختیار کیا جائے، دوم یہ کہ اسلام دشمن طاقتیں آپس میں جن اندرونی اختلافات کا شکار ہیں، کمال دانش مندی کے ساتھ اس کا بھر پور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مثال کے طور پر ماضی میں امریکا اور سابق سوویت یونین میں کش مکش رہی اور آج بھی مختلف طاقتوں میں کش مکش ہے، جیسا کہ ہمارے بزرگوں کا طرز عمل رہا ہے، جو کہا کرتے تھے: خدایا! ظالموں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الجھائے رکھ، تا کہ ہم پر اُن کی سازشوں کی کوئی آنچ نہ آنے پائے، ''**اللھم اشغل الظالمین بالظالمین واخرجنا من بینھم سالمین**''۔

ہمیں ان کے مذاہب کی صورت حال پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ یہودیت جس کے نمایندے تورات کے اصل نسخے کو داغ دار کر رہے ہیں۔ صہیونی تحریک اور قیام اسرائیل اس کی ایک جھلک ہے۔ عیسائیت کے مختلف فرقے ہیں، ہر ایک کے لیے علیحدہ چرچ ہیں، ان کے درمیان کش مکش رہتی ہے، پھر آپس میں قریب ہونے کی کوشش بھی ہوتی ہے۔ یہودیت کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ Vetican کا معاہدہ بھی ہے، جس کے تحت یہودیوں کو حضرت مسیح کے خون سے بری قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مسلمان اور عیسائیوں کو ایک دوسرے سے قریب ہونے کی کوشش ہونی چاہیے جسے ''مسیحی اسلامی اتحاد'' کہا جاتا ہے، اس کی حقیقت اور قدر و قیمت بھی جاننا چاہیے۔

ہندوستان اور مشرق بعید کے ملکوں کے بڑے بڑے مذاہب، مثلاً ہندومت، اس کے عقائد، مسلمانوں کے تئیں اس کا رویہ اور برتاؤ اس کی بھی اہمیت جاننا چاہیے۔ بدھ مت کے ماننے والوں اور اس کے پیروؤں کی زندگیوں پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اشتراکیت، سوشلزم، جمہوریت، ڈکٹیٹر شپ کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔ مارکسی نظریۂ اشتراکیت کو سمجھنا چاہیے جسے ایشیا میں لینن اور اس کے جانشینوں نے عملی جامہ پہنایا، اور ماؤزے تنگ نے چین میں اپنایا، ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ ان تمام سیاسی ممالک کے تئیں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ ان نظریات کے ساتھ اسلام کا جوڑ لگانا بالکل غلط اور اسلام کے ساتھ نا انصافی ہے۔

نظریاتی کش مکش:۔ احیائے اسلام کے لیے اسلامی تحریکیں برپا ہیں اور ایک نظریاتی کش مکش جاری ہے۔ امت مسلمہ کے پاس قرآن وسنت اور ان کی تشریح و ترجمانی کا جو عظیم سرمایہ ہے اس کے پیش نظر وہ ہر غلط نظریۂ فکر سے بے نیاز ہے۔ سارے مسائل کا حل صرف اسلام کے پاس ہے، اس لیے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ جب ہم اس کا جائزہ لیں کہ اسلامی تحریکات کہاں کہاں ہیں اور کیسی ہیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں کچھ تحریکات ایسی ہیں جن کا دائرہ اپنے ملکوں تک محدود ہے، کچھ عالمی دائرے تک پھیلی ہوئی ہیں جن کی دعوت ہمہ گیر ہیں اور جو زندگی کے ہر گوشے میں تبدیلی و انقلاب کی علم بردار ہیں۔

حالاتِ حاضرہ پر نظر رکھتے ہوئے ہم اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر سکتے ہیں اور داعی کے جو فرائض ہیں، انہیں انجام دے سکتے ہیں۔ سونے کو پگھلا کر کندن کس طرح بنایا جاسکتا ہے یہ ہنر ہم کو آسکتا ہے، دین کی طرف دعوت دینا اور اللہ کے راستے کی طرف اللہ کے بندوں کو بلانا انبیائے کرام کا طریقۂ کار ہے۔ سب سے پہلے انبیائے کرام ہی نے اس کام کا بیڑا اٹھایا جو کہ علم کے ساتھ عمل کے پیکر اور صدق واخلاص کے کامل ترین نمونہ تھے۔ اسی دعوت کی بدولت لوگوں کو حق کی رہنمائی اور سچائی کا روشن راستہ ملتا رہا اور لوگ اندھیروں سے اجالوں میں آتے رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دعوت دین کو سب سے بھلی بات اور سب سے اونچا مقام عطا کیا ہے: ''**ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین o**'' اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ (حٰم السجدہ ۴۱: ۳۳)

یہ بھی یقینی بات ہے کہ جب ہم دعوتِ حق کو لے کر اٹھیں گے تو اسے ٹھنڈے پیٹوں کبھی برداشت نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ لوگوں کے ذہن و دماغ پر تعصّبات کے پردے پڑے ہوئے ہیں، خواہشاتِ نفس کے چنگل میں وہ پھنسے ہوئے ہیں، بے شمار شیطانی قوتیں ہیں جو ان کے ذہن کے دریچوں کو کھلنے نہیں دیتیں، لہٰذا اس کار دعوت کو سنبھالنے کی لیے انتہائی مضبوط ہاتھ چاہئیں جو اپنے اندر ہمہ گیر تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور جو درپیش چیلنجوں کا بھر پور جواب دے سکیں، جنہیں خود بھی کار دعوت کی عظمت و اہمیت کا

پورا احساس ہو۔ اس لیے کہ داعی کی حیثیت اصل قوت محرکہ ہوتی ہے، دراصل یہی وہ انجن ہے جس سے پورا کارواں متحرک ہوتا ہے اور یہی وہ پاور ہاؤس ہے جو پوری بستی کو منور رکھتا ہے۔

تعلیم وتربیت کے میدان میں اصل اہمیت معلم مربی کی ہے جو طالب علم کے اندر بے تابی کی روح پھونکتا ہے اور اس کی رگوں میں زندگی کا خون دوڑا دیتا ہے۔ جب معلم کی یہ اہمیت ہے تو داعی کی حیثیت دعوت وتبلیغ کے میدان میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے، وہ جتنا خون جگر جلائے گا اسی کے بقدر اس کے اپنے ارد گرد روشنی نظر آئے گی۔ باطل کے خلاف اس جنگ میں ایک داعی کے لیے اگر کوئی اسلحہ ہے تو وہ ایمان کا اسلحہ ہے، ایمان کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا، صحیح معنوں میں ایمان صرف اسی وقت قرار پاتا ہے جب وہ انسان کے رگ وپے میں سرایت کر جائے اور اس کی عملی زندگی اس کی شہادت پیش کرنے لگے۔

داعی کے لیے اہم چیز حسن اخلاق ہے کہ وہ اخلاق عالیہ کا پیکر ہو اور یہ چیز اس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسن اخلاق کو ایمان کے ساتھ لازم وملزوم قرار دیا ہے: ''مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں''

علم ثقافت: داعی کے لیے ایک اور اسلحہ علم ثقافت ہے۔ داعی اگر اندر سے خالی اور نور علم سے بے بہرہ ہوگا تو وہ دوسروں کو کیوں کر فیض یاب کر سکتا ہے جو خود خالی ہاتھ ہے وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے، یہ ثقافت اسلامی، تاریخی، ادبی اور انسانی ہونی چاہیے۔

اسلامی ثقافت: اسلامی ثقافت سے مراد وہ ثقافت ہے جس کا مرجع ومحور اسلام ہو اور داعی کو اچھی طرح معلوم ہو کہ وہ اسلام کیا ہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دے رہا ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے جس پر عمل کے نتیجے میں اسلام ایک ایسی بلند وبالا عمارت کی صورت میں نظر آتا ہے جسے بڑے سے بڑا طوفان بھی ہلا نہیں سکتا۔ اگر داعی حافظ قرآن ہے تو دعوت میں بڑی سہولت ہوتی ہے ورنہ داعی کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کو جتنا ممکن ہو سکے حفظ کر لے، داعی خواہ حافظ قرآن ہو یا نہ ہو لیکن جہاں تک کتاب اللہ کی تلاوت کا معاملہ ہے، دل کے پورے جھکاؤ اور گہرے تفکر وتدبر کے ساتھ اس پر کاربند رہنا ضروری ہے۔ قرآن فطری، لسانی، عقلی، شرعی، علمی، عملی اور ہر پہلو سے معجزہ ہے اس لیے کہ اس کے اندر انسان کی فکری، قلبی اور انفرادی واجتماعی اصلاح کا ایسا سامان موجود ہے کہ اگر انسان اسے اپنا دستور بنالے اور اس کی رہنمائی میں زندگی کا سفر طے کرے تو دین ودنیا دونوں میں خوش بختی وسعادت سے ہم کنار ہو سکتا ہے، قرآن ایک زندۂ جاوید کتاب ہے جو کسی مخصوص قوم، نسل یا زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے: ''ہم ہی نے اسے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' (الحجر ۱۵:۹) قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی مخاطب پوری انسانیت ہے اور یہی وہ کتاب ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے بحث کرتی ہے۔

دینی ثقافت کا دوسرا مآخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سُنّت ہے، یہ دراصل کتاب اللہ کی تشریح ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا: ''**انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون** o'' (النحل ۱۶:۴۴) اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں۔

یہاں ہم جسے سنت کہہ رہے ہیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر نیز آپ کے عادات واوصاف، سیرت وکردار اور تمام چیزیں شامل ہیں۔ اس طرح یہ سنت آپ کی پوری زندگی پر مشتمل ہے۔ دعوت دین کی راہ میں آپ کی جدو جہد اور قربانیوں کا ایک جامع ریکارڈ سنت ہے۔ جب تک ایک داعی اس چشمۂ صافی سے سیراب نہیں ہوگا وہ دوسروں کی تشنگی دور نہیں کر سکتا۔

تاریخی ثقافت: داعی کو اپنا مستقل سنوارنے اور دوسروں کو دعوت دینے کے لیے عبرت وموعظت کا سامان تاریخی ثقافت سے ملتا ہے، اس لیے کہ دنیا کے اسٹیج پر زبردست اور صاحب قوت وشوکت شخصیتیں نمودار ہوئیں اور بالآخر فنا کے گھاٹ اتر گئیں، اس کے برعکس تاریخ اسلام کی بڑی بڑی شخصیتوں کی سوانح حیات جن کی مثالی زندگیوں میں ایک مومن کامل کی تصویر جلوہ گر ہوتی ہے، وہ داعی کے علم میں رہنا چاہیے۔ مثلا خلفائے راشدین، حضرت عمر بن عبدالعزیز اسی طرح

ہارون الرشید، نورالدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات اوران کے شان دار کارنامے وغیرہ۔

انسانی ثقافت:۔ سماجی علوم Social Science کا تعلق براہ راست دعوت کے موضوع سے ہے۔ اس لیے داعی کا انسانی ثقافت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔موجودہ دور میں انسان جس سمت میں پیش رفت کررہاہے، وہ اس کے لیے ترقی کی راہ نہیں بلکہ ہلاکت کا سامان ہے۔ سماجی علوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے انسان کے مسائل کیا ہیں اوران پڑھ کی الجھنیں کیا ہیں؟ نیز سماجی علوم کے مطالعے سے نت نئی گمراہیوں اور کج رویوں کا بھی پتا چلتا ہے جن کی پاداش میں انسان راہ راست سے ہٹ کر جہنم میں جانے کا سامان تیار کررہاہے۔ان علوم کا تعلق کسی بے جان مادّے سے نہیں بلکہ انسان اورانسانی زندگی سے ہے۔

جدید سائنسی تحقیقات: داعی کے لیے جدید سائنسی تحقیقات سے واقفیت بھی ضروری ہے کیوں کہ یہ واقفیت داعی کو دینی حقائق کی تائید و توثیق کراتی ہے۔ مثال کے طور پر شہد کے سلسلے میں قرآن کا بیان واضح ہے، شہد کے اندر موجود کیمیائی اجزا جن کی وجہ سے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے، ان کی تحقیق سائنس کے ذریعے ہوتی ہے، زمین کا ایک خاص حجم ہے، سورج سے اس کا ایک خاص فاصلے پر ہونا، زمین کا ایک خاص تناسب کے ساتھ خشکی اور تری پر مشتمل ہونا، دریاؤں اور سمندروں میں پانی کی ایک متعین مقدار کا ہونا، یہ تمام باتیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اشیائے کائنات کے ایک خاص اندازے پر ہونے کی جو بات قرآنی آیتوں میں بتائی گئی ہے، اس میں کتنی گہرائی اور کیسی صداقت وحکمت پوشیدہ ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات سے بڑی حد تک حقائق کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا انکشاف آج سے چودہ سو برس پہلے کردیا تھا، جب کہ سائنسی انکشافات کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

زبان وادب پر عبور: داعیِ دین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ زبان وادب پر اسے عبور حاصل ہو۔ اس کی نوک پلک سے اچھی طرح واقف ہو، اس کی باریکیوں اور نزاکتوں پر نظر ہو، برمحل اشعار، اچھے نثر نگاروں کے منتخب جملے اور عمدہ محاورے اسے یاد ہوں۔ یہ چیزیں دلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، صحابۂ کرام کے اندر کئی ماہرینِ فن اور بالغ نظر شعرا جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے جو اپنے اشعار سے اسلام کا دفاع کرتے تھے۔

مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پورے گروہ صحابہ میں شعر وسخن اور علمِ فرائض سے واقفیت رکھنے والا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ زبان وادب کی کتابوں میں بے شمار ایسے واقعات، حکایات، تشبیہات اور دل کو موہ لینے والے فقرے ملتے ہیں جس سے آدمی کو اپنی سیرت سنوارنے اور اعلیٰ جذبات کو پروان چڑھانے میں مدد ملتی ہے، یہ واقعہ ہے کہ انسان کا جسم تھکتا ہے، اس دل پر درماندگی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، ایسے موقع پر پاکیزہ لطائف وظرائف مؤثر طریقے سے پیش کئے جائیں تو آدمی کے دل میں فرحت وبشاشت پیدا ہوتی ہے، کبھی کبھی ایک ادبی لطیفہ لمبے چوڑے مواعظ اورطویل تقریروں کا نعم البدل بن جاتا ہے۔

اسلام کا گہرا مطالعہ: ایک داعی کے لیے اسلامی نظام زندگی کا گہرا مطالعہ بھی بہت اہم ہے، تاکہ اسلامی نظام حیات کی ہر چیز دل ودماغ میں پوری طرح اتر جائے، اس مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ اس میں نہ اضافہ کیا جائے، نہ کسی چیز کا جوڑ ملایا جائے، اور نہ کمی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے دین اسلام کو مکمل کردیا ہے، جیسا قرآن میں فرمایا گیا ہے:''**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**''(المائدہ۵:۳) آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔ اسلام کے خاکے میں ہر عمل کی ایک خاص قدر و قیمت ہوتی ہے اور اس کی ہر تعلیم اپنے اندر ایک خاص وزن رکھتی ہے۔

آخر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہم اسلام کی صداقت وحقانیت پر یقین کامل رکھیں، اسلام ہمارے رگ وریشے میں اس طرح سرایت کرجائے کہ بادِ مخالف کا سخت جھونکا بھی اسے اپنے مقام سے نہ ہلا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم جذبۂ اسلامی سے سرشار ہوں، ہمارا ذہن اسلامی ہو، ہمارے قلب وضمیر میں ایمان کی چنگاریاں موجود ہوں، ہم اسلام کو اس طرح سینے لگائیں کہ دنیا کی ہر چیز کے مقابلے میں اسلام ہمیں عزیز تر ہو اور ہمارا سینہ اس حقیقت کے لیے بالکل کھلا ہو کہ اسلام ہی سب سے بہتر نظامِ زندگی ہے جسے دنیا میں غالب کرنا ہر داعی کا فرض ہے۔

☆☆☆

عصری دانش گاہوں میں

دعوت وتبلیغ: ضرورت ومواقع

محمد مجیب الرحمن علیمی علیگ ★

دعوت وتبلیغ دو آمیوں کے درمیان انجام پانے والا عمل ہے، ایک داعی اور دوسرا مدعو، یہ اسی وقت نتیجہ خیز ہوسکتا ہے جب کہ داعی مدعو کی نفسیات کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور حالات اور مواقع کی نزاکتوں سے آگاہ ہو، مدعو کے علمی وفکری معیار کو سمجھتا ہو، داعی درمیانِ گفتگو مدعو کو اوّل حیثیت دے اور جس چیز کو وہ عام حالات میں اپنی ذات کے لیے ناپسند کرے وہ مدعو کے لیے بھی ناپسند رکھے۔

داعی کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہر طبقے اور سوسائٹی کے غور وفکر کا اپنا اپنا معیار ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ جس طرح ایک عام آدمی سوچتا ہے اسی طرح ایک تعلیم یافتہ انسان بھی سوچتا ہے، بلکہ تعلیم یافتہ حضرات کے سوچنے، سمجھنے کا معیار بھی برابر نہیں ہے، ایک تاریخ وجغرافیہ کا جاننے والا الگ ذہنیت رکھتا ہے اور ایک ڈاکٹر اور انجینئر الگ ذہنیت کا حامل ہوتا ہے۔

یونیورسٹیز کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں لوگوں کے رجحانات، افکار وخیالات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ان میں دعوت وتبلیغ کا کام خاصا دشوار بھی ہے اور مواقع بھی سب سے زیادہ یہیں دستیاب ہیں۔ مختلف مذاہب اور علاقوں کے رہنے والے ایک جگہ مل جاتے ہیں ان کو سمجھانا بھی کافی حد تک آسان ہوتا ہے کیوں کہ یہ حضرات ضدی اور ہٹ دھرم نہیں ہوتے ہیں، ہر چیز کو دلائل اور لوجک سے سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں، ایک ایسا داعی جو دعوت وتبلیغ کی حقیقت سے واقف ہو اور حالات کی نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے فریضۂ دعوت انجام دے تو کم وقت میں زیادہ کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔

مختلف کورسیز سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور ان کی دلچسپیاں:

یونیورسٹی میں جس طرح مختلف مذاہب اور علاقے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح مختلف کورسیز اور الگ الگ شعبے سے بھی ان کا تعلق ہوتا ہے ہر کورس کا مطالبہ بھی الگ ہوتا ہے، علم طب کا مطالبہ اور ہوتا ہے اور علم تاریخ کا اور۔

طب کے طالب علم کی دلچسپی کا سامان، انسانی جسموں کے اجزائے ترکیبی کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا ہوتا ہے اور انجینئرنگ کے طلبہ کی دلچسپی اس میں ہوتی ہے کہ جلد سے جلد کورس مکمل کر کے کسی کمپنی میں ملازمت کریں۔ تنخواہ کی موٹی رقم اور زندگی کے عیش وآرام میسر آئیں۔

علم المعدنیات اور علم الحیاتیات سے تعلق رکھنے والے طلبہ ہمیشہ نئی چیز کی تلاش وجستجو میں رہتے ہیں اور تاریخ وجغرافیہ کے طلبہ جہاں نئے حقائق کی تلاش میں رہتے ہیں وہیں وہ اپنی ماضی سے بھی جڑے رہتے ہیں بلکہ ایک حد تک مستقبل سے بھی ان کا تعلق ہوتا ہے۔ تاریخ کے طالب علم ماضی کی قوموں اور تحریکات کی ترقی اور تنزلی کی داستانوں اور حقائق سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں انہیں کوئی بھی نئی تحریک آسانی سے متاثر کر کے اپنا ہمنوا نہیں بنا سکتی۔

فائن آرٹ کے طلبہ تصویروں کی تراش وخراش سے دلچسپی رکھتے ہیں ہر حقیقی صورت کو مثالی صورت میں منتقل کر کے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں، ہمہ وقت ان کا ذہن وفکر اسی فن کی باریکی میں مشغول رہتا ہے۔ زبان وادب کا طالب علم زبان کی تاریخ اور ادب

★ جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

کے شہ پارے سے دلچسپی رکھتا ہے۔

مختلف شعبوں کا جائزہ پیش کرنے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ ہر آدمی کے سوچنے سمجھنے کا معیار اس کے ارد گرد اور پیشہ و حرفت کے زیر اثر ہوتا ہے۔ زبان وادب اور تاریخ وجغرافیہ کا طالب علم جس گہرائی اور باریکی سے معاملہ کو سمجھ سکتا ہے، اس طرح طب اور انجینئرنگ کا طالب علم سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔

جو داعی دعوت کے تقاضوں سے واقف ہوگا وہ تاریخ کے طالب علم سے گفتگو کرتے وقت کسی ایسے تاریخی پہلو سے اپنی گفتگو کا آغاز کرے گا جو عبرت آموز بھی ہو اور دعوت وتبلیغ کی طرف راغب کرنے والا بھی، وہی داعی جب کسی طبیب سے گفتگو کرے گا تو وہ انسانی جسم کی تخلیق کے حیران کن پہلوؤں پر روشنی پہلے ڈالے گا تاکہ داعی کی بات اول مرحلہ میں مدعو کے دل ودماغ کو اپیل کر جائے۔

اور فائن آرٹ کے طلبہ سے مخاطب ہوگا تو مخلوقات کے ظاہری حسن وجمال کا تذکرہ کرے گا، ان کی دلکشی اور دل فریبی کا بیان کرے گا تاکہ وہ گفتگو کے آغاز سے ہی اپنے ذہن وفکر کو رب قدیر کی طرف موڑنے پر مجبور ہو جائے اور اس کے اندر اپنی ناقص طاقت و قدرت کے اعتراف کے ساتھ رب کائنات کی کامل قدرت کا احساس بھی جاگ جائے۔

اسی طرح داعی کی عقل مندی اس میں ہے کہ جب وہ زبان و ادب کے طالب علم سے گفتگو کرے تو ادبی زبان استعمال کرے اور سحر انگیز انداز اختیار کرے، ورنہ اوّل مرحلے میں اس کے ذوق کو ٹھیس لگے گی پھر وہ اپنی توجہ کو آپ سے ہٹانے پر مجبور ہو جائے گا اس طرح دعوت کا کام رک جائے گا۔

داعی کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ڈاکٹر اور انجینئر اگر مسلم ہوں تو ان کو چند واقعات سنا کر اپنی ذات کی اصلاح کے لیے آمادہ کیا جا سکتا ہے اور اگر مسلم نہ ہوں تو جس طرح پہلا آسان ہے اسی طرح دوسرا مشکل ہے کیوں کہ نہ وہ ماضی سے واقف ہوتے ہیں اور نہ موجودات میں غور کرنے کے متحمل ان کے ذہن ودماغ پر ایک حد تک سطحیت ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف زبان وادب تاریخ اور دیگر علوم وفنون سے تعلق رکھنے والوں کو حقائق پیش کیے بغیر نہ غور وفکر کے لیے ابھارنا آسان ہے اور نہ اصلاحِ حال کے لیے آمادہ کرنا اور جب حقائق و دلائل سے ان کے ذہن وفکر کو جھنجھوڑ دیا گیا تو پھر آسانی کے ساتھ مقاصد کا حصول ہو جاتا ہے۔ مدعو مسلم ہو خواہ غیر مسلم دونوں داعی کی باتوں پر لبیک کہتے ہوئے نظر آئیں گے۔

عام طلبہ کے مذہبی رجحانات اور دعوتی امکانات: عام مسلم طلبہ کی حالت وہی ہے جو عام مسلم عوام کی ہے، وہ دین کو جاننا چاہتے ہیں مگر اختلافات کو پسند نہیں کرتے، وہ نماز ادا کرنا چاہتے ہیں مگر امام کی تحقیق نہیں کرنا چاہتے ہیں، اگر دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو ان کی پوزیشن......No mane land کی ہے وہ زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔

مسلم قوم کی تعلیمی زبوں حالی کے قصے آئے دن بیان کیے جاتے ہیں جس طرح وہ دنیوی علوم میں رفتارِ زمانہ کے لحاظ سے کچھ بچھڑے ہوئے ہیں، اسی طرح وہ دینی معلومات میں اسلامی تقاضوں پر اترنے سے قاصر ہیں۔

اکثر عام طلبہ نماز کی ادائیگی اور دینی معلومات کے حصول کی خواہش رکھتے ہیں، بروقت جو فرد یا تنظیم ان کی رہنمائی کر دے وہ ان کے ہم نوا ہو جاتے ہیں، فطرت کا مطالبہ ہے کہ بھوک کے وقت غذا فراہم کرنے والا محسن تسلیم کیا جاتا ہے۔

عام طور سے اکثریت ان طلبہ کی ہوتی ہے، جو اسلامی گھرانوں سے تعلق تو رکھتے ہیں مگر خود اسلامی اصولوں سے بھی واقف نہیں ہوتے، جب شعور بالغ ہوتا ہے تو اپنے مذہب کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یونیورسٹی میں رمضان کے مہینے میں طلبہ کے اندر اسلامی رُجحانات بیدار ہو جاتے ہیں، امتحانات کے دنوں میں اور رمضان کے مہینہ میں ان کا جوش وخروش دیکھنے کے قابل ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو ایک اچھا مسلم بنانا چاہتے ہیں، روزوں کی پابندی، تراویح کا اہتمام اور دیگر اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں رمضان کا مہینہ آنے کے

ساتھ ہی مسلم طلبہ اپنے افطار وسحری کے انتظامات انتظامیہ کے تعاون سے کرتے ہیں اور تراویح کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا حال تو یہ ہے کہ رمضان میں ڈائننگ ہال کا سسٹم بھی روزہ دار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے غیر مسلم طلبہ کو دشواریوں کا سامنا بھی ہوتا ہے۔

میری ملاقات ایک ایسے طالب علم سے ہوئی جو جواہر لال نہرو یونیورسیٹی سے اسکالرشپ کی بنیاد پر کوریا کی کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر چکا تھا، جب میں نے ان سے کوریا کے مذہبی حالات کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کی آبادی اگر چہ کم ہے، مگر اسلامی معلومات رکھتے ہیں، ہمارے ساتھیوں میں زیادہ تر طلبہ یہودی تھے جبکہ کچھ دوسرے مذاہب کے بھی تھے۔ یہودی طلبہ ہم سے اکثر مذہبی گفتگو کرتے اور اکثر اسلام کی غلط تعبیر کرتے، مگر میں اپنی معلومات کی بنیاد پر ان پر حاوی رہتا تھا اور وہاں پر یہ بھی احساس ہوتا تھا کہ ہم مسلمانوں کو ہر حال میں اسلامی بنیادی معلومات سے آگاہ ہونا چاہیے خواہ زندگی کے کسی بھی میدان میں ہو۔ خود میں نے ان یہودیوں سے ملاقات کے بعد اپنے اندر کافی تبدیلی لائی اور اپنے آپ کو اسلامی کتابوں کا عادی بنایا، نماز، روزہ اور دیگر اعمال کی طرف راغب ہوا۔ اب اللہ کا فضل ہے کہ جہاں بھی رہتا ہوں نماز کی پابندی کرتا ہوں اور ہمیشہ نیکی کا خواہش مند رہتا ہوں۔ جب میں کوریا میں تھا تو رمضان کے مہینے میں بہت سی دشواریوں کے باوجود روزہ رکھتا تھا اور دور دراز کا سفر کر کے تراویح کے لیے جاتا تھا۔ پوری یونیورسٹی میں صرف چار لڑکے ہمارے دوست تھے ان میں دو پاکستانی تھے اور دو ہندوستانی، ان سے بھی ملاقات نیٹ پر سرچ کرنے کے بعد ہوئی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اہل سنت و جماعت کے طلبہ کی ایک تنظیم ''مسلم اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن'' (M.S.O.) ہے، جس کے زیر اہتمام مختلف پروگرامس منعقد ہوتے رہتے ہیں، ایک ہفتہ وار بھی ہوتا ہے جو درسِ قرآن اور سوال و جواب پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں ایک اسٹوڈنٹ سے ملاقات ہوئی جس نے بتایا کہ ابتداء ایک سال تک میں اس پروگرام کے بارے میں جانتا تھا کہ بدعتیوں کا پروگرام ہے اس میں عجیب وغریب اعمال انجام دیئے جاتے ہیں، جیسا کہ میرے دوسرے دوستوں نے بتایا تھا مگر ایک دن ''**یانبی سلام علیک**'' کی صدا جب میرے کانوں میں آئی تو مجھے میرا بچپنا یاد آ گیا اور پھر دوسرے ہفتے سے میں بھی اس پروگرام میں شریک ہونے لگا، پہلے جو درس قرآن دیتے تھے ان سے اسلام اور ایمان وعقیدہ کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کی اور آج اللہ کا فضل ہے کہ میرے گھر کے تمام لوگ پھر سے سُنّی ہو گئے ہیں جو اس وقت علی گڑھ سے انجینئرنگ کرنے کے بعد دہلی میں اچھی تنخواہ پر جاب کر رہے ہیں اور آج بھی اپنے مسائل کے لیے فون، ای۔میل کرتے رہتے ہیں۔

غیر مسلم طلبہ کی نظر میں اسلام اور اہل اسلام:۔ جو چیز دور سے بھلی معلوم ہوتی ہے، وہ قریب سے بھی بھلی معلوم ہو کوئی ضروری نہیں اور ایسا ہی اس کے برعکس اس لیے کہ کسی بھی شخص یا جماعت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے تحقیق ضروری ہے، یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہم اچھے تو سب اچھے یہ بات سوفی صد سچ نہیں تو سوفی صد غلط بھی نہیں۔ حقیقت مانی نہیں جاتی خود کو حقیقت منوالیتی ہے، حق وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے، کوئی بھی اسٹوڈنٹ جب یونیورسٹی سطح پر آجاتا ہے تو سنی سنائی باتوں پر نہیں بلکہ دیکھی ہوئی حقیقت پر یقین کرتا ہے۔

جتیندر نامی ایک لڑکا میرا دوست تھا جو آر، ایس، ایس فکر کا حامل ضرور تھا مگر زندگی کی ہر خوشی اور غم میں راقم کو شریک رکھتا تھا، اسی سال M.C.A. کا کمپٹیشن پاس کیا، رڑکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے، کمپٹیشن میں جب پاس ہوا سب سے پہلے راقم کو آگاہ کیا اور بعد میں مٹھائیوں کے ساتھ روم پر آیا اور آج بھی تعلق میں ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ وہی اسٹوڈنٹ کچھ مسلم طلبہ سے نفرت بھی رکھتا تھا اور برمحل اس کا اظہار بھی کرتا تھا ایسا کیوں تھا یہ بات بھی ظاہر ہے۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں محبّ گرامی ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن علیمی اس وقت Ph.D. کر رہے ہیں، ان سے دوستی رکھنے والوں میں چند غیر مسلم طلبہ بھی ہیں جو عربی ہی کے طالب علم ہیں اور ان کو موصوف کی شاگردی بھی حاصل ہے، میں نے دیکھا کہ یہ سب

موصوف کی اس طرح تعظیم وفرماں برداری کرتے ہیں جس طرح مدارس کے طلبہ اپنے اساتذہ کی۔ ان میں ایک سے میری تفصیلی ملاقات ہوئی جس کا نام انیش تھا۔ درمیان گفتگو بیان کیا کہ جب میں J.N.U. میں نہیں آیا تھا اس وقت تک میاں (مسلمانوں) سے سخت نفرت رکھتا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ بڑا ہونے کے بعد ان کے خلاف تحریک چلاؤں گا مگر جب ضیاء بھائی سے ملاقات ہوئی تو اپنی رائے کو بدلنا پڑا اور اب مسلمان اچھے لگتے ہیں اگر چہ اکثر مسلمانوں کی حالت خراب ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا دھرم بھی خراب ہے، مسلم صوفیا سے مجھے بے حد محبت ہے۔ ابھی چند دنوں پہلے میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ اجمیر شریف بھی گیا تھا، وہاں جانے کے بعد میں اپنے آپ کو بھول گیا تھا اور پھر کچھ دوستوں کی اور ایک ٹیم جانے والی ہے۔

اس طرح کے واقعات بہت زیادہ مل سکتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر یونیورسٹی سطح پر تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ اپنے گفتار وکردار کو فطری، انسانی، اسلامی بنالیں تو کافی تیزی سے نقشہ بدل سکتا ہے۔ کم سے کم اتنا تو ہوگا ہی کہ غیر مسلم تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ اسلام امن وامان اور انسانیت کا دین ہے۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان دعوت وتبلیغ: انسان جب تعلیم یافتہ ہوتا ہے تو ہر مسئلے کو غور وفکر سے سوچتا ہے اور پھر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتا ہے جو چیز اختیار کرنے کی ہوتی ہے اس کو خاموشی سے اپنا لیتا ہے جو رد کرنے والی ہوتی ہے اس کو سنجیدگی سے چھوڑ دیتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ان میں دعوت وتبلیغ کا کام دور سے جتنا مشکل لگتا ہے، قریب سے وہ اتنا ہی آسان ہے۔ یہ حضرات ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے عادی ہوتے ہیں، دلائل اور لوجک چاہتے ہیں، اگر کوئی ان کو ان بنیادوں پر قائل کر لے تو پھر وہ ضد کئے بغیر تسلیم کر لیتے ہیں، کسی بھی سماجی، مذہبی، پابندی کا خیال کیے بغیر اپنی رائے کا اظہار کر دیتے ہیں۔

یہ حضرات ان ہی سے متاثر ہوتے ہیں جو ظاہر کے لحاظ سے مہذب اور با سلیقہ ہوں، اسی گفتگو کو پسند کرتے ہیں جو مواد وانداز اور پیشکش کے لحاظ سے جدید تقاضوں کے مطابق ہوں، ان ہی لوگوں کے مدعوئین بن سکتے ہیں جو مذکورہ تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ظرفی، وسعت قلبی کا مالک اور مضبوط کردار کا حامل ہو، جو اُن کے درمیان رہ کر ان میں گھل مل کر اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ان کی اصلاح کی کوشش میں لگے رہیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ تقاضوں کو پورا کیا جائے، پختہ علم اور مضبوط کردار کے مبلغین پیدا کئے جائیں جو جدید ذرائع ووسائل کے استعمال پر بھی قادر ہوں، مدعوئین کی نفسیات کے ساتھ ساتھ حالات ومواقع کی نزاکتوں سے بھی واقف ہوں کیونکہ دعوت وتبلیغ ایک اہم فریضہ ہے۔ یہ ہر کس وناکس کی بات نہیں ورنہ فوائد کے بجائے نقصانات ہوں گے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات دین اسلام سے محبت کرنے کے بجائے نفرت کرنے لگیں گے۔

ہاں خدا کہتا ہے تم میں کچھ کریں تبلیغ دیں
اس کا یہ مطلب نہیں نا اہل بھی دیکھے یہ خواب
کار دین اوروں کی خاطر کو دیا ہے آگ میں
یہ نہیں سبزے کی جانب بیل بکری کا شتاب

اساتذہ اور ان کا مذہبی شعور: انسان اپنی زندگی کے ابتدائی مرحلوں میں حقائق دستیاب کرتا ہے، ساری زندگی اسی کے ارد گرد گھومتی رہتی ہے یونیورسٹی کے اساتذہ کا حال بھی اسی طرح ہے کہ انہوں نے اپنی طالب علمی کی زندگی میں جو فکر وخیال بنالیا جو ماحول پایا اس کا اثر آج بھی شعوری یا لاشعوری طور پر ان میں پایا جاتا ہے۔

یونیورسٹی کے اساتذہ دین کو تحقیق سے حاصل کرنا نہیں چاہتے ہیں، ان میں سے اکثر کسی نہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوتے ہیں مگر مذہب کو صرف مذہبی رسومات کی ادائیگی تک استعمال کرتے ہیں، ان کی حقیقت کی معرفت کی طرف کوشش نہیں کرتے جب کہ دنیوی علوم وفنون میں بڑی بڑی تحقیقیں کر ڈالتے ہیں۔ کسی مجلس میں درمیان گفتگو اگر مذہب کی کوئی باریک بات آتی ہے تو اس کو مقدس خیال کرتے ہوئے مزید خیالات کے اظہار سے باز رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

ہاں چند اشخاص ایسے بھی ہوتے ہیں جو مذہب سے اپنے آپ کو آزاد خیال کرتے ہیں اور اپنی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی لادینیت کا اظہار بھی کرتے پھرتے ہیں، ان میں ایک نام تاریخ کے اسکالر جناب عرفان حبیب کا بھی ہے۔ جب کسی نے ان سے کہا کہ کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے؟ اگر آپ قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو شاید ہدایت مل جائے، جواباً فرمایا کہ قرآن نے فرمایا ہے "ھــــدی للمتقین'' اور میں متقی نہیں ہوں۔

حیرانی اس بات پر نہیں کہ ایسے لوگ ہمارے سماج میں موجود ہیں، بلکہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ایسے لوگ اسلامی نام سے ہیں اور اکثر مسلمان ان کی حقیقت نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے ساتھ بھلائی فرمائے اور ان جیسوں کی حقیقت سے واقف ہونے اور کرانے کی توفیق دے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اساتذہ کی اکثریت ایسی ہے کہ اگر وہ پکے مذہبی نہیں تو مذہب بیزار بھی نہیں، مذہب کو جاننے کا شوق رکھتے ہیں مگر کوشش نہیں کرتے، مذہبی شخصیات کا احترام بھی کرتے ہیں مگر ان کی خامیوں پر خاموشی بھی اختیار نہیں کرتے، مذہبی معاملات میں خوشی خوشی تعاون تو کرتے ہیں مگر ذاتی طور پر شریک بہت کم ہی ہوتے ہیں، اپنے مرحومین کے حق میں ایصال ثواب کرتے ہیں مگر خود اعمال صالحہ کو اس کے حقوق کے ساتھ انجام نہیں دیتے، پختہ کردار، گہرا علم اور انسانیت کا درد رکھنے والوں کا تذکرہ و تعریف کرتے ہیں مگر ان کی طرح بننے کی کوشش کم کرتے ہیں۔

اگر تمام جہات سے ان حضرات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ انسانی بنیادوں پر کافی حد تک اجتماعیت رکھتے ہیں اور انہی بنیادوں پر ایثار کا جذبہ بھی ہوتا ہے، ایک دوسرے کا تعارف بھی کراتے ہیں یہ وہ خاص بات ہے جو دوسرے سماج بلکہ مذہبی قائدین کے درمیان بھی کم یاب ہے، میرے خیال سے دعوت وتبلیغ کے میدان میں استعمال کئے جانے والے اسلحوں میں سے پہلا اسلحہ ہے۔ صوفیا نے اولا اسی انسانیت کو بیدار کیا اور پھر انسانوں کو ان کے رب حقیقی سے ملا دیا۔ جنہوں نے علمی مواد، صالح کردار پیش کر کے انسانوں کے مال و دولت کو نہیں بلکہ دلوں پر فتح کر لیا، جو ان کا حال تھا وہی قال بھی اور حال بھی۔ آج بھی دنیا سے تشریف لے جانے والوں میں سب سے زیادہ انہیں نفوس قدسیہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں ایک بار پھر حقیقی تصوف کے نظام کو برپا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ صوفی ابن الوقت نہیں ابو الوقت ہوتا ہے اس کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ زمانے کا تقاضہ کیا ہے بلکہ وہ خود جان لیتا ہے کہ انسانیت کی حاجت کیا ہے۔

غیر تدریسی عملہ اور ان کے مذہبی جذبات: غیر تدریسی عملہ خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ان کے اندر مذہب اور دھرم کے احترام کا جذبہ ہوتا ہے اکثر تو مذہب پر عمل بھی کرتے ہیں، ان میں غیر مذہبی افکار وخیالات رکھنے والے بہت کم ہوتے ہیں، مذہبی حضرات کی تعظیم بھی کرتے ہیں، جب کسی کو مذہبی لباس میں دیکھتے ہیں، تو اس کا احترام کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے دین سے ناواقف لوگ بھی مذہبی لباسوں میں صرف اس لیے رہتے ہیں کہ تاکہ دین کے تعلق سے صالح جذبہ رکھنے والے ان حضرات کو آسانی سے یرغمال بنا کر اپنا فکری ہم نوا بنا سکیں۔

غیر تدریسی عملے کے درمیان دعوت وتبلیغ کرنے کے لیے علم سے زیادہ صالح کردار کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ اولاً یہ دیکھتے ہیں کہ دعوت کرنے والا انسان اپنی ذات میں کیسا ہے۔ اگر داعی کردار کا اچھا ہے تو پھر اس کی بات غور سے سنی اور مانی جاتی ہے اگر ایسا نہیں تو کوئی حیلہ بنا کر راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔

ان حضرات کو اللہ ورسول اور بزرگوں سے محبت ہوتی ہے ان کا نام احترام کے ساتھ لیتے ہیں اور کثرت سے ان کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اپنے خاندانی بزرگوں سے بھی کافی محبت کرتے ہیں ہر خاص موقعوں پر ان کے لیے ایصال ثواب بھی کرتے ہیں۔

یہ حضرات اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ دین کا علم سکھانا ضروری خیال کرتے ہیں، جو دین سے ناواقف ہوتے ہیں وہ بھی اپنے بچوں کو ناواقف رکھنا پسند نہیں کرتے۔

طلبۂ مدارس کی آمد اور بدلتے حالات: تبلیغ مذہب اور تبلیغ مسلک میں تھوڑا سا فرق ہے آج دعوت وتبلیغ کے نام پر جو بھی جماعتیں کام

کررہی ہیں ان کا مقصد مسلک کی تبلیغ زیادہ اور مذہب کی کم۔

یونیورسٹی کے طلبہ، اساتذہ اور دیگر حضرات کے بارے میں میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ''No mane land'' کی طرح ہیں۔

جو بڑھ کر تھام لے مینا اسی کا ہے

مدارس کے فضلا خواہ کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ہوں جہاں بھی جاتے ہیں وہاں کے ماحول پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں اگر عملی طور پر نہ ہوں تو کم از کم فکری لحاظ سے ہر حال میں اثر انداز ہوتے ہیں۔

یہاں کے طلبہ اور دیگر حضرات مذہب کو جاننے کا شوق رکھتے ہیں اور جب ان کا شوق ان کو مجبور کرتا ہے تو مدارس کے فضلا جو ان کو اپنے اردگرد دستیاب ہوتے ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں اور بلاچوں وچرا اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ پختہ علم اور مضبوط کردار انسان ہی کامل طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ فارغین مدارس سے اکثر لوگ یونیورسٹی آنے کے بعد جدید طور سے اپنے آپ کو دین وملت کے لیے تیار کرتے ہیں، مگر بعض یہاں کی رنگینیوں اور رعنائیوں سے بھرپور لطف اندوز ہونے کو ہی مقصد حیات تصور کر لیتے ہیں، جو اپنی اور اپنے اساتذہ کی سبکی اور مدارس کی بدنامی کا سبب بن جاتے ہیں۔

یونیورسٹی کے لوگ باشعور ہوتے ہیں، جس طرح اچھی چیزوں کو پسند فرماتے ہیں اسی طرح بری چیزوں سے نفرت بھی کرتے ہیں، ان کی نظر جب کسی ایسے شخص پر پڑتی ہے جو ماضی کی حاصل کردہ دولت کو اپنے ہاتھوں ہی ضائع کررہا ہوتا ہے تو ان کو لعن وطعن کرنا اپنا دینی فریضہ خیال کرتے ہیں۔ قوم لاکھ بری ہو، مگر وہ اپنے پیشوا کو برا دیکھنا قطعی پسند نہیں کرتی اور نہ ہی ان کی بے عزتی کو برداشت کرتی ہے۔

یونیورسٹی سطح پر بسنے والے لوگوں کے نزدیک دو ہی چیزیں معیار خیر وقابلیت ہیں، اوّل: علم، دوم: کردار، جن فضلائے مدارس نے ان دونوں صفات سے اپنے آپ کو متصف رکھا وہ طلبہ، اساتذہ وعملہ سارے لوگوں کے درمیان دعوتی لحاظ سے مفید ثابت ہوئے اور انہوں نے جس قدر محنت کی اور کررہے ہیں اسی قدر حالات میں تبدیلی آرہی ہے۔

مدارس اور یونیورسٹیز کے قرب وبعد کے فوائد ونقصانات:

''شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ'' سنا ہوا دیکھے ہوئے کے برابر کب ہوتا ہے؟ حقیقت ہے کہ ہر سنی ہوئی بات دیکھے ہوئے کی طرح نہیں ہوسکتی، حکم شرع بھی ہے کہ کوئی بھی رائے قائم کرنے سے پہلے تحقیق کی جائے اور اگر کچھ نہ معلوم ہو تو حسن ظن رکھا جائے۔ تحقیقِ حال کے بغیر کوئی بھی رائے قائم کرنا غیر مناسب ہے۔

ہم ہر سنی ہوئی بات کو دیکھے ہوئے کی طرح تسلیم کر لیتے ہیں، دور ہی سے بغیر تحقیق حال کے رائے قائم کر لیتے ہیں، عوام وخواص میں اکثریت کی حالت یہی ہے، بعض خواص کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی نیتوں سے آگاہ ہیں، دور ہی سے دلوں کو چاق کر کے ارادوں سے واقف ہوگئے ہیں، اللہ محفوظ رکھے۔

یونیورسٹی کے لوگوں کی اکثریت مدارس کے لوگوں کو تنگ نظر، محدود فکر اور اپنے فریضے کے تعلق سے غیر حساس خیال کرتی ہے۔ ایسا ہی مدارس کے افراد جامعات سے تعلق رکھنے والوں کو آزاد خیال، غیر مذہبی، خواہشات کی پیروی کرنے والے تصور کرتے ہیں۔ دونوں کی حقیقت اس شخص کے لیے بالکل واضح ہے جو علم کے ان دونوں چشموں سے سیراب ہوا ہو یا کم از کم جائزہ لیا ہو۔

ذیل میں ایک ایسے اسکالر کا بیان نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہوں جس نے حال ہی میں جرمنی کی ''University of Erfurd سے Islamic Education & Social Reproduction in India'' کے موضوع پر ریسرچ کی ہے، جس کے لیے انہوں نے مدارس کا دورہ بھی کیا اور وہاں کے لوگوں سے اور ماحول سے واقفیت حاصل کی۔ ایک انٹرویو میں جب طلبۂ مدارس کے تعلق سے سوال کیا گیا تو ان کا جواب تھا ''میں انہیں پہلے تنگ نظر تصور کرتا تھا مگر ان سے ملنے کے بعد اندازہ ہوا کہ کئی معنوں میں وہ یونیورسٹیز کے طلبہ سے زیادہ کشادہ ذہن ہیں۔ میں نے ان کے اندر کسی طرح کی جھجھک نہیں پائی، آپ ان سے کسی بھی موضوع پر گفتگو کرسکتے ہیں، یہ بات آپ کو یونیورسٹیز کے طلبہ میں نہیں ملے گی، ان کی سوچ کا ایک پیمانہ ضرور ہے وہ ہر چیز کو قرآن واحادیث کے تناظر

میں دیکھتے ہیں، لیکن وہ کسی موضوع پر گفتگو کرنے سے جھجکتے یا شرماتے بالکل نہیں''۔

پھر آگے فرماتے ہیں''ایک چیز اور میری حیرت کی وجہ بنی کہ باوجود اس کے کہ مدارس کا نصاب انہیں ایک لمحہ فرصت نہیں دیتا لیکن پھر بھی بہت سے طلبہ Self Studdy کے لیے بھی وقت نکال لیتے ہیں، میں تو طلبۂ مدارس سے بہت خوش ہوں، مجھے اگر نمبر دینے کو کہا جائے تو انہیں میں سو کا سو نمبر دوں گا''۔

(ڈاکٹر ارشد عالم ماہنامہ جام نور، ص:۶۶ نومبر ۲۰۰۷ء، دہلی)

اس بیان سے جہاں جامعات کے لوگوں کو سوچنے سمجھنے کا موقع ملتا ہے، وہیں مدارس کے لوگوں کو بھی غور کرنے کی طرف راغب کرتا ہے کہ یونیورسٹیز میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو اسلامیات اور مدارس پر اچھی خاصی تحقیقی معلومات رکھتے ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میرے ہاتھ میں ایک اچھے مدرسے کا ترجمان ماہنامہ تھا، یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے میرے ہاتھ سے اس ماہنامہ کو لے کر مطالعہ کرنا شروع کر دیا، باب الاستفتا میں ایک فتویٰ کے مطالعے کے بعد حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مولانا صاحب! مفتیانِ کرام فتویٰ کا حق ادا نہیں کرتے بلاتحقیق جو جی میں آتا ہے لکھ دیتے ہیں، شاید ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ تمام لوگوں کو نااہل خیال کرتے ہیں۔

یہ فتویٰ کورٹ میرج کے تعلق سے تھا جب غور کیا تو معلوم ہوا، اس کی گرفت سو فیصد درست تھی کیونکہ اس فتویٰ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مفتی صاحب کو کورٹ میرج کے تعلق سے تفصیلی معلومات نہیں تھی۔

ان دونوں علمی حلقوں کے درمیان دوری کے نقصانات جس قدر زیادہ ہیں، اسی طرح قرب کے فوائد بھی ہیں۔ قریب آنے کے بعد افکار و نظریات کے تبادلے کا موقع ملتا ہے اور ایک دوسرے کے کردار کا بھی شعوری و لاشعوری طور پر اثر ظاہر ہوتا ہے۔

مدارس کے وہ طلبہ جو یونیورسٹی جانے کے بعد بے راہ رو ہو جاتے ہیں اگر ان کے اساتذہ داعیانہ جذبے کے تحت ان کو اپنے تعلق میں رکھیں تو وہ ضرور اپنی اصلاح کی طرف راغب ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کا ضمیر بالکل ہی مردہ ہو جاتا ہے اور معصیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے مگر ایسا نہیں کرتے بلکہ جو طلبہ یونیورسٹیز میں جانے کے بعد اپنے صالح کردار سے دوسرے لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہوئے ان کی اعتقادی اور عملی اصلاح کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، ان سے بھی ان کے مشفق اساتذہ خیریت دریافت نہیں کرتے۔ بتایئے کہ کیا آج کے دور میں دو چار منٹ اور دو چار روپیہ بھی فی سبیل اللہ خرچ نہیں کیا جا سکتا؟ کیا یہ بات صرف زبان تک ہی رہ گئی ہے کہ استاذ باپ کی طرح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا منصب پہچاننے اور فریضۂ دعوت و تبلیغ کی انجام دہی کا جذبہ صادق عطا فرمائے۔ آمین

آخری گزارش: دینِ اسلام کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ نے خیر امت فرمایا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد ایک بڑی ذمہ داری جو عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان خود تمام گناہوں سے بچے اور دوسروں کو بھی بچائے، اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو بھی اور دیگر تمام انسانوں کو بھی، کیونکہ تمام انسان ایک آدم کی اولاد ہیں۔ سب آپس میں خاندانی بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **"قوا انفسکم و اھلیکم نارا"**

دورِ حاضر میں کسی بھی جگہ دعوت و تبلیغ کے لیے ضروری ہے کہ داعی محبت اور بھائی چارگی کا جذبہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمتوں کا دل سے قائل و معترف ہو، احکام خداوندی سے واقف ہو اور مدعوئین کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کے جذبے سے سرشار ہو، تزکیہ نفس اس قدر رکھتا ہو کہ خلوت وجلوت میں ایک ہی حال وقال ہو۔

داعی اگر ان تمام صفات سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے تقاضوں سے بھی واقف ہو تو اپنا گھر ہو خواہ یونیورسٹی ہر جگہ وہ ایک کامیاب داعی ثابت ہوگا۔ کیوں کہ دنیا اس وقت عالمِ اضطراب میں ایک ایسے مربی کی تلاش میں ہے جو علمی مواد اور صالح کردار سے اسے متاثر کر کے اس کے لیے روحانی سکون کا سامان مہیا کر سکے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو **"قوا انفسکم و اھلیکم نارا"** پر عمل کرنے اور کہنے لکھنے سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

دعوتِ اسلام انٹرنیٹ پر

محمد زبیر قادری مدیر افکار رضا

اسلام ہر عہد و زمانے کا مذہب ہے۔ اسلام کبھی فرسودہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ آج دنیا بھر میں جو کچھ بھی جدید تحقیقات نظر آ رہی ہیں، اُن کی بنیادوں میں مسلمان علما و سائنس دانوں کا خونِ جگر شامل ہے۔ اگر ہمارے اسلاف بنیادیں استوار نہ کرتے تو موجودہ دَور میں نظر آنے والی ترقیاں ممکن نہ تھیں۔ ہاں! البتہ ہم پوری دنیا پر اپنا سکّہ جما کر، اپنی حکومت قائم کر کے یہ سمجھ بیٹھے کہ اب ہمیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہم نے اپنی ابتدا کو ہی انتہا سمجھ لیا اور فخر کرنے لگے کہ سب کچھ تو ہم نے حاصل کر لیا۔

ایک طرف ہم عیش و عشرت میں لگ گئے اور دوسری طرف ہمارے اسلاف کی فراہم کردہ بنیادوں پر یورپ، امریکہ، جاپان، جرمنی اور فرانس نے محنت کر کے رفتہ رفتہ اپنی تجارت، معیشت، معاشرت اور حکومت سب کچھ بنا سنوار لی۔ آج دنیا کے ہر طرح کے وسائل پر انہیں کا قبضہ ہے۔ طاغوتی طاقتوں نے ہم سے علم سیکھ کر دنیا فتح کر لی اور دنیا پر غالب آ گئے...... اس کے برعکس ہم نے اپنے اسلاف سے ناطہ توڑا اور ہم محکوم و مغلوب ہو کر رہ گئے۔

اسلام اپنی حقانیت کے بل پر کل بھی قائم تھا، آج بھی قائم ہے اور قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ لیکن ہم اپنے فرائض سے غافل ہو گئے۔ اپنی ذمّے داریوں سے منہ موڑ لیا۔ آج جو ہم دنیا بھر میں اپنی تعداد کو دیکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں تو اس میں ہماری اپنی کوششوں سے زیادہ اسلام کی حقانیت کا دخل ہے۔ ہم نے فرسودگی کا موٹا کمبل اوڑھ کر خود کو محبوس و محدود کر لیا ہے۔ ہمارے اعمال تو ایسے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود۔ جارج برنارڈ شا نے ایسے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ اسلام بہترین دین ہے اور مسلمان بدترین قوم۔

موجودہ دور کو گلوبلائزیشن (Age of Globalisation) کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں رابطے اور فاصلے اس قدر سمٹ گئے ہیں کہ آج دنیا کو عالمی گاؤں (Global Village) کہا جانے لگا ہے۔ انٹرنیٹ بھی اسی عہد کی پیداوار ہے۔ جس سے فاصلے تو سمٹے ہی، ساتھ ہی دنیا بھر کی خبریں اور معلومات ہمہ وقت فراہم ہونا چند سیکنڈوں کا کام رہ گیا۔ انٹرنیٹ کے فوائد اس قدر ہیں کہ احاطۂ تحریر میں لانا محال ہے۔ آپ انٹرنیٹ کے ذریعے گھر بیٹھے دنیا بھر میں اپنا کاروبار پھیلا سکتے ہیں۔ ہر طرح کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھے شخص کو اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں یا بات چیت کر سکتے ہیں۔ دنیا بھر کے اخبارات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ، ٹی وی میڈیا سے کہیں بڑھ کر مفید ہے کہ ٹی وی چینلز محدود حدوں تک ہی اپنی نشریات پھیلا سکتے ہیں اور ہر ملک کا ٹی وی چینل پوری دنیا میں نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن انٹرنیٹ کے ذریعے بہت کم خرچ میں آپ اپنی بات دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچا سکتے ہیں۔

انٹرنیٹ کے جہاں کثیر فوائد ہیں، وہیں بے شمار نقصانات بھی ہیں۔ ابتداءً ہر چیز کا وجود اچھے مقاصد کے پیشِ نظر ہی کیا جاتا ہے یعنی ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ مگر منفی ذہنیت کے حامل افراد اس کا منفی استعمال کر کے انسانیت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایٹم بم بنانے والے کا مقصد مثبت تھا مگر آج اس کا استعمال بیش تر منفی کاموں کے لیے ہی ہو رہا ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ کا استعمال مثبت سے زیادہ منفی کاموں کے لیے ہو رہا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱)فحش وعریاں ویب سائٹس (Porn Websites):

انٹرنیٹ پر لاکھوں کی تعداد میں فحش وعریاں ویب سائٹس بنا کر ڈال دی گئی ہیں جو لوگوں کے اخلاق کو خراب کر رہی ہیں۔ خصوصاً نوجوان نسل اس سے بُری طرح متاثر ہورہی ہے۔ ان سائٹس کو مسلسل دیکھ دیکھ کر لوگ ایسے جنسی جنونی بن گئے ہیں کہ روز بروز زنا وعصمت دری کے واقعات میں اضافہ ہورہا ہے۔ ان ویب سائٹس کے اثرات اس قدر بھیانک ہیں کہ آج باپ کے ہاتھوں بیٹیاں محفوظ نہیں رہیں، اُستاد کے ہاتھوں بچّیاں محفوظ نہیں رہیں یہاں تک کہ شیر خوار بچیاں بھی غیر محفوظ ہوگئی ہیں۔ موجودہ زمانے میں عورت کی حیثیت بِکاؤ مال بن کر رہ گئی ہے۔ انٹرنیٹ کے کثیر استعمال سے عورت کے مقدس روپ ماں، بہن اور بیٹی کا تصوّر ذہنوں سے مٹایا جارہا ہے۔

(۲)چیٹنگ (Chatting):

چیٹنگ یعنی بات چیت۔ انٹرنیٹ پر بہت سی ویب سائٹس پر ایسے رومز بنے ہیں جہاں جب چاہے لوگ حاضر (Online) ہوکر ایک دوسرے سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں موجود فرد سے انٹرنیٹ پر موجود روم کے ذریعے چیٹنگ کر سکتے ہیں۔ یہ چیٹنگ لکھ کر یا بول کر کی جاسکتی ہے۔ مزید یہ کہ آپ ویب کیمرہ لگا کر چیٹنگ کرنے والے کو دیکھ بھی سکتے ہیں۔ آج کی نوجوان نسل کا بیش تر وقت انٹرنیٹ پر چیٹنگ کرتے گزرتا ہے۔ یہ چیٹنگ انھیں سوائے وقت اور پیسوں کے زیاں کے کچھ نہیں دیتی۔

(۳)اسلام مخالف ویب سائٹس (Anti Islamic Websites):

اسلام مخالف ویب سائٹس کی کئی قسمیں ہیں۔ ویسے تو فحش و عریاں ویب سائٹس بھی اسلام مخالف سائٹس کے زمرے میں آتی ہیں کیوں کہ اس سے مسلمانوں کے اذہان واخلاق کو خراب کر کے دین سے دور کیا جارہا ہے۔ لیکن مواد کے اعتبار سے ایک قسم اُن ویب سائٹس کی ہے جو یہود و نصاریٰ نے بنائی ہیں۔ جن کے ذریعے وہ صحیح اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ اُن سائٹس کے ناظر کو یوں لگتا ہے کہ یہ اسلام کی تعلیمات پر مبنی کوئی ویب سائٹ ہے۔ لیکن حقیقت میں اس قسم کی ویب سائٹس کے ذریعے کم علم اور عام مسلمانوں کو اسلام کی غلط تشریحات وتعلیمات فراہم کی جاتی ہے۔

اسی طرح کچھ ویب سائٹس کے ذریعے اسلام پر بے جا اور لایعنی اعتراضات کر کے لوگوں کو اسلام سے بدظن یا بدگمان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کوششوں سے اگر کوئی بدگمان نہیں ہوتا تو اُن کے اعتراضات کا کم سے کم اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ قاری شک وشبہے میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور یہی شک کا بیج اُسے اسلام کی صحیح و سچی تعلیمات سے برگشتہ کر دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

آئے دن انٹرنیٹ پر اسلام و نبیِ کونین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی جاتی ہے۔ گذشتہ سال اُن کی ایک ویب سائٹ پر ٹرو قرآن (True Qur'an) نام سے مصنوعی قرآن کو انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلایا گیا، جس میں قرآنِ حکیم کی طرز پر عیسائی عقائد کے مطابق سورتیں بنائی گئی تھیں۔ اور حال ہی میں انٹرنیٹ پر ''فتنہ'' (Fitna) نامی اسلام مخالف فلم ڈالی گئی ہے، جس میں قرآنِ مقدّسہ کی چند آیتوں کو سیاق وسباق سے ہٹا کر غلط تفہیم کے ذریعے مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ غرض کہ مسلمانوں کے مذہب کو دہشت گردی سے جوڑنے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ ......غرض کہ آئے دن کسی نہ کسی طرح توہینِ اسلام کر کے مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا جاتا ہے اور فسادات برپا کر کے مسلمانوں کی جان، مال، عزت آبرو کو پامال کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم اُن ویب سائٹس کی ہے جو مسلمانوں میں موجود گمراہ و بے دین فرقوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنے گمراہ کن عقاید ونظریات کی تبلیغ واشاعت کرتے ہیں اور عام مسلمانوں کو اپنے دامِ فریب میں اُلجھانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا گفتگو سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ اسلام اور مسلمانوں کو کتنے بڑے اور کس قسم کے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس کے

برعکس ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ہر معاملے میں پیچھے ہی پیچھے نظر آتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ہمارا کام آٹے میں نمک کے برابر نظر آتا ہے۔

آپ سوچیں جب ایک عام مسلمان، نومسلم یا غیر مسلم شخص اسلامی معلومات حاصل کرنے کے لیے مذکورہ ویب سائٹس پر جائے گا تو کیا وہ وہاں پیش کی گئیں گمراہ کُن تعلیمات سے متاثر نہیں ہوگا؟ کیا عام افراد حق و باطل کی آمیزش میں تمیز کرسکتے ہیں؟ کیا عہدِ حاضر کے سب سے بڑے فتنے سے نوجوان نسل کو بچانا ہماری ذمّے داری نہیں؟ کیا انٹرنیٹ پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا حق نہیں؟

ایک مسلمان اور صاحبِ ایمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ دنیا میں منفی اور طاغوتی طاقتوں سے مسلسل برسرِ پیکار رہیں اور حتی المقدور منفی عناصر کے خاتمے یا اُن کے تدارک کے لیے کوشاں رہیں یا اُن کے منفی اثرات سے تمام انسانوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً بچانے کے لیے جدوجہد کرتے رہیں۔

لہٰذا ہم مسلمانوں پر اب دو طرح کی ذمّے داریاں عاید ہوتی ہیں۔ ایک تو انٹرنیٹ پر اسلام کی مثبت طریقے سے تبلیغ و اشاعت کی جدوجہد کرنا اور دوسرے اسلام مخالف طاقتوں نیز بدمذہبوں کا ردّ و ابطال کرکے ملّت کو اِن کے دامِ فریب سے بچانا۔

ایسا نہیں کہ انٹرنیٹ پر صحیح العقیدہ مسلمانوں کا کوئی کام نہیں ہے یا دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے کوئی ویب سائٹس نہیں بنائی گئی۔ اس بارے میں مَیں نے پہلے ہی عرض کیا کہ ہمارا کام موجود ضرور ہے مگر آٹے میں نمک کے برابر۔ معدودے چند مفید و کارآمد ویب سائٹس جن کے نام آخر میں دیئے جارہے ہیں، کے علاوہ ہماری اکثر ویب سائٹس صرف بھرتی کے لیے ہیں۔ جن کا ہونا نہ ہونا کچھ سود مند نہیں۔ ان سائٹس میں سے اکثر نعتوں پر مشتمل ہیں۔ ہر جگہ آپ کو چند مشہور و معروف نعت خوانوں کی نعتوں کے البم ملیں گے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اسلام کی ترویج و اشاعت اب صرف نعتوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جب کہ ہماری بیش تر ویب سائٹس پر یکساں قسم کا لٹریچر موجود ہے۔

انٹرنیٹ پر صحیح اسلامی تعلیمات عام کرنے کے لیے اب مَیں مختصراً کچھ اہم و کارآمد نکات لکھ رہا ہوں، جن پر عمل پیرا ہوکر ہم اس خلا کو کافی حد تک پُر کرسکتے ہیں۔

☆ انٹرنیٹ پر قرآنی تراجم و تفاسیر پر مشتمل اہم زبانوں میں ہماری کوئی ویب سائٹ نہیں ہے۔ جس کی اشد ضرورت ہے۔ یہ کام، بنیادی کاموں میں سے ہے اور کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں۔ کوئی ادارہ یا تنظیم اس کارِ خیر کی طرف توجہ دے تو بڑا کام ہوسکتا ہے۔

☆ اہم زبانوں میں احادیث پر مشتمل مکمل، جامع اور مستند ویب سائٹ بھی ضروری ہے۔ آج غیر مقلدین اور باطل فرقے کتبِ احادیث میں تحریف کرکے اپنے مسلک کو حق ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اور ہمارے پاس اب تک انگریزی میں کوئی مجموعۂ احادیث بھی موجود نہیں۔ ضرورت ہے کہ تمام اہم اور بڑی زبانوں میں کتبِ احادیث کے ترجمے اور شرحیں انٹرنیٹ پر آن لائن موجود ہوں اور اسے سی ڈی بنا کر بھی عام کیا جائے۔

☆ اسی طرح ہم صحیح العقیدہ اہلِ سُنّت کی سیرتِ نبوی ﷺ پر مشتمل کوئی ویب سائٹ بھی نہیں ہے۔ حضور سرورِ کائنات کی سیرتِ نبوی پر ایک ایسی مکمل و جامع ویب سائٹ تیار کی جائے جو سیرتِ نبوی کا انسائیکلوپیڈیا ثابت ہو۔ جس پر اہم زبانوں میں زبانی و تحریری لٹریچر فراہم کیا جائے۔

☆ دعوتِ دین سے متعلق ایک بھرپور، جامع و مکمل ویب سائٹ بنائی جائے۔ جہاں پر اسلام کی دعوت و تبلیغ کی اہمیت، دعوت و تبلیغ کے طریقے، داعیانِ اسلام کے تذکرے، غیر مسلموں پر دعوتِ اسلام کے اثرات، نومسلموں کے اسلام قبول کرنے کے بعد تاثرات وغیرہ مندرج ہوں۔

☆ ایک مکمل و جامع سائٹ صرف تصوف پر مشتمل ہو۔ انبیائے کرام کے بعد اولیائے کرام نے ہی ساری دنیا میں اسلام کی ترویج و اشاعت کی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا کس قدر احسان ہے کہ انھوں نے ہمیں اسلام دیا اور جماعت میں لیا۔ آج اکثر خانقاہیں بے عملی و بدعملی کا شکار ہیں۔ جہاں سے کل دنیا بھر میں اسلام پھیلا، ایک سازش کے تحت وہیں سے

آج اسلام کی بیخ کنی کی جارہی ہے۔ اسی لیے ایسی ویب سائٹ تیار کی جائے جو شریعت وطریقت پر کاربند تصوف پر مشتمل ہو اور جہاں پر اولیائے کرام کی دینی ودعوتی خدمات کو بھی اُجاگر کیا جائے تاکہ ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔

اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ مذکورہ بالا ویب سائٹس پر علیحدہ علیحدہ صرف اور صرف موضوع سے متعلق مواد ہی رکھا جائے، خواہ کسی صورت میں ہو۔ البتہ یہ نہ ہو کہ نعت شریف بھی شامل کردی، بیانات بھی شامل کردیئے، آن لائن مسائل کا حل بھی شامل کرلیا۔ اس سے ویب سائٹ کے ناظرین کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوگا۔ البتہ اس قسم کی معلومات پر مشتمل ویب سائٹ کا لنک یعنی رابطہ دے دیا جائے۔

☆ دین کا جذبہ رکھنے والے جدید تعلیم یافتہ حضرات انٹرنیٹ پر موجود مختلف گروپ (Group) یا فارَمس (Forum) میں جا کر اسلام کی صحیح تعلیم کو عام کرسکتے ہیں۔ اور اسلام پر ہونے والے لایعنی و رکیک اعتراضات کے علمی جوابات دے سکتے ہیں۔ مثلاً کسی ویب سائٹ کے فارَم میں کسی نے حضورِ اقدس ﷺ پر کوئی مذموم الزام عائد کرکے آپ ﷺ کی شخصیت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی تو تعلیم یافتہ مبلغین اُن کی تردید کرکے دفاع بھی کرسکتے ہیں اور لوگوں کو گمراہیت سے بچا بھی سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر وہ اپنے میں علم کی کمی محسوس کریں تو علما ومفتیانِ کرام سے رجوع کریں۔ عملی نمونے کے طور پر مَیں اپنے ایک دوست سے متعارف کراتا ہوں۔ فضل الرحمٰن نامی ایک نوجوان نے مجھ سے موبائل پر رابطہ کیا اور اُس نے مجھ سے ہمارا شائع شدہ اردو وانگریزی لٹریچر طلب کیا، جو فراہم کردیا گیا۔ پھر اُس نے فرقِ باطلہ کی تردید سے متعلق بدمذہبوں کی کتب اور اُن کے تسلی بخش جوابات کے سلسلے میں رہنمائی طلب کی۔ مَیں نے ایک مفتی صاحب کا پتہ بتادیا جہاں پر وافر تعداد میں لٹریچر اور مسائل کے حل بھی میسّر آجاتے۔ بعد میں ملاقات پر معلوم ہوا کہ موصوف بحری جہاز میں ملازمت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مسلسل کئی ماہ تک ڈیوٹی انجام دینے کے بعد جب چند ماہ کی چھٹیاں ملتی ہیں، تو وہ اپنا بیش تر وقت انٹرنیٹ پر بِتاتے ہیں۔ اور تلاش میں رہتے ہیں کہ کہاں، کون اسلام پر حملے کررہا ہے۔ پھر وہ اُس کے تعاقب میں لگ جاتے ہیں اور اُسے اُس کے گھر تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی خود ایک ویب سائٹ بنائی ہے www.maarifa.com جس پر انھوں نے باطل فرقوں کی کتب کو اسکین کرکے بطور حوالہ محفوظ کردیا ہے۔ تاکہ گمراہ فرقوں کے ردّ کرنے والوں کو اُن کی اصل کتابوں کی تلاش کی زحمت نہ کرنا پڑے۔

ہر شہر یا علاقے میں چند دینی جذبہ رکھنے والے نوجوان اس طرح کے مفید کاموں میں لگ جائیں تو دعوتِ دین کی کتنی بڑی خدمت کی جاسکتی ہے۔ الحمد للہ ہمارے یہاں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے۔ بس ضرورت ہے اُن میں جذبہ بیدار کرنے اور صحیح رہنمائی کی۔

☆ مختلف علاقوں میں رہنے والے دوست واحباب اپنا خود کا گروپ یا فارَم بنائیں۔ جہاں اسلام پر ہر طرح کے حملوں کے جواب دیئے جاسکیں۔ یہ کام اردو کے ساتھ انگریزی وعربی میں بھی ہو تو زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح کے کام کرنے والے چند دوست میرے رابطے میں ہیں۔ پاکستان میں خلیل احمد رانا اور اُن کے چند احباب بحسن وخوبی یہ کام انجام دے رہے ہیں۔

☆ انٹرنیٹ پر خبروں سے متعلق ایک ویب سائٹ ہو۔ یہ تو سب کو پتہ ہی ہے کہ میڈیا پر اغیار اور طاغوتی طاقتوں کا قبضہ ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے مرنے کی خبر بھی اپنے قاتلوں سے ملتی ہے۔ اس لیے ایسی ویب سائٹ ہو جہاں دنیا بھر کے سُنّی صحیح العقیدہ مسلمانوں سے متعلق خبریں اور مفید معلومات ہمہ وقت دست یاب ہوں۔ (کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ خبروں کا دعوت وتبلیغ سے کیا تعلق؟ تو عرض یہ ہے کہ ہماری بے خبری ہی ہماری موت ہے۔ مسلمان قوم کو اللہ نے راعی (رعایا کا ذمّے دار) اور داعی (دعوت دینے والا) بنا کر بھیجا ہے۔)

☆ الحمد للہ ہمارے سالانہ اجتماعات تو انٹرنیٹ کے ذریعے براہ راست نشر کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہفتہ واری اجتماعات بھی انٹرنیٹ پر نشر کیے جائیں۔ اس ذریعے سے ہم کم وقت میں اپنا دعوت و تبلیغ کا پیغام تمام دنیا تک پہنچا سکتے ہیں۔

احقر نے مندرجہ بالا جو نکات پیش کیے وہ حتمی نہیں ہیں،

نہ ہی احقر اس فیلڈ کا ماہر ہے۔ البتہ جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں لکھا ہے۔ آئے دن احقر سے ایسے افراد رابطہ کر کے مختلف قسم کی معلومات دریافت کرتے ہیں جو انٹرنیٹ پر دست یاب ہیں، احقر انھیں اپنی معلومات کی حد تک رہ نمائی فراہم کر دیتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس موضوع پر ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو صحیح رہ نمائی نہیں مل پاتی۔ اس لیے وہ خود کو معذور سمجھتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر جو کچھ بھی دوست احباب کام کر رہے ہیں، وہ دینی جذبے کے تحت کر رہے ہیں اور ان میں بھی بہ مشکل کوئی اس میدان کا ماہر ہو۔ اس لیے اس میدان میں جدید تعلیم یافتہ، انفارمیشن ٹیکنالوجی سے وابستہ، ویب ڈیزائنر اور سافٹ ویر انجینئر وغیرہ اس جانب توجہ دیں اور علمائے کرام و دینی کتب کی روشنی میں دین وسُنّیت کا کام کریں تو کم وقت میں بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو دین کی سمجھ اور خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں اُن چند ویب سائٹس کے نام درج کیے جاتے ہیں، جو دین وسُنّیت کی ترویج واشاعت میں سرگرم ہیں۔ اس کے علاوہ کثیر تعداد میں ویب سائٹس ہیں، انٹرنیٹ پر تلاش (Search) کرنے پر اُن تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

SOME SUNNI WEBSITES

www.sunnidawateislami.net
www.trueislam.info
www.truequran.com
www.sunnah.org
www.ja-alhaq.com
www.IslamicAcademy.org
www.barkati.net
www.imamahmadraza.net
www.alahazratnetwork.org
www.nooremadinah.net
www.razaemustafa.net
www.raza.co.za
www.ala-hazrat.org
www.ahadees.com
www.hazrat.org
www.dawateislami.net
www.fikreraza.net
www.khatmenabuwat.com
www.thelightofgolrasharif.com
www.noorenabi.net
www.sunnispeeches.com
www.muhammadiya.com
www.humsunni.cjb.net
www.siratemustaqeem.net
www.livingislam.org
www.aqdas.co.uk
www.wahabi.8m.net
www.ishaateislam.net
www.sunniPort.com
www.razaeMustafa.net
www.harunYahya.com
www.madni.org
www.faizanemadina.com
www.zamzam.net
www.jamateAhleSunnat.net
www.ahleSunnat.net
www.deenislam.co.uk
http://ahlussunnahwaljamah.blogspot.com/

دعوت وتبلیغ کے مؤثر وغیر مؤثر پہلو

غلام مصطفےٰ قادری رضوی ★

دعوت وتبلیغ بڑی اہم ذمہ داری ہے اس راہ میں جہاں پھول ہیں وہیں کانٹے بھی ہیں، مشکلات وتکالیف سے نبرد آزمائی بھی ہوتی ہے اور اپنوں اور غیروں کے طعن وتشنیع کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے، اس اہم فریضۂ دعوت کو انبیا ومرسلین نے بڑے عمدہ طریقے سے انجام دیا اور اپنے مقاصدِ حسنہ میں کامیاب ہوئے۔ چوں کہ ان کے پیش نظر حکم ''ادع الی ربک بالحکمة والموعظة الحسنة'' تھا اس لیے اس کار خیر کی انجام دہی اسی اصول کے تحت انجام دیتے رہے۔ پھر ان کے دلوں کا اخلاص، صداقت ودیانت، تقویٰ وطہارت اور خیر خواہی کا جذبہ اس پر مستزاد، جن کے نتائج تاریخ اسلام کے قاری پر مخفی نہیں۔

بلاشبہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو سسکتی، بلکتی انسانیت کو امن وشانتی سے ہم کنار کرنے والا ہے، اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے والوں کو جو جسمانی اور روحانی راحت وسرور حاصل ہوتا ہے وہ دیگر مذہب میں کہاں؟ ذرا اس کا مطالعہ تو کیا جائے کہ اس کے اصول وضوابط اور اس کی تعلیمات وہدایات میں کامیابی وکامرانی کی کتنی شاہراہیں ہیں اور ظلم واستبداد اور غم وآلام سے نجات دلانے والے کتنے ذرائع موجود ہیں۔ مطالعہ کے بغیر حقائق کا علم نہیں ہوتا، سنی سنائی باتوں سے نفرتیں پھیل سکتی ہیں، عداوتوں کو فروغ مل سکتا ہے، محبت اور پیار کے دیپ نہیں جلائے جاسکتے، باتوں کو توڑ مروڑ کر تو پیش کیا جاسکتا ہے مگر حقیقتوں کا سراغ نہیں مل سکتا اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کی شبیہ کس برے انداز میں پیش کی جارہی ہے، اس کو کتنے خطرناک مذہب کے طور پر متعارف کرایا جارہا ہے اس کی تعلیمات پر شکنجے کسے جارہے ہیں اور یہ سب اسلام کے چراغ کو بجھا دینے اور اسلامی بیداری سے متعلق تمام سرگرمیوں کا گلا گھونٹ دینے کے لیے کیا جارہا ہے۔ تو کہنے کی اجازت دی جائے یہ سب بغیر مطالعہ کیے ہوئے ہورہا ہے مگر جب مطالعہ کیا جائے تو پھر دل مان جائے گا اور اعتراف حقیقت سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ سنئے نو مسلم ڈاکٹر محمد ہارون مرحوم کیا لکھتے ہیں:

> ''میرے مسلمان ہونے کی آخری وجہ اسلام کی حقانیت ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک ایسا نظریہ ہے جس پر میں مکمل طور پر ایمان لاسکتا ہوں اور جسے سچا تسلیم کرسکتا ہوں''۔
>
> (میں نے اسلام کیوں قبول کیا، ص ۲۷)
>
> ایک ہندو راجا کی بیٹی راج کماری جس کا اسلامی نام جاوید بانو رکھا گیا وہ لکھتی ہے کہ ''آخر کار میں نے سچائی کو تسلیم کرلیا میں بہت خوش ہوں اور میری روح مطمئن ہے، صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو روزمرہ زندگی کا سچا رہنما ہے''۔ (دین فطرت، ص ۱۵۵، مطبوعہ کراچی)

لطف کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی کی یہ خاصیت ہے کہ غیر مسلم بغیر کسی لالچ اور طمع کے اس کے دامن سے وابستہ ہورہے ہیں جب کہ دوسرے دھرموں میں داخل کرنے کے لیے ان دھرموں کے رہنما زر، زن اور زمین کا لالچ دیتے ہیں۔ اسلام کی حقانیت کی یہ کتنی عمدہ دلیل ہے۔

الحمد للہ! آج مخلصین کی ایک بہت بڑی تعداد فریضۂ دعوت وتبلیغ کی انجام دہی میں مصروف ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کی حقانیت وصداقت کے پرچم گاڑنے کے لیے جد وجہد کررہی ہے تاہم دعوت وتبلیغ کے راستے میں کچھ کمیاں بھی نظر آرہی ہیں اور ہماری دعوت کا جتنا اثر ہونا چاہیے اور جتنا اچھا نتیجہ نکلنا چاہیے اتنا ہر داعی کی دعوت کے طور وطریقے سے نہیں نکلتا۔ ہاں ایسے بھی حضرات ہیں جنھوں نے قلیل مدت میں یورپین ممالک میں انقلابی

★ رحمت عالم گلی، باسنی ناگور، راجستھان

کارنامے انجام دیئے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کے لیے اگر قرآن وحدیث میں بیان فرمائے گئے اصول وضوابط کو اپنایا جائے تو یقیناً ہماری دعوت کے مفید اور درست نتائج برآمد ہوں گے۔ انداز دعوت وموعظت اتنا پرکشش اور باوزن ہو کہ مدعو کے دل میں تبدیلی پیدا کردے اور وہ داعی کی باتوں کو سن کر فکر وعمل کی دنیا میں کھو جائے اور پھر ہمارے بتائے ہوئے پیغامات اسے اپنی اصلاح پر مجبور کردیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید نے متعدد انداز خود بیان فرمائے، ذرا سورۂ بقرہ کی یہ آیت ملاحظہ کیجئے:

''یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقونo الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء و انزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرٰت رزقا لکم ج فلا تجعلوا للّٰہ اندادا وانتم تعلمونo''

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ، وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لیے، پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے مدمقابل اور تم جانتے ہو۔ (آیت ۲۱،۲۲، بقرہ)

دیکھ رہے ہیں آپ کتنا مؤثر پیرایۂ بیان اپنایا گیا، توحید کا کتنے اچھے انداز میں درس دیا جارہا ہے۔ تم ذرا اپنے رب کو تو پہچانو جس نے عدم سے وجود بخشا، اگر وہ فضل وکرم نہ فرماتا تو تم دنیائے فنا ہی میں رہتے۔ پھر ذرا دیکھو تو سہی تمہارا پالنہار کتنا مہربان ہے کہ تمہیں پیدا کرنے کے بعد ویسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری زندگی خوشگواری اور راحت وسکون سے گزارنے کے لیے تمہیں زمین جیسا بچھونا، آسمان جیسی عمارت وسائبان اور پھر آسمان سے نعمت آب اور اس آب (پانی) سے متعدد قسم کے پھل اور میوے عطا کیے۔ ایسے خالق اور مالک کو چھوڑ کر تم اگر کسی دوسرے کی پرستش کرتے ہو تو یہ تمہاری بدنصیبی ہی کہی جائے گی۔ دل سے ان باتوں کو پڑھنے والے ضرور متاثر ہو کر اپنے عقائد ونظریات کی اصلاح کرلیں گے۔ رب کا کتنے عمدہ طریقے سے تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ ایک فطری اور سائنٹفک طریقۂ دعوت توحید ہے کہ اتنے انعامات کو حاصل کرنے والا چاہے جاہل ہو یا ان پڑھ، امیر ہو کہ غریب سب اپنی سمجھ کے مطابق اس آیت کریمہ کے ذریعے اپنی اصلاح کرسکتے ہیں۔

کہنے کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ جدید دور میں جدید تعلیم یافتہ طبقے تک دعوتِ دین پہنچانے کے لیے ہمیں بھی ایسے طریقے اپنانے چاہیے جو مخاطبین کو سوچنے پر مجبور کردیں اور جب وہ سوچ وفکر کی دنیا سے باہر آئیں گے تو اس طرح کہ وہ اسلام کا شیدائی اور فدائی بن جائیں اس نہج سے کام کرکے دیکھئے آپ کتنے سرخرو ہوں گے۔

ہماری دعوت وتبلیغ کے بے اثر ہونے کی متعدد وجوہات ہیں جن کو جان لینے کے بعد اصلاح کی بھی ضرورت ہے، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم عجلت میں اپنے مقصد کی تکمیل دیکھنا چاہتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے، بتدریج کام کرنے سے کام کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ہم اپنے مخاطب کے مزاج وطبیعت سے صحیح واقفیت نہ رکھنے کے سبب اپنے مقصد میں ناکامی کا شکار ہوجاتے ہیں، اس سلسلے میں داعی اعظم حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں دعوت دین کے اطوار کو دیکھئے کہ آپ نے کس حسن تدبیر سے آہستہ آہستہ اپنا کام آگے بڑھایا، دلوں میں گھر بنایا، مخاطبین کی طبیعتوں اور عادتوں کو بھی جاننے کی کوشش کی پھر ان کے برے سلوک پر صبر وتحمل کو برداشت بھی کیا، لیکن وقت آنے پر ان کفار ومشرکین کے قلوب واذہان میں انقلاب پیدا کرہی دیا اور وہ اس انداز سے دامن اسلام میں آگئے گویا مقناطیس نے انہیں کھینچ لیا ہو اور یہی انداز دعوت وطریقۂ تبلیغ اس مقدس صحبت ومعیت میں رہنے والے ان جاں نثار صحابہ نے اپنایا جن کی مساعی جمیلہ سے دنیا کے گوشے گوشے میں اسلامی آفتاب کی کرنیں پہنچنے لگیں پھر یہ سلسلہ ان کے بعد والے حضرات اہل اللہ نے بھی جاری رکھا، جنہوں نے اپنی کوششوں کو دین کی سربلندی کے لیے وقف کردیا اور دعوت وتبلیغ کے اہم کام کو بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان کے حالات وواقعات میں ہمارے لیے قیمتی نمونے ہیں ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آج اُن پاکانِ اُمت کے نقوش مبارکہ کو اپنایا جائے تو ہم

بھی اپنے مخاطب کو بات منوانے پر آمادہ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ خلوص اور للّٰہیت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں، اس خصوص میں مندرجہ ذیل واقعہ متاثر کن ہے۔

ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ ڈاکو ساتویں مرتبہ قید کاٹ کر جب رہا ہوا تو اس کو پھر چوری کی سوجھی۔ رات کا وقت تھا ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا ایک مکان کے پچھلے حصے سے داخل ہوا۔ ادھر ادھر تلاش کیا کوئی چیز نہ ملی، کپڑوں کے تھان رکھے تھے، انہیں کو باندھنا شروع کیا لیکن مشکل یہ آپڑی کہ ہاتھ پیر سزاؤں کی نذر ہو چکے تھے، لولا لنگڑا تھا مگر اپنے پیشے میں ایسا طاق کہ بالائی منزل پر چڑھ گیا اور کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ ہاں تو کپڑے کی گٹھری باندھتے باندھتے پسینوں میں شرابور ہو گیا، اچانک کمرے کا دروازہ کھلتا ہے اور ایک بزرگ نمودار ہوتے ہیں، یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ بھی کوئی ڈاکو ہے جو رات گئے ادھر نکل آیا ہے۔ ان بزرگ نے اس کو دودھ لا کر پلایا اور سامان کی چھوٹی بڑی گٹھریاں باندھیں۔ اب تو اس کو بالکل یقین ہو گیا کہ یہ کوئی ڈاکو ہی ہے، صبح ہونے والی تھی یہ دونوں گٹھریاں سنبھال کر گھر سے نکلے اور صحرا کی طرف چل پڑے۔ بڑی گٹھری بزرگ نے اٹھائی اور چھوٹی گٹھری اس لولے لنگڑے ڈاکو نے، چلتے چلتے وہ ڈاکو پہاڑ کے دامن میں اپنے غار تک پہنچ گیا۔ گٹھریاں رکھ دی گئیں، ڈاکو نے ترس کھا کر بزرگ سے کہا کہ لاؤ! تمہارا حصہ تم کو دے دوں۔ بزرگ نے فرمایا ''یہ سامان تو میرا ہی ہے''۔

یہ کہہ کر چل دیئے اور ڈاکو کے دل پر ایک بجلی سی گر گئی۔ صبح ہو چکی تھی، دل نے کہا چلو پھر اس بوڑھے کے مکان پر چلیں۔ گیا، کیا دیکھتا ہے کہ مجلس جمی ہے، ہزاروں انسان سر جھکائے سراپا گوش بنے، دوزانو بیٹھے ہیں۔ یہ مجلس میں داخل ہوا، داخل ہوا ہی تھا کہ اس بزرگ کی نظر اس پر پڑی اور اپنا کام کر گئی۔

ایک ہی بار ہوئی وجہ گرفتاریِ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

اللہ اللہ

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

اب یہ ڈاکو، ڈاکو نہ رہا بلکہ عارف باللہ ہو گیا اور اس کا شمار عرفا و صلحا میں ہونے لگا، یہ اعجاز تھا اس بزرگ کی نگاہ کیمیا اثر کا، جس کا نام نامی اسم گرامی جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ (موجِ خیال، ص ۱۴۶، ۱۵۰،)

دیکھ رہے ہیں آپ! ان نفوس قدسیہ کے قلوب پاک تھے، پر از اخلاص تھے، اس لیے نظر کا یہ عالم تھا، پھر فیض صحبت نے تو نہ جانے کیسے کیسے نقوش چھوڑے ہوں گے۔ وہ منہ سے کچھ نہ کہتے تب بھی ذرّے کو آفتاب بنا دیتے تھے۔ بات آئی ہے سُنّتے چلیں اور دعوت و تبلیغ کے مثالی نمونے ملاحظہ فرماتے چلیں۔ یہی عارف باکمال حضرت سیدنا جنید بغدادی ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا، حضرت آپ کا وعظ شہر ہی میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے؟ آپ نے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ چند اشخاص فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروفِ رقص وسرور ہیں اور شراب کے نشے میں بھی مخمور ہیں۔ آپ نے اسی وقت منھ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب وہ قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے، فرمایا، بھاگو نہیں میں بھی تمہارا ہم مشرب ہوں ہمارے لیے بھی لاؤ، وہ بولے اب تو ختم ہو گئی ہے۔ تو فرمایا تو آؤ میں تیار کر کے دکھا دوں، ایک کام تمہیں سکھاتا ہوں اس سے شراب خود بخود آ جایا کرے گی اور وہ ہو گی بھی بہت اچھی، وہ لوگ شائق ہوئے اور آپ نے فرمایا پہلے تم سب اپنے کپڑے بدلو سب نے غسل کیا اور کپڑے دھوئے اور پاک صاف ہو کر آ گئے تب فرمایا کہ سب دو دو رکعت نماز پڑھو۔ وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دعا مانگی کہ یا خدایا میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور ان کو کھڑا کر دیا اب تو چاہے ان کو گمراہ رکھ چاہے ہدایت بخش۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور وہ سب ہدایت کامل سے بہرہ ور ہو گئے''۔ (سچی حکایات حصہ پنجم ص ۶۸،۷)

بغیر سوچے سمجھے اور عجلت میں دعوت وتبلیغ کا کام کبھی بڑا نقصان کا ذریعے بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں عالمی مبلغ علامہ عبد العلیم میرٹھی قدس سرہ کے تجربات سے ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔ علامہ موصوف کی دعوتی وتبلیغی خدمات بے مثال اور ناقابل فراموش ہیں یورپی ممالک میں خوش اسلوبی کے ساتھ آپ نے جو خدمات انجام دیں

وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ مبلغین و دُعاۃِ اسلام کی رہنمائی کے لیے آپ نے ایک کتاب ''How to preach Islam''، لکھی جس کا اردو ترجمہ ''تبلیغ اسلام کے اصول و فلسفہ'' کے نام سے جناب خورشید احمد سعیدی صاحب نے کیا ہے، علامہ میرٹھی ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''وقت بدل گیا ہے بد قسمتی سے علما، خطبا اور عام مسلمان اسلام کے بنیادی اصولوں اور دوسری غیر ضروری شروط میں فرق نہیں کر سکتے۔ اسلام کو قبول کرنے کے لیے متوقع لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ انہیں اپنے ختنے کرانا ضروری ہے۔ ختنہ ایک سُنّت ہے اگر چہ یہ بہتر ہے کہ ہر مسلمان اپنا ختنہ کرائے مگر اسے ان لوگوں کے لیے ناگریز نہ بنا دیا جائے جو اسلام قبول کرنے کے خواہش مند ہیں''۔

پھر فرماتے ہیں ''جب میں زنجی بار میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار حبشی اسلام قبول کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا کیونکہ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ ختنہ کروانا ان پر واجب ہے، بعد میں خبر ملی کہ انہی لوگوں نے عیسائیت قبول کر لیا ہے''۔ (تبلیغ اسلام کے اصول ص:۳۰)

دیکھا آپ نے غیر تربیت یافتہ داعیوں اور مبلغوں کی دعوت و تبلیغ سے کبھی کبھی اس طرح نقصان ہو جاتا ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری تبلیغ غیر موثر ہونے کا سبب یہ بھی ہے کہ مقتضیات دعوت و تبلیغ کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا کی رہنما تحریر بھی میری تائید کرتی ہے، فرماتے ہیں:

''امر بالمعروف و نہی عن المنکر عمدہ تمغائے مسلمانی ہے اس نیک کام میں بہت لوگ حدودِ خداوندی کا خیال نہیں رکھتے اور تشدد و تعصب کو یہاں تک نباہتے ہیں کہ ان کا گناہ ان جاہلوں کے گناہ سے بدر جہا زائد ہو جاتا ہے جن کے لیے یہ ناصح مشفق بنے تھے''۔

(فتاویٰ رضویہ ۹/۱۰۱ مطبوعہ پور بندر گجرات)

دعوت و تبلیغ کے متعدد طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے کردار و عمل کے ذریعے اس ذمے داری کو پورا کیا جائے۔ سیرت و کردار غضب کا اثر رکھتے ہیں، عمل کی دنیا میں آنے والے لوگ اپنے ناصح کے شب و روز کا معائنہ کر کے بھی نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور نفسانیت کے اس دور میں جب کہ دنیا نت نئے رنگ و روپ میں ہمارے سامنے آ رہی ہے یہ ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ آ ئیے صحبت نبوی میں رہ کر کندن بننے والے عظیم داعی و مبلغ کی سیرت کا ایک رخ آپ کے سامنے رکھوں جو دعوت کی راہ میں خصوصی رہنمائی کرے گا۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کا ایک ایرانی جہاز ران بزرگ بن شہر یار اپنے سفرنامے ''عجائب الہند'' میں تاریخ اسلام کا ایک حیرت انگیز واقعہ نقل کرتا ہے۔ اس نے تین صدیاں گزر جانے کے باوجود سیرت فاروقی کے کرشموں کو بچشم خود دیکھا۔ اللہ اکبر! پہلی صدی ہجری میں محبت کی جو لہر آئی، تین صدیاں اس کو زائل نہ کر سکیں۔

بزرگ بن شہر یار کہتا ہے کہ لنکا سے دو ہندو پہلی صدی ہجری کے اوائل میں مدینہ منورہ پہنچے، جہاں انہوں نے جو کچھ دیکھا اور بزرگ بن شہر یار نے جو کچھ سنا اور دیکھا، آپ بھی دیکھیں اور سنیں:

(ترجمہ) ''اور انہوں نے بتایا کہ ان کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی اور جانشین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ ان کی خاکساری کا حال بھی بیان کیا کہ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں اور رات مسجد میں گزار دیتے ہیں۔ ان حالات کو سن کر لنکا والوں پر یہ اثر ہوا کہ یہ لوگ تواضع و انکساری کے لیے (حضرت عمر کی یاد میں) پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں اور مسلمان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی طرف میلان رکھتے ہیں''۔

ایک گدڑی پوش جہاں باں و جہاں آرا کی سیرت مبارکہ کے اثرات آپ نے دیکھے؟ ہندو ہوتے ہوئے انہوں نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک ایسی نشانی کو اپنے سینے سے لگایا جو کپڑوں کو خوبصورت نہیں بلکہ عیب دار بنا دیتی ہے۔

(محبت کی نشانی، ص:۹۳، ۹۴ مطبوعہ کراچی)

عرض مدعا یہ ہے کہ ہمارے ظاہر کو دیکھ کر بھی لوگ عمل کے میدان میں آتے ہیں، ہمارے طور و طریقے اور کردار و عمل کو اگر اصلاح کا ذریعے بنایا جا سکتا ہے تو اس سلسلے میں اپنی سیرت و کردار کو اچھا اور اسلامی بنانا ضروری ہے۔

☆☆☆

باب ہشتم

رو برو

عالمی سطح پر جو حضرات تبلیغِ دینِ متین کرتے رہتے ہیں۔ایک داعی اور مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کے تجربات سے مستفید ہو اور ان کی فکری، ذہنی وعلمی صلاحیتوں کے کچھ نقوش سے اپنے دعوتی عمل کو بھی رنگنے کی کوشش کرے۔یقیناً ایک مقامی داعی و مبلغ عالمی سطح کے مبلغ سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور اس کی تبلیغ ودعوت یقیناً عوام النّاس کو متأثر کرسکتی ہے اس ذہنی پس منظر کے ساتھ ہم نے یہ کالم بنایا۔اس سلسلے میں ہم نے عالمی سطح کے مبلغ، ایک عظیم دانشور اور معروف عالم ونقاد حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، اور حضرت علامہ افتخار احمد قادری مصباحی ساؤتھ افریقہ کا تازہ ترین انٹرویو لیا ہے۔اس میں مبلغین کے لیے نہ صرف منزل کی شناخت ہے بلکہ وہ نورانی صاحب کے نقوشِ فکر پر چل کر منزل تک پہونچ بھی سکتے ہیں۔

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی سے لیا گیا ایک تازہ انٹرویو

خطیبِ ملت علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی اوکاڑوی جماعت اہل سنت کے عظیم دانشور اور زبردست عالم دین ہیں۔ آپ خطیب اعظم پاکستان علامہ مولانا محمد شفیع احمد اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔ ماہ محرم الحرام ۱۷ اگست ۱۹۵۷ کو کراچی میں ولادت ہوئی۔ آپ دینی وعصری علوم سے لیس ہیں اور فکر وقلم کے دھنی بھی۔ ملک و بیرون ملک کے تبلیغی دورے فرماتے رہتے ہیں۔ اب تک ملک اور بیرون ملک تقریباً سات ہزار سے زائد خطابات کر چکے ہیں۔ عربی، اردو، فارسی، انگریزی اور پنجابی میں آپ کی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع ہوکر مقبول عوام وخواص ہوچکی ہیں۔ ان میں خاص طور سے نعت اور آداب نعت۔ دیوبند سے بریلی تک۔ مزارات، تبرکات اوران کے فیوضات۔ دہشت گردی اور اسلام وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ کئی مسودات ہیں جو زیر ترتیب ہیں۔ حضرت نورانی صاحب کے تنقیدی وتحقیقی مقالات ومضامین اور مکاتیب ملک کے موقر جریدوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جنھوں نے حضرت کو سنا ہے انہیں معلوم ہے کہ ان کی تقریریں روایتی مقرروں کی طرح نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان کے خطابات کے معانی ومفاہیم میں وہ لعل وگہر پوشیدہ ہوتے ہیں کہ اہل علم حضرات عش عش کر اُٹھتے ہیں۔ آپ دنیا کے مختلف ممالک میں خطابات کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ دعوت وتبلیغ میں ان کا برسوں کا تجربہ ہے۔ دعوت دین کے اسرار ورموز کے وہ واقف کار ہیں۔ ذیل میں اُن سے لیا گیا ایک تازہ ترین انٹرویو پیش کیا جارہا ہے جو خطبا ومبلغین کے لیے نشانِ رہ منزل ہے۔ (معاون مدیر)

سوال: دعوت وتبلیغ کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

جواب: دعوت اور تبلیغ دو الگ لفظ ہیں۔ دین ومسلک کے حوالے سے بات ہورہی ہے۔ ان دونوں الفاظ کو پہلے ہم قرآنِ کریم سے دیکھتے ہیں: قرآنِ کریم میں ہے: **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنه** (النحل:125)، **قال رب انی دعوت قومی لیلا ونهارا** (نوح:5)، **ولتكن منكم امة يدعون الى الخير** (آل عمران:104)۔ لغت میں دیکھیں تو: ''الدعاء'' (الی الشئی) کے معنی کسی چیز کا قصد کرنے پر رغبت دلانے اور اُکسانے کے ہیں...... **ویقوم مالی ادعوکم الی النجاة وتدعوننی الی النار** (غافر:41) اور اے قوم میرا (حال) یہ ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو۔'' (ص 344، مفردات القرآن، اردو، مطبوعہ لاہور)

قرآن میں ہے: **الذین یبلغون رسلت اللہ** (الاحزاب:39)، **یاایھاالرسول بلغ ماانزل الیک من ربک** (المائدہ:67)، **ابلغکم رسلت ربی وانا لکم ناصح امین** (الاعراف:68)، **یقوم لقد ابلغتکم رسالة ربی ونصحت لکم** (الاعراف:93)، **انما علی رسولنا البلغ المبین** (المائدہ:92)، **فانما علیک البلغ** (آل عمران:20، الرعد:40)۔ لغت کہتی ہے: ''البلاغ کے معنی تبلیغ یعنی پہنچا دینے کے ہیں۔ جیسے فرمایا: **هذا بلاغ للناس** (ابراہیم:52) یہ (قرآن) لوگوں کے نام (خدا کا) پیغام ہے......اور بلاغ کے معنی کافی ہونا بھی آتے ہیں جیسے: **ان فی هذا لبلاغ لقوم عابدین** (الانبیاء:106) عبادت کرنے والے لوگوں کے لیے اس میں (خدا کے حکموں کی) پوری پوری تبلیغ ہے۔ (مفردات القرآن، ص 119/1)

''البلاغۃ کا لفظ دو طرح بولا جاتا ہے ایک یہ کہ وہ کلام بذاتہ بلیغ ہو اوراس کے لیے اوصاف ثلاثہ کا جامع ہونا شرط ہے۔ یعنی وضع

لغت کے اعتبار سے درست ہو۔ معنی مقصود کے مطابق ہو اور فی الواقع سچی بھی ہو۔ اگر ان اوصاف میں کسی ایک وصف میں بھی کمی ہو تو بلاغت میں نقص رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قائل اور مقول لہ یعنی متکلم اور مخاطب کے اعتبار سے بلیغ ہو یعنی کہنے والا اپنے مافی الضمیر کو خوبی سے ادا کرے کہ مخاطب کو اس کا قائل ہونا پڑے اور آیت کریمہ: **وقل لهم في انفسهم قولا بليغا** (النساء: 63) اور ان سے ایسی باتیں کہو جو ان کے دلوں پر اثر کر جائیں ....(مفردات القرآن، ص 12/1)

مجھے مفصل مقالہ نہیں لکھنا لیکن مفہوم واضح کرنے کے لیے کچھ تفصیل ضروری ہے، مزید ملاحظہ ہو: اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے: ''دعوۃ: اس کی جمع دعوات، مادّہ، دع و (بقول بعض دع ی) پکارنا، بلانا......مذہبی مفہوم میں ''دعوۃ'' وہ پیغام ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے توسط سے انسان کو دیا ہے کہ دین حق (یعنی اسلام) کو سچا مانو: **لہ دعوۃ الحق** (الرعد: 14)......زیادہ سے زیادہ توسیع کی صورت میں لفظ دعوۃ میں پیغام انبیا کی جملہ محتویات، مذہبی قانون وغیرہ بھی شامل کیے جاسکتے ہیں...... ''صاحب الدعوۃ'' وہ شخص ہے جس کے نام پر تحریک چلائی جائے، لیکن اس لفظ کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو فی الواقع تنظیم کا سربراہ ہو......'' (ص 344/9، مطبوعہ دانش گاہ، پنجاب لاہور)

کتاب ''سیرۃ النبی (ﷺ)'' میں ہے: ''تبلیغ'' کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور ان کو اس (اچھی چیز) کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں، جن میں سے ایک لفظ **انذار** ہے، جس کے معنی ہشیار اور آگاہ کرنے کے ہیں۔ دوسرا لفظ **دعوۃ** ہے، جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں اور تیسرا لفظ **تذکیر** ہے جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں''......حضرت علی (رضی اللّٰہ عنہ) سے آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اے علی! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔ (صحیح مسلم باب خیبر) اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پیرو پر خیر کی دعوت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تواصی بالحق، یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا ضروری قرار دیا ہے اور مسلمانوں کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں۔'' (ص 336-334/4، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب، کراچی)

سوال: آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دَور ہے، الیکٹرانک میڈیا کی برق رفتاری سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا، ایسے میں مبلغین اسلام کیا کریں؟

جواب: عرض یہ ہے کہ انسان کو ہر سطح پر آگہی اور رہ نمائی کی ضرورت رہی ہے اور ہر دَور میں رہی ہے۔ پتھر کا زمانہ جسے کہا جاتا ہے اس عہد کی بھی بات ہوتی ہے۔ بجلی کی ایجاد نے پہیے کی ایجاد کو وہ زندگی دی جس کی تیزی آج حیران کن ہے۔ وقت اور فاصلوں پر دست رس کے کرشمے دکھائے جا رہے ہیں۔ انگوٹھے کے ناخن کے برابر معمولی سی Chip میں گویا جہان بھر کی معلومات سمٹ جاتی ہے۔ آپ کہتے ہیں کوئی ذی شعور اس برق رفتاری کا انکار نہیں کرسکتا مجھے یہ کہنا ہے کہ انسانی ایجادات کی برق رفتاری نے بہت کچھ پایا ہے تو بہت کچھ کھویا بھی ہے اور انسان اتنی مادّی ترقی اور تیزی و تیز رفتاری کے باوجود اب بھی اپنی بے بسی کم نہیں کرسکا۔ انسان کی بنیادی اور اہم ضروریات اب بھی وہی ہیں۔ یہ برقی کھلونے اس کی تسکین وطمانیت کا سامان نہیں کر رہے۔ انسانیت گھٹ رہی ہے۔ ماحول میں آلودگیوں کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ اس کشیدگی وکبیدگی میں ایمان اور ایمانیات ہی سے آسودگی ہوسکتی ہے اس کے لیے مبلغین میں متاثر کن قابلیت اور کردار کی عظمت ہونی چاہیے، وہ علم اور فہم میں توازن کے ساتھ ماحول

پر اثر انداز ہونے والے عملی نمونہ ہوں ۔ بہکے بھٹکے لوگوں کی ذہن سازی اور قلب ماہیت اور کردار سازی کے لیے انہیں خود قرونِ اولی کے مسلمانوں کا سا عزم و یقین اور صدق و اخلاص اجاگر کرنا ہوگا اور دور حاضر میں ذرائع اور وسائل کی بہتات کو سمجھ کر ان سب سے دین و مسلک کے صحیح اور سچے پیغام کو اس طرح عام کرنا ہوگا کہ وہ نہ صرف سنا جائے بلکہ قبول کیا جائے۔ تبلیغ کے اصول قرآن و حدیث میں واضح ہیں، ضروری ہے کہ مبلغین ان سے بخوبی آگاہ ہوں اور ہر ممکن طور پر خود کو ان کا اہل بنائیں۔

سوال: علمائے اہلِ سنّت اور داعیان اسلام دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی وغیرہ فرقہ ہائے باطلہ کی سرکوبی اور تردید میں مسلسل لگے ہوئے ہیں پھر بھی خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں، ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، وجوہات و اسباب کیا ہو سکتے ہیں؟

جواب: اس سوال میں آپ نے ''داعیان اسلام'' میں ''قادیانی'' کا تذکرہ جانے کیوں کیا ہے؟ گو کہ ''فرقہ ہائے باطلہ'' کے الفاظ بھی درج ہیں لیکن میں آپ کے اس انداز کو نہ سمجھ سکا ہوں نہ ہی قبول کر سکتا ہوں ۔ سوال کے جواب میں تفصیل لکھوں تو تذکرہ انبیاء (علیہم السلام) سے اب تک کی تاریخ بیان ہو جائے۔ عرض یہ ہے کہ علمائے کرام کے ذمے تو پیغامِ حق بطریق احسن پہنچانا ہے، زبردستی بات منوانا نہیں۔ علمائے حق نے جس دور میں بھی صحیح خدمات انجام دیں اس کے نتائج عمدہ ہی رہے۔ بنام علما (الا ماشاءاللّٰہ) جو کھیپ نظر آتی ہے اس سے ویسے ہی نتائج کی توقع کیوں کر ہو سکتی ہے؟

واضح رہے کہ آج بھی سچے، مخلص اور محنتی علمائے حق ہیں اور کام کر رہے ہیں مگر وہ پہلی سی بہار اب نہیں رہی کہ ہر مسجد، درس گاہ اور خانقاہ میں ہر کوئی علم و عمل کا مثالی خزینہ تھا۔ ان بارگاہوں میں علم و عمل، اخلاق و ادب اور کردار کے عمدہ پیکر تیار ہوتے تھے۔ وہ معمولی سے مشاہرے اور بہت کم وسائل میں بڑے بڑے اور نمایاں کام کرنے والے لوگ تھے، انہیں کام سے نام ملا اور للّٰہیت کی وجہ سے وہ اثر انداز ہوے۔ اب القاب تو ارزاں اور فراواں ہیں لیکن کردار کہیں کھو گئے ۔ رضائے الٰہی عزوجل اور رضائے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زبانی کلامی دعوے رہ گئے ۔ اسلاف اور اکابر کی حیات و خدمات اور ان کے اثرات کی چشم دید تفصیل لکھوں تو ضخیم کتاب ہو جائے ۔ مجھے مختصراً اتنا کہنا ہے کہ آج سچے عقیدے صحیح طرح سکھانے اور سنانے کا اہتمام خود سنّی گھرانوں میں بھی کم ہی ہے۔ عوام میں بھی کچھ یہی مشہور ہے کہ سنّی بریلوی لوگ میلا د شریف، سلام و قیام اور نذر نیاز کرتے ہیں اور دیوبندی وہابی یہ سب نہیں کرتے ۔ وہابی غیر مقلد رفع یدین کرتے اور اونچی آمین کہتے ہیں اور رافضی یعنی شیعہ لوگ صحابہ کرام کے لیے بدزبانی کرتے ہیں......اس سے زیادہ کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ اصل اختلاف کیا ہے ۔ فروعی کا لفظ تو بہت لوگوں کی زبان پر ہے مگر وہ اس کے معنی و مفہوم سے آگاہ نہیں ۔ اصولی بنیادی اختلاف فرقہ ہائے باطلہ سے کیا ہیں؟ مجھے بتایئے کہ کتنے استاد اور کتنے خطبا یہ سکھاتے، سناتے اور سمجھاتے ہیں؟ گھروں میں سنّی خواتین ہی ہیں جو ایصال ثواب کرتی رہتی ہیں اور اپنے بچوں کو کسی حد تک ان اعمال سے وابستہ کیے ہوئے ہیں لیکن وہ سب بھی اتنی معلومات نہیں رکھتیں کہ اختلاف واضح طور پر سمجھا سکیں۔

بارہ برس پہلے میں نے ''آخر اختلاف کیوں؟'' کے عنوان سے وڈیو بنائی جو دنیا بھر میں پہنچ چکی ہے ۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس نے انقلابی کام کیا اور خود سنّی بریلوی لوگوں کو اصل اختلاف سے آگہی ہوئی اور متعدد بدمذہب افراد کو بھی راہ ہدایت نصیب ہوئی ۔ اب ٹی وی چینلز کی بھرمار ہے اور ہماری نئی نسل اپنے صحیح اور سچے عقائد سے ناواقفی کی وجہ سے غیروں کو سن کر ان کی سی سوچ اپنانے لگی ہیں جسے آپ نے سوال میں فرق باطلہ کے وابستگان کی تعداد میں اضافہ قرار دیا ہے ۔ مجھے بتایئے کہ آپ کی طرف سے صرف یہی کہا جاتا ہے کہ فلاں کو نہ سنو، وہ گمراہ ہے ۔ کیا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے؟ کیا اہلِ سنّت و جماعت نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا کہ ان کا اپنا معیاری

ٹی وی چینل ہوتا کہ وہ اپنا صحیح موقف ہر گھر تک پہنچا سکیں ۔ عالمی معیار کا کوئی اخبار یا رسالہ ایسا ہے جو مسلکِ حق کی ترجمانی کرتا ہو؟

مختلف جامعات سے ہر سال علوم وفنون کے کتنے فاضل اسناد حاصل کرتے ہیں اور کن شعبوں میں تعینات ہوتے ہیں، کیا کسی نے اس کی بابت جاننے کی کوشش کی کہ ان میں مسلکِ حق کے وابستگان کتنے ہیں؟ ان سے کبھی رابطہ رکھا؟ آج میڈیا میں کہاں کہاں اپنے نمائندے ہونے چاہئیں کیا اس حوالے سے تربیت واہلیت کی کوئی ورک شاپ ہوتی ہے؟ انٹرنیٹ پر ترجمہ وتفسیر قرآن اور سیرت رسول پاک ﷺ کا اہم زبانوں میں مسلک حق کے حوالے سے کوئی کام کسی نے کیا؟ نتائج حاصل کرنے کے لیے جس توجہ اور محنت کی ضرورت ہے، کیا وہ کی جاتی ہے؟ ہم میں سے ہر شخص کو خود سے یہ پوچھنا چاہیے کہ کیا وہ خود کو حاصل صلاحیت وقابلیت کا حق ادا کر رہا ہے؟ مسلکِ حق کی خدمت پوری طرح کر رہا ہے؟ کفر و ارتداد کے مجرموں نے ہمیں مطعون کرنا شروع کر دیا ہے تو ہم اپنی پالیسی اور کم زوریوں کا جائزہ لیں اور عملی طور پر اپنی تمام تر استعداد بروے کار لا کر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیں۔

سوال: پاکستان میں سوادِاعظم اہلِ سنّت و جماعت کی دینی و دعوتی سرگرمیاں کس نہج کی ہیں اور ان کے اثرات کیا ہیں؟

جواب: قیام پاکستان کے فوراً بعد اہلِ سنّت و جماعت کی یہاں علمی روحانی قیادت عمدہ رہی۔ اکابر علما ومشائخ کی خاصی تعداد نے ملت کی رہ نمائی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان ہستیوں کے وابستگان نے اس کام کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ بڑھایا۔ رئیس المحدثین حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد الوری، محدث اعظم حضرت مولانا محمد سردار احمد فیصل آبادی (لائل پوری)، حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی، حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی اور متعدد شخصیات نے سیکڑوں افراد کو قابل بنایا۔ سیاست میں حضرت مولانا ابوالحسنات قادری، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، حضرت پیر سید فیض الحسن شاہ جیسی شخصیات نمائندگی کرتی تھیں۔ خانقاہوں میں علی پور سیداں، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑا شریف، شرق پور شریف، کرماں والا شریف، مثالی رہیں۔ ان بزرگوں کے معاصرین اور متاثرین نے بہت عمدہ خدمات انجام دیں۔ اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ ہی کی خدمات کا میں خود آج تک احاطہ نہیں کر پایا، سمتوں میں ان کے نام اور کام کی گونج اور دھوم ہے۔

گزشتہ دو تین دہائیوں میں بہت تیزی سے اکابر علما و مشائخ اس دار فانی سے رخصت ہوے۔ درس گاہوں میں پہلے سے معلم و مدرس نہ رہے اور خانقاہیں مجاہدے و مشاہدے کے غازیوں سے خالی ہوتی چلی گئیں۔ تاہم اس عرصے میں کتابوں، کیسٹوں، جلسوں کا سلسلہ عروج پر رہا پھر نعت خوانی کی محفلوں نے رواج پایا اور رات بھر جگہ جگہ محفلیں ہونے لگیں۔ اس دوران دعوت اسلامی نے خوب فروغ پایا۔ متعدد اشاعتی اداروں اور تنظیموں نے دینی دعوت کے لیے بہت کام کیے۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے حوالے سے بہت کام ہوا۔ کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں انجمن طلباءِ اسلام نے بہت کام کیا۔ ایسے اسکول بھی بنائے گئے جن میں نصابی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی رکھی گئی۔

رفاہی فلاحی خیراتی ادارے بھی سرگرم عمل ہوئے، ہسپتال بھی بنائے گئے، ایمبولینس سروس، میت گاڑیاں، ادویات کی مفت فراہمی کے لیے مزارات پر کلینک اور ایسے کئی کام کیے گئے۔ الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت کو سمجھتے ہوے اس طرف بھی خاصے افراد متوجہ ہوے۔ درس قرآن کے اجتماع متعدد شہروں میں باقاعدگی سے ہونے لگے۔ خواتین کے لیے مدرسے بنائے گئے اور ان کے لیے درس قرآن وحدیث کے اجتماع بھی ہونے لگے۔ کچھ خانقاہوں میں اعراس کے علاوہ سالانہ اجتماع بھی ہونے لگے۔ اصلاحی اجتماع ہر عنوان اور ہر شعبے سے متعلق بھی ہوتے رہے۔ مساجد کو غیروں کے قبضے سے بچانے کے لیے سنّی تحریک کے نام سے تنظیم قائم ہوئی جو

اپنے قائدین کی شہادت کے بعد وہ دم خم نہ رکھ سکی۔ متعدد ماہ نامے اور روز نامے جاری ہوئے۔ انٹرنیٹ سے بھی کام لیا جانے لگا۔ جلوس اور ریلیوں کا سلسلہ بھی رہا۔ یہ مختصر جھلک ہے اور ان سب کے ذریعے لوگوں کو دین و مسلک کی طرف راغب اور پختہ رکھنے کے لیے کام ہوا اور گہما گہمی رہی۔ بکھرے رہ کر بھی کام ہوتا رہا اور جاری ہے۔ علمی روحانی سیاسی متفقہ قیادت نہیں رہی اس لیے کچھ کمزوریاں ہیں، مگر میں مایوس نہیں ہوں۔ اللّٰہ کریم جل شانہ کرم فرمائے۔

سوال: ہماری نئی نسل جو اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں سے تعلیم یافتہ ہیں، اسلام سے ان کی واقفیت برائے نام ہے، انہیں اسلام اور بانی اسلام کی آفاقی تعلیمات اور سُنّتوں سے کیسے آشنا کرایا جائے؟

جواب: اس حوالے سے ضروری بات یہ ہے کہ بچوں کو ان کے والدین اور ابتدائی استاد اگر صحیح تعلیمات بحسن وخوبی یاد کروادیں تو بعد میں بہت زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ مسلمان والدین خود اگر معلومات نہیں رکھتے تو اپنے علما کی کتابوں اور تقریروں سے سیکھیں۔ ہمارے گھروں کے بچے گیارہویں شریف تو سنتے دیکھتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ گیارہویں شریف کے معنی ومفہوم کیا ہیں؟ حاضر و ناظر اور علم غیب کی بات کیا کروں، کتنے لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ وتر یا قنوت کے کیا معنی ہیں؟ گھروں میں اگر محنت نہیں ہوسکی تو اسکول کے بچوں کے لیے سوال و جواب کے انعامی مقابلے، مختصر دل چسپ کتابچے اور قرأت ونعت کی نشستیں مفید ہوں گی۔ کالج اور یونی ورسٹی کے طلبہ سے مسلسل رابطے اور سلجھی ہوئی آسان گفتگو کرنے والے علما سے ان کی ملاقاتیں بہت مفید ہوتی ہیں۔ طلبا کو محفلوں میں بلا کر تقریر و گفتگو کا موقع دینا اور ان کی حوصلہ افزائی، ان کی ترجیحات دیکھتے ہوئے اسی شعبے میں ان کو ایسے کام کی دعوت دینا کہ وہ حصہ لیں اور اس بہانے دین کی طرف راغب ہوں۔ عمدہ اور آسان دینی کتب انہیں فراہم کرتے رہنا اور انہیں لکھنے پڑھنے کا شوق دلاتے رہنا بھی مفید ہوتا ہے۔ اس حوالے سے الیکٹرانک میڈیا کے اس دور میں انہیں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے زیادہ مشغول رکھا جاسکتا ہے۔ ہمارے علما اور ائمہ مساجد کو وقت کی کمی اور اپنی مشغولیات کی کثرت کا شکوہ رہتا ہے۔ تربیت یافتہ نوجوانوں ہی سے نوجوانوں کو دین سے واقف کروانے کا کام زیادہ موثر اور مسلسل ہوسکتا ہے۔

سوال: کیا دعوت وتبلیغ محض علمائے کرام کا فرضِ منصبی ہے یا اُمتِ مسلمہ کا ہر فرد اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق دعوت کا کام انجام دے؟

جواب: قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اس حوالے سے واضح رہ نمائی موجود ہے۔ دعوت وتبلیغ کا مفہوم شروع میں بتاچکا ہوں۔ نیکی اور بھلائی کی دعوت اور تبلیغ تو ہر مسلمان کو کرنی چاہیے۔ کیوں کہ انہیں خیر امت قرار دے کر ان کا وصف یہی بتایا گیا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے درجے اور مراحل ہیں، قاعدے اور ضابطے ہیں۔ ہر سطح پر یہ کام ہونا چاہیے اور صحیح طریق سے ہونا چاہیے۔ ضروری ہے کہ ہر مسلمان خود کو اس کا اہل بنائے۔ جو علم ولیاقت اور استعداد نہیں رکھتے وہ بھی معاون ہوسکتے ہیں۔ جو علم نہیں رکھتا وہ وقت دے، جو وقت نہ دے سکے وہ مال دے۔ جو مال نہ رکھتا ہو وہ علما ومبلغین کا ساتھ دے تاکہ دعوت وتبلیغ میں سب شامل ہوجائیں۔ اس باب میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ مختصراً یہ کہوں گا کہ ایک سطح تک تو ہر ایک کو یہ کام کرنا چاہیے لیکن جہاں ناواقف کو لب کشائی کی اجازت نہیں وہاں وہ مفتی بننے کی کوشش نہ کرے۔

سوال: مدارسِ اسلامیہ کے فارغین اور طلبہ میں دعوتی مزاج کیسے پیدا کیا جائے؟ کیا مدارسِ اسلامیہ میں تخصص فی الدعوۃ کی ضرورت محسوس نہیں کی جارہی ہے؟

جواب: دینی درس گاہوں ہی سے اصحاب الدعوۃ تیار ہوتے ہیں اور درس گاہیں ہی وہ قلعے ہیں جو سیکڑوں برس سے دین وملت کی پاس بانی کررہے ہیں۔ امام، خطیب، مدرس اور معلم بھی دعوت وتبلیغ ہی کا

فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اگر انہیں مسلسل قافلوں میں بھیجا جاتا رہے تو پھر ان کا کام کون کرے گا؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ سال بھر میں وہ کچھ وقت اس طرح بھی دعوت وتبلیغ کو نکلیں کہ اس طرح بہت سی باتیں ان کے مشاہدے میں آئیں گی اور تجربات بھی ہوں گے جو اُن کے نصب العین میں معاون ہوں گے۔ تخصص فی الدعوۃ کی تو نہیں البتہ مبلغین کی تربیت کی ضرورت ہے۔ مدارس کے طلبہ سے ہفتے میں ایک دن کا کچھ حصہ یہ کام کروایا جائے تو ان میں یہ مزاج اُجاگر ہوگا لیکن بایں ہمہ یہ عرض کروں گا کہ ائمہ مساجد، مؤذنین اور خطبا اپنے اپنے علاقے میں خود بھی یہ کام کرتے ہیں اور کرسکتے ہیں۔ مبلغین کو علماے حق کے پاس بیٹھ کر مشورت جاری رکھنی چاہیے، رہ نمائی لیتے رہنا چاہیے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ تمام مبلغین تو مدارس سے فارغ نہیں ہوتے اور کچی باتیں کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور وہ مدارس کے طلبہ کو ساتھ لے جانا تو چاہتے ہیں مگر ان کی بجائے خود تبلیغ کرتے ہیں تو مدارس کے فارغین یا طالب علم اس رویے سے مانوس نہیں ہوپاتے۔ مدارس کے اساتذہ کے تعاون سے اس بارے میں بات چیت کر کے مناسب انتظام ہوسکتا ہے لیکن خیال رہے کہ طلبہ کا تعلیمی تدریسی معمول متاثر نہ ہو۔

سوال: آپ نے درجنوں ممالک کا دعوتی وتبلیغی دورہ کیا ہے، اپنے دعوتی تجربات سے آگاہ فرمائیں؟

جواب: سچ عرض کروں کہ مَیں نے ہر دورے میں بہت کچھ سیکھا۔ بہت تفصیل ہے مختصراً عرض کرتا ہوں: مجھے زبانیں سیکھنے، لوگوں کے مزاج سمجھنے اور خود صبر، توکل، قناعت، تحمل برتنے کے تجربے ہوئے۔ سب سے زیادہ اثر میری تحریر وتقریر پر یہ ہوا کہ آسان لفظوں کا استعمال مرغوب ہوگیا۔ بات سمجھانے کے لیے غور وفکر کی عادت سی ہوگئی۔ دوسرے ملک یا علاقے میں جا کر وہاں کے مسائل پر رائے زنی سے پہلے وہاں کے علما واحباب سے مشورت کی ضرورت اور اہمیت کا احساس ہوا۔ بحمدہٖ تعالیٰ محنت کا خوگر ہوں، وقت اور وعدے کی پابندی کی کوشش کرتا ہوں، دوسرے ملکوں میں کام کرنے ہی میں وقت گزارا اور اس کے فائدے دیکھ کر ایمانی خوشی ہوئی۔ غیر مسلموں سے بات کرنے سے بہت اندازے ہوئے کہ کس طرح انہیں دعوت دینی ہے۔ جو میرے ذریعے مسلمان ہوئے ان کی تربیت کرتے ہوئے خود میں نے بہت کچھ سیکھا۔ ہر دم خیال رہا کہ لوگ دین کی وجہ سے میری عزت کرتے ہیں۔ میرا کوئی قول وفعل انہیں آزردہ نہ کرے اور وہ مجھ سے بدظن ہو کر دین سے دور نہ ہوں۔ سچ عرض کروں کہ مجھے نیند بھی پوری کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا مگر ہر نشست کو کارآمد بنا کر قلبی آرام پاتا رہا۔ دعوتی تجربات کے واقعات لکھوں تو بہت تفصیل ہو جائے گی۔

قافلوں میں جانے والے مبلغین یا تنہا سفر کرنے والے علما کو دوسرے ممالک میں جا کر بہت احتیاط رکھنی چاہیے، لوگ ان کی نشست وبرخاست اور ان کے اطوار وعادات بھی توجہ میں رکھتے ہیں۔

سوال: اپنے والد ماجد خطیبِ اعظم حضرت علامہ شفیع احمد اوکاڑوی علیہ الرحمہ کی دینی دعوتی خدمات پر روشنی ڈالیں؟

جواب: میرے والد گرامی کا اسم مبارک خطیبِ اعظم حضرت علامہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی (رحمۃ اللّٰہ علیہ) ہے۔ ماہ نامہ جہانِ رضا لاہور کے لیے حضرت پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے مجھ سے ایک مضمون میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھنے کو فرمایا تھا، اس مضمون کی اشاعت ممبئی میں تحریک فکر رضا کے بانی جناب محمد زبیر قادری نے اپنے سہ ماہی ''افکار رضا'' میں بھی کی، اس کے علاوہ بھی متعدد تحریریں ہیں۔ 700 صفحات کی ضخیم کتاب دوسرے سالانہ عرسِ خطیبِ اعظم پر ان کے بارے میں شائع کر چکا ہوں۔ مختصراً یہاں کچھ عرض کرتا ہوں۔ ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کی ولادت سے قبل سلسلہ عالیہ نقش بندیہ کے ممتاز روحانی پیشوا حضرت شیر ربّانی میاں شیر محمد شرق پوری رحمۃ اللّٰہ علیہ نے میرے دادا جان کو بشارت سنائی تھی کہ ''نور کی نہریں چلیں گی''۔ ابا جان قبلہ کی ولادت 2 رمضان المبارک 1348ھ کو ہوئی اور

وصال 21 رجب 1404ھ کو ہوا۔ اس مختصر عرصۂ حیات میں اس بشارت کا ظہور سبھی نے دیکھا۔ تعلیم و تدریس کے علاوہ اٹھارہ ہزار سے زائد تقاریر، تیس کے قریب اہم تحقیقی علمی بہت مفید تصانیف، سیکڑوں فتاوی، مقالے اور مضامین، اندرون ملک مسلسل اور متعدد ممالک کے اسفار، سیکڑوں مساجد و مدارس کا قیام اور سرپرستی، تین مساجد کی خود تعمیری نگرانی و تکمیل، جماعتِ اہلِ سنّت کا قیام اور اس کے لیے متعدد مساعی، جنوبی افریقا میں مسلکِ حق کے لیے تجدیدی مثالی خدمات اور جماعتِ اہلِ سنّت کا قیام، متعدد مناظرے، بالخصوص کراچی شہر میں مسلک حق کی ترویج و اشاعت کے لیے تجدیدی کارہائے نمایاں، تحریک پاکستان، تحریک تحفظ ختم نبوت، تحریکِ نفاذِ نظام مصطفیٰ (ﷺ) میں اہم قائدانہ کردار (دس ماہ اسیر رہے، پہلے دو فرزند انہی دنوں ایک ہفتے میں انتقال کر گئے)، کراچی میں تین مرتبہ شدید قاتلانہ حملے ہوے، تین ہزار سے زائد افراد کو حلقہ بگوش اسلام کیا، لاکھوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی۔ اپنی طرز خطابت کے موجد اور شہنشاہ اقلیم خطابت شمار ہوے، صرف ایک شخص کا خطاب سننے کے لیے جو ہجوم ان کے جلسوں میں دیکھا گیا وہ بھی ایک مثال ہے۔ نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوے۔ وفاقی مجلس شوری میں شرعی قوانین کے نفاذ کے لیے اہم خدمات، ملک میں ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے قانون منظور کروانے کے لیے مسلسل جدوجہد، فروغ نعت کے لیے مثالی خدمات ......ان کے اساتذہ و مشائخ بھی ان پر فخر کرتے رہے۔ انہیں متعدد مشائخ سے سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ 16 مرتبہ حج و زیارت اور عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ خواب میں تین مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، ہاتھوں کی انگلیوں سے زلفِ رسولِ کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں شانہ کیا۔ 55 برس کی مختصر عمر پائی، تنِ تنہا صدیوں کے کام کیے، نور کی نہریں ہی چلتی رہیں۔ وہ عہد آفریں اور انقلابی ثابت ہوئے۔ دعوت اسلامی انہی کا فیضان ہے اور انہی کی بنائی ہوئی مسجد گل زارِ حبیب سے اس کا آغاز ہوا۔ حضرت مولانا غلام رسول سعیدی (شارح مسلم شریف) نے خود مجھے بتایا کہ میرے والد گرامی کو دیکھ کر انہوں نے عزم کیا کہ ان جیسا بننا ہے۔ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کو یہ سعادت بھی کیا خوب حاصل ہوئی کہ ان کی سماعت میں پہلی آواز جو پہنچی وہ دُرود وسلام کی تھی اور ان کی آخری آواز جو سُنی گئی وہ بھی دُرود وسلام کی تھی۔

سوال: مبلغین وقارئین سُنّی دعوت اسلامی کے لیے آپ کا پیغام؟

جواب: ''سُنّی دعوت اسلامی'' کا قیام کیسے ہوا؟ اس بارے میں کچھ سنا ہوا ہے لیکن میں اس نام سے متفق نہیں ہوں۔ ''دعوت اسلامی'' کے نام سے موجود اس سے پہلے تحریک و تنظیم بھی یقیناً ''سُنّی'' ہے۔ ہوسکے تو آپ اپنی تنظیم کے نام پر نظر ثانی فرمائیں اور جب دونوں عنوان ایک ہی مسلک کے وابستگان کے ہیں تو متحد و منظّم ہوکر کام کیا جائے۔ کیوں کہ مقصد بھی ایک ہی ہے۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم الخ والا حال نہ ہو۔ ہمارا بکھرے رہنا ہماری کم زوری ہوگا۔

مبلغین کو اپنی نجی خانگی زندگی بھی بہتر بنانی چاہیے اور اپنے گھروں میں مثالی شوہر، باپ اور بیٹا ہونا چاہیے۔ وعدے کی پابندی اور وقت کی قدر دوسرے لوگوں کی نسبت مبلغین میں زیادہ پائی جائے۔

اسلوب اور انداز میں ہر وہ بہتری ہونی چاہیے جو ضروری اور مؤثر ہو۔ اللہ کریم جل شانہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ہم سب کو صدق و اخلاص کے ساتھ دین وملت کی سچی اور بھرپور خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھ سے اس تحریر میں کہیں کوئی غلطی ہوئی ہو تو اللہ کریم کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

علامہ افتخار احمد مصباحی سے لیا گیا انٹرویو

فرزندان اشرفیہ کا دعوتی اور علمی انقلاب بر پا کرنے میں بڑا اہم رول رہا ہے، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی حضرت داعی اسلام علامہ افتخار احمد قادری مصباحی مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے، آپ کی ولادت ۳ر شوال المکرّم ۱۳۷۰ھ میں گھوسی کی سرزمین پر ہوئی، ابتدائی تعلیم شمس العلوم گھوسی میں ہوئی اور ۱۹۷۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے دستار فضیلت حاصل کی، ۱۹۶۷ء میں مولوی کا امتحان الہ آباد بورڈ سے پاس کیا، اور الہ آباد بورڈ لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان پاس کیا ۱۹۷۴ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عربی ادب میں تخصص کیا، اس کے علاوہ مختلف تعلیمی اداروں سے دوسری ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ اسلامیات وادبیات میں آپ کی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت حافظ ملت قدس سرہ نے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی تدریسی خدمات کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۲ء تک الجامعۃ الاشرفیہ سے منسلک رہے، اپنے زمانہ تدریس میں طلبہ کے مابین نہایت مقبول ومحبوب تھے، ادھر ۲۰۰۲ء سے دارالعلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ میں علم حدیث کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی تدریس میں مصروف ہیں۔ تدریسی خدمات کے علاوہ آپ مختلف موضوعات پر تقریباً پندرہ کتابوں کے مصنف ومترجم بھی ہیں جن میں امام احمد رضا قدس سرہ کا اردو رسالہ ''الفضل الموہبی'' کا عربی ترجمہ، الادب الجمیل، فضائل القرآن، حیات الانبیا عربی اور عصمت انبیا ومرسل امام زہری قابل ذکر ہیں۔ دعوتی مقاصد کے تحت آپ نے مختلف ممالک کے سفر کئے، دعوت وتبلیغ کے میدان کا آپ کو ایک طویل تجربہ ہے، اسی لیے ہم نے دعوت نمبر کے لیے حضرت سے ایک انٹرویو لیا تاکہ دعاۃ ومبلغین اور ہمارے قارئین حضرت کے تجربات سے استفادہ کرسکیں، لیجئے پیش خدمت ہے حضرت سے لیا گیا تازہ ترین اہم انٹرویو: (معاون ایڈیٹر)

سوال۔ آپ کئی سالوں سے دعوت وتبلیغ کے میدان میں سرگرم ہیں اور ادھر چند سالوں سے جنوبی افریقہ میں مقیم ہیں آپ اپنے تجربات کی روشنی میں بتائیں کہ افریقہ میں مبلغین کو کس نہج پر کام کرنا ضروری ہے؟

جواب۔ جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک میں اسلام کی نشر و اشاعت کرنے کے لیے اسلوبِ نبوت اور حکمت کو اختیار کرنا لازمی ہے۔ اگر پیش نظر کلمہ گو ہے اور وہ تعلیماتِ اسلامی سے نابلد ہے تو اُسے بھی حکمت کے ساتھ تعلیماتِ اسلامی سے روشناس کرایا جائے اور اگر وہ غیر مسلم ہے تو بھی اسلوبِ نبوت وحکمت کو ہی بروئے کار لایا جائے۔ اس کی بعض جھلکیاں مَیں نے اپنے مختصر مضمون ''اسلامی دعوت میں اسلوبِ نبوت'' میں پیش کی ہیں اور صرف افریقہ یا جنوبی افریقہ میں ہی نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر مقام پر قرآنی حکمت اور اسلوبِ نبوت سے ہی استفادے کی ضرورت ہے اور یہی صحیح نہج ہے۔

سوال۔ افریقہ کے مختلف صوبوں اور شہروں میں سوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کی دعوتی ودینی سرگرمیاں کس نہج کی ہیں اور اُن کے اثرات کیا ہیں؟

جواب۔ جنوبی افریقہ کے بیشتر شہروں اور صوبوں میں اہلِ سُنّت کی دعوتی سرگرمیاں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے و پروگرام، جمعہ کے اجتماعات اور ذکر کی محافل کی شکلوں میں جاری وساری ہیں اور بہت موٴثر ہیں۔ درس گاہوں کی دنیا میں البتہ دارالعلوم قادریہ غریب نواز، لیڈی اسمتھ نے تھوڑے عرصے میں بڑی پیش رفت کی ہے اور چند ہی سال میں اس کے فارغین نہ صرف جنوبی افریقہ میں بلکہ پڑوسی ممالک میں بھی اپنے اپنے میدانِ عمل میں بڑی تیزی سے اُتر رہے

ہیں، اہلِ سُنّت کی سرگرمیوں میں اضافہ کر رہے ہیں اور اہلِ سُنّت کے حلقۂ عمل کو وسیع کر رہے ہیں۔

سوال۔ کہا جا رہا ہے کہ دنیا بالخصوص یورپ و امریکہ کے باشندے بڑی تیزی سے اسلام قبول کر رہے ہیں یا اسلام کا مطالعہ کر رہے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

جواب۔ یقیناً یورپ، امریکہ اور افریقہ میں اسلام کے پھیلنے کا جو جائزہ میرا ہے اُس کے مطابق یہ درست ہے کہ اسلام کی روشنی ہر طرف بتدریج پھیل رہی ہے، ایسے میں وہ داعیان و مبلغین جو اس میدان میں کام کر رہے ہیں وہ اس پر اپنی محنت اور کچھ بڑھا دیں تو اسلام اور تیزی سے پھیلنے لگے گا۔

اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختصر چھوٹی چھوٹی کتابیں تعلیماتِ اسلامی کی نورانیت اور حقانیت کو واضح کرنے کے لیے طبع کی جائیں اور اسلام کی پیاسی دنیا کو فراہم کی جائیں۔ اس طرح کی ایک چھوٹی کتاب ''اسلامی تعلیمات'' ''Islamic Teaching'' کے نام سے انگلش میں خادم کے قلم سے چند سال پہلے شائع ہوئی ہے، جس سے بے شمار افراد نے تعلیماتِ اسلامی کی خوبیوں اور برتریوں سے آگاہی حاصل کی اور انگلش کے علاوہ ملاوین ''Malavian'' زبان میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہوا اور مفید ثابت ہوا۔

سوال۔ یہ بتائیں کہ افریقہ میں اہلِ سُنّت و جماعت کا کس فرقے سے زیادہ تصادم رہتا ہے؟

جواب۔ جنوبی افریقہ میں کسی خاص فرقے سے کھلا ہوا تصادم نہیں، اہلِ سُنّت اپنے اپنے میدانِ عمل میں سرگرم ہیں اور دیگر فرقے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اس لیے بھی اگر یہاں مثبت انداز کے کام کیے جائیں تو یقیناً میدان اہلِ سُنّت کا ہی ہوگا۔ ادھر چند سالوں سے اہلِ سُنّت کے افراد کافی حد تک متحرک ہوئے ہیں جس کی برکات ہر طرف عیاں ہیں۔

سوال۔ کامیاب داعی دین ہونے کے لیے کن علوم و اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے؟

جواب۔ داعی جو عالم ہو وہ یقیناً سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب و وارث ہے۔ اس لیے اسے علومِ نبوت اور معارفِ رسالت سے خوب آراستہ ہونا ناگزیر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نائبین کے بارے میں فرمایا: **اللھم ارحم خلفائی قالوا من خلفائک یا رسول اللّٰہ قال الذین یروون احادیثی ویعلمونھا الناس** (ارشادالساری شرح صحیح البخاری)

ترجمہ: اے اللہ میرے نائبین و خلفا پر کرم فرما۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا، آپ کے خلفا کون ہیں، یا رسول اللہ؟ حضور نے فرمایا: وہ لوگ ہیں جو میری حدیثوں کو روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو ان حدیثوں کی تعلیم دیتے ہیں، ان حدیثوں کا مفہوم و معنی اور ان سے نکلنے والے احکام لوگوں کو سکھاتے ہیں۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا کہ میری نیابت کا فریضہ وہی انجام دے سکتے ہیں جو زیورِ علم سے مرصع ہوں۔

علومِ نبوت سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ داعی اخلاقِ نبوی سے آراستہ ہوں، کیونکہ اخلاقِ کریمانہ سے لوگ بہت جلد متاثر ہوتے ہیں۔ ہر داعی کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ پیدا کرے، **لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ**: بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونۂ عمل ہے۔

اور حدیث پاک میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**: مَیں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کروں۔

جب داعی زیورِ علم اور زیورِ اخلاق دونوں سے مزین ہوگا تو یقیناً دعوت و تبلیغ کا فریضہ صحیح معنوں میں انجام دے سکے گا۔

سوال۔ کچھ ایسی کتابوں کے نام بتائیں جو داعیانِ دین کے اخلاق و کردار کو سنوارنے میں مدد و معاون ہوں۔

جواب۔ احیاء العلوم، علامہ امام غزالی کی، غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فتوح الغیب و غنیۃ الطالبین، علامہ قاضی عیاض کی الشفاء، حضرت صدر الشریعہ کی اسلامی اخلاق و آداب ان کے علاوہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ کے ابواب آداب اور اخلاق کا مطالعہ مبلغین کے لیے بہت ضروری ہے۔

سوال۔ آپ نے اب تک کن ممالک کا دینی و دعوتی دورہ کیا ہے؟

اپنے تجربات سے قارئینِ سُنّی دعوت اسلامی کو آگاہ فرمائیں۔

جواب۔ دبئی، مصر، یمن اور لسوتو (افریقہ) ان ملکوں اور شہروں میں گیا اور اہلِ سُنّت کی سرگرمیوں کا ایک سرسری جائزہ لیا، تو میرا وہ احساس جو ان ممالک میں جانے سے پہلے تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔ وہ یہ کہ اہلِ سُنّت کی سرگرمیاں ان ممالک میں بہت محدود ہیں مگر اب اہلِ سُنّت میں نئی بیداری اور نئی لہر ان ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ جس طرح یورپ و امریکہ کے بے شمار شہروں میں اہلِ سُنّت کی سرگرمیاں بہت تیزی سے بڑھ رہی ہیں اُسی طرح مذکورہ ملکوں اور شہروں میں بھی اہلِ سُنّت کے مراکز برسرِ عمل ہو چکے ہیں۔ میرے تجربات کا حاصل یہ ہے کہ مثبت انداز میں ان مقامات پر کام کیا جائے تو مستقبل میں بڑے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

سوال۔ عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کو مؤثر بنانے کے لیے الیکٹرانک میڈیا کا بدل کیا ہے؟

جواب۔ عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کو مؤثر بنانے کے لیے خود الیکٹرانک میڈیا کا استعمال درست ہے بشرطیکہ شرعی قباحتیں اُن میں نہ آئیں۔ جو اشیا شرعاً ممنوع و قبیح ہیں وہ یقیناً ممنوع و قبیح ہی ہیں۔ مثلاً الیکٹرانک میڈیا کا ایک حصہ email بھی ہے۔ اس کی افادیت سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کو قومیا لینا بہت افضل عمل ہوگا (ہر ملکے ملکے ما است ☆ کہ ملکے خدائے ما است)

سوال۔ مدارسِ اسلامیہ کے نصاب و نظامِ تعلیم میں جزوی یا کلّی ترمیم سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

جواب۔ مدارسِ اسلامیہ کے نصاب میں لازماً تبدیلی کرنی چاہیے اور ہمیشہ کرنی چاہیے۔ دنیا کی بیدار قومیں ہمیشہ اپنے نصابِ تعلیم پر نظر رکھتی ہیں اور اُن میں تبدیلیاں بھی لاتی رہتی ہیں۔ خاص طور سے فلسفۂ قدیمہ کو نصاب سے خارج کر دینا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ امام احمد رضا قدس سرہ نے تقریباً ایک صدی قبل ''الکلمۃ الملھمۃ'' کے ذریعے اس فلسفہ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ ہاں اس کی اصطلاحات سے طلبہ کو روشناس کرانا بھی ضروری ہے، کیونکہ ہمارے متعدد مراجع میں یہ اصطلاحیں موجود ہیں۔

سوال۔ سُنّی دعوت اسلامی کی موجودہ سرگرمیاں دیکھتے ہوئے مستقبل میں اس سے آپ کی کیا توقعات وابستہ ہیں؟

جواب۔ عصر حاضر میں سُنّی دعوت اسلامی کی سرگرمیاں بلاشبہ بڑی اُمید افزا ہیں۔ یہ تحریک بڑے کم وقت میں دیکھتے دیکھتے بڑی دور دور تک پہنچ چکی ہے۔ اس کی خدمات ایشیا سے نکل کر یورپ، افریقہ اور امریکہ تک پھیل چکی ہیں اور مستقبل میں اس سے بڑی توقعات ہیں۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس کی خدمات اور سرگرمیوں کی رفتار میں اور اضافہ ہوگا کیونکہ اس کے مؤسس اور امیر حضرت علامہ مولانا قاری محمد شاکر رضوی دامت برکاتہ ایک مخلص قائد و پیشوا ہیں اور تحریک کو وسعت دینے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ''والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا'' اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں یقیناً ہم ان کو اپنے راستے کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یقیناً تحریک کے بانی اور اُن کے رفقا مذکورہ آیت کے مصداق ہیں اور بلاشبہ رب تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی راہیں کھول دی ہیں اور وہ ان پر رواں دواں منزلِ مقصود کی طرف پیش قدمیاں کر رہے ہیں۔ رب تعالیٰ اُن کو استقامت بخشے۔

سوال۔ مبلغین و قارئینِ سُنّی دعوت اسلامی کے لیے آپ کا پیغام؟

جواب۔ سُنّی دعوت اسلامی کے مبلغین، دعاۃ و قارئین کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ آپ نے جس میدان میں قدم رکھا ہے وہ بڑا مقدس اور عظیم ہے، آپ حضرات اس میں مسلسل پیش قدمیاں جاری رکھیں۔ یقیناً رب العزت کی طرف سے آپ کو تائید و نصرت ملتی رہے گی۔ ''ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم و یثبت اقدامکم'' (سورہ محمد ۷) اگر تم اللہ کے دین کی مدد و نصرت کرو گے تو اللہ تمہاری تائید و نصرت فرمائے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل رب العزت آپ کے اس مبارک مشن کو قبول فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔

اپنا شرف دعا سے ہے باقی رہا قبول
یہ جانیں اُن کے ہاتھ میں کنجی اثر کی ہے

☆☆☆☆☆

☆☆☆

باب نہم

متفرقات

اس باب میں متفرق اور مختلف موضوعات پر لکھی گئیں تحریریں شامل ہیں ایک مضمون نگار نے ''دعوت وتبلیغ اور محفلِ سوال و جواب'' پر قلم وقرطاس کا رشتہ جوڑا ہے۔انہوں نے یہ مضمون ایک ہی شخصیت کے حوالے سے لکھا ہے حالاں کہ تلاش وتتبع سے ایسی اور کئی مثالیں مل سکتی تھیں جن سے وہ اپنی تحریر کا خمیر تیار کر سکتے تھے۔بہر حال ان کی کاوش لائق تعریف ہے۔مولانا غلام نبی علیمی صاحب نے ''داعیانہ اوصاف اور اس کے مثبت اثرات'' پر بڑے اچھے رنگ وآہنگ میں اور بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے ان کے علاوہ بھی دیگر تحریریں لائق مطالعہ ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی مکی زندگی اور اس کی دعوتی اہمیت

ممتاز عالم مصباحی ★

دعوت کا مفہوم: لغت میں لفظ ''دعوت'' کا معنی مطلقاً بلانا ہے خواہ یہ بلانا کھانے پینے کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے جبکہ اصطلاح میں دعوت سے مراد ''الدعوۃ الی اللہ'' یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب بلانا ہے اور اس دعوت الی اللہ سے مراد اللہ عز وجل کے دین ''اسلام'' کی جانب بلانا ہے۔ کیوں کہ اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ (آل عمران، ۱۹)(اصول الدعوہ،ص/۵)

دعوت کا موضوع: دعوت کا موضوع اسلام ہے۔ (اصول الدعوہ ص/۷)

دعوت وظیفۂ رسول: اللہ تبارک وتعالیٰ نے بلا استثنا ہر قوم میں اپنا ایک رسول بھیجا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو صرف اللہ عز وجل کی عبادت کی دعوت دیں اور اس کے ماسوا کی عبادت سے منع کریں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت'' اور بے شک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو پوجو اور شیطان سے بچو'' (نحل، پارہ/۱۴، آیت/۳۶)

اس آیت کریمہ کے ذریعہ سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''دعوت الی اللہ'' تمام رسولوں کی ذمہ داری اور ان کا وظیفہ رہا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند رسولوں کے متعلق کچھ الگ الگ آیتیں بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ اللہ عز وجل نے آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''لقد ارسلنا نوحا الی قومہ قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ'' ''بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں'' (اعراف، ۵۹)

حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا: ''والی عاد اخاھم ھودا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ'' ''اور عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو بھیجا، کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں'' (ہود، ۵)

حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''والی ثمود اخاھم صالحا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ'' ''اور قوم ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (اعراف، ۷۳)

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا: ''والی مدین اخاھم شعیبا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ'' ''اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔'' (اعراف، ۸۵)

اسلام کے داعی اول: اللہ جل شانہ نے اسی طرح اپنے سب سے اول اور آخری نبی سید السادات، فخر موجودات جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو بھی اپنے پسندیدہ دین اسلام کا داعی اول بنا کر مبعوث فرمایا جیسا کہ متعدد آیات مقدسہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اس قبیل کی چند آیتیں تحریر کی جاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یا ایھا النبی انا ارسلناك شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا'' ''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب'' (احزاب، ۴۵، ۴۶)

ایک دوسری جگہ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوت کا حکم دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: ''وادع الی ربك انك لعلی ھدیً مستقیم'' اور اپنے رب کی طرف بلاؤ بے شک تم سیدھی راہ پر ہو'' (حج، ۶۷)

سورۂ قصص میں اس طرح ارشاد فرمایا: ''وادع الی ربك ولا تکونن من المشرکین'' ''اور اپنے رب کی طرف بلاؤ اور ہرگز شرک والوں میں سے نہ ہونا'' (قصص، ۸۷)

یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین کو بتانے کے لیے اپنے رسول کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:''قل انما امرت ان اعبدالله ولا اشرك به اليه ادعو واليه مآب ''تم فرماؤ مجھے تو یہی حکم ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤں میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے پھرنا ہے'' (رعد،۳۶)

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری کی ۴۰؍بہاریں دیکھنے کے بعد اللہ جل شانہ کے حکم سے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کیا اور اس کے ساتھ ہی تعلیمات وہدایات ربانیہ کی روشنی میں انتہائی حکمت ومصلحت کے ساتھ دعوت الی اللہ کا اہم فریضہ انجام دیا، جس کے لیے انہیں حد درجہ کٹھن اور صبر آزما حالات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس امر کی تفصیل میں جانے سے قبل بہتر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن حالات میں اپنے دعوتی کام کا آغاز فرمایا اس کی ایک جھلک پیش کر دی جائے اور اس کے ساتھ ہی خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی مکی زندگی پر مختصر روشنی ڈال دی جائے تاکہ آپ کی مکی زندگی اور اس کی دعوتی اہمیت سمجھنا زیادہ آسان ہو جائے۔

زمانہ ماقبل اسلام:۔ اسلام کے جلوہ فگن ہونے سے قبل عرب کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی تمام اقوام عرب بغیر کسی استثناء کے بت پرست، ملحد، قاطع الرحم، اللہ کے ذکر سے روگردانی کرنے والی، ستاروں اور پتھروں کو پوجنے والی تھیں۔ گوہ، بچھو، سانپ اور مردہ جانوروں کو کھاتی تھیں۔ قحط اور خشک سالی میں اونٹوں کو زخمی کر کے ان کا خون پیا کرتی تھیں۔ اونٹ کا گوشت ان کی عمدہ غذاؤں میں سے تھا۔ بات بات پر لڑنا اور ایک عرصۂ دراز تک اس کا جاری رکھنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ قتل وغارت گری، رہزنی ان کا معمول تھا۔ قمار بازی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ انہیں بدکاری سے نفرت نہ تھی اور شراب نوشی کا انہیں حد درجہ شوق تھا وغیرہ وغیرہ۔ (تاریخ ابن خلدون، ج؍۱،ص؍۲۸)

قبل بعثت کی مکی زندگی:۔ ایسے حالات میں اللہ جل وعلا نے اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان گمراہ قوموں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنا پیغمبر اور برگزیدہ رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ ولادت باسعادت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی خالص طور پر بہت ہی کٹھن مراحل سے گزری۔ آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل ہی شام کے تجارتی سفر سے واپسی کے دوران مرض کے سبب اپنے ننیہال یثرب میں قیام کے دنوں میں وصال کر گئے۔ بعد ازاں جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدۂ محترمہ حضرت سیدہ طیبہ وطاہرہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ کے سفر سے واپسی کے دوران جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی ان کے ہمراہ تھے۔ مقام ''ابواء'' میں پہنچ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔ اس کے بعد آپ کی کفالت کی ذمہ داری آپ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب نے لے لی۔ لیکن ٹھیک دو سال کے بعد وہ بھی وصال کر گئے۔ البتہ انہوں نے وفات کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو بلا کر حضور کی تربیت وپرورش کرنے کی وصیت کی۔ ابوطالب نے اس فرض کو بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی قطعی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جب سوتے تو ساتھ لے کر سوتے۔ باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ (سیرت النبی، ج؍۱،ص؍۱۲۷، نیز ابن خلدون، ج؍۱،ص؍۳۵)

شام کا پہلا سفر:۔ جب آپ کی عمر شریف بارہ برس کی ہوگئی تو آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ بغرض تجارت ملک شام کا سفر کیا۔ مورخین کے مطابق بحیرہ کا مشہور ومعروف واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب ابوطالب بصریٰ میں پہنچے تو عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرہ تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ یہ ''سیدالمرسلین'' ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیوں کر جانا؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدہ میں جھک گئے۔ (سیرت النبی، ج؍۱،ص؍)

دوسرا سفر اور حضرت خدیجہ سے عقد: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی کا تجارتی سامان لے کر شام تشریف لے گئے۔ ان کا غلام میسرہ بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ اس سفر کے دوران نسطورہ راہب کی طرف سے جب آپ کا گزر ہوا تو اس نے آپ میں شان نبوت دیکھ کر میسرہ کو اس سے آگاہ کیا۔ اس نے سفر سے واپس ہو کر حضرت خدیجہ کو کل واقعات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے یہ سن کر خود کو آپ کی زوجیت میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اس کے بعد حضور کے چچا ابوطالب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے والد کے پاس آئے اور منگنی کر کے روسائے قریش کی موجودگی

میں عقد کی رسم ادا کر دی۔(تاریخ ابن خلدون، ج ۱،ص ۳۵)

بعثت مبارکہ:۔ وحی کے نازل ہونے سے قبل آثار نمایاں ہونے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رؤیائے صالحہ دیکھنا شروع کیا جس کی تعبیر دن کے اجالے کے مانند آجاتی۔ چھ ماہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ سچے خوابوں کے آغاز کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبادت کے خیال سے تنہائی وخلوت زیادہ پسند فرمانے لگے۔ اسی مقصد سے اکثر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہیں دو دو چار چار راتیں مسلسل محو عبادت رہتے۔ یہاں تک کہ آپ و لادت کے چالیسویں سال اور بقول دیگر اں تینتالیسویں سال آپ پر وحی نازل ہوئی۔ آپ حسب معمول مصروف عبادت تھے کہ حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آپ سے کہا:''اقرا'' آپ نے جواب دیا''ماانا بقاری ''توجبرئیل نے آپ کوزور سے بھینچا اور پہلی مرتبہ کی طرح عرض کیا۔اسی طرح چار مرتبہ کہا۔چوتھی مرتبہ جب عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ علق کی تلاوت فرمائی۔

جب حضرت جبرئیل چلے گئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پسینہ میں شرابور گھر تشریف لائے اور اپنی شریک حیات حضرت خدیجہ سے فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ آپ کا ہراس جاتا رہا۔اس کے بعد آپ نے اپنی شریک حیات سے سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ فرمایا کہ مجھے اپنے بارے میں ڈر لگ رہا ہے۔حضرت خدیجہ نے آپ کوتسلی دی اور عرض کیا:''آپ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں اور ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔مفلسوں اور بے کسوں کواپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں۔آپ کے اندراتنی ساری خوبیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب کے باوجود آپ کو پریشانی میں مبتلانہیں کرے گا۔مزید تسلی کے لیے حضرت خدیجہ آپ کواپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں۔آپ نے اس سے بھی غار حرا کے واقعات بتائے،اس نے کہا کہ یہ جبرئیل وہی ہیں جو موسیٰ پر بھی وحی لایا کرتے تھے۔پھر ورقہ نے کہا:'' کاش ! میں اس وقت موجود ہوتا۔جب آپ کی قوم کو وطن سے نکالے گی اور آپ پر ظلم وستم ڈھائے گی۔اس کے بعد کچھ ہی دنوں میں ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وہ آپ کی حمایت نہ کر سکے۔اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کے نزول کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔جس کی وجہ سے آپ پریشان ہوئے البتہ معمول کے مطابق کوہ حرا پر جا کر مصروف عبادت رہتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۂ مدثر کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپ کو اشاعت اسلام کا حکم دیا گیا وہ آیتیں یہ ہیں''یا ایها المدثر قم فانذر و ربك فكبر و ثيابك فطهر و الرجز فاهجر ''اے بالا پوش اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے دور رہو''(مدثر، ۱ تا ۵)

دعوت اسلام:۔ سورۂ مدثر کی ان آیتوں کے ذریعہ دعوت اسلام کا حکم ملنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر دعوت اسلام کا کام شروع کر دیا۔سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آپ کی شریک حیات ایمان لائیں جیسا کہ ضیاء النبی جلد دوم صفحہ ۲۲۳ پر الکامل کے حوالے سے درج ہے۔''خديجة اول خلق الله اسلم باجماع المسلمين لم يتقدمها رجل و لا امرأة ''اللہ کی تمام مخلوق میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ اسلام لائیں۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی مرد اور کوئی عورت آپ سے پہلے اسلام نہیں لائے۔(الکامل لابن اثیر، ج ۲،ص ۳۷)

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف یہ کہ ایمان لائیں بلکہ انہوں نے دعوت کے کام کو آگے بڑھانے میں آپ کی ڈھارس بندھائی۔مخالفین جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تلخ کلامی کرتے یا جھٹلاتے تو آپ کو بہت دکھ ہوتا لیکن جب گھر تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ ایسی گفتگو کرتیں کہ سارا غم دور ہو جاتا۔اس طرح لوگوں کی مخالفتوں کے باعث دل کو جو ملال اور رنج پہنچتا وہ اس کا ازالہ کرتیں۔(ملخصاً سیرت ابن ہشام، ج ۱،ص ۲۵۹)

حضرت ابوبکر کا قبول اسلام:۔ بعثت سے قبل سے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کے درمیان بہت ہی گہرے مراسم تھے۔ایک دوسرے کے پاس آمدورفت نشست

وبرخاست، ہراہم بات پر صلاح ومشورہ روزانہ کا معمول تھا۔مکی تجارتی سفر میں بھی دونوں ساتھ ساتھ رہے۔اس بے تکلف میل جول کی وجہ سے حضرت ابو بکر حضور کے کمالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اوراہم بات یہ ہے کہ دونوں کے طبائع میں بھی یکسانیت تھی۔وہ خود بھی بت پرستی سے متنفر تھے۔اس لیے جب انہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا تو آپ نے فوراً آپ کی تصدیق کی اورایمان لے آئے۔آپ کے ایمان لانے کا واقعہ یوں ہوا کہ ایک روز آپ حکیم بن حزام کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کی لونڈی آئی اور حکیم کو بتایا کہ ان کی پھوپھی خدیجہ آج کہہ رہی تھیں کہ ان کے خاوند موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں۔یہ سنتے ہی حضرت ابو بکر چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔

(محمد رسول اللہ، ج ۱/ص ۵۲۲، بحوالۂ ضیاء النبی، ج ۲/ص ۲۲۷)

دعوت اسلامیہ کا پہلا دور:۔ یہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کا خفیہ دور تھا جو تین سالوں تک رہا۔علمائے سیر لکھتے ہیں کہ اس دور میں بڑی بڑی ہستیوں نے اسلام قبول کیا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت علی بن ابو طالب، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسلام قبول کیا۔پھر حضرت عمر بن عبید سلمی اور حضرت خالد بن سعید بن العاص بن امیہ مسلمان ہوئے۔ ان بزرگوں کے بعد قریش کے ایک گروہ نے اسلام قبول کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور کی مصاحبت کے لیے پوری قوم سے انتخاب فرمایا۔(تاریخ ابن خلدون، ج ۱/ص ۴۳)

اسی خفیہ دعوت کے دوران حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری، حضرت صہیب رومی، حضرت حصین والد عمران، حضرت عمرو بن عتبہ، حضور کے چچا حضرت حمزہ، امیر المومنین حضرت فاروق اعظم، طفیل بن عمرو دوسی، ضماد بن ثعلبہ اور جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے۔ ان میں سے متعدد حضرات چونکہ اپنے قبیلہ کے سردار یا بہت ہی بااثر تھے۔اس لیے ان کے ایمان لانے کے ساتھ ہی ان قبیلوں میں اسلام بہت تیزی کے ساتھ پھیلا۔مثلاً: حضرت ابوذر غفاری کے اسلام لانے کے بعد ان کی دعوت پر فوراً ہی آدھا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور بقیہ لوگوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک اسلام کا اظہار نہیں کریں گے جب تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں نہ آجائیں۔چنانچہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہوگئی۔(صحیح مسلم بحوالۂ سیرت النبی، ج ۲/ص ۳۸۰)

اسی طرح حضرت ضماد بن ثعلبہ نے خود اسلام قبول کرنے کے ساتھ اپنے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرلی اور پورے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا۔(ایضاً)

اسی طرح حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے اسلام لانے کے ساتھ ہی قبیلہ دوس میں اسلام پھیلنے لگا حتی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے پورا قبیلہ دوس مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ (صحیح البخاری، باب قصہ دوس، سیرت النبی ص ۳۷۹)

اسلامی دور کے اس پہلے ہی دور میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑے ہی صبر آزما اور حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑا۔کفار ومشرکین نے آپ کے دعوتی مشن میں بڑی رکاوٹیں ڈالیں لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔اس سے آپ کی مکی زندگی کی دعوتی اہمیت صاف طور پر سمجھ میں آتی ہے۔

ایام حج کی دعوت:۔ حج کے ایام میں تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایک کر کے سب کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغام پہنچانے سے روکتے ہیں تم اس کا موقع دلا دو اور خود بھی دو لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں اور لاکھوں افراد میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو اس کے لیے تیار ہو۔

ان سب کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ کا اثر بہت سے دلوں پر پڑتا تھا اور انہیں روشن کر جاتا تھا۔اسلام کو صرف تشہیر اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود کفار ومشرکین نے انجام دیا۔ جب حج کا زمانہ آتا تو سرداران قریش مکہ کے عام شاہراہوں پر اپنے نمائندے مقرر کرتے جو آنے والوں سے ملتے اور

حفظ ما تقدم کے طور پر ان سے کہتے کہ ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ پیدا ہوگیا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔لیکن چونکہ بعثت نبوی کا چرچا چاروں طرف پھیل چکا تھا اس لیے لوگ حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے حضور کے پاس آتے اور خفیہ طور پر اسلام لا کر واپس ہوجاتے۔ ایسے صحابہ کی کثیر تعداد ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری یمنی اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی انہیں صحابہ میں سے ہیں۔

دعوت اسلامیہ کا دوسرا دور: دعوت کے پہلے دور میں مسلمانوں کی ایک اچھی تعداد مسلمان ہوچکی تھی جس میں جوان، لڑکے، بوڑھے، عورت سب شامل تھے لیکن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابھی اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت نہیں دی تھی۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ دعوت وتبلیغ کے کام کو مزید وسعت دی جائے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل امین یہ حکم لے کر تشریف لائے: ''وانذر عشیرتك الاقربین واخفض جناحك لمن اتبعك من المومنین ''اور اے محبوب اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے'' (شعراء،۲۱۴،۲۱۵)

اللہ عزوجل کے اس حکم پر عمل کرنا ضروری تھا لیکن یہ بہت مشکل کام تھا۔رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کئی روز تک اس فکر میں رہے کہ ایک غلط روایات پسند قوم کے سامنے یہ پیغام ربانی کیسے پیش کیا جائے؟ آخر کار عزم محکم اور مضبوط حوصلہ کے ساتھ اٹھے اور بنوعبد مناف کو بلا بھیجا۔ آپ کی دعوت پر تقریباً ۴۵ افراد آئے جن میں ابولہب بھی تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنا مدعا پیش کرتے کہ اس سے پہلے ہی ابولہب نے بکواس شروع کردیا اور طرح طرح سے خوف دلا کر دعوت اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔حضور خاموش رہے اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی۔

(ملخصاً سبل الہدیٰ والرشاد، ج۲،ص۴۳۲)

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند روز پھر خاموش رہے یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ پیغام پہنچایا کہ آپ دعوت وتبلیغ کا کام مسلسل جاری رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کا معاون ومددگار ہوگا۔ دوسری مرتبہ پھر حضور نے سب کو بلایا اور اپنا مدعا پیش کیا۔ دوسرے لوگوں نے تو معقول جواب دیا لیکن ابولہب اول فول بکنے لگا۔ سب نے اسے ڈانٹا اور غیرت دلائی۔ حضرت ابوطالب نے تو یہاں تک اعلان کردیا کہ ''واللہ لنمنعنہ مابقینا ''بخدا جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت اور دفاع کریں گے۔ (ضیاء النبی، ج۲،ص۲۷۰)

ان دو مذکورہ اجتماعات میں صرف عبد المطلب کا خاندان مدعو تھا اور وہی لوگ شریک ہوئے تھے۔اب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیسرے اجتماع کا اہتمام کیا اور اس میں قریش کے تمام قبیلے کو دعوت دی۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو حضور نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا اور خطاب کا آغاز اس طرح کیا: ''اگر میں تمہیں کہوں کہ پہاڑی کی دوسری طرف سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات تسلیم کروگے۔سب نے جواب دیا بے شک ہم تسلیم کریں گے۔ آج تک ہم نے آپ کی زبان سے ایسی بات نہ سنی جو غلط ہو''۔(ایضاً)

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے کعب بن لوی کے بیٹو! اے مرہ بن کعب کے فرزندو! آتش جہنم سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی ہاشم! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی عبد المطلب! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی عبد مناف! اے بنی زہرہ! اے فاطمہ! اے صفیہ! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں مگر یہ کہ تم کہو ''لا الہ الا اللہ ''۔(سیرت الحلبیہ، ج۱،ص۲۷۱)

یہ سن کر ابولہب نے گستاخی کی اور کہا: ''اے محمد! تبّاً لك الھذا جمعتنا تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا اسی لیے ہمیں جمع کیا ہے۔ اس گستاخی کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورت ''لہب'' نازل فرمادی جس میں ابولہب کے لیے قیامت تک کے لیے تباہی وبربادی بیان کردی۔

دعوت اسلامیہ کا تیسرا دور: اس تیسرے دور میں دعوت کا دائرہ رشتہ داروں سے بڑھا کر سب انسانوں تک بڑھا دیا گیا۔ جس کا آغاز

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد کیا "فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین" "اے محبوب! حق کو کھول کر بیان کیجیے اور مشرکین کی طرف سے منہ پھیر لیجیے۔(حجر،۹۴)

اس حکم کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالکل اعلانیہ طور پر کھلم کھلا تبلیغ کرنی شروع کردی۔ جب کفار نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ مختلف قبائل کی سرکردہ شخصیتیں اس نئی دعوت سے متاثر ہو رہی ہیں اور اسلام کو گلے لگا رہی ہیں تو اس تحریک کو روکنے کے لیے فکر مند ہوئے چنانچہ اسی مقصد سے سرداران قریش کا ایک نمائندہ وفد جس میں ابوجہل، عمرو بن ہشام، ابوسفیان، عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ وغیرہم سرداران تھے۔ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آیا اور کہنے لگا: "اے ابوطالب! آپ کا بھتیجہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ یا تو اسے آپ روک لیں یا درمیان سے ہٹ جائیں ہم خود اسے روک لیں گے۔ ابوطالب نے بڑی نرمی اور بردباری سے انہیں ٹال دیا۔ وہ لوگ مطمئن ہوکر چلے گئے لیکن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معمول کے مطابق اپنی تبلیغ جاری رکھا۔ جس کی وجہ سے ان کی دشمنی اور تیز ہو گئی اور ایک مرتبہ پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور فیصلہ کن لہجہ میں گفتگو کی اور کھلا چیلنج اور دھمکی دی اور ابوطالب پیرانہ سالی کی وجہ سے نرم پڑے اور حضور کو بلاکر سارا ماجرا کہہ سنایا پھر کہا: "اے جان عم! مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے آپ پر بھی، مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہ ہو۔(سیرت ابن ہشام، ج ۱/ص ۲۷۸)

اس پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے میرے چچا! اگر وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ توقع کریں کہ میں دعوت حق کو ترک کردوں گا تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو اللہ اس دین کو غلبہ دے گا یا میں اس دین کے لیے جان دوں گا اس وقت تک میں اس کام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔(سیرت ابن کثیر ج ۱/ص ۴۷۳)

یہ کہہ کر حضور روتے ہوئے اٹھنے لگے تو ابوطالب نے تسلی دیتے ہوئے کہا: "اے میرے بھتیجے آپ کا جو جی چاہے کہیے میں آپ کو کسی قیمت پر بھی کفار کے حوالے نہیں کروں گا۔(سیرت ابن ہشام، ج ۱/ص ۲۷۸)

ایسے حالات میں بھی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوت وتبلیغ کا کام ترک نہ کیا۔ اس سے بھی آپ کی مکی زندگی کی دعوتی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

ماخذ ومراجع:

(۱) سورۂ آل عمران، آیت ۱۹/ (۲) اصول الدعوۃ، ص ۵/
(۳) اصول الدعوۃ ص ۷/ (۴) سورۂ نحل، آیت ۱۴/
(۵) سورۂ اعراف، آیت ۵۹/ (۶) سورۂ ہود، آیت ۵۰/
(۷) سورۂ اعراف، آیت ۷۳/ (۸) سورۂ اعراف، آیت ۸۵/
(۹) سورۂ احزاب، آیت ۴۵، ۴۶ (۱۰) سورۂ حج، آیت ۶۷/
(۱۱) سورۂ قصص، آیت ۸۷/ (۱۲) سورۂ رعد، آیت ۳۶/
(۱۳) تاریخ ابن خلدون، ج ۱/ص ۳۸/
(۱۴) سیرت النبی، ج ۱/ص ۱۲۷/ ابن خلدون، ج ۱/ص ۳۵/
(۱۵) سیرت النبی، ج ۱/ص ۱۲۸ (۱۶) تاریخ ابن خلدون، ج ۱/ص ۳۵/
(۱۷) سورۂ مدثر، آیت ۱ تا ۵/ (۱۸) الکامل لابن اثیر، ج ۲/ص ۳۷/
(۱۹) سیرت ابن ہشام، ج ۱/ص ۲۵۹ (۲۰) محمد رسول اللہ، ج ۱/ص ۵۲۲/
(۲۱) تاریخ ابن خلدون، ج ۱/ص ۴۳/
(۲۲) صحیح البخاری، باب قصہ دوس/ سیرت النبی، ج ۲/ص ۳۷۹/
(۲۳) سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴، ۲۱۵
(۲۴) سبل الہدی والرشاد، ج ۲/ص ۴۳۲/
(۲۵) ضیاء النبی، ج ۲/ص ۲۷۰ (۲۶) ضیاء النبی، ج ۲/ص ۲۷۰/
(۲۷) سیرت الحلبیہ، ج ۱/ص ۲۷۱ (۲۸) سورۂ حجر آیت ۹۴/
(۲۹) سیرت ابن ہشام، ج ۱/ص ۲۷۸/
(۳۰) سیرت ابن کثیر، ج ۱/ص ۴۷۳/
(۳۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱/ص ۲۷۸/
(۳۲) صحیح مسلم، بحوالۂ سیرت النبی، ج ۲/ص ۳۸۰/

☆☆☆☆☆

☆☆☆

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داعیانہ زندگی

محمد شاہد علی رضوی فیضانی ⋆

اس فرشِ گیتی پر انسانوں کی رُشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیا و مرسلین کو مبعوث فرمایا۔ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک یہ سلسلہ چلتا رہا پھر آخر میں سسکتی، بلکتی انسانیت کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے قدسی صفات و اولوالعزم ذاتِ گرامی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے تشریف لا کر بت پرستی، قتل و غارت گری، ظلم و جفا، بدکاری، شراب نوشی اور سود خوری جیسی کئی ایک برائیوں کا خاتمہ فرمایا۔ مظلوموں، بے کسوں، بے سہاروں، بیواؤں، یتیموں اور کمزوروں کو عظمت اور بلندی سے نوازا۔ معبودان باطل کی پرستش کرنے والوں کو حقیقت حال سے آگاہ فرما کر ایک معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں جھکنے کی تعلیم و تاکید فرمائی۔ اس طرح آہستہ آہستہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا دائرہ بڑھتا رہا اور اسلام کی نورانی کرنیں دور دور تک پھیلتی رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس کس انداز سے دعوتِ دین اور تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا اور مکہ کے ناگفتہ بہ حالات میں اپنے مقاصدِ حسنہ کی تکمیل فرمائی۔ اس کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

تبلیغ کی ابتدا: چوں کہ اہلِ عرب صدیوں سے بتوں کے پرستار تھے اور بت پرستی ان کی رگ رگ میں رچی بسی تھی اس لیے ان کے درمیان علی الاعلان تبلیغ اسلام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ یہ مشکل ترین امر تھا۔ ایسے حالات کے پیش نظر سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتداءً یہ طریقہ کار اختیار فرمایا کہ پہلے آپ نے خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اس خفیہ دعوت و تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ آہستہ آہستہ لوگ نور ایمان سے اپنے سینوں کو چمکانے لگے۔

اس طرح بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا جن میں اولین سابقین جو آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہاں قابل ذکر ہیں: مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق، عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ، بچوں میں حضرت مولیٰ علی اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اسی دوران حضرت بلال حبشی اور حضرت ام ایمن رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اسلام قبول کیا۔ رفتہ رفتہ یہ کاروانِ اسلام اپنی شان و شوکت اور عظمت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور لوگ جوق در جوق اسلامی گروہ میں داخل ہونے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس ہوگئی اس سے آپ کا حوصلہ مزید بلند ہوا۔

علی الاعلان دعوت و تبلیغ کا حکم: تین سالہ اسلام کی اس خفیہ دعوت و تبلیغ کے بعد حضرت سیدنا جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لے کر بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے: ”**وانذر عشیرتک الاقربین و اخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین o**“ اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے۔ (سورۂ شعراء: ۲۱۴، ۲۱۵)

حضور اپنے رب کے فرمان کی بجا آوری کے لیے کوہ صفا پر تشریف لے گئے اس لیے کہ اہلِ مکہ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی اہم معاملے کے لیے لوگوں کو جمع کرنا ہوتا تو صفا پہاڑی پر چڑھ کر پکارا جاتا اور لوگ جمع ہوجاتے۔ اسی دستور کے مطابق سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ایک روز کوہِ صفا پر چڑھ کر اہل مکہ کو پکارنا شروع کیا۔ سارے لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک زبردست لشکر

⋆ مدرسہ حنفیہ، مدینۃ العلوم، باسنی ناگور (راجستھان)

چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات تسلیم کرو گے؟ سب لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا بالکل ہم مان لیں گے اس لیے کہ ہمارے سامنے آپ کی پوری زندگی ہے، آپ کو ہم نے کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا آپ یقیناً امین وصادق ہیں اور آپ جو کچھ کہیں گے صحیح اور درست کہیں گے۔ جب سب لوگوں نے آپ کی امانت وصداقت کا اقرار کر لیا تو پھر آپ نے حکم خداوندی کا عام اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے گروہ قریش! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ کیوں کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، میں عذاب شدید سے پہلے تمہیں واضح طور پر بروقت ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جو دشمن کو دیکھ کر چل پڑا ہوتا کہ اپنے اہلِ خانہ کو دشمن کی آمد سے خبردار کرے پھر اسے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں دشمن اس سے پہلے ہی نہ پہنچ جائے تو دور ہی سے یہ اعلان کرنے لگا جا گو جا گو دشمن پہنچ گیا دشمن پہنچ گیا۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے خاص وعام ہر طریقے سے دعوت وتبلیغ کی اور ارشاد فرمایا:

''اے کعب بن لوئی کے بیٹو! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، اے مرہ بن کعب کے فرزندو! جہنم سے اپنے آپ کو بچاؤ، اے بنی عبد شمس! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، اے بنی عبد المطلب! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، اے فاطمہ! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، اے صفیہ! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں مگر یہ کہ تم ''لا الہ الا اللہ'' کہو۔

یہ سن کر ابولہب نے بارگاہِ رسالت میں گستاخی کی اور نہایت دریدہ دہنی سے بولا ''تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا'' تیرے لیے سارے دن بربادی ہو کیا اسی لیے ہمیں یہاں اکٹھا کیا تھا''۔

رب کائنات نے اس بدبخت شقی القلب کی مذمت میں پوری ایک سورۂ ''تبت یدا ابی لھب'' نازل فرما دی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لے کر حاضر ہوئے: ''فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین o'' اے میرے محبوب حق کھول کر بیان کیجئے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ (سورۂ حجر:۹۴) (اہل سنت کی آواز مارہرہ شریف خصوصی شمارہ مصطفیٰ جان رحمت نمبر ص ۲۹۹)

اس آیتِ کریمہ کے نزول سے قبل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار ومشرکین سے چھپ چھپ کر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ نے کھلم کھلا توحید کا درس دینا شروع کر دیا۔ (تفسیر روح البیان ج ۷/سورۂ حجر ص:۱۲۹)

قریش کے بے انتہا مظالم ڈھانے کے باوجود بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزم وارادے میں کوئی فرق نہ آیا اور آپ نے اسی طرح اپنے دینی دعوت وتبلیغ کے کام کو جاری رکھا۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس راہ دعوت وتبلیغ میں جو کاوشیں فرمائیں وہ بے مثال ہیں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے راستے میں آپ نے جو مصائب ومشکلات برداشت کیں وہ آپ کے عزم واستقلال کا واضح ثبوت ہیں جتنی تکالیف آپ نے سہیں بقول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنی مشقتیں اور مصیبتیں کسی پیغمبر اور نبی کو نہیں پہنچائی گئیں۔ رب کریم کے احکام کی تعمیل آپ نے بحسن وخوبی فرمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ آج تاریخ کا مطالعہ نہ کرنے والے بے بنیاد الزامات عائد کر دیتے ہیں کہ اسلام زور اور زبردستی سے تلوار کی بنیاد پر پھیلایا گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق وکردار نے اسلامی دعوت کو دنیا کے متعدد گوشوں میں پہنچا دیا تھا۔ یہ آپ کے حسن اخلاق ہی کی دلیل ہے کہ آپ نے راہِ تبلیغ میں تکلیفیں تو برداشت کیں مگر کسی کو برا بھلا کہنے کی بجائے ان کے لیے دعائیں فرمائیں۔

طائف کا تبلیغی سفر: مکہ کے لوگوں کے معاندانہ رویے اور پیہم ظلم وستم نیز ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف کا بھی سفر کیا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے جاں نثار غلام حضرت زید بن حارثہ بھی تھے۔ یہاں بھی آپ کو ستایا گیا۔ پتھروں اور کنکریوں سے جسمِ اقدس کو لہو لہان کر دیا گیا، حضرت زید بن حارثہ اپنی جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہوئے کنکریوں کو اپنے جسم مبارک پر روکتے جس کی وجہ سے آپ بھی لہولہان ہوگئے، لیکن اس کے باوجود بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں لغزش تک نہ آئی اور انہیں معاف فرما دیا۔ اس وقت کا حال بیان کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میری خدمت میں پہاڑوں کے فرشتے آئے اور سلام کر کے عرض کرنے لگے، اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ ہمیں جو چاہیں حکم دیں اور ہم آپ کا حکم بجالائیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم ابوقبیس اور قعقعان کی پہاڑیوں کو ان کفاروں پر الٹ دیں تو ہم الٹ دیتے ہیں۔ یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے بندے پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے''۔

طائف کے اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیگر قبائل اور سرداروں کو بھی دعوت اسلام دی جو ایمان نہیں لائے۔ تقریباً ایک مہینے کے اس سفر میں عداش نامی ایک غلام نے اسلام قبول کیا۔

ایامِ حج میں دعوتِ اسلام: طائف کے سفر میں اگرچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن پھر بھی آپ کے حوصلے بلند رہے اور اپنے فریضۂ دعوت وتبلیغ کو انجام دیتے رہے اور آپ کی اس تبلیغ میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ چنانچہ علامہ پیر کرم شاہ ازہری تحریر فرماتے ہیں:

''ماہ شوال کے آخر میں طائف سے واپسی ہوئی تھی اور حج کا موسم آپہنچا۔ جزیرۂ عرب کے دور دراز گوشوں سے مختلف قبائل فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ پہنچ رہے تھے اور ہر قبیلے نے اپنے اپنے خیمے علیحدہ علیحدہ نصب کر لیے تھے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسب معمول ہر قبیلہ کے کیمپوں میں تشریف لے جاکر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ مشہور سیرت نگار امام ابن اسحٰق، ربیعہ بن عباد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے انہیں بتایا کہ میں ابھی نوجوان تھا اور اپنے باپ کے ساتھ منیٰ کے میدان میں اپنے خیمے میں موجود تھا میں نے دیکھا کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبیلے کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر ان کو دعوتِ توحید دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں:

''اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو ان کی بندگی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکو اور مجھ پر ایمان لاؤ، میری تصدیق کرو اور کفارِ مکہ کی دست درازیوں سے میرا دفاع کرو تاکہ میں تمہیں وضاحت سے بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا دے کر تمہاری طرف مبعوث کیا ہے۔ (ضیاء النبی، ج۲ص۴۵۴،۴۵۵)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفودِ عرب کے ہر قبیلے کے خیمے میں تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے اور اللہ تعالیٰ کی پرستش کی طرف بلاتے اور یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جابر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس سال تو اس طرح گزارے کہ جب حج کا موسم آتا اور متعدد قبائل فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ آتے اپنی رہائش کے لیے الگ الگ خیمے نصب کر کے وہاں اقامت پذیر ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبیلے کے خیمے میں تشریف لے

جاتے اورانہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت پیش کرتے۔(ایضا، ج۲،ص۵۹۳)

موسمِ حج میں مدینہ طیبہ سے بہت سے قبیلے حج بیت اللہ کے ارادے سے منیٰ میں فروکش تھے۔ اسی دوران جمرہ عقبہ کے پاس مدینہ طیبہ سے آئے ہوئے قبیلہ خزرج کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی جو باختلاف روایت چھ یا آٹھ افراد پر مشتمل تھی جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ابو امامہ اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث بن رفاعہ معروف بابن عفراء، رافع بن مالک بن عجلان، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر، برحا بن عبداللہ رئاب، عبادہ بن صامت، ابوالہیثم بن التیہان۔

ان حضرات نے علمائے یہود سے سن رکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کی بعثت کا وقت ہو چکا ہے، ان کے یہ اوصاف ہوں گے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو کی، انہیں دعوتِ حق دی، اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن حکیم کی تلاوت کی تو ان لوگوں نے علمائے یہود سے سنی ہوئی نشانیاں پا کر اسی وقت اسلام قبول کرلیا اور حضور کی بات ان کے دلوں پر ایسی اثر کر گئی کہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے، ان کی پیروی کی طرف سبقت کرو کہیں یہود ہم پر سبقت نہ لے جائیں۔

(اہل سنت کی آواز ''مصطفیٰ جان رحمت نمبر''ص:۳۰۴)

بازاروں میلوں اور منڈیوں میں دعوت اسلام

ایسے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کی تجارتی منڈیوں اور ان مقامات پر جہاں لوگوں کی بھیڑ جمع ہوا کرتی تھی تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ ابو طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''ذی المجاز'' کی منڈی میں دیکھا کہ قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: ''**یاایھا الناس قولا لااله الا الله تفلحوا**'' اے لوگو! کہو کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے ایسا کہو گے تو دونوں جہان میں فلاح پاؤ گے۔ (ضیاء النبی، ج۲، ص۴۶۸)

امام بیہقی نے کنانہ کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذی المجاز کی منڈی میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا اے لوگو پڑھو ''**لا اله الا الله**'' دونوں جہان میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں مدرک بن منیب العمری نے اپنے باپ اور دادا کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔ مدرک نے کہا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور فرما رہے تھے، اے لوگو! کہو ''**لااله الا الله**'' دونوں جہان میں نجات پا جاؤ گے۔ یہ سن کر کسی نے حضور کے رُخ انور پر تھوکنا شروع کر دیا، کسی نے مٹھی میں مٹی بھر کر اس پیکر نور پر پھینکنا شروع کر دی اور بعض لوگ گالیاں بکنے لگے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی۔ (ایضا، ج۲، ص۴۶۹، ۴۷۰)

کفارِ مکہ نے اس طرح کے بہت سے مظالم آپ پر کئے اور ہر طرح سے کوششیں کرتے رہیں کہ کسی طرح اس دنیا سے اسلام کا خاتمہ ہو جائے اس کے لیے انہوں نے لوگوں کو طرح طرح کے انعامات کا لالچ بھی دیا اور ہر لمحہ اسلام اور بانیِ اسلام کے خلاف بر سر پیکار رہے۔ لیکن پھر بھی رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو انجام دیتے رہے، محبت بھرے انداز میں انہیں وعظ ونصیحت کرتے رہے۔ حضور کے اسی اسلوب دعوت و تبلیغ سے اسلام آفاق میں پھیلتا چلا گیا اور پھیلتا جارہا ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا ایک مختصر سا داعیانہ گوشہ ہے جو نذر قارئین کیا گیا۔

دعا ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینِ اسلام کی دعوت تبلیغ کو عام کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

☆☆☆☆☆
☆☆☆

داعیانہ اوصاف اور اس کے مثبت اثرات

غلام نبی علیمی ★

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا کے دین کو بلاکم وکاست ہم تک پہنچایا اور اس کے بعد اس دنیا سے رحلت فرمائی، لیکن خدا کا پسندیدہ دین جو آپ لے کر تشریف لائے تھے، وہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پھلتا، پھولتا رہا۔ آج صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دعوت دین کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری اُمت مصطفوی (علی صاحبہا التحیة) پر عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر اس فریضے کی ادائیگی سے جڑ جائے، تو رحمتِ خداوندی اپنے جلو میں لے کر اس کو عزو وقار سے ہمکنار کرے گی اور دعوت کے نازک سے نازک مراحل میں بھی اس کی دست گیری فرمائے گی۔ لیکن اگر گناہوں کا موجودہ سیلاب یوں بڑھتا رہا اور امت خاموش تماشائی بنی رہی تو پھر عذاب خداوندی سے اسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

قرآن پاک کی بے شمار آیات میں امت کی ذمہ دارانہ حیثیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے: **وکذٰلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداً** (البقرہ/۱۴۳) اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔ (کنزالایمان)

میدانِ محشر میں اُمت محمدیہ تمام انبیائے کرام کی امتوں پر اس وقت گواہ ہوگی۔ جب اُن سے اُن کی گمرہی کا محاسبہ کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے:

"حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن پکارا جائے گا، وہ عرض گزار ہوں گے: "**لبیک وسعدیک**" اے میرے پروردگار میں حاضر ہوں۔ رب قدیر ارشاد فرمائے گا، کیا تم نے لوگوں میں دین کی تبلیغ کی، وہ عرض کریں گے۔ اے مرے رب میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ پھر ان کی اُمت سے کہا جائے گا، کیا انھوں نے تم تک میرا دین پہنچا دیا تھا، ان کی امت عرض کرے گی، ہمارے پاس تو کوئی ڈر سنانے والا آیا ہی نہیں تھا۔ اللہ رب العزت ان کی امت سے ارشاد فرمائے گا، تمہارے پاس اس پر کوئی گواہ بھی ہے۔ وہ عرض کریں گے۔ محمد اور ان کی امت اس پر گواہ ہیں۔ چنانچہ امت محمدیہ کے لوگ گواہی دیں گے کہ پیغمبران عظام نے تبلیغ دین فرمائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم پر گواہ ہیں۔

ابنِ مبارک سے مروی حدیث میں ہے: پھر وہ امتیں کہیں گی، وہ لوگ ہماری گواہی کیسے دے سکتے ہیں، جو ہمارے زمانے ہی میں نہ تھے۔ اللہ جل جلالہ اُمت محمدیہ کے لوگوں سے ارشاد فرمائے گا، تم ان لوگوں کی گواہی کیسے دیتے ہو؟ جب کہ تم ان کے زمانے میں نہیں تھے، وہ عرض کریں گے: اے ہم پر اپنے رحم وکرم کی بارش فرمانے والے معبود! تو نے ہم میں ایک رسول بھیجا اور ہم پر اپنا شاہی فرمان اور اپنی ہدایت بھری کتاب ہم پر نازل فرمائی، جس کا یہ بیان ہے کہ تمام انبیاے کرام نے دین کو علی وجہ الکمال لوگوں تک پہنچایا، تو ہم نے تیرے فرمان کے مطابق گواہی دی۔ اللہ جل جلالہ ارشاد فرمائے تم سچ کہہ رہے ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ۱/۵۰)

گذشتہ احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس امت سے گذشتہ اقوام کی قسمت وابستہ ہے، امت محمدیہ آخرت میں ان کے متعلق شہادت دے کر اُن کے اسلام یا کفر کی وضاحت کرے گی۔ اور رب تعالیٰ اس کی گواہی کو شرف قبولیت بخشے گا۔

اُمتِ محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اسی کے سر آخرت کی شہادت کا تاج زریں ہے، جس سے اس کی ذمے دارانہ حیثیت واضح ہے۔ جو اس امت سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے لوگوں میں قرآنی تعلیمات کی تبلیغ

★ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی ضلع بستی (یوپی)

کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے عمل کا سر رشتہ بھی ان سے جوڑ لے، کیوں کہ اس وقت دین کی نشر و اشاعت اور اس کی حفاظت وصیانت کا سہرہ اسی کے سر ہے۔ اگر وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر دعوت دین سے دست کش ہو جائے تو دعوت وتبلیغ کا کارواں آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیل دین کا اعلان ہو چکا تھا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت سے ان لفظوں میں خطاب فرمارہے تھے: "**لعلّی لا القاکم بعد عامی هذا**" شاید اس سال کے بعد تم سے میری ملاقات نہ ہو سکے۔

یہ فرماتے ہوئے آپ نے صحابۂ کرام سے استفسار فرمایا "**الاھل بلّغتُ**" کیا میں نے تم تک خدا کا دین پہنچا نہیں دیا؟ تمام لوگوں نے بیک زبان عرض کیا، ہاں، آپ نے اللہ کا دین ہم تک پہنچادیا۔ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا: "**انتم تسئلون عنّی فماانتم قائلون**" کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم اس وقت کیا جواب دوگے؟ لوگوں نے عرض کی: "**نشھدانک قدبلّغت وادّیت ونصحت**" ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور مکمل طور پر دین ہم تک پہنچا دیا تھا اور ہمارے ساتھ انتہائی خیر خواہانہ سلوک کیا تھا۔

پھر آپ نے اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ یوں لب کشا ہوئے: "**اللھمّ اشھد**" اے اللہ تو گواہ ہو جا۔

یعنی اے خالقِ ارض وسما تیرے یہ بندے اعلان کر رہے ہیں کہ جو دین تو نے مجھے دے کر مبعوث فرمایا تھا۔ اس کی بلاکم وکاست میں نے تبلیغ کر دی اور اسے لوگوں تک مکمل طور سے پہنچا دیا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجمع عام سے ارشاد فرمایا:

"**ألا فليبلغ الشاهدُ الغائب**" [۲] خبر دار جو یہاں موجود ہے وہ یہ پیغام اس تک پہنچا دے، جو موجود نہیں ہے۔

حدیث کے اس آخری ٹکڑے کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں:

"**فوالذی نفسی بیدہ انھالوصیتہ الی امتہ**" رب ذوالجلال کی قسم یہ اپنی امت کے لیے آپ کی وصیت تھی۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۲۲۶)

ان نصوص کے علاوہ قرآن مقدس کی یہ آیت کریمہ صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام کی تبلیغ وترسیل مسلمانوں کا ایک اہم ملی فریضہ ہے:

"**کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون بالله**" (سورۂ آل عمران/۱۱۰)

"تم بہتر اُمت ہو ان سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہے کہ خیر امت ہونے کا جو فخر اس امت کو حاصل ہے، وہ اس لیے ہے کہ یہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔

اس حکمِ ربانی کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم نیکی و پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ ظلم وسرکشی میں کسی کی مدد نہ کریں۔ خواہ کوئی کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔ جس کسی کو برائی کا ارتکاب کرتے دیکھیں اسے اس سے روک دیں۔

دعوت وتبلیغ کا یہ فرض ہر اس شخص پر عائد ہوتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے خواہ عالم ہو یا جاہل۔ چنانچہ ایک اور مقام پر اللہ رب العزت دعوت حق وصداقت کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

"**ان الانسان لفی خسر الاالذین اٰمنوا وعملواالصٰلحٰت وتواصوبالحق وتواصوبالصبر**" (سورۃ العصر/۲-۳)

"بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے، مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی"۔ (کنزالایمان)

یہ وقت کا عظیم سانحہ ہے کہ آج مسلمان اس اہم فرض سے غافل ہیں اور طرفہ یہ کہ بعض کلمہ گو یہاں تک کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ صرف علمائے دین کا کام ہے۔ جب کہ مذکورہ آیات کے مخاطب علما اور غیر علما سبھی ہیں اور سب پر یکساں طور پر قرآن کا حکم نافذ ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ علما کی ذمہ داریاں غیر عالموں سے کہیں زیادہ ہیں۔

ذیل میں داعیانِ دین کے اوصاف وخصائل ذکر کیے جاتے ہیں جن سے آراستہ ہوکر داعیانِ دین دشتِ تبلیغ میں گراں قدر خدمات سرانجام دے سکتے ہیں اور ماحول کو معاشرے کو راہ راست پر لانے میں ایک انقلاب آفریں کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔

شعوری بیداری: داعیان حق کو ہر قدم پر اپنے شعور واحساس کی قوت کو بیدار رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے قدم راہ حق سے پھسلنے نہ پائیں اور غرور وتکبر کا شعلہ ان کی باتوں روح تاثیر سے خالی نہ کرے بلکہ انھیں وہ انکسار حاصل ہوجائے جو کسی بھی انسان کو ذلت کی پستیوں سے بام عروج پر پہنچا تا ہے اور آدمی کو ہمیشہ اپنی خامیوں کی جستجو میں مصروف رکھتا ہے اور ان کی اصلاح پر انگیز کرتا رہتا ہے۔

کوئی بھی شخص اس وقت تک علمی، فکری، اصلاحی انقلاب نہیں برپا کرسکتا جب تک کہ اس کے اندر شعور واحساس کی غیر معمولی قوت کارفرما نہ ہو۔ ہمیشہ ہر دور میں انھیں شخصیات نے لوگوں کے شبستان زیست میں ایمان ویقین، خلوص وللّٰہیت، اخوت ومروت، زہد وورع، فضل وکمال کی شمع جلائی ہے جو زندہ دل اور روشن ضمیر گزرے ہیں اور جن کا دل ہمیشہ اطاعت وانقیاد پر خوش اور بدعملی وسیہ کاری پر آزردہ ہوتا رہا ہے اور باشعوری وزندہ دلی کی یہی پہچان ہے کہ انسان خلاف شرع اقدام پر اشکبار ہوجائے اور اطاعت گزاریوں کے پرنور ماحول میں کلیوں کا بانکپن اور پھولوں کی سی مسکراہٹ سے تسخیر قلوب کررہا ہو۔ احساس وشعور ہی وہ دولت بے بہا ہے جس کے زیر اثر انسان لوگوں کو کسی بات کا حکم دینے سے پیشتر اپنے آپ کو حق کے ترازو میں تولتا ہے اور یہی وہ سرمایہ افتخار ہے جو دوسروں کی عبادت گزارانہ زندگی پر مبصرانہ نگاہ ڈالنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور یہی وہ دولت گراں مایہ ہے جو دوسروں پر نکتہ چینی سے قبل اپنے نفس پر نکتہ چینی کی طرف مائل کرتی ہے۔

جب انسان باشعور اور زندہ دل ہوتا ہے تو اس کے قدم کبھی غلط نہیں اٹھتے اور وہ اس بے ثبات کائنات پر دانش مندانہ نظر ڈال کر مقصد زندگی کو پالیتا ہے، اپنی گزشتہ زندگی کا محاسبہ کرتا ہے، توبہ واستغفار کے آب زلال سے اپنے گناہوں کی تیرگی کو صفحۂ دل سے دھو ڈالتا ہے اور اطاعت الٰہی کے انوار سے کاشانۂ دل کو تاعمر منور رکھنے میں سرگرم رہتا ہے۔ دنیا کی کوئی قوت وطاقت اسے جادۂ حق سے منحرف نہیں کرسکتی۔ وہ قید وبند، رنج ومحن کی ساری صعوبتوں کو فرحاں وشاداں استقبال کرتا ہے۔ یہ شعور واحساس کی بیداری کی کرشمہ سازی تھی کہ حضرت عمر کی بہن کلمہ پڑھ لینے کے بعد ان کی ہزار ستم کیشیوں کے بعد بھی دین حق سے برگشتہ نہ ہوئیں، بلکہ جرأت مندانہ یوں گویا ہوئیں: عمر! دنیا کی کوئی توانائی اب مجھے دین محمدی سے پھیر نہیں سکتی۔

باشعوری کسی بھی انسان کے اندر جب بیدار ہوجاتی ہے تو کائنات کا ہر ذرہ اس کے لیے ایک جہان عبرت ہوتا ہے، وہ عبرتوں کے موتی چنتا ہے، تلافی مافات میں لگ جاتا ہے، دنیا کی محبت اس کے دیدۂ دل سے کوچ کرجاتی ہے، مخلوق کی خدمت واصلاح اس کا اہم ترین نصب العین بن جاتا ہے، اس کے دیار وجود کا ہر گوشہ ’’ **کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر** ‘‘ کی عملی تفسیر سے عبارت دکھائی دیتا ہے اور پھر وہ علمی واصلاحی انقلاب کی ایک نئی تاریخ رقم کرتا ہے اور افق عالم پر ہدایتوں کا مہر عالم تاب بن کر طلوع ہوتا ہے اور پوری دنیا اس کے فیضان ہدایت سے مالا مال ہوتی ہے۔ اس کی فیض گستری کا ابر خورد وکلاں پر یکساں برستا ہے اور کاشت وناقابل کاشت ہرزمین پر ایمان ویقین، عشق الٰہی، محبت رسول، الفت صحابہ اور عظمت اولیا نیز صلح وآشتی، خیرخواہی وخیراندیشی، عدل وانصاف، خلوص ومروت کے گل بوٹے کھلتے ہیں۔

نیکوکاروں کی ہم نشینی: ایک مبلغ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بروں کی صحبت سے دست کش ہوجائے، نیکوں کی صحبت اختیار کرے، کہ بری صحبت بہت جلد اثرانداز ہوتی ہے۔ انسان رفتہ رفتہ نیک کاموں حتی کہ فرائض سے غافل ہوتا جاتا ہے۔ مداہنت پسندی اس کے اندر جگہ بنالیتی ہے۔ جذبۂ اطاعت فرو ہوجاتا ہے، پوری زندگی لغویات کی نذر ہوجاتی ہے۔ لیکن وہ داعی جس کے اندر کا سنتری اور محرک بیدار ہوتا ہے اور اپنے فرائض کو پورا کرتا ہے، تو وہ بدکاروں کے نہ صرف صحبت بلکہ سائے سے بھی دور بھاگتا ہے، اگر جستجو کرتا ہے تو نمازیوں کی صحبت کی، ایسے ماحول کی جہاں اطاعت وانقیاد کے پرنور مظاہر دیدہ ودل کے لیے سامان طمانیت ہوں۔ جہاں خلوص وللّٰہیت کی خوشبو سے مشامِ جاں معطر ہو، علم ودانش کے چراغ ماحول کو پرنور کیے ہوئے

ہوں۔ ایمان ویقین کا گلشن لہلہارہا ہو، ہر عدل وانصاف کے پھول کھلے ہوں، خیر خواہی وخیر اندیشی کی ہر دل عزیز روایت دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ حاجت برآری، غم گساری دنیاے دل کو زیر وزبر کررہی ہو۔ ایسا ماحول ایک داعی دین کا منظور نظر ہوگا، تو اس کی شخصیت ہمہ جہت، ہمہ گیر عمدہ اوصاف وخصائل کی وہ مرقع ہوگی کہ اس کا ہر قول وعمل تیر ونشتر بن کر ہر گم گشتہ راہ یا کج رو بدعمل کو گھائل کرے گا اور چشمِ زدن میں اس کے دنیائے دل سے بدعملیوں کی عمارت دھڑام سے زمین بوس ہوجائے گی۔ غفلت وتکاسل کی ساری آلائشیں ڈھل جائیں گی اور اس کا سراپا خوش کرداری کا حسین مرقع بن کر ہم چشموں کی اصلاح کا پیش خیمہ ہوگا۔

نیکوں کی ہم نشینی ہمیشہ کارآمد ہوتی ہے جب کہ مبلغ اِبتلا وآزمائش کے دور سے گزر ایک ہمدرد وغم گسار کی طرح اس کی خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی، جب وہ اشاعت دین کے پر خلوص جذبے کے تحت غموں کی دھوپ چھاؤں سے گزرتا ہے، تو وہ سائبان رحمت بن کر اس کے سر پر سایہ فگن ہوجاتی ہے۔ جب شیطانی ایجنڈے درپے آزار ہوتے ہیں تو ایک شہ زور فوجی کی شکل میں اس کی نصرت وحمایت میں برسرپیکار ہوتی ہے۔ جب طاغوتی قوتیں پابہ زنجیر ہوتی ہیں تو ایک غم خوار کی طرح خون آشام تلوار بن کر ان کا مقابلہ کرتی ہے اور اس کی رفاقت کا حق ادا کرتی ہے مزید برآں جب کوئی خواہشِ نفس کے زیر اثر صراط مستقیم سے ہٹتا ہے اور انحراف کی ہلاکت خیز وادی میں قدم رکھتا ہے تو اس پر عبرتوں کے تازیانے برساتی ہے اور حق سے ہم آغوش کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

فہم وفراست: ایک داعی جب تک غیر معمولی تدبر وبصیرت، فہم وفراست کا مالک نہ ہو اس کی دعوت روح تاثیر سے خالی ہوگی اور یہ اندازہ نہ کرسکے گا کہ اس وقت اس کے مخاطب معقولی اور فلسفی ہیں یا سادہ لوح اور سلیم الطبع؟ خوش فہم یا کج فہم؟ ظاہر ہے کہ جب مبلغ مخاطبین کے مختلف طبقات اور ذہنیت کے لوگوں کی شناخت میں ناکام ہوگا، تو وہ ان کے مناسب حکمت، موعظت اور مجادلت کے عمدہ طریقوں سے بھی ناآشنا ہوگا اور اس کی دعوت کے مثبت اثرات قوم پر نہیں پڑ سکتے کیوں کہ از روئے قرآن وسنت یہی دعوت دین کے بنیادی عناصر ہیں، جن کی رعایت کسی بھی مبلغ کو اس کے مقصد کی تکمیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اور علم ودلائل کا انبار الگ اپنی چھاپ چھوڑتے ہیں۔ گویا ایک مبلغ کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ مخاطبین کے مختلف طبائع اور ذہنیتوں کی رعایت کے ذریعے انھیں حق وصداقت کی روشنی میں لانے کا حکمت مندانہ اقدام کرے، ورنہ وہ تبلیغی میدان میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اخلاص مندی: خلوص تمام اعمال کی روح ہے ایک داعی کا لازمہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے دین اور اس کے حکام کے نفاذ کی پر خلوص سعی کرے، بغیر اخلاص کے دعوت دین کی خارزار وادی میں چلنا کافی حد تک دشوار ہے، خلوص ہی داعی کو طوفان کے زد پر بھی اپنے نصب العین کو لے کر آگے بڑھنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ ابتلا وآزمائش کی آزاریوں میں بھی فرحاں وشاداں رکھتا ہے، ابلیس اور اس کے مشن کے نمائندوں کی ستم کیشیاں، ظالم وجابر سلطنتیں، بغاوت کے شعلے اس کی ثابت قدمی اور استقلال کے آگے اپنا اثر کھو بیٹھتے ہیں اور غیرت حق کی شمشیر لے کر ایک داعی مادی توانائیوں اور طاغوتی فتنوں کا سر قلم کرتے ہوئے دیوانہ وار اپنے مشن کو آگے بڑھاتا جاتا ہے۔ اور نظام مصطفوی کے نفاذ میں اسے کامیابی میسر آجاتی ہے۔

ایک مومن پیکر خلوص اپنے دنیائے تصورات کو اس سنہرے خواب سے سجائے رکھتا ہے کہ اس کے وجود کی تعمیر وترقی کی عمارت خدا کے رحم وکرم کی بنیادوں پر استوار ہے۔ اسی مالک وخالق کی ساری کائنات پر حکمرانی ہے، یہ چرخ نیلوفری، یہ ستاروں کی انجمن، یہ کہکشاں اور اس کی تابانی، یہ آفتاب وماہتاب اور اس کی روپہلی کرنیں، یہ حیات بخش غذائیں، یہ خوش ذائقہ پھل، یہ ابر باراں اور اس کے حیات بخش قطرے، یہ آبشاروں کا ترنم، کہساروں کی نغمگی، سب اسی کے اشارے پر ہماری خدمت کے لیے تیز گام ہیں۔ کیا میرا وجود اور اس کی فیض گستری، آسائش رسانی، کے یہ سارے مظاہر اپنی خاموش زبان میں اس کی اطاعت وانقیاد کی دعوت نہیں دیتے ہیں؟ پھر ہم کیوں غافل ہیں؟ یہ خوش آئند تصور ایک داعی کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں اور وہ ایک دن تدبر وتفکر کے سہارے عرفان

الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔

یہی تصورات وہ مرکزی عنصر ہے جس کے گرد ساری سعادتیں گھومتی ہیں اور اسے حاصل کر کے ایک داعی اپنے نگارخانۂ دل کو یادالٰہی کے زیور سے آراستہ کرلیتا ہے، اپنے سوز دروں سے کتنوں کے شبستان زیست میں خوف وخشیت کے چراغ روشن کردیتا ہے۔ اعزازات ومناصب کی بندشوں سے آزاد ہوجاتا ہے، اس کی زبان کھلتی ہے تو صدائے توحید ورسالت کی زمزمہ سنجیاں کانوں میں رس گھولتی ہیں، دلوں کے آفاق پر ایمان وعمل کا اجالا پھیلتا ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں کا آبگینہ جڑتا ہے اور قوم ومعاشرے میں اخلاص ووفا، خیرخواہی وخیراندیشی خوشبو بکھرتی ہے اور پوری اسلامی دنیا ایک تارمحبت میں منسلک ہوکر عالمی منظرنامے پر اسلام کی علمی وعملی پہلوؤں کی صحیح نمائندگی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

قرآن مقدس میں اللہ رب العزت جل مجدہ نے اخلاص مندوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین** یعنی مخلص بندے یوں عرض گزار ہوتے ہیں بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور موت سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔

ماضی کے جھروکوں سے عالمی شخصیات کے منظرنامے پر نظر ڈورائیں تو آپ کی نگاہیں ایسی ذوات قدسیہ کی عملی جلوہ سامانیوں سے خیرہ ہوجائیں گی جن کے اعمال خلوص وللّٰہیت پر مبنی تھے، جو اپنی اطاعتوں کو دنیاوی جاہ وحشم کے حصول کا وسیلہ نہیں بناتے تھے، پھر دنیاوآخرت کی سعادتیں انھیں حاصل رہیں، جو ہماری لیے کسی تازیانے سے کم نہیں۔

نرم خوئی وشیریں کلامی: دعوتِ دین کی راہ بڑی صبرآزما ہوتی ہے، اس میں ظلم وستم کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے، مخالفتوں کی تیز وتند ہوائیں بھی جھلساتی ہیں، لعن وطعن کے نشتر بھی چبھتے ہیں، تنقید کے شمشیر دودم سے گھائل بھی ہونا پڑتا ہے، ایسے حوصلہ شکن حالات میں اگر داعی دین صبرورضا کا عملی نمونہ پیش کرے، مخالفتوں، تنقیدوں اور مظالم کے جھلسادینے والے شعلوں کو نرم خوئی وشیریں کلامی کی خنک ہواؤں سے بجھائے تو دعوت کا مشن آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ گویا نرم خوئی وشیریں کلامی دعوت دین کی راہ کی بہت ساری دشواریوں کا تنہا خاتمہ کرتی ہے اور دعوت وتبلیغ کی صالح فضا ہموار کرتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خصلت حمیدہ کے ذریعے بدبخت اور بدخلق لوگوں کے دلوں کے آفاق پر اپنی محبتوں کے دیے روشن فرمائے اور ان سے کدورتوں، نفرتوں کی وبادور فرمائی اور دین کے خلاف رچی جانے والی تمام تر سازشوں کے بخیے اُدھیڑ کر رکھ دیے اور دعوت دین کی ایسی عمومی فضا ہموار فرمائی کہ آپ کے آفاقی پیغام کے لیے بغض وحسد سے دھک رہے دلوں میں بھی کوئی نہ کوئی نرم گوشہ پیدا فرمادیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نرم خوئی وشیریں کلامی دوپارہ پارہ آبگینۂ دل کو جوڑتی ہے، پھران کو اخوت ومحبت کے رسم کی پابند بناتی ہے، جب کہ تند خوئی وتلخ کلامی دودلوں میں نفرتوں کے پودے اگاتی ہے، ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی کا راستہ ہموار کرتی ہے، عدل وانصاف کے تقاضوں سے سرموڑنا سکھاتی ہے، اپنے ہی بھائی کے ساتھ ناروا سلوک کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے اور کبھی دو بھائیوں میں زمانۂ جاہلیت کی سی عصبیت کھڑی کردیتی ہے اور ایسا کشت وخون کا ناروا سلسلہ چل نکلتا ہے جس سے پورے معاشرے کی سلامتی خطروں کی زد میں آجاتی ہے۔

لیکن صدحیف کہ آج ہم نرم خوئی اور شیریں کلامی جو ہمارا اخلاقی وملی فریضہ سے سرتابی کررہے ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں کا آزاد طبقہ یا کم خواندہ دستہ جو دین کی اتنی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا کہ حق وباطل میں خط امتیاز کھینچ سکے، وہ متصلب سینوں سے دور ہوجاتا ہے اور گندم نماجوفروشوں کی میٹھی بولیوں، خوش آئند پراسرار عادتوں پر دل وجان سے نثار ہوکر اپنے ایمان کی متاع گراں مایہ کھو بیٹھتا ہے۔ ان کے عظمت کدۂ دل میں ان کی ایسی محبت بسالیتا ہے کہ ان کی ہر بات کو نقارۂ خدا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور ان کی قصیدہ خوانی اپنی قسمت کی معراج تصور کرتا ہے، ان کے ہر حکم کی تعمیل اور ان کی ہر بات کو تسلیم کرنے میں کافی حظ محسوس کرتا ہے۔ ان کی توہین وہ کسی صورت میں برداشت نہیں کرسکتا ہے۔ ان سے غایت اشتیاق انھیں اندھا کردیتا ہے اور ان کی فکر وشعور کی ساری توانائیاں چھن جاتی ہیں اور وہ کھرے کھوٹے کی تمیز

سے بے پروا ہو جاتا ہے اور ایک دن نام نہاد موحدین کی اندھی تقلید انھیں جہنم رسید کر دیتی ہے۔

ایسے ہوش رُبا اور غم انگیز ماحول میں کیا ہماری ذمے داری نہیں ہے کہ ہم ایمان وایقان کے لٹیروں کے خلاف نرم خوئی وشیریں کلامی کی شمشیر آبدار لے کر نبرد آزما ہو جائیں تاکہ دین کش ان ڈائنوں کے چہرے سے نقاب اٹھا کر ان کا حقیقی خط وخال لوگوں کے سامنے پیش کریں تاکہ عوام الناس اپنی متاع ایمان کو ان کی دست برد سے محفوظ رکھ سکیں اور دنیا وآخرت کی سعادتوں سے شادکام ہوں۔

استکبار سے گریز: استکبار کے معنی ہیں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اس جذبے کے دو رخ ہیں، ایک رخ انکار حق ہے اور دوسرا لوگوں کی تحقیر ہے، واضح رہے کہ یہ دونوں باتیں شیطان کے اندر موجود تھیں ایک طرف اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سے کم تر سمجھا اور دوسری طرف رب کے حکم سے سرتابی کی۔

پتہ چلا کہ استکبار انسان کو خدا سے بغاوت اور سرکشی پر آمادہ کرتا ہے اور جس شخص کے اندر استکبار کا جذبہ جس نوعیت کا ہوگا۔ خدا سے بغاوت اور نافرمانی بھی اسی نوعیت کی ہوگی۔ جب استکبار کا جذبہ اپنے شباب پر ہوگا تو حکم ربانی سے سرتابی بھی اپنی آخری حد کو پہنچی ہوگی۔ لہٰذا ایک داعی کو نفس کشی کے ہتھیار سے جذبۂ استکبار کو قتل کرنا ناگزیر ہے تاکہ خدا کے حضور سر ٹیکنے سے روکنے والے ایک مہلک جذبے کا خاتمہ ہو جائے۔

ایک متکبر پر جہاں خدا کی اطاعت شاق گزرتی ہے وہیں وہ کسی کو اپنے سے برتر ماننے کو تیار نہیں ہوتا اور وہ اپنے آپ کو ہر پابندی سے آزاد سمجھتا ہے، جس سے عملی واعتقادی بے راہ روی اور فسق وفجور کی راہوں پر جا پڑنے کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ کافی حد تک یقین بھی ہے۔ ایک متکبر انسان کبھی کسی کی نصیحت قبول نہیں کرتا، پھر وہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کیسے کر سکے گا؟ گویا استکبار سے گریز بھی راہ دعوت کی بہت ساری دشواریوں کا ازالہ کرتی ہے۔

سیرت کی درخشانی: دعوت وتبلیغ کے موثر ہونے میں سب سے اہم حصہ داعی کی زاہدانہ زندگی کا ہے۔ اگر اس کی زندگی عمل صالح کے مظاہر سے درخشاں نہ ہو تو اس کی مدلل تقریریں اور دل کو چھو لینے والا اسلوب دونوں اپنا اثر کھو بیٹھیں گے اور مبلغ اپنی تبلیغ کے مثبت اثرات قوم پر مرتب نہ کر سکے گا۔ اس کے برخلاف اگر اس کی زندگی زہد وورع کی پیکر ہو تو اس کی دعوت کے اہم اور بنیادی دلائل خود مدعو کے لیے نقوش قدم بن جاتے ہیں اور ہزار ہا قلوب کو جھنجھوڑ کر راہ راست پر لانے کا ذریعے بن جاتے ہیں، یہی وہ فلسفہ ہے جس کی تعلیم دیتے ہوئے قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے:

”أتامرون الناس بالبرّ وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتٰب افلاتعقلون“ کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالاں کہ تم کتاب پڑھتے ہو، تو کیا تمھیں عقل نہیں۔

ایک جگہ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”یاایھا الذین آمنو الماتقولون مالاتفعلون“ اے ایمان والو! جن چیزوں سے تم کنارہ کش ہو اس کا حکم دوسروں کو کیوں دیتے ہو۔

بدعمل داعی کی بدعملی چوں کہ اس کی دعوت کی خود ہی مخالف ہوتی ہے، بلکہ تکذیب کرتی ہے، اس لیے لوگوں کو بھی اس کی دعوت کی صداقت پر یقین نہیں آتا، پھر بھلا وہ اس کی دعوت کو درخور اعتنا کیوں سمجھیں گے؟ اس پر عمل پیرا کیوں ہوں گے؟ جب سیرت النبی کے سانچے میں ڈھل کر متاع تبلیغ پیش کی جائے تب جا کر لوگوں کے دلوں میں کوئی مقام بنایا جا سکتا ہے اور اپنے پیغام کو لوگوں کے دلوں میں اتارا جا سکتا ہے۔

بروں کے ساتھ خوش معاملگی: شر پسند لوگوں نے ہر دور میں دعوت کی مخالفت کی ہے اور داعی کے درپئے آزار ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر کہیں دعوت دین کی مخالفت کی جاتی ہے اور داعی دین کے خلاف معرکہ آرائی ہوتی ہے، تو داعی کو گھبرانا نہیں چاہیے کہ یہ راہ ہی پر خطر ہے، اس میں جو بھی اترا ہے، وہ ستایا گیا ہے۔ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وجبر کے پہاڑ توڑے گئے، پھر بھی رسول اکرم نے کبھی جفا پیشوں کے لیے بددعا نہیں فرمائی، بلکہ ان پر رحم وکرم کی بارش فرماتے ہوئے ان کے لیے حق وہدایت کی دعا فرمائی: ”اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون“ اے اللہ میری قوم کو ہدایت مرحمت فرما کہ انھیں علم نہیں۔ داعی دین کو سیرۃ النبی کے اس گوشے پر خاص نظر رکھنے کی

ضرورت ہے، تاکہ مصائب میں صبر وشکیب کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے اور نہ حق وہدایت کی تبلیغ کا جذبہ سرد پڑنے پائے۔

بروں کے ساتھ بھلائی کا مظاہرہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اگر داعی اس سُنتِ کریمہ پر قایم رہے، تو ایک دن بڑے سے بڑا ظالم اس کے کردارِ خوشنما سے متاثر ہوکر مطیع وفرمانبردار بن جائے گا اور اس کی ہر بات پر نہ صرف عمل کرے گا بلکہ اس کی عزت وحرمت کی خاطر جان دینے کا بھی حوصلہ رکھے گا۔

لیکن آج عالم یہ ہے کہ ذاتی اختلافات محاذ آرائی کا باعث بنتے جارہے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر قطع تعلق کیا جارہا ہے، رشتے ناطے توڑے جارہے ہیں اور اس طرح دعوت کا کام رکتا جارہا ہے۔ اگر شر پسند افراد کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، مصیبت کے وقت ان کی مدد کی جائے، ان کی دل آزاری سے امکان کی حدوں تک بچا جائے، تب کہیں ایک مبلغ اپنے تبلیغی مشن میں کامیاب ہوسکے گا، ورنہ تو اس کی تبلیغ لوگوں میں ایک معمہ بن کر رہ جائے گی۔

جہاد بالنفس: ایک داعی کے لیے باہر کی دنیا کے باغیوں سے لڑنے سے پہلے اپنے عفریت نفس سے لڑنا ناگزیر ہے، کیوں کہ عفریت نفس ہمیشہ آدمی کو آمادۂ گناہ کرتا ہے: ان النفس لامّارۃ بالسوء''نفس انسان کو برائی کا زیادہ حکم دیتی ہے۔ داعی کی یقینی کامیابی نفس کو رام کرنے ہی میں ہے۔ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "**المجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ**" حقیقی مجاہد وہی ہے جو طاعت میں اپنے نفس سے برسرپیکار رہے۔

جب بندہ حکم الٰہی کے مقابل اپنے نفس سے کشمکش جاری رکھتا ہے تو رفتہ رفتہ نفس مغلوب ہوکر مرجاتا ہے اور وہ شخص کبھی طاعت الٰہی سے سرتابی نہیں کرتا، بلکہ نہایت سرعت کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی میں تیز گام رہتا ہے۔ اس کے اندر وہ جذبہ موجزن ہوتا ہے جو اس کو حق کی ترویج واشاعت کی خاطر مائل بہ پرواز رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف خود نبی کریم کی سنت کریمہ کا عامل ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنے قول وکردار کی تلوار سے آمادہ کرتا رہتا ہے۔ اور وہ افراد نظام خداوندی کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے، ان سے اس وقت تک لڑتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اس کے سامنے سپر انداز نہ ہوں۔

اگر کوئی مبلغ دعوت دین کی راہ میں زہد وریاض کے اسلحوں سے لیس نہ ہو اور نفس شریر سے جہاد نہ کرے، بلکہ تن آسانی کے پیش نظر اس کو ڈھیل دیتا رہے تو وہ دن بھی آتا ہے جب اس کا نفس اس پر غالب آجاتا ہے اور وہ اس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسا داعی باغیان دین کے خلاف کبھی صدائے احتجاج بلند نہیں کرسکتا اور نہ دعوت دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کا تصور کبھی اس کے ہاتھوں تعبیر آشنا ہی ہوسکتا ہے۔

خدا کا خوف: خدا کا خوف تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے، اس سے ذہن وفکر میں انقلاب بپا ہوتا ہے، پھسلتے ہوئے قدموں کو ثبات واستقلال کی دولت حاصل ہوتی ہے اور انسان اطاعت وانقیاد کے معاملے میں کافی چاق وچوبند ہوجاتا ہے۔ تب داعی دین راہ دین کی تمام مشکلات سے بے نیاز ہوجاتا ہے، مداہنت ومرعوبیت اس کو پابہ زنجیر نہیں کرتی، اور اس کا کے جذبۂ تبلیغ کو مزید بڑھاوا دیتی ہے اور مستانہ وار دعوت دین کے مشن کو لے کر آگے بڑھتا ہے، لوگوں کے دلوں کو مسخر کرکے انھیں اطاعتوں کا خوگر بنادیتا ہے اور اپنی زندگی کے پیمانۂ عمل سے لوگوں کے دلوں میں خدا کے خوف کا وہ جام انڈیل دیتا ہے، جس کے زیر سایہ ان کی پوری زندگی صراط مستقیم پر جادہ پیما رہتی ہے۔ اور خانگی امور ومعاملات اور دیگر متعلقات اسے راہ حق سے برگشتہ کرنے میں ناکام ثابت ہوتے ہیں۔

خدا سے ڈرنا اور مخلوق سے بے پرواہ ہوجانا ہی دراصل داعی کی کامیابی کا اہم عنصر ہے۔ جس کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن مقدس میں یوں کیا ہے: الذین یبلغون رسالٰت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا من اللہ وکفی باللہ''

مجالس میں سرگوشی سے اجتناب: سرگوشی کو قرآن مجید میں ''نجویٰ'' کا نام دیا گیا ہے، جس کے معنی کسی چیز کو الگ اور منفرد کرنے کے ہیں۔

اصطلاح میں کسی مجلس میں دو آدمیوں کا اس طرح گفتگو کرنے کو کہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی بات نہ سنیں، اسی کا نام خفیہ مشورہ بھی ہے۔ اگر چہ یہ مطلقا جائز ہے مگر بعض صورتوں میں ناجائز بھی ہے۔

سرگوشی اگر دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے لیے ہو، یا ذاتی اغراض کی تکمیل کے لیے تو اس کے متعلق قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے:''**لا خیر فی کثیر من نجواھم**'' ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں، کیوں کہ ان سے نیکیاں مطلوب نہیں ہیں۔ رب تعالیٰ آگے ارشاد فرماتا ہے:''**الّا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس**''(النساء)

یعنی جس خفیہ مشورے کا مقصد صدقہ وخیرات یا لوگوں کی بھلائی کے پروگرام بنانا یا عوام میں موجود کسی اختلاف کو دور کرانے کی تدابیر تلاش کرنا ہوں تو یہ سرگوشی بلاشبہہ بابرکت ہے اور شرعاً نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کے سرانجام دینے والے کو اجر عظیم کا مژدہ بھی دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:''**ومن یفعل ذالک ابتغاء مرضات الله فسوف نوتیه اجراً عظیماً**''

اس لیے ایک داعی کے ضروری ہے کہ وہ ایسی سرگوشی سے بچے جس سے کسی مومن بھائی کی دل شکنی ہو یا کسی کے حقوق کی پامالی ہو، یا کسی کی عزت وعظمت، مال ودولت پر حرف آئے، ہاں ایسی سرگوشی سے کبھی کنارہ کش نہ ہو جس سے دو ٹوٹے ہوئے دل باہم جڑ جائیں اور ان کے درمیان اخوت ومحبت کا اٹوٹ رشتہ قائم ہو جائے۔ یا جس سے عامۃ الناس کی اصلاح مقصود ہو اور انھیں کچھ سیکھنے سکھانے کے مواقع میسر آ جائیں یا جس سے ایسی تدابیر عمل میں آئیں جن کے سہارے مسلمانوں کی معاشی واقتصادی زبوں حالی کے علاج کی راہیں ہموار ہوں۔ جس سے دین کی سربلندی کا رشتہ جڑا ہو تو ان صورتوں میں سرگوشی محمود ہے۔

استغنا: مبلغ کی ذاتی صفتوں میں سے استغنا ایک اعلیٰ اور جوہری صفت ہے، بغیر اس کے وہ دعوت دین کا وقار بحال نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اپنے دامن کو حرص وطمع سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ وہ مبلغین جو استغنا اور خودداری کی دولت سے بے بہرہ ہوتے ہیں وہ بے باکانہ حق کی تبلیغ کر ہی نہیں سکتے، کیوں کہ مخاطبین سے استفادہ انھیں اظہار حق سے روک دے گا اور اگر وہ نفس کی مخالفت کر کے برموقع حق کی تبلیغ کریں بھی تو وہ مخاطبین پر مثبت اثرات مرتب نہیں کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے کرام نے دعوت حق پیش کرنے کے بعد ہر قسم کی منفعت سے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:''**وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین فاتقوا الله واطیعون**''

آیت کریمہ میں درس موجود ہے کہ مبلغ دنیوی مفاد سے بالاتر ہو کر دعوت دین کا فریضہ سرانجام دے اور اجر کی توقع صرف خالق ارض وسما سے رکھے کہ وہی اس کا بھرپور صلہ عطا فرمائے گا۔

مندرجہ ذیل آیت کا نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ مبلغ اس بات کی بھی کوئی پروا نہ کرے کہ اس کی تبلیغ سے کتنے لوگ نیک اور صالح بنے اور کتنے لوگوں کے دلوں سے کفر وشرک کی آلائش دھلی، کیوں کہ تمام گمراہوں کو رب قدیر جانتا ہے، یوں ہی ھدایت یافتہ بندے بھی اس دائرۂ علم سے باہر نہیں:''**ان ربک اعلم بمن ضلّ عن سبیله وھو اعلم بالمھتدین**''

فراخ دلی اور اعلیٰ ظرفی: فراخ دلی وہ جوہری خوبی ہے جو داعی کو دوسروں سے ممتاز کر دیتی ہے، یوں ہی ظرافت بھی خدا کی عطا کردہ وہ نعمت ہے جو کسی بھی شخص کو پستیوں سے اٹھا کر مقام بلند پر فائز کر دیتی ہے اور جب فراخ دلی اور اعلیٰ ظرفی کسی ایک انسان میں جمع ہو جائیں تو اس کی شخصیت میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور وہ لوگوں میں اخوت ومحبت کی فضا ہموار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور دین کی نشرواشاعت میں ذاتی اختلافات اور خانگی معاملات اور معاشرتی تعلقات خلل انداز نہیں ہونے دیتا، بلکہ یکسو ہو کر دین کے پیغام کو عام سے عام تر کرتا جاتا ہے۔ فراخ دل مبلغ نامساعد حالات کے رخ موڑ دیتا ہے۔ ظالموں کے دفتر مظالم پر قلم عفو پھیر دیتا ہے اور ستم کیشوں پر رحمتوں کا ابر بن کر برستا ہے اور ان کی تمام سفاکیت کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

فراخ دلی اور اعلیٰ ظرفی سے انسان کے اندر چشم پوشی اور درگزر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، جس کے ذریعے وہ لوگوں کو دعوت دین سے قریب کرنے بلکہ اسے ان کے لوح دل میں اتار دینے میں بہت جلدی کامیاب ہو جاتا ہے یہی وہ حکمت بالغہ ہے، جس کی طرف ہماری توجہ مرکوز کرنے کے لیے خالق ارض وسما جل مجدہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر یوں ارشاد

فرمایا ہے: ''ودع اَذاھم وتوکّل علیٰ اللہ وکفیٰ باللہ وکیلاً'' (الاحزاب/۴۸)

یوں ہی عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے: ''واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فألّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا'' (آل عمران ۳/۱۰۳)

تبلیغ دین کی راہ میں عوام کی طرف سے پیش آنے والی زیادتیوں، تلخیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اچھی خصلت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے جرم کیشوں کی لوح پیشانی سے جہالتوں، شرارتوں، نافرمانیوں، فریب کاریوں کے داغ دھبوں کو ہمیشہ کے لیے کھرچ کر پھینک دیا۔ ہمیں بھی سنّت نبوی کے اسی گوشے سے اپنے عمل کا سررشتہ جوڑنے کی ضرورت ہے تاکہ وہی انقلاب آج بھی ظہور پذیر ہو جو آج تک نبوی انقلاب سے مشہور و معروف ہے، لیکن اس کے لیے وہی جذبہ وہی لگن، وہی جان سوزی، وہی جان سپاری، وہی تڑپ وہی اخوت، وہی شفقت، وہی مروت وہی دلیری، وہی جوانمردی، وہی نرمی وہی شیریں مقالی وہی صدق کلامی ناگزیر ہے، جو ذاتِ مصطفوی کا طرّۂ امتیاز تھا۔ لیکن افسوس کہ ہم میں اس کا عکس ناقص بھی نہیں، پھر نصرت خداوندی دست گیر ہو تو کیوں کر؟ لیلائے کامرانی اپنے آغوش وا کرے تو کیسے؟

ہر دانش مند سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر کسی قیمتی چیز میں کوئی خرابی آ جائے تو اسے رَدّی کی ٹوکری میں نہیں ڈالا جاتا، بلکہ اس کے اصلاح کی ہر کوشش کی جاتی ہے، تاکہ وہ چیز ضیاع سے محفوظ ہو جائے۔ اسی طرح اگر کسی انسان کے اندر کچھ برائیاں جنم لے لیں تو انھیں موردِ عتاب ٹھہرا کر اُن سے دور ہو کر انھیں ہلاکتوں کے دہانے تک نہیں پہنچائیں گے، بلکہ ان کے عملی مفاسد پر اصلاح کا نشتر چلائیں گے تاکہ وہ صحت مند اعمال کے ذخائر سے اپنے دفتر عمل کو سجا سکے اور میدانِ محشر کی رسوائیوں سے رستگاری کی سبیل پیدا کر سکے۔

ایک مصلح اگر ظریفانہ طرز عمل اور فراخ دلانہ جذبے سے خالی ہو کر اپنے ہم قافلہ لوگوں کی ادنی سے ادنی فروگذاشتوں کو درگزر نہ کرے، تو وہ اس سے روز بروز دور و نفور ہوتے جائیں گے اور معاشرے میں نیک عناصر جو یوں ہی کم یاب ہوتے ہیں مزید کم ہوتے جائیں گے اور دینی تحریک جمود و تعطل کا شکار ہو کر اپنی معنویت کھو بیٹھے گی۔ اسی لیے اللہ رب العزت جل جلالہ عفو و درگزر کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ''فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر'' (آل عمران/۱۵۹)

حلم و بردباری: ایک داعی اس وقت تک کار دعوت بہتر طور پر سرانجام نہیں دے سکتا جب تک وہ حلیم و بردبار نہ ہو۔ چوں کہ وہ دوسروں کی شخصیتوں سے اولاً ناواقف ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ مخاطبین کو اچھی طرح سمجھ لے اور خیر و شر کی طرف ان کے میلانات کا اندازہ کر لے۔

داعی جب مخاطبین کے دلوں میں اتر کر خیر و شر سے متعلق ان کے رجحانات سے اچھی طرح واقف ہو جائے گا، تو وہ کبھی ان کے روبرو ایسی بات نہ پیش کرے گا، جس کے نتائج سے وہ خود بے بہرہ ہو، جی ہاں! داعی دین ایک ایسے مقام پر فائز ہوتا ہے، جو معاشرے کے اکثر لوگوں کے لیے نامانوس ہوتا ہے، اس میں ان کے لیے کوئی کشش بھی نہیں ہوتی۔ نہ ان کے اندر یہ بارگراں اٹھانے کی تاب ہی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی جانب سے اختلافات کا سر ابھارنا ناگزیر ہے، ایسے عالم میں ایک مخلص داعی کا اہم فرض ہے کہ وہ اپنی ذمے داری بہتر طور سے نبھائے اور مخاطبین کی شخصیات کے اس پہلو پر کڑی نظر رکھے، جو شخص کسی کھیت میں بیج ڈالنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اولاً متعلقہ زمین کے خواص دریافت کرے، کیوں کہ بعض زمینیں قابل کاشت ہی نہیں ہوتیں، بلکہ بنجر ہوتی ہیں، جن میں روئیدگی کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے۔ اس تناظر میں قرآن پاک کا یہ ارشاد ہمارے لیے رہنما ہے: ''فذکّر ان نفعت الذکریٰ'' (الاعلیٰ/۹)

مخاطب کے جذبات کا احترام: ایک داعی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مخاطب کے جذبات کی قدر کرے، کیوں کہ جب تک داعی مخاطبین کے جذبات کا احترام نہیں کرے گا، اس وقت تک دعوت و تبلیغ کے میدان میں اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملے گی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمام لوگ یک بیک داعی کی دعوت کے ہم نوا ہو جائیں اور ان میں اس کے تئیں کوئی اختلاف بھی رونما نہ ہو، کیوں کہ مخاطبین کی جانب سے

اختلاف رائے تو فطری امر ہے، اس اختلاف کو بنیاد بنا کر ان کے جذبات کا خون نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی بساط تعلقات سمیٹی جائے گی، بلکہ جذباتیت کا احترام اور مختلف ذہنیتوں کی رعایت کے ذریعے اخوت کی خوشبو پھیلائی جائے گی اور دعوت کے لیے ماحول سازگار بنایا جائے گا، ملت کی شیرازہ بندی کی جائے گی اور اختلاف کے تاروپود بکھیرنے کی سمت پیش رفت جاری رکھی جائے گی۔

ایک داعی کو یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ جس طرح وہ لوگوں کو اپنی باتیں سناتا ہے اسی طرح ان کی باتوں کو بھی سننا پسند کرے اور اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر ہمیشہ ناقدانہ نظر ڈالے اور اپنی کمیوں کوتاہیوں پر بھی نظر رکھے۔ ان باتوں کی کھوج کرتا رہے کہ کہیں دوران تبلیغ وترسیل اس کی آواز تیز وتند تو نہیں ہوجاتی؟ طرزِ کلام جارحانہ تو نہیں ہوجاتا؟ وہ پندار علم کا مریض تو نہیں ہوچلا؟ کہیں اس کا لب ولہجہ تیر وتفنگ کی طرح مخاطبوں کے جگر کے آر پار تو نہیں ہوجاتا؟ یا باعث سمع خراشی تو نہیں ہے؟

ایک داعی کا یہ اہم فرض ہے کہ غلط روی کی صورت میں احساس کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور وہ اپنی غلطیوں کی تاویل کرنے کی بجائے قبول حق میں عار نہ محسوس کرے۔ ہر وقت محتاط قدم اٹھائے تاکہ عیب جویوں کو عیب جوئی کا موقع نہ ملے اور مشن کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے وہ اس کی ذات کو ہدف بنا کر کشت وخون کا بازار گرم کرنے میں کامیاب بھی نہ ہوسکیں۔

حق کا اعتراف: ایک داعی کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ وہ دانش منداور فراخ دل ہو اور دعوتِ دین کی راہ میں کبھی اپنے موقف کے بارے میں پہلے سے یہ نہ طے کرلے کہ وہی صحیح ہے۔ حقائق اس کا ساتھ دے رہے ہوں یا نہ دے رہے ہوں۔ اگر حقائق پر اس کا موقف کھرا اترے تو بلاشبہ اس پر اٹل رہنے میں وہ حق بہ جانب ہوگا، اس کے برعکس وہ اپنے اور بیگانے سب کی نگاہ میں خوار ہوجائے گا اور اس کی تحریک دعوت کی راہ میں بہت ساری دشواریاں اٹھ کھڑی ہوں گی۔

موقف کا معروضانہ جائزہ لینے کے بعد مخاطبین کے سامنے دعوت پیش کرنا ایک داعی کا کمال دانش مندی ہے، تاکہ اپنے غلط موقف کی تائید کے لیے اسے غلط تاویلوں کا سہارا نہ لینا پڑے، یوں اسے رسوائیوں سے بھی چھٹکارا نصیب ہوگا۔ پھر اگر اسے اپنے موقف کی کمزوری کا علم ہوجائے تو پندار علم توڑتے ہوئے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیے بغیر مخاطب کی بات پر آمنا و صدقنا کہے کہ علم کا یہی تقاضا اور عالم کی یہی شان ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ عالم اس وقت تک بحث وتمحیص سے گریزاں رہے جب تک کہ وہ بحث کے بنیادی نکات سے بخوبی آشنا نہ ہوجائے اور اس بات کا اسے یقین کامل نہ ہوجائے کہ کن دلائل سے اپنے مخاطب کو قائل کرنا ہے۔ تب جا کر وہ اپنے مخاطب کے دل میں اعتبار واستناد کا درجہ حاصل کرسکے گا۔

اگر داعی حق واضح ہوجانے کے بعد اس سے پہلوتہی کرتا ہے تو مخاطبین اس سے بدظن ہوکر دور ونفور ہوتے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ دوری ان کے درمیان ایک خلیج کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور داعی کی میٹھی باتیں بھی انھیں کڑوی کڑوی سی لگتی ہیں اور وہ اس کی مخالفت میں قبولِ حق کے بجائے اس سے انحراف کی راہوں پر جاپڑتے ہیں اور تحریک دعوت اپنی مقصدیت کھوبیٹھتی ہے اور داعی بھی اپنی نامرادی کا رونا روتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے لیے اپنی عظمت رفتہ کی بازیافت میں کامیابی بہت دشوار ہوجاتی ہے اور اس کے اندر موجود اصلاح امت کا جذبہ بھی رفتہ رفتہ دم توڑ دیتا ہے۔ پھر اس میں کسی اصلاحی تحریک سے جڑنے کا حوصلہ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔

حرص سے بیزاری: نیزے کا زخم کسی نہ کسی دن بھر جاتا ہے، لیکن زبان کی آری جب کسی دل پر چل جائے تو اس کا زخم دیرپا اور دوررس اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ ایک داعی جو اپنے قول وعمل کی تلوار سے برائیوں کی کاٹ کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی گفتگو کے دوران جب جذباتی یا سیاسی موقف اختیار کرے، تو اپنی بات حق سمجھ کر حریصانہ جذبات سے مغلوب ہوکر دوسروں کے جذبات پر کبھی ہلکا اور کبھی گہرا زخم لگانے سے بچے کہ اس سے اکثر نقصان ہی ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس طرز خطاب میں دوسروں کے جذبات کی رعایت مفقود ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی باتیں یکسر اپنا اثر

کھو بیٹھتی ہیں اوران کے مثبت اثرات قوم پر نہیں پڑتے۔

مخلصانہ جذبات سے دوری، حریصانہ جذبات سے مغلوبیت کسی بھی داعی کے مقام ومنصب سے فروتر ہے، کہ یہی وہ اخلاقی جرائم ہیں جن سے وہ لوگوں کی آنکھوں میں خار بن کر چبھتا ہے اور معاشرتی اصلاح کے تمام دروازے اپنے اوپر از خود بند کر لیتا ہے۔

ماحول شناسی: ایک داعی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جب اسے کسی غیر مانوس ماحول میں کام کرنے کا موقع میسر آئے، تو وہ صبر وسکون کے ساتھ کچھ دنوں تک ماحولیات کو سمجھے، یہ کام کم عرصے میں بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ عرصے تک دراز بھی ہوسکتا ہے۔ جب داعی اس ماحول کی تہوں میں اتر کر حقائق واسرار سے آگاہ ہوجائے، تب اسے اپنے دعوت کے کام کو اس ماحول میں پھیلانا چاہیے۔ اگر ماحول کو سمجھے بغیر اس نے کام کرنا شروع کر دیا، تو اسے بہت سی پریشانیاں لاحق ہوسکتی ہیں، جو دعوت دین کی رکاوٹ کا اہم سبب بھی بن سکتی ہیں۔

بنیادی اصولوں سے شناسائی: فکر انسانی کے زاویے مختلف ہیں، لیکن ان میں چند ایک کو کلیدی اہمیت حاصل ہے، اگر ان پہلوؤں کو سمجھنے میں کافی وقت لگتا ہے تو کوئی بات نہیں کیوں کہ جب داعی بحث کے ان جوہری اصولوں سے آشنا ہوگا، تبھی اس کے لئے یہ ممکن ہو سکے گا کہ خود بھی اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی فیض بخشے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ کسی سے اسلام کے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، تو سب سے پہلے اس موضوع کے بنیادی نکات، ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالغیب، ایمان بالآخرۃ اور کل ماجاء بہ النبی وغیرہ کو سمجھنا ہوگا اگر مخاطب ان بنیادی چیزوں پر ایمان ہی نہیں رکھتا تو داعی کے لیے اس بحث کو ختم کر دینا مناسب ہوگا اور دوسرے پہلو سے گفت وشنید مفید ہوگی۔

اسی طرح اس شخص کا معاملہ ہے، جس نے کسی عبقری کو اپنا امام مان لیا ہو اور اس کی محبت میں اسے حق ومصلحت عامہ کی بھی پرواہ نہ ہو تو ایسی صورت میں ایک داعی کے لیے مناسب ہوگا کہ اس شخص سے اس انداز میں گفتگو کرے کہ اس کے محبوب امام وقائد پر اولاً کوئی اعتراض بھی نہ پڑے اور بتدریج اسے اپنے مقصد سے قریب کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

اگر داعی اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گیا تو گویا اس نے اس کے در دل پر دستک دے دی۔ اب اس کے بعد اسے پورا موقع مل سکے گا کہ حکمت اور صبر سے کام لے کر اس کے اندر حق کی تخم ریزی کرے اور باطل کے خودرو پودوں کو اکھاڑ پھینکے۔

جذبہ ولگن: ایک داعی جب تک نشر واشاعت کا سچا جذبہ اور پکی لگن نہ رکھتا ہو وہ اپنی تحریک دعوت سے لوگوں کو قریب تو کر سکتا ہے، انھیں اپنی تحریکی تفہیم سے عقلی اطمینان تو دے سکتا ہے، لیکن انھیں راہ دعوت میں عملی طور پر اتار نہیں سکتا۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ داعی کے دل میں ایک جذبہ شعلہ زن ہوجائے، جو اس کو ہر وقت اپنے مقصد کے دھن میں لگائے رکھے، دل ودماغ کو یکسو کر دے اور توجہات کو کار دعوت پر ایسا مرکوز کر دے کہ اگر ذاتی اختلافات یا خانگی یا دوسرے معاملات کبھی اس کی توجہات کو اپنی طرف کھینچیں بھی تو وہ سخت ناگواری سے ان کی طرف مائل ہو۔

اگر داعی کا دل جذبہ اشاعت دین سے خالی ہو تو اسے خدمت دین کا جذبہ اور لگن پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، کہ جہاں دل کی لگن یا جذبہ کارفرما ہوتا ہے وہاں انسان کو کسی خارجی اکسانے اور ٹھیلنے والے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب داعی کا دل خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار ہو تو کبھی یہ صورت حال پیدا نہیں ہوسکتی کہ اگر کہیں کوئی مبلغ پیچھے ہٹ جائے یا نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو وہاں کار دعوت ہی رک جائے۔

ایک داعی کو دعوت دین سے وہی قلبی لگاؤ ہونا چاہیے، جو ایک آدمی کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے کہ اسے بیمار دیکھ کر مضطرب ہوجاتا ہے اور اس کی شفا گستری کی خاطر تمام امکانی تدابیر بروئے کار لاتا ہے۔ وہ اسے اس لیے مریض نہیں چھوڑ دیتا کہ کوئی علاج ومعالجے میں اس کا رفیق کار اور معاون نہیں، بلکہ تن تنہا اپنی اولاد کے علاج کرانے میں اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتا ہے اور ہر حال میں اپنی اولاد کو صحت منداور تندرست دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی حال ایک اخلاص مند داعی کا ہے کہ وہ معاشرے کو صحت مند بنانے کے لیے تن من دھن کی قربانی دیتا ہے

اوراس فرض کو کسی دوسرے پر نہیں چھوڑتا چہ جائیکہ اس سے غافل ہو۔

وہ مبلغ جو اپنے تبلیغی مشن کو دوسرے کے سہارے چھوڑ دے یا اس سے اغماض کرنے لگے، یا سرے سے اس سے غافل ہو جائے، تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ دین کی اقامت اور سربلندی کے مقصد سے سوتیلا برتاؤ رکھتا ہے۔ حقیقی رشتہ تو اس وقت کہا جائے گا، جب وہ دین کی سربلندی کی خاطر جان بازی کرے۔

اگر کوئی مبلغ دعوت وتبلیغ کے میدان میں بغیر قلبی لگاؤ کے قدم آگے بڑھاوے گا، تو انجام پسپائی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ مبلغ اپنے تبلیغی مشن میں اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ کم سے کم کاردعوت سے اتنی محبت والفت رکھتا ہو جتنا ایک شخص اپنی بیوی اور بچوں سے رکھتا ہے۔

اگر کوئی دعوت میں خشک الفاظ استعمال کرے اور اس کے پیچھے جذبات کو بھڑکا کر حرکت میں لانے کی قوت کارفرما نہ ہو، تو اس دعوت کو معاونین میسر نہیں آتے، نہ ہی سماج میں ایسی دعوت کا گرم جوشی سے استقبال کیا جاتا ہے۔

اگر آپ قرآن کریم کے اسلوب دعوت پر نظر ڈالیں تو آپ جذبہ انگیز دعوت کے جلووں سے سرشار ہو جائیں گے اور اس کے جذبات کو مشتعل کرنے کی قدرت دیکھ کر حیرت میں ڈوب جائیں گے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حلاوت گفتار کو دیکھیے اور ان کے کلام کی اثر آفرینی کی داد دیجیے کہ صنادید قریش آپ کے حضور بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے کہ کہیں تاثیر کلام سے وہ خود نہ متاثر ہو جائیں۔ اسی خوف کے زیراثر وہ دوسروں کو بھی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے روکتے تھے۔ پھر بھی جو آپ سے شرفِ کلام حاصل کرلیتا وہ آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا تھا۔

دعوت کے لیے جذبے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ دعوت بمنزلہ گاڑی کے ہے اور جذبہ ولگن اس گاڑی کی قوتِ محرکہ ہے جس کے بغیر گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ جب داعی دعوت کے جذبے سے سرشار میدان تبلیغ میں قدم رکھتا ہے، ناہموار زمینوں میں بھی صالح فکروعمل کی جوت جگاتا ہے اور زندگی کے نازک سے نازک مراحل میں بھی اپنی دعوت کے لیے کسی ترغیب کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جس طرح بیج زمین کی کئی پرتوں کو چیر کر صحن گیتی پر ننھی سی کونپل کی صورت میں جلوہ فگن ہو جاتا ہے، اسی طرح داعی کے اندر اس کا وہ پیغام جو قلب کو تنقیہ اور روح کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ اس کے جذب صادق کی مدد سے ازخود نوک زبان پر آجاتا ہے اور اپنی جذبہ آمیزی، اثرآفرینی کی بدولت معاشرے میں روح انقلاب پھونک دیتا ہے اور مریض معاشرہ کو صحت مندی کی گنج گراں مایہ بخش کر ہی چین لیتا ہے۔

تحریک وہی کامیابیوں سے گزرتی ہے جو جذبہ انگیز دعوت پر مشتمل ہو اور اخلاص کی پونجی رکھتی ہو۔ اس لیے داعیان دین کو ویسا ہی جذبہ اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے جیسا صحابۂ کرام اور کاروان اہل عشق ووفا کے دل کی دھڑکنوں میں بسا ہوا تھا اور ہر لحظہ انقلابات کا جادو جگاتا تھا اور ہر سرزمین میں ایمان وعمل اور اقرار توحید ورسالت کے گل بوٹے کھلاتا تھا۔

پختہ ایمانی: داعیان دین کے ضروری ہے کہ وہ جس نظام زندگی کی تعمیر کرنا چاہتے ہوں، خود اس پر یقین محکم رکھتے ہوں، ان کا اپنا دل اس کے صحیح و برحق ہونے پر مطمئن ہو اُن کا اپنا ذہن اس معاملے میں یکسو ہو جائے، مبتلائے شک اور تذبذب زدہ کوئی شخص دین کا کوئی کام نہیں کرسکتا۔ یوں ہی وہ شخص جو الجھنوں کا شکار ہو اور پراگندہ فکر وخیال کا حامل ہو اس سے بھی دین کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ وہ حضرات جن کے دل ڈانواڈول ہوں اور یکسوئی کی دولت سے خالی ہوں وہ بھی کاردعوت میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ یہ کام تو انھیں لوگوں کا ہے، جو قطعاً اس بات سے آگاہ ہوں کہ خدا ہے اور انھیں صفات کا حامل، انھیں اختیارات کا مالک اور انھیں حقوق کا مستحق ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں، آخرت کا وجود ہے اور ٹھیک ویسی ہی ہے جیسی قرآن میں بتائی گئی ہے۔ اور وہ تمام چیزیں جو سُنّتِ نبوی اور آثار صحابہ کے مخالف ہوں باطل ہیں۔ اسلامی نظام زندگی کی تعمیر اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ان باتوں پر ایمان وایقان کی مہر ثبت نہ ہو جائے۔

☆☆☆

دعوت وتبلیغ میں عقلی دلائل کی اہمیت

غلام مصطفیٰ رضوی ★

فلاسفہ کے نزدیک کائنات مختلف اجزا کا مرکب ہے اور کائنات قانون کی ایک ریاست، جہاں ہر چیز اپنے طے شدہ اصول پر گام زن اور رواں دواں ہے۔ سائنس کے مطابق ان کی زندگی ''قوانینِ فطرت'' کی تابع ہے۔ قوانین الٰہی کی اتباع کی بناپر ان کی زندگی اسلام کی زندگی ہے، دوسرے الفاظ میں کائنات کا ہر جز خدا کے احکام کی متابعت کی بنیاد پر ''مسلم'' ہے:

وَلَـهُ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ ؎

''اور اسی کے حضور گردن رکھے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور اسی کی طرف پھریں گے'' (کنزالایمان)

انسان کو اشرف بنایا گیا، اسے عقل سے امتیاز بخشا گیا۔ کائنات کا نظام تو مشینی انداز میں متعین کر دیا گیا لیکن انسان کو فہم و ادراک، فکر وشعور، سوچ اور دانائی سے کام لینے کی صلاحیت ودیعت کی گئی۔ یہی عقل جب صراط مستقیم سے روگرداں ہو بیٹھے تو ٹھوکر کھا جاتی ہے، اس کے فیصلے غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں، اندازے بے کار ثابت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: ''عقل بھی اگر چہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے اور مرتبۂ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ حجتِ بالغہ انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے جس پر آخرت کا دائمی عذاب وثواب وابستہ ہے۔'' ؎

یہاں انبیا کی بعثت وضرورت کا مقصد خوب سمجھ میں آتا ہے کہ انبیا حق کی راہ کو ظاہر کرتے ہیں، اچھائی و برائی کا فرق بتاتے ہیں اور عقل کو قانونِ فطرت کی اتباع کی ترغیب دیتے ہیں اس لیے عقل ''توحید'' اور ''رسالت'' کی تائید کرتی ہے۔

اسلام ایک عالم گیر مذہب: اسلام کی صداقت اور سچائی کے دلائل پوری کائنات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ نظامِ قدرت، اجرام فلکی اور سیاروں کی دنیا، جمادات وحیوانات اور نباتات کی دنیا، شجر وحجر اور بحر کی دنیا، سائنس وفلسفے کے مشاہدات وتجربات کے نتائج، عالم مشاہدہ و عالم ارواح کے حقایق وغیرہ وغیرہ۔ یوں ہی موسموں کا تبدیل ہونا، فصلوں کا بارآور ہونا، پھولوں کا کھل اٹھنا، خوش بوؤں کا پھیل جانا، بادِ بہاری کا چلنا، بادلوں کا برسنا اور زمین کا سیراب ہونا، چشموں کا جاری ہونا، فضا میں پرندوں کا بلند ہونا، مہ وخورشید کا چمکنا، شفق کا حسن، اُفق کا جمال یہ سب اپنے صانع ''اللہ'' کے وجود پر دلیلیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت وتبلیغ اگر مشاہداتِ کائنات ومظاہر فطرت، تجربات ووقائع اور سائنسی حقائق کی روشنی میں کی جائے تو ''ایمان و ایقان'' کی روشنی ملتی ہی ہے۔

دینِ فطرت صرف اسلام ہے۔ وہ مذاہب جو انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں وہ چند توہمات ومفروضات کا مجموعہ ہیں اور عقل و روحانیت کسی ذرائع سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ جب کہ اسلام کا حسن نکھرتا جاتا ہے اس لیے کہ یہ 'خدائی دین' ہے اور دین مبین:

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَاللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ ؎ ''بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے'' (کنزالایمان)

اسلام شک وشبہے سے بالاتر ہے اور سادہ وعام فہم بھی، بہ آسانی اس کی تعلیمات سمجھ میں آتی ہیں اور دل تسلیم کرتا ہے، عقل یقین پر خود کو مائل پاتی ہے۔ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں؎

لَمۡ يَمۡتَحِنَّا بِمَا تَعۡيَى الۡعُقُوۡلُ بِهٖ
حِرۡصًا عَلَيۡنَا فَلَمۡ نَرۡتَبۡ وَلَمۡ نَهِمِ

ترجمہ: انھوں نے ہماری بھلائی کے پیش نظر ایسے دین اور شریعت

سے ہمیں امتحان میں نہ ڈالا جس کے فہم سے عقلیں عاجز ہوں، یہی وجہ ہے کہ ہم کسی شک اور وہم کا شکار نہ ہوئے ۴؎

غور و فکر کی تعلیم: قرآن مقدس میں عقل و خرد رکھنے والوں کو مختلف انداز میں تعلیم فرمائی گئی، کہیں عناصر فطرت میں غواصی اور فکر کا حکم دیا گیا تو کہیں اپنی نشانیاں اور نوع بہ نوع عجائب دکھائے گئے، کہیں کائنات کے مطالعہ کی ترغیب دلائی گئی۔ دوسری طرف ہمارا یہ حال کہ ہم قرآن مقدس نہیں دیکھتے، اس کے بحر حکمت میں غواصی نہیں کرتے، قرآن کے احکامات پر عمل نہیں کرتے ورنہ اسرار و غوامض کھلتے اور فکر و نظر کی تطہیر کا بہت کچھ سامان ہوتا۔ کیسی سچی اور شبہے سے ورا باتیں ہیں کہ عقل کو روشنی ملتی ہے اور شعور کی گرہیں کھل جاتی ہیں:

(الف) وَیُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۵؎ ''اور تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمھیں عقل ہو'' (کنزالایمان)

(ب) قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۶؎ ''ہم نے نشانیاں تمھیں کھول کر سنا دیں اگر تمھیں عقل ہو'' (کنزالایمان)

(ج) اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۷؎ ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے'' (کنزالایمان)

(د) وَلِیَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۸؎ ''اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں'' (کنزالایمان)

دعوت حق اور نرمی: اسلام اچھائی کے فروغ اور برائی سے اجتناب و دوری کی تعلیم دیتا ہے۔ جہاں اچھائی ہوگی وہاں برائی نہیں پنپ سکتی، جہاں نرمی و آسانی اور ملاحت و شفقت ہو وہاں شدّت و سختی نہیں ہوگی۔ اجتماع ضدین جس طرح محال ہے اسی طرح دہشت گردی و شدت پسندی نیز غیر انسانی رویوں کا اسلام میں دخل محال ہے۔ جو شدت پسندی کو اسلام کا لازمہ جانتے ہیں وہ ''نور'' کو ''ظلمت'' اور ''انسانیت'' کو گویا ''حیوانیت'' قرار دینے پر بہ ضد ہیں۔ حالاں کہ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب''۔ جو دین خود سچا اور دلائل سے آراستہ ہو اسے ''شدت و سختی اور جبر'' کی کیا ضرورت؟ پھر کیا جامع فکر دے دی گئی جس میں وسعت ہے اور روشنی بھی:

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّةٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ۹؎

''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے'' (کنزالایمان)

''بھلائی'' اور ''اچھائی'' سے ''نرمی'' کا قرب ہوگا نہ کہ ''سختی و شدت'' اور ''وحشت و دہشت'' کا۔ حق کی راہ کو خوب واضح کیا گیا، کہیں جبر و تشدد نہیں ہاں صداقت و سچائی کا عنصر غالب ہے:

لَاۤ اِکۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۱۰؎

''کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے'' (کنزالایمان)

اسلام کی دعوت و تبلیغ کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی حکمت و دانش اور تدبر و تفکر نیز سائنسی و تجرباتی علوم و فنون کے میدان میں ترقی و عروج نے کتنے ہی دلوں سے شرک و کفر کا غبار دور کر دیا اور اسلام کے نظام حکمت و دانش نے دعوتی میدان میں کامیابیوں کے علم لہرائے۔ مسلمانوں کی سائنسی موشگافی اور خدمت علم و فن اور تحقیق و تدقیق نے شرک و کفر کی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا جیسا کہ اسلامی تاریخ اس کی غمازی کرتی ہے۔ حقایق کی جستجو اور حکمت و فہم کے میدان میں مسلمانوں کی مسلسل ترقی نے بھی اشاعت اسلام کے کام کو مزید آگے بڑھایا اور اس جہت سے جنھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا وہ عرفان خالق کائنات کی دولت سے مشرف ہو کر مسلمان بن گئے۔

عقلی استدلال کی چند مثالیں: مبلغ کا اسلام کے اصول و مبادیات کے ساتھ ساتھ زمانے کے حالات و ضروریات سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ تقاضے بھی سر ابھارتے ہیں اور فتنوں کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور ان کے طریقے بھی، اسلام کے مقابل جتنے فتنے وجود پاتے ہیں وہ نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ باطل نت نئے ہتھ کنڈوں سے لیس ہو کر سامنے آتا ہے۔ قرآن مقدس وہ کتابِ ہدایت ہے کہ مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے تمام اعتراضات، فتنوں، ایہام، ازموں اور لادینی فکروں کا

جواب اس میں موجود و مذکور ہے۔

یہ بھی مشیت کا اہتمام و انتظام ہے کہ جس عہد میں دین کے مقابلے میں جس طرح کا معاملہ سامنے آیا اور باطل نے سر ابھارا اس کے جواب کے لیے اہلِ حق کو ایسی دلیل عطا کی گئی کہ باطل کے لیے وہ مسکت و دنداں شکن ثابت ہوئی اور بالآخر غلبہ اسلام کو ہی ملا۔ جب فلسفۂ یونان اپنی فتوحات کے نتیجے میں فکر غلط کا شکار ہوکر وجودِ باری تعالیٰ کو جھٹلانے کے درپے ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی عطا کی گئی، فرعونِ مصر کے طلسم ساحری کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے عصائے موسوی سامنے آیا اور قوم عرب جن کو زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا جو اپنی فصاحت و بلاغت پر نازاں و شاداں تھے ایسے کہ دوسروں کو بے زباں جانتے اور ''عجمی'' کہتے، خاتم الانبیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جب قرآن مقدس کا نزول ہوا تو وہ بے زباں ہوکر رہ گئے۔ رب تعالیٰ کے کلام کے آگے ہر دعوے دم توڑ گئے

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منھ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

قرآن مقدس کی ہدایت و رہ نمائی اور عظمت و شان ہر شعبہ ہائے حیات میں مسلّم ہے، زمانے کے اعتبار سے ماضی و حال کے ساتھ ساتھ یہ مستقبل کے لیے بھی رہ نما ہے۔ یہ جہاں ناقابل تردید روحانی دلائل رکھتا ہے وہیں پر ظہور میں آنے والے افکار و نظریات، تجربات و مشاہدات، خیالات و رجحانات کے مقابل حق و صداقت کی تائید و نصرت میں استدلال کی ناقابلِ تردید قوت بھی رکھتا ہے۔ ضرورت اس سے استفادے کی ہے، اس کے بحرِ عرفان میں غواصی کی ہے۔ موقع کی مناسبت سے دعوتِ حق سے متعلق دو قرآنی دلیلیں پیش کیے دیتا ہوں۔

(۱) نظام کائنات اور دعوتِ حق: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ [۱۱]

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مُردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقل مندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہے۔'' (کنزالایمان)

مطالعۂ کائنات میں حکمت و دانش کا جو پہلو ہے وہ بندے کو حق آشنا کرتا ہے۔ مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی نے ٹوکیو (جاپان) میں عقلاے زمانہ کے روبرو جو دعوتی خطاب فرمایا تھا اس کا ایک گوشہ بڑا معنی خیز اور لائق غور اور فکرانگیز بھی، آپ فرماتے ہیں: ''اسلام میں مسلمانوں کا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اطراف میں پھیلی ہوئی کائنات کا بہ نظر عمیق مطالعہ کریں تا کہ یہ سائنسی مطالعہ خالق حقیقی کی جانب رہ نمائی کا موجب بنے۔ اسلام میں سائنسی مشاہدات منزل نہیں ہیں بلکہ حقیقی منزل اور زندگی و روشنی کا ماخذ صرف ''اللہ'' کی معرفت ہے اور یہی دراصل انسانیت کی حقیقی منزل ہے۔'' [۱۲]

(۲) حکمت و تدبر: اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَ الۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ [۱۳]

''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو'' (کنزالایمان)

خزائن العرفان میں ہے: ''پکی تدبیر سے وہ دلیل محکم مراد ہے جو حق کو واضح اور شبہات کو زائل کر دے اور اچھی نصیحت سے ترغیبات و ترہیبات مراد ہیں۔'' [۱۴]

حکمت و موعظت اور استدلال و براہین سے دعوت کا جو اصول دیا گیا ہے وہ مستحکم اور جامع ہے جس سے اسلام کی آفاقی حیثیت اجاگر ہوتی ہے اور یہ کہ یہ دین ہی ایسا کامل ترین ہے جو کہ ساری انسانیت کی رہ نمائی کرتا ہے اور اپنی حقانیت کی دلیل بھی رکھتا ہے۔ اس کی تبلیغ مؤثر و ہمہ گیر ہے اسے عام کرنا فطرت کے عین مطابق ہے۔ اسلام کے فروغ میں جہاں روحانی دلائل درکار ہوتے ہیں وہیں عقلی بھی، اس سلسلے میں راقم اپنے تاثرات و تجزیے سے گریز کرتے ہوئے مبلغ اسلام عالمی داعی علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی کے دعوتی مشاہدات سے چند جھلکیاں پیش کیے دیتا ہے۔ آپ نے جن

دلائل کو دعوت اسلام کے دوران استعمال کیا ہے وہ آسان اور ٹھوس ہونے کے ساتھ ساتھ بھاری بھرکم اور نا قابل شکست ہیں۔

(۳) جنت و دوزخ کی عقلی توضیح: مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی سے ایک مکالمے کے دوران مغربی دنیا کا مشہور دانش ور جارج برنارڈ شا کہتا ہے کہ: ''آپ نے نیروبی میں اسلام اور سائنس کے موضوع پر تقریر کی میرے لیے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ آپ قرآن کی روشنی میں ایسے لوگوں کے سامنے جنت اور دوزخ کا تصور کیسے پیش کرتے ہیں جو سائنس سے شغف رکھتے ہیں، ان کے ذہن بغیر دیکھے اور محسوس کیے کسی بات کو قبول نہیں کرتے۔''

علامہ میرٹھی نے فرمایا: ''جیسا کہ قانون ہے کہ ہر چیز آگے بڑھ رہی ہے اور مائل بہ ترقی ہے تو اس ترقی کو بھی لامحالہ کوئی معراج ہونا چاہیے جہاں یہ رک جائے اور مزید ترقی کا امکان ختم ہو جائے۔ آرام اور خوشی اور تکلیف ورنج ایسی دو چیزیں ہیں جن کا سابقہ دنیا میں انسان کو پڑتا رہتا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں حالتوں کا کوئی انتہائی مقام ہو۔ خوشی کی معراج ''جنت'' اور تکلیف واداسی کی معراج ''دوزخ'' کہلاتی ہے۔ جس طرح دنیا میں کچھ مادی ذرائع ایسے ہیں جو یا تو خوشی کا باعث بنتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں اسی طرح ایسے ذرائع بھی یقینی ہونے چاہئیں جو دوسری دنیا میں مسرت اور غم کی کیفیت کو دوبارہ پیدا کرسکیں خوشی پہنچانے والے ذریعے کا نام ''جنت'' اور تکلیفوں کے مسکن کا نام ''دوزخ'' رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کا وجود جسم وروح، اس کی سرگرمیوں کا ذمہ دار ہے لہٰذا روح اور جسم مل کر دوسری دنیا میں اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔''

علامہ میرٹھی چند جملوں کے بعد ایک مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر ایک سائنس داں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے یہ بات تسلیم کرے کہ ایک اوسط الیکٹرون ہر سیکنڈ میں اپنے نیوکلیس کے گرد کروڑوں چکر لگاتا ہے اور اپنی شعاعوں کے ذریعے ٹھوس اجسام کی طرح حرکت کرتا ہے تو اسے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری نہیں ہونا چاہیے کہ کس طرح انسان کا جسم وروح دوسری دنیا کی تکلیف ومسرت جھیلنے کے لیے کیا روپ دھاریں گے۔''[۱۵]

مبلغ کو اپنی دعوت کی بساط پر حکمت و دانش اور دلائل و براہین کا فانوس روشن کر لینا چاہیے اس کی روشنی سے معترض کی نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور وہ جلد قبول حق پر آمادہ نظر آئے گا یا سائل کی تشفی ہو کر رہے گی۔

(۴) انبیا اور تربیتِ انسانیت: نبی کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ دنیا میں کسی سے پڑھا ہوا نہیں ہوتا اس لیے کہ دنیا میں جو بھی پڑھانے والا ہوگا اس کے علم کو کامل اور عیب سے بری نہیں قرار دیا جا سکتا اور انسانی ہدایت کے لیے کامل و بے مثل علم و ضابطہ ضروری ہے۔ اس لیے یہاں ''اُمّی'' کی حکمت بہ آسانی سمجھ میں آتی ہے اور یہ نبی کے لیے اعزاز وشرف کی بات ہے نیز صداقت وحقانیت کی دلیل واثق بھی۔ علامہ میرٹھی فرماتے ہیں:

''اس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد نبوت کی دو ناگزیر صفات یا خصوصیات کو واضح کرنا ہے۔ پہلی یہ کہ وحی الٰہی کے وصول کنندہ یعنی انبیا و رسل جن کی ارواح کو اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے لیے پیدا فرمایا تھا کو اس دنیا میں پائی جانے والی کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امتیازی سانچے میں پہلے ہی سے ڈھلے ہوئے ہوتے تھے اور اپنے علم اور اس کی تحصیل کے لیے کسی انسان کے محتاج نہیں ہوتے تھے۔ ذرا سی وضاحت تمھیں مطمئن کر دے گی کہ ایسا نظم ونسق بہر حال ناگزیر تھا کیوں کہ اگر انھوں نے تجربے اور علم کے منافع اپنے ہی جیسے انسانوں سے سیکھے ہوتے یا اگر کسی انسان نے انھیں کوئی سبق سکھایا ہوتا تو ان کی اصلاح و اضافے کے ذمہ دار مصادر کو اپنے تربیت یافتہ اشخاص یعنی انبیا و رسل کے مقابلے میں لازماً زیادہ لائق عقیدت سمجھا جاتا۔''[۱۶]

انبیاے کرام انسانیت کی تعلیم و تربیت فرماتے ہیں دوسرے الفاظ میں ''عرفانِ الٰہی'' کا فریضہ انبیا انجام دیتے ہیں اور اس فطری حقیقت کی طرف رہ نمائی کرتے ہیں جسے ''اسلام'' کہا جاتا ہے۔ علامہ عبدالعلیم میرٹھی اپنے دعوتی خطبے میں فرماتے ہیں:

''ہم نے دیکھا کہ ایک مشین کو بنانے والا اپنی بنائی ہوئی مشین کو خوب جانتا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اگر ایک غیر معین شخص اسے چلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ یقیناً اسے نقصان پہنچائے گا، شاید

اسے تباہ بھی کر بیٹھے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعلیم وتربیت انسانیت کے کام کو خاص انداز اور اس کی جسمانی و روحانی مشینری کو احکام الٰہیہ کے ذریعے با اہتمام چلانے اور خود ان پر عمل کر کے نمونہ بہم پہنچا کر پورا کرنے کے لیے گروہِ انبیا کو پیدا فرمایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انبیا و رسل کو ہر دور میں خالق کائنات کے قوانین کو بنی نوع انسان تک پہنچانے کے مقصدِ وحید کی خاطر بھیجا گیا تاکہ انبیا کی تربیت گاہ میں تربیت پا کر وہ اپنے جسم نامی کو عادلانہ کردار اور باقاعدہ چلانے کے لیے نظریاتی اور عملی معلومات کو قبول کر سکیں۔'' ۱۷

یہاں یہ نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ نبی بااختیار ہوتا ہے اور نقص وعیب سے بری و منزہ اور علم کامل سے نوازا جاتا ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاکمیت واختیارات کو مجدد اسلام امام احمد رضا بریلوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''وہ بالا دست حاکم کہ ماسوی اللہ، ان کا محکوم اور ان کے سوا عالم میں کوئی حاکم نہیں۔'' ۱۸

خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم

جو ملا تم سے ملا تم پہ کروروں درود

(۵) رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن کا آخر میں ہونا حکمت سے خالی نہیں:

علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اس بارے میں مثال سے پر اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں:

''ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے مستند اور مکمل پیغام کا حامل ہے۔ جب ایک بار میں ملایا (Malaya) سے سیلون (Ceylon) کا سفر کر رہا تھا، جہاز پر میری ملاقات ایک امریکی سے ہوئی جس نے مجھے اسی نکتے پر چیلنج کیا۔ اس نے کہا: ''تم دعویٰ کرتے ہو کہ محمد آخری نبی ہیں اور یہ کہ قرآن آخری کتاب ہے'' اگر یہ سچ ہے تو اللہ نے محمد کو اپنے پیغام کے ساتھ اس دنیا کے آغاز ہی میں کیوں نہ مبعوث کیا؟ کیا یہ بات یقینی نہیں کہ اگر اللہ ایسا کر دیتا تو ہم اتنے زیادہ ادیان جن میں سے ہر ایک اپنے سچا ہونے کا مدعی ہے کے بکھیڑوں سے بچ نہ جاتے؟ میں نے اسے کہا کہ کیا تمہیں اسکول میں اپنا بچپن کا زمانہ یاد ہے جب تم بھی دوسروں کی طرح اپنی کتابیں پھاڑ دیا کرتے تھے؟ پھر میں نے اسے کہا کیا تمہیں وہ دن یاد ہیں جب تم سیکنڈری اسکول کے ایک طالب علم کی حیثیت سے نصابی کتابوں سے خود نوٹس بنا کر یاد کیا کرتے تھے؟ اس نے میرے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف یونی ورسٹی کے دن تھے اور اس کے بعد بھی جب میں نے کتابوں کو محفوظ کرنا سیکھا۔ یہی طریقہ جسے ہم اپنی اور دوسرے مردوں اور عورتوں کی زندگیوں میں دیکھتے ہیں انسانیت کی زندگی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنے بچپن میں انسانیت وحی الٰہی کی کتب کی اہمیت کا ادراک نہیں کر سکتی تھی؛ جب انسانیت جوان ہوئی اس نے عطا کردہ کتب سے نوٹس بنائے، اور یہ جب پختہ ذہنی کی عمر کو پہنچی تو صرف اس وقت کتاب اللہ کی قیمت جان پائی۔ یہی وجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی انبیا کی کتب محفوظ نہیں رکھی گئیں۔ جب حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام آئے تو لوگوں نے ان کے اقوال سے نوٹس بنائے اور قرآن مجید صرف اس وقت نازل کیا گیا جب لوگوں نے عطا کی جانے والی کتاب کی اہمیت کو جان لیا تھا۔'' ۱۹

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۲۰ ''بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں'' (کنز الایمان)

(۶) یوم الآخر پر ایمان: علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی فلاسفہ کی مادّے پر بحث کو مثال دے کر یوم آخرت کی توضیح اس انداز میں فرماتے ہیں:

''اگر ہم مادے پر فلسفے کے نقطۂ نظر سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دنیا ہر روز تبدیل ہو رہی ہے۔ یہ مفروضہ فلاسفۂ یونان کا قائم کردہ ہے اور اسے دوسرے تمام فلاسفہ نے قبول کیا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو تبدیل ہو رہی ہے کسی نہ کسی طرح ایک دن اپنے اختتام کو پہنچے گی اور غائب ہو جائے گی۔ اس طرح ہمارے پاس دو مقدمات ہیں: دنیا تبدیل ہو رہی ہے اور تبدیل ہونے والی ہر شے کو ختم ہو جانا ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کو ختم ہو جانا ہے۔

عقلِ سلیم پر مبنی ہماری یہ دلیل ظاہر کرتی ہے کہ ساری مخلوق

ایک دن کافور ہو جائے گی۔ سائنس داں کہتے ہیں کہ جب وہ توانائی کہ جس پر مادہ باقی ہے ختم ہو جائے گی تو تمام اشیا مفقود ہو جائیں گی۔ فلاسفہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دن سب چیزیں ناپید ہو جائیں گی۔ اور اخیر میں تمام ادیان و مذاہب بالخصوص ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی تعلیمات اور قرآن مجید میں ہے وہ بھی ہمیں یہی سمجھاتی ہیں کہ ایک آخری دن ''یوم الآخر'' ہوگا۔ اسی لیے یوم الآخر پر ہمارا ایمان لانا ناگزیر ہے۔''۲۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذَارُجَّتِ الْاَ رْضُ رَجًّا o وَ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا o فَکَانَتْ ھَبَآءً مُّنْبَثًّا o ۲۲ ''جب زمین کانپے گی تھرتھرا کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر تو ہو جائیں گے جیسے روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرے پھیلے ہوئے'' (کنزالایمان)

خلاصۂ کلام: عناصر فطرت پر جستجو و تحقیق اور غور و فکر کا دائرہ جس قدر وسیع ہوگا اسلام کی صداقت و سچائی اور حقانیت اتنی زیادہ ظاہر ہوگی اور نکھر کر سامنے آئے گی اور عقل قبول حق پر مجبور ہوگی۔ ہر مشاہدہ اور ہر تجربہ، سائنس و فلسفہ کی ہر مثبت موشگافی اللہ کی پہچان و معرفت کی طرف دعوت دیتی ہے اس لیے زمانی حالات و مادّی ترقیاں اسلام کی دعوت و اشاعت میں ہرگز رکاوٹ نہیں بلکہ ہر عقلی و نقلی ذرائع کو حدود شرع میں رہ کر دین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے بہ روئے کار لایا جا سکتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان کا جدید علوم و زمانی فنون کا حاصل کر لینا حسن نیت کے جوہر کے ساتھ ہو تو دین فطرت کی اشاعت بجا طور پر کامیابی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا ہر ہر گوشہ دلیل قطعی رکھتا ہے جسے کوئی تحریک چیلنج کی تاب نہیں رکھتی چہ جائے کہ عقلاے زمانہ اس کی صداقت کو انگلی دکھا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن تمام قوتوں اور طاقتوں نے جھوٹے پروپیگنڈوں کا سہارا لیا اور بدگمانی کا زہر اگل کر اسلام کی اُفق تابی کی رعنائی چھپانی اور مسخ کرنی چاہی تا کہ مائل فکروں کو جادۂ اسلام سے منحرف کر دیا جائے لیکن اگر مسلمان جاگ جائیں تو باطل کے تمام عزائم خاک میں ملتے نظر آئیں گے اور دلوں کی دنیا میں ایمان کی چاندنی پھیلتی جائے گی۔

حوالہ جات

(۱) سورۃ آل عمران:۸۳

(۲) مکتوباتِ امام ربانی، مترجم: محمد سعید نقش بندی، مولانا، ج ۲، مکتوب ۲۶۶، طبع اسلامک پبلشرز دہلی، ص ۱۱۰

(۳) سورۃ آل عمران:۱۹ (۴) نفیس احمد مصباحی، مولانا، کشف بردہ، طبع المجمع القادری مبارک پور، ص ۲۰۸ (۵) سورۃ البقرۃ:۴۳

(۶) سورۃ آل عمران:۱۱۸ (۷) سورۃ آل عمران:۱۹۰

(۸) سورۃ ابراہیم:۵۲ (۹) سورۃ آل عمران:۱۰۴

(۱۰) سورۃ البقرۃ:۲۵۶ (۱۱) سورۃ البقرۃ:۱۶۴

(۱۲) شاہ عبدالعلیم صدیقی، علامہ، Cultivation of Science by the Muslims عرفی نام: سائنس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ، مترجم: رضا فاروقی، مشمولہ تبرکات مبلغ اسلام، طبع اویسی بک اسٹال گوجراں والہ، ص ۵۲۶

(۱۳) سورۃ النحل:۱۲۵

(۱۴) محمد نعیم الدین مرادآبادی، علامہ، خزائن العرفان، مشمولہ کنزالایمان، طبع رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۴۵۰

(۱۵) A Shavian and a theologian مترجم: سید طارق علی، مشمولہ تبرکات مبلغ اسلام، ص ۴۶۷ تا ۴۷۰

(۱۶) شاہ عبدالعلیم صدیقی، علامہ، تبلیغ اسلام کے اصول و فلسفہ (How to Preach Islam)، مترجم: خورشید احمد سعیدی، طبع تحریک فکر رضا ممبئی، ص ۳۵

(۱۷) مصدر سابق، ص ۳۶

(۱۸) احمد رضا خاں، امام، اعتقاد الاحباب، عرفی نام: دس عقیدے، طبع برکاتی پبلشرز کراچی، ص ۱۶

(۱۹) شاہ عبدالعلیم صدیقی، علامہ، تبلیغ اسلام کے اصول و فلسفہ، ص ۴۴۔۴۵

(۲۰) سورۃ الحجر:۹

(۲۱) شاہ عبدالعلیم صدیقی، علامہ، تبلیغ اسلام کے اصول و فلسفہ، ص ۹۲

(۲۲) سورۃ الواقعہ:۴ تا ۶

☆☆☆

دعوت میں محبت واتباعِ رسول کی ہم آہنگی

مظہر حسین علیمی ★

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اُوست
بحروبردر گوشۂ داماں اُوست

محبت حب سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے میلانِ قلب، شیفتگی، دل بستگی، والہانہ پن۔ محبت کرنا انسان کی فطرت ہے، نقاشِ فطرت نے یہ وصف ہر انسان بلکہ ہر جان دار کے اندر ودیعت فرمادی ہے۔ مقولہ مشہور ہے"الانسان مرکب من الانس والنسیان" انسان اُنس اور نسیان کا حسین امتزاج ہے، اُنس جب منتہائے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو ماسوا المحبوب کا نسیان ہوجاتا ہے گویا انسان کا کسی نہ کسی سے قلبی لگاؤ اس کی فطرت کا لازمہ ہے۔

قرآن میں لفظ حب متعدد مقامات پر اپنی ضوفشانیوں کے ساتھ اہل ایمان کو نور ونکہت کی خیرات دے رہا ہے۔ قرآن ناطق ہے:
"قل ان کان آباء کم و ابناء کم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھاوتجارة تخشون کسادھا و مسکن ترضونھااحب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتّٰی یأتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفاسقین (توبہ ۲۴)

آپ فرمادیں اگر تمہارے ماں باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہارا کنبہ اور تمہارے کمائے ہوئے مال، تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور تمہاری پسندیدہ رہائش گاہیں یہ سب کچھ تم کو اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہوں تو تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ والدین، اولاد، بھائی، بہن، بیوی، بہن، خاندان اور مال، تجارت ومکان وغیرہ سے محبت کرے لیکن رب ودود ہمیں آگاہ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے اندر ان سب چیزوں کی محبت میری اور میرے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے فزوں ہوجائے تو گویا تم خطرات کے حدود میں داخل ہوچکے ہو اور بہت جلد تمہیں میرا غضب وعذاب اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

معلوم ہوا کہ تمام محبتوں کا محور ومرکز ذاتِ الٰہ، ذات مصطفیٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے، حب الٰہ اور حب مصطفیٰ میں کوئی فرق نہیں بلکہ حب رسول کے لیے محبوبیت الٰہی کا مژدۂ جاں فزا ہے، جہاد کیا ہے؟ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جس چشمان سرگیں والی ہستی کی محبت نہاں خانۂ دل میں جاں گزیں ہے اسی کے لائے ہوئے نظام انفرادی و اجتماعی کے لیے کوشاں رہنا اپنی زیست کا مقصد بنالے۔

صحابۂ کرام کی مقدس جماعت نے اللہ ورسول سے ایسی محبت فرمائی کہ ان کا عشقِ رسول ضرب المثل بن گیا، اپنوں اور غیروں سب نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ صحابہ کرام کے پاس یہی ایک دولت تھی جس کے بل بوتے وہ ہر میدان میں فتح مبین سے شادکام ہوتے تھے، وہ بہت کم تعداد میں تھے لیکن ہزاروں لاکھوں پر بھاری تھے، کیوں؟ اس لیے کہ ان کے سینے محبت وعشقِ رسول سے معمور تھے، عشق کی تاثیر بڑی حیرت انگیز ہوتی ہے، عشق نے مصائب وآلام میں عقل انسانی کی رہنمائی کی ہے، عشق نے بہت سی لاعلاج بیماریوں کا علاج کیا ہے، عشق کے کارنامے تاریخ کے حسین اوراق پر آج بھی زندہ وتابندہ ہیں اور دعوائے عشق ومحبت کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ عشق و محبت کے واقعات تحریر کرنے کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ یہاں اس داستان کی جھلکیاں پیش کرتا ہوں اس امید پر کہ ہم اور آپ بھی جادۂ عشق ومحبت کے سپہ سالاروں کی اتباع کرکے فلاح دارین حاصل کرسکیں۔

یہ دیکھئے! یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، تاجدار صداقت کیسے پیکر عشق رسول تھے کہ "لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" کے نزول کے بعد کسی نے آپ کو بارگاہِ مصطفوی میں

کلام کرتے نہ دیکھا، دم بخود ہو کر بیٹھتے اور باتیں اشاروں میں کرتے۔

نظمِ محبت کے مطلعِ اول یارِ غار حضرت صدیق اکبر ایسے پیکرِ ادب تھے کہ جب کونین کے تاجدار نے پوچھا: یَا اَبَا بَکْرٍ مَامَنَعَکَ اَنْ تَثْبُتَ مَکَانَکَ اِذْاَمَرْتُکَ "اے ابوبکر! جب میں نے تمھیں ٹھہرنے کا حکم دیا تو کیوں کر نہ ٹھہرے۔ یارِ غار نے عرض کیا: مَاکَانَ لِاَبِیْ قُحَافَۃَ اَنْ یُصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ " ابوقحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ حضور تشریف لائیں اور میں امامت کروں۔

ایک وارفتۂ عشق رسول جو بلند آواز تھے "لاترفعوا اصواتکم" کے نزول کے بعد فکر مند ہو گیے، مبادا مجھے تنبیہ نہ ہو، رو رو کے خود کو ہلکان کر دیا، مجلس مبارک میں آنا بند کر دیا، کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ حضور نے ان کو ردائے رحمت میں ڈھانپ لیا، تڑپنے والے اس پاس دارِ ادب کو مستثنیٰ قرار دیا۔

مجلس میں بیٹھنے والوں کے ادب نشست کا یہ عالم ہوتا تھا "کَاَنَّ علیٰ رؤسھم الطیور" گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ جنبش ہونے پر اڑ جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے عاشق رسول تھے کہ محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب اشیا کو ڈھونڈتے رہتے، وادیوں اور صحراؤں میں گھومتے پھرتے اور ان اشیا کو چومتے پھرتے جن کی نسبت نبی کریم سے تھی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دورانِ طواف حجر اسود کو مخاطب فرماتے ہیں، میرے محبوب کے لبہائے ناز نے تمھیں چوما ہے اس لیے تمہیں چوم رہا ہوں، ورنہ ہم تو پتھروں کو چھوڑ چکے ہیں۔

حضرت علی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کیسے عاشق رسول تھے کہ تلاوتِ رخِ والضحیٰ میں نمازِ عصر چھوڑ دیتے ہیں پھر بارگاہ رسول سے "کان فی طاعتک وطاعت رسولک" کا مژدۂ جاں فزا ملا۔

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق کا عالم یہ ہے کہ جس ہاتھ سے بیعت محبت کی اس کو کبھی شرمگاہ تک نہ لائے۔

بلبلِ سدرہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام سیاح لامکاں کی بارگاہ ناز میں حاضر ہوئے تو لبہائے کافوری سے سرکار کے تلوے چوم رہے ہیں تاکہ کونین کے دولھا کے آرام میں خلل نہ ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے وصال فرمایا اور مسلمانوں کو اطلاع ملی، ان پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، جس نے جہاں سنا وہ جامد وساکت ہو کر رہ گیا، ان میں سے حضرت عمر کا خیال تھا کہ حضور کا انتقال نہیں ہوا صرف بے ہوشی کی حالت میں ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو سمجھایا اور قرآن کی آیت: محمد رسول اللہ قد خلت من قبلہ الرسل الـــــخ تلاوت فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے جس وقت حضرت ابوبکر کی زبان سے یہ آیت سنی، مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا میرے پاؤں کٹ گئے، میں کھڑا نہ رہ سکا، اسی وقت زمین پر گر پڑا اور میں نے جانا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

رحمت دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری وصال کے بعد جب یارانِ مصطفیٰ کو محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی تو ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں ایک آئینہ تھا جس نے رخِ والضحیٰ کو اپنے سینے میں نقش کر لیا تھا اس کی زیارت کے لیے پروانہ وار جمع ہو جاتے، ہجر کے سلگتے انگارے ٹھنڈے ہو جاتے، آنکھیں زیارت محبوب سے سیراب ہو جاتیں، ہجر کے آبلہ پا مسافر کو سایہ خنک مل جاتا۔ (روح المعانی)

جس اونٹنی پر سرکار سفر فرماتے تھے غمِ فراق نے اُسے مار کھایا، وہ کسی اور کی سواری ہو یہ کیسے ممکن؟ یہی فراق کا غم اس کو گلیوں، بازاروں میں مارے مارے لیے پھرتا، وہ مشتاق نگاہوں سے کسی کو ڈھونڈتی تھی یہاں تک کہ اس نے کسی گہرے کنویں میں چھلانگ لگادی۔ (مدارج النبوۃ)

فراقِ رسول نے حضرت بلال کو نیم جاں کر دیا تھا، روتے سحر ہوتی اور روتے ہی شام ہوتی۔ محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جگہیں جب خالی دیکھتے تو جگر پھٹنے کو آتا، طائر روح پھڑک اُٹھتا، فراق کی تاب نہ لا کر دمشق میں جا بسے۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے عاشق رسول تھے کہ آپ نے محبوب کے شہر کے ادب کی خاطر زندگی بھر جوتے نہ پہنے کہ زمین کی سطح وہ ہے جس نے قدمین مصطفیٰ کو چوما ہے کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ آپ ہی کے تعلق سے کتابوں میں مذکور ہے کہ

فرامین رسول کی تعظیم وتوقیر میں آپ نے خلیفۂ وقت کی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ میرے حلقۂ درس میں خود چل کر آؤ۔

عارف باللہ حضرت شیخ بسطامی نے زندگی بھر خربوزہ تناول نہ فرمایا کہ خربوزہ کے تناول کا طریقہ منقول نہیں ہے۔

اب محبت رسول کا جو عملی تقاضہ ہے اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں، قرآن نے جابجا اطاعتِ خدا و اطاعتِ رسول کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے ''اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول'' اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' پتہ چلا کہ طاعت رسول طاعتِ خدا ہے، اہلِ محبت کی زندگیوں کا جلی عنوان طاعت واتباع رسول ہے۔ صحابہ کرام کس قدر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطیع تھے ایک جھلک نذرِ ناظرین ہے۔

حضرت صدیق اکبر کیسے مطیع تھے کہ جوں ہی سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقے کا حکم فرمایا تو گھر کا سارا سامان لیے حاضر بارگاہِ رسول ہو گئے۔ پیارے آقا نے دریافت فرمایا کہ گھر کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ ہاتھ باندھے عرض گزار ہوئے ''اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلُہٗ'' ان کے لیے اللہ اور اُس کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے مطیع تھے؟ ایک روز حسنین کریمین کو مسجد نبوی میں آتے دیکھ کر منبر پر کھڑے ہو گئے، خطاب موقوف کر دیا، نیچے اُتر آئے، آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا، خوب صورت یادوں کی حسین وادیوں میں گم ہو گئے، اس سارے عمل کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما تھا، فقط اتباع واطاعتِ رسول۔

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے مطیع اور متبع تھے؟ ایک روز مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے کچھ تناول فرما رہے تھے، نہ کوئی موجود نہ کوئی سبب معلوم اور مسکرا رہے ہیں، آخر ایسا کیوں؟ کسی نے دیکھ لیا اور پوچھا تو فرمایا: ہمیں کسی سبب سے کیا واسطہ؟ ہمیں کسی کے موجود ہونے کی کیا ضرورت؟ ہم اسیر زلف گرہ گیر ہیں، ہم محبوب کی زلفِ دوتا کے فدائی ہیں ہم تو یار کی یاد تازہ کرنے والے ہیں، میں نے اپنے کریم آقا کو ایک روز یوں ہی مسکراتے دیکھا تھا آج اسی کی یاد تازہ کر رہا ہوں۔

حضرت عبید بن جریح نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ بیل کے دباغت کیے ہوئے چمڑے کا بے بال جوتا پہنتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایسا ہی جوتا پہنتے تھے جس میں بال نہ ہوا سی لیے میں بھی ایسا ہی جوتا پہننا پسند کرتا ہوں۔ (شمائل ترمذی)

امام ابو یوسف (جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں) کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کدّو پسند فرماتے تھے۔ مجلس کے ایک شخص نے کہا لیکن مجھے پسند نہیں، یہ سن کر امام ابو یوسف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا: جَدِّدِ الْاِیْمَانَ وَاِلَّا لَاَقْتُلَنَّکَ'' تجدید ایمان کرو ورنہ ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے۔

تاریخ اسلام میں ایسی معزز خواتین کے واقعات بھی موجود ہیں جنہوں نے اسلام اور بانی اسلام سے خوب خوب محبت کی اور محبت کے عملی تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا بھی کیا یہاں صرف ایک خاتون کے ذکر جمیل پر اکتفا کرتا ہوں۔

جنگِ اُحد کا موقع ہے، جنگ اپنے اختتام کو پہنچ چکی ہے بہت سارے صحابۂ کرام جامِ شہادت نوش فرما چکے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں یہ خبر وحشت اثر سن کر بہت سی عورتیں تحقیق حال کے لیے گھر سے نکل پڑیں، ایک انصاریہ نے مجمع کو دیکھا تو بڑی بے تابی کے ساتھ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔ اسی مجمع میں سے کسی شخص کی یہ آواز آئی کہ تمہارے والد گرامی انتقال کر چکے ہیں یہ سن کر انہوں نے ''اِنَّا لِلّٰہِ'' پڑھی اور پھر بے تابانہ انداز میں بول پڑیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ پھر کسی نے ان کے شوہر نامدار کے انتقال کی خبر سنائی تو کسی نے بیٹے کے قتل کیے جانے کی، لیکن وہ برابر یہی سوال کرتی رہیں کہ سرکار دو عالم کیسے ہیں؟ آخر کار لوگوں نے جواب دیا الحمدللہ! آپ بخیریت ہیں اور تشریف لا رہے ہیں، پھر بھی انہیں اطمینان نہ ہوا اور بولیں مجھے بتاؤ آپ کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ اس مجمع میں ہیں، وہ اضطراری کیفیت

سے دوچار حالت میں دوڑتی ہوئی پہنچیں اور راحتِ قلب وسینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے بعد گویا یوں عرض گزار ہوئیں۔

تسلی ہے پناہِ بے کساں زندہ سلامت ہیں

کوئی پرواہ نہیں، سارا جہاں زندہ سلامت ہے (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک خاتون آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے آئی اور مجھ سے کہنے لگی، حجرۂ رسول کھول دیں، میں سرکار کے مزارِ اقدس کی زیارت سے شاد کام ہو جاؤں۔ میں نے حجرے کا دروازہ کھول دیا، وہ عورت مزارِ اقدس دیکھ کر اتنا روئی کہ روتے روتے شہید ہوگئی۔ (الشفا،۲،۵۷)

یہ تو خیر القرون کے مسلمان تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر سب کچھ برداشت کیا، ہر طرح کی قربانی پیش کی، ان کی قربانیوں کا ہی یہ ثمرہ ہے کہ آج بھی شجرِ اسلام لہلہا رہا ہے اور اپنی نورانی کرنوں سے ایک عالم کو فیض بخش رہا ہے لیکن آیئے! اب ذرا ہم اپنے گردوپیش کے ماحول کا جائزہ لیں، اپنا اور اپنے معاشرے کا احتساب کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم محبتِ رسول کا دعویٰ تو کر رہے ہیں لیکن محبت رسول کے جو عملی تقاضے ہیں ان تقاضوں کی ادائیگی سے ہم کوسوں دور ہیں، ذرا نگاہ تو اٹھایئے اور دیکھئے کہ وہ کون سی برائی ہے جو ہم میں موجود نہیں جھوٹ، غیبت، چغلی، حسد، بے ایمانی، شراب نوشی، قمار بازی، زنا اور ترکِ نماز ہمارا محبوب مشغلہ بن چکا ہے، صاحب نصاب ہوتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہ کرنا، حج فرض ہوتے ہوئے حج کرنے سے ٹال مٹول کرنا، کلمہ شہادت پڑھنے کے باوجود اس کے عملی تقاضوں کو پورا نہ کرنا، رمضان المبارک کی کھلے عام بے حرمتی کرنا، ہمارا آئے دن کا معمول ہے۔ کیا یہی تقاضائے محبت رسول ہے؟ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دیکھ کر ہمارے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی، ہماری آنکھوں کے سامنے اسلام اور بانی اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، خدا کی مقدس کتاب قرآن پاک کی بے حرمتی کی جا رہی ہے، ہم ہیں کہ خواب خرگوش میں مست ہیں، بتایئے! کیا ہمارا دعوائے محبت جھوٹا نہیں؟ خدارا! رحم کیجئے اپنے دعوائے محبت پر نظرِ ثانی کیجئے، دیکھئے، دنیا آپ کے اس دعویٰ کا کس قدر بھونڈے انداز میں مذاق اڑا رہی ہے، اغیار بھی مضحکہ آمیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں اور اپنوں کے بھیس میں رہنے والے گندم نما جو فروش بھی آپ کو غلامانِ محمد کی فہرست سے خارج جماعت کی حیثیت سے پیش کرنے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں۔ خوابِ غفلت سے بیدار ہو جایئے، سحر ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے، ساری دنیا اپنے اپنے مقصد کے حصول کی تگ و دو میں مصروف ہے۔ زمانہ چال قیامت کی چل گیا ہے اور آپ ہیں کہ بے خبر سو رہے ہیں؟ اٹھئے آنکھوں سے نیند کا خمار دور کیجئے، اغیار کا جائزہ لیجئے، ان کے طعنوں کا محاسبہ کیجئے اور اپنے دعوائے محبت کو اسی طرح سچ کر دکھایئے جس طرح ماضی میں آپ کے اسلاف نے سچ کر دکھایا تھا، آپ تو اس امام کے نام کو سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں جن کے عشق نبی کی دھوم سارے جہاں میں ہے۔ انہوں نے تو حبِ نبی کی ہی جنگ لڑی تھی، انہوں نے یہی تو پیغام دیا تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن کرم سے وابستگی میں ہی ہماری کامیابی ہے۔ سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان عبادتوں کا واسطہ جن کی وجہ سے پائے مقدس ورم کر جایا کرتے تھے، اس گریۂ شب کا واسطہ جس کے بارے میں روایتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ خوف الٰہی سے روتے وقت آپ کی آواز اس طرح نکلتی تھی گویا ہانڈی اُبل رہی ہو، آقا کی اطاعت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیجئے، اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کو اطاعتِ رسول کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیجئے، مسجدوں کو اپنی جبینِ نیاز خم کر کے آباد کر دیجئے۔ محبوب رب العالمین کی اطاعت و فرماں برداری، وفاداری و جاں نثاری اور اپنے سچے امتی ہونے کا ثبوت دے دیجئے۔ ساتھ ہی ساری دنیا کو عشقِ نبی کا جام پلا کر ایسا مخمور کر دیجئے کہ آپ کے خلاف منصوبہ بند سازشوں کا تانا بانا ہی بکھر کر رہ جائے اور اپنی زندگی کا مقصد ان الفاظ میں واضح کر دیجئے۔

ہمیں کرنی ہے شہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی

وہ اپنے ہو گئے تو رحمتِ پروردگار اپنی

اگر آپ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ یقین اپنے لوحِ دل پر ثبت کر لیجئے کہ ساری دنیا ایک دن آپ کے قدموں میں ہوگی اور ساری مزاحمتیں خود بخود دم توڑ جائیں گی کیوں کہ یہ ربانی پکار ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

☆☆☆

دعوت وتبلیغ ...... چند زخمی احساسات

محمد صادق رضا مصباحی ★

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ تو مَیں برجستہ جواب دوں گا کہ ایک تو وفا پیشہ سیاسی لیڈروں سے اور دوسرے دینی جوش وحمیت رکھنے والے علما سے۔ اگر سائل پلٹ کر یہ سوال پوچھ بیٹھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کن لوگوں سے ہے؟ تب بھی معمولی فرق کے ساتھ میرا جواب یہی ہوگا کہ مفاد پرست سیاسی لیڈران اور ضمیر فروش علما۔ اسباب دریافت کیے جائیں گے تو ماضی اور حال کا وہ دل خراش منظر نامہ آپ کے سامنے رکھ دوں گا جس کی البم میں موجود مذہب وملت اور ملک و وطن کی تصویروں سے خون ٹپک رہا ہے۔ آپ ذرا ماضی اور حال میں تجزیاتی جھرونکوں سے جھانکیں تو میرے اس دعوے پر مہر تصدیق ثبت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ ماضی اور حال میں مذہبی، ملّی، تہذیبی، ملکی اور سیاسی اُمور میں جس طرح تخریب کاری کی گئی ہے یا کی جارہی ہے اُس کے پیچھے انہیں ضمیر فروش علما اور ننگِ وطن سیاسی لیڈروں کی ہی کار فرمائی ہے۔ مذہب وملت اور ملک ووطن کا کوئی بھی تعمیری پہلو ہوان ابن الوقتوں اور ضمیر فروشوں نے اس کی گردن پر تخریب کاری کی آری چلائی ہے اور اسے اپنے مفاد کی قربان گاہ پر چڑھایا ہے اور آج بھی ان کی خود غرضی کے مقتل میں ایسے مسائل کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

ع شرمِ نبی خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

دوسری طرف وہ علما اور رہبران ہیں جن کے دوش پر مذہبی و ملّی اُمور کا بار ہے، وہ حسبِ استطاعت انہیں اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس امانت کی حفاظت میں وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہتے۔

مذہبی مسائل کے ڈھیر میں ایک اہم ترین مسئلہ دعوت وتبلیغ ہے، جس پر اپنوں کی جانب سے کچھ اس قدر پتھر برسائے گئے ہیں کہ اس کا سر لہولہان ہو چکا ہے اور اس کے پیکر نور پر پڑی قبا جگہ جگہ سے چاک ہو چکی ہے اور اس کا پورا وجود درد کی شدت سے کراہ رہا ہے۔ اس کا کوئی صحیح مونس وغم خوار نظر نہیں آتا، بعض دردمند اگر اس کے غم میں شریک ہیں بھی تو ان کے بازو اس قدر چھوٹے ہیں کہ اس کے ہاتھ کی نبض پکڑنے کے لیے اُن کو سو بار سوچنا پڑتا ہے۔ موجودہ نفسیات کی سطح سے دیکھا جائے تو دینی اظہار وابلاغ کے صحیح تقاضے سے اس اکیسویں صدی میں بھی ہم کوسوں دور ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ہم اپنی نجی زندگی کو تو نئے مقتضیات کی روشنی سے نہلانا چاہتے ہیں لیکن دعوتی ومسلکی اُمور کو عصری آ گاہی سے روشناس کرانا مداہنت فی الدین خیال کرتے ہیں۔ جدید ذرائع ابلاغ کو تو ایک طرف رکھیں کہ اس سے تقویٰ شعار کی پیشانی پر شکن نمودار ہوجاتی ہے لیکن دعوت و ارشاد کے جو موجودہ طریقۂ کار ہیں، وہ بھی صحت مند نہیں لیکن ہم روایتی خول سے باہر نکلنے کو تیار نہیں۔

تقریر وخطابت جو دعوت وتبلیغ کا ایک مؤثر ہتھیار سمجھا جاتا ہے، اب یہ مکمل طور پر پیشہ وارانہ حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ مقررین کو صرف نذرانہ چاہیے۔ اصلاحِ اُمت کا کام کیسے ہوگا؟ اُمتِ مسلمہ آج کس ڈگر پر چل رہی ہے اور آج ملتِ اسلامیہ کن حالات سے دوچار ہے، ان کو کوئی پرواہ نہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں ایسے لوگ اسلام کے دوست نہیں بلکہ وہ اسلام سے بے وفائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن اُن کو سخت گرفت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اپنی تمہیدی گفتگو میں مَیں نے جن لوگوں کو نوکِ قلم پر چڑھایا ہے وہ اسی طرح کے لوگ ہیں۔ مساجد میں ائمۂ کرام بطور خاص جمعہ میں تقریریں کرتے ہیں، یہ ایک اچھا موقع ہوتا ہے قوم کی رہنمائی کا، لیکن اُن کی تقریریں مسائل سے زیادہ فضائل پر ہوتی ہیں اور وہ بھی ڈرامائی ڈھنگ سے، مساجد میں جمعہ کے روز ائمہ کو جب بھی تقریر

★ الرضا منزل، پورن پور، پیلی بھیت (یوپی)

کرتے دیکھتا ہوں یا مقررین کو مذہبی اسٹیجوں پر دھاڑتے دیکھتا ہوں تو پتا نہیں کیوں میری سوچ کا منفی سفر شروع ہو جاتا ہے اور خود اُن کی نصیحتیں مجھے اُن کے عمل سے روٹھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ استثنائی مثالیں اس سے الگ ہیں لیکن اکثر حضرات کے قول و فعل میں توازن نہیں اور خلوص بھی نہیں۔ اس لیے عوام ذرّہ برابر بھی اثر نہیں لیتی اور دوسروں پر اثر ہو بھی کیسے جب خود اُن کے قول کا اُن کے فعل پر اثر نہیں۔ مسجد کی طرف رخ کرنے والے ۹۰ فیصد مقتدیوں کو نماز، وضو، استنجا اور دیگر مسائلِ شرعیہ کا علم نہیں یا اگر ہے بھی تو محدود ترین، ایسے میں ان مسائل سے اِغماض برت کر دیگر موضوعات پر چیخ و پکار کر کے اپنی خطابت کے خطبے پڑھوانا چہ معنی دارد؟ دعوتِ دین میں ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دعوتی و تبلیغی ذمّے داری صرف علما و خواص کے دوش پر نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان اپنے تئیں اس کا اہل ہے، یہ الگ بات ہے کہ علما کی ذمے داری کچھ زیادہ ہے اور دونوں کے طریقۂ کار بھی جدا جدا ہیں۔ حدیث شریف میں ہے "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" یعنی تم میں ہر ایک چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا اپنے ماتحتوں اور متعلقین کی دینی رہنمائی کرنا اور اچھی باتیں بتانا بھی دعوت و تبلیغ ہے، یہ تصوّر غلط ہے کہ دعوت کے ٹھیکے دار صرف مدارس کے اساتذہ، اسٹیج کے مقررین، مساجد کے ائمّہ اور قلم و قرطاس کے حاملین ہیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو ان ساری چیزوں کی کوئی وقعت نہیں جب تک ان کی لفظیات کی سلک میں عمل کے موتی نہ پروئے جائیں۔ سب سے اچھی اور سب سے مؤثر تبلیغ لفظوں کی بازی گری میں نہیں، عمل کی بساط میں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک عملی تصویر ایک ہزار لفظوں سے زیادہ ابلاغ کا کام کرتی ہے اور اس کی حیثیت و تاثیر دیرپا ہوتی ہے، گویا عمل اصل مبلغ ٹھہرا۔ جب عمل اچھا ہوگا تو موافقین و مخالفین سبھی اس کی طرف مائل ہوں گے۔ اس لیے فکریات و لفظیات سے کھیلنے کے بجائے عملی سطح پر خود کو بلند کرنے کی ضرورت ہے۔

آج کم علموں اور سطحی نظر رکھنے والوں کو علاّمہ فہّامہ بلکہ نہ جانے کیسے کیسے القابات و خطابات سے پکارا جاتا ہے، حالاں کہ ان القابات کے حاملین اقلِ قلیل ہیں، مگر یہ القابات آج دھڑلّے سے چھوٹے چھوٹے مولویوں اور پچھلوں کے سر باندھے جا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دستارِ فضیلت اونچی دیکھ کر بھولے بھالے عوام انہیں سب کچھ تسلیم کر لیتے ہیں لیکن جب بعد میں اُن ناپختہ، ناتجربہ کار اور خود ساختہ قائدین سے خلافِ اسلام کوئی حرکت سرزد دیکھتے ہیں تو وہ نہ صرف یہ کہ اُن سے بدظن ہوتے ہیں بلکہ پوری علما برادری کو لعن طعن کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے جماعتِ اہلِ سنّت کے ذمّے داروں کو چاہیے کہ وہ اس طرف توجّہ فرمائیں۔ یہ ایک المیہ ہے کہ علمائے کرام سے عوام بدظن ہوتے جا رہے ہیں اور جوں جوں سلسلۂ روز و شب کا سفر آگے بڑھتا جا رہا ہے اُن کی بدظنی میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ان اسباب کو کھرچا جائے تو اس کے نیچے علما و قائدین کی بدعملی کے نقوش ہی ملیں گے۔ جب تک ہم اپنی سمت تبدیل نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری جانب مخالفت کی ہوائیں چلتی رہیں گی۔ میرا خود کا مشاہدہ ہے کہ ایک مذہبی جلسے میں ایک خطیب تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو میرے اردگرد کئی سامعین نے اُن کے لیے زبانِ طعن دراز کر دی، ''مہذّب'' گالیوں سے اُن کا خیر مقدم کرنے لگے اور پھر اُن کی بدعمل زندگی پر تبصرہ ہونے لگا۔ غور فرمائیں کہ اُن افراد کی تقریروں سے کیا عوام الناس اصلاح قبول کریں گے؟

اس ضمن میں ایک بات یہ بھی عرض ہے کہ اکثر مدارس میں ہر سال دستار بندی کے نام پر طلبہ کی ایک بڑی بھیڑ کو جو دستارِ فضیلت سے نوازا جاتا ہے ظاہراً تو اس سے شوکتِ اسلام نمایاں ہوتی ہے لیکن اگر حقیقی تجزیہ کیجیے تو ان میں آپ کو زیادہ تر نااہل ہی ملیں گے۔ ان نوخیز مولویوں کی حرکات و سکنات سے قومِ مسلم کا ایک بڑا طبقہ ''متأثر'' ہے چوں کہ اکثریت علمی، عملی اور فکری صلاحیتوں سے خالی ہوتی ہے اس لیے ایسے اُمور کو قبلہ بنا کر اپنا وجود اس کی طرف جھکا دیتی ہے۔ جس سے اسلامی اقدار کے آئین پر حرف آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی اس روش سے مخلص علما و قائدین شرمسار ہوتے ہیں اور مذہب و ملت کا دامن اُن کے شعلے سے سلگنے لگتا ہے، اربابِ مدارس کو فوراً اس پر روک لگانی چاہیے۔

ملک بھر میں جہاں کہیں بھی فسادات رونما ہوتے ہیں اور منظّم طور پر مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے اور فساد زدہ یہ مسلمان ان حادثات کے بعد بے یار و مددگار ہو جاتے

ہیں، ایسے وقت میں ان لوگوں کو مالی امداد کی بہت سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اس موقع کا ہمارے فکری حریف بہت فائدہ اُٹھاتے ہیں فوراً ریلیف لے کر پہنچ جاتے ہیں اور اُن کی امداد و تعاون کے نام پر اُن کے فکر و اعتقاد پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور مکمل طور پر اس حسنِ عمل سے اُن کو اپنے فکری نرغے میں لے لیتے ہیں۔ مشاہدہ ہے کہ ان متأثرہ علاقوں کے مسلمان فساد سے پہلے سنّی صحیح العقیدہ تھے لیکن فساد کے بعد اُن باطل جماعتوں کے بروقت تعاون کے زیرِ احسان ہمیشہ کے لیے اُن کے ہوگئے، بلکہ اُن کے مذہب کی تبلیغ بھی کرنے لگے۔ افسوس جو کام ہمارا تھا، ہم نے اُسے چھوڑ دیا اور غیروں نے اُسے لے کر بڑی عیاری سے اپنے مفاد کے لیے کیا۔ فساد سے پہلے جن علاقوں کی مساجد سنّیوں کے ہاتھوں میں تھیں لیکن بعد فساد جب مسجدیں ویران ہوگئیں تو وہ دیوبندیوں کے قبضے میں چلی گئیں۔ افسوس افسوس صد افسوس...... ریلیف اوران جیسے دیگر بہت سارے کاموں کے ذریعے ہماری کھوئی ہوئی شوکت وعظمت واپس آسکتی ہے، ورنہ اگر ان سے بھی غفلت برتی گئی تو قیامت کے دن خدا کے سامنے ضرور جواب دِہ ہونا پڑے گا۔

ہمارے یہاں ایک بیماری یہ بھی ہے کہ ہمیں جس سے عداوت ہوتی ہے تو ہم اس کے زیرِ استعمال ساری چیزوں سے عداوت کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایک فکری مرض ہے جس کا علاج ہونا چاہیے۔ یعنی ہمارے مخالفین یا فرقہائے باطلہ جن منصوبوں اور جس طریقۂ کار سے اپنے باطل وگمراہ کن افکار ونظریات کی ترسیل کر رہے ہیں اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو رہے ہیں تو کیوں نہ ایسے اسالیبِ کار کو ہم بھی اپنا کر مسلکِ حق اہلِ سُنّت و جماعت کے نظریات وروایات کا اظہار وابلاغ کریں، تاکہ ہمارے مخالفین کا زور کچھ تو کم ہو۔ تصلّب فی الدین بہتر چیز ہے جسے اپنانا چاہیے لیکن ہم لوگ تصلّب کے نام پر تشدد تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر اس تشدد میں اتنا کمال پیدا کر لیتے ہیں کہ تعصّب کی حدوں میں داخل ہوجاتے ہیں۔ آج جو لوگ اپنے کو متصلّب سنّی بتاتے ہیں اُن میں زیادہ تر تشدد اور بعض تعصّب کی چادر اوڑھے بیٹھے ہیں۔ دعوت وتبلیغ میں تشدد کسی طرح روا نہیں چہ جائیکہ تعصّب، ایسے افراد بتائیں کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اسلام کا چہرہ مسخ نہیں کر رہے ہیں اور اظہار وترسیل کی راہوں روڑے نہیں اٹکا رہے ہیں؟

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام علما کے ذریعے پھیلا، مَیں کہتا ہوں کہ نہیں، اسلام علما سے زیادہ صوفیا کے ذریعے پھیلا ہے۔ صوفیا کرام کی اخلاقیات اور اسلوبِ عمل کو دیکھ کر لوگوں کی فکری جبین پر اسلام کی کرن نمودار ہوئی ہے۔ لوگوں کی زبانی سنا جاتا ہے، تحریروں میں پڑھا جاتا ہے کہ اسلام آج یورپ میں بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، اس کی وجہ مبلغین کی جد وجہد نہیں بلکہ خود اسلام کی قوّتِ تأثیر اور حسنِ نظم ہے، جو لوگوں کو اپنے شیشے میں اُتار رہی ہے۔ ہماری روش تو ایسی ہے کہ لوگ اسلام سے بدظن ہوجاتے ہیں۔ ہمارا اخلاق تو یہ ہے کہ ہم اپنے چھوٹے اور جونیئر کو سلام کرنے کے روادار نہیں کہ مبادا ہماری حیثیت کم نہ ہوجائے اور ہماری ہتکِ عزت نہ ہو (معاذ اللہ ربّ العالمین) ذرا بتایئے جب ہم گراوٹ کی اس منزل پر آچکے ہوں تو ہم سے فروغِ اسلام کے پھول کیسے کھل سکتے ہیں اور اس کی بھینی بھینی خوشبو فضا میں کیسے عطر بیزی کر سکتی ہے۔

غرض کن کن پہلوؤں کے حوالے سے قلم لے کر کاغذ کھرچا جائے، ایک نہیں متعدد پہلو ہیں جس پر صفحات منور کیے جاسکتے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کا موجودہ منظر نامہ دیکھ کر مذہبی دردمند کا آئینۂ احساسات کرچی کرچی ہوجاتا ہے۔ دراصل ہماری ناکامیوں اور نامرادیوں کا سہرا ہمارے اپنے ہی لوگوں کے سر ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام آج دنیا بھر میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔ انصاف پرست اس کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس کی واحد وجہ تو یہی ہے کہ وہ دینِ حق ہے، خدا نے خود اس کی حفاظت کی ذمّے داری لی ہے۔ اہل اللہ علما کی انتھک کوششوں اور ان کی اخلاص مندیوں کا لہو بھی اس میں شامل ہے۔ مَیں نے تمہیدی گفتگو میں علما سے محبت کا جو دم بھرا تھا اُس کے پسِ پشت یہی حقیقت کار فرما تھی۔ دعوت وتبلیغ پر جب بھی قلم، دوات لے کر بیٹھتا ہوں لوحِ ذہن پر شعر خود اپنی تصویر بنالیتا ہے

ایک دو زخم نہیں سارا بدن ہے چھلنی
درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے اُٹھے

اور بھی بہت سی جہتیں ہیں جو آئینۂ ذہن پر منعکس ہیں لیکن کسی سبب اُن کی صورت گری کرنے سے عاجز ہوں۔ ان شاء اللہ ان کی قلمی تصاویر کو لے کر پھر کبھی حاضر ہوں گا۔

☆☆☆☆

دعوت وتبلیغ اوراحساس ذمہ داری

محمد نصیراحمد رضوی★

اسلام کی تبلیغ واشاعت ہرایک مسلمان کا فرضِ منصبی ہے ہر آدمی اپنی جگہ مبلغ ہےاس لیےہم سب کواس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اسے پورا کرنے کی سعی کرنالازم وضروری ہے۔ حدیث پاک "بلغوا عنی و لو اٰیة" ہمیں اس ذمے داری کویاددلارہی ہے۔ہاں ہر ایک کی ذمے داری جداجدا ہے، جوجس حیثیت کا ہےاس کی ذمے داری بھی اسی کے مطابق ہے۔آج کاانسان رنگین دنیاپرفریفتہ ہوچکا ہے دین ومذہب کی بات پرعمل کرنایادینی مجالس میں شریک ہوناروز بروزاس پر شاق ہوتا جارہاہےاس لیےمیدان تبلیغ میں داعی حق کے لیےمشکلات روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم وہ طریقۂ کاراختیار کریں جس سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب وکامراں ہوسکیں۔

خلاقِ عالم کی مقدس کتاب قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ ملاحظہ کریں جس میں دُعاۃ ومبلغین کے لیے رہنما اصول بتائے گئے ہیں جنہیں اپنا کر ہمارے بزرگوں نے ایسی بےنظیر تبلیغ کی جن کی تبلیغ اورمساعی جمیلہ سے عالم کا گوشہ گوشہ روشن ہوگیا۔ارشادربانی ہے: ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة. اپنے رب کی طرف بلاؤ پکی تدبیراوراچھی (عمدہ) نصیحت سے (النحل ۱۲۵)

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یارخان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "یہ آیت کریمہ تو ظاہراً مختصر لیکن حقیقت میں اصول رشد وہدایت،حکمت،دلائل مواعظ حسنہ اورمجادلہ عظمٰی میں دعوت اسلام کے لیے خوش گوارگفتار،فن مناظرہ، ضوابط مجادلہ اور اصول مکابرہ میں ایک انمول خزانہ ہے۔ چوں کہ انسان ذہنی کیفیت کے اعتبار سے تین قسم کے ہوتے ہیں اس آیت کریمہ میں مبلغین اسلام کوتین طرح دعوت وتبلیغ کاحکم دیا گیا ہے۔

(۱) کچھ خاص لوگ اہلِ شعوراورحق کے متلاشی ہوتے ہیں ان کوحکمت اوردلائل یقینیہ کی روشنی میں دعوت دینامفید ہے۔

(۲) عوام کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کوخود ہی بلانا پڑتا ہے اس لیے ان دونوں گروہوں کے لیے فرمایا گیا "ادع" انہیں دعوت دیجئے اوران کے پاس جایئے (تفسیرنعیمی ج۱۵/ص۵۹۳)

صبروحلم: میدان تبلیغ بڑی پرخاروادی ہےاس میدان میں داعی حق کے پیغام کو اہلاً وسھلاً مرحبا کی صدائے دل نواز سے استقبال کرکے قبول کرنے کے بجائے طعن وتشنیع اورمصائب وآلام کے پہاڑ سامنے کھڑا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تبلیغ جیسےاہم فریضہ سے روکنے میں پوری قوت کا بھی مظاہرہ ہوتا ہےلیکن داعی حق کی ذمے داری بھی یہی ہے کہ عفوودرگزر،قوت برداشت اور صبروحلم کا پیکر بن کراپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشاں رہے کیوں کہ آپ جس کودعوت حق پیش کریں گےضروری نہیں کہ سب کے سب ایک ہی مزاج کے ہوں چونکہ "الحق مر" سچی بات کڑوی ہوتی ہےاور جب دنیاپرست انسان کواس کےمزاج کےخلاف حق وصحیح باتیں سنائی جائیں تووہ دفعتاً ماننے کوتیارنہ ہوگا بلکہ مخالفت پربھی آمادہ ہوسکتا ہےاورطعن وتشنیع کا بھی داعی کوسامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ ایسے موقع پررسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اورصحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کو نمونہ بنا کراپنے مشن کوجاری رکھنا داعی حق کی ذمہ داری ہے تاکہ رفتہ رفتہ ماحول سازگار ہوسکے اورآپ کی صاف ستھری اور بے داغ شخصیت سے خود آپ کے مخالف متأثر ہوکراسلام کی مقدس تعلیمات کو اپنانے میں اپنی کامیابی تصورکریں اور آپ دین حق کی تبلیغ واشاعت میں کامیاب ہوسکیں۔

داعیانہ زندگی میں سب سے پہلے اپنامحاسبہ ضروری ہے، کیونکہ داعی کی زندگی اسلام کی آئینہ دار ہوگی تو دوسروں پربھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے اوراس کے کردار وعمل سے بھی لوگ دینی

احکام کی طرف مائل ہوں گے اگر خود داعی کے قول وعمل میں اختلاف ہوتو شدید نقصانات ہو سکتے ہیں اور ساری محنت رائیگاں ہوسکتی ہے قرآن کریم نے بے عمل مبلغین کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اتأمرون بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون''. کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں''

(البقرہ آیت نمبر ۴۴)

علامہ مفتی احمد یار خان صاحب اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ بے عمل واعظ یا عالم رب کو پسند نہیں بہترین واعظ وہ ہے جس کا عمل قول سے زیادہ وعظ و تبلیغ کرے اسے دیکھ کر لوگ متقی بن جائیں۔ (نور العرفان ص ۱۱)

بے عمل واعظ کے لیے تو احادیث کریمہ میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج میں ایک جماعت کو دیکھا جس کے ہونٹ قینچیوں سے کترے جاتے تھے۔ آپ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ کی امت کے واعظین ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اُن نصیحتوں پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (مشکوۃ شریف)

علم چندانکہ بیشتر خوانی

چوں عمل در تو نیست نادانی

صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کی بھیڑ میں مجھ سے یہ نہ پوچھا جائے کہ جتنا علم حاصل کیا اس پر عمل کیا؟

اس لیے رعاۃ ومبلغین کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے خود اپنا محاسبہ کریں اپنی نشست وبرخاست، گفتار وکردار اور اپنے چال چلن کو سنت مصطفوی کے مطابق کر کے میدان عمل میں قدم رکھیں تاکہ انہیں دیکھ کر ہی لوگ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتے جائیں۔

اولیائے کرام کی حیات کے نقوش اس بات پر دال ہیں کہ لوگ ان کے چہروں کی تابانی دیکھ کر ہی اسلام کے حلقے میں آکر اپنا مقدر سنوارتے تھے۔ ان مقبولان خدا کی خاموشی ہزار گفتار کے غازیوں پر بھاری ہوتی تھی۔ آج ہمارے بولنے میں وہ اثر انگیزی نظر نہیں آتی جو ان کی خاموشی میں تھی۔ اس کا اصل سبب یہی ہے کہ آج ہم نے خود اپنے نفس کا محاسبہ کرنا ترک کر دیا ہے اور صرف گفتار کے غازی بن کر میدان تبلیغ میں قدم رکھا ہے جس کا جو نقصان ہو رہا ہے وہ ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

میدان تبلیغ میں آنے سے پہلے مبلغ وداعی کے لیے ضروری ہے کہ خود علوم شرعیہ سے اچھی طرح واقف ہو ورنہ اس کی دعوت بجائے فائدے کے شدید نقصانات کا سبب بن سکتی ہے اصطلاحات شرعیہ کا جو مقام ومرتبہ شریعت نے رکھا ہے اس کو اپنی جگہ استعمال کیا جائے یعنی کسی مباح چیز پر عمل کرانے میں اتنی زبردستی نہ کی جائے کہ اسے فرض کا مقام دے دیا جائے ورنہ شدید نقصان ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد العلیم صاحب صدیقی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ''جب میں زنجی بار (Zanzibar) میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار حبشی اسلام قبول کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے قبول نہ کیا کیونکہ انہیں بتایا گیا کہ ختنہ کرانا ان پر واجب ہے بعد میں خبر ملی کہ انہوں نے عیسائیت قبول کر لی۔''

(تبلیغ اسلام کے اصول وفلسفہ ص ۳۰)

داعی کا طرز تکلم حکیمانہ ہونا چاہئے، جب لوگوں سے گفتگو کرے تو ان کے مزاج کے مطابق بات کرے تاکہ اس کی دعوت کی اثر انگیزی سامعین پر خوب ظاہر ہو، وہ اس کی حکیمانہ گفتگو کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتے جائیں۔ حدیث پاک میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو کسی قوم کے آگے وہ باتیں بیان کرے گا جن تک ان کی عقلیں نہ پہنچیں۔ تو ضرور وہ ان پر کسی پر فتنہ ہوگی۔''

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۲۱۵)

مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تجربات کی روشنی میں تبلیغ اسلام کا یہ احسن طریقہ رعاۃ ومبلغین کے لیے تحریر فرماتے ہیں: ''جس شخص کو آپ مخاطب کرنے لگے ہیں اس کا جائزہ لیجئے آپ اپنی ذہانت کا استعمال کریں، آپ اس کی نفسانیت کا مطالعہ کریں اور اپنے آپ سے سوال کریں کہ اس کے پاس کس قسم کا علم ہے وہ ایک عام آدمی ہے، فلسفی ہے یا ایک سائنس

داں ہے؟ وہ کسی کام میں مشغول ہے؟ آپ کو اس سے جو کچھ کہنا ہے اس کی بنیاد اس کی ذہانت کے مطابق کسی چیز پر رکھیں اور ایک تعلیم یافتہ اور باخبر سائنس داں ہو تو اس کے ساتھ گفتگو کو منطقی اور سائنسی انداز میں کریں اور اسے مثال دے کر سمجھائیں قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ مثالیں استعمال فرماتا ہے: **الم تر ان الفلک تجری فی البحر**''. کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے'' (لقمان)

اس طرح یہ حکمت ہے کہ آپ اپنے سامعین کی ذہنی استعداد کا جائزہ لے کر اسے سامنے رکھتے ہیں اور خود کو ان کی ضروریات کے لیے تیار کرتے ہیں۔(تبلیغ اسلام کے اصول و فلسفہ، ص/۱۵)

دعاۃ و مبلغین کو ہمیشہ میانہ چال ہی اختیار کرنی چاہیے تا کہ بیانات سننے میں لوگوں کی چاہت باقی رہے اور جو کچھ بیان کیا جائے اسے قلوب میں محفوظ کر کے عمل کرنے کی کوشش کریں اور لوگ اطمنان وسکون کے ساتھ بیان سنیں اور اکتاہت محسوس نہ کریں اس سے ہم اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو سکتے ہیں صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہفتہ میں ایک دفعہ واعظ سناؤ، اگر نہ مانو تو دو دفعہ اور بہت ہی کرو تو تین بار۔ اس قرآن سے لوگوں کو اکتانہ دو میں تمہیں ہرگز ایسا نہ پاؤں کہ تم میں سے کسی قوم پر پہونچوں جو اپنی عبادت میں مشغول ہوں تو وعظ شروع کر کے ان کی عبادت کاٹ دو کیونکہ تم انہیں اکتا دو گے، بلکہ خاموش رہو جب وہ خود عرض کریں تو انھیں حدیث سناؤ اور وہ شوق رکھتے ہوں۔

حکیم الامت مفتی یار خاں صاحب اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: یعنی روزانہ وعظ نہ سناؤ ہفتہ میں ایک یا دو تین بار سناؤ پھر اتنی دیر وعظ نہ سناؤ کہ لوگ سیر ہو جائیں بلکہ ان کا شوق ہو ختم کر دو۔ سبحان اللہ کیسی ٹرینگ ہے ان حضرات کی مجلس گویا نارمل اسکول بھی تھیں۔ جن میں سیکھنا، سیکھانا سب بتایا جاتا تھا۔ اس سے بلاضرورت چار چار گھنٹے وعظ کہنے والے عبرت پکڑیں۔ عالم کو چاہیے کہ لوگوں کے شوق کا اندازہ رکھے۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ جس پر واعظ کو کار بند رہنا چاہیے کہ جہاں لوگ کام یا کلام میں مشغول ہوں تو جب تک کام و کلام بند نہ کر دیں، وعظ شروع نہ کریں۔ کہ اس صورت میں اگر چہ وہ کچھ نہ کہیں مگر دل میں تکلیف محسوس کریں گے۔ نیز اس میں عالم اور علم کی بھی اہانت ہے اس سے وہ واعظین بھی عبرت پکڑیں جو تیز لاؤڈ اسپیکر پر آدھی آدھی رات تک تقریریں کر کے مزدوروں، بیماروں کو پریشان کرتے ہیں، ساری بستی کو جگاتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ پھر عوام حکومت کو درخواستیں دیتے ہیں جس پر دفعہ ۱۴۴/ نافذ کی جاتی ہے۔ کتنی بڑی ذلت اور علم کی توہین ہے اگر یہ واعظین اس فرمان پر عمل کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی؟ حکام وافسران خود ان سے علم سیکھتے، ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ (مرأۃ المناجیح ج۱،ص ۲۱۷ مطبوعہ کانپور)

داعی کو چاہیے کہ نرم گفتاری سے دعوت حق پیش کرے، مدعو کتنا سخت سے سخت تر انسان کیوں نہ ہو اس کو بھی آسان اور نرم لہجے میں پیغام حق وصداقت سنانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو ارشاد فرمایا: **فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی**'' تو اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے۔ (پ۱۶ رکوع ۱۱)

اخلاق اور نرم گوئی شدید دشمن کو بھی موم کر دیتی ہے اور اسلام تو اخلاق ہی کے ذریعے پھیلا ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکارم اخلاق کا پیکر بن کر تشریف لائے اور اخلاقِ حسنہ کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ عرب کی وہ قومیں جو ضدی، ہٹ دھرم اور جہالت کے غار عمیق میں غرق ہو چکی تھیں انہیں اپنے اخلاق سے سنوار کر دنیا کا رہبر و پیشوا بنا دیا۔ اوپر قرآن وحدیث کی روشنی میں جو اصول دعوت وتبلیغ بیان کئے گیے ہیں اگر مبلغین انہیں عمل میں لائیں تو اپنے مقاصد میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ میں خود اسلامی اصول درکار ہیں۔ حالات وزمانے کے مطابق اپنا کام آگے بڑھایا جائے تو کامیابی وکامرانی قدم چومے گی۔ بس شرط یہ ہے کہ اسلام وشریعت کی روشن ہدایات کو پیش نظر رکھا جائے۔ اللہ کریم ہمیں اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ کارِ تبلیغ انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

دعوت وتبلیغ اور محفل سوال وجواب

فضل الرحمٰن برکاتی ★

اسلام کی صحیح رہنمائی اور اُمّتِ مسلمہ کو منکرات سے روکنا ایک بہت ہی اہم اور عظیم فریضہ ہے۔ اسلام کی صحیح رہنمائی (دعوتِ دین) ایک نازک عمل ہے، جس کے ذریعے انسان کو بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس نازک عمل کو حکمت سے قرآنی اصولوں کی روشنی میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر انجام دیا جائے، ہم ذیل کے سطور میں چند قرآنی اصول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش کر کے بزمِ محفلِ سوال وجواب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالیں گے۔

دعوت وتبلیغ اور قرآنی اصول: دعوت کا لغوی معنیٰ بلانا یا پکارنا (المنجد) اور تبلیغ کے معنیٰ پہنچانے کے ہیں۔ اصطلاحاً دعوت حق کو لوگوں تک پہنچانا مراد ہے۔ اللہ رب العزت نے خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مسلمانوں پر یہ ذمّے داری عائد فرمائی ہے کہ وہ خلقِ خدا کو حق کی دعوت دیں اور راہ سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست سے لگائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن** (سورۃ النحل ۱۲۵)۔ ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

صاحب مدارک التنزیل علامہ عبد اللہ بن احمد نسفی آیت کریمہ "**فذکر انما انت مذکر**" (غاشیہ ۲۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ **فذکرهم بالادلة لیتفکروا فیها** (مدارک التنزیل جزء ۴ ص ۳۵۳) یعنی آپ انہیں دلائل وبراہین کے ذریعے نصیحت سناؤ تاکہ وہ اس میں غور فکر کریں (اور انہیں ہدایت نصیب ہو)

الحاصل دعوتِ حق کے لیے ضروری ہے کہ دلائل وبراہین کے ذریعے ہو نیز دعوت میں ترغیبات وترہیبات کی پوری رعایت ہو۔ قرآن شریف میں اللہ تبارک وتعالیٰ حسب ذیل مقامات مقدسہ پر دعوتِ حق اور مومن کی ذمّے داریاں کے تعلق سے ارشاد فرماتا ہے: **ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف ینهون عن المنکر واولئک هم الملفلحون** ترجمہ: اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کرے اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔ (آل عمران: ۱۰۴)

قرآن شریف میں ہے:

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: **یا بنی اقم الصلوة وأمر بالمعروف وانه عن المنکر واصبر علی ما اصابک، ان ذلک من عزم الامور** (سورۂ لقمان ۱۷)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑیں اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

مندرجہ بالا تمام قرآنی آیات سے یہ بات روز روشن کی

★ پرانی بستی، راجا مبارک شاہ مسجد، مبارک پور (یوپی)

طرح عیاں ہوگئی کہ لوگوں کو دعوتِ حق اور دعوتِ اسلام دینا بہت اہم اور بہت ضروری ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو دعوت وتبلیغ کا حکم دیا۔ ہم ذیل میں اپنی بات واضح کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند احادیث قلم بند کررہے ہیں۔

دعوت وتبلیغ اور احادیثِ مصطفیٰ: رسول اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''**بلغوا عني ولو اٰية**''. یعنی (اے لوگو!) ''میری طرف سے پہنچادو گرچہ ایک ہی آیت ہو۔ (بخاری شریف)

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک اورحدیث مبارکہ ہے ''**روىٰ الحسن من امر بالمعروف ونهى عن المنكر فهو خليفة الله تعالىٰ وخليفة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وخليفة كتابه**'' ترجمہ: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے باز رکھا تو وہ اللہ کا خلیفہ ہے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔ (روح المعانی ج۳ جزء۴ ص۲۲)

داعی اعظم مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اصلاح ودعوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اور ترک پر امت کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **والذى نفسى بيده لتأمرون بالمعروف ولتنهون عن المنكر او ليو شكن الله ان يبعث اليكم عذا بامنه فتدعو نه فلا يستجب لكم** ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم بھلائی کا حکم ضرور دیتے رہو اور برائی سے ضرور روکتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے اور تم اس سے دعا کرو اور وہ تمھاری دعا قبول نہ فرمائے۔ (جامع ترمذی ج۲، ص۳۹)

مذکورہ بالا حدیث پاک کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامیانِ عالم کی موجودہ بدحالی کا ایک سبب ترک دعوت واصلاح ہے کیوں کہ یہ امت دیگر امتوں سے دعوت و اصلاح کی بناپر ہی ممتاز ہے۔

آقائے دوجہاں احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعوت وتبلیغ کا طریقہ بہت نرالا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوت کے سلسلے میں ہمیشہ صاف، سادہ اور سلیس زبان استعمال فرماتے، کسی بھی بات کو اتنے سادہ طریقہ سے بیان فرماتے کہ ان پڑھ اور معمولی صلاحیت کے لوگ بھی بخوبی سمجھ جاتے۔

بزمِ سوال وجواب اور اسوۂ حسنہ: مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ بعض اوقات اپنی گفتگو کو بشکل سوال پیش فرماتے پھر خود ہی جواب عنایت فرماتے۔ مثال کے طور پر ایک بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: جانتے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اور پھر خود ہی جواب دیا۔

یہ طریقہ بہت ہی موثر ہے کیوں کہ اس سے سامعین کے اندر جواب معلوم کرنے کی جستجو اور تڑپ پیدا ہوتی ہے، سامع ہمہ تن گوش ہوجاتا ہے اور اپنی پوری توجہ ویکسوئی جواب معلوم کرنے کی جانب پھیر دیتا ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں صحابہ کرام بہت سے مسائل دینیہ میں الجھے رہتے مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادب وتعظیم کی خاطر سوال نہیں پوچھتے کہ کہیں گستاخی نہ ہوجائے لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ملاحظہ کرکے صحابہ کرام اپنے الجھے ہوئے مسائل کو بارگاہ نبوی میں پیش کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کے سوالات کے مختصر، جامع اور بہت ہی تشفی بخش جوابات دیتے۔ اب جس جگہ کچھ صحابۂ کرام اکٹھا ہوتے تو صحابہ کرام آپس میں مسائل دینیہ کے بارے میں

گفتگو کیا کرتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے جو فائدہ اسلام کو پہنچا وہ محتاج بیان نہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفاتِ پُر ملال کے بعد جب ان کے حکم سے زمامِ خلافت کو اپنے ہاتھوں میں لیا تو اسلام کو بہت زیادہ فروغ ملا۔ آپ نے ایسا منفرد نظامِ قانون تیار کیا جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کمال عروج حاصل ہوا۔اس کے علاوہ آپ نے قرآن وحدیث کے حوالے سے بہت سی خدمات انجام دیں، جہاں بھی مسلمانوں کو فتح ملتی اور لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوجاتے وہاں نومسلموں کی تعلیم کے لیے بہترین منتخب عالم اور داعی بھیجتے جو انہیں دین کے مسائل سکھاتے۔ آپ احادیث کی تلاش وجستجو اور نشر و اشاعت کے لیے جگہ جگہ علمائے کرام اور داعیانِ اسلام کو بھیجتے۔ خود آپ شرعی احکام ومسائل کے تعلق سے لفظ بہ لفظ احادیث نقل فرماکر اضلاع کے حکام کو بھیجتے اور نو پید مسائل کو مجلس شوریٰ کی تحقیق وتدقیق کے بعد جاری فرماتے یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں فقہ کی زیادہ خدمات انجام پذیر ہوئیں۔

بزم سوالات وجوابات کا طریقہ نسلا بعد نسل جاری ہے۔ آج پندرہویں صدی ہجری میں بھی جگہ جگہ محفل سوال و جواب منعقد کی جاتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کی عظیم تحریک سنی دعوت اسلامی کے ذریعے پندرہویں صدی ہجری میں محفل سوال وجواب کو فروغ ملا ہے۔

پندرہویں صدی ہجری کو قحط الرجال کا دور کہا جاتا ہے، لیکن تحریک سنی دعوت اسلامی کے اراکین ومبلغین اسوۂ حسنہ، احادیث مصطفیٰ اور قرآنی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے اجتماعات میں سوال وجواب کی ایک یا چند نشست ضرور رکھتے ہیں اور نت نئے مسائل کی گتھیاں سلجھانے والے، جدید مسائل کو فقہ اسلامی کی رو سے حل کرنے والے، محقق مسائل جدیدہ، فقیہ اسلام حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور عوام الناس کے ذریعے پوچھے گئے سوالات کا جامع اور تسلی بخش جواب دیتے ہیں، دعوت وتبلیغ میں یہ عمل بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، جس سے عوام وخواص کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

عوام الناس کی بزم سوال وجواب سے دلچسپی: اجتماعات اور اجلاس میں عوام الناس کے علم میں اضافے کے لیے بزم سوال وجواب کا ایک پروگرام رکھا جاتا ہے اور حضرت محقق مسائل جدیدہ اسٹیج پر جیسے ہی جلوہ افروز ہوتے ہیں تو عوام وخواص اپنے الجھے ہوئے مسائل کو کاغذ پر لکھ کر اسٹیج پر جمع کرنے لگتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سوالات کا ذخیرہ جمع ہوجاتا ہے، جس میں ہر قسم کے سوالات ہوتے ہیں اور جدید مسائل بھی رہتے ہیں، حضرت محقق مسائل جدیدہ جامع وتسلی بخش جواب دیتے ہیں پھر بھی سوالات کا ذخیرہ اتنا رہتا ہے کہ سینکڑوں سوالات تشنہ رہ جاتے ہیں۔حضرت محقق مسائل جدیدہ کی حاضر جوابی دیکھ کر مفتیانِ کرام، علمائے کرام اور عوام وخواص انگشت بدنداں ہوجاتے ہیں۔

بہر کیف! موجودہ صورتِ حال میں بزم سوال وجواب کی محفل کی اہمیت وضرورت محتاج بیان نہیں۔اس دورِ قحط الرجال میں بزم سوال وجواب قائم کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ خدائے ذوالجلال حضرت محقق مسائل جدیدہ کو عمر خضر عطا فرمائے اور تحریک سنی دعوت اسلامی کو دن بہ دن ترقی عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆☆

☆☆☆

جلوہ ریزیِ دعوت پہ لاکھوں سلام

محمد سعید نوری★

مذہبِ اسلام میں دعوت وتبلیغ کو اہم عبادت تسلیم کیا جاتا ہے کیوں کہ دیگر عبادتوں کا فائدہ خود اپنے آپ کو حاصل ہوتا ہے مگر تبلیغ کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ لیکن دعوت وتبلیغ کے راستہ میں قدم قدم پر شیطان کے بچھائے ہوئے جال انسان کو پھانسنے کے لیے تیار رہتے ہیں قرآن کریم میں پروردگار عالم نے واضح لفظوں میں ارشاد فرمادیا ''بیشک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے'' ہر قدم پر شیطان نے اپنے ایسے ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں جو صراط مستقیم کے مقابلے میں ان پگڈنڈیوں پر چلنے کی انسان کو ترغیب دیتے ہیں جن پر چلنے والے کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ خود انسان کی خواہشات نفسانی اسے انہیں راستوں پر چلانے کی کوشش کرتی ہے جن کو شیطان نے مزین کر رکھا ہے۔

معبودِ حقیقی رحمٰن ورحیم ہے۔ جادۂ زیست کی انہی مشکلات کے پیش نظر اس نے نبوت ورسالت کا ادارہ قائم فرمایا ہے تاکہ اس کے بندے اس ادارے کی رہنمائی میں راستے کے ان خطرات سے دامن بچاتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ اس مقصد کے لیے وہ نبی اور رسول مبعوث فرماتا ہے اور انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ کتاب وحکمت کی خداداد روشنی میں اُمت کے عظیم قافلے کو منزلِ مقصود تک پہنچائیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام پیغام خدا لے کر تشریف لائے اور فریضۂ نبوت کو بحسن وخوبی سرانجام دیتے رہے۔

چھٹی صدی عیسوی ایک ایسا دور تھا جب دنیا گناہوں کی آلودگی میں ملوث تھی، انسانیت دم توڑ رہی تھی، کائنات ارضی کے گوشہ گوشے میں شرک اور بت پرستی کی بیماری ایک وبا کی صورت اختیار کر چکی تھی اور جب بندوں کا رشتہ ہی اپنے رب سے ٹوٹ چکا تھا تو ان کی اخلاقی، سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی میں جو تباہ کن فسادات رونما ہوئے اُن کا تصور کر کے ہی سعید روحوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

ساری کائنات کے ہادی ورہبر محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل جب عزت وآبرو کے آبگینے چور چور ہو چکے تھے اور اولاد آدم جس کے سر پر اشرف المخلوقات ہونے کا تاج سجایا گیا تھا، جس کو خلافتِ ارضی کی خلعت زیبا پہنائی گئی، جس کے وُسعتِ علم کے سامنے نوری ملائکہ کو اعتراف عجز کرنا پڑا تھا اور انہیں اُس پیکر خاکی کے سامنے سجدۂ تعظیم بجالانے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ آدم کی اولاد خدا فراموش ہی نہیں بلکہ خود فراموش بھی بن گئی تھی۔ انہیں قطعاً یاد نہ رہا تھا کہ وہ خالقِ کائنات کی شانِ تخلیق کا شاہکار ہے۔ وہ چشم کائنات کی پتلی ہے۔ مہر وماہ، بحر وبر، فضائیں اور خلائیں ان کے زیرنگیں ہیں۔ ہر چیز ان کی خدمت بجالانے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور ان کی تخلیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کو پہچانیں، دل کی گہرائیوں سے اس سے محبت کریں، عشق ومحبت سے سرشار ہو کر اس کی بارگاہِ عظمت وکمال میں بے خودی سے اپنا سر نیاز جھکا دیں، اس کی زبان ہی نہیں بلکہ اس کا دل بھی **سبحان ربی الاعلیٰ** کے روح پرور کلمات سے اپنی بندگی، بے چارگی، بے کسی اور بے بسی کا اظہار کر رہا ہو۔ مگر اس کی بجائے انہوں نے ہر چیز کو اپنا خدا، اپنا معبود اور اپنا حاجت روا بنا لیا تھا، بے جان پتھروں کے سامنے سجدہ ریز تھے۔ درختوں کے اِرد گرد وہ طواف کناں نظر آتے، کبھی کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی سے مرعوب ہو کر اس کے سامنے بچھے جاتے۔ کبھی مہر وماہ کی تابندگی کے لیے سراپا عقیدت بن جاتے۔ کبھی کسی حیوان کی غلاظت میں پاکی کو تلاش کرتے دکھائی دیتے۔ الغرض انہوں نے عزت وکرامت کی اس خلعت کو تار تار کر دیا تھا اور اپنی بے مثال وبے نظیر ظاہری وباطنی خوبیوں کا جنازہ نکال دیا تھا جو ان کے پیدا کرنے والے نے بڑی فیاضی سے انہیں مرحمت فرمائی تھی۔ وہ تمام مظاہرِ

قدرت سے ڈرتے تھے اوران کے سامنے جھکتے بھی تھے۔ لیکن اگر کسی ہستی کی طرف سے انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور منہ پھیر لیا تھا تو وہ ان کا رحیم وکریم پروردگار تھا جس نے ان کو اپنے لامحدود احسانات وکرامات سے نوازا تھا۔

صرف کوئی فرد، کوئی قبیلہ یا کوئی قوم بھٹک نہیں رہی تھی بلکہ سارا عالمِ انسانیت اس کی شدید گرفت میں تھا اور گمراہ رہا تھا اور انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں رہا تھا جسے فساد کی آندھیوں نے تباہ وبرباد نہ کر دیا ہو۔ نفرت وعداوت اور قتل کا دور دورہ تھا، انسانیت کی تذلیل عروج پر تھی، باپ بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا تھا۔

اس بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ مستقیم عطا کرنے کے لیے اسی قافلۂ امت کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے خدائے کبیر وجبار نے اپنی سنت کے مطابق اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمۃ للعٰلمین بنا کر مبعوث فرمایا اور جب وہ آفتاب عالم تاب اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نور بکھیرتا ہوا جلوہ گر ہوا جس نے بلندیوں اور پستیوں کو بقعۂ نور بنا دیا۔ جس کی روشن کرنوں سے زمین کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا اور وہیں معصیت وظلم کا معاشرہ نور علیٰ نور اور قابل رشک بن گیا۔

سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اندھے شیشے جھلا جھل دمکنے لگے
جلوہ ریزیِ دعوت پہ لاکھوں سلام

ہادی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے تمام فرائض نبوت کو کما حقہ پورا کیا۔ احکامِ خداوندی کو پوری امانت ودیانت کے ساتھ اپنی امت تک پہنچایا۔ حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات نے وہ انقلاب برپا کیا کہ جس کی وجہ سے فکر بدلی سوچ بدلی، نقطۂ نظر بدلا، اقدار بدلے، کردار بدلے، افکار بدلے، جلوت بدلی، خلوت بدلی، انفرادیت بدلی، اجتماعیت بدلی، دن بدلا، رات بدلی۔

دنیا کی سب سے زیادہ اجڈ قوم، نسلِ انسانی کے لیے تہذیب وثقافت کی معلم بن گئی، راہ زن راہبر بن گئے، عزت لوٹنے والے ایک دوسرے کے پاسبان بن گئے۔

ایک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذرّوں کو ہم دوش ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کے دلوں کو یوں پاک کیا کہ پوری انسانیت کے لیے یہ لوگ پیغامِ رحمت بن گئے۔ ان کے مقام کا یہ عالم کہ سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے''۔

تعلیماتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے ایسے افراد پیدا ہوئے جن پر انسانیت تا قیامت فخر کرتی رہے گی۔

اندھے شیشے جھلا جھل دمکنے لگے

داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پر تاثیر اور پر نور دعوت وتعلیمات کا انداز بڑا ہی دلکش اور موثر تھا۔ دعوت وتبلیغ کی تاثیر میں داعی کی آواز، زبان اور اندازِ بیان کا اہم رول ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی ایک جھلک اپنے سامنے لائیں۔

تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میانہ تھی۔ نہ بہت بلند اور نہ بہت پست جو سامعین کو بہت بھاتی۔ لوگ اس کی جانب تیزی سے لپکتے آپ کی آواز میں بلا کا اثر تھا۔ ایک مرتبہ سننے کے بعد بار بار سننے کی خواہش اور تمنا ہوتی۔ حسب ضرورت اپنی آواز بلند بھی فرماتے۔ ہمیشہ صاف سادہ اور سلیس زبان استعمال فرماتے کہ ان پڑھ اور معمولی صلاحیت کے لوگ بھی سمجھ جاتے مخاطبین کی دلچسپی اور شوق وذوق کا پورا لحاظ فرماتے۔ فصاحت وبلاغت کا خصوصی خیال فرماتے، کم سے کم الفاظ استعمال فرماتے، الفاظ کے ذریعے واقعات کی ایسی منظر کشی فرماتے کہ ساری چیزیں نگاہوں کے سامنے معلوم ہوتیں، جس چیز کو بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو اس کی کیفیت اپنے اندر محسوس کرتے، جس کا مخاطب پر بہت اچھا اثر مرتب ہوتا باتوں باتوں میں نفیس وضروری معلومات فراہم کر دیتے، اپنی گفتگو کو بشکل سوال پیش کرتے پھر خود ہی جواب دیتے، مثال کے طور پر ایک بار حضور تشریف لائے اور فرمایا: جانتے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے اور پھر خود ہی جواب دیا۔ یہ طریقہ بہت ہی مؤثر ہے کیوں کہ اس سے سامعین کے اندر جواب معلوم کرنے کی جستجو اور تڑپ پیدا ہوتی ہے اور وہ ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے اور اپنی پوری توجہ ویکسوئی جواب معلوم کرنے

کی جانب پھیر دیتا ہے۔ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو کے دوران عملی نمونہ پیش فرماتے۔ ہاتھوں اور دیگر اعضا سے اشارہ کرکے دکھاتے۔ ضرورت کے مطابق بات کو دوبارہ سہ بارہ بیان فرماتے۔ مناسب تمثیل سے اپنے مدعا کی فصاحت فرماتے، جو کہتے پہلے خود اس پر عمل کرتے۔ یہ بنیادی طریقۂ گفتگو تھا جو نتیجہ خیز رہا اور بہت جلد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلامی تعلیمات واحکام سیکھ گئے اور اپنی عملی زندگی میں انہیں نافذ کیا۔

داعیِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کا سب سے نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ نے اس راہ خارزار میں ہمیشہ رضائے الٰہی کو مطمح نظر رکھا۔ ذاتی منفعت، دنیاوی عزت وشہرت کو پاس پھٹکنے نہ دیا۔ دعوتِ دین میں آپ کی دنیاوی مفاد سے بےزاری کا قرآن کریم نے یوں نقشہ کھینچا ہے: ''اے قوم! میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے'' (سورۂ ہود ۲۹)

ایک موقع پر آپ نے اپنے مشفق چچا ابوطالب کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا ''خدا کی قسم اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں اور یہ توقع رکھیں کہ میں دعوت حق کو ترک کردوں گا تو یہ ناممکن ہے یا تو اللہ اس دین کو غلبہ دے گا یا میں اس کے لیے جان دے دوں گا'' (ضیاء النبی ۲؍۲۷۵ بحوالہ ابن کثیر ص:۴۷۴ جلد اوّل)

رسولِ اعظم سارے عالمِ انسانیت کو رشد وہدایت اور فلاح وکامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے جلوہ افروز ہوئے تھے۔ لوگوں کی خیرخواہی اور ہمدردی کا جذبہ اس قدر فراواں تھا کہ جب اسلام کی دعوت دیتے پھر کوئی ایمان نہ لاتا اور اعتراض کرتا تو قلب مبارک پر ایک بے چینی کا احساس فرماتے۔ نہایت کبیدہ خاطر ہوتے، معلوم ہوتا اس کی اصلاح کے پیچھے اپنی جان قربان کردیں گے۔ اُمت کی فلاح کی اس تڑپ کو قرآن پاک نے یوں بیان کیا: ''کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے'' (سورۂ شعرا آیت نمبر ۲)

خود سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی ہو اور جب ارد گرد کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو کیڑے پتنگے آگ پر گرنے لگے، وہ شخص پوری قوت سے ان پروانوں اور پتنگوں کو روک رہا ہے لیکن وہ اس کی کوششوں کو ناکام بنا کر آگ میں گرے جارہے ہیں۔ ایسے ہی میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے جارہے ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت واصلاح، تزکیۂ نفس اور نہایت حکمت ودانائی، محبت ودل سوزی اور خوش اسلوبی سے فرمایا۔ جس کے لیے آپ نے ترغیب وتبشیر اور انذار وتوبیخ دونوں پہلوؤں کو اختیار کیا۔ آپ نے مخاطبین کے مزاج کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے اور موقع محل کی رعایت کرتے ہوئے مؤثر اسلوب کے ذریعے دعوت اسلام پیش فرمائی۔ آپ کی دعوت اس آیتِ کریمہ کی آئینہ دار تھی: ''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ، پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے ان طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو، بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے، جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو'' (سورۂ نحل آیت ۱۲۵)

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً نہایت شفیق اور نرم خو تھے۔ ہمیشہ خوش اخلاقی اور خندہ روئی کے ساتھ پیش آتے۔ یہ خوبی آپ کی دعوت میں شاہ کلید تھی۔ اس کی وجہ سے لوگ جلد ہی آپ سے متاثر ہوجاتے اور آپ کی دعوت قبول کرلیتے۔ خود قرآن بھی اس بات کی یوں شہادت دیتا ہے: ''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کافی مہربان'' (سورۂ توبہ آیت ۱۲)

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کی جانب بھیجا تو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''نرمی کرنا، سختی نہ کرنا، خوشخبری سنانا، متنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا، باہم اختلاف نہ کرنا'' (بخاری جلد ۲ ص: ۶۲۲)

تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتیازی وصف عفو ودرگزر تھا۔ آپ سختی کے ساتھ پیش آنے والوں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ فرماتے، زخمی کرنے والوں کو دعائیں دیتے حتی کہ اپنے جانی دشمنوں کو بھی پروانۂ بخشش عطا فرماتے۔

آپ نے فتح مکہ کے وقت جس بلند اخلاق کا مظاہرہ فرمایا اور جس حسن اخلاق وعفو ودرگزر کا نمونہ پیش فرمایا پوری دنیا آج تک اس کی نظیر نہ پیش کرسکی ہے اور نہ پیش کرسکتی ہے۔ آپ نے ہمیشہ سے ظلم کرنے والوں، گالیاں دینے والوں اور بدعہدی کرنے والوں کے

لیے بھی عام معافی کا اعلان فرمایا:

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ مکہ کے باشندوں نے کفر وشرک سے تائب ہوکر اسلام کا قلادہ زیبِ گلو کرلیا۔

سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز کی تعلیم لوگوں کو دی اس پر خود عمل کرکے دکھایا۔ آپ نے مجمع عام میں جو فرمایا اور کرنے کی تلقین فرمائی خلوت میں خود اس پر عمل پیرا نظر آئے۔ جس کی وجہ سے لوگ متاثر ہوکر دعوتِ حق کو قبول کرنے لگے۔ آپ کے قول وعمل میں یگانگت کا ہی نتیجہ تھا کہ عرب آپ کی دعوت کو سمجھ لینے کے بعد اس کو قبول کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے۔

داعیِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا یہ باب آج بھی ہمارے لیے مینارۂ ہدایت اور لائق اتباع ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دن میں تبلیغ دین میں مصروف رہتے اور راتوں کو عابد شب زندہ دار نظر آتے۔ اتنا طویل رکوع وسجدہ فرماتے کہ پائے اقدس میں ورم آجاتا۔ اپنے رب کی بارگاہ توبہ واستغفار کرتے حالاں کہ آپ معصوم تھے اور آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے راہِ دعوت کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور صبر واستقلال کے دامن کو کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔ آپ نے دعوت الی اللہ کی راہ میں اپنے اوپر کیے جانے والے جن مصائب کا ذکر فرمایا ہے آج بھی اس درد وکرب کے تصور سے انسانیت کراہ اٹھتی ہے۔ لیکن قربان جایئے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر کہ آپ نے ان تمام مصائب کو برداشت کرتے ہوئے کبھی بھی اسے دعوت کی راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔

ارشاد گرامی ہے:

مجھے اللہ کی راہ میں جتنا خوف زدہ کیا گیا اور کسی کو نہ کیا گیا، مجھے اللہ کی بارگاہ میں جتنی اذیت دی گئی اور کسی کو نہیں دی گئی، مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی بھی گزریں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لیے کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جسے کوئی جان دار کھا سکتا مگر قلیل مقدار میں۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۴۸)

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہی داعیانہ اوصاف اور طریقۂ کار سے بے شمار گمراہ اور مُردہ دل لوگوں نے ہدایت کی روشنی پائی اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ذیل میں صرف ایک واقعہ ذکر کیا جارہا ہے جس سے آپ کی پرحکمت دعوت کی جھلک اور اس کی اثر پذیری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابواُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک نوجوان نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا مجھے آپ زنا کی اجازت دے دیں، لوگوں نے اسے جھڑکا اور برا بھلا کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی، تم اللہ کے رسول کی بارگاہ میں ایسی بات کرتے ہو۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو یہ عمل اپنی والدہ سے کرے گا؟ کہنے لگا ہرگز نہیں، فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی والدہ کے ساتھ ایسا عمل پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کیا تو اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا عمل کرنا پسند کرے گا؟ کہنے لگا ہرگز نہیں، فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا عمل پسند نہیں کرتے۔ کیا تو اپنی بہن، پھوپھی اور خالہ سے کرے گا؟ کہنے لگا ہرگز نہیں، فرمایا دوسرے لوگ بھی اسے پسند نہیں کریں گے۔ یہ فرمانے کے بعد آپ نے دست رحمت اس نوجوان کے سر پر رکھا اور دعا کی۔ اے اللہ! اس کی گناہوں کی زندگی بدل دے، اس کا دل پاک کردے اور اس کو شرمگاہ کی حفاظت کی توفیق دے۔ اس کے بعد اس نوجوان کے قدم کبھی بھی غلط نہ اُٹھے، بلکہ وہ شرم وحیا کا پیکر بن گیا۔

ملاحظہ کیجئے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناراض نہ ہوئے بلکہ احسن انداز میں اسے سمجھایا کہ جس کے ساتھ تو برائی کرے گا وہ بھی کسی کی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی یا خالہ ہوگی۔ جیسے تو اپنے ان رشتے داروں کی عزت ریزی کو براجانتا ہے اسی طرح دوسروں کی آبروریزی کو براجان۔

کاش! ہم بھی یہی طرز عمل اپنائیں تا کہ وہ محبت وشفقت کی بہاریں پھر لوٹ آئیں۔

دعوت وتبلیغ کو موثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ داعیان حق اور مبلغینِ اسلام داعی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داعیانہ اوصاف، پرکشش اندازِ بیان، موثر گفتگو، حکمت ودانائی، شفقت ونرمی، رضائے الٰہی، عفو ودرگزر، خیرخواہی، ایثار وقربانی، مدعو کی ہدایت کی بے پایاں آرزو، قول وعمل میں یکسانیت، صبر واستقلال وغیرہ کو حرزِ جاں بنائیں کیوں کہ اس کے بغیر کوئی بھی داعی اور دعوتی تحریک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔

☆☆☆

باب دھم

سنی دعوت اسلامی کے دعوتی نقوش

تحریک سنی دعوت اسلامی اب کوئی ڈھکی چھپی تحریک نہیں رہی۔ یہ تحریک ممبئ سے اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان اور بیرونی ممالک کے مختلف حصوں میں اس کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔اس کی دعوتی خدمات کو کتاب بند کرنے کے لیے وقت درکار ہے''سنی دعوتِ اسلامی'' کے اس خصوصی نمبر میں اس کے دعوتی پہلو کی ہلکی سی جھلک قارئین کے ذوقِ نظارگی کو دعوت دیتی ہے، سنی دعوت اسلامی کا ترانہ جو مفکّرِ اسلام حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی مصباحی کی فکر کا نتیجہ ہے جس سے اس باب کی ابتدا ہوتی ہے۔اس کے بعد تحریک کے تعارف وخدمات کا تذکرہ ہے پھر چند تصاویر آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں جو یہ باور کراتی ہیں کہ تحریک کا دعوتی قدم کس کس جگہ پڑا ہے اور اس کے قدم تلے کیسی کیسی زمینیں سرسبز وشاداب ہوئی ہیں۔ جن سے تحریک کی اہمیت اور اس کی غیر معمولی کامرانیوں کا رخ متعین ہوتا ہے۔

ترانہ

علامہ قمرالزماں خاں اعظمی

سُنّی دعوتِ اسلامی کی دعوت ہر سو عام کریں
سنت کو گھر گھر پھیلائیں تبلیغِ اسلام کریں

فضلِ خدا سے ہم ہو جائیں دین کی خدمت کے لائق — تحریک سُنّی دعوت ہو دنیا میں سب پر فائق
بارالٰہا! ہم کو بنادے سرورِ عالم کا عاشق — تبلیغِ پیغامِ رسالت ہم سب صبح وشام کریں
سُنّی دعوتِ اسلامی کی دعوت ہر سو عام کریں

نورِ شریعت سے ہوں روشن ہر مؤمن کے قلب ونظر — خیر ہو غالب تیرے کرم سے مٹ جائے دنیا سے شر
اتنا ہو احسان خدایا ہم سب اہلِ سنت پر — سنّت سے سرکار کی روشن ہم اپنے ایّام کریں
سُنّی دعوتِ اسلامی کی دعوت ہر سو عام کریں

ایک بنادے نیک بنادے ہم سب اہلِ سُنّت کو — جذبِ باہم ثقلِ مرکز کردے سنّی دعوت کو
عظمتِ رفتہ پھر سے عطا کر اپنے نبی کی اُمّت کو — رشتۂ الفت میں بندھ جائیں ہر اک کا اِکرام کریں
سُنّی دعوتِ اسلامی کی دعوت ہر سو عام کریں

ایک ہی رستہ ہم سب کا ہے ہم سب کی ہے منزل ایک — ایک ہی کشتی میں بیٹھے ہیں ہم سب کا ہے ساحل ایک
تبلیغِ اسلام میں جتنے لوگ ہوئے ہیں شامل ایک — آؤ قدم سے قدم ملائیں تبلیغِ اسلام کریں
سُنّی دعوتِ اسلامی کی دعوت ہر سو عام کریں

آج کا انساں بھٹک رہا ہے وہم وخیال کی ظلمت میں — دور بہت منزل ہے اب تک گم ہے دشتِ وحشت میں
فرض ہے اہلِ ایماں پر اس دورِ کفر وضلالت میں — تبلیغِ توحید کریں اور تردیدِ اوہام کریں
سُنّی دعوتِ اسلامی کی دعوت ہر سو عام کریں

مولا تیرے در سے عطا ہم سب کو خلوصِ نیت ہو — دنیا کی ہو طلب نہ مقصد اپنی شہرت وعزّت ہو
دین کے نام پہ سب کچھ قرباں کردیں ایسی غیرت ہو — یومِ جزا میں رب کی رضا کا حاصل ہم انعام کریں
سُنّی دعوتِ اسلامی کی دعوت ہر سو عام کریں

سنی دعوت اسلامی: تعارف وخدمات

عبیداللہ برکاتی ★

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر اب تک دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔ بڑے بڑے داعیان دین آتے رہے اور انتہائی مشکل حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے صرف اللہ عزوجل کی رضا کے لئے دعوت وتبلیغ فرماتے رہے۔ آج جو پوری دنیا میں اہل سنت وجماعت کا لہلہاتا چمن نظر آرہا ہے جس کی تروتازگی اور معطر ومعنبر خوشبوؤں سے سارا عالم مہک اُٹھا ہے یہ سب انہیں نفوس قدسیہ کی خدمات جلیلہ اور مساعیٔ جمیلہ کا اثر ہے۔ بالخصوص چودہویں صدی میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے جتنی کوششیں اور قربانیاں دی گئیں ان سب کا سہرا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے خلفا وتلامذہ کے سر ہے۔ جن کی دعوت وتبلیغ سے لاکھوں گم گشتگان راہ ہدایت پاکر جذبۂ عشق رسول سے سرشار ہوئے، ان کے اندر ایک طرف سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تو دوسری طرف فرقہائے باطلہ اور دشمنان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفرت وبیزاری کا بے پناہ شعور بھی پیدا ہوا۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عقائد حقہ کی ترویج واشاعت کے لئے دعوت وتبلیغ کا پروگرام اس وقت شروع فرمایا جبکہ الحاد ودہریت اور مادیت کی تیز وتند آندھیاں انسانی آبادیوں کو تباہ و برباد کر رہی تھیں۔ وہابیت ودیوبندیت کے ایمان سوز واخلاق کش جراثیم شب وروز حملہ آور ہوکر قلب ایمانی اور روح آدمیت کو خستہ اور پامال کر رہے تھے۔ ایسے سنگین حالات میں سارے چیلینج کا مقابلہ کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ کا مؤثر کارنامہ انجام دینا یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

لیکن پھر زمانے نے کروٹ بدلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے چند سال بعد پھر افراتفری کا ماحول گرم ہوا۔ سرزمین ہند پر فرقہ پرستوں کی شورش شروع ہوگئی، جگہ جگہ فسادات اور قتل وغارت گری کا ماحول برپا ہوا تو ادھر تمام مسلمان مساجد ومدارس اور اپنے جان ومال کی تحفظ وبقا کی فکر میں سرگرداں تھے اور معاشی حالات کو بہتر بنانے کی تگ ودو میں مصروف تھے، ادھر موقع غنیمت جان کر وہابیوں نے مسلمانوں کے ایمانی قلعہ پر شب خون مارنے کے لئے ایک گروہ تیار کیا جو تبلیغی جماعت کے نام سے منظّم تحریکی شکل میں نمودار ہوا۔ اہل سنت وجماعت کے عقائد ومعمولات کو مسخ کرکے مسلمانوں کے دلوں سے عشق رسول کی شمع بجھانے کی کوشش اس کا نصب العین تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ کی طرح یہ تحریک پھیل گئی مسلمانوں کو معاش کی بہتری کا جھانسہ دے کر گمراہ کرنا شروع کردیا۔ دوسری طرف مغربیت کی بادسموم اس قدر تیزی سے قوم مسلم کے نوجوانوں کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کیا کہ مسلمان اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بھول کر انگریزوں کے طرز زندگی کو اپنانے لگے، تعلیمی واخلاقی صورت حال فیشن ایبل ہونے لگی۔ فلمی ہیرو کو اپنا آئیڈیل بنانے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ نماز اور قرآن سے دور ہوکر فلم بینی اور فلمی گانے اور لہو ولعب میں اپنی زندگی گزارنے لگے نہ دین کی فکر اور نہ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر نوبت بہ ایں جارسید کہ شریعت اسلامیہ کے احکامات پر عمل پیرا رہنے اور دینی امتیاز باقی رکھنے کا جذبہ یکسر مفقود ہوچکا تھا ایسے کربناک حالات کے پیش نظر ایک انتہائی منظّم وفعال تحریک کا قیام بے حد ضروری تھا، جو خالص اللہ کی رضا کے لئے، مفاد پرستی خود غرضی اور شہرت وناموری سے دور ہوکر اصلاح معاشرہ کا عظیم کارنامہ انجام دے سکے۔ جس کے ذریعہ عملی وفکری بے راہ روی کے شکار افراد کو عمدہ عقائد اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا جاسکے اسی

★ مگہر، ضلع سنت کبیر نگر (یوپی)

مقصد کے پیشِ نظر وقت کے مقتدر علما و مشائخ کے تعاون سے تحریک ''سنی دعوت اسلامی'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس تحریک کی باضابطہ تشکیل ۵ ستمبر ۱۹۹۲ء بروز سنیچر بمقام کچھی میمن جماعت خانہ کا میکر اسٹریٹ ممبئی ۳ میں ہوئی اور باتفاق رائے حضرت مولانا محمد شاکر نوری صاحب کو اس تحریک کا امیر مقرر کیا گیا۔

تحریک کے قیام کے بعد بتدریج اصلاح معاشرہ کا کام شروع ہوا۔ مبلغین کی تعداد بڑھنے لگی، اس تحریک نے قلیل عرصہ میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ تحریک کے لئے اکابر اہل سنت کی اجتماعی سرپرستی میں جو خطوط متعین کئے گئے ہیں انہی خطوط پر یہ تحریک جبل استقامت بن کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ عقائد و معمولات اہل سنت کی ترویج و اشاعت اس تحریک کا بنیادی نصب العین ہے۔

تحریک سنّی دعوت اسلامی کے اغراض و مقاصد:

(۱) امت مسلمہ کو قرآن مقدس اور اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب کر کے اطاعت خدا و اطاعت رسول کی اسپرٹ پیدا کرنا۔

(۲) عقائد اہل سنت و جماعت کو دل و دماغ میں اُتار کر اعمال کی اصلاح کرنا۔

(۳) سماج میں پھیلی ہوئی بے شمار برائیاں جن سے نونہالوں کے اخلاق بگڑتے ہیں ان کا پوری طرح سدّ باب کرنا۔

(۴) دینی اور دنیوی دونوں علوم کی رغبت دلا کر قوم مسلم کے نونہالوں کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھانا تاکہ اپنی سوسائٹی سے جہالت کا مکمل خاتمہ ہوجائے۔

(۵) احقاقِ حق اور ابطالِ باطل باحسن طریق انجام دیتے ہوئے استقامت علی الحق اور تصلب فی الدین کا جذبہ پیدا کرنا۔

(۶) مدارسِ دینیہ، مساجد اور اسلامی طرز پر اسکول و کالج اور ہاسپٹلس کا قیام۔

(۷) اسلام وسنیت کی ترویج و اشاعت کے لئے لائبریریوں کا قیام اور مختلف جگہوں پر درسِ قرآن وسنت کا انتظام۔

(۸) جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ فروغِ اسلام کی خدمت انجام دینے والے ماہر افراد کو تیار کرنا اور ان کا بھرپور تعاون کرنا۔ وغیرہ

بحمدہ تعالیٰ تحریک سنی دعوتِ اسلامی اپنے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا کے مختلف حصوں میں بے لوث خدمات انجام دے رہی ہے، جب کہ دورِ حاضر میں دین و سنیت کی تبلیغ و اشاعت انتہائی دشوار ہے۔ ایک طرف اعدائے دین ہیں اور ایک طرف حاسدین ہیں۔ دونوں جانب سے طعن و تشنیع اور سب و شتم کی بوچھار ہو رہی ہے۔ حد یہ ہے کہ ہر کام میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے مگر اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقے تحریک سنی دعوتِ اسلامی سیل رواں کی طرح بڑھتی ہی جارہی ہے اور مقبولیت کا سبب یہ ہے کہ اسے علما و مشائخ کی حمایت و سرپرستی حاصل ہے اور اکابر علمائے اہل سنت کی سرپرستی اور ان کے تعاون سے ہند اور بیرونِ ہند میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کا پرچم بلند کرتے ہوئے لوگوں کے دل و دماغ میں پوری طرح بس چکی ہے۔ جس کے بہترین اثرات و نتائج لوگ محسوس کررہے ہیں چنانچہ ہماری قوم کے وہ نوجوان جو ہمیشہ شراب کے نشہ میں دھت رہتے تھے، جنہیں جوا کی لت لگی ہوئی تھی، چوری، زنا اور حرام خوری میں زندگی گزر رہی تھی۔ آج وہ برائیوں کو چھوڑ کر اپنے سر پر سفید عمامہ سجائے ہوئے پنجوقتہ نماز کے لیے مسجد میں نظر آرہے ہیں، فلمی گانوں کو چھوڑ کر نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گنگناتے ہوئے نظر آرہے ہیں، ان کے اندر نگاہوں کا تقدس، عشقِ رسول کی تڑپ اور خدمتِ دین کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کا جذبہ و حوصلہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس موقع پر میں یہ کہوں گا کہ ان انقلابات کا سہرا یقیناً امیر سنی دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا شاکر علی نوری صاحب قبلہ کے سر جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر بہترین قیادت کا حق ادا کرتے ہوئے تحریک کے اندر جان ڈال دی اور اپنے رفقا کے دلوں میں خدمتِ دین و اصلاحِ معاشرہ کی روح پھونک دی اور آپ کا عالم یہ ہے کہ اپنی گھریلو مصروفیات سے پہلو تہی کرتے ہوئے فقط خدمتِ دین متین کے لئے ایک ایک لمحہ وقف کردیا ہے۔ بے پناہ شہرت و مقبولیت کے باوجود عجب و تکبر کا شائبہ تک نہیں، بلکہ تواضع و انکساری، خوش خلقی و ملنساری

سے سرشار، خصوصاً علما کی بارگاہوں میں انتہائی مؤدب نظر آتے ہیں۔ دنیوی لالچ اور شہرت ونا موری سے بالکل دور ونفور ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر کے نامور علما و مشائخ آپ کی خدمات کے معترف بھی ہیں اور دعاؤں سے نوازتے بھی رہتے ہیں۔ مثلاً حضور سید ملت سید حسنین میاں صاحب قبلہ نظمی مارہروی، حضور امینِ ملت سید امین میاں صاحب قبلہ (مارہرہ شریف)، حضور تاج الشریعہ علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ (بریلی شریف)، حضور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خان صاحب قبلہ، محقق مسائل جدیدہ علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ، حضور مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ اپنی حیات میں خوب دعاؤں سے نوازتے رہے اور ہمیشہ حمایت فرماتے رہے۔ یقیناً انہیں بزرگوں کی دعاؤں اور شفقتوں کے نتیجے میں آج امیر سنی دعوتِ اسلامی کے حوصلے انتہائی بلند اور دعوت وتبلیغ کے لئے راہیں بالکل ہموار ہوتی چلی جارہی ہیں۔ آپ کی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ صرف ہندوستان ہی تک محدود نہیں بلکہ بیرونِ ہند خصوصاً مغربی ممالک میں بھی آپ کے تبلیغی دورے ہورہے ہیں اور ہفتہ وار و سالانہ اجتماعات منعقد ہورہے ہیں، جن کے سبب اسلام و سنیت کا فروغ ہورہا ہے اور آج دنیا کے اکثر و بیشتر علاقوں میں آپ ایک محبوب ومقبول خطیب، داعیِ دین اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے متعارف ہیں۔

سنی دعوت اسلامی کی خصوصیات

☆ اس مقدس تحریک کو اکابر اہل سنت کی اجتماعی سرپرستی حاصل ہے۔ جس نے اس تحریک کے مذہبی، فکری اور مسلکی مستقبل کو ہر طرح کے خطرات سے مکمل طور پر محفوظ کردیا ہے۔

☆ فکری وعملی سطح پر مسلکِ اہل سنت کی ترویج واشاعت اس تحریک کا بنیادی نصب العین ہے اور یہ تحریک انہیں خطوط پر کام کررہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ کرتی رہے گی۔ جو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابۂ کرام، تابعین کرام، ائمۂ کرام، سیدنا غوث الثقلین اور خواجہ غریب نواز اور حضور اعلیٰ حضرت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے متعین فرمائے ہیں۔ اسی کے نتیجہ میں یہ تحریک اس امر کی پابند ہے اور رہے گی کہ ہر حال میں وہ اپنے جماعتی امتیازات اور مسلکی شناخت کو برقرار رکھے گی۔

☆ عقائد واعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس تحریک کے قیام کا بڑا مقصد علمائے اہل سنت اور مدارس اہل سنت سے عوام کو مربوط رکھنا، تعلیمی و اخلاقی پسماندگی کو دور کرنا، سماجی و فلاحی کاموں کے ذریعہ امت مسلمہ کی پریشانیوں کو ختم کرنا اور ہر اس تحریک کو ناکام بنانا ہے جو کسی ذات خاص کو مرشد انام اور مرجع خلائق بنانے کے لئے علما و مدارس کے خلاف چلائی جائے۔

تحریک کی خدمات کا اجمالی تعارف

تحریک کی خدمات عالمی پیمانے پر ہیں اور کثیر ہیں تفصیل کے لیے کافی وقت چاہئے یہاں تحریک کی خدمات کا اجمالی جائزہ پیش ہے۔

تعلیمی خدمات: نونہالانِ ملتِ اسلامیہ کو دینی وعصری علوم وفنون سے آراستہ کرنے کے لئے امیر سُنی دعوتِ اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری دام مجدہ نے ملک و بیرونِ ملک مدارس کے قیام کا ایک عظیم منصوبہ بنایا تھا۔ الحمد للہ اس منصوبے پر عمل کرتے ہوئے اب تک ایک درجن سے زائد اداروں کا قیام ہو چکا ہے۔ یہ مدارس حضرت موصوف کی سرپرستی ونگرانی میں اسلام و سنیت کے فروغ و استحکام اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں ہمہ وقت سرگرم ہیں اور تحریک سنی دعوتِ اسلامی کے مشن کی ترجمانی کررہے ہیں۔ ان مدارس عربیہ میں طلبہ کی تعلیم پر کامل توجہ دینے کے ساتھ ساتھ تزکیۂ قلوب پر خاصا زور دیا جاتا ہے تاکہ یہ طالبانِ علوم نبویہ علم وعمل کی دولت سے مالا مال ہو کر میدانِ دعوت وتبلیغ میں قدم رکھیں تو ایک کامیاب داعی ومبلغ کی حیثیت سے خدمتِ دین کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔

اداروں کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے:

۱) مرکزی ادارہ **"الجامعۃ الغوثیہ"** فائن مینشن، ۱۳۲ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳

۲) **دارالعلوم انوار مدینہ**، ملاڈ (ایسٹ) ممبئی۔

۳) **دارالعلوم انوارِ مدینہ**، اورنگ آباد، بہار

۴) **جامعۃ الحرا**، مہاپولی، تعلقہ: بھیونڈی، تھانے۔

۵) **دارالعلوم فیضان بخاری**، ڈونگری، ممبئی۔۹

۶) **دارالعلوم قادریہ**، بھاؤنگر، گجرات۔

۷) **دارالعلوم برکات خواجہ**، آمود، گجرات۔
۸) **جامعہ ام الخیر** (برائے خواتین)، پربھنی۔
۹) **دارالعلوم مالک بن دینار**، اُپلا، کیرلا۔
۱۰) **دارالعلوم چشتیہ**، پالی، راجستھان۔
۱۱) **دارالعلوم غوث العلوم**، گونڈہ، یوپی۔
۱۲) **دارالعلوم چشتیہ**، نندوربار، خاندیش۔
۱۳) **دارالعلوم اہل سنت**، سٹانا، مالیگاؤں۔
۱۴) **دارالعلوم رضائے مصطفیٰ**، احمد رضا کالونی، نزدرنگ روڈ، گلبرگہ شریف کرناٹک۔
۱۵) **دارالعلوم رضائے مصطفیٰ** (مدرسۃ البنات)، نزد ٹیپو سلطان چوک، رنگ روڈ، گلبرگہ شریف، کرناٹک۔

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کی طرف بھی تحریک سنی دعوتِ اسلامی کی پیش قدمیاں ایک انوکھے طرز پر ہیں۔ جس کے لئے انگریزی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا قیام تحریک کے منصوبوں میں ہے۔ انگریزی اسکولوں کے نصاب میں ضروریاتِ دین کی تعلیم بھی ہے تاکہ اسکول میں پڑھنے والے طلبہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی آراستہ ہوسکیں۔ تحریک سنی دعوتِ اسلامی کی سرپرستی میں صفہ انگلش اسکول (بائیکلہ، ممبئی) اور حرا انگلش اسکول (مہاپولی، ضلع تھانے) کا قیام عمل میں آچکا ہے اور مستقبل قریب میں دیگر اسکولوں اور کالجوں کا قیام بھی تحریک کے منصوبوں میں ہے۔

تبلیغی خدمات: تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی کا دعوتی وتبلیغی دائرۂ عمل علمائے اہلسنت کی سرپرستی میں روز افزوں ہے، ملک و بیرونِ ملک کے لوگ ایسے داعیانِ دین کے انتظار میں ہیں جو ان کی علمی و عملی تشنگی کو سیرابی سے بدل دیں۔ ہندوستان کے درج ذیل صوبوں اور ان اضلاع کے علاقوں میں ہفتہ واری اجتماعات نیز اعلیٰ پیمانے پر سالانہ سُنی اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، مثلاً راجستھان، گجرات، کرناٹک، جھارکھنڈ، بہار، یوپی، آندھرا پردیش، سوراشٹر، خاندیش، مہاراشٹرا، مدھیہ پردیش، کیرلا جیسے صوبوں میں بڑے بڑے سنی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں جن میں ہزارہا فرزندان توحید شریک ہوکر گناہوں سے تائب ہوتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تربیتی قافلے: تحریک سنی دعوتِ اسلامی کی جانب سے سہ روزہ، بارہ روزہ تربیتی قافلے بھی نکلتے ہیں جو مبلغین سنی دعوتِ اسلامی کی نگرانی میں دوسرے شہر یا گاؤں میں جاتے ہیں۔ ان میں شریک ہونے والوں کی ہمہ وقت مبلغین نگرانی کرتے ہیں اور انہیں ہر کام میں سنتوں کی پابندی کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔

ہفتہ واری اجتماعات: ہر سنیچر کو بعد نمازِ عشا مرکز اسماعیل حبیب مسجد میں سنتوں بھرا اجتماع ہوتا ہے، جس میں سیکڑوں فرزندانِ توحید و عاشقانِ مصطفیٰ شریک ہوکر مسائل شرعیہ سے آگاہی اور دینی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شہر و مضافات کی بیشتر مسجدوں میں مختلف دنوں میں ہفتہ واری اجتماعات ہوتے رہتے ہیں۔

بیرون ممالک تحریک کی سرگرمیاں: الحمد للہ! تحریک کی سرگرمیاں ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر دوسرے ممالک میں پہنچ چکی ہیں۔ جن میں برطانیہ، امریکہ، افریقہ، کناڈا، پرتگال وغیرہ سرفہرست ہیں جہاں سالانہ اجتماعات اور تبلیغی و اصلاحی پروگرامس ہوتے رہتے ہیں۔

سنی دعوت اسلامی کی جانب سے برطانیہ میں S.D.I. uth education Centter کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ برطانیہ کے اندر مختلف مقامات پر ہونے والے ہفتہ واری اجتماعات کی قدرے تفصیل یہ ہے:

Preston, Bolton, Blackburn, Manchester, Leicester, London, Southampton, Peterborough

فقہی خدمات: مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ یوپی کا گیارہواں فقہی سیمینار ۲۹/۳۰/۳۱/مارچ ۲۰۰۵ء کو تحریک کے زیر اہتمام منعقد ہوا دوسرا سیمینار ۲۶/۲۷/۲۸ فروری ۲۰۰۸ء کو ہوا اور ان شاء اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں بھی اس طرح کے سیمینار منعقد ہوتے رہیں گے۔

حج تربیتی کیمپ: ملک وبیرون ملک میں حج تربیتی کیمپ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں ہزارہا عازمین حرمین شریک ہوکر ارکان حج سے واقفیت حاصل کرکے حج کی درستگی اور حاضری کے آداب

سے آشنا ہوتے ہیں۔

طیبہ کلاسیز: اسکول اور کالجز کی چھٹیوں کے مواقع پر طیبہ کلاسیز کا ممبئی و مضافات میں متعدد مقامات پر انعقاد ہوتا ہے، باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں عصری علوم حاصل کرنے والے ان بچوں کو ناظرۂ قرآن مع رعایت قواعد تجوید، حفظِ سور، ایمانیات، اخلاقیات، غسل و وضو، نماز و روزہ کے ضروری مسائل، جنرل اسلامک نالج (Generel Islamic knowledge) کی عمدہ تعلیم دی جاتی ہے، اس دوران ان کی تربیت پر بھرپور توجہ بھی دی جاتی ہے۔ ایک ماہ کا یہ کورس مکمل ہونے کے بعد باضابطہ امتحانات ہوتے ہیں، اول دوم سوم آنے والے طلبہ کو انعامات دئے جاتے ہیں اور تمام کامیاب شرکا کو توصیفی سند بھی دی جاتی ہے۔

اور اسکول میں پڑھنے والے بچوں کے درمیان دینی و علمی بیداری پیدا کرنے کے غرض سے مظاہرۂ قرأت، نعتیہ و تقریری مقابلہ کا انعقاد سال کی مقدس راتوں مثلاً شبِ معراج، شبِ قدر، شب عید میلا دالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شب گیارہویں شریف وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔ کثیر طلبہ ہر سال اس مقابلہ میں شریک ہوتے ہیں اور انعامات حاصل کرتے ہیں۔

سماجی خدمات: اجمیر مقدس میں عرس غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے موقع پر زائرین کو سہولت فراہم کرنے کے لئے سیکڑوں مبلغین کو متعین کیا جاتا ہے۔ جو درگاہ کے حدود، وِشرام استھل، اکبری مسجد وغیرہ مقامات پر زائرین کے آمد و رفت کے لئے سہولت مہیا کرتے ہیں اور نظم و ضبط کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ان کی خدمات سے خوش ہو کر درگاہ کمیٹی نیز انجمن سید زادگان نے امیر تحریک کے نام شکریہ نامہ تحریر کیا نیز پولس اہلکاروں نے تحریک کے مبلغین کے کارناموں کو خوب سراہا۔ اس کے علاوہ تحریک سنی دعوتِ اسلامی سیلاب زدگان، زلزلہ زدگان کی بھرپور اعانت کرتی ہے نیز کالج فیس، اسکول فیس کے ذریعہ سیکڑوں بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول میں تعاون کیا جاتا ہے جن میں سے کچھ بچے اس وقت ڈاکٹر، انجینیئر وغیرہ بن رہے ہیں۔ مریضوں کو طبی امداد وغیرہا خدمات بھی تحریک کے تحت جاری و ساری ہیں جو طیبہ ویلفیئر ٹرسٹ کے ذریعہ انجام دی جاتی ہیں۔

شعبۂ نشر و اشاعت: کسی بھی تنظیم و تحریک کے لئے لٹریچرز کی اہمیت مسلم ہے۔ عوام اہلسنت کے لئے احکام شرعیہ پر مشتمل کتابوں کی اشاعت وقتاً فوقتاً مکتبۂ طیبہ کے زیر اہتمام ہوتی رہتی ہے۔ اب تک مکتبہ طیبہ سے تقریباً دو درجن چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو عوام و خواص میں مقبول ہوئیں۔ چند کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

☆ خطباتِ مفکر اسلام اول و دوم ☆ اسلام اور گلوبلائیزیشن

☆ برکات شریعت جلد اول ☆ داعیان دین کے اوصاف

☆ عذاب قبر سے نجات کا ذریعہ ☆ حقوق العباد

☆ امام احمد رضا اور اہتمام نماز ☆ سیرتِ خواجہ غریب نواز

☆ ماہِ رمضان کیسے گزاریں؟ ☆ قربانی کیا ہے؟

☆ عظمت ماہ محرم اور امام حسین ☆ حقوق والدین

☆ ذکر الٰہی کی برکتیں ☆ حیاتِ مفتی اعظم ہند کے تابندہ نقوش

☆ مژدۂ بخشش (مجموعۂ نعت امیر سُنّی دعوتِ اسلامی)

☆ گلدستۂ سیرت النبی ☆ انوارِ مصطفیٰ

☆ بے نمازی کا انجام ☆ مبارک راتیں

☆ خیابان مدحت ☆ موبائل کا استعمال قرآن کی روشنی میں

♦Rights of Parents ♦ Blessed Sunnah
♦Islamic Rules ♦Anware Mustafa
♦A journey through Ramdhan
♦Use of Mobile in the light of Quran وغیرہ

ان کے علاوہ اوراد و اذکار کی پاکٹ سائز کتابیں، قصیدۂ بردہ شریف، نعتوں کے حسین گلدستے وغیرہا بھی مکتبہ طیبہ سے شائع ہو کر عوام میں مقبول ہو چکے ہیں۔

سہ ماہی سُنّی دعوتِ اسلامی: ''سہ ماہی سُنّی دعوتِ اسلامی'' تحریک کا موقر رسالہ ہے۔ جو جنوری ۲۰۰۵ء سے پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ملک و بیرونِ ملک کے ممتاز قلم کاروں اور اربابِ علم و دانش کے مضامین سے آراستہ ہوتا ہے۔ سہ ماہی سُنّی دعوتِ اسلامی قرآن و احادیث نیز اسلافِ کرام کی صحیح تعلیمات کو مسلمانانِ اہلِ سنت تک پہنچانے کا عظیم ذریعہ ہے۔

طیبہ آڈیو کیبل: ایک ایسا نیٹ ورک ہے جو عوام

اہل سنت میں دینی بیداری پیدا کرنے ،مسائلِ شرعیہ کی تعلیم گھر گھر پہونچانے کے مقصد سے برسوں سے کام کر رہا ہے،اس آڈیو کیبل سے ہزاروں افراد مستفیض ہوتے ہیں،اس طرح کے طیبہ آڈیو کیبل تحریک سنی دعوت اسلامی کی نگرانی میں ممبئی و مضافات میں اشاعت اسلام وسنیت کے لئے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ایک اندازے کے مطابق لاکھوں افراد اس سے فائدہ حاصل کر کے اپنی عاقبت سنوارتے ہیں اور دینی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

تلاوت قرآن مجید اُردو اور انگلش ترجمہ کے ساتھ آڈیو کیسٹیں،آڈیو اور ایم پی تھری سیڈیاں Audio & mp3 CDs،حضور مفکر اسلام کے فکر انگیز خطابات اور امیر سنی دعوت اسلامی کے اصلاحی بیانات اور الحاج محمد رضوان خان اور دیگر نعت خوانوں کی آواز میں نعت وغیرہ کی کیسٹیں اور سیڈیاں،لوگوں کو گناہوں سے نفرت ،نیکیوں سے محبت اور ذمہ داری کا احساس دلانے کے لئے تحریک کی نگرانی میں مکتبہ طیبہ سے ریلیز کی جاتی ہیں جس سے عالمی سطح پر لوگوں کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ امیر تحریک کے اصلاحی بیانات سے متاثر ہوکر برطانوی حکومت نے انہیں بطور تحفہ شیلڈ پیش کیا۔ورلڈ میمن آرگنائیزیشن World Memon Organization نے دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ایوارڈ سے نوازا۔

جدید ٹیکنالوجی کا استعمال: تحریک سنی دعوتِ اسلامی کے مشن کو فروغ دینے کے لئے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بھی کیا جاتا ہے،جس کے لئے تحریک کے زیر نگرانی جاری اداروں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر وٹیکنالوجی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور الحمدللہ! ان اداروں سے فارغ ہونے والے طلبہ ومبلغین جہاں تعلیمی وتدریسی وتبلیغی میدان میں اتر کر تحریک کے مشن کو عام کر رہے ہیں وہی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ بھی دین متین کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں۔ تحریک کی ویب سائٹ (www.sunnidawateislami.net) کے نام سے سالہا سال سے دین کی تبلیغ کر رہی ہے۔اس ویب سائٹ پر اردو اور انگلش میں کتابیں بھی موجود ہیں جن سے لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔مستقبل میں اسے مزید فعال ومتحرک بنانے کا منصوبہ ہے۔

تحریک کے ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعات بھی پال ٹاک Paltalk کے ذریعہ نشر کئے جاتے ہیں۔ای میل آئی ڈی پر ملے ہوئے سوالات ومسائل کے تشفی بخش جوابات دئے جاتے ہیں جس کے لئے info@sunnidawateislami.net کے نام سے ای میل آئی ڈی بھی ہے۔

مستقبل کے منصوبے: ہائی اسکول اور کالج مع دار الاقامہ برائے طلبا وطالبات ،اسپتال کا قیام،مسافر خانہ کا قیام، تربیت گاہ کا قیام،روحانی تربیب گاہ کا قیام،متعدد مقامات پر چھوٹی بڑی لائبریریوں کا قیام وغیرہ عالمی تحریک سُنی دعوتِ اسلامی کے مستقبل کے عزائم میں سے ہیں۔الحمدللہ! ملک وبیرونِ ملک کے مختلف مقامات پر زمینیں لی جاچکی ہیں۔اللہ عزوجل نے چاہا اور اس کے حبیب علیہ التحیۃ والثنا کا کرم شاملِ حال رہا تو تعمیری کام بھی بہت جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

قارئین کرام! آج ہم جس دور اور جن حالات سے گزر رہے ہیں اور جس فکری ونظریاتی یلغار سے ہم دوچار ہیں،اس کا شدید تقاضا ہے کہ ایک منظّم تحریک کے ذریعہ ہم مکمل طور پر متحد ہوکر اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کے لئے مضبوط طاقت بن جائیں اور ہر میدان میں آگے بڑھ کر قانون کی روشنی میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی تگ و دو کریں۔اس مقصد کے لئے اس وقت عالمی تحریک سنی دعوتِ اسلامی کا پلیٹ فارم ہمارے لئے انتہائی موزوں و مناسب ہے۔ہمیں امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ سنی دعوتِ اسلامی ایک ایسی طاقت بن کر ابھرے گی کہ جس کے سامنے تمام دشمن طاقتیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوں گی۔بس شرط یہ ہے کہ ہم کچھ کر گزرنے کا عزم مصمم لے کر آگے بڑھیں۔تحریک سنی دعوت اسلامی آج پوری امت مسلمہ سے اپیل کر رہی ہے۔

یہ ہے دامن یہ ہے گریباں آؤ مل کر کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

☆☆☆☆☆

☆☆☆

عالمی تحریک سُنّی دعوت اسلامی............تعارف اور تجزیہ

مولانا فیاض احمد صاحب رضوی★

مصلح قوم وملت حضرت علامہ مولانا حافظ وقاری محمد شاکر علی نوری امیر ''سُنّی دعوت اسلامی'' لوگوں کو دین کے احکام شرعیہ سے روشناس کرانے اور اسلام وسُنّیت کے مطابق زندگی کے شب وروز گزارنے کے لیے تقریباً ۱۸/سال پہلے ''سُنّی دعوت اسلامی'' کے نام سے ایک عظیم الشان تحریک چلائی، جو بہت مؤثر و مقبول ہوئی۔ ہندوستان، برطانیہ، کناڈا، امریکہ، افریقہ، وغیرہا میں اس کے پرچم تلے دین وسُنّیت ومسلک اعلیٰ حضرت کا بہت اچھا کام ہورہا ہے، جس کے دوررس اور مفید نتائج اس محسوس دنیا میں محسوس کئے جارہے ہیں۔ ہندوستان و بیرون ہندوستان، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ میں بڑے پیمانے پر عظیم الشان سالانہ دینی وتبلیغی اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، انہیں دینی وتبلیغی واصلاحی اجتماعات میں سے ایک عظیم الشان سالانہ روح پرور اجتماع وادئ نور آزاد میدان ممبئی میں ہوتا ہے۔ جس میں تقریباً ۵/لاکھ فرزندان توحیدورسالت جمع ہوتے ہیں۔ وہ حضرات اپنے ظروف اور دینی واصلاحی مزاج کے مطابق اُس روح پرور اجتماع سے لطف اندوز و مستفیض ہوتے ہیں۔ اِن اصلاحی و دینی وتبلیغی اجتماعات میں فقیر راقم الحروف نے اپنے مخلص احباب ورفقائے کار (حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رضوی شیرانی آباد، مولانا قاری محمد اکرام صاحب نعیمی، قاری غلام مجتبیٰ اشرفی، مولانا ادریس رضا اشفاقی، مولانا محمد شاہد رضا) کے ساتھ بارہا شرکت کی ہے، ان میں اصلاح عقائد اور اصلاح اعمال جیسے مختلف موضوعات وعنوانات پر علما ومفتیان کرام کے نورانی بیانات ہوتے ہیں، خود حضرت مولانا محمد شاکر علی صاحب نوری کتاب اللہ اور سنت نبوی کی روشنی میں بہت مفید وعمدہ اور اثر انگیز خطاب فرماتے ہیں۔ جب آپ خطاب فرماتے ہیں تو آپ کی ہر ہر ادا سے اطاعت شعاری کا پتہ دیتی ہے۔ خطاب فرماتے ہوئے آپ کی زبان فیض ترجمان سے گوہرِ آبدار جھڑتے ہیں، اجتماعات کا ایک اجلاس فقہی احکام ومسائل کے لیے مختص ہوتا ہے، جس میں عوام الناس کے ذریعہ پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات خصوصیت کے ساتھ محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ رضوی دام ظلہ، صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور دیتے ہیں، جبکہ نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمود اختر قادری مفتیٔ مہاراشٹر بھی جوابات دیتے ہیں۔ وہابیوں، دیوبندیوں کے عقائد کے تعلق سے بھی سوالات ہوتے ہیں، جن کے تفصیلی اور تشفی بخش جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں دیئے جاتے ہیں۔ وادئ نور آزاد میدان کا دینی وتبلیغی واصلاحی اسٹیج کافی وسیع وعریض ہوتا ہے، جو ملک وملت کے مشاہیر علما وفقہا ومشائخ ومفتیان ذوی الاحترام، ائمہ، قراء، حفاظ اور شعراء سے مملوء ہوتا ہے۔ آزاد میدان کے سالانہ سُنّی اجتماع میں بھی شہر جودھ پور اور راجستھان کے مختلف علاقوں سے مبلغین شریک ہوتے رہے۔

مظہر شعیب الاولیا حضرت علامہ غلام عبدالقادر علوی سجادہ نشیں خانقاہ فیض الرسول و ناظم اعلیٰ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف عالمی تحریک سُنّی دعوت اسلامی کی اہمیت وافادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ''اصلاح عقائد واعمال کی عالمی تحریک ''سُنّی دعوت اسلامی'' کے بانی امیر وسربراہ کی حیثیت سے ان کی مذہبی خدمات کا سلسلہ کئی براعظم تک پھیلا ہوا ہے، دنیا کے مختلف خطوں کے لوگ دین کی تڑپ لے کر جب اس پاکیزہ تحریک سے وابستہ ہوئے تو ان کی زندگی میں اعتقادی، عملی وفکری حیثیت سے ایسا انقلاب آیا کہ وہ تحمل وبردباری، سنجیدگی ومتانت، ایثار وخودداری، دین کے لیے جاں نثاری وفدا کاری کا مرقع اور صاحب کردار مسلمان کی عملی تصویر بن گئے۔ کچھ نے تو راستیٔ گفتار و پاکیزگیٔ کردار سے آراستہ ہوکر اپنے ماحول میں دعوت واصلاح کے لیے خود کو اس طرح وقف کردیا کہ دوسروں کے لیے رہبر ورہنما بن گئے۔ ''سُنّی دعوت اسلامی'' اور اس کے مبلغین کے ان پاکیزہ اثرات کو کہیں سے اور کہیں بھی دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ اس کے

پیچھے فیضان نظر اور مکتب کی کرامت دونوں کا کلیدی رول ہے۔ اسلام مہد سے لے کر لحد تک انسانی زندگی کو سنوارنے کے لیے آیا ہے، اصلاح کی کوئی تحریک حیات انسانی کے کسی گوشے اور مرحلے کو نظر انداز نہیں کر سکتی!'' (برکات شریعت ح اول)

''عالمی تحریک سُنّی دعوت اسلامی'' کے زیر اثر جہاں مختلف بلاد اسلامیہ، ریاستوں اور اضلاع میں اصلاح عقائد و اعمال پر کام ہو رہا ہے، وہیں پر بحمدہٖ تعالیٰ وبکرم حبیبہ الاعلیٰ علیہ التحیۃ والثناء مفتی اعظم راجستھان حضرت علامہ مفتی محمد اشفاق حسین صاحب قبلہ نعیمی دامت فیوضہم الجاریہ صدر المدرسین وشیخ الحدیث الجامعۃ الاسحاقیہ جودھ پور کی سرپرستی میں عالمی تحریک ''سُنّی دعوت اسلامی'' کی ایک شاخ شہر جودھ پور میں علمائے اہل سنت کی سیادت و قیادت میں اسلام وسُنّیت اور مسلک اعلیٰ حضرت اور تعلیمات اعلیٰ حضرت کو عام و تام کرنے کے لیے ۱۹۹۶ء میں قائم ہوئی۔ حسب ذیل علمائے اہل سنت نے ''سُنّی دعوت اسلامی'' کے آفاقی مشن اور اس کے عظیم الشان کام کو کرنے میں تائید و بھرپور تعاون کا وعدہ فرمایا۔ شیر راجستھان، ماہر علم وفن، حضرت علامہ مفتی شیر محمد خان صاحب قبلہ رضوی ناظم تعلیمات و نائب مفتی اعظم راجستھان و نائب صدر المدرسین دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، شہزادۂ آل رسول حضرت علامہ سید فدا رسول صاحب برکاتی خطیب و امام جامع مسجد جودھ پور، حضرت علامہ محبوب حسین صاحب رضوی، حافظ و قاری مولانا محمد اکرام صاحب نعیمی اشرفی شیخ التجوید دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، حضرت علامہ مولانا محمد اکبر صاحب رضوی نائب ناظم تعلیمات دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، (حضرت علامہ مولانا) فیاض احمد صاحب رضوی مدرس دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، حضرت علامہ مفتی محمد عالمگیر صاحب رضوی مصباحی استاذ و مفتی دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، مولانا محمد ادریس رضا خاں اشفاقی، قاری غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی، مولانا فخر الدین احمد صاحب قادری و دیگر اساتذۂ دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور۔

شہر کی مختلف مساجد میں ہفتہ واری تبلیغی و اصلاحی اجتماعات ہونے لگے، جن میں اساتذۂ دار العلوم اسحاقیہ اپنے عزیز طلبہ کے ساتھ ان اجتماعات میں تشریف لاتے رہے۔ ستمبر ۱۹۹۶ء میں آل راجستھان ''سُنّی دعوت اسلامی'' کا پہلا بہت کامیاب و مؤثر اجتماع ہوا۔ جس کے دور رس اور عمدہ نتائج یہ ظاہر ہوئے کہ شہر پالی، مکرانہ، ضلع ناگور شریف، بیاور، پھلودی، بیکانیر، بانسواڑہ، ادے پور اور ہنومان گڈھ وغیرہ ''سُنّی دعوت اسلامی'' کی شاخیں قائم ہوئیں۔ دوسرا اجتماع ۲۰۰۰ء میں اور تیسرا اجتماع ۲۰۰۴ء میں شہر کے مشہور گراؤنڈ میں ہوتا رہا۔ شہر کی مختلف مساجد:۔ مسجد چوبداران، مسجد زندہ شاہ دار العلوم اسحاقیہ کے پاس، رضا مسجد، مسجد فیض عام، غوثیہ مسجد، نورانی مسجد، نگینہ مسجد، نوری مسجد، مسجد مہاوتان، مسجد سندھیان، مسجد سواچی گیٹ، مسجد بکرامنڈی، مسجد شاہ مسیح اللہ منڈور روڈ، مسجد درگاہ شیر علی شاہ، مسجد پٹھان کوٹ اور شہر جودھ پور کی قدیم بمبہ بڑی مسجد میں نتیجہ خیز دینی و اصلاحی و تبلیغی اجتماعات ہونے لگے، مگر ہفتہ واری مرکزی اجتماع بمبہ بڑی مسجد میں ہوتا ہے، جس میں جودھ پور کے ائمہ و مبلغین شرکت کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ! یہ اجتماع بہت مفید اور بارآور ہوتا ہے۔ جس میں دینی سوالات کے جوابات دینے کے لیے حضرت علامہ مفتی محمد عالمگیر صاحب قبلہ رضوی مصباحی تشریف لاتے ہیں، جبکہ ان کی معاونت کے لیے فقیر راقم السطور شریک کار رہتا ہے۔ یہ سب اجتماعات حضور مفتی اعظم راجستھان صاحب قبلہ مدظلہ النورانی کی سرپرستی میں انعقاد پذیر ہوتے ہیں۔

۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۶ء میں مختلف قافلے روانہ کئے گئے۔ جن میں سے ایک قابل ذکر ہے۔ یہ سات روزہ قافلہ تھا۔ قافلہ کے نگراں الحاج ماسٹر محمد صابر صاحب قریشی اور مولانا محمد شاہد رضا چند مبلغین کی تربیت کرتے ہوئے پیپاڑ سیٹی، ناگور شریف، بیکانیر، گھڑسانہ (گنگانگر) سورت گڑھ، نواں، ہنومان گڈھ کے علاقہ جات کھاجووالا اور اس کے اطراف میں اجتماعات کرتے ہوئے واپس جودھ پور پہونچے۔ مولیٰ عزّ وجلّ کی بارگاہ قدس میں دعا ہے کہ عالمی تحریک ''سُنّی دعوت اسلامی'' کو روزافزوں ترقی عطا فرمائے اور اس کے مؤیدین علماء و مشائخ ومفتیان کرام و ارکان و معاونین و مبلغین کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نواز کر دارین کی سعادتوں سے ہمکنار و سرفراز فرمائے اور اس کے امیر و سربراہ حضرت علامہ مولانا محمد شاکر علی رضوی نوری کو حاسدین کی شرارتوں اور نظر بد سے مامون و محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہٖ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات واکمل التحیات۔

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

☆☆☆☆

مکتبۂ طیبہ کی اشاعتی خدمات

ادارہ

تحریک سنی دعوت اسلامی نے اپنی دعوتی وتبلیغی مقاصد کو وسعت دیتے ہوئے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا، جو آج مکتبۂ طیبہ کے نام سے علما وعوام میں یکساں متعارف ہے، غرض تھی علمائے اہل سنت کی اصلاحی ودعوتی موضوعات پر لکھی گئی کتب ورسائل کی اشاعت۔ مکتبہ طیبہ نے قلیل مدت میں مسلمانوں کو کئی اہم کتابیں دیں جن میں سے کچھ کتابوں کا مختصر تعارف پیش ہے۔

۱) **برکات شریعت جلد اول:** گیارہ سو بیس صفحات پر مشتمل سنی دعوت اسلامی کی درسی کتاب ہے جسے امیر تحریک مولانا محمد شاکر علی نوری رضوی نے بڑے انوکھے دعوتی اسلوب میں تالیف کیا ہے، اس کے موضوعات میں طریقہ دعوت کے ساتھ ایمانیات، اعتقادیات، ارکان اسلام، اعمال حسنہ کی ترغیب، جرائم ومنکرات کی ترہیب، فرائض کی ادائیگی، ذکر الٰہی کی برکتیں، حقوق والدین ودیگر حقوق، فضائل وبرکات وغیرہا بے شمار ضروری موضوعات ہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان پر گفتگو کی گئی ہے۔ بقول مولانا افتخار احمد قادری مصباحی "اس کے تینوں حصوں نے ایمان واسلام کی بنیادی تعلیمات کو سمیٹ لیا ہے، جو بات پیش کی گئی ہے مصادر وحوالہ جات کی روشنی میں ہے، انداز استدلال بڑا اچھوتا ہے، یہ کتاب آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال ائمہ، ارشادات اصفیا اور تعلیمات علما وفقہا کا حسین مرقع ہے، اور اصلاح معاشرہ کا مؤثر ترین نسخہ، ہر کسی کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۲) **خطبات مفکر اسلام:** یہ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی مصباحی دام ظلہ کے مختلف موضوعات پر دیئے گئے خطبات وتقاریر کا حسین مجموعہ ہے جسے مولانا ریحان رضا انجم مصباحی اور مولانا عبداللہ صاحبان نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں، اسلام کا عقیدۂ توحید، عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، دعوت اسلام کی اہمیت، اسلام اور عصر حاضر، تعارف اسلام، نظام مصطفیٰ، اسلام کا معاشرتی نظام، مسلمانوں کا علمی ومعاشی مقام، اسلام اور گلوبلائزیشن، مقاصد سنی دعوت اسلامی، اسلام کا فلسفۂ عبادت، اور اسلام اور نوجوان جیسے عناوین پر مشتمل تقاریر مندرج ہیں، کتاب کی ضخامت ۳۷۶/ صفحات ہے، جسے بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی دام ظلہ النورانی کی گراں قدر تقریظ نے اعتبار کی سند بخش دی ہے، بہر حال یہ کتاب ہر کسی کے لئے لائق استفادہ اور قابل مطالعہ ہے اور عصری منہاج ومزاج سے ہم آہنگ ہے۔

۳) **گلدستۂ سیرۃ النبی:** سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوکھے موضوع پر ایک مختصر مگر جامع کتاب کا نام گلدستۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جسے امیر تحریک نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا ہے اور سیرت کے چیدہ چیدہ گوشوں کی نشان دہی کی ہے، اس کتاب میں قبل ولادت دنیا کے حالات، مقاصد بعثت، سراپائے رسول، اخلاق وعادات رسول اور آئینۂ سیرۃ النبی وغیرہ پر مختصر مگر جامع انداز میں گفتگو کے گلدستے سجائے گئے ہیں، جہاں لالہ زار ہیں، عطر فشانی ہے اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ سلم پر عمل کر کے کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب شامل ہے۔

۴) **امام احمد رضا اور اہتمام نماز:** مجدد دین وملت، فقیہ اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز نہ صرف ایک بلند پایہ عالم دین، اسلامی محقق، فقیہ اعظم اور باکمال مفتی تھے بلکہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ زہد وورع کے پیکر اور تقویٰ شعاری کے بام عروج پر پہنچے ہوئے متقی وزاہد تھے، ارکان اسلام پر سختی سے عامل تھے، سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند اور بے پناہ اوصاف حمیدہ وخصائل کریمہ وعادات شریفہ کی اعلیٰ قدروں کے نمونہ تھے، حالت مرض ونقاہت بلکہ مرض الموت میں بھی نماز باجماعت ادا کر کے اس کی اہمیت واجبیت کو آشکار کیا، حضرت مولانا محمد شاکر علی نوری رضوی نے اس کتاب میں حیت رضا کے انہیں گوشوں اور جہتوں پر بحث کی ہے اور بڑے اچھے انداز واسلوب میں امام احمد رضا کے اہتمام نماز کا نقشہ کھینچا ہے۔ صفحات کل ۴۰ر ہیں۔

۵) **خیابان مدحت:** مفکر اسلام خطیب اہل سنت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی مصباحی نہ صرف ایک بے باک مقرر، بین الاقوامی خطیب، اسلامی اسکالر ہیں بلکہ خیابان مدحت نے ان کے ایک نئے کمال اور عمدہ وصف کی نقاب کشائی کی ہے اور انہیں ایک قادر الکلام اور کہنہ مشق شاعر کے روپ میں پیش کیا ہے، یہ کتاب علامہ قمر الزماں قمر اعظمی کے منظومات کا مجموعہ ہے جو تاریخ شعر وادب خصوصاً نعت نگاری میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس مجموعہ میں کل ۷۶ر نعتیں، ۱ر استغاثہ، ۲ر سلام، ۱ر ترانہ اور ۵ر منقبتیں ہیں، کل صفحات ۱۰۴ر ہیں، سرورق انتہائی دیدہ زیب ہے مگر کمپوزنگ میں کافی کفایت شعاری سے کام لیا گیا ہے، جو روایتی ادبی ترتیب وتبویب سے میل نہیں کھاتا۔

۶) **قربانی کیا ہے؟:** مسلمان اپنے اعمال میں اگر رضائے الٰہی وخوشنودی حبیب رب کے طالب ہوں تو اسے قبولیت ملے گی اور نورانیت پیدا ہوگی، اسلامی تہواروں کے مواقع پر درآئی خرافات ومنکرات اور دکھاوے کے کام نے مسلمانوں کے کاموں سے روح کشید کر لیا ہے، جذب دروں اور للّٰہیت سے خالی ہونے کے سبب ایسے کاموں کو فقط چند حرکات وسکنات کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں، وہ ہرگز اسلامی کام نہ کہلائیں گے، مذہب اسلام کی عظیم نشانی اور مظاہر خلت کا عظیم شاہ کار قربانی ہے، جس میں بظاہر ایک جانور کو اللہ عزوجل کے نام سے ذبح کیا جاتا ہے مگر درپردہ ایک عظیم فریضہ کی ادائیگی اور ایک خوبصورت سنت کا اظہار واعلان ہے جس کے لیے نیک نیتی اور تقویٰ وخلوص تشکیلی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں، یہ کتاب ''قربانی کیا ہے؟'' فلسفۂ قربانی اور دیگر حقائق کے جلوؤں کا حسین مرقع ہے اور قربانی وعقیقہ کی روحانیت پر فاضل مؤلف امیر سنی دعوت اسلامی نے خوب خوب بحث کی ہے، صفحات اگرچہ چالیس ہیں، اس لیے کمیت کا احساس قاری کو ہوسکتا ہے مگر کیفیت میں بڑی کتاب پر بھاری ہے، بہر حال اس کا مطالعہ مسئلۂ قربانی وفریضہ قربانی کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کے اسرار ومقاصد کی جانکاری کا مؤثر ترین باعث ثابت ہوگا، پڑھیں اور خوب فائدہ اٹھائیں، اللہ عزوجل ان کتابوں کو مقبول انام فرمائے۔ آمین

ان کے علاوہ ماہ رمضان کیسے گزاریں؟، مبارک راتیں، اسلام اور گلوبلائزیشن، بے نمازی کا انجام، مبارک راتیں وغیرہا چھوٹی بڑی بہت ساری مطبوعات کی اشاعت کا سہرا مکتبۂ طیبہ کو حاصل ہے، جو اردو، ہندی اور انگلش تینوں زبانوں میں چھپ کر ہر طرف پڑھی جارہی ہیں، بک رہی ہیں، عام ہورہی ہیں، آپ بھی خریدیں، پڑھیں، دینی معلومات میں اضافہ کریں، اللہ عزوجل سب کو اسلامی تعلیمات سے کما حقہ واقفیت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!!

☆☆☆☆

☆☆☆

اسلام کا نظام دعوت و تبلیغ

علامہ قمر الزماں خاں اعظمی ★

آخری دو شخصیتوں کے مضامین ہمیں اس وقت موصول ہوئے جب کہ رسالے کے نو ابواب پریس میں جاچکے تھے اس لئے انہیں دسویں باب میں شامل کیا جارہا ہے (ادارہ)

ابتدائے انسانیت سے لے کر آج تک کفر و اسلام اور خیر وشر کی جنگ جاری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جب بھی دنیا میں کفر وشرک کا غلبہ ہوا اور کسی قوم میں دین متین سے اجتماعی انحراف رونما ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی نبی اور رسول کو مبعوث فرمایا۔ انبیائے کرام اپنے اپنے عصر نبوت ورسالت میں ابنائے آدم کو کفر وشرک کے ظلمت کدوں سے نکال کر اسلام کی آغوش رحمت میں لے آئے اور انہوں نے اپنی بے مثال جدوجہد اور بے پایاں عزم وحوصلہ کے ذریعہ حق کو غالب فرمایا اور باطل مغلوب کیا یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا زمانہ آ گیا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد سے لے کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ۵۷۱ سال کا زمانہ تاریخ انسانی کا تاریک ترین زمانہ تھا اس طویل زمانے کو مؤرخین عہد فترت کے نام سے یاد کرتے ہیں اس زمانے میں نہ کوئی نبی جلوہ گر ہوا اور نہ ہی کوئی ریفارمر یا مصلح کا ثبوت ملتا ہے انسانیت دم توڑ رہی تھی ہر طرف ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا یہاں تک کہ رب العٰلمین جل مجدہ کو انسانوں کی حالت زار پر رحم آیا اور اس نے سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمت للعٰلمین بنا کر مبعوث فرمایا یوں تو تمام انبیائے کرام کا دین اسلام ہی تھا جیسا کہ قرآن عظیم میں فرمایا گیا ہے: "قل ا منا با للّٰہ وما انزل علینا وما انزل علیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والا سباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احدھم منھم ونحن لہ مسلمون ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخٰسرین" (سورۂ آل عمران)

اے محبوب فرمادیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل فرمایا گیا اور جو حضرت ابراہیم اسمٰعیل، اسحاق اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا گیا ہم ان انبیا کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور اللہ رب العزت کے حضور میں سر اطاعت خم کرنے والے ہیں اور جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو پسند کرے گا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے وہ کسی خاص قوم، خاص ملک اور محدود زمانے کے لیے فریضۂ تبلیغ انجام دینے کے لیے جلوہ گر ہوئے یہاں تک کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام عالمین خاص طور پر پوری بنی نوع انسان کے واسطے ہر دور اور ہر عصر کے لیے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ان کی نبوت مطلقہ اور سیادت عامہ کسی ایک قوم یا ملک کے لیے نہیں تھی یہی وجہ ہے تمام انبیائے ماسبق اپنی اپنی قوم کو ان کے ناموں سے مخاطب کرتے تھے مگر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام بنی نوع انسان کو اپنا مخاطب قرار دیا۔ چنانچہ قرآن عظیم میں متعدد آیات کریمہ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرمایا "ھٰذا بلاغ للناس"۔ (سورۂ ابراہیم) یہ قرآن عظیم تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے "وما ارسلنٰك الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً"۔ (سورۂ سبا) اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا "قل یاایھا الناس

★ جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن، لندن

انی رسول اللہ الیکم جمیعاً‘‘۔(سورۂ اعراف)اے محبوب فرمادیجئے کہ اے لوگو!میں تم سب کی جانب اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں ’’تبارك الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیراً‘‘۔(سورۂ فرقان)وہ ذات برکت والی ہے جس نے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ’’قرآن عظیم‘‘ کو اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمایا تاکہ وہ جملہ عالمین کے لیے نذیر ہوں۔

آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جو انبیائے کرام تشریف لائے ان میں بعض کو کتابیں دی گئیں اور کچھ کو صحائف سے نوازا گیا مگر ان کے پردہ فرماجانے کے بعد ان کے ماننے والوں نے ان کی کتابوں میں تحریف کردی اور ان کی مقدس زندگیوں کے چشمۂ صافی کو اپنی خواہشات کی آمیزش سے گندلا دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس بات کی کوشش بھی نہ کی کہ اپنے انبیا کی زندگیوں کا ریکارڈ رکھ سکیں اگر قرآن عظیم کا نزول نہ ہوتا تو بہت سے انبیائے کرام کی زندگیوں اور ان کے کارناموں سے بھی دنیا واقف نہ ہوتی اور جہاں کہیں توریت وانجیل میں انبیا کا تذکرہ ملتا ہے وہ اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ کوئی باشعور انسان انبیا کے حوالے سے ان باتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا اور ایسا اس لیے ہوا کہ خدا کی مشیت یہ تھی کہ اگر ایک نبی علیہ السلام کی تعلیم مٹادی گئی یا بدل دی گئی تو بعد میں آنے والا پیغمبر اُن کی اصلاح کردے گا، مگر جب نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن عظیم کی حفاظت اپنے ذمۂ قدرت میں لے لی ’’**انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون**‘‘۔

اس لیے کہ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا اور قرآن ہی کو قیامت تک کے لیے منبع رشد و ہدایت قرار دیا گیا تھا۔

مشیتِ الٰہی نے نہ صرف یہ کہ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ لیا بلکہ سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عظیم ریکارڈ رکھنے کے لیے صحابۂ کرام کی ایک ایسی جماعت تیار فرمادی جو اُن کی حیاتِ مبارکہ کے ایک ایک لمحے کو محفوظ فرمادیں۔ اُن کی خلوت وجلوت، اُن کی نشست و برخاست، اُن کی بزم و رزم یعنی کہ زندگی کا کوئی گوشہ پردۂ خفا میں نہ رہے۔

اس لیے کہ قرآنِ عظیم اور سُنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی دو سرچشمے ہیں جن سے قیامت تک انسانیت کو سیراب کیا جاسکتا ہے۔ اور انھیں کی اساس پر دعوت وتبلیغ کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔

جن صحابۂ کرام اور اُن کے بعد راویانِ حدیث نے حضور کے اقوال وافعال کو محفوظ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ صلہ دیا کہ حدیث کی روایت کی برکت سے ان کی زندگیاں بھی محفوظ کرلی گئیں۔ ان کا تقویٰ، ان کی دیانت، ان کی صداقت، ان کا حافظہ، ان کا زمانہ، مروی عنہ سے ان کی ملاقات...... ہر ایک کا ریکارڈ فنِ اسماء الرجال کی شکل میں موجود ہے۔ جن لوگوں نے سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُمّتِ مسلمہ تک پہنچایا پروردگارِ عالم نے ان کی زندگیوں کو بھی لافانی بنادیا۔

چونکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین قیامت تک کے لیے ہے اور اس کے مخاطب جملہ ابنائے آدم ہیں، اس لیے اللہ رب العزت نے اس کی تبلیغ کو اُمت مسلمہ کے لیے ایک اہم فریضہ قرار دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے فریضۂ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی کا پابند صرف انبیا کو کیا گیا تھا۔ لیکن اُمتِ مسلمہ کو یہ ذمّہ داری دی گئی کہ قرآن عظیم اور سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنیاد بنا کر دین کی تبلیغ ہر دور میں جاری رکھی جائے اور چونکہ اسلام تمام بنی نوع انسان کا دین ہے، اس لیے جب تک ہر ابنِ آدم تک اسلام کا پیغام نہ پہنچ جائے اس فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی جائے۔ چنانچہ قرآن عظیم میں اللہ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا: ’’**ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون**‘‘۔(سورۂ آل عمران)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جس کے افراد لوگوں کو خیر کی دعوت دیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اس آیت شریف میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فلاح ونجات کا ضامن قرار دیا گیا ہے۔

رسولِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن عظیم نے ارشاد فرمایا: ’’**یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر**‘‘ (سورۂ اعراف)

اور پیغمبر اہلِ کتاب کومعروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔

حضرت لقمٰن نے اپنے بیٹے کونصیحت فرمائی: ''**یا بنی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علیٰ ما اصابک ان ذالک من عزم الامور**''۔(سورۂ لقمٰن)

اے میرے بیٹے نماز قائم کرو بھلائی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو اور اس راستے میں اگر تم کو مصیبت پہنچے تو اس پر صبر کرو بلاشبہ یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔

مسلمانانِ عالم کے سروں پر خیرِ اُمّت کا تاج اس لیے رکھا گیا کہ وہ لوگوں کومعروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

''**کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون باللّٰہ**''۔

(سورۂ آلِ عمران)

تم ایک بہترین اُمّت ہو، اس لیے پیدا کیے گئے ہو کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ۔

سورۂ توبہ میں اہلِ ایمان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اُن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لازمۂ ایمان قرار دیا گیا۔ چنانچہ اللہ ارشاد فرماتا ہے: ''**التائبون العابدون الحامدون السائحون الرٰکعون السٰجدون الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشرالمومنین**''۔(سورۂ توبہ)

''توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، اس کی راہ میں زمین پر سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنیوالے، بھلائی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے، اور حدوداللہ کی حفاظت کرنے والے مومنوں کو بشارت دیجیے۔

ان آیاتِ مبارکہ کی روشنی میں فقہائے اسلام کا ایک گروہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کا قائل ہے، جمہور اسے فرضِ کفایہ قرار دیتے ہیں، جبکہ ایک طبقے نے اسے فرضِ عین قرار دیا ہے۔ بہر کیف واجب ہو یا فرضِ کفایہ یا فرضِ عین ہر صورت میں اس کی دعوتی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اصولِ دعوت وتبلیغ:

دعوت بالحکمۃ موعظۂ حسنہ اور جدال بطریق احسن

''ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن''(سورۂ النحل)

اے پیغمبر! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت، موعظۂ حسنہ کے ذریعہ دعوت دیجیے، اور اگر مناظرہ کی نوبت آئے تو بطریق احسن کیجیے۔

نرم گفتاری ولینیتِ کلام:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو حکم دیا ''**اذھبا الی فرعون انہ طغی فقولا لہ قولاً لّیناً لعلّہ یتذکر او یخشی**''(سورۂ طٰہٰ)

اے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے سرکشی اور بغاوت کی ہے، تو اس سے نرم لہجے میں بات کرو، شاید نصیحت پزیر ہو اور اللہ سے ڈرے۔

غور فرمائیں کہ اللہ کے باغی کے ساتھ نرم گفتاری کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اللہ کے علمِ ازلی میں یہ بات تھی کہ وہ ایمان نہیں لائے گا مگر یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے تا کہ بعد میں آنے والے داعیانِ دین کے لیے ایک اسلوبِ دعوت متعیّن ہو سکے۔

صبرواستقامت:

''فبما رحمة من الله لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضّو امن حولك فاعف عنھم واستغفر لھم وشاور ھم فی الامر فاذاعزمت فتوکّل علی الله ان الله یحبّ المتوکّلین''(آل عمران)

پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت دل اور سخت طینت ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے چھٹ جاتے، تو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے استغفار پڑھیں، اور جب آپ عزم کر لیں تو اللہ پر کامل بھروسا رکھیں بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

تبلیغِ دین کے راستے میں بے پناہ مصائب وتکالیف کو برداشت کرنا پڑتا ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کلمۂ حق کے

جواب میں ظالموں کی طرف سے ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اس لیے قرآن عظیم نے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صبر واستقامت کی تعلیم فرمائی، چنانچہ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

"فاصبر صبراً جميلاً" (سورۂ المعارج) اے محبوب صبر کیجیے اور صبرِ جمیل سے کام لیجیے۔

"واصبر علی ما يقولون واهجرهم هجراً جميلاً" (سورۂ المزمّل) اے پیغمبر صبر کیجیے جو وہ کہتے ہیں اور خوبصورتی سے علاحدہ ہو جایئے۔

"فادع واستقم كما امرت" (الشوریٰ) اے محبوب! لوگوں کو دعوت دیجیے اور اپنی دعوت پر استقامت اختیار کیجیے۔

"واصبر كما صبرا ولوالعزم من الرسل" اور صبر کیجیے جیسا کہ الوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔ (الاحقاف)

عزم وتوکّل:

"واذا عزمت فتوكّل على الله" اے پیغمبر جب آپ عزم فرمالیں تو اللہ پر کامل بھروسا رکھیں۔ (آل عمران)

داعیِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ "فاعرض عنهم وعظهم وقل لهم في انفسهم قولاً بليغاً" (سورۂ نساء) آپ ان سے اعراض فرمائیں (یعنی ان کی سختیوں کو نظر انداز کریں) اور ان سے ایسا بلیغ کلام فرمائیں جو ان کے دلوں پر اثر انداز ہو۔

اللہ ربّ العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے جو الفاظ عطا فرمائیں ہیں وہ تبلیغ، دعوت، انداز، تبشیر اور تذکیر وغیرہ میں ان تمام الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مختلف اسالیبِ دعوت کے ذریعہ سے ان لوگوں تک پہنچایا جائے۔

سورۂ مدثّر میں فرمایا گیا: "يا ايها المدثّر قم فانذر" اے چادر اوڑھنے والے پیغمبر اٹھیے اور لوگوں کو ہوشیار اور آگاہ کیجیے۔ کہیں حکم دیا گیا کہ "بلّغ ما انزل اليك" اے محبوب جو کلام آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچایئے۔ کہیں اہلِ ایمان کے حوالے سے ارشاد فرمایا گیا: "وذكّر فانّ الذكرىٰ تنفع المؤمنين" (سورۂ ذاریات) اور لوگوں کو نصیحت کیجیے کہ آپ کی نصیحت مؤمنین کو فائدہ پہنچائے گی۔

"يايها الرسول بلّغ ماانزل اليك من ربّك" (المائدہ) اے پیغمبر آپ کے رب کی جانب سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے اسے دوسروں تک پہنچائیں۔

دین کی دعوت دینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرم روی، نرم گفتاری، خوش مزاجی، خوش خلقی اختیار کریں، اور کہیں سے بھی تشدد کا عنصر نمایاں نہ ہونے پائے، قرآنِ عظیم نے واقعہ طور پر ارشاد فرمایا "لا اكراه في الدين قد تبيّن الرشد من الغيّ" (سورۂ بقرہ) دین میں جبر نہیں، ہدایت اور گمراہی دونوں واضح ہو چکی ہیں۔

داعی کا کام دین کی دعوت دینا ہے، نتائج کو خدائے بزرگ و برتر کی ذات پر چھوڑ دینا چاہیے، ارشاد قرآنی ہے: "ولو شاء ربك لاٰمن من في الارض كلهم جميعاًافانت تكره الناس حتى يكونوا مومنين" (سورۂ یونس) اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو زمین کے تمام باشندے ایمان لاتے، تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لائیں۔ "انما على رسولنا البلاغ المبين" بلاشبہ ہمارے رسول کے ذمّہ صرف یہ کام ہے کہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔

ہماری تاریخ گواہ ہے کہ جب تک ہم دین کی دعوت دیتے رہے اللہ ربّ العزت نے بحر و بر کو ہمارے لیے مسخّر کر دیا تھا، لیکن جب سے ہم نے دین کی دعوت چھوڑ دی ہے ہم اپنے شہر میں، اپنے گھر میں اور اپنے ملک میں اجنبی ہو کر رہ گئے ہیں، مسلمان یا تو داعی بن کر اپنی عظمتِ رفتہ کو حاصل کر سکتا ہے یا مدعو بن کر ذلیل وخوار ہو سکتا ہے، جب تک ہم دین کی دعوت دیتے رہے پوری نوع انسانی ہمارا احترام کرتی رہی لیکن جب سے ہم نے دین کی دعوت ترک کر دی تو دنیا ہم کو اپنے نظامہائے باطل کی طرف دعوت دے رہی ہے، صرف دعوت ہی نہیں بلکہ اپنے نظامہائے باطل کو قبول کرنے پر مجبور کر رہی ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کر لیں تو ہمیں دین کی دعوت اور حق کی تبلیغ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

☆☆☆☆

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کا طریقۂ کار

علامہ قمرالحسن قادری ★

دعوت وتبلیغ کا دائرہ کار جتنا وسیع ہے، اتنا ہی مشکل بھی۔ اس میں مختلف انواع واقسام کے افراد سے سابقہ پڑتا ہے، جو نفسیاتی طور پر مختلف ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں اور ہر ایک کا طریقۂ فہم بھی جداگانہ ہوتا ہے۔ اور طبائع کا اختلاف مناہجِ دعوت پر اثر انداز بھی۔ اس لیے ایک داعی اور مبلغ کے لیے چشمِ بصیرت ناگزیر ہے۔ وہ پہلے ماحول کا گہرائی سے جائزہ لے، ضرورتوں کو محسوس کرے اور نظریات کا تجزیہ کرے، پھر اپنی دعوت کا آغاز کرے تو اس کے ثمرات کی امید کی جاسکتی ہے۔ اگر ان اُمور سے قطع نظر کرلیا جائے تو دینی تبلیغ کے ثمرات بے نتیجہ ہوجاتے ہیں۔ پھر ماحولیاتی اعتبار سے ضرورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، تو اس کا لحاظ بھی انتہائی اہم اور ناگزیر ہوجاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ہر جگہ طبقاتی ماحول میں ایک سا عمل جاری ہو بلکہ جگہ جگہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ مثلاً برصغیر میں دعوت وتبلیغ کے مناہج مختلف ہیں بہ نسبت یورپ اور امریکہ کے۔ کیوں کہ وہاں ایک خاص ذہن خاص منہج پر رواں دواں ہے جبکہ یورپ اور امریکہ میں یہ مناہج چند در چند ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی مخاطب کا معیار ومستویٰ بھی معلوم ہونا چاہیے۔ ان تناظرات میں دعوت کا طریقۂ کار کئی جہتوں میں پھیل جاتا ہے۔

(۱) عموم کی دعوت (۲) خصوص کی دعوت

(۱) عموم کو دعوت دینے میں سادگی، تواضع، سیدھے سادے الفاظ اور عملی اقدامات کی اثر انگیزی لازم ہے تاکہ ایک کاشت کار، ایک تاجر یا ایک عام آدمی اس کو قبول کرسکے۔ ایسے لوگ عموماً خوفِ خدا اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر جلد قبول کرلیتے ہیں۔ کیوں کہ ان طبائع میں سادگی اور واقعیت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں میں دعوت وتبلیغ بہت آسان ہے۔ سیدھے سادے، عام سے الفاظ میں مافی الضمیر کو ان کے ضمیر میں اُتار دیا جائے تو اُن کی دنیا بدل جاتی ہے۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ اُن کو دلائل سے قائل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام اور اولیائے کاملین کا تذکرہ ہی کافی ہوتا ہے۔ اپنے رسول اور صحابہ کرام سے اُن کا عشق اتنا راسخ ہوتا ہے کہ اس میں کسی طرح کی آمیزش ان کو گوارہ نہیں ہوتی۔ ان کے سامنے اگر اتنا کہہ دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ یا اُس کے رسول نے فرمایا ہے تو اُن کی پیشانیاں عقیدت و نیاز مندی میں جھک جاتی ہیں۔ تبلیغی جماعت نے ان سادہ لوح مسلمانوں کو نماز اور دُرود ہی کے حوالے سے یرغمال بنایا۔ اگر ان کے سامنے یہ سادگی وپُرکاری نہ استعمال کی گئی ہوتی اور اولین مرحلے میں اپنا مدّعا بیان کردیا گیا ہوتا تو تبلیغی جماعت کی دال کبھی نہ گلتی۔ مگر دُرود وسلام اور بزرگوں کی نیاز مندی ہی کی حکایتِ دل سوز سُنا کر ان کا معتقداتی اغوا کیا گیا ہے۔

(۲) مگر خصوص کو دعوت دینے میں بہت سارے جتن کرنے پڑیں گے۔ اُن کے یہاں تواضع کا عمل کبھی تو موثر ہوجاتا ہے اور کبھی نہیں۔ ان کے یہاں مشاہدات اور دلائل دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے اپنے مخاطب کے مستویٰ (Status) کے لحاظ سے اب اس کو مطمئن کرنے کے لیے دلائل دینا ناگزیر ہوگا۔ پھر وہ جس فیلڈ (Field) سے دل چسپی رکھتا ہو، اس کی تمثیلات کے پہلو دلائل کی قوت کو اور بڑھانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ مثلاً امریکہ یا یورپ میں مادّی وسائل کے بغیر کسی ذہن کو مطمئن کرنا مشکل کام ہے۔ اب یہاں اسی مادّی دلیل سے اس کی فکر سازی کی جائے تو زود اثر ثابت ہو۔ ہمارے ایک ملنے والے کہنے لگے کہ:

حضرت! اگر کوئی آدمی پرواز کرتے جہاز سے کود کر بچ جائے اور وہ ان امریکیوں میں تبلیغ کا کام کرے تو بہت کام یاب رہے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہاں کی طبائع کچھ اسی طرح کی ہوتی ہیں۔ تو تبلیغ میں کچھ مبادی اصول اس طرح کے بھی جاننے چاہیے۔ کیوں کہ قرآن وحدیث کو وہ شخص کبھی بھی قبول نہیں کرے گا جو ایک آزاد ذہن اور غیر مسلم ہے۔ اس تناظر میں دعوت وارشاد کے لیے مندرجہ ذیل اُمور نگاہوں کے سامنے آتے ہیں:

(۱) مسلمانوں میں تبلیغ کا طریقۂ کار اور اصول

(۲) غیر مسلموں میں تبلیغ کا طریقۂ کار اور اصول

(۳) مشرقی ممالک میں تبلیغ کے مناہج اور اُن کا طریقۂ کار

(۴) مغربی ممالک میں تبلیغ کے مناہج اور اُن کا طریقۂ کار

پھر لسانی حیثیت سے بھی اس کا جائزہ لینا ہوگا کہ مبلغ کو جس خطۂ ارضی میں مقرر کیا جائے وہاں کی ثقافت، ذہنیت، رسوم، زبان اور تہذیبی اُٹھان کا بھی اندازہ ہونا چاہیے۔ تاکہ مبلغ جب کسی ایسی زمین میں جائے جو بالکل ہی اجنبی ہو اور اس کو اسلام کی ابجد سے بھی ناواقفیت ہو تو وہاں کس طرح کام کرنا ہوگا؟ ایسے ماحول میں زبان کا عبور تبلیغ کی کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔ اور ان جگہوں پر ایسے ہی مبلغ مقرر کیے جانے چاہیے تاکہ داعی اپنے مافی الضمیر کو سہل تر انداز میں سمجھا سکے اور ذہن میں اُتار سکے۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ زبان کی عدم واقفیت سے دین کی ترویج سُست تر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ترجمان کے ذریعے یہ کام کیا جاسکتا ہے، بلکہ کیا جاتا ہے مگر مبلغ کے اپنے خیالات کو اپنی فہم اور انداز سے جتنا اچھا خود مبلغ بیان کرسکتا ہے، دوسرا نہیں کرسکتا۔ بلکہ بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں جو خالص اصطلاحی ہوتے ہیں، اُس وقت ترجمان کو بڑی دقّت کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ اس کو اپنی فہم کے مطابق ایک طویل دائرہ میں سر کرتا ہے، پھر سامعین کو آگاہ کرتا ہے۔

یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کے لیے ایک اور کام بھی ہونا چاہیے۔ ہم نے امریکہ میں دیکھا ہے بعض تنظیمیں جو اپنے کنونشن کرتی ہیں تو اُن کا دائرہ کار اور طریقۂ تبلیغ بڑا وسیع اور عجیب ہوتا ہے۔ مگر اُس سے انھوں نے بچوں کی نفسیات پر گرفت مضبوط کر لی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کبھی ایک لیکچر ہو جاتا ہے، پھر بچے مل کر کھیلتے ہیں اور اُس کے بعد پھر دوسرا لیکچر جوائن (Join) کرتے ہیں۔ یہ دراصل مغربی ممالک کے بچوں کی نفسیات کے اعتبار سے ضروری ہے، تاکہ بچہ بور نہ ہونے پائے اور اس کی دل چسپی کا تسلسل باقی رہ جائے۔ ورنہ مسلسل تقریر و درس سے وہ اُکتا جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد ان کا دماغ منتشر ہو جاتا ہے۔ اب اُن کے سامنے کسی طرح کی بھی بات کی جائے، وہ بے سود ہے۔

تبلیغ کے دو مختلف میدان: دعوت و تبلیغ کے لیے جو ذہن سازی کی جائے اس میں دو اُمور کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ تبلیغ کا میدان کیسا ہے اور اُس کے مخاطبین کون لوگ ہیں؟

(۱) غیر مسلموں میں تبلیغ

(۲) گمراہ و بدعقیدہ لوگوں میں تبلیغ

غیر مسلموں میں تبلیغ: غیر مسلموں میں تبلیغ کے لیے سب سے پہلے تقابلِ ادیان کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ کیوں کہ جب تک مخاطب کے عقائد و نظریات اور مذہب کی گہری معلومات نہیں ہوگی تو اُس کے سوالوں کا جواب بن نہیں سکے گا۔ اُس وقت اُس کو قرآن و حدیث کے دلائل سے مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ وہ قرآن و حدیث کو مانتا ہی نہیں۔ ہاں، اُس تقابل میں اسلام کی ترجیحات کو بیان کرکے اُس کے معتقدات کو راسخ کیا جائے۔

ایک اور بات جو مدنظر رکھنی ہوگی وہ یہ کہ جب بھی کسی غیر مسلم کو دین کی دعوت دی جائے تو صرف بنیادی اصولوں ہی پر گفتگو کی جائے۔ اس کو تفصیلات میں نہ اُلجھایا جائے۔ ورنہ وہ بدک جائے گا۔ جب بنیادی اُصول پر وہ کاربند ہو جائے تو بالتدریج اس کو تفصیلات کی طرف لایا جائے۔ یہاں امریکہ میں کئی بار ایسا دیکھنے کو ملا کہ کوئی اسلام قبول کرنے آیا اور جب اس کے سامنے اسلام کی پابندیاں بیان کی گئیں تو وہ گھبرا کر بول اُٹھا کہ ''میں یہ نہیں کرسکوں گا۔''

علاوہ ازیں ان امور کو انجام دینے کے لیے لب و لہجے میں بڑی ملاطفت، نرمی اور حسنِ محبت کا جوہر غالب رہنا چاہیے۔ ویسے بھی ایک مبلغ کو متواضع، نرم گو اور حسنِ اخلاق کا پیکر ہونا چاہیے۔

علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ تفسیر روح البیان، جلد پنجم ص ۳۴۰، سورۂ مریم زیر آیت ۵۰ میں رقم طراز ہیں:

''اس آیت میں کئی اشارے ہیں۔ انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ: نرمی اور حسنِ خُلق بھی ہو۔ کیوں کہ حق کی طرف رہنمائی کرنے والے کے لیے واجب ہے کہ وہ رقیق ہو، کیوں کہ سختی سامع کے اعراض کو واجب کر دیتی ہے۔ اور حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب وحی فرمایا: اے خلیل! حسنِ اخلاق برتو اگرچہ کفّار کے ساتھ ہو۔ تو ابرار کی جگہ میں داخل ہوگے، اس لیے کہ میری بات اس شخص کے لیے سبقت کرگئی ہے جو حسنِ اخلاق کا حامل ہے کہ اس کو اپنے عرش کے سایہ میں رکھوں گا، اور حظیرۃ القدس میں اس کو ٹھہراؤں گا اور اپنے قرب میں اس کو قریب کروں گا۔''

اس سے ایک غیر مسلم کے اندر اسلام کا وقار، اس کی عظمت اور اہمیت پیدا ہوگی۔ چنانچہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آج یورپ اور امریکہ میں لوگ اسلام کو بہت پڑھ رہے ہیں۔حتیٰ کہ ابھی عارف رومی حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ پر امریکہ میں بڑے بڑے سمپوزیم منعقد ہوئے اور اُن کی مثنوی کو کثرت سے لوگوں نے مطالعہ کیا اور کر رہے ہیں۔

ایک واقعہ: خود میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ایک انگریز جو کٹر عیسائی تھا، وہ میرے پاس ملنے آیا۔اور بتایا کہ میں اسلام کے بارے میں کچھ پڑھ چکا ہوں اور مزید کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ میں نے اُس سے پوچھا کس طرح کی معلومات تم کو چاہیے؟ اُس نے بتایا، صوفی ازم کے بارے میں۔ میں اپنی لائبریری سے تصوّف پر انگلش کی بعض کتابیں نکال کر دیں اور کچھ دیگر کتابیں بھی اسلام کے بارے میں۔اُس نے اپنا بیگ کھولا اور کئی کتابیں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں۔اُس میں مولانا روم کی مثنوی کا انگریزی ترجمہ بھی تھا۔اُس کو میں نے پھر سمجھایا۔ وہ چلا گیا۔پھر کچھ دن بعد دوبارہ آیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا بات تھی کہ تم ایک کیتھولک عیسائی ہو، تمھارا باپ بھی کٹر عیسائی، سارا گھر عیسائی۔تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟ اُس نے بتایا کہ میں نے ڈھیر سارے مذاہب کا مطالعہ کیا مگر جو چیز میں تلاش کر رہا تھا، وہ مجھے سوائے اسلام کے کہیں نہیں ملی۔ میں چاہتا ہوں کہ نفسیاتی طور میں خود کو بدل دوں۔ میں اندر سے بدلنا چاہتا ہوں۔ میرے ماں باپ بلانوش تھے۔ مجھے وہ ماحول بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ پھر ایک بزرگ نقشبندیہ سلسلے کے ملے، انہوں نے مجھے کچھ راہ دکھائی، میں وہابی نہیں ہوں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تصوف کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔میری عمر ۳۸ سال ہے۔وغیرہ۔پھر اسلامی لباس میں ملبوس مسجد میں نمازیں پڑھتا رہا اور رمضان المبارک کا روزہ بھی رکھتا رہا۔میں نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔

اس لیے غیر مسلموں میں تصوفِ اسلامی کے ذریعہ کام آنا کامیاب ہوسکتا ہے، اگر تصوف اسلامی پر گہری نظر ہو اور حسنِ تدبیر اور حسنِ عمل سے مخاطب کے دل میں جگہ بنائی جائے تو ان شاءاللہ تعالیٰ دوررس نتائج برآمد ہوں گے۔

گمراہ و بدعقیدہ لوگوں میں تبلیغ: گمراہ اور بدعقیدہ لوگوں میں تبلیغ بہ نسبت اول کے زیادہ مشکل اور صبر آزما ہے، کیوں کہ یہاں قدم قدم پر قرآن وحدیث کے حوالے اور غلط تاویلات کی گرم بازاری ہوتی ہے۔ وہابی، سلفی، غیر مقلد، دیوبندی، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور چکڑالوی وغیرہ قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں بات کرتے ہیں اور اپنے مقصد کی آیات کو وہ اس قدر ازبر رکھتے ہیں کہ بات بات میں قرآن کی کوئی آیت اور صحاح کی کوئی حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ طُرّہ یہ کہ اُس کے ظاہری معنی ہی مراد لیتے ہیں، جس سے مخاطب بہت جلد اُن کے دامِ تزویر میں پھنس جاتا ہے۔حالانکہ جب گہرائی اور تعمق نظری سے اُس کا جائزہ لیا جاتا ہے تو بات کچھ اور ہی ہوتی ہے۔اس لیے اس گروہ میں دعوت وارشاد کے لیے بڑا وسیع مطالعہ اور دقیق فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔اپنے موقف کا اثبات کتاب وسُنّت سے کرنے کے ساتھ ساتھ خود اُن کی کتابوں کا مطالعہ میں ناگزیر ہے، تاکہ بحث ومباحثہ میں معارضہ کے طور پر مقابل کو خاموش کیا جا سکے۔ جیسا کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی کتاب ''زلزلہ'' اور ''زیروزبر'' ہے۔اس قماش کے لوگ اب نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

یہاں ایک اور بات بھی مبلغ کے لیے از بسکہ ضروری ہے کہ دورانِ تبلیغ اپنی ذات کو ملحوظ نہ رکھے، بلکہ صرف مذہبِ حق ہی نگاہ میں ہو۔اس لیے کہ اگر اپنی ذات کو مرکزی عمل بنادے گا تو اُس کا نفس اُسے جذباتیت پر اُبھارے گا اور یہ اس کی ناکامی کا سبب بن جائے گا۔اور جب دین ہی سب کچھ ہوگا تو اپنی ذات منفی ہو جائے گی اور اُس وقت دین کی عظمت اور اُس کا آفاقی کردار بلند تر ہوتا چلا جائے گا۔

ایک تجربہ کار عالمِ دین نے یہ بات کہی کہ:

''سُنّی علما جب تقریر کرتے ہیں تو اُس وقت سارے مجمع کو گمراہ فکر ونظر کا حامل گردان کر جیسے مناظرہ کر رہے ہوں۔ اس لیے ہماری تقریروں کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ہم کو چاہیے کہ مثبت انداز میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے موقف کو انتہائی نرم لب ولہجے میں سنجیدگی سے بیان کریں۔تو ان شاءاللہ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔''

اس لیے مقصود حق کا بیان کرنا اور سچائی کو لوگوں تک پہنچانا ہونا چاہیے۔اب اگر کوئی سوال وجواب کرنا چاہے تو اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔ جو اختلافی بحثیں اوّل روز سے قائم ہیں وہی آج بھی ہیں اور انھیں کو ہر جگہ چھیڑا جاتا ہے۔الحمدللہ اس پر ہمارے علمائے

کبار نے اتنا لکھا ہے کہ اگر اس کا مطالعہ کرتے رہا جائے تو سارے اعتراضات دھول ہو جائیں۔

یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ گفتگو کے دوران لہجے کی شائستگی کو کنٹرول میں رکھا جائے، تاکہ سامعین ایک خوش گوار موڈ میں سماعت کر سکیں اور اثر بھی قبول کریں۔ ورنہ لہجے کی ترشی مخاطب کو متنفر کر دے گی اور بجائے اس کے کہ وہ آپ کی بات سُنے، آپ سے دور ہو جائے گا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شرعی گرفت حصار کھینچ رہی ہوتی ہے، مگر معاملات انتہائی نزاکت آمیز ہو جاتے ہیں، اُس وقت اس طرح سے گفتگو کی جائے کہ مطمح شرع مجروح نہ ہونے پائے اور مخاطب متکلم کو کمزور نہ سمجھنے پائے۔

عموماً لوگ داعی کو پہلے شرعی اصول پر جانچتے ہیں، پھر اُس کی بات سننا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے داعی کے اوصاف میں سے پہلا مرحلہ صبر کا ہے۔ اپنا مافی الضمیر کہنے اور دوسرے کے ذہن میں اُتارنے تک صبر کی وہ بالغ صلاحیت درکار ہے، جو کسی صاحبِ بصیرت کا جزوِ حیات بن جائے۔ ہمارے اسلاف نے صبر کے اُسی جُرعۂ تلخ کو پی کر دین کی شمعیں روشن کی ہیں۔ وگرنہ جذباتیت بلبلے کی شکل میں اُٹھتی ہے اور لمحوں کے بعد فنا ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عزتِ نفس کو داؤ پر لگایا جائے۔ اور فروتنی کی اس منزل پر لا کھڑا کیا جائے جو ایک داعی کے وقار کے منافی ہو۔ بعض حضرات فروتنی، تواضع، صبر و قناعت پسندی کو غلط معنی میں لے لیتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ عجز و فروتنی برقرار بھی رہے اور وقار مجروح ہونے سے محفوظ بھی رہے۔ اسی لیے حالات اور ماحول کی مراعات ازبسکہ ضروری ہے۔

ایک اور بات بھی انتہائی اہم ہے کہ مرعوبیت کا شائبہ بھی پیشانی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ وگرنہ ذہن احساس کم تری کا شکار ہو جائے گا اور جو بات کہنی مقصود ہے، وہ زبان تک نہ آ سکے گی۔

ایسا بھی دیکھا گیا ہے: کہ کبھی حالات کے دباؤ میں آدمی نفسیاتی طور پر احساس کم تری کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایک مسلم مناظر کو بحث و مباحثہ کے لیے امریکہ لایا گیا۔ تو گفتگو کے کمرے میں صوفے، ماحول، روشنی وغیرہ کا ایسا انتظام کیا گیا تھا جس سے ذہنی دباؤ ہوتا ہے۔ مسلم عالم کو اُس کمرے میں رکھے ہوئے صوفے پر جب بیٹھایا گیا تو اس کی نرمی، خوش بو اور ساحرانہ ماحول نے اُس کے دماغ پر ایسا قبضہ کیا کہ وہ بحث نہیں کر سکا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے چلا گیا۔ جس کا اُلٹا اثر ہوا۔ اس لیے داعی کو ذہنی طور پر کبھی بھی مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔

مگر با ایں ہمہ عصرِ رواں میں مبلغ کے لیے جو چیز کشش رکھتی ہے، وہ تصوف کی پاکیزگی ہے۔ ذکر و فکر، شغل و اشغال، تزکیۂ نفس، تطہیر قلب اور حیا و پاکیزگی سے بنجر دلوں میں بھی علم و عمل کا لالہ زار تیار کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ عظیم طریقۂ کار تھا، جس نے اسلاف کو اس راستے پر لگا دیا۔

امریکہ میں ایک صاحبِ دل کی تبلیغ: یونائٹیڈ اسٹیٹ کا ایک زرخیز صوبہ جو نیویارک سے قریب ہے۔ اس کو پین سلوانیا (Pennysylvania) کہتے ہیں۔ اس کا مرکزی مقام فیلاڈلفیا (Philadelphia) ہے۔ آج سے کوئی تیس پینتیس سال قبل ایک صاحبِ دل بزرگ بابا محی الدین سری لنکا سے وارد ہوئے تھے۔ وہ صرف اپنی زبان جانتے تھے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری زبان ان کو نہیں معلوم تھی، مگر پین سلوانیا کے جنگلوں میں فیلاڈلفیا کے پاس انھوں نے اسی ذکر و فکر سے لوگوں کے دلوں کی کایا پلٹ دی۔ اور یہاں کے متعصب گورے جن کو ریڈ نیک (Redneck) کہا جاتا ہے، انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اور کوئی چار سے پانچ ہزار ایسے مسیحی اور یہودی تھے، جنھوں نے اُن کے روحانی تصرف کو قبول کیا۔ آج بھی اُن کا مزار فیلاڈلفیا میں مرجع خلائق ہے۔ لوگ دور دور سے زیارت کرنے آتے ہیں اور پورا ایک پروجیکٹ انھیں نومسلم گوروں کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے۔ لطف کی بات یہ کہ سری لنکائی زبان میں اُن کے کیسٹ آج بھی سُن کر وہ نومسلم اپنے دل کو گرماتے ہیں اور ہدایت پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة** ۔ اپنے رب کی راہ کی جانب حکمت اور عمدہ نصائح سے لوگوں کو بلاؤ۔ جب دین کو مقصود اور حاصل بنا لیا جائے گا تو راستے کی صعوبتیں رحمت اور مشکلات فضلِ الٰہی محسوس ہونے لگیں گی۔

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

☆☆☆☆